خلافتِ

ختم المُرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

کی روحانی و مادی جہتیں

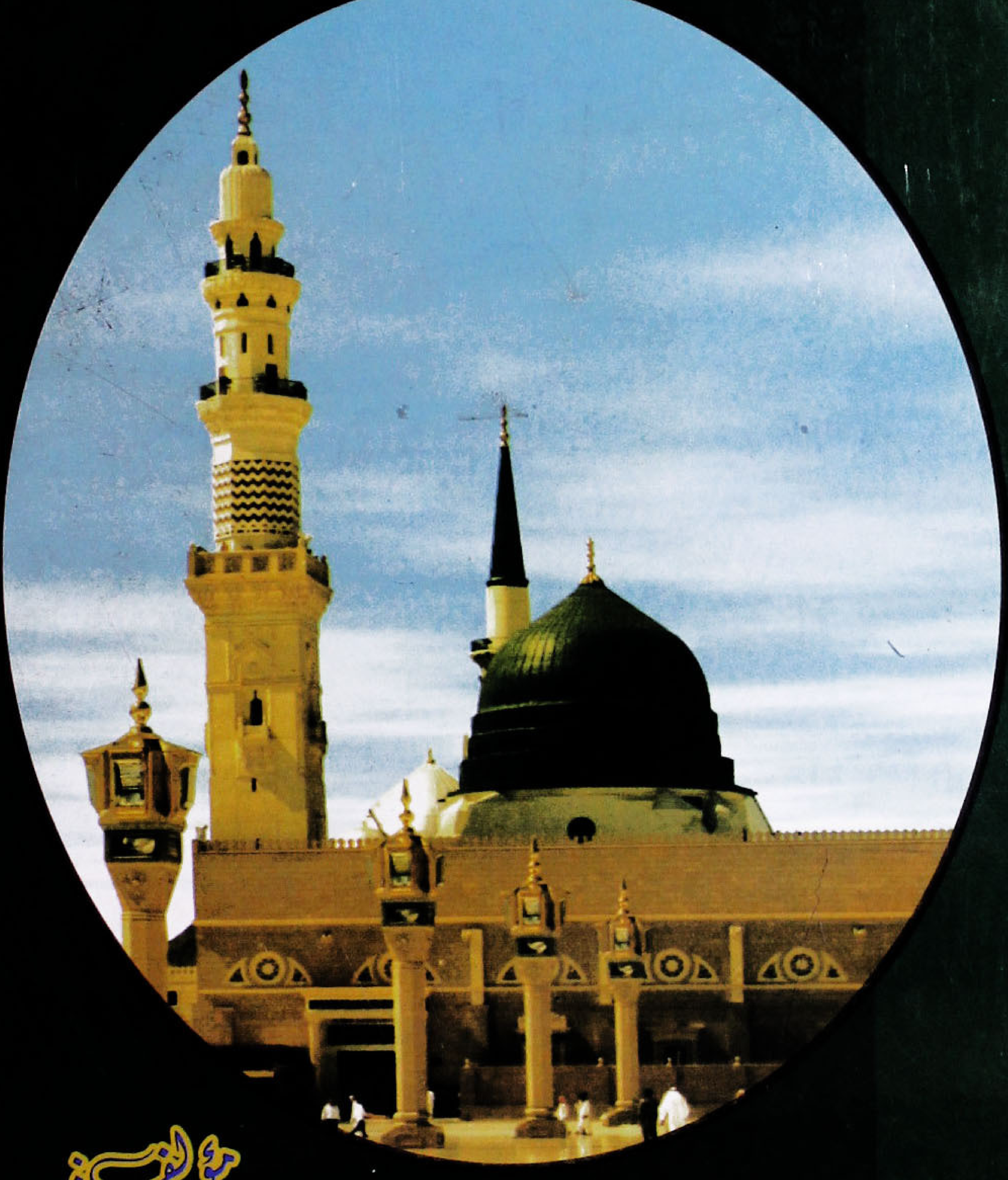

مؤلف:

ابو ناصر نبی احمد لودھی

297.04
خ 27 ن
۹۲۵۶۰
۲

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ناچیز مؤلف نے آپ ﷺ کی مدح سرائی کی

ترجمہ اقتباس درود مستغاث:

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے، اُن نعمتوں پر جو اُس نے پہلے فرمائی ہیں اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے اُن نعمتوں پر جو ابھی باقی ہیں۔ صلوٰۃ وسلام ہو اُس کے رسول محمد ﷺ پر جو ساری کائنات سے بہترین ہیں۔ یارسولؐ اللہ میں (ناچیز) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی ہے۔ نبی اُمیؐ پر اللہ کے درود ہوں۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کے (بے حد) پسندیدہ ہیں۔ آپؐ بارگاہِ الٰہی میں ہمارے لئے فریاد کرنے والے ہیں۔ اے اللہ کے پیارے رسولؐ! آپؐ پر صلوٰۃ وسلام ہو، آپؐ رسول ہیں کونین کے سردار ہیں، ہر بند دروازہ کھولنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فاتح بنایا ہے آپؐ بارگاہِ الٰہی میں ہمارے لئے فریاد کرنے والے ہیں۔ آپؐ پر درود وسلام ہو۔

(حقیر پُرتقصیر مؤلف کتاب ھذا)

زمہجوری برآمد جانِ عالم
ترحّم! یا نبیؐ اللہ! ترحّم!!

(جامیؒ)

خلافت ختم المرسلین ﷺ

کی روحانی و مادی جہتیں

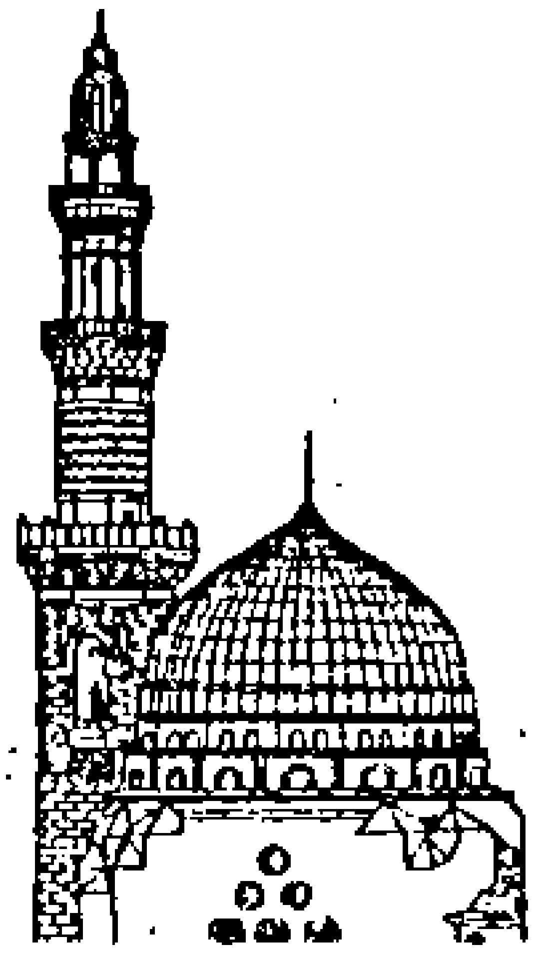

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر !
ما ہمچناں در اوّل وصفِ تو ماندہ ایم
(سعدیؒ)

تالیف

ابو ناصر نبی احمد لودھی

آگے بڑھو ہوا رُت کی رفتار روک دو

فانوس پبلی کیشنز
راولپنڈی ۔ پاکستان

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم !
دِل کی آزادی شہنشاہی شِکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دِل یا شکم؟
اے مسلماں ! اپنے دل سے پوچھ ' مُلّا سے نہ پوچھ
ہوگیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم ؟

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے !
جہاں ہے تیرے لئے ' تو نہیں جہاں کے لئے !
یہ عقل و دل ہیں شرر شعلۂ محبت کے لئے !
وہ خار وخس کے لئے ہے ' یہ نیستاں کے لئے !
نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو !
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لئے !
مرے گلو میں ہے اک نغمہ جبرئیل آشوب !
سنبھال کر جسے رکھا ہے لامکاں کے لئے !

بال جبریل

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰكُمْ (سورۃ الانعام : آیت ۱۶۵)

ترجمہ: ''اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا خلیفہ بنایا اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ جو کچھ اُس نے تمہیں بخشا ہے اُس میں تمہاری آزمائش کرے'' (سورۃ الانعام: آیت۔۱۶۵)

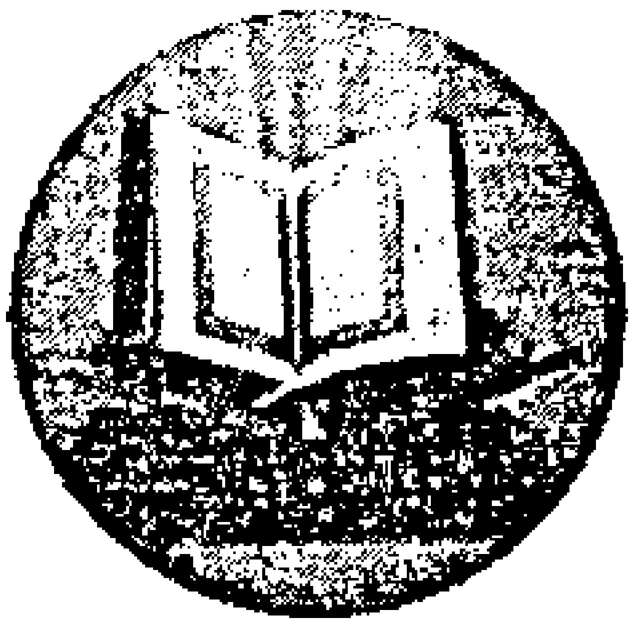

خلافت ختم المرسلین ﷺ

کی

روحانی و مادی جہتیں

○ ''گلدستۂ توصیفِ محمد، ختم الرسل ﷺ'' ○ ''عصرِ حاضر میں تلبیسِ ابلیس۔۔۔ جدید فکرِ اسلامی۔۔۔ ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ''
○ اور ''جاگتے لمحوں کی آواز'' جیسی وقیع اور معرکۃ الآرا کتابوں کے مؤلف کی ایک اور فکر انگیز، تحقیقی و دستاویزی کاوش

مؤلف

ابو ناصر نبی احمد لودھی

فانوس پبلی کیشنز راولپنڈی پاکستان
92-51-5581331
92-51-5510185

آگے بڑھو یا وقت کی رفتار روک دو

فانوس پبلی کیشنز

© جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

خلافت ختم المرسلین ﷺ

کی

روحانی ومادی جہتیں

مؤلف: اخوندزادہ ابوناصر نبی احمد لودھی چشتی نظامی السالمی
(فون: 92-51-5581331)

ISBN
969-8300-7

طابع: جمیل النبی ناصر

مطبع: الحرمین پرنٹرز 54/62 بینک روڈ راولپنڈی
(فون: 92-51-5510182۔۔ فیکس: 92-51-5510185)

ناشر: جمیل النبی ناصر: فانوس پبلی کیشنز A-960/6 عابد مجید روڈ راولپنڈی

باراول: جولائی 2010ء تعداد: 500 صفحات: 936

قیمت: -/700 روپے

کمپوزنگ: الحرمین کمپوزنگ سینٹر راولپنڈی صدر ـــــ تزئین سرورق: جمیل النبی ناصر

تصویر سرورق: قاضی طاہر ندیم کی گنبد خضرا سے قلبی عقیدت کی آئینہ دار

سٹاکسٹس

کراچی دیرون ملک کیلئے بھی رابطہ کریں

ملت	اسلامک بک	مکتبہ نبویہ	ضیاء القرآن
پبلی کیشنز	کارپوریشن		پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد	اقبال روڈ راولپنڈی	داتا گنج بخشؒ روڈ لاہور	داتا گنج بخشؒ روڈ لاہور
051-2254111	051-5583111 051-5552781	0300-4235658	042-37221953

ناشران: فانوس پبلی کیشنز A-960/6 عابد مجید روڈ، راولپنڈی کینٹ
فون: 051-5583146, 051-5510185

آپ ملک بھر میں اپنے قریبی کتب فروش سے طلب فرمائیں۔

خلافت ختم المرسلین ﷺ

کی

روحانی و مادی جہتیں

فہرست مضامین

صفحات نمبر	مضامین کی تفصیل	نمبر شمار
41	انتساب: بنام دیوان سید آل رسول علیخاںؒ سجادہ نشین اعظم اجمیر شریف (مؤلف)	۱۔
49	دعوت فکر و عمل: منظوم کلام (شاہ محمد سبطین شاہجہانی)	۲۔
50	سپاس تشکر (مؤلف کے قلم سے)	۳۔
53	ابتدائیہ اسلام، تصورِ خلافت اور تصوف: (تحریر: پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی)	۴۔
58	پروفیسر ڈاکٹر طفیل احمد قریشی کا تعارف اور اُن کا مؤلف کے نام فکر انگیز مکتوب	۵۔
60	نقش راہ: جستجوئے حق کے مسافروں کی اصل منزل (تحریر: پروفیسر ڈاکٹر طفیل احمد قریشی)	۶۔
70	نشان منزل: خلافتِ ختم المرسلین ﷺ کی روحانی و مادی جہتیں (تالیف ھٰذا کے مختصر جائزہ کے ساتھ اضافی مضامین کے طور پر شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ، شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ، امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ، حضرت امام غزالیؒ کے افکار و نظریات اور حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے نظریہ تصوف و خلافت اور غلام احمد پرویز کے موضوع پر تجزیاتی اشارات): (مؤلف کے قلم سے)	۷۔
178	بلبل چہ گفت: مسودہ کتاب ھٰذا پر کیے گئے بعض اعتراضات کے جوابات اور پیش کیے گئے اشکالات کی وضاحتیں (مؤلف کے قلم سے)	۸۔
210	سر دلبراں: خلافت ختم المرسلین ﷺ کی روحانی جہت کے امین و مادی جہت کے نگران صوفیۂ عظیم الشان۔۔ (تحریر: جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ)	۹۔
230	مختصر سوانح حیات و کارہائے نمایاں جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ: (مؤلف کے قلم سے)	۱۰۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور خلیفۃ اللہ فی العالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	236
(۱) شکر ہے ذاتِ سبحانہٗ وتعالیٰ کا	236
(۲) سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں	236
(۳) اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی صفاتِ عالیہ	236
(۴) اللہ بزرگ و برتر پروردگارِ عالم ہے	237
(۵) قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ ہی خالق جن و انس ہے	237
(۶) اللہ خالق ہے تو عبادت کا سزاوار بھی وہی ہے	237
(۷) اللہ پر یقین رکھو، شیطان کے پیچھے چل کر جہنمی نہ بنو	237
(۸) سن لو کہ یہ شیطان جھوٹا اور فریبی ہے	237
○ اللہ کے خلیفۂ اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام	239
(۹) حضورؐ پر درود و سلام بھیجو، حکم باری تعالیٰ	239
(۱۰) جو امتی ایک بار درود بھیجے گا، اللہ اس پر دس بار سلام بھیجے گا	240
(۱۱) حضورؐ باعثِ تخلیق کائنات اور اول المسلمین ہیں	241
(۱۲) حضورؐ کی ذات گرامی اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم	244
(۱۳) تمام انبیاءؑ سے حضورؐ پر ایمان لانے کا وعدہ لیا گیا	244
(۱۴) حضورؐ دعائے خلیل اللہ و ذبیح اللہ علیہم السلام ہیں	245
(۱۵) حضورؐ کی ذاتی رائے اور حکمت کی تعلیم میں فرق	246
(۱۶) حضورؐ بشر ہیں جن پر وحی کی گئی	247
(۱۷) حضورؐ کی بعثت نسل انسانی پر احسانِ عظیم ہے	247
(۱۸) خلیلؑ اللہ کے جائز وارث حضورؐ ہیں	248
○ عظمتِ شان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی نگاہ میں	248
(۱۹) حضورؐ کی اطاعت و اتباع کی اہمیت	250
(۲۰) حضورؐ کا علم لدنی	252

(۲۱) تمام انبیاء اولیاء کے علوم آپؐ کے قلب میں: (مولانا رومؒ) 253
(۲۲) خلیفۃ اللہ فی العالم حضورؐ ہیں 253
(۲۳) انبیاء و مرسلین اور علماء اولیاء کا تعلقِ باہمی 253
(۲۴) اولیاء کا کشف و الہام اور علم حضوری 254
(۲۵) علم نجوم، طب، سحر، رمل وغیرہ کی شرعی حیثیت 258
(۲۶) مومنین اور سادھوؤں کے علم میں فرق 261
(۲۷) قرآن حکیم کے مطابق منازلِ سلوک 262
(۲۸) تمام عزت و وقار، اللہ، رسولؐ اور مومنین کیلئے ہے 268
(۲۹) حضورؐ سے محبت اور اس کے تقاضے 268
(۳۰) فتح کیلئے حضورؐ کے وسیلہ سے دعا 271
(۳۱) حضورؐ کی شفاعت کے حقدار کون ہیں 274
(۳۲) حضورؐ سے مقامِ محمود پر فائز فرمانے کا وعدہ 276
(۳۳) مقامِ محمود اور احادیث شفاعت کی تفصیلات 279
(۳۴) حضورؐ کی تعظیم و تکریم کے احکام۔ 281

۱۲۔ باب 2 — 289 تا 317

○ کائنات ارضی کے اولین حکمران، جنّات

(خلافت آدمؑ پر فرشتوں کا اظہار تشویش اور ابلیس کے انکار کا پس منظر) 289
(۱) جنّات کون ہیں اور ان کے خصائص کیا ہیں 289
(۲) انسان کے مقابلہ میں جنّات کی حقیقت 294
(۳) انسان کو بجنے والی مٹی اور جان کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا 294
(۴) جنوں کے قرآن سننے کا سورہ الجن میں تذکرہ 295
(۵) رسول الثقلینؐ، جن و انس سب کے نبی ہیں۔ 296
(۶) سورہ الاحقاف میں جنّات کا ذکر 298

(۷) جنات کی حضورؐ کی خدمت میں حاضری 301
(۸) حضورؐ جنات کو تبلیغ کیلئے خود تشریف لے جاتے 301
(۹) جنات کی حقیقت کے بارے میں اہلسنت کی تحقیقات 302
(۱۰) متجددین، جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں 303
(۱۱) سورہ الحجر میں جنات کی تخلیق کا ذکر 304
(۱۲) سورہ الذاریات میں جنات کے مقاصدِ زیست کا ذکر 304
(۱۳) سورہ الرحمٰن میں انسانوں کے ساتھ جنات کا ذکر 305
(۱۴) جنوں کے سراسر گھاٹے میں رہنے کا سورہ الاحقاف میں ذکر 306
(۱۵) بعض جنات اہل کتاب سے تعلق رکھتے تھے 306
(۱۶) حضرت عمرؓ کے خطبہ میں ایک جن کا تذکرہ 307
(۱۷) سورہ الصافات و سورہ الکہف میں جنات کا تذکرہ 310
(۱۸) سورہ الانعام میں جنوں میں سے انبیاء مبعوث ہونے کا ذکر 310
(۱۹) جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی رائے 311
(۲۰) علامہ قاضی محمد ثنا اللہ پانی پتیؒ کی رائے 312
(۲۱) مولانا صلاح الدین یوسف کی رائے 312
(۲۲) مولانا امین احسن اصلاحی کی رائے 313
(۲۳) سورہ النمل میں جنات کے لشکروں کا ذکر 315
(۲۴) سورہ سباء میں انسانی اور جناتی قوتوں کا تقابل۔ 316

۱۳۔ باب 3 — 318 تا 376

○ انسان کی اخروی فلاح کا واحد ذریعہ (اور)

مقصد تخلیق: عبادتِ الٰہی 318
(۱) مقصد تخلیق انسانی 323
(۲) پیغمبروں کی بعثت کا مقصود 328

(۳)	حضرت آدم علیہ السلام	329
(۴)	حضرت شیث علیہ السلام	329
(۵)	حضرت ادریس علیہ السلام	330
(۶)	حضرت نوح علیہ السلام	331
(۷)	حضرت ہود علیہ السلام	332
(۸)	حضرت صالح علیہ السلام	334
(۹)	حضرت ابراہیم (جد انبیاء) علیہ السلام	334
(۱۰)	حضرت اسمٰعیل علیہ السلام	335
(۱۱)	حضرت لوط علیہ السلام	336
(۱۲)	حضرت اسحاق علیہ السلام	336
(۱۳)	حضرت یعقوب علیہ السلام	336
(۱۴)	حضرت شعیب علیہ السلام	336
(۱۵)	حضرت یوسف علیہ السلام	337
(۱۶)	حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت ہارون علیہ السلام	337
(۱۷)	حضرت یوشع بن نون علیہ السلام	338
(۱۸)	لوشاقوس (صرف خلیفہ) علیہ السلام	338
(۱۹)	حضرت حزقیل علیہ السلام	338
(۲۰)	حضرت داؤد علیہ السلام و حضرت الیاس علیہ السلام	339
(۲۱)	حضرت سلیمان علیہ السلام	341
(۲۲)	حضرت ایوب علیہ السلام	342
(۲۳)	حضرت یونس علیہ السلام	344
(۲۴)	حضرت عزیر علیہ السلام	347
(۲۵)	حضرت زکریا علیہ السلام	348
(۲۶)	حضرت یحییٰ علیہ السلام	348
(۲۷)	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	350

(۲۸) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم 350
(۲۹) دنیاوی زندگی میں کامیابی کا زینہ: آزمائش: 352
(جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی رائے) 352
مولانا امین احسن اصلاحی کی رائے، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رائے 353
(۳۰) ہلاک شدہ قومیں (حافظ ابن کثیر کی رائے) 356
(۳۱) آزمائش کیلئے تیاری کا پس منظر 358
(۳۲) عہد الست میں انسان کیلئے سبق: 359
(مولانا امین احسن اصلاحی کا نقطہ نظر' علامہ قاضی محمد ثناء اللہ
پانی پتی کا تجزیہ، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی فکر ونظر)
(۳۳) اعتراف فطرتِ انسانی اور جبلت 366
(علامہ حافظ ابن کثیر کی نگاہ میں)
(۳۴) پیغمبروںؑ کی بعثت، ایک احسانِ عظیم 367
(۳۵) پیغمبروںؑ سے عہد اور اس کے مقاصد 367
(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور علامہ حافظ ابن کثیر کی تشریحات)
(۳۶) حضورؐ پر ایمان لانے کا تمام پیغمبروں کو حکم 369
(۳۷) انسانوں کو قرآن کا انتباہ 370
(۳۸) انسان کیلئے مدت عمل کا تعین 373
(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا خصوصی تجزیہ)

۱۴۔ باب 4 377 تا 407

○ انسان کا مقصدِ وجود اور خلافتِ آدمؑ پر ابلیس کا انکار
(۱) سورہ بقرہ کی دس آیات میں مقصدِ وجود کا تعین 377
(۲) انسان کی سرگزشت کا مرکزی نکتہ' خلیفہ کا تقرر 379
(۳) عام انسانی خلافت، حضورؐ کی جانشینی و نیابت 380
(علامہ ابن خلدون کی تشریح وتوضیح)

(۴)	منصب خلافت کا اہل انسان ہی کیوں؟	383
(۵)	قرآن میں پچیس مقامات پر آدمؑ کا ذکر	385
(۶)	انسانی تخلیق کے مراحل	389
(۷)	تخلیق آدم کی حکمتیں	390
(۸)	شیطان کی حقیقت اور انسان سے دشمنی کی وجوہ	393
(۹)	حضرت انسان کی عظمتیں اور سرفرازیاں	395
(۱۰)	کیا شیطان نظامِ خلافت منہدم کرنے میں کامیاب ہو سکا؟	396
(۱۱)	نظام کائنات میں گہری حکمت	398
(۱۲)	احیائے خلافت کیلئے تیاری کا معیار	399
(۱۳)	اصحاب صُفہؓ کی روشن مثال	400
(۱۴)	امت مسلمہ کی فکری ونظری بھول	401
(۱۵)	اُمّت کے ایک طبقہ کی گمراہی کا نکتۂ آغاز	403
(۱۶)	کیا قرآن کی غرض و غایت قیامِ حکومت ہے؟	403
(۱۷)	بندۂ خدا اور بندۂ زمانہ کے مابین کشمکش	404
(۱۸)	ظاہری اور حقیقی علوم کے مابین خطِ امتیاز	406
(۱۹)	خلافت کبریٰ کا تسلسل اور صوفیہ۔	407

۱۵۔ باب 5 — 408 تا 457

○ خِلافت کی رُوحانی اور مادی جہتیں

(یعنی خلافت کُبریٰ، خلافت صُغریٰ) 408

(۱)	خلافت کے لُغوی و اصطلاحی معانی	408
(۲)	مسئلہ خلافت پر مولانا ابوالکلام آزاد کا نقطہ نظر	408
(۳)	''الخلافۃ اوالامامۃ العظمیٰ''	409

(مفتی محمد عبدہؒ کے شاگرد خاص سید رشید رضا مصری کی تالیف میں خلافت وامامت کا بیان)

(۴)	حضورؑ جملہ انبیاء میں خلیفۂ اعظمؑ (روح المعانی)	410
(۵)	حکومت و فرمانروائی کسبی نہیں وہبی منصب	410
(۶)	خلیفۃ اللہ کا منصب ایک مقدس امانت	411
(۷)	قوموں کی فرمانروائی کیلئے الگ احکام الٰہی	411
(۸)	معاشرے میں عدل و انصاف کیلئے پنچ کی ضرورت (علامہ ابن خلدون کا نقطہ نگاہ)	411
(۹)	استحقاق و زوالِ حکومت کے قواعد و اصول	412
(۱۰)	مولانا ابوالکلام کے نزدیک عہد اجتماع و ائتلاف	413
(۱۱)	خلفاء راشدین کے بعد حضورﷺ کے وارث علماء و صُلحاء اصل اولی الامر	413
(۱۲)	اولی الامر اولیاء اللہ کا مقام	414
(۱۳)	خلافت کا تسلسل اولیاء امت کے دم قدم سے قائم	414
(۱۴)	ہمیشگی صرف رُوحانی جہت کو حاصل ہے	415
(۱۵)	مادی جہت سے اولیاء اللہ کیوں گریزاں رہے	416
(۱۶)	احادیثِ مبارکہ میں دنیا پرستی کی تکذیب	416
(۱۷)	بادشاہ نہ ہونے کے باوجود بادشاہوں کے آقا	419
(۱۸)	حکومت نہ ہونے کے باوجود زمین کے وارث	420
(۱۹)	دنیاوی حکومتیں عارضی و فانی (کتبِ سابقہ کی شہادتیں)	422
(۲۰)	سید مودودی کے نزدیک وراثت زمین کا حقیقی مفہوم	426
(۲۱)	زمین اللہ کی جسے چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے (ابن کثیر)	429
(۲۲)	تمکین فی الارض کا اصل مقصد اللہ کی عبادت (ابوالکلام)	430
(۲۳)	تمکین فی الارض کا وعدہ پورا ہو چکا (جسٹس الازہریؒ)	431
(۲۴)	خلافت علیٰ منہاج النبوۃ اور امام مہدیؑ	431
(۲۵)	خلافت کبریٰ کے تسلسل میں شمولیت کی اہلیت	433
(۲۶)	خلافت کا تسلسل کیوں ضروری تھا؟	437

(۲۷) خلافت کا تسلسل اور صوفیہ کے سلاسل 439
(۲۸) اقتدارِ باطل: امام حسینؓ کی نظر میں 440
(۲۹) خادم بن کر رہنے سے خدا مخدوم بنا دیتا ہے (سید خورشید گیلانی) 442
(۳۰) سلاطین عصر، فقراء کے قدموں میں 443
(تاریخ سے چند حیرت انگیز مثالیں)
(۳۱) خلافتِ ختم المرسلین ﷺ: 450
امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ کے فکر و نظر کی روشنی میں

۱۶۔ باب 6 458 تا 493

○ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا پہلا دور ختم ہونے پر تصوف کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

(صوفیہ نے کارِ نبوت کو اولی العزمی سے پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا)

(۱) دو اہم حقیقتیں: اجتماع و ائتلاف اور اشتات و انتشار 458
(۲) اجتماع ائتلاف کی ضد: موت و فنا 459
(قرآن حکیم میں کیفیتِ انتشار پر دلیل)
(۳) حضورؐ کے بعد خلفاء راشدینؓ کی خلافت خاصہ یا امامتِ کبریٰ 460
(۴) کارِ نبوت یا امامت کبریٰ کے خصائص 461
(تلاوت آیات، تزکیۂ نفوس، تعلیمِ کتاب و حکمت)
(۵) خلافتِ خاصہ کے فرائض کی انجام دہی کیلئے اصحاب تصوف میدان میں 461
(۶) خلافتِ راشدہ کے بعد منصب اولی الامر کی تین حصوں میں تقسیم 462
(نظم و انصرام مملکت، قضاۃ و اجتہاد، تزکیۂ نفوس)
(۷) احادیث میں خیر و فلاح کے دور کا تعین 464
(دور صحابہؓ، دور تابعینؒ، دور تبع تابعینؒ)

(۸)	قیام وانصرام تسلسل خلافت: معرکۂ حق و باطل میں صلحاء کا کردار	465
(۹)	خلیفۃ اللہ اور خلیفۃ الرسولؐ میں فرق	467
(۱۰)	حقیقی اولی الامر۔ صلحاء وعلماء (رسول ﷺ کے وارث: صلحاء وعلماء)	468
(۱۱)	تصوف کی اساس۔ قرآن وسنت (اصل مقصود: انسان کو اللہ کا تابع فرمان بنانا)	468
(۱۲)	سیدھے ہاتھ میں قُرآن، بائیں میں سُنتِ مصطفیٰ (پہلا رکن شریعت، دوسرا سنت، تیسرا اجماع)	469
(۱۳)	سلاسلِ طریقت: قرُونِ اولیٰ تا حال	470
(۱۴)	سلاسلِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم	470
(۱۵)	سلاسلِ تابعینؒ	472
(۱۶)	سلاسلِ ائمہ مجتہدینؒ	472
(۱۷)	تصوف کے چودہ خانوادے	473
(۱۸)	سلاسل طریقت کی مزید تقسیم	474
(۱۹)	سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی ابتداء اور وجہ تسمیہ	475
(۲۰)	سُلطان الہندؒ کی اولادِ امجاد کا سلسلۂ طریقت' خاندان چشت اہل بہشت سلطان الہندؒ	476
(۲۱)	شجرۂ نسبی زیب سجادہ اجمیر شریف سید آل حبیب علی خاں (مدظلہ العالی)	478
(۲۲)	کون سی وادی میں ہے، کون سی منزل میں ہے۔	478
	عشق بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں	478
(۲۳)	سلسلۂ عالیہ چشتیہ مؤلف کتاب ھٰذا	480
(۲۴)	نسبی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مؤلف کتاب ھٰذا	489
(۲۵)	سلسلہ عالیہ طریقت قادریہ، مؤلف کتاب ھٰذا۔	493

۱۷۔ باب 7 — 494 تا 543

○ امت مسلمہ کی اجتماعی تنظیم وتہذیب
میں صلحائے امت یعنی صوفیہ کا کردار وعمل

(۱)	امت کی شیرزاہ بندی اور صلحاء واصفیاءِ امت'	494

تجدید واحیاءِ دین اور اصحاب دعوت وعزیمت

(۲) تصوف سے متعلق برٹینڈرسل کا قول : 495
(فلسفے کیساتھ تصوف کی ضرورت کا اعتراف)
(۳) تصوف اسلام کی روح اور ایمان کا جوہر: 495
(پروفیسر یوسف سلیم چشتی) اللہ سے رابطے کا واحد ذریعہ۔ اہل اللہ
(۴) مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ادوار میں روشنی کی کرن 496
(مستشرقین : پروفیسر ہٹی، پروفیسر گب کے اعترافات)
(۵) ملی زندگی کے مشکل لمحات میں صلحاء امت کی طرف سے رہنمائی، 497
پروفیسر خلیق نظامی کا تجزیہ
(۶) فتنوں کا فلڈ گیٹ کھلتے ہی صلحائے امت کے انقلابی فیصلے 498
(۷) تاریخ اسلام کے مختلف ادوار اور صوفیہ 499
(من زقرآں مغز را برداشتیم'': رومیؒ)
(۸) ''الفقر فخری'' فرمان رسول اللہ ﷺ 500
(فقر کے ہیں معجزات، تاج وسریر وسپاہ)
(۹) زوال پذیر غزنوی دور کو سنبھالا دینے کیلئے 501
خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ہند میں آمد
(۱۰) پرتھوی راج کا سلطان الہندؒ کو اجمیر سے نکل جانے کا حکم 502
(۱۱) خواجۂ اجمیرؒ کی خواب میں غوری کو ہندوستان پر 503
چڑھائی کرنے کی ہدایت
(۱۲) خانوادۂ سلطان الہندؒ کی اپنے جد امجد کے نقشِ قدم پر 506
چلتے ہوئے پاکستان میں آمد
(۱۳) تحریک پاکستان میں صوفیہ کا مجاہدانہ کردار 506
O (حضرت دیوان سید آل رسول علی خاں قدس سرہٗ کی ہجرت) 507
(۱۴) حضرت دیوان سید آل مجتبیٰ علی خاں قدس سرہٗ کا 508
تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ
(۱۵) مؤلف کتاب ھذا کی عقیدتمندی وسرفرازی 510

(۱٦)	مؤلف کتاب ھذا کی مجمع عام میں دستار بندی	511
(۱۷)	اجمیر شریف پر کفار کے غلبہ کی پیش گوئی (شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا مکاشفہ)	513
(۱۸)	اُمہ کی رہنمائی کیلئے قائم الزماں کا منصب (خوابِ غفلت سے جگانے کیلئے اُمہ کیلئے ایک پیغام)	513
(۱۹)	سیاسی رہنماؤں اور حکمرانوں کیلئے انتباہ	515
(۲۰)	عالم اسلام کی واحد ایٹمی قوت کے خلاف سازشیں	517
(۲۱)	''شیخ احمدؒ سید گردوں جناب'' (دوسرے ہزار سالہ ہجری دور کے مصلح اعظم)	519
(۲۲)	حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی حالت زار	521
(۲۳)	اکبر کے ''دین الٰہی'' پر حضرت مجددؒ کا انتباہ (سلطنت، طاقت، فوج اللہ کے غضب کا انتظار کرے)	524
(۲۴)	اکبر کی آزاد خیالی، وسیع النظری اور رواداری؟ (اذان پر پابندی، ختنہ ممنوع، سود حلال)	525
(۲۵)	اکبر کا حسرت ناک انجام، مرہٹوں نے لاش قبر سے نکال کر سڑکوں پر گھسیٹی	526
(۲٦)	دربار جہانگیر میں حضرت مجددؒ کی طلبی	527
O	(مفتی دربار کی طرف سے سجدہ کا مشورہ)	528
(۲۷)	حضرت مجددؒ گوالیار کے قلعہ میں قید	528
(۲۸)	جہانگیر کی تخت سے معزولی و بحالی	529
(۲۹)	حضرت مجددؒ کی شرائط تسلیم کر لی گئیں	530
(۳۰)	چراغِ ہفت محفل، خواجہ معصومؒ کے سیاسی اثرات	532

(۳۱) امیر ملت سید جماعت علی شاہ نقشبندیؒ 536

(۳۲) خاکسار کا قائداعظمؒ پر حملہ اور امیر ملتؒ کا مکتوب 538

○ (قائداعظمؒ کی قرآن، نماز، اور درود پڑھنے کی یقین دہانی) 538

(۳۳) "تحریک پاکستان اور صوفیہ کرام" حضرت امیر ملتؒ کا ایمان افروز بیان 539

(۳۴) حضرت امیر ملتؒ کی طرف سے کلمہ طیبہ کا تمغہ 540
(قائداعظمؒ نے فخریہ سینے پر آویزاں کرایا)

(۳۵) امر بالمعروف نہی عن المنکر: فرضِ کفایہ 541

(۳۶) اہل حق نے ولایت کے تسلسل کو ہمیشہ قائم رکھا 542

۱۸۔ باب 8 544 تا 564

○ اہل حق کی ولایت اور خلافت کا تسلسل

قران حکیم سے نشانیاں، دلائل اور ثبوت تبدیلیٔ امامت کا اعلان

(۱) آلِ عمران کی دو آیات پر غور و فکر کی دعوت 544
(مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی)

(۲) بنی اسرائیل کی فضیلت کی نوعیت 547
(تبدیلیٔ امامت کی ضرورت کیوں پیش آئی؟)

(۳) قرآن کا امتِ مسلمہ کو بہترین قرار دینے کا اعلان 550

(۴) تسلسل خلافت ختم المرسلین ﷺ 553

(۵) امت محمدیہ کا مقام و منصب اور خیر الامم کی خصوصیات 555

(۶) کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے حصولِ اقتدار لازمی ہے؟ 558

(۷) اللہ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے 561

(۸) اللہ کن لوگوں سے محبت نہیں کرتا 562

(۹) جنت کے وارث متقی: اللہ کا وعدہ 563

(۱۰) اولیاء کاملین کی اولاد کو جسٹس الازہریؒ کا مشورہ 564

۱۹۔ باب 9 565 تا 586

○صوفی اور تصوّف کی ابتداء کب اور کیونکر ہوئی؟

(۱)	صوفی نام سے عرب بخوبی واقف تھے	566
(۲)	صوفی ،صُوف سے مشتق ہے،"متفق" علیہ	567
(۳)	دوسری صدی ہجری میں پہلی صوفی خانقاہ	568
(۴)	لفظ صوفی قبل از اسلام بھی مروج تھا	568
(۵)	تابعینؒ کے بعد صلحاء کے احوال کو تصّوف کہا گیا	569
(۶)	صوف سے نسبت کی وجہ تسمیہ	569
(۷)	جُبۃ الصوف پہننا حضور ﷺ کی سنت ہے	570
(۸)	چوتھی صدی ہجری تک صوفیہ کے طبقات	571

(☆ شکفتیہ ☆ جوعیہ ☆ فقیر ☆ صُفّیہ ☆ صَفّیہ ☆ نوریہ ☆ صوفیہ ☆ صفویہ ☆ صوفی)

(۹)	''تصوف ایک لقب ہے'':امام القشیری	574
(۱۰)	صوفی کا لفظ عوفی کے وزن پر ہے	574
(۱۱)	تصّوف اور صوفی نام کیوں رکھے گئے؟	575
(۱۲)	صوفی نام رکھنے کی متعدد وجوہ	575
(۱۳)	صوف سے صوفی کی سنتِ موسویؑ سے سند	576
(۱۴)	صوفی مقربین جیسا صاحب احوال ہوتا ہے (الشیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا قولؒ)	577
(۱۵)	صوفی کو مقام مفردین و اصطفاء حاصل ہے	578
(۱۶)	تصّوف اپنے چاروں حروف کے آئینہ میں (شیخ الشیوخ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تحقیق)	579
(۱۷)	خلاصۂ کلام: بحث صوفی اور تصّوف کی ابتداء۔	582

۲۰۔ باب 10 — 587 تا 598

○ صوفی کون اور تصوف کیا؟

(۱) تصوف کے بارے میں عوام الناس کے حجابات 587
(سیدنا علی الہجویریؒ کی صوفیہ کے علوم و احوال پر گفتگو

(۲) لغت کی رو سے اسم صوفی کا مشتق ہونا جائز نہیں 588

(۳) طبقات صوفیہ اور ان کے نظریات و احوال 589
(قرآن کریم میں صلحائے امت کے متعدد اسما کا تذکرہ)

(۴) صوفیہ کے اخلاق جمیلہ، آداب و احوال و محاسن 590
(قرآن سے تین مثالی آیات کا بیان)

(۵) تصوف کی تعریف اور حقیقت تصوف 591
(جید صوفیائے کرام کے ارشادات کی روشنی میں)

(۶) آٹھ خصلتیں: آٹھ پیغمبروں کی پیروی 592
(سخاوت، رضا، صبر، غربت، خاموشی، سیر، فقر)

(۷) جید صوفیہ کے دلنشیں ارشادات 593
(ہر خلق رزیلہ سے نکل آنا تصوف ہے)

(۸) قوامیت نفس اللہ کیلئے۔ بالتحقیق تصوف ہے 594
(المائدہ: 8 سے استدلال)

(۹) ''صوفی کا دوسرا نام مقرب ہے'' 595
(شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا ارشاد

(۱۰) برگزیدگی اور ہدایت: قرآن میں صوفیہ کے دو اوصاف کا خصوصی ذکر 597

۲۱۔ باب 11 — 599 تا 644

○ تصوف کی وجہ تسمیہ

کیا تصوف کی اصطلاح یونان سے آئی؟

(۱) الائمۃ المضلین کے پھیلائے ہوئے فتنوں سے خبردار رہنے کیلئے 599
حضور علیہ السلام کا امت کو انتباہ۔

(۲)	کشف المحجوب کے مندرجات پر انتقاد (ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کے افکار پر گرفت)	600
(۳)	''مروجہ تصوف یا سلوک محمدیؐ؟ یعنی احسان اسلامؒ'' (ڈاکٹر اسرار احمد کے نظریات کا جائزہ)	600
(۴)	کیا تصوف کی اصطلاح غیر قرآنی اور مجہول الاصل ہے؟	601
(۵)	ڈاکٹر میر ولی الدین کی تالیف قرآن اور تصوف (ایک غیر ثقہ اور نا قابل اعتماد تحقیق)	601
(۶)	تصوف کی لغوی بحثیں اور اشتقاق میں گمراہ کن موشگافیاں	602
(۷)	کیا لفظ صوفی ''تھیو صوفیا'' سے مشتق ہے؟ ڈاکٹر میر ولی اور علامہ لطفی جمعہ کی تحقیق پر انتقاد	603
(۸)	کہاں فراست وحکمتِ مومن اور کہاں حکماء کی دانائی!	603
(۹)	یونانی الفاظ SOPHOS یا SOPHIA کے مآخذوں کی لغوی تحقیق	605
(۱۰)	مقتدرہ قومی زبان کی شائع کردہ قومی لغت میں سوفزم (SOPHISM) کے معانی سے استدلال	606
(۱۱)	کیا تصوف، برہمنی یا بدھ مت کے نظریات کا ملغوبہ ہے؟	607
(۱۲)	مقتدرہ کی لغت میں تھیوسافی کا مغالطہ خیز ترجمہ	608
(۱۳)	''تصوف کے شفاف سرچشمۂ رُشد وہدایت کو یونانی فکر وفلسفہ کی طرف منسوب کرنا ایک شعوری جسارت'' (علامہ اقبالؒ)	609
(۱۴)	''تصوف یونانی فکر وفلسفہ سے ماخوذ نہیں'' (علامہ ابن الجوزی)	610
(۱۵)	میکڈونلڈ، نکلسن اور جاسف واں میر کی ابلہ فریبیاں، تصوف کو سادھوؤں اور مسیحیت کا منت کش قرار دیدیا گیا	611

۹۱۲۵۶۵

(۱۶) ''سوفسطا کے معنی ''حکمت مموہہ'' ہیں''۔شاہ عبدالعزیزؒ 612
کی تحقیق ہے کہ اگر صوفی یونانی لفظ ہوتا تو س سے لکھا جاتا

(۱۷) تھیوکریسی اور ڈیموکریسی ،دونوں بد بخت طرز حکومت ہیں۔ 613

(۱۸) درویش نہ ''Theo'' کے قائل نہ ''Demo'' کے شیدائی 614

(۱۹) تصوف کی نسبت درحقیقت قرآنی لفظ اصوافھا ہے 615

(۲۰) قرآن کی رو سے سفید لباس والے حواری کہلائے 616

(۲۱) خلافت راشدہ کے بعد صلحاء انصار اللہ بن گئے 617

(۲۲) ''آؤ تمہیں دلوں کو دھونا سکھا دوں'' (حضرت عیسیٰؑ) 618

(۲۳) ''اصطلاح کو لغوی کی بجائے اصلاحی مفہوم میں لینا جائز ہے'' 619
(مولانا امین احسن اصلاحی)

(۲۴) ''اسم اللہ'' کا نہ کوئی اشتقاق ہے نہ باب'' 620
کیا ہم اللہ کے انکاری ہو جائیں گے؟ (ابن کثیر)

(۲۵) ظاہر سے زیادہ باطن کا خیال رکھنے والے عبادت گزار 621
کو صوفی کہا گیا :عربی لغت

(۲۶) تصوف کی جملہ اصطلاحات کا مآخذ قرآن وسنت 622

(۲۷) ''حکومت الٰہیہ'' صوفیہ کیلئے اچنبے کی بات نہیں 624

(۲۸) علمائے ظاہر کی بوالعجبیاں 624

(۲۹) بوابھسکو نے سلیقہ کیا ،میانی پھاڑ گھٹنے پر پیوند سیا 626

(۳۰) دانشوروں کا روحانی استاد حکیم فلاطینوس کون ہے؟ 627

(۳۱) فلاطینوس کے نزدیک تزکیہ نفس کے تین مراتب 628

(۳۲) کیا صاحب یقین کا ایمان ''اندھا یقین'' ہے؟ 630

(۳۳) کیا اللہ کے محبوب صرف ''محسنین'' ہیں؟ 631

(۳۴) احسان کی اصطلاح صوفیہ کے نزدیک 634

(۳۵) مسلک صوفیہ اور بحیثیت علماء ان کا مقام 635
(۳۶) تصوف روحانی سربلندیوں پر محیط اشاراتی اصطلاح 638
(۳۷) حکیم فلاطینوس اور "تحریر الروح" کی اصطلاح 639
(۳۸) احسان کیا ہے؟ حدیث جبریل۔ 640

۱۷۔ باب 12 645 تا 688

امام غزالیؒ کا نظریۂ تصوّف
اور دورِ حاضر کے تجدّد پسند علماء کی روش

"قبل از اسلام، اللہ تعالیٰ کیلئے الگ ہو کر کعبہ کو وطن بنانے والے صوفہ کہلائے۔۔اور جو کوئی اُن سے مشابہ ہوا، اسے صوفی کہا گیا۔صوفہ کا حوالہ اصحّ ' صوف بھی درست ہے۔" نقد العلم والعلماء یا تلبیسِ ابلیس کے مصنف علامہ ابنُ الجوزی کی تحقیق

تصوف، صوفیہ، الامام المہدی کی تضحیک: ایک المیہ
مولانا امین احسن اصلاحی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے فکر و نظر کا جائزہ

(۱) تصوّف کے بارے میں امام غزالیؒ کا نظریہ 645
(شرط اول، دل کو ماسوا اللہ سے پاک کرنا)
(۲) تصوّف کی ضرورت اور بہرہ مندیاں 646
(۳) علم، ذوق اور ایمان میں فرق 646
(۴) حقیقت نبوت (جوہر انسانی اوّل اوّل کس حالت میں پیدا کیا گیا) 647
(۵) حسِ لامسہ کی بیداری 648
(۶) حاسۂ بصر و سمع اور ذوق کی تخلیق 648
(۷) ارتقائے ادراک کا ایک نیا انداز 648
(۸) عقل و شعور سے آگے کا قدم 649
(۹) نبوت کا تعلق خواب و رؤیاء سے 649
(۱۰) نبوت: عقلیات سے آگے کا مقام 650

(۱۴) الہام اولیاء، حکمتِ اولیاء، عبودیت اولیاء، حفظ اولیاء زہد اولیاء، مقام وبعثتِ غیر انبیاء 652,653
(۱۵) دور حاضر کے تجدد پسند علماء کی روش: ایک المیہ 653
(سید ابوالاعلیٰ مودودی کے فکر ونظر کا ایک جائزہ)
(۱۶) سید مودودی بمقابلہ شاہ اسمٰعیل 657
(۱۷) تاریخ دعوت وعزیمت، سید ابوالحسن علی ندوی 659
(۱۸) خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے احیاء کی کوششیں 660
(۱۹) بغداد کے داعیُ الی اللہ 661
(۲۰) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پر اتہام طرازی 662
(۲۱) تحریک سیدین پر ''چنیا بیگم'' کی پھبتی 663
(۲۲) انبیاء کا اصل کام کیا سیاسی انقلاب تھا؟ 664
(۲۳) حضرت امام المہدیؒ کی آمد 664
(۲۴) خلافت الامام المہدیؒ 667
(۲۵) مولانا ابوالکلام اور مسئلہ خلافت 670
(۲۶) منصب نبوت کی نیابت کے کامل معانی 670
(۲۷) روحانی تعلیم وتربیت سے نظام حکومت کی علیٰحدگی 671
(۲۸) ڈاکٹر اسرار احمد کا نظریۂ خلافت 672
(۲۹) ابوالکلام بد دل ہو کر قیام خلافت سے دستکش 674
(۳۰) ڈاکٹر اسرار احمد کی فکر ونظر کے مغالطے 675
(۳۱) مجددین ملت نے حکومتوں پر قبضہ کی کبھی کوشش نہیں کی (تاریخ کی شہادت) 676
(۳۲) تجدد پسند علماء کی متضاد روش (صلحائے امت کی تکذیب) 678
(۳۳) مولانا امین احسن اصلاحی اور تزکیۂ نفس 679
(۳۴) مولانا اصلاحی کی تزکیۂ نفس اور امام غزالی کی کیمیائے سعادت 681
(۳۵) صوفیائے کرام کے کارنامے بحوالہ چشتی 682

(۳۶) مولانا اصلاحی کی تصوف سے بیزاری میں کمی 683
(۳۷) مولانا مودودی کا تصوف کی طرف جھکاؤ 684
(۳۸) مولانا مودودی کی تزکیۂ نفس پر استفادہ کی تمنا 686
(۳۹) شاہ عبدالغفور عباسیؒ کا مولانا مودودیؒ کے نام خط 687
(۴۰) ''حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں'' 688

۲۳۔ باب 13 689 تا 712

تصوف کا ماخذ اور قرآن سے اس کا جواز

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے فکر و نظر کی روشنی میں

(۱) ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقاء 689
(۲) اثرات کا سراغ لگانا مستشرقین کا شیوہ 689
(۳) تصوف، اصفیاء کے اپنے اذہانِ رسا کی مستقل انفرادیت 690
(۴) صوفیانہ نصب العین کے وجود میں آنے کی وجوہ 690
(۵) صوفیہ کو گمراہ فرقوں نے جلوت اختیار کرنے پر مجبور کیا 691
(۶) ''تصوف کا ماخذ ہندی ویدانت یا نو فلاطونیت نہیں'' 692
(۷) صوفیانہ نظریات کا ماخذ قرآن حکیم ہے (اقبال) 692
(۸) قرآن و حدیث سے صوفیانہ نظریات کی تصدیق 693
(۹) البقرۃ' الذاریات' ق' النور' الشوریٰ سے مسلکِ صوفیہ پر استدلال 693
(۱۰) یونانی منطق و فلسفہ پر غزالیؒ، رازیؒ، آمدی، سہروردیؒ کا انتقاد 694
(۱۱) یونانی فلسفہ میں تصوف کی آمیزش ہوئی، نہ کہ تصوف پر یونانی فلاسفہ اثر انداز ہوئے 696
(۱۲) حضرت علامہؒ کی تالیف ''فلسفۂ تصوف'' 695
(۱۳) شریعت حقہ محمدیہ پر قائم گروہ بلاشبہ حق پر ہے 695
(۱۴) علامہؒ کے نزدیک کوئی مسلمان تصوف کی مخالفت نہیں کر سکتا 696
(۱۵) حضرت علامہؒ کا تصوف کے ارتقاء پر تاریخی تبصرہ 696

(۱۶) لفظ صوفی و تصوف ،صوف ہی سے مشتق ہے 696
(۱۷) حضرت علامہ کے نزدیک تصوف آرامِ تسکین جان ہے 698
(۱۸) منصور حلاج 'شہید اناالحق نہ تھا، قتیلِ راہ سیاست تھا 698
(۱۹) حدیث میں استعمال شدہ لفظ سمن کی توجیہہ 699
(۲۰) السمن کی قرآن سے ہٹ کر سنسکرت سے توجیہہ علمی دیانت کے خلاف ہے 702
(۲۱) متلاشیان حق کیلئے اقبال کا پیغام جاں فزا 703
(عارف ہندی سے مُرشد رومیؒ و مرید ہندیؒ کی ملاقات کے تناظر میں)

۲۴۔ باب 14 713 تا 724

(صوفیہ آزمائش کی کسوٹی پر)

کارِ نبوت کی انجام دہی کیلئے
صلحائے امت اور طاغوتی قوتوں میں

معرکۂ حق و باطل: ازل تا امروز

(۱) ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز 713
(۲) ''اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا'' (قرآن) 713
(۳) اللہ والے، اپنا اصلی مقصد کبھی ترک نہیں کرتے 714
(۴) ابن عربیؒ پر تنقید کی اصل وجہ، کج فہمی 714
(۵) ابن عربیؒ کی بریت میں علماء کی کتابیں 714
(۶) الابریز پر ڈاکٹر پیر محمد حسنؒ کا دیباچہ 715
(۷) اسلام کی اثر انگریزی کم کرنے کیلئے 715
اسلامی تعلیمات میں باطل نظریات کی آمیزش
(۸) اولیاء اللہ کے احوال نہ سمجھنے کے باعث بدگوئی
خدا سے روگردانی کا خوگر، اولیاء کا دشمن 716
(۹) اولیاء اللہ کی تکذیب، باطل کا شعار ازلی 717

(۱۰) اولیاء کے اسرار کا اخفاء، رحمت حق 718
(۱۱) ''کس کو معلوم کہ مشتاق ہیں کس سیر کے ہم 719
(۱۲) اہل اللہ کی بلندیٔ شان سے بدباطنوں میں حسد کی بیماری 720
(۱۳) خاصان خدا پر آزمائشوں کا ورود 721
(۱۴) علمائے سُو کی شکایت پر حکام وقت کی زیادتیاں 721
(۱۵) ایمان کے جھوٹے دعویداروں کو آزمانے کا قرآن میں اعلان 723
(۱۶) صبر وشکر کرنے والوں کو خوشخبری سنانے کا حکم 724

۲۵۔ باب 15 725 تا 743

تہذیبوں کے مابین تصادم
(CLASH OF CIVILIZATIONS)
ہنٹنگٹن کا بدنام زمانہ مشورہ: ''اسلامی تہذیب کو تباہ کر دو''
تہذیبِ مغرب اور مسلم اُمہ ۔۔۔۔ تصادم یا تعاون
پروفیسر اشفاق علی خان کا جوابی تجزیہ ومحاکمہ

(۱) مسلمانوں اور غیر مسلموں میں پنجہ آرائی ہوا چاہتی ہے 725
(۲) اسلام واحد دین ہے جو غیر مسلموں کو مساوی شہری حقوق عطا کرتا ہے 727
(۳) تہذیبوں کے مابین تصادم، اکانومسٹ کی سروے پورٹ 728
(۴) اسلامی تہذیب لوہا لاٹھ وحدت ہے: بیڈ ہم 730
(مغربی طاقتوں کا خوف خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے)
(۵) یہودی اور مغربی ابلاغ حقائق مسخ کرنے کے ماہر ہیں 731
(۶) یہودی ابلاغ نے اسلام کا ہوّا مغربی دنیا پر مسلط کر دیا ہے 732
(۷) رقصِ بسمل یعنی ''ڈیڈ مین ڈانسنگ'' 734
(۸) ''مغرب اسلام کا خاتمہ چاہتا ہے'' جنرل حمید گل 735
(دو متضاد فلسفوں کی جنگ میں اسلام کی بنیاد یقین کامل پر ہے)
(۹) ''جیتیں گے ہم ہی جنگ'' مظفر وارثی 737

(۱۰) حدیث جبریل سے رہنمائی : رجوع الی اللہ 738
(۱۱) مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں: سید ابوالحسن علی ندویؒ 739
(۱۲) ساری لڑائی اغراض کی ہے، مذہب کی نہیں 739
(۱۳) ایک شاہراہ کے سوا سارے راستے بند ہیں 740
(۱۴) ہمارا علاج ہمارے اندر ہے 741
(۱۵) دکھوں کا واحد علاج، دل میں ایمان کا چراغ 742
(۱۶) پھر گلستاں ہوگا جنوں والوں کے پاس 743
(واصف علی واصف کے قیمتی مشورے)

۲۶۔ باب 16 — 745 تا 755

دورِ فتن سے متعلق حضور ﷺ کی پیش گوئیاں
پر آشوب مادی ادوار میں اُمتوں کو کیا کرنا چاہیئے؟
''حرز جاں کن گفتۂ خیر البشر ﷺ'' امت کیلئے قیامت تک کا لائحہ عمل
(ماخوذ از مشکواۃ المصابیح جلد دوم)

(۱) خبردار فتنے ڈالے جائیں گے 746
(۲) وقت آئے گا دنیا دار عقلمند کہلائے گا 746
(۳) فتنوں سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو جا 746
(۴) فتنوں سے بچنے کیلئے نیک اعمال میں جلدی کرو 748
(۵) جہاں پناہ ملے گوشہ نشین ہو جاؤ 748
(۶) فتنوں سے بھاگ کر گوشہ تنہائی اختیار کرلے 748
(۷) جنگلوں میں چلا جا، دین کو بچالے 749
(۸) فتنے گھروں پر مینہ کی طرح برسیں گے 749
(۹) علم اٹھ جائے گا، قتل عام ہوگا 749
(۱۰) قاتل و مقتول دونوں کو وجہ معلوم نہ ہوگی 749

(۱۱) فتنے میں عبادت پر ہجرت کا ثواب 750
(۱۲) فتنہ انگیزی میں صبر، بہترین عمل 750
(۱۳) فتنہ پردازوں کی تعداد، پیش گوئی 750
(۱۴) گمراہ کرنے والے ائمہ سے بچنا 750
(۱۵) خلافت راشدہؓ کے تیس سال 751
(۱۶) فتنوں سے بچنے کیلئے کسی درخت کی جڑ میں بیٹھ جانا 751
(۱۷) پرہیزگاری، صبر اور گوشہ نشیں، بہترین عمل 752
(۱۸) خود کو سنبھالے رہنا، عوام سے دور رہنا 753
(۱۹) گھروں کے ٹاٹ ہو جانا، فسادی نہ ہونا 753
(۲۰) زبان درازی' عیب جوئی کا فتنہ بدترین ہوگا 754
(۲۱) زبان درازی تلوار مارنے کے برابر فتنہ 754
(۲۲) نااہلوں سے بیعت اور نفاق کے فتنے 754
(۲۳) ہاتھ کو روکے رکھنے والے ہی محفوظ 755
(۲۴) افسوس اُس شخص سے جو فتنوں سے دور نہ ہوا 755
(۲۵) جھوٹے نبیوں کے خلاف صف آراء ہونے کا حکم 756

۲۷۔ باب 17 — 756 تا 775

صلحائے امت نے گوشہ نشینی کیوں اختیار کی؟

صوفیہ۔۔۔ تصوف۔۔۔ اور زاویہ نشینی

(۱) صوفی کی نسبت اور اصطلاح صوفی کی تحقیق 756
(۲) صلحاء نے زاویہ نشینی کیوں اختیار کی؟ 758
(۳) امت لاتعداد روحانی فوائد سے فیض یاب 759
(۴) پہلے طبقۂ صوفیہ: علم و عمل کے بحر بیکراں 761
(۵) صحابہؓ کے بعد صوفیہ کے مقامات اور علم تصوف پر گفتگو کرنے والے 761
(٦) تصوف پر کتابیں لکھنے اور معاملات صوفیہ میں تصانیف کرنے والے 762

(۷) اصحابِ تصوف کے احوالِ محمودہ 763
(۸) بیعت توبہ وارشاد کے سلاسل 763
(۹) نبوت وخلافت اور تصوف کے فرائض پنجگانہ 764
(۱۰) قرآن کی رو سے تزکیۂ نفس کی اہمیت 765
(۱۱) اولیائے امت کے روحانی سلاسل کی اہمیت 767
(۱۲) خانقاہی نظام کا آغاز اور اسکی اہمیت 767
(۱۳) خانقاہ کی فضیلت وعظمت واعزاز 768
(۱۴) خانقاہ کی متبادل اصطلاح رباط 770
(۱۵) خانقاہی نظام کی خصوصیت واعمال چہارگانہ 770
(۱۶) خانقاہ نشینوں کے فرائض 772
(۱۷) زوایہ نشینوں کی اصحاب صفہؓ سے مشابہت 772
(۱۸) خانقاہی نظام میں تعلیم وتربیت 773
(۱۹) خانقاہی نظام میں شیخِ زوایہ کے فرائض 773
(۲۰) خلوت نشینی کا مقصود، دین کی حفاظت 747

۲۸۔ باب 18 776 تا 915

خلافت ختم المرسلین ﷺ کے اہل صوفیۂ عظیم الشان

﴿صوفیہ کے قرآنی القابات﴾

☆الصادقین (سچے)	☆القانتین (ادب والے)	☆الخاشعین (عاجزی والے)
☆المؤقنین (یقین والے)	☆المخلصین (فقط اللہ کی بندگی والے)	☆المحسنین (نیکی و پرہیزگاری والے)
☆السائحین (روزے رکھنے والے)	☆الرجین (امید رکھنے والے)	☆الوجلین (ڈرنے والے)

☆الراضین
(راضی رہنے والے)

☆العابدین
(عبادت کرنے والے)

☆الصابرین
(صبر کرنے والے)

☆الاولیاء
(اللہ کے ولی)

☆المتوکلین
(توکل والے)

☆المبختبین
(تواضع والے)

☆المجتبین
(چنے ہوئے برگزیدہ)

☆المتقین
(تقویٰ والے)

☆المصطفین
(منتخب و چنیدہ)

☆الخائفین
(اللہ کا خوف رکھنے والے)

☆الابرار
(خوب پرہیزگار)

☆المقربین
(قرب والے)

☆المسابقین
(سبقت لیجانے والے)

☆شاھدین
(کان لگانے والے متوجہ)

☆المطمئنین
(اللہ کے ساتھ راضی)

☆الفقراء
(دنیاوی آسائشوں سے بے نیاز)

☆المقتصدین
(میانہ رو)

☆المسائرین الی الخیرات
(بھلائیوں میں جلدی کرنیوالے)

☆الیمین
(دائیں والے)

☆ الذاکرین
(دائمی ذکر کرنے والے)

☆التائبون
(توبہ کرنے والے)

۲۹۔ضمیمہ: 916 تا 930

خلافتِ عامہ، خلافتِ خاصہ اور خلافتِ روحانی کا تعلق باہمی

رحلت سے بیس دن قبل ڈاکٹر اسرار احمد کی ٹیلیفون پر مؤلف سے گفتگو

شاہ ولی اللہ محدّث دھلویؒ کے افکار کی روشنی میں تصوّف کی حقیقت

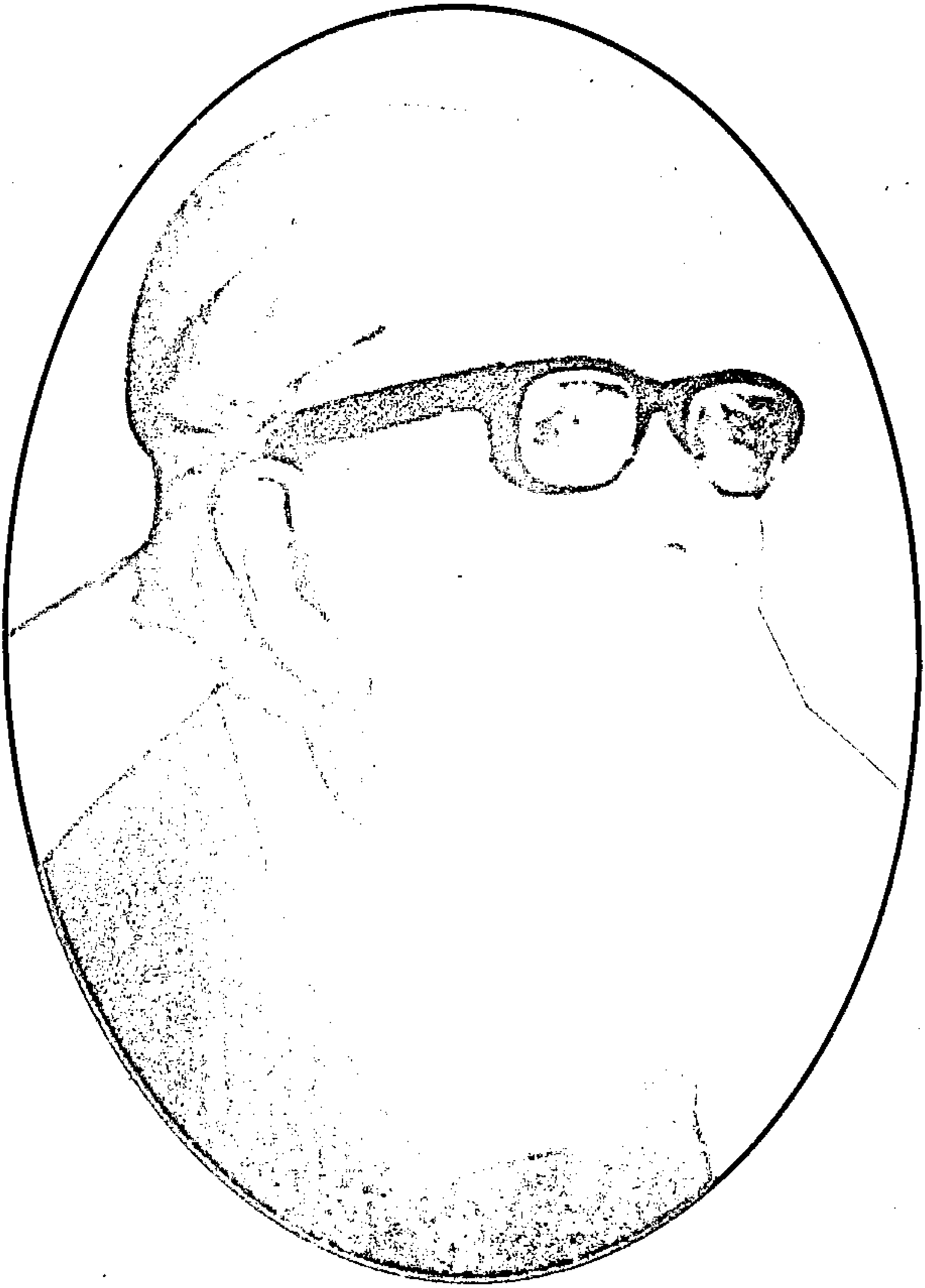

سلطان الہند کے سجادہ نشین اعظم
حضرت دیوان سید آل رسول علیخان قدس اللہ سرہ العزیز

جنہوں نے 1947ء میں مع اہل خاندان ہجرت فرما کر پاکستان کو رونق بخشی اور پنڈی فتح جنگ روڈ پر گلشنِ سلطان الہند اجمیری میں جن کی آخری آرام گاہ اب مرکزِ روحانی تجلیات و مرجعِ خلائق ہے۔

شیخ المشائخ حضرت دیوان
سید آل مجتبیٰ علیخاں قدس اللہ سرہٗ العزیز

سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف خلف دیوان سید آل رسول علیخاں سجادہ نشین اعظم اجمیر شریف

سجادہ نشین اجمیر شریف حضرت
دیوان سید آل حبیب علی خاں
مدظلۂ العالیٰ (درمیان میں)
آپ کے دائیں آپ کے عم
بزرگوار پیرزادہ سید آلِ سیدی
مدظلۂ العالیٰ اور بائیں ولی عہد
سید آلِ وجیہہ سلمہ، محفل ہال
گلشنِ سلطان الہند اجمیری پنڈی
فتح جنگ روڈ پر منعقدہ عرس مبارک
خواجہ غریب نواز سید معین الدین
چشتی اجمیریؒ کی تقریب
سعید میں تشریف فرماہیں۔

اولیاء
چشت اہلِ بہشت

فخر الاولیاء حضرت خواجہ
شاہ محمد سلیمان تونسویؒ
المعروف پیر پٹھان
محبوب ترین خلیفہ
قبلۂ عالم شاہ نور محمد مہارویؒ

حضرت قبلۂ عالم
خواجہ شاہ نور محمد صاحب مہارویؒ
محبوب ترین خلیفہ مولانا
شاہ فخر الدین دہلویؒ محب النبیؒ

شیخ الاسلام حضرت خواجہ
محمد قمر الدین سیالویؒ
سجادہ نشین شمس العارفین
خواجہ شاہ شمس الدینؒ
(سیال شریف)

حضرت ابو البرکات امیر حزب اللہ الحاج
سید محمد فضل شاہ صاحبؒ
سجادہ نشین جلالپور شریف

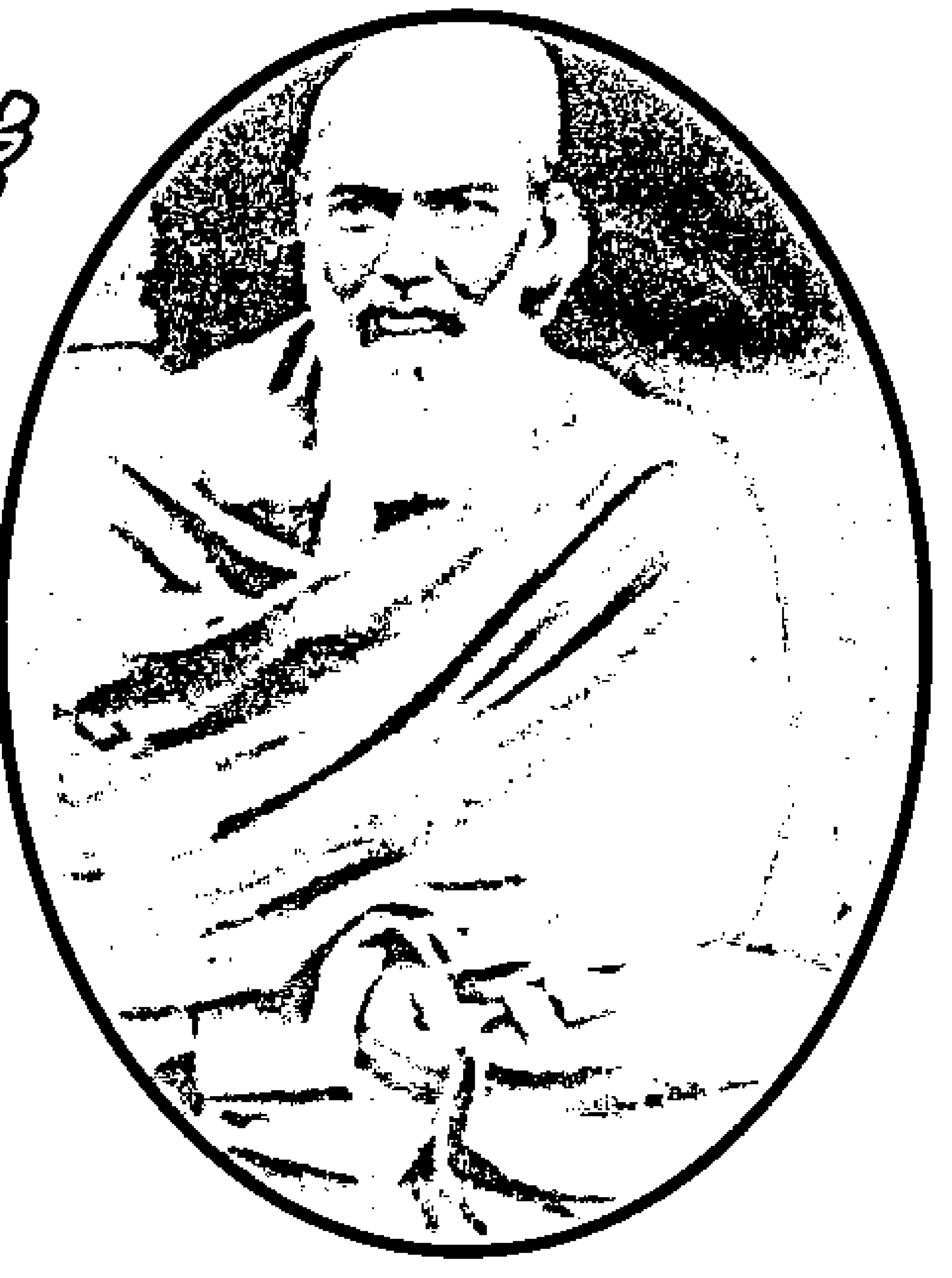

حضرت غریب نواز پیر سید
غلام حیدر علی شاہ بادشاہؒ (جلالپور شریف)
محبوب خلیفہ شمس العارفین شاہ شمس الدین (سیال شریف)

حضرت قبلہ خواجہ حافظ
محمد صدیق چشتی نظامی السنالی قدس اللہ سرہ العزیز
محبوب ترین خلیفہ مجاز محدث دوراں
حضرت علامہ خواجہ قاضی دین محمد بردھوی چشتی نظامی قدس اللہ سرہ العزیز

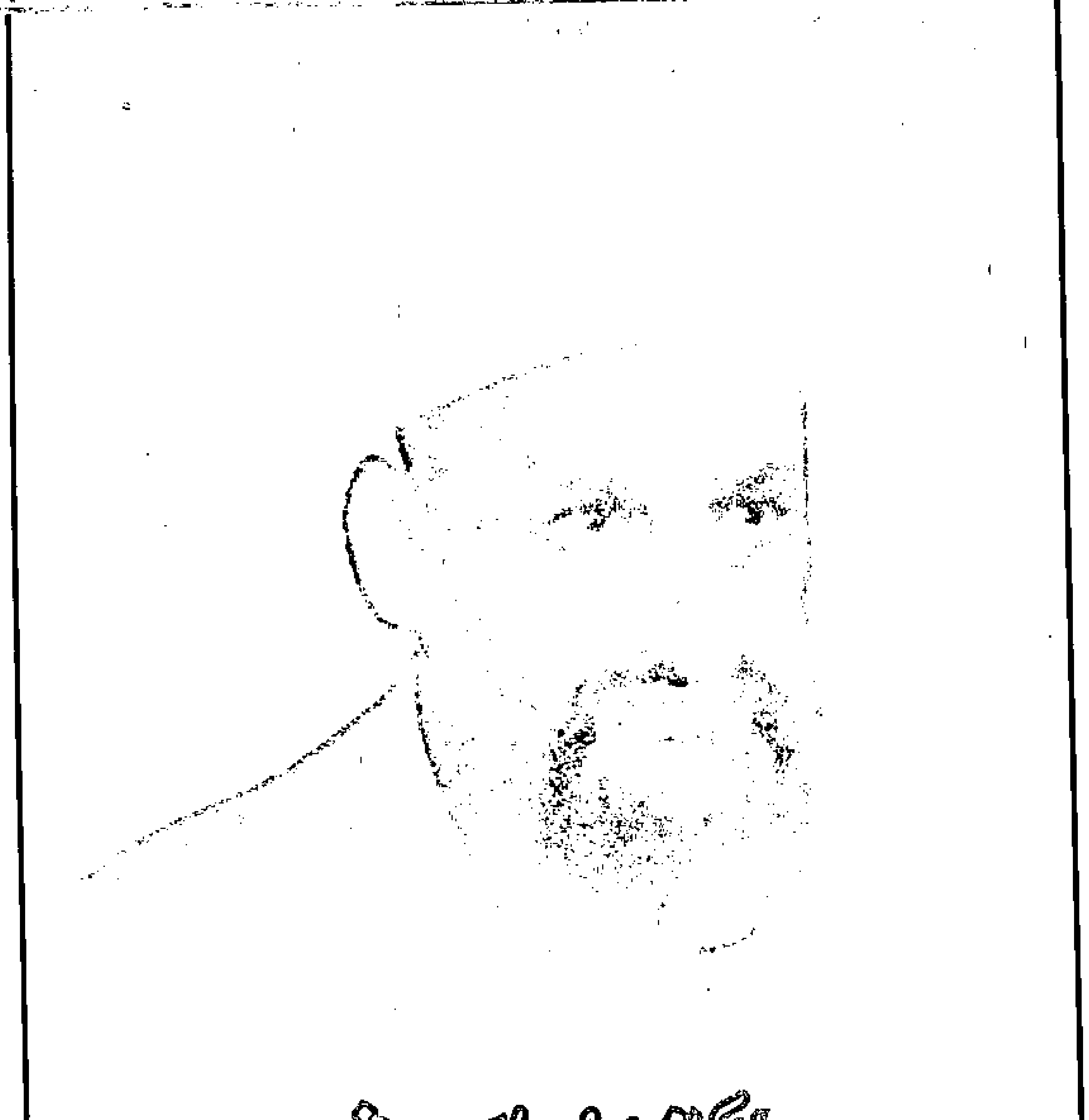

حضرت خواجہ ڈاکٹر محمد مسعود الزمان قاضی مدظلہ العالی
سجادہ نشین مرکز انوار و تجلیات قبلہ عالم
حضرت خواجہ قاضی دین محمد بردھوی قدس اللہ سرہ العزیز

شہبازِ حضرت خواجہ دین محمد بڑوھوی ؒ ومحبِ حضرت امیر حزب اللہ جلالپوری ؒ حضرت خواجہ قبلہ حافظ محمد صدیق چشتی نظامی السالمی ؒ (بائیں جانب پلنگ پر تشریف فرما تسبیح فرماتے ہوئے) آپ کے سامنے فرش نشین آپ کے خلف وسجادہ نشین صاحبزادہ حضرت مولانا حافظ خواجہ محمد اسلم چشتی ؒ، اُن کے بائیں جانب حضرت حافظ صاحب قبلہ ؒ کے خلیفۂ اکبر سید محمد حسن شاہ صاحب ؒ دائیں جانب آخیر میں ایک مرید جناب محمد اسلم کاشمیری (نائب مدیر روزنامہ امروز لاہور)، پینل میں سالم شریف کے موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا حافظ سرفراز احمد مدظلہٗ اور عقبی لائن میں دائیں جانب حضرت حافظ صاحب قبلہ ؒ کے ایک خلیفہ حافظ نور محمد چشتی ؒ اور آگے کی جانب مؤلف کتاب ھٰذا ابو ناصر نبی احمد لودھی عفی عنہٗ (سیاہ قراقلی ٹوپی پہنے ہوئے) تصویر کے انتہائی بائیں جانب (سائیڈ پوز) شاہ محمد ثناء اللہ قریشی ؒ خلیفۂ مجاز قبلہ حضرت حافظ صاحب ؒ (جنوری 1975ء میں حضرت حافظ صاحب قبلہ ؒ کے سالانہ دورۂ لاہور کی ایک یادگار تصویر)

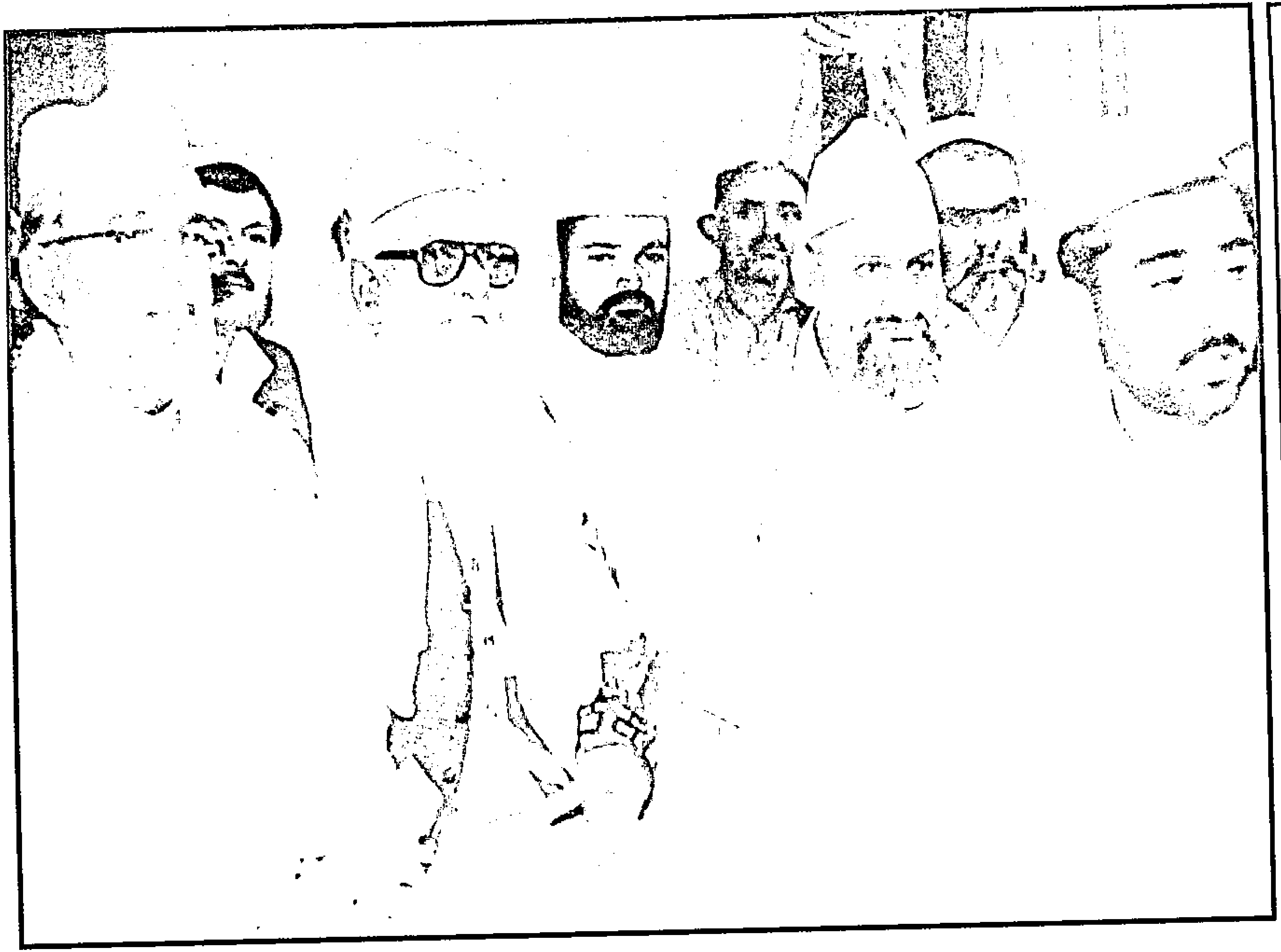

(دائیں سے بائیں) حضرت قبلۂ عالم
خواجہ شاہ نور محمد مہار شریف کے عالی مقام
خاندان کے ایک درویش نوجوان
صاحبزادہ عبدالرحیم، حضرت خواجہ ڈاکٹر
محمد مسعود الزّمان قاضی مدظلہٗ العالیٰ،
ناچیز مؤلف ابوناصر نبی احمد لودھی عفی عنہٗ
اور اُن کے بائیں جانب عقب میں
مؤلف کے صاحبزادے جمیل النبی ناصر سلمہٗ
اور بائیں جانب سامنے محبوب الٰہی
حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء
بدایوانی بخاریؒ کے خاندان کے چشم و
چراغ اور شیخ المشائخ حضرت دیوان
سید آل مجتبیٰ علیخاں قدس سرہٗ کے خلیفۂ
مجاز حضرت سید تنویر الحسن نظامی مدظلہٗ

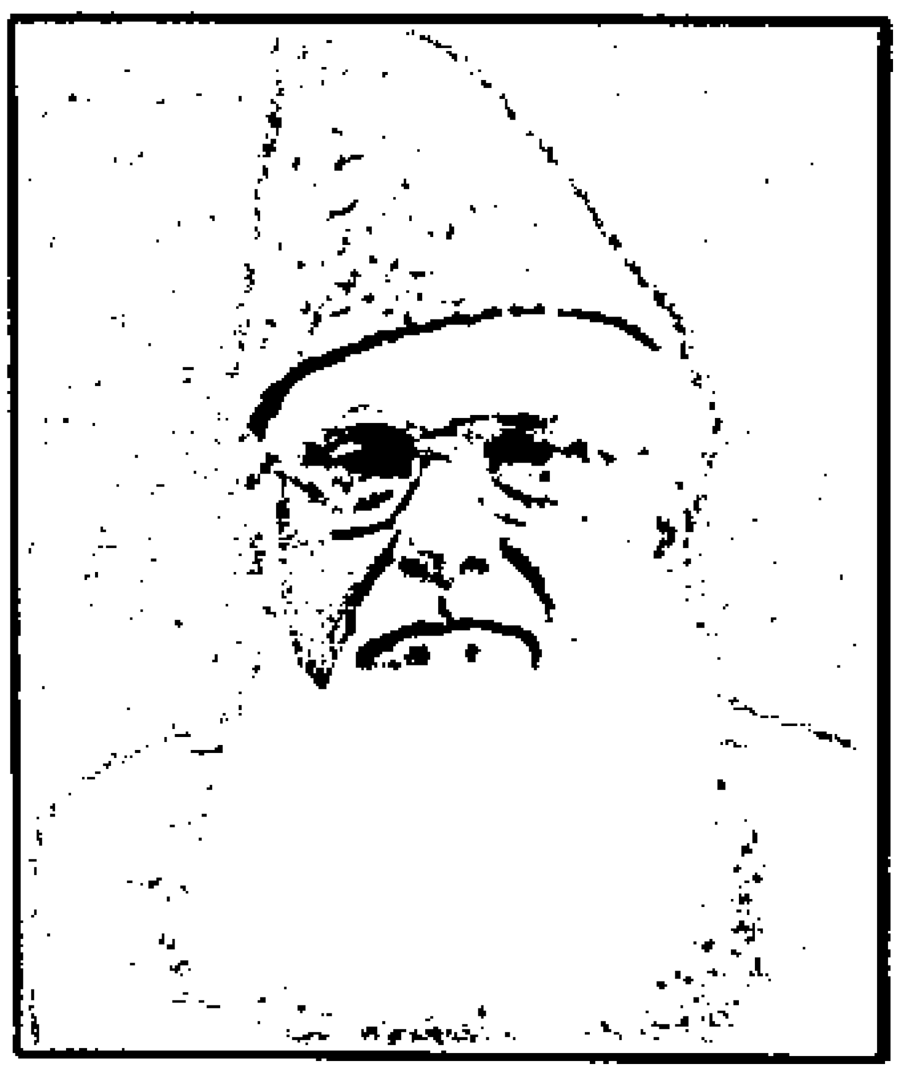

ابوناصر نبی احمد لودھی

کی قومی و ملی، صحافتی و طباعتی، علمی و ادبی زندگی ایک نظر میں

نسبی و خاندانی پس منظر: اجداد، فاتح سومنات محمود غزنویؒ کے ہمراہ برعظیم پاک و ہند میں وارد ہوئے۔ سلطان پور لودھی (نواح جالندھر) میں آباد ہو گئے۔ جداعلیٰ اخوند بدرالدین خراسانیؒ اپنے دور کے مفتی، عالم باعمل اور صاحب نظر فقیر اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ اور عروۃ الوثقیٰ خواجہ معصومؒ و حضرت مجددؒ کے دیگر صاحب زادگان کے اتالیق تھے۔

ولادت و ابتدائی زندگی: 8 اپریل 1931ء کو جالندھر میں ولادت ہوئی اور ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ تحریک پاکستان میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ اگست 1947ء میں اپنے خاندان سمیت ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے۔

اعلیٰ تعلیم و تدریسی تجربہ: گورنمنٹ کالج منٹگمری (ساہیوال) میں بی اے تک تعلیم حاصل کی لیکن ڈگری اسلامیہ کالج لاہور کے ذریعے پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ جغرافیہ میں پوسٹ گریجویشن ڈگری گورنمنٹ کالج لاہور کے ذریعے حاصل کی۔ چھ سال تک بٹالہ مسلم ہائی سکول منٹگمری اور فارورڈ کالج لاہور میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔

اعلیٰ سول سروس: وفاقی وزارتِ اطلاعات و ذرائع ابلاغ کے تقریباً تمام ہی محکموں میں ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل تک کے عہدوں پر کام کیا۔ اسی دوران میں اعلیٰ سول سروس (آئی ایس پی) کے رکن منتخب ہوئے۔ پی سی ایس آئی آر میں پرنسپل انفارمیشن آفیسر مقرر کیے گئے اور فنانس ڈویژن سے بحیثیت ڈپٹی فنانشل ایڈوائزر نومبر 1993ء میں ریٹائر ہو گئے۔

صحافتی و ادارتی مشاغل: زمانہ طالب علمی میں شعبۂ جغرافیہ پنجاب یونیورسٹی کے بین الاقوامی تحقیقی جریدہ پاکستان جیو گرافیکل ریویو (انگریزی) کے مدیر معاون، روزنامہ تسنیم لاہور، امروز ملتان، نوائے وقت لاہور، کوہستان لاہور، مشرق لاہور، ہفت روزہ جہاں نما لاہور ہفت روزہ پاک جمہوریت لاہور اور ویکلی پاکستان نیوز (انگریزی) میں بحیثیت سب ایڈیٹر، نیوز ایڈیٹر، چیف نیوز ایڈیٹر، پولیٹیکل رپورٹر اور ایڈیٹر فرائض انجام دیئے۔ پھر راولپنڈی سے اپنے رسائل ہفت روزہ ففٹی ففٹی ماہنامہ خاتون اور ماہنامہ افق نو جاری کیے اس دوران میں سینکڑوں تحقیقی و مشاہداتی مضامین اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے۔

طباعتی و اشاعتی تجربہ: اوائل 1951ء میں ادارہ لودھی پبلی کیشنز لاہور قائم کیا تحریک آزادئ فلسطین اور آزادئ کشمیر کے موضوعات پر درجنوں مہماتی ناول شائع کیے۔ تحفظِ نباتات پر چار کتابیں شائع کیں۔ لاہور میں پرنٹنگ سینٹر اور راولپنڈی میں الحرمین پرنٹرز اور پرنٹنگ سٹی کے ناموں سے طباعتی ادارے اور بعد ازاں فانوس پبلی کیشنز کے نام سے اشاعتی ادارے کی بنیاد رکھی

تصانیف و تالیفات: گلدستۂ توصیف محمد ختم الرسل ﷺ (ضخیم سیرت النبیؐ: پونے نو سو صفحات پر مشتمل 1995ء میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ایک اہم تالیف ۲۰۰۳ء میں بعنوان: ''عصرِ حاضر میں تلبیس ابلیس، جدید فکر اسلامی شائع ہوئی۔ جس کے ردِعمل میں موصولہ خطوط اور اٹھائے گئے نکات پر مشتمل کتاب ''جاگتے لمحوں کی آواز'' ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی جب کہ زیر نظر بلند پایہ علمی و فکری ضخیم تالیف ''خلافتِ ختم المرسلین ﷺ کی روحانی و مادی جہتیں'' اس وقت آپ کے زیر مطالعہ

انتساب

مؤلف کے قلم سے

دیوان سید آلِ رسول علیخانؒ
سجادہ نشینِ اعظم اجمیر شریف کے نام

جنہوں نے ''نکل کر خانقاہِ ہندالولیؒ سے رسمِ شبیریؒ ادا کی''

خانوادۂ سلطان الہند اجمیریؒ کے چشم و چراغ اپنے عظیم و قابل فخر جدامجد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خواجہ بزرگ' غریب نواز' خواجہ معین الدین حُسن چشتی سنجری اجمیری قدس اللہ سرہُ العزیز کے مشن کو نسلاً بعد نسلاً بھرپور توجہ اورتن دہی کے ساتھ انجام دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کررہے۔ گذشتہ آٹھ صدیوں سے ہر سجادہ نشین روحانی تعلیم و تربیت اور فیضان رسانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ درگاہِ خواجہ کے یہ دیوان سلسلۂ چشتیہ کے درویشانِ خدامست' خلفاءِ مجاز اور شمع چشتیہ کے پروانوں کو ایک لڑی میں پروئے رکھنے میں لاجواب خدمات انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ اکیسویں پشت میں نبیرۂ خواجہ بزرگؒ حضرت دیوان سید آلِ رسول علی خاں قدس اللہ سرہٗ ابنِ پیرجی خورسند علیؒ نے برعظیم پاک و ہند کی تاریخ میں جو انقلابی کردار ادا کیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ 1920ء میں دیوان سید شرف الدینؒ سجادہ نشین اجمیر شریف کے لاولد فوت ہوجانے پر سلطان الہندؒ کے سجادہ نشین قرار پائے' اگرچہ اجمیر شریف کے برطانوی گورنر نے مکمل عدالتی تحقیقات کے بعد 1922ء میں اُنہیں سجادہ نشین تسلیم کیا۔ علم وعمل اور روحانیت میں آپ درجہ کمال پر فائز تھے۔ آپ نے سجادہ نشین بنتے ہی درگاہِ عالیہ پر ہونے والی بدعات اور جملہ غیرشرعی رسومات کو موتوف کردیا۔ درگاہِ معلیٰ کے سرکش وشتر بے مہار خدّام اور متولی کی بے اعتدالیوں کے سبب پیدا شدہ مشکل حالات میں پہلی ترجیح کے طور پر درگاہِ معلیٰ کی فضا کو آلودگیوں سے پاک کرنے کا کٹھن فریضہ انجام دیا۔ خدّام کی بے ضابطگیوں کا سدِ باب کرکے زائرین کو راحت و آسائش پہنچانے کا اہتمام کیا۔ صوفیانہ مسلک کے تحت درگاہ شریف پر تعلیم و تربیت اور رشد و ھدایت کی فضا قائم کی۔ تحریکِ پاکستان شروع ہوئی

تو آپ نے مسلمانانِ ہند کی رہنمائی و یک جائی کے لئے قائد اعظمؒ اور مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔ آپ کے ارشادات کی تعمیل میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی خانقاہوں کے سجادگان، شیوخ و علماء اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر میں حصول پاکستان کی جدوجہد کے لئے میدان عمل میں نکل کھڑے ہوئے ۔ جب کہ دیگر سلاسلِ تصوف کے شیوخ و علماء بھی مسلم لیگ کی حمایت پر کمر بستہ ہوگئے۔ تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے میں جن مشائخ عظام اور علماء حقہ کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے اُن میں امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری نقشبندی مجددیؒ، خواجہ غلام سدید الدین تونسہ شریفؒ، شیخ الاسلام خواجہ حافظ محمد قمر الدین سیال شریفؒ ، امیر حزب اللہ ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ جلال پور شریفؒ (آپ نے تو حکومتِ الٰہیہ کے قیام و انصرام کے لئے ایک ''باقاعدہ تحریک'' بھی منظم کر رکھی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے موجودہ پاکستان کے علاقوں میں تقاریر اور خصوصی مضامین کے ذریعے ایک مہم بھی چلا رکھی تھی۔ آپ کی قومی و ملی خدمات اور قائدِ اعظمؒ اور مسلم لیگ کی حمایت کے ضمن میں انتھک مساعی کی، روئداد ایک ضخیم کتاب بعنوان ''امیر حزب اللہ'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے) پیر سید محمد شاہ بھیرہ شریفؒ ، پیر سید غلام محی الدین گولڑہ شریفؒ ، پیر میاں علی محمد خان بسی شریفؒ پیر عبد اللطیف زکوڑی شریفؒ ، پیر محمد امین الحسنات مانکی شریفؒ ، پیر سید محی الدین لال بادشاہ مکھڈویؒ ، خواجہ حسن نظامی دہلویؒ، وغیرہم ــــــ ان بزرگانِ دین کی اجتماعی کوششوں سے 14 اگست 1947ء (جمعۃ المبارک 27 رمضان 1366ھ) کو ملکِ خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

جہادِ آزادی اور تشکیلِ پاکستان کی اس جدوجہد میں دیوان سید آل رسول علیخاں قدس سرہٗ کی حویلی اور درگاہِ عالیہ کی چہار دیواری کے گوشہ گوشہ میں پاکستان زندہ باد، اور پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ کے نعروں کی گونج سنائی دینے لگی اور درگاہِ معلّٰی کی فضا مسلم لیگ کے جلسوں کا مرکز بنی رہی، جس کے تمام اخراجات بھی حضور دیوانؒ ہی برداشت کیا کرتے ۔ اس لئے تقسیمِ ہند کے بعد بھارت کے بد باطن وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے انتقامی کارروائیوں کے عندیے دینے شروع کر دیئے اور حضور دیوانؒ کو فوری طور پر گرفتار کر کے جیل بھیجنے کا بھی پروگرام بنالیا گیا۔ جس پر سلطان الہند کا عالی مرتبت خاندان

ہجرت کر کے پاکستان منتقل ہوگیا۔ غالباً اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ اور مشیتِ ایزدی کا یہی فیصلہ تھا جیسا کہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ایک مکاشفہ میں بیان ہوا (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو زیرِ نظر کتاب کا باب: 7 بعنوان: ''اُمت مُسلمہ کی اجتماعی تنظیم و تہذیب میں صلحائے امت یعنی صوفیۂ عظام کا کردار و عمل''۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا:

کون سی وادی میں ہے، کون سی منزل میں ہے عشقِ بلاخیز کا قافلۂ سخت جاں!
روحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں!
عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

سجادہ اعظم اجمیر شریف دیون سید آل رسول قدس سرہٗ 1973ء میں وصال فرما گئے تو آپ کے فرزندِ ارجمند دیوان سید آل مجتبیٰ علیخاں قدس سرہ، سجادہ نشین اجمیر شریف مقرر ہوئے۔ آپ کی بھی پوری زندگی قومی و ملی اور روحانی فتوحات اور سرفرازیوں اور کامرانیوں کی ایک دلآویز داستان ہے۔ آپ کے مزاج میں ایسی حلیمی و انکساری تھی کہ جس سے گفتگو فرماتے، اُس کی روح تک کو ایک سرشاری کی کیفیت سے عطر بیز فرما دیتے۔ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹھاس و حلاوت مخاطب کے رگ وریشوں میں انوار و تجلیات کی ایک دنیا بسا دیتی۔ ناچیز مؤلف کتابِ ھٰذا نے جب اپنی پہلی تالیف ''گلدستۂ توصیفِ محمد ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم'' آپ کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے سرورق پر نگاہیں جماتے ہوئے اس عاجز و مسکین کو نہایت شفقت بھری نظروں سے کنکھیوں سے دیکھا اور فرمایا: ''گویا کہ آپ نے توشۂ آخرت پہلے سے تیار کر رکھا ہے!'' جبکہ اس حقیر پُرتقصیر کی زکی کیفی کے الفاظ میں حالت یہ تھی کہ:

کچھ اشکِ ندامت کے سوا پاس نہیں ہے لایا ہوں میں دامن میں یہی اپنے سجا کر
ایک بار ہے دل کھول کے رونے کی تمنا سر روضۂ اقدس پہ ندامت سے جھکا کر

دیوانِ سید آلِ مجتبیٰ علی خاں قدس سرہٗ نے قیام پاکستان کے بعد تحریکِ دستور اسلامی و قرار داد مقاصد، تحریک ختم نبوت، تحریکِ نظام مصطفیٰ ﷺ، تحریک ناموسِ رسالت ﷺ میں بھرپور

حصہ لیا۔ اُمت مسلمہ کی اجتماعی تنظیم و تہذیب کے لئے متعدد بار ملک اور بیرونِ ملک سنی کانفرنسوں کی صدارت کی۔ آپ دین کے احیاء و مسلکِ اہلِ سنت کی ترویج و اشاعت کے لئے اپنے والد گرامی کے قائم کردہ دارالعلوم غوثیہ معینیہ یکہ توت پشاور کی آخری وقت تک سرپرستی فرماتے رہے۔ 1992ء میں راولپنڈی سے 26 کلومیٹر کے فاصلے پر پنڈی فتح جنگ روڈ پر آستانہ عالیہ گلشنِ سلطان الہند اجمیری کمپلیکس کی بنیاد رکھی جو آج تعلیم و تربیت کی درسگاہ اور روحانی فیوض و برکات کے لئے مرجع خلائق ہے۔ سلطان الہند اجمیریؒ کا یہ مہکتا پھول اور خاندانِ رسالت مآب کا یہ چشم و چراغ بھی بالآخر 13 اپریل 2001ء کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے 81 برس کی عمر میں اس دارِ فانی سے دارالبقاء کا راہی ہوا۔ ختم قل شریف کے بعد آپ کے جواں فکر ولی عہد دیوان سید آلِ حبیب علیخاں مد ظلہ العالی کی بحیثیت سجادہ نشین اجمیر شریف دستار بندی کی گئی۔ آپ نسبی اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے 37 ویں پشت میں وارث اور 39 ویں خلیفۃ الرسولؐ ہیں۔ آپ دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ و مرصع ہونے کے ساتھ ساتھ پشاور یونیورسٹی سے ایم اے عربی (گولڈ میڈلسٹ) ہیں۔

تحریکِ پاکستان کے حوالہ سے اگر ان نفوسِ قدسیہ اور صلحائے اُمت کے کردار و عمل کو دیکھا جائے تو ضرورت اس امر کی تھی کہ حکومتِ پاکستان' تحریکِ قیام پاکستان میں شامل ہونے والے جملہ مشائخ عظام اور علمائے کرام کی عظمتِ شان کا اعتراف کرتی اور استحکام پاکستان کے لئے ان کی خدمات اور سرپرستی سے مزید فائدہ اُٹھاتی۔ لیکن ہوا یہ کہ حکومتی مناصب کی چھینا جھپٹی اور ذاتی مفادات کے حصول کی کشمکش میں مبتلا ہمارے حکمرانوں نے ان محسنین قوم و ملت کو طاق نسیاں کی زینت بنا دیا۔ خانوادۂ سلطان الہند اجمیریؒ تو تحریکِ پاکستان میں حصہ لینے کی پاداش میں درگاہِ معلی خواجہ غریب نوازؒ کی جاگیریں اور ''روحانی بادشاہت'' چھوڑ کر ہجرت کر کے پاکستان چلے آنے پر مجبور ہوا تھا۔ حکومتِ پاکستان کا فرض تو یہ تھا کہ وہ بھارتی حکومت کے ساتھ اس مسئلہ کو اُٹھاتی کیونکہ درگاہِ خواجہؒ کے سجادہ نشین اعظم دیوان سید آلِ رسول علیخاں قدس سرہٗ کا ہجرت کر کے پاکستان چلے آنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ وہ سجادہ نشینی کے منصبِ روحانی سے معزول ہوگئے ہیں بلکہ تاریخی تسلسل کے ساتھ امرِ واقعہ تو یہ ہے کہ انہی کی صلبی اولاد بر بناءِ ارث آج بھی سجادگی

کے منصب پر فائز ہیں۔ بھارتی حکومت نے بھی سجادہ نشین اعظم دیوان سید آل رسول علیخاں قدس سرہٗ کی ہی قریب ترین رشتہ داری کی نسبت سے درگاہ معلیٰ خواجہ غریب نواز کے انتظام و انصرام کے لئے سید زین العابدین عابد کو ''سجادہ نشین'' مقرر کر رکھا ہے جب کہ درگاہِ معلیٰ کے حقیقی سجادہ نشین تو پاکستان میں موجود ہیں۔ اس بارے میں سجادگانِ چشتیہ کا فتویٰ بھی موجود تھا کہ ملک تقسیم ہونے سے روحانی مناصب و مراکز تقسیم نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا پاکستان کی وفاقی وزارتِ مذہبی امور و اوقاف کو وزارتِ خارجہ کے توسط سے بھارت کے ساتھ دیگر متنازعہ مسائل کی طرح درگاہِ خواجہ غریب نواز کی سجادہ نشینی کا مسئلہ بھی حل کرنے پر توجہ دینی چاہئے تھی۔ جبکہ اس مسئلے کو مجرمانہ حد تک نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ درگاہِ خواجہؒ کے خدام میں سے چند ایک دیدہ دلیر خادم ہر سال پاکستان آ کر خود کو ''سجادہ نشین'' یا'' گدی نشین'' خواجۂ اجمیرؒ ظاہر کر کے ہمارے ہاں کے سادہ لوح عقیدت مند عوام و خواص کو ہی نہیں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کو بھی فریب دے کر فتوحات وصول کر کے اور دعوتیں اُڑا کر بلکہ اپنی طرف سے خلافتیں تقسیم کر کے ''بخیر و عافیت'' واپس چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وزارتِ خارجہ کی طرف سے مستقل احکام جاری ہوتے کہ بھارت میں ہمارا سفارت خانہ ایسے طالع آزماؤں کو ویزہ ہی جاری کرنے سے انکار کر دیتا اور آئندہ کے لئے ایسے افراد کو بلیک لسٹ کر دیا جاتا۔ تاکہ وہ پاکستان میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم نہ کر سکتے۔

خود احتسابی کی اوّلین تحریکِ فکر و عمل

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

قطع نظر مذکورہ تنازعات و مشکلات' خانوادۂ سلطان الہند اجمیریؒ کا بے نیاز قافلۂ سخت جاں' انتہائی نامساعد حالات میں بھی اپنے اجداد کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ملک و ملت کی خدمت' مسلمانوں کی خیر و فلاح اور تصوف و اہل تصوف کی درست سمت میں رہنمائی کے لئے فکرمندی کے احساسات کے ساتھ عزم و عمل کے لئے کمر بستہ ہے۔ حال ہی میں سنی سپریم کونسل کے سربراہ پیر طریقت سید آلِ سیّدی معینی اجمیری مدظلہٗ خلف حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں سجادۂ اعظم خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری قدس سرہٗ اور عمِ بزرگوار سجادہ نشین اجمیر شریف سید آلِ حبیب علیخاں زید مجدھم کی دعوتِ فکر و عمل پر جمعرات 23 جولائی 2009ء بمطابق 29 رجب المرجب 1430ھ فلیش مین ہوٹل

راولپنڈی صدر میں مشائخ و علماء کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی ۔ جس میں پاکستان کے کونے کونے سے سینکڑوں جیّد صوفیہ' علماء' مفتیانِ کرام اور روحانی شخصیات نے شرکت فرمائی ۔ اس محفل کا نہایت ہی خوش گوار پہلو یہ تھا کہ اسے اسلامی تاریخ میں غالباً خود احتسابی کی پہلی تحریکِ فکر و عمل قرار دیا جاسکتا ہے ۔ پیر طریقت سید آلِ سیّدی معینی اجمیری مدظلہٗ نے ایک پر مغز انقلابی و اصلاحی خطبۂ استقبالیہ پیش فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ خانقاہی نظام اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے صُفہ کی صورت میں برپا کیا تھا۔ لیکن صوفیہ کی اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے اس میں ایسے نقائص پیدا ہوگئے کہ مخالفین نے پروپیگنڈے کے زور پر اسے بدنام کرنا شروع کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ خانقاہی نظام کے ہی خلاف ہوگئے ۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ماضی میں مشائخ و علماء نے خود احتسابی سے گریز کیا' اپنی اولاد کی تربیت کی طرف عدم توجہی برتی ' اراتمندوں کے تزکیۂ قلوب پر مطلوبہ زور دینے میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے ۔ علاوہ ازیں ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ خانقاہی نظام سے عمومیت کے ساتھ مدارس کا رابطہ ختم کردیا گیا بعض خانقاہوں میں شریعت کے خلاف رسوم اور بدعات کو بھی رواج دیا گیا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ مشائخ عظام اپنے صاحبزادگان' خلفاء' اور متعلقین کے تزکیۂ قلوب و اذہان پر خصوصی توجہ دیں۔ انہوں نے نیز فرمایا کہ سرکاری نظم و اہتمام میں لائی گئی خانقاہوں پر تو دانستہ اعراس کے پروگراموں کو میلوں ٹھیلوں کی صورت دے دی جاتی ہے جو صوفیہ کے مسلکِ اصلاحِ نفس کے منافی ہے۔ علاوہ ازیں اکثر سجادگان اور خلفاء لوگوں کے عطیات کو امانت سمجھ کر اسلام کی تبلیغ اور اشاعت پر صرف کرنے کی بجائے ذاتی نمود و نمائش اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ پر خرچ کرنے کے مرتکب ہورہے ہیں۔ جو تصوف اور اہل تصوف کی بدنامی کا باعث ہے۔

☆ اجلاس سے تنظیم المدارس اہلِ سُنت پاکستان کے صدر مولانا مفتی منیب الرحمٰن نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہماری سب سے بڑی غلطی اپنی کوتاہیوں' خامیوں اور کمزوریوں کا ملبہ دوسروں پر ڈالنا ہے۔ ہم نے فرائض' واجبات' سُنت اور نفلی عبادات کی ترتیب کو ہی اُلٹ دیا ہے ۔اس لئے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے کہ ''انسان چونکہ خود اپنے نفس کے خیر و شر اور خوبیوں اور خامیوں سے بخوبی آگاہ ہے اس لئے احتسابِ ذات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

☆ صوبہ سرحد کی نمائندگی کرتے ہوئے سوات کے ایک مندوب علامہ حافظ سید غلام محمد قادر

نے کہا کہ ہمارا دشمن مضبوط وسائل کا مالک ہے اس لئے ہمیں وقت کی ضرورت کے مطابق اپنے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کرنا چاہئے۔ اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے میں ہی ہماری عافیت ہے۔

☆ ہندوستان بھر میں علم و حکمت اور فیضانِ روحانی کے عدیم النظیر مرکزِ تجلیات کے سجادہ نشین خواجۂ خواجگان خواجہ عطاء اللہ خان تونسوی مدظلہ' نے اہل سنت کے باہمی ربط و ضبط پر زور دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ خانقاہی نظام کو درحقیقت دنیا کا اوّلین NGO's سسٹم کہا جاسکتا ہے جو عظیم ترین نیٹ ورک کا کردار ادا کرنے والا ایک روحانی و تربیتی نظام تھا۔ جہاں رہائش، خوراک (لنگر) محافل، تعلیم و تربیت کی درسگاہ ایک ہی چھت کے نیچے فراہم کی جاتی تھی۔ اور آج بھی اس کی حقیقت تبدیل نہیں ہوئی۔ اس لئے صوفیہ کو عوام الناس کی خیر و فلاح اور اسلام کی تبلیغ کے لئے اسے مضبوط بنانا چاہیے۔

☆ برّعظیم پاک و ہند کی عظیم خانقاہ شمس العارفین کے سجادہ نشین سیال شریف، خواجۂ خواجگان حمید الدین سیالوی مدظلہ' نے تحریراً تجاویز پیش کیں اور اپنے والدِ بزرگ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی قدس اللہ سرہٗ کی یہ دُعا برائے خصوصی فکر و عمل پیش کی کہ'' اے اللہ! میری اولاد کی موت تونسہ شریف کے راستہ میں آئے (مطلب یہ کہ اپنے مرشدانِ گرامی قدر کے کردار و عمل کے ساتھ اپنے قلبی تعلق کو مضبوط بنانا تصوف کا ایک زرّیں اصول ہے)۔

☆ دیوان عظمت سید محمد (برادرِ خورد سجادہ نشین بابا فرید الدین گنج شکرؒ پاک پتن شریف) نے فرمایا کہ مزارات پر مدارس کا قیام ضروری ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ درباروں کی مساجد میں اہل سنت علماء کا تقرر کرے۔ آپس کے اختلافات کو شائستگی سے ختم کیا جانا چاہئے۔

☆ فرزندِ غزالئ زماں علامہ احمد سعید کاظمیؒ، وفاقی وزیر علامہ حامد سعید کاظمی نے فرمایا: مشائخ کو چاہئے کہ اپنے وجود کو صداقت کا نمونہ بنائیں۔

☆ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ التفسیر والحدیث پیر سید حسین الدین شاہ صاحب نے فرمایا کہ خود احتسابی سے کوئی سجادہ نشین مستثنیٰ نہیں۔ انہوں نے کہا داتا صاحبؒ کا فرمان ہے'' علماء کے بگاڑ سے اطاعت ختم ہوجاتی ہے، فقراء کے بگاڑ سے اخلاق تباہ و برباد ہوجاتے ہیں، امراء کے بگاڑ سے معاش و انصاف ختم ہوجاتا ہے۔ خانقاہوں کو دیکھ کر زمانۂ نبویؐ یاد آنا چاہئے۔

☆ حضرتِ سلطان باہوؒ کے چشم و چراغ پیر خالد سلطان قادری (مقیم کوئٹہ) نے بلوچستان

کے مشائخ کی ترجمانی کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ علماء و مشائخ کونسل قائم کی جائے۔ اور ہر خانقاہ پر درسگاہ کا قیام بھی ضروری ہے۔

☆ پیر محمد افضل قادری سجادہ نشین نیک آباد (مراڑیاں شریف) نے جہالت کو ختم کرنے اور تزکیۂ قلوب کے نظام کو مستحکم کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ مشائخ کو خود اپنی اولادوں کو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ انہوں نے تمام سلاسل کے مشائخ پر مشتمل ایک کونسل قائم کرنے کی تجویز پیش کی تاکہ خانقاہی نظام کی اصلاح اور سجادگی و خلافت کے معیار کو بہتر بنایا جا سکے۔

☆ ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان علامہ سید ریاض حسین شاہ، بلوچستان کے سید حبیب اللہ چشتی (خانوادہ حضرت سید مودود چشتیؒ) سید ذاکر حسین شاہ، قبلۂ عالم حضرت خواجہ دین محمد بڑوتوی چشتیؒ، کے دربارِ عالیہ کے سجادہ نشین ڈاکٹر خواجہ محمد مسعود الزمان قاضی مدظلہ، پروفیسر شاہ محمد سبطین شاہجہانی (سجادہ نشین و خلیفۂ اکبر حاوی العصر حضرت خواجہ حبیب رحمانی محبوب جعفریؒ)، پیر محمود الحق دریا شریف، صاحبزادہ خواجہ مقبول میرا شریف، پیر رضوان حاجی صاحب اورنگ آباد اور بہت سے دیگر علماء و مشائخ نے بھی کانفرنس میں شرکت فرمائی اور بعض نے مختصر خطاب بھی فرمایا۔

☆ خطبۂ صدارت میں حضور دیوان سید آل حبیب علی خاں سجادہ نشین خواجہ غریب نواز اجمیریؒ نے فرمایا: قول و فعل کو مذہب سے ہم آہنگ بنایا جائے۔ بدعات و غیر شرعی رسومات کا قلع قمع کیا جائے۔ اصلاحِ ذات پر خصوصی توجہ دی جائے۔ خانقاہی نظام کے جائزے اور اصلاح کے لئے مؤثر قسم کی نمائندہ کمیٹی قائم کی جائے۔ ہر خانقاہ کی طرف سے اصلاحی تربیتی پروگرام مرتب کئے جائیں۔

ناچیز مؤلف کتاب ھٰذا، درج بالا دعوتِ فکر و عمل کی روشنی میں حضرت علامہ اقبالؒ کی زبان میں علماء و مشائخ سے مکمل اتفاق کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ہر معزز قاری اور مخاطب اور صاحبِ تصوف سے عرض گزار ہوگا:

اُٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ خاور پر — بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں
شمع کی طرح جئیں بزم گہہ عالم میں — خود جلیں، دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

دعوتِ فکر و عمل

عشق کی اِک داستاں ہے دعوتِ فکر وعمل
ایک حُسنِ ارمغاں ہے دعوتِ فکر وعمل
گلستاں در گلستاں ہے دعوتِ فکر وعمل
اِس زمیں کا آسماں ہے دعوتِ فکر وعمل
کوہ ساران جہاں کو باخبر کرتے چلو
صورتِ آبِ رواں ہے دعوتِ فکر وعمل
فکر میں اک فقر ہو حسنِ عمل میں حُسن ہو
پھر بہارِ جاویداں ہے دعوتِ فکر وعمل
پرچمِ حق لے کے اُٹھے ہیں جو آلِ سیدی
بے نشانوں کا نشاں ہے دعوتِ فکر وعمل
بھول کر درسِ حقیقت بے حقیقت ہو گئے
اس امر کی ترجماں ہے دعوتِ فکر وعمل
برف کا طوفان ہے بے جان ہیں شجر ونگر
گرمیٔ اہلِ فغاں ہے دعوتِ فکر وعمل
اس سے ہر تاریک شب ڈھلتی ہے صبح نور میں
آفتابِ آسماں ہے دعوتِ فکر وعمل
جب زمینِ دل کی گہرائی میں اس کی اصل ہو
پھر جہاں میں پرفشاں ہے دعوتِ فکر وعمل
اِس میں جب قرآن کا پیغامِ عالی شان ہے
کس لئے ہم پر گراں ہے دعوتِ فکر وعمل
رفتہ رفتہ بجھتے جائینگے ہوس کے سب چراغ
ماہتابِ زرفشاں ہے دعوتِ فکر وعمل
جب عمل سے زندگی ہے فکر سے تابندگی
کس لئے ہم سے نہاں ہے دعوتِ فکر وعمل
اس کے جب آلام پر آرام کر دیں گے نثار
پھر یہی آرامِ جاں ہے دعوتِ فکر وعمل
پرچمِ ایثار لے کر ہر طرف بڑھتے چلو
فاتحِ جملہ جہاں ہے دعوتِ فکر وعمل
یہ شجاعت یہ صداقت یہ عدالت کی خطیب
کس قدر شیریں زباں ہے دعوتِ فکر وعمل

اولیا و اصفیاء و اتقیاء کی جان ہے
دعوتِ فکر و عمل پیغمبرانہ شان ہے

——— شاہ محمد سبطین شاہجہانی

سپاسِ تشکر

خلافت ختم المرسلین ﷺ کی روحانی و مادی جہتیں

مؤلف کے قلم سے

مؤلف نے کتاب ھٰذا پر کام کا آغاز یوں تو 1994ء میں کر دیا تھا لیکن تیاری کے مراحل سے گزرتے ہوئے اُسے یہ احساس ہوا کہ ذاتِ پاک محمد مصطفیٰ ؐ اور خلافتِ ختم المرسلین ﷺ ہی تو باعثِ تکوینِ کائنات ہیں جس کا اعتراف یسوع مسیح علیہ السلام نے ان الفاظ میں کیا تھا: ''میں ایک آواز ہوں جو سارے یہودیہ میں پکارتی ہے کہ خداوند کے رسولؐ کے لئے راہ تیار کرو'' ____ چنانچہ مشیتِ ایزدی سے ناچیز مؤلف کا قلم پہلے سُنتِ یسوع مسیحؑ ادا کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے روحانی و مادی فیوض و برکات کے بیان کے لئے راہ تیار کرنے کی خاطر ''گلدستۂ توصیف محمدؐ ختم الرسل' ﷺ'' مرتب کرنے پر کمربستہ ہوا' اور پونے نو سو صفحات پر مشتمل کتاب معرضِ وجود آ کر فروری 1995ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ ____ پھر غور و فکر کر کے کچھ لکھنا شروع کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کی روحانی اور حقیقی جہت سے کچھ ظواہر بین علماء اور دانشورانِ ملت کو جو گریزاں اور بیزار پایا تو ____ فیصلہ کیا کہ پہلے اسی موضوع پر کچھ لکھ دیا جائے ____ لہٰذا ____ دوسری کتاب: ''عصرِ حاضر میں تلبیس ابلیس' جدید فکرِ اسلامی' ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' ____ تیار ہو گئی اور تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ کتاب فروری 2003ء میں شائع ہوئی ____ اس کتاب پر تنقید اور تبصرے سامنے آئے اور ناچیز مؤلف کو مجبوراً بعض اصحابِ فکر و نظر کو مُسکت جواب دینا پڑا تو ____ تیسری کتاب: ''جاگتے لمحوں کی آواز (جو سعید روحوں کے دِلوں تک پہنچی' لیکن سماعت سے محروم دیدہ ورنہ سُن سکے'' ____ الفاظ کے سانچوں میں ڈھل کر فروری 2006ء میں شائع ہوئی جو 384 صفحات پر مشتمل ہے۔ یوں زیرِ نظر چوتھی کتاب: خلافتِ ختم المرسلین ﷺ کی روحانی و مادی جہتیں'' کے ''مرکزی خیال'' کی بنیاد تو پندرہ

برس پہلے ہی رکھی جا چکی تھی اور گلدستۂ توصیفِ محمدؐ ـــــ ختم الرسل ﷺ'' کے نقش اول میں احیائے خلافت کی مختلف تعبیروں کے عنوان سے ایک مختصر لیکن مربوط اور بھرپور مضمون شاملِ اشاعت کر دیا گیا تھا۔ اور بنیادی سوالات بھی اُٹھا دیئے گئے تھے۔ جن کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ ان سوالات کے صحیح جوابات پر مسلمانوں کی بحیثیت ایک آخری اُمت' دنیوی اور اُخروی خیر وفلاح کا انحصار ہے۔ لہٰذا یہ بھی کہا گیا تھا کہ راقم الحروف علیحدہ سے اس رُخ پر مطالعہ' تحقیق و تجسس اور جستجو کا آغاز کر چکا ہے اور اپنی کاوشوں کے نتائج عنقریب الگ کتابی صورت میں پیش کرے گا ـــــ چنانچہ الحمدُ للہ وہ لمحۂ آرزو پندرہ سال کے بعد اپنے تکمیلی مراحل طے کرتا ہوا ناچیز حقیر پُر تقصیر کو دیکھنا نصیب ہوا جس پر وہ اللہ' ربّ العزت اور ربِّ محمد ﷺ کا شکر گزار ہے کہ:

''ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ''۔

اس کتاب کی تالیف میں جن مفسرین قرآن مجید' محدثین کرام' صوفیۂ عظام و صلحائے اُمت' فاضل مورخین و ناقدین اور معاصر مصنفین و مؤلفین کے علمی و فکری مجموعہ ہائے قرطاس وقلم سے استفادہ کیا گیا' ناچیز مؤلف اُن سب کا بے حد شکر گزار ہے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کے درجات کی بلندی کے لئے دست بہ دعا ہے اور جن اہل علم کے فکر ونظر سے اختلاف کیا گیا ہے اُن کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اصلاحِ احوال اور آئندہ نسلوں کو اُن کے گمراہ کُن افکار و نظریات سے محفوظ رکھنا مطلوب تھا۔ جن معاصر اہل علم سے راقم الحروف کو ذاتی سطح پر علمی وفکری مسائل کی تفہیم وتشریح کے ضمن میں تبادلۂ خیال کے مواقع ارزانی ہوئے اُن کے علم وفضل میں اضافہ کے لئے ناچیز دعا گو رہے گا۔ خصوصاً جناب محترم صوفی محمد اسلم صاحب اور جناب مکرم وقار احمد شیروانی صاحب نے بعض فکری الجھنوں کو دور کرنے میں جو تعاون کیا اُس کے لئے بندہ خاص طور پر اُن کا شکر گزار رہے گا۔

جناب شکیل عثمانی صاحب نے بھی بعض ابواب کی پروف ریڈنگ کی اور کتاب کی اشاعت میں راقم کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ نیک تمناؤں کا اظہار کرتے رہے۔ بندہ اُن کی صحت وخوشحالیِ احوال کے لئے دُعا گو ہے۔ ناچیز کے سب سے چھوٹے بیٹے عزیزی جمیل النبی ناصر نے اس ضخیم کتاب کی تیاری کے مختلف مراحل یعنی کمپوزنگ' پروف

ریڈنگ، طباعت اور اشاعت کے لئے شب وروز پوری دلجمعی اور ذوق وشوق کا مظاہرہ کیا، بندہ اُس کی درازئ عمر، صحت وتوانائی، عزت وعظمت میں فزوں تر اضافہ اور دین ودنیا میں ہر پہلو سے اُس کی بھلائی وسرفرازی کے لئے دعا گو ہے۔

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر سے بہ صمیم قلب آرزومند ہوں کہ وہ اپنے حبیب کریم محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ و فیض رسانی اور عاجز مسکین کے مرشدی و مولائی حضور خواجۂ خواجگان، مُحبِّ الفقراء حضرت خواجہ حافظ محمد صدیق چشتی نظامی السالمی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے طفیل، اس ناکارۂ خلائق، حقیر و پُر تقصیر کی اس علمی وفکری کوشش کو ناچیز کے لئے ذریعۂ نجات اور توشۂ آخرت بنائے اور ناچیز کی یہ پُر خلوص کاوش اُمتِ مسلمہ کے لئے خصوصاً اور روحانیت کی پیاسی خلقِ خدا کے لئے عموماً اپنے دین وایمان کو سدھارنے کا وسیلہ ثابت ہو۔

آمین یا ربّ محمد ﷺ۔

فقط والسلام: دُعا جو مؤلف

-----O-----

ابتدائیہ:۔

پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی

باسمہٖ سبحانہٗ و تعالیٰ

اِسلام ،تصورِ خلافت اور تصّوف

جناب نبی احمد لودھی ایک صاحب علم اور اہل دل ہیں۔وہ اسلامیہ کالج لاہور میں میرے سینئر تھے۔ اسلامی جمیعت طلبہ کے حلقہ میں ہم ان کے زیر سایہ تھے۔پھر وہ اسلامی تحریک سے تصوف کی عمیق وادیوں میں اتر گئے۔اب ماشاء اللہ وہ صاحب ِ حال ہیں۔ہندوستان کے کفرستان میں شمع اسلام فروزاں کرنے والوں کے سرخیل سیدنا خواجہ معین الدین چشتیؒ کے سلسلے میں حضرت خواجہ حافظ محمد صدیق چشتی نظامی آف سالم شریفؒ سے بیعت اور اجازت یافتہ ہیں اور خواجہء اجمیریؒ کے نبیرہ دیوان سید آل حبیب علیخاں سجادہ نشین اجمیر شریف سے بھی خلعت ِ خلافت سے سرفراز۔ ان کی کتاب ''خلافتِ ختم الرسلینؐ کی روحانی و مادی جہتیں'' دیکھنے کیلئے مرحمت ہوئی۔کتاب پر طالب علمانہ ملاحظات سے میں نے مؤلف کو آگاہ کر دیا ہے۔کتاب مفصل اور جامع ہے اسلام ،تصور خلافت ،تصوف ، ناقدین تصوف کا جائزہ اور دیگر کئی موضوعات پر بہت مسالا جمع کیا ہے جو قارئین کیلئے بڑی دلچسپی کا باعث ہوگا۔اللہ تعالیٰ انہیں اس محنت کیلئے جزائے خیر دے۔

کتاب میں تصوف کے ناقدین کے فکر ونظر کا بھی جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے بعض دلائل زیر بحث لائے گئے ہیں۔ان کی رائے ہے کہ حکومت کی تبدیلی اور اس کے حصول کی کوششیں درحقیقت خلافت کی مادی جہت ہے۔مؤلف کے نزدیک سورہ آل عمران کی آیات 104 و 110 کی رو سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔وجہ یہ ہے کہ امرو نہی کیلئے علم شریعت اور احتساب کی قدرت ضروری ہے۔اور یہ صلاحیت سب لوگوں میں نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا آیات میں خطاب اگرچہ اہل اسلام کی پوری جماعت سے ہے مگر مکلف بعض کو بنایا گیا ہے۔مؤلف کے نزدیک اصل کام تعلیم وتربیت اور تزکیہ واصلاح ہے اور اسی کے ذریعے اہل تصوف نے عامتہ المسلمین کے علاوہ جابر و فاسق حکمرانوں کی اصلاح کی ،جس کی مثالیں تاریخ اسلام میں محفوظ ہیں۔مجدّ دین ،فقہا و صلحاء کی اصلاحی

کوششوں اور دعوت و تذکیر سے ثابت ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے حکومتوں کو اسکے صحیح مرکز پر قائم رکھنے کی جدوجہد جاری رہی۔مؤلف نے اس نقطہ نظر کی وضاحت بھرپور طریقے سے کی ہے۔لہٰذا یہ کتاب تصوف سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کیلئے یقیناً ایک قابل قدر ماخذ ثابت ہوگی۔اس ساری بحث میں اصل نکتہ خلافت کبریٰ کا تعین ہے۔اگر حضور اکرم ﷺ خلیفہء اعظم ہیں جنہوں نے ایک ریاست کی داغ بیل ڈالی اور ایک مثالی معاشرہ قائم کیا جہاں روحانیت و مادّیت یک جان تھیں۔جہاں معاشرتی عدل، معاشی انصاف، قانون کی حکمرانی رجوع الی اللہ اور عبادت الٰہی مجتمع ہو گئے تھے کیا اس ماڈل پر ریاست قائم کرنا مسلمان کے ایجنڈے سے خارج ہو گیا ہے؟ کیا دنیوی اختیار و اقتدار فساق و فجار کے سپرد کر کے تعلیم و تربیت اور اصلاح و تزکیہ جیسے مقاصد نبوت کی تکمیل ہو سکتی ہے؟ کیا روحانیت و مادیت کا اجتماع اور مذہب و سیاست کی یکجائی محمدیؐ ماڈل کی خصوصیت نہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ تعلیم و تربیت اور تزکیہ و اصلاح تمام مذاہب کا مقصود ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر اسلام کی کیا خصوصیت ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات ضروری ہیں تاہم مؤلف نے اپنی دانست میں ان سوالات کا بھرپور جواب دینے کی کوشش کی ہے۔قارئین کتاب کے مندرجات کے مطالعہ سے بہتر طور پر یہ اندازہ لگا سکیں گے کہ مؤلف اپنے مقصد کے حصول میں کہاں تک کامیاب رہے ہیں۔

کتاب کے نفس مضمون میں تاریخی تدریج کے اعتبار سے خصوصیت کیساتھ اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ خلافت راشدہ کے انہدام سے پیدا شدہ سیاسی کشمکش اور بالآخر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل دین، جن میں علماء اور صلحاء شامل تھے، نے ایک حکمت عملی کے تحت مستبد اقتدار کے مقابل آنے سے گریز کیا کہ اس سے بڑے فساد کا اندیشہ تھا اور بے گناہوں کے قتل کا خطرہ۔تاہم سیدنا حسینؓ کے بعد ان کے پوتے زید بن علی بن الحسینؓ نے ہشام ابن عبدالملک کے مقابلے میں علم جہاد بلند کیا۔اور ۱۲۲ھ میں مصلوب و شہید ہوئے۔امام ابوحنیفہؒ نے دس ہزار درہم سے ان کی مدد کی اور خود شریک نہ ہو سکنے پر معذرت کا اظہار کیا۔بعد ازاں بنی حسنؓ سے حضرت نفس الزکیہؒ نے مدینہ طیبہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہؒ نے کوفہ میں منصور کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے ان مہمات کی بھی حمایت کی۔اسی طریقہ پر وقفوں وقفوں سے اصلاحی

کوششوں اور دعوت و تذکیر کے ذریعے خلافت کی مادی جہت کو اس کے صحیح مرکز پر قائم رکھنے کی کوششیں برابر جاری رہیں ادھر جابر حکمرانوں کا خونی کھیل بھی جاری رہا جبکہ صلحاءِ اُمّت نے اپنی کاوشیں مسلم معاشرہ کی خیر و فلاح اور اس کے اسلامی تشخص کی حفاظت پر مرکوز رکھیں اس لئے کہ ان حضرات نے حالات سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ''خلافت ظاہری'' بحال کرنے کی جدوجہد اب صدیوں کی چمن بندی کی متقاضی ہے اور وہ بھی ایسی چابکدستی فہم و فراست اور تدبر و تعقل کیساتھ کہ سانپ بھی مرجائیں اور لاٹھی بھی ٹوٹنے نہ پائے۔ اس جدوجہد کو ان بزرگوں نے تصوّف کے سلاسل کی صورت میں ترتیب دیا اور اس طرح سے نسلاً بعد نسلاً کم سے کم وہ خلافت کی روحانی جہت کے نظام کو بچانے میں اس شان سے کامیاب ہوئے کہ انسانی جسموں پر اگر استبدادی بادشاہوں نے تلواروں کے سایہ میں حکومت کی تو انسانی روحوں پر قبضہ ہمیشہ انہی بوریہ نشین اور گدڑی پوش فقیروں کا رہا۔ گویا کہ سیاست کی جدید اصطلاح میں ان فقراء نے ہر دور میں اپنے اپنے ملکوں اور معاشروں میں ''متوازی حکومتوں'' کا نظام قائم کئے رکھا۔ اور وقت کے بادشاہ اور حکمران وقتاً فوقتاً ان کے حضور دست بستہ حاضر ہونے پر فخر و ناز کرتے رہے تا آنکہ گزشتہ ڈیڑھ دو صدیوں کے استعماری غلبے کی وجہ سے بتدریج اُمت مُسلمہ میں سیاسی شعور و آگہی کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کے تحت بعض مسلمان ملکوں اور معاشروں میں حکومتی سطح پر اسلامی نظام حیات کے قیام و انصرام کی آرزوئیں انگڑائیاں لینے لگیں۔ مؤلف کے نزدیک یہ اجتماعی شعور و آگہی درحقیقت صلحاء امت کی ہی صدیوں پر محیط پیہم سعی و جہد کا ثمرہ ہے۔

اندریں حالات ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دورِ حاضر نے چونکہ یہ موقع بھی فراہم کر دیا ہے کہ پُر امن طریقے سے حکومتوں کو تبدیل کیا جا سکے۔ اس لیے اہل تصوف اور اسلامی تحریکوں کے درمیان مفاہمت اور تعاون کی ضرورت ہے اور قرونِ وسطیٰ کی جدلیاتی بحثیں کہ کونسا طریقہ اسلامی اور غیر اسلامی ہے، چھیڑنے کی ضرورت نہیں یہ طعنے کہ اہلِ تصوف ہمیشہ استعمار کا دست و بازو رہے ہیں اور اسلامی تحریکیں دنیا پرست اور جاہ طلب جماعتیں ہیں۔ امت مسلمہ کے مفاد میں نہیں۔ استعمار نے ہمیشہ مسلمانوں میں افتراق پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے کیخلاف صف آراء کیا ہے اور مسلم معاشروں پر تسلط جمایا ہے۔ مسلمانوں کے اہل دل اور اہل فکر حلقوں کو اس استعماری چال سے بچنا چاہیے۔

یہ بات بدیہی ہے کہ اقتدار و اختیار کے منابع اگر فساق و فجار کے کنٹرول میں ہیں تو انفرادی اصلاح کی تمام کوششیں بے اثر ہو جائیں گی بالخصوص عصر حاضر کا میڈیا اور دوسرے ذرائع جو فساق و فجار کے زیر تصرف ہیں اس لیے اختیار و اقتدار کو تبدیل کرنے کی مساعی اور خود اقتدار کا حصول برائے اسلام نہ کہ برائے ذات ایک مستحسن اقدام ہو سکتا ہے۔ اہل تصوف کو تزکیہ و اصلاح کا عمل جاری رکھتے ہوئے اسلامی تحریکوں کی سرگرمیوں کی حمایت کرنی چاہیے اور اسلامی تحریکوں کو اہل تصوف کے خلاف صف آرا ہونے کی بجائے طریق تزکیہ و اصلاح سے استفادہ کرنا چاہیے دونوں گروہ مقاصد نبوت کی تکمیل میں مصروف عمل ہیں اور دونوں ملکر روحانیت و مادیت اور مذہب و سیاست کی یکجائی کے محمدیؐ ماڈل کو حاصل کر سکتے ہیں۔

جناب نبی احمد لودھی نے تزکیہ و اصلاح اور مسلم معاشرے کے اسلامی تشخص کی حفاظت میں اہل تصوف کے کردار کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے اور اہل علم و دانش اور اصحاب فکر و نظر کیلئے غور و خوض اور رہنمائی کا کافی سامان مہیا کیا ہے چونکہ وہ میرے سینئر ہیں اس لیے میرا یہ مرتبہ نہیں کہ میں اس تالیف کا ناقدانہ جائزہ لوں۔ میں تو استفادہ کرنے والا ہوں اس لیے استفادہ ہی کے نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔ یہ طالب علمانہ معروضات محض تعمیل ارشاد کیلئے ہیں و باللہ التوفیق

اسلام آباد

9 جنوری 2005

ڈاکٹر خالد علوی

ڈائریکٹر جنرل، دعوۃ اکیڈمی

انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

کتنی مشکل زندگی ہے! کس قدر آسان ہے موت

جناب ڈاکٹر خالد علوی ابن میاں غلام محی الدین 16 نومبر 1940ء کو خوشاب (پنجاب) میں تولد ہوئے۔ 55-1954ء میں ایک معروف دینی مدرسے جامعہ نعمانیہ لاہور سے فاضل درس نظامی کی سند حاصل کی اور قرآن حکیم حفظ کیا۔ 54-1953ء میں پنجاب یونیورسٹی سے فاضل فارسی (آنرز) اور 53-1952ء میں مولوی فاضل (عربی آنرز) کیا۔ 59-1957ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے ذریعے پنجاب یونیورسٹی سے ایف اے

1959-61ء میں بی اے، 1961-63ء میں پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور سے ایم اے عربی لٹریچر اور بعد ازاں 1963-64ء میں ایم اے پولیٹکل سائنس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کیلئے برطانیہ چلے گئے اور یونیورسٹی آف ایڈن برگ سکاٹ لینڈ سے 1975-80ء میں عربی اور علوم اسلامیہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تعلیمی مشاغل کے دوران اور تکمیل کے بعد آپ پنجاب یونیورسٹی میں پہلے لیکچرار پھر ایسوسی ایٹ پروفیسر اور پھر پروفیسر (سیرت چیئر) رہے۔ برطانیہ میں قیام کے دوران آپ نے یونیورسٹی آف برمنگھم میں لیکچرار (1991-94ء) کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔ وطن واپس آکر (1991-98ء) شیخ زید اسلامک سینٹر (پنجاب یونیورسٹی) کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ بعد ازاں 2000-2005ء میں دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ڈائریکٹر جنرل کے عہدہ جلیلہ پر فائض رہے اور وہاں سے ریٹائرمنٹ (2005ء) کے بعد جماعت اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام چلنے والے تعلیمی ادارے انسٹیٹیوٹ آف سائنس اینڈ ہیومینٹیز (WISH) اسلام آباد میں ہیومینٹیز کے ڈین کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے تھے کہ 18 نومبر 2008 کو اپنے دفتر میں فرائض منصبی کی ادائیگی کے دوران میں دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا اور وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی فیملی 20 نومبر کو برطانیہ سے وطن پہنچ پائی۔ جس کے بعد امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کا جسد خاکی پنجاب یونیورسٹی (نیو کیمپس) لاہور کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ درجنوں دینی کتب کے مصنف تھے جن میں اہم ترین ''انسان کامل'' ﷺ ساڑھے سات سو صفحات پر مشتمل تھی۔ جو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کیلئے توشۂ آخرت ثابت ہوگی۔ مرحوم ومغفور نے نہایت ہی عسرت وتنگدستی اور کسمپرسی کے عالم میں حصول تعلیم کا آغاز کیا۔ جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے جب وہ اسلامیہ کالج میں زیر تعلیم تھے تو ایک عرصہ تک ریلوے سٹیشن لاہور کے مسافر خانہ کے کسی بینچ پر رات بسر کیا کرتے۔ ان کے پاس کل اثاثہ ایک بیگ میں چند کتب ہوتیں جن سے وہ سرہانے کا کام لیتے۔ ناچیز مؤلف دُعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مرد درویش کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے (آمین)۔

-------O-------

عملی تصوف وروحانی سلاسل سے غیر وابستہ احبابِ علم و دانش فکری انتشار پھیلا رہے ہیں

اصفیاء واکابرین اپنے علم وعرفان سے امہ کی رہنمائی فرمائیں

ڈاکٹر طفیل احمد قریشی کا مؤلف ابوناصر نبی احمد لودھی کے نام ایک مکتوب

ڈاکٹر طفیل احمد قریشی 12 ستمبر 1938ء (بمطابق ۲۴ رجب المرجب ۱۳۵۷ ہجری) کو نورمحل جالندھر (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ علماء و درویشوں کے خانوادہ سے تعلق ہے۔ والد حضرت مولانا حافظ قاری عبدالرشید قریشی، قادری چشتی بزرگ ہیں۔ ابتدائی تعلیم لاہور کے انگلش سکولوں میں ہوئی۔ درسِ نظامی جید علماء کی شاگردی میں کیا اور فقہ میں تخصص حاصل کیا۔ بیعت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں میں کی۔ تقابلِ ادیان کے مضمون میں ایم اے کیا اور ساتھ ہی ایل۔ ایل۔ بی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ 1971 میں شریعہ لاز کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور شریعہ سائنسز میں فقہ و شریعہ قوانین اور عربی زبان میں تخصص حاصل ہونے پر عملی زندگی میں آپ پہلے وفاقی وزارت قانون کے زیر انتظام ادارہ تحقیقاتِ اسلامی (بعد ازاں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی) میں ریسرچ سکالر رہے چند سال وفاقی وزارت تعلیم میں اسلاملک سٹڈیز اور عربی کے شعبہ جات کے سربراہ رہے اور پھر وفاقی وزارت مذہبی امور میں ڈائریکٹر جنرل کے عہدہ تک پہنچے۔ اسی دوران انہوں نے ڈیپوٹیشن پر نائجیریا کے قانون و شریعہ اور عدالت ہائے شریعہ و عدلیہ کے لئے کام کیا اور میڈو گوری یونیورسٹی میں ڈین آف لاء کے منصب جلیلہ پر فرائض انجام دیئے۔ آپ ان دنوں ایک فلاحی ادارہ ''الفلاح فاؤنڈیشن اینڈ ٹرسٹ کے چیئرمین اور مختلف تنظیموں میں شریعہ لاز و معاشرتی و تعلیمی امور کے مشیر ہیں۔ متعدد تعلیمی و فلاحی تنظیموں کے رکن اور بعض تعلیمی و تحقیقی اداروں اور یونیورسٹیوں کے ممتحن اور ریسرچ گائیڈ ہیں اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے دوران میں آپ متعدد ایشیائی، یورپی اور افریقی ملکوں کے مطالعاتی و تعلیمی و تحقیقی دورے کر چکے ہیں۔ انگریزی، اردو، عربی، فارسی، پنجابی اور سندھی زبانوں پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ بہت سے علمی و فقہی اور دینی موضوعات پر تقریباً 35 تصانیف کے حامل ہیں (مکتوب محولہ بالا اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو ___ مؤلف)

محترم و مکرم نبی احمد لودھی صاحب

اسلام علیکم الی یوم القیام و علی من لدیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

جناب کی کتاب کا مسودہ بعنوان ''خلافتِ ختم المرسلین ﷺ کی روحانی و مادی جہتیں'' معہ مراسلہ موصول ہوا پھر یہ موضوع زیر گفتگو بھی رہا۔ ماشاء اللہ جس شرح و بسط سے آپ نے مختلف جہات کو اجاگر کیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ازمنۂ وسطیٰ میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن آپ نے معاصرین کے افکار و خیالات کا احاطہ بھی فرما لیا ہے بالخصوص ایسے احباب علم و دانش جن کا عملی تصوف یا کسی روحانی سلسلہ سے واسطہ نہیں رہا۔ ان کے روحانی اور تصوف سے متعلق دعاوی آپ نے تحریر فرمائے جو قابل استعجاب ہیں۔ اسی طرح دینی علوم کی باقاعدہ تحصیل بالخصوص اصول تفسیر، اصولِ حدیث، اصول فقہ جیسے اہم علوم کی سبقاً تدریس کے بغیر اہم اور حساس موضوعات پر ایسے حضرات کی نکتہ سنجیاں اور سخن بیانیاں حیران کن صورت پیدا کر رہی ہیں۔ نتیجتاً اُمت کے عوام الناس ذہنی و فکری انتشار کا شکار ہو رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ماہرین اور اکابرین اپنے اپنے علم و عرفان سے رہبری فرمائیں تا کہ عوام کی صحیح تعلیم و تربیت ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے جن خدشات و خلفشار کی نشاندہی فرمائی ہے ان کا یہی حل ہے۔
آپ کی اس تصنیف کے موضوعات و جہات اتنے اہم ہیں کہ خود ان پر لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن مصروفیات اجازت نہیں دے رہیں لہٰذا اپنی آراء کا اختصار مراسلہ ہذا سے منسلک کر رہا ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ کسی رائے سے اتفاق نہ ہونے کی صورت میں درگزر فرمائیں گے اور اس دعا کے ساتھ کہ مولائے کریم آپ کی اس سعی کو قبول فرمائے اور جہد مسلسل کی ہمت و توفیق بخشے (آمین) والسلام

دعا جُو

بندۂ ناچیز طفیل احمد عفی عنہ
(ڈاکٹر طفیل احمد قریشی)
چیئرمین الفلاح فاؤنڈیشن اینڈ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
125 الفلاح ہاؤس، سٹریٹ نمبر 88 سیکٹر G-8/1
اسلام آباد۔ فون: 051-2852777

تحریر
ڈاکٹر طفیل احمد قریشی

نقشِ راہ

جستجوئے حق کے مسافروں کی اصل منزل

زندگی میں کچھ لوگ خوشحال گھرانوں میں پیدا ہوتے ہیں یا پھر غریبوں میں آنکھ کھولتے ہیں۔وہ حصولِ علم کیلئے اچھے یا بُرے حالات سے گزرے۔کسی بھی طرح تعلیم کی منزلیں طے کیں اور کسی بھی ایک فن ،ہنر اور شعبۂ حیات کو چنا۔پھر اسی میں اپنے حالات کے مطابق بڑھتے رہے بالآخر نام پیدا کیا اور بڑی شخصیت کہلائے۔لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں جنہیں علمی سندیں اور ڈگریاں تو کسی جگہ لے جاتی ہیں لیکن ذہن کی جستجو روح کا اضطراب اور تڑپ انہیں مختلف راہوں کا سفر اور مختلف سیر گاہوں کی سیر کراتی رہیں اور بالآخر اپنی پسند کی منزل اور سیر گاہ پالینے میں کامیاب ہوئے۔اور پھر شب و روز اس کوشش میں مصروف ہو جاتے ہیں کہ اور لوگ بھی یہ منزل پالیں۔جستجوئے حق کے انہی لوگوں میں محترم نبی احمد لودھی صاحب بھی ہیں۔

نبی احمد لودھی صاحب حضرت مفتی اخوند بدرالدین خراسانیؒ کی نسبی اولاد ہیں جو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ کے خلیفہ اور عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے استادِ محترم تھے۔ان کا علاقہ سلطان پور لودھی (جالندھر مشرقی پنجاب) ہے جو سرہند سے بہت زیادہ دور نہیں۔اپنی پیدائش (1931ء) سے ابتک لودھی صاحب کو زندگی کے جو سفر درپیش آئے ان میں ابتدائی اور اہم صحافت و طباعت کا ہے۔اس نے ان کی تحریروں کو جلا بخشی اور اچھوتا اسلوب دیا۔طباعتی تجربوں کی بدولت وہ اپنی کتابیں قارئین تک پہنچا سکے۔ فکرِ اسلامی اور احیائے دین کے سفر سے اُن میں اُمت کے مسائل، مذہبی وفکری اختلافات کا ادراک آیا اور وہ اپنے انداز میں انہیں واضح کرتے اور حل کرتے نظر آتے ہیں۔اس حوالے سے ان کی جماعت اسلامی سے وابستگی پھر علیحدگی اور پرانے رفقاء پر ناقدانہ تجزیے اہم پہلو سامنے لاتے ہیں خصوصی طور پر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی جماعت اسلامی سے وابستگی پھر مولانا مودودی صاحب مرحوم سے ان کی نیابت کا دعویٰ ،مزید برآں ان کے خلافت الٰہیہ ، تصوف اور دیگر اہم موضوعات پر نظریات و آراء اور ان کے تضادات

وغیرہ۔حکومتی ملازمت کی راہ پر ان کا سفر اعلیٰ عہدوں کی منزلوں پر طے گیا اور 1993 میں ریٹائرمنٹ کیساتھ اختتام پذیر ہوا۔حسن اتفاق سے انہیں کام بھی زیادہ تر وزارت اطلاعات و ذرائع ابلاغ کے محکموں میں کرنا پڑا۔اس سفر نے حکومتی نظام ملکی پالیسیوں کے نفاذ اور میڈیا کے طور طریقوں نے ان کی استعداد کو جلا بخشی اور وہ ''اندورن خانہ'' کے واقف اور عملی حصہ دار رہے۔اس نے ان کی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ انہیں معاملات کے نتائج و عواقب کی بصیرت بھی دی۔ ان کی فکر پر یہ پہلو گہرا اثر انداز ہوتا نظر آتا ہے اور وہ عالم اسلام کے مسائل، مسلم حکومتوں کی سیاسی و اقتصادی ناکامیوں اور بڑی عیسائی حکومتوں کے اداروں اور اندرونی حکمت عملیوں کا تجزیہ کرتے ہیں۔

ایک سفر وہ ہے جو زیر تجزیہ کتاب کے اہم موضوع سے متعلق ہے یعنی جسم و مادہ کے علاوہ روح اور روحانیت کی اہمیت۔ تخلیق آدم علیہ السلام، انسان کی دیگر مخلوقات پر فوقیت، اس کی خلافت اور پھر اس کا روحانی پہلو اور صوفیائے کرام و مصلحین اُمت کا اس خلافت کیلئے کردار۔اس سفر کے جناب نبی احمد لودھی صاحب کی شخصیت کے حوالہ سے دو پہلو ہیں۔ایک ان کی اپنی ذات کا پس منظر ہے۔دوسرا علمی و تحقیقی ہے۔

جہاں تک اول الذکر پہلو کا تعلق ہے تو اس کیلئے ان کے نسبی اور موصولیاتی حال کی طرف جانا ہوگا۔اپنی حالیہ تالیف ''جدید فکر اسلامی'' میں وہ سپاس عقیدت کے زیر عنوان اپنی مرحومہ والدہ کے خواب کی تعبیر کے حوالہ سے فرماتے ہیں:۔

''ناچیز مؤلف دو ڈھائی سال کی عمر کا تھا کہ اس کی صاحب فراش جنتی والدہ معظمہ جو سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ سہروردیہ سے فیض یاب تھیں نے اپنے بردار خورد فیض اللہ خان غزنوی کو بلا کر ہدایت کی کہ وہ ان کے اکلوتے بیٹے کو گود میں اٹھا کر لیجائے اور اجمیر شریف میں حضور سلطان الہندؒ کی خانقاہِ معلیٰ اور سرہند شریف میں حضور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی درگاہ عالیہ مقدسہ پر سلام کرا کر لائے۔ماموں حضور اپنی بیمار بہن کی خواہش کی تکمیل کیلئے فوری طور پر آمادہ ہو گئے۔ ان کا بیان ہے کہ جب وہ حضور غریب نوازؒ کی درگاہ فیض رساں پر حاضر ہوئے تو وہاں موجود سجادہ نشین (دیوان سیّد آل رسول علیخاں قدس سرہٗ) نے ناچیز پر شفقت فرمائی اور دستار نگاہ کرم کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔۔۔۔''

پھر فرماتے ہیں:۔

''تجدید و احیائے دین کے جبلی ونسلی ذوق و شوق کے تحت 1949ء سے آئندہ تقریباً بیس سال کے عرصہ تک جماعت اسلامی سے منسلک رہنے کے بعد روحانی و قلبی تشنگی مٹانے کی خاطر بیعت پیر و مرشد خواجہ خواجگان حافظ خواجہ محمد صدیق چشتی نظامی السالمیؒ سے فیض یاب ہو کر حکمت بندگی اور غیر منقطع تسلسل خلافت کا شعور عطا ہوا تو چہرہ بھی قلب کی شہادت دینے لگا اور تین ہی سال کی وابستگی کے بعد خلافت سے بھی بہرہ ور کر دیا گیا۔ تصوف کا یہ تعلق باللہ ماضی سے جوڑ کر فرماتے ہیں:

''ناچیز کو اپنے خاندان شریفہ و اعلیٰ نسبی کے حوالے سے اپنے جد اعلیٰ والا حضرت خواجہ خواجگان اخوند بدرالدین خراسانی ثم سلطان پوریؒ خلیفہ مجاز اعلیٰ حضرت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے فرزند خلیفہ اکبر عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ کے استاد و جید خلیفہ ہونے کے ناطے تصوف کی تابناکیوں اور اسرار و رموز کی بہرہ مندیوں سے روشناس ہوتے ہوئے کوئی غیریت محسوس نہیں ہوئی بلکہ اس نے یہ جانا کہ صبح کا بھولا شام کو اپنے گھر پہنچ گیا ہے''۔

دوسرا پہلو عملی و تحقیقی ہے۔ یہ مباحث کہ واردات روحانی کیا ہوتی ہیں؟ قرآن و سنت جن واردات روحانی کو اپنانے اور شریعت کو عملی صورت دینے کا تقاضا کرتے ہیں ان کے عملی استاد کون ہیں؟ صلحائے امت کے ہاں اس کی صورتیں کیا ہیں؟ اس کیلئے تاریخ، فلسفہ اورادیان کے ماہرین مطول کتابیں تو لکھ سکتے ہیں مگر تجرباتی مراحل کے بغیر اس کے اسرار سے نابلد ہوتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ نبی احمد لودھی صاحب اپنے معاصرین میں ڈاکٹر اسرار صاحب پر کافی برہم نظر آتے ہیں اس طرح جیسے ایک اچھا خطیب شعلہ بیان تو ہو اور ادیب ہونے کے ناطے ایک دلپسند کتاب کا مصنف بھی لیکن اس نے کسی مستند درسگاہ سے درجاتی اسباق و حصول علم نہ کیا ہو۔ وہ جہاد اور مجاہدہ پر بہت کچھ لکھے لیکن میدانِ جہاد میں زخمی ہونا تو کجا کبھی اس میں شامل تک نہ ہوا ہو۔ طرہ یہ کہ دعویٰ کرے کہ وہ مجاہد اعظم ہے یا عالم بے بدل۔ چنانچہ تصوف و روحانیت جیسے موضوعات پر ان ہر دو محترمین کے درمیان مکالمات، مقالات مباحثات کچھ ایسی ہی صورت ہیں۔

کتاب کے ہر موضوع اور ہر باب پر لکھنا اور مندرجات کے عملی نکات پر گفتگو ایک الگ کتاب لکھنے کے مترادف ہوگا اس لیے چیدہ مباحث پر مختصراً اظہار کیا جارہا ہے۔

ا۔ انس و جن (مخلوقات مکلّفہ)

کائنات میں انسان کی تخلیق جب بھی ہوئی ایک دوسری مخلوق کا وجود بھی ملتا ہے۔ سائنسی تحقیقات ہوں یا مذہبی تعلیمات پانی اور مٹی انسانی وجود کا خمیر ہیں۔ آگ اور ہوا اس خمیر کے مد ہیں۔ وہ انہی سے بنا اور انہی میں ''روح'' کی جدائی سے جا ملتا ہے۔ کرۂ ارض اور کرۂ شمسی کے مابین یعنی آگ کا علاقہ ایک ایسی مخلوق کی پیدائش کا منبع ہے جو نار (آگ) سے پیدا ہوئی۔ اس کی بقا و فنا بھی حرارت یعنی آگ ہے۔ اسے ''جن'' کہا گیا۔ تخلیق کے اعتبار سے جن پہلی اور انسان بعد کی مخلوق ہے۔ مٹی اور آگ کے خمیروں کے اعتبار سے ان دونوں مخلوقات کی عادات، حرکات و سکنات، بصارت و سماعت اور فاصلے طے کرنے کی قوتوں میں فرق ہے۔ دونوں میں نر و مادہ ہیں۔ دونوں میں فکر و اعتقاد کی صلاحیتیں بھی ہیں لہٰذا دونوں مخلوقات اپنے اپنے اعمال کی ''مکلّف'' یعنی جوابدہ ہیں۔ انس و جن کے علاوہ ایک تیسری مخلوق کا وجود بھی ہے جس کی بنیاد اور تخلیق نور یعنی لائٹ و روشنی ہے۔ ان میں کوئی مرد و زن نہیں ہوتے ان کا کوئی خطہ و علاقہ نہیں بلکہ پوری کائنات کے جاری و ساری نظام کا حصہ ہیں۔ انہیں ملائکہ یا فرشتے کہا گیا۔ یہ نوری (پاور یا لائٹ کی) مخلوق انس و جن کی طرح اپنے اپنے اعمال کیلئے مختار ہیں بلکہ انہیں سونپے گئے اعمال (کام) خود بخود بجالاتی ہے۔ پاور (لائٹ) یا نور کی یہ مخلوق کائنات اور انسانی معاملات میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ ملائکہ، جن اور انسانوں سے متعلق سائنسی تشریحات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا سکتا ہے اس لئے کہ یہ مخصوص تکنیکی موضوع ہے۔ لیکن دنیا نے آسمانی مذاہب کی کتب بالخصوص بائبل اور قرآن مجید میں ان مخلوقات کا انسانی تاریخ کے ہر دور میں ذکر موجود ہے۔ قرآن مجید میں انسان کی تخلیق کا جب ذکر کیا گیا تو اس کی فوقیت و اشرفیت ثابت کرنے کیلئے اسے سجدہ کا حکم دیا گیا۔ نوری مخلوق (ملائکہ) نے سجدہ کیا۔ ناری مخلوق (ابلیس) نے انکار کیا۔ اور وجہ انکار یہ بتلائی ''چونکہ وہ ایسی مخلوق ہے جس کی قوتیں زیادہ ہیں لہٰذا اسے آدم یعنی انسان کی برتری تسلیم نہیں''۔ اس وقت سے آج تک جن و انس کے روابط یا اعمال پر محترم لودھی صاحب نے بڑی شرح وسط سے لکھا ہے بہتر ہوتا کہ اس کا اختصار قرآنی آیات تک ہوتا یا جنوں کی موجودگی کیلئے ان کے روابط و اعمال پر چند روایات۔ طویل

ابحاث میں اسرائیلیات کا دخل ہو جاتا ہے یا پھر ایسا مواد جو تحقیقی لحاظ سے مصدقہ نہیں ہوتا تو ہم یہ کہنا انسب ہوگا کہ:

اے مسلماں بنگر اعجاز سلیمان آموز ۔۔۔ دیدہ بر خاتم تو اہرمنے نیست کہ نیست

ــ پیرومرشد

یعنی اے مسلمان تو دوبارہ حضرت سلیمان کا معجزہ دیکھ (وہ معجزہ جس کے ذریعے وہ جنات کو قابو کئے ہوئے تھے) کیونکہ تیری انگوٹھی پر (جو جنات پر قابو پانے کی طاقت رکھتی ہے) نظر رکھے ہوئے کوئی شیطان نہیں ہے۔ (مراد ہے تیرے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کیلئے ہر دشمن اسلام نگاہ لگائے بیٹھا ہے ان سے بچنے کی تدبیر چاہیے)

۲۔ شریعت وطریقت (مولوی وصوفی)

وحی متلو (قرآن) ہو یا غیر متلو (حدیث) ان دونوں کے احکامات کی دو صورتیں ہیں جو ان کی بجا آوری کیلئے لازم وملزوم ہیں۔ ایک صورت احکامات کے الفاظ کی ہے یہ کرو (اوامر) اور یہ نہ کرو (نواہی)۔ یہ صورت "قال" ہے۔ دوسری صورت ذہنی اور روحانی کیفیت کی ہے یعنی یہ کرتے ہوئے تمہاری شخصیت و وجود میں یہ کیفیت و ذہنی عمل ہونا چاہیے اس صورت کو "حال" کہا جائیگا۔ مثلاً ارکان خمسہ (توحید و رسالت، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ) میں کیا پڑھنا ہے؟ کب کونسا رکن ادا کرنا ہے۔ ان ارکان میں فرائض، سنن، مستحبات، یا مکروہات کیا ہیں؟ عبادات کا یہ حصہ اورصورت "قال" ہے۔ لیکن ان ارکان میں خضوع، خشوع، ورع، رجاء، توکل وغیرہ کا حصہ صورت "حال" ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسلامی احکامات کی ان دونوں صورتوں کی تربیت فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ان دونوں صورتوں کا نمونہ تھے۔ اگر آپ آج کی اصطلاح میں اوامر ونواہی کی پہلی صورت یعنی "قال" کو علم شریعت کہدیں تو وہ اسلام کے عہد اول کے علماء تھے۔ اور دوسری صورت یعنی "حال" کو تصوف طریقت یا صوفیت کہدیں تو وہ عظیم صوفی تھے۔ چونکہ قال اور حال لازم وملزوم ہیں لہٰذا صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے ادوار کے نفوس شریعت وطریقت ہر دو کا مظہر تھے۔

اسلام جب مختلف قوموں میں پھیلا اور مختلف ممالک فتح ہوئے تو علوم وفنون بھی

پھیلے اور ان کی تدوین و ترویج ہوئی۔دینی درسگاہوں میں قرآن کیساتھ تفسیر و اصول تفسیر،حدیث کیساتھ اصول حدیث و اسماء الرجال اور دونوں کی تطبیق و توضیح فقہ اور اصول فقہ جیسے علوم سے ہوئی۔ پھر معتقدات میں علم کلام اور فلسفہ و منطق جیسے علوم سے استفادہ کرایا گیا۔اس دور کے مفسرین محدثین و فقہاء کی علمی مساعی آج بھی درخشندہ ہیں۔شریعت و احکامات کے ان روشن میناروں سے وابستگی کا اظہار حنفی ،شافعی،مالکی،حنبلی ،جعفری اور اثناعشری جیسے ''مکاتب فقہ'' کا روپ دھار گیا۔اس دور میں علم یعنی قال کے ساتھ روحی و ذہنی کیفیت کی تربیت کو بھی نظرانداز نہیں کیا گیا۔ان علوم کیساتھ نفوس قدسیہ نے اس کی تعلیم و تربیت میں بہت جدوجہد کی۔کبھی ایک ساتھ دونوں (قال و حال) کی جگہ بھی ایک اور شخصیت رہی اور کبھی الگ الگ درسگاہیں اور تربیت گاہیں نظر آتی ہیں۔الگ ''مراکزِ حال'' کی وابستگیاں بھی وسعت اختیار کر گئیں۔نتیجتاً مختلف سلاسل روحانیت، قادری ، نقشبندی،چشتی،سہروردی،وغیرہ عام ہو گئے۔اسلامی تاریخ میں شخصیات کا مطالعہ اس حقیقت کا عکاس ہے۔مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات مقدسہ نبی کریم ﷺ کے شہر علم کا دروازہ ہیں۔خلفائے ثلثہ اور اکابرین مشکل ترین علمی مسائل کے حل میں آپ سے رجوع فرماتے تھے۔ساتھ ہی روحانیت کی تربیت کا منبع بھی تھے۔ یہاں تک کہ سلاسل روحانیت آپ پر منتج ہوتے ہیں۔سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ،حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ، حضرت سلطان الہند سیدنا خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ایسی ہی نامور ہستیاں روشنی کے مینار ہیں۔جن سے دونوں طرح (قال و حال) کے بزرگوں نے استفادہ کیا اور ان سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ایسے بے شمار علماء کے نام مشہور ہیں جنہوں نے پہلے قال کی تعلیم حاصل کی اور عالمی شہرت کے مالک بنے پھر دیکھا گیا کہ کسی ایک روحانی استاد (شیخ طریقت) کے شاگرد (مرید) بن گئے۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے رومؒ   تا غلام شمسِ تبریزیؒ نشد

ہماری تاریخ کا یہ پہلو اس حقیقت کا غماض ہے کہ قَالَ رَسُوْلَ اللہ ﷺ کیساتھ حَالَ رَسُوْلَ اللہ ﷺ ضروری ہے، یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔قال کے بغیر علم نہیں اور حال کے بغیر تربیت و کردار سازی نہیں۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہوتا ہے (جو دونوں راستوں کے نشیب و فراز اور منازل و مراحل کو جانتا ہے) جب کہ ہم اندھے ہیں (یعنی شعور سے عاری ہیں) اور نگاہ والا (دیدہ ور) ہوتا ہے۔ (۴) صبح طلوع ہوتے ہوئے سورج کی طرح (مرد کامل کے) ہر بال کی جڑ سے نگاہ پیدا ہوتی ہے۔ یعنی وہ ہر پہلو سے نگاہِ فیض رساں کا سرچشمہ ہوتا ہے۔

۳۔ خلافت الٰہی (اللہ کی نیابت)

انسان کائنات میں خدا کا نائب یعنی خلیفہ ہے اس میں موجود دوسری مخلوقات کی مقصد حیات کی طرف رہنمائی اس کی ذمہ داری ہے۔ گویا خدا کے نظام اور مقصدِ تخلیق کی طرف تعمیر و جہد مسلسل انسانی فرض ہے۔ لیکن اسکی حاسد قوتیں (ابلیس یا شیطان اور اس کی جماعت) اس کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں اور تعمیر و اصلاح کی بجائے اسے تخریب و منکرات کی طرف لے جاتی ہیں۔ اس طرح وہ فرض سے تو ہٹتا ہی ہے لیکن عملی طور پر انہی کا ایک کارندہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر نیکی و بدی، حق و باطل اور تعمیر و اصلاح اور تخریب و منکرات میں ایک معرکہ آرائی جاری رہتی ہے۔ چنانچہ تاریخ انسانی کے ابتدائی دور سے انبیائے کرام اس جدوجہد و مقصد حیات کیلئے مبعوث ہوئے۔ خلافت اللہ کے وہ سرخیل تھے ان میں ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ کی ذات مقدسہ خلیفۂ اعظم فی الارض و سماء ہے۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار　　　لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و نظر

اُمتِ مُسلمہ میں خلافت الٰہیہ کے قیام کا فریضہ کن لوگوں کی ذمہ داری ہے؟ یا کون جانشین خلافت ہیں؟ اس کا جواب ہر ذی علم نے اپنی اپنی سمجھ اور علم کے مطابق دیا ہے۔ اہل معرفت و حکمت نے اپنے مطابق، یہاں تک کہ سیاسی قائدین و ارباب حکومت نے اپنے انداز میں۔ تاریخ اسلام میں ایسی توضیحات ہر دور میں رہیں اور عصر حاضر کا موضوع بھی ہیں۔ محترم نبی احمد لودھی صاحب نے معاصرین کی ان توضیحات و رجحانات پر تفصیل سے لکھا ہے اور اس نکتہ کو ابھارا ہے کہ اس اہم فریضہ کی ذمہ داری اصحاب تصوف اور صُلحائے اُمت پر ہے۔ اور یہی نفوس اس خلافت کے جانشین ہیں۔ ان ابحاث میں یہاں رقم طراز ہونا طوالت کے خیال سے انسب نہ ہوگا۔ لیکن یہ بات اور اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ''قال'' (قرآن

وسنت) کے علوم کے بغیر آپ دین کی تفصیلات نہیں سمجھ سکتے اس لئے تفہیم شریعت ضروری ہے۔لیکن "حال" (کیفیات و روحانی واردات) کے بغیر آپ تزکیۂ نفس و تربیت کردار و رُوح کیسے کریں گے؟ تو طریقت وتصوّف بھی ضروری ٹھہرا۔چند صدیاں پیشتر برصغیر پاک و ہند میں اس کی مثال حضرت شیخ احمد سرہندیؒ جیسے نفوس ہیں۔اب کوئی ایسے دانشور یا عالم جنہوں نے صرف مدرسہ میں چند سال تحصیلِ علم میں گزارے (بلکہ بعض حضرات کو یہ بھی نصیب نہ ہوا) اپنے نفس ورُوح کی تطہیر کیلئے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ (مریدی یا بیعت) میں نہ رہے لیکن دعوے خلافت وامامت اُمّہ کے ہوں چہ بوالعجبیست ؟ اس دور میں بلکہ ہر طرف نفسانفسی ہے تخریب ہے،فواحش ومنکرات ہیں،اسلام کی اصلی روح ومشن ناپید ہورہا ہے۔باطل وابلیسی قوتیں زوروں پر ہیں حق وصداقت کمزور ہورہا ہے بلکہ انہیں ختم کیا جارہا ہے۔ایسے حالات میں کیا ہونا چاہیے؟ خلافت الٰہیہ کیلئے کون ہے؟ کہاں ہے؟ اسکی عملی صورت کیا ہے؟ ایسے بے شمار سوالات ہیں جن کی طرف توجہ اہل شریعت کی بھی ذمہ داری ہے اور اہل طریقت وتصوف کا فرض بھی۔یا پھر ایسے نفوسِ مطمئنہ جنہیں خداوند قدوس نے ان دونوں نعمتوں سے نوازا ہو۔حضرت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا کہ:

تکیہ بر حجت و اعجاز بیاں نیز کنند — کارِحق گاہ بشمشیر وسناں نیز کنند
گاہ باشد کہ تہ خرقہ زرہ می پوشند — عاشقاں بندۂ حال اند و چناں نیز کنند
چوں جہاں کہنہ شود پاک بسوزند او را — و ز ہماں آب و گل ایجادِ جہاں نیز کنند
ہمہ سرمایۂ خود را بنگاہے بدہند — ایں چہ قومے است کہ سودا بزیاں نیز کنند
تاتو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ! — عشق کارے است کہ بے آہ وفغاں نیز کنند

ترجمہ: ☆یعنی حق کا کام کرنے یا حق پھیلانے یا اس کی مدافعت کرنے کیلئے کبھی دلیل اور بیان کے معجزہ پر بھروسہ کیا جاتا ہے + (اور) کبھی حق کا کام تلوار اور نیزے یعنی طاقت سے بھی لیا جاتا ہے۔

☆کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خرقہ کے نیچے زرہ پہن لیتے ہیں + اللہ کے عاشق جو صاحب حال ہوتے ہیں ایسا بھی کرتے ہیں (خانقاہوں سے نکل کر رسم شبیریؓ ادا کرتے ہیں)۔

☆ جہاں جب گناہ آلود ہو جاتا ہے تو صاحبانِ حال اسے جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں اور وہ اسی پانی اور مٹی سے ایک نیا جہاں بھی ایجاد کر لیتے ہیں (یہ کہ جہان کی خرابیوں کو اپنے افکارِ تازہ اور اعمالِ برگزیدہ سے خوبیوں کا گہوارہ بنا دیتے ہیں)۔

☆ صاحبانِ حال یا عاشقانِ خدامست اپنا سارا سرمایہ ایک نگاہ کے عوض لٹا دیتے ہیں یہ کیسی قوم کے افراد ہیں کہ نقصان کا سودا بھی خوش دلی سے کرتے ہیں۔

☆ تا کہ تو بیدار ہو جائے میں نے اس لئے نالہ کھینچا ہے ورنہ عشق ایسا کام ہے جو آہ وفریاد کے بغیر بھی کیا جا سکتا ہے (یعنی سوئی ہوئی قوم کو جگانا مقصود ہے)

خصوصی خراجِ تحسین

ناچیز مؤلف ابو ناصر نبی احمد لودھی چشتی نظامی عفی عنہ،

تالیف ھٰذا کے سبک مایہ ابواب 7 و 15 علی الترتیب بعنوان

☆ "امتِ مسلمہ کی اجتماعی تنظیم وتہذیب میں

صلحائے امت یعنی صوفیۂ عظام کا کردار و عمل" (اور)

☆ "تہذیبوں کے مابین تصادم

(CLASH OF CIVILIZATIONS)" (پر)

عصر حاضر میں نظریۂ پاکستان کے شیر دل ترجمان ومحافظ اور ملک عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی میں صفِ اول کے مجاہد بلکہ سرخیل عظیم صحافی جناب محترم **مجید نظامی** ایڈیٹر انچیف روزنامہ نوائے وقت و "دی نیشن" (انگریزی) ونگرانِ اعلیٰ وقت ٹی وی کی خصوصی توجہ کا طلب گار ہوتے ہوئے اُن کی مذکورہ امور میں آج تک کی ناقابل فراموش مساعی اور انتھک جدوجہد پر اُن کو خصوصی خراجِ تحسین و آفرین کا مستحق سمجھتے ہوئے اُن کی درازی عمر اور کامیابیوں کے لئے دعا گو ہے۔

نشانِ منزل

خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی و مادی جہتیں

(مؤلف : ابو ناصر نبی احمد لودھی)

☆ ایک گروہ فکر و نظر کہتا ہے کہ خلافت کے احیاء کا مطلب خلافتِ عثمانیہ کے دور میں ٹوٹنے والے" تسلسل کو پھر سے جوڑنا ہے۔

☆ دوسرے گروہ کا فرمانا ہے کہ اس سے مراد ایک فلاحی مملکت کا قیام اور شہریوں کو لازمی یا بنیادی ضروریات زندگی (روٹی' کپڑا' مکان' علاج) کی فراہمی ہے۔

☆ تیسرا گروہ اپنے مقصد میں واضح نہیں اگر چہ اس کا کہنا ہے کہ وہ "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا قیام چاہتا ہے" اس گروہ سے متعلق حضرات قرآن وسنت کی تعلیمات پر زور دیتے ہیں' اس لئے منزل سے دور نہیں لیکن تسلسل خلافت کے بارے میں یہ اپنے نتائج فکر میں شدید الجھاؤ کا شکار ہیں۔

☆ تاہم ۔۔۔۔احیائے خلافت کی درج بالا تین توجیہات کے علاوہ ایک چوتھا اور حقیقی نقطۂ نگاہ بھی ہے جسے تالیف ھٰذا میں زیر بحث لایا گیا ہے۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر سے استوار — لا کہیں سے ڈھونڈ کر اِسلاف کا قلب وجگر

حضرتِ علامہ محمد اقبالؒ نے درج بالا شعر میں اسلاف کے قلب ونظر پر تحقیق وتجسس کے ذریعے عمل پیرا ہونے کے نتیجہ میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا راستہ ہموار ہونے کی جو یقین دہانی چاہی ہے اور خلافتِ کبریٰ کی طرف قدم بڑھانے کا جو راستہ دکھایا ہے قلبِ سلیم کے حاملین اور سعید روحوں والے درویشانِ خدا مست کا یہی سرمایۂ حیات ہے۔

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس صحیفہ' علمی' روحانی' تحقیقی و دستاویزی میں خلافت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی و مادی جہتوں یعنی خلافت وتصوف کے تعلق باہمی سے متعلق فکر انگیز بحث کی گئی ہے۔ خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے الفاظ میں خلافتِ باری تعالیٰ کے حوالہ سے خلافتِ نبویؐ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جو اپنے روحانی تسلسل میں قیامِ قیامت تک کے عرصۂ حیاتِ انسانی پر محیط ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما جانے

کے بعد اس کی ظاہری صورت کو بتمام و کمال خلفاء راشدینؓ نے خلیفۃ الرسول کی حیثیت میں اور صلحائے امت یعنی علماء وصوفیہ ربانیین نے روحانی سطح پر قائم و دائم اور جاری و ساری رکھا تا آنکہ خلافتِ علیٰ منہاج النبوۃ پھر سے قبل از قیام قیامت حضرت الامام المہدیؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے ورودِ ثانی کے ذریعے قائم ہوگی۔ (انشاء اللہ العزیز) احادیث مبارکہ میں اس نقطۂ نگاہ کی واضح تائید موجود ہے۔

خلافتِ کبریٰ کے اس عظیم الشان سفر کا آغاز حضرت آدم علیٰ نبینا السلام سے ہوا اور اختتام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے علماء و صلحاء پر ہوگا۔ تسلسل و احیائے خلافت کی اس بحث میں جو سوالات خصوصیت سے اہم ہیں، ناچیز مؤلف نے ان کا شافی جواب دینے کی کوشش کی ہے اور خلافت کے ضمن میں اس بحث کو درج ذیل تنقیحات و سوالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مختلف عنوانات کے تحت واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

خلافت ختم المرسلین ﷺ

☆ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور خلیفۃ اللہ فی العالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کا تعارف ☆ خلافتِ ارضی و آدمؑ کا حقیقی مفہوم اور مقصد و مقصود کیا ہے؟ ☆ کیا خلافت، خلافتِ راشدہ پر ختم ہوگئی؟ ☆ کیا نبیٔ آخر الزمان ﷺ کی خلیفۃ اللہ کی حیثیت اور منصب کو شخصی خلافت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جیسا کہ دورِ حاضر کے بعض بزعمِ خویش مفکرین کی طرف سے ان کی حالیہ تحریروں اور تقریروں میں کہا جاتا رہا ہے؟

☆ کیا خلافتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، خلافتِ راشدہؓ کے دور ہی سے ''امرالمسلمین'' میں تبدیل ہوگئی تھی؟

☆ کچھ ''دانشوروں'' کا یہ کہنا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بس یونہی اپنے لئے ''اللہ کے رسول کا خلیفہ'' ہونے کے الفاظ پسند فرمائے تھے، کہاں تک درست ہے اور کیا ایسا کہنا خلفاء راشدینؓ کی شان میں ایک بہت بڑی گستاخانہ جسارت اور بہت سی گمراہیوں کے دروازے کھولنے کے مترادف نہیں؟

☆ ''اگر خلافتِ علیٰ منہاج النبوۃ'' کا قیام مقصود ہے تو خود کو خلیفۃ الرسول کہنا محض کسی ''فرد'' کی پسند کہہ کر کیوں کر رد کیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ اسے رسول اللہ ﷺ کے

نقشِ قدم پر چلنے' سنت کی پیروی اور اتباعِ رسول ؑ کی ہی وجہ سے تو رسولؐ کا خلیفہ کہا گیا؟ رہا ''امرہم شوریٰ بینہم'' کے اصول کا اطلاق تو خود نبی مکرم ﷺ نے بھی اس پر عمل کر کے دکھایا۔۔۔ اور ایسے واقعات پیش آئے کہ حضورؐ اور بعض دوسرے صحابہؓ کی رائے کے علی الرغم حضرت عمرؓ کی رائے کو ترجیح دی گئی ۔ لہٰذا مشاورت کا اصول خود حضورؐ نے اپنے لئے بھی برابر قبول فرمایا' جس کا مقصد تربیتِ اُمت تھا۔

☆ بعض علماء اور دانشوروں کی رائے کہ ہر مسلمان خلافتِ الٰہیہ کا حامل ہے تو خلیفۂ رسول ﷺ کہلوانے پر اعتراض کیوں؟ ہمیں یہ اختیار کیونکر حاصل ہوا کہ ہم ایسا اعتراض کریں؟

☆ یہ الفاظ کہ اللہ کا پختہ وعدہ ہے کہ وہ عملِ صالح کا حق ادا کرنے والوں کو خلافت عطاء فرمائے گا' جس طرح کہ ان سے قبل کے لوگوں کو عطا کی گئی تھی' کیا اس امر پر دلالت نہیں کرتے کہ ان کا ہرگز اس امر سے تعلق نہیں ہوسکتا کہ اب خلافت امرالمسلمین میں تبدیل ہو کر ''جمہوری تماشا'' بن گئی ہے؟

☆ کیا خلافتِ عثمانیہ پر خلافت کا تسلسل ٹوٹ گیا؟

☆ کیا خلافت اور حکومت لازم و ملزوم ہیں؟ ☆ شیطان کی کیا انسانوں سے دشمنی ہی ان کے لئے خلافتِ ارضی کی اہلیت پر نہیں تھی؟ ☆ کیا یہ درست نہیں کہ شیطان کو قیامت تک کی مہلت انسان کو خلافت کا نااہل ثابت کرنے کیلئے دی گئی؟

☆ کیا شیطان خلافت کا تسلسل توڑ کر اپنے دعویٰ میں کامیاب ہو چکا ہے؟

☆ اگر شیطان اپنے دعویٰ میں کامیاب ہو چکا تو پھر یہ دنیا کیوں اب تک رواں دواں ہے؟

☆ اگر شیطان ناکام رہا ہے تو خلافت کہاں ہے؟

☆ احیائے خلافت میں ظہورِ مہدیؑ کی کیا حیثیت و اہمیت ہے؟

☆ خلافت کے تسلسل کے ضمن میں امت مسلمہ نے تاریخ کے کس مرحلہ پر ٹھوکر کھائی؟

☆ احیائے خلافت کے داعیان کے لئے واحد طریق عمل کیا ہے؟

خلافتِ ختم المرسلینؐ کا تسلسل قائم و دائم رکھنے میں صوفیۂ عظام کے کردار و عمل کو اُجاگر اور

علمائے امت کے جہاد اکبر کے خدوخال واضح کرنے میں ناچیز مؤلف نے جس طور سے موضوعات کی تقسیم کی اور حسنِ ترتیب کو پیش نظر رکھا وہ پیش آمدہ صفحات میں دیئے گئے ابواب ومندرجات سے ہی اجمالی طور پر واضح ہو جائے گا۔

قارئینِ کرام کی رہنمائی کے لئے ناچیز مؤلف عرض پرداز ہے کہ کتاب ھٰذا کو کل اٹھارہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے عنوانات اور اُن میں شامل مضامین کا تعارف یہاں اختصار سے پیش کیا جاتا ہے تاکہ کتاب سے بہتر انداز میں استفادہ ہو سکے۔

باب 1: ○ اللہ سبحانہ‘ وتعالیٰ اور خلیفۃ اللہ فی العالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس باب میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم کی آیات کے مفہوم پر مشتمل یہ تأثر قاری کے قلب وذہن میں جاگزیں کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اللہ بزرگ و برتر‘ پروردگارِ عالم ہے‘ قادرِ مطلق ہے اور خالقِ جن وانس و جملہ مخلوقات ہے۔ لہٰذا وہی ہر قسم کی عبادات کا سزاوار ہے۔ اس لئے انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک ورازق و پروردگار کا ہر آن شکرگزار رہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں اللہ تعالیٰ ہی کے احکام کو پیش نظر رکھ کر اور اُسی مالکِ حقیقی پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے زندگی بسر کرے۔ شیطان کے پیچھے چل کر جہنمی نہ ہو کیونکہ شیطان روزِ اول سے انسانی شرف وعظمت کا منکر ہے۔ اس لئے وہ جھوٹ ودجل وفریب کے ذریعے انسان کو اُس کے مقام ومرتبہ سے گرا کر یہ ثابت کرنے کے گھمنڈ اور تکبر وغرور میں عہد کئے ہوئے ہے کہ وہ خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز کئے جانے کا اہل نہ تھا۔۔۔۔ دوسری جانب اللہ تعالیٰ کی یہ شانِ کریمی ہے کہ اُس نے انسان کی رہنمائی کے لئے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے اور نسلِ انسانی اور کل کائنات پر اپنی نعمت تمام کرتے ہوئے اشرف الانبیاء‘ امام الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جو باعثِ تخلیقِ کائنات بھی ہیں اور اول المسلمین بھی ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی نہ ہوتی تو نہ آدم علیہ السلام پیدا ہوتے اور نہ ہی نسلِ انسانی معرضِ وجود میں آتی۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی اور بعثت‘ نسلِ انسانی پر احسانِ عظیم ہے لہٰذا حکم ہے کہ حضور ﷺ پر درود و

سلام بھیجواور یہ خوشخبری بھی سنائی گئی کہ جو اُمتی حضور ﷺ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ اس پر دس نعمتیں نازل فرمائے گا اور دس بار خود سلام بھیجے گا اور اُس کی دس خطائیں بھی معاف کر دی جائیں گی۔ یوں تو ہر نبی خلیفۃ اللہ ہے لیکن حضورؐ کی عظمتِ شان یہ ہے وہ اللہ کے خلیفۂ اعظم ہیں۔ لہٰذا حضورؐ کی تعظیم و تکریم کے قرآن میں باقاعدہ احکام دیئے گئے ہیں جن پر عمل کے بغیر قرآن سے حصول فیض ممکن نہیں۔

باب 2 : کائناتِ ارضی کے اولین حکمران جنّات:
(خلافتِ آدمؑ پر فرشتوں کا اظہار حیرت اور ابلیس کا انکار)

اس باب میں بتایا گیا ہے کہ مشیتِ ایزدی میں چونکہ انسان کو فضیلتِ خلافت دی جانی مقصود تھی اس لئے تخلیقِ انسانی سے قبل کارکنانِ قضا و قدر یعنی فرشتوں کے سامنے دنیا پر ایک اور با اختیار مخلوق یعنی جنّات کو تجربے سے گزارا گیا اور اس مخلوق کی سرکشی کو بھی معنی خیز بنا کر پیش کیا گیا۔ اور یہ بتایا گیا کہ احکامِ خداوندی کی تعمیل نہ کرنے والی قوم کو کس طرح سے راندۂ درگاہ قرار دیا جاتا ہے۔ قومِ جنّات شراب نوشی اور لہو و لعب میں مبتلا ہو کر اپنی سرکشی کے باعث دورِ اول میں ہی عذابِ استیصال کا شکار ہوئی جب کہ اس قوم کا ایک فرد بنام ''حارث'' اللہ کے احکام کی کماحقہٗ بجا آوری کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ عذابِ الٰہی سے محفوظ رہا بلکہ اُسے فرشتوں کے ساتھ آسمانوں پر رہنے کی اجازت بھی عطاء کر دی گئی اور وہ کثرتِ عبادت کی بدولت فرشتوں میں ممتاز ہو کر عزازیل کے خطاب کا مستحق قرار دیا گیا اور معلم الملکوت کے منصب پر بھی فائز کر دیا گیا۔ لیکن بلندیٔ درجات کی اس کیفیت نے اُس کے اندر پہلے سے ہی موجود تکبر، غرور اور گھمنڈ کو مزید ہوا دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب آدم علیہ السلام کی تخلیق اور اُن کی خلافت کا اعلان کیا گیا تو اُس نے انسان کو خلیفۃ اللہ ماننے سے انکار کر دیا۔ عزازیل کا خطاب پا کر گھمنڈی ہو جانے والا یہ جن اللہ تعالیٰ کا نائب (خلیفہ) ہونے کا خود کو حق دار گردانتا تھا۔ اُدھر فرشتے بھی قومِ جنّات میں اپنے مشاہدے کی بنیاد پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے کہ قومِ جنّات جیسی ایک اور بااختیار مخلوق، اسی کی طرح، کہیں سرکشی کی مرتکب تو نہ ہوگی !!! چنانچہ وہ اپنے اطمینان کے لئے نئے تجربے کی حکمتیں اور غرض و غایت معلوم کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ کے حضور سوالی ہوئے کہ اُنھیں نئی بااختیار

مخلوق، جو خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز ہو رہی تھی، اُس کے پیدا کرنے کی حکمت سے آگاہی کرائی جائے، لہٰذا فرشتوں کی طرف سے اظہارِ تشویش کے طور پر کئے گئے سوالات کی علت کی نشاندہی مطلوب تھی، چنانچہ خلافت کا موضوع متقاضی تھی کہ ابلیس یعنی شیطان کی طرف سے خلافتِ آدمؑ کو تسلیم کرنے سے انکار کا پسِ منظر، اور پیش منظر اور فرشتوں کے سوالات کی حکمت کھول کر بیان کر دی جائے لہٰذا یہ باب ____ اسی ضرورت کے پیشِ نظر مرقوم ہوا۔

باب 3: . انسان کی اخروی فلاح کا واحد ذریعہ اور مقصدِ تخلیق:

عبادتِ الٰہی

اس باب میں درحقیقت عبادات و معاملاتِ دنیا میں تفریق کرتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی کہ قرآن حکیم میں انسان کا حقیقی مقصدِ تخلیق چونکہ عبادت کو قرار دیا گیا ہے اور اس مقصد پر زور دینے اور اس کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ احسان عظیم فرمایا کہ انسان کی بروقت رہنمائی کے لئے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے ۔ گویا کہ پیغمبروں کی بعثت کا مقصود بھی یہی ٹھہرا کہ وہ اپنی اُمتوں کو خصوصاً اور نسلِ انسانی کو عموماً اسی مقصدِ تخلیق پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کریں۔ اس لئے چاہئے کہ انسان معاملاتِ دنیا میں خود کو اس قدر محو نہ ہونے دے کہ اصل مقصدِ تخلیق اُس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے ۔ چنانچہ قرآن حکیم کی انسانوں کو اصل اور بنیادی دعوت یہی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک و معبودِ حقیقی کی ٹوٹ کر عبادت کریں اور بندگیٔ ربّ پر جمے رہیں۔ لفظ عبادت کے وسیع مفہوم سے یہ نتیجہ نکالنا خام خیالی ہوگی کہ انسان اپنے خالق و مالک سے براہ راست تعلق تو قائم نہ کرے اور بس زندگی کے دیگر بکھیڑوں میں وقت ضائع کرتا پھرے۔ اپنی انا کی تسکین کے لئے معاشرے میں اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کو بھی اللہ کی عبادت کا نام دینے لگے ۔ ناچیز مؤلف نے اپنا مفہوم و مقصد واضح کرنے کے لئے، عصر حاضر اور سابقہ ادوار کے تقریباً تمام قابلِ ذکر علماءِ دین کے نقطہ نگاہ کو اس باب کی زینت بنایا ہے ۔ تا کہ معاملے کی تہہ تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ دورِ حاضر کے ان حضرات میں مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری اور دورِ سابق کے حافظ

عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر اور علامہ محمد ثناء اللہ پانی پتی مجددی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ناچیز نے حضرت آدمؑ، حضرت شیثؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرتِ صالحؑ، حضرتِ ابراہیمؑ، حضرتِ اسمٰعیلؑ، حضرتِ اسحاقؑ، حضرتِ یعقوبؑ، حضرتِ شعیبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ، حضرت داوٗدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرتِ یونسؑ، حضرت یوشع، حضرتِ لوشا، حضرت حزقیلؑ، حضرتِ عزیرؑ، حضرتِ زکریا، حضرتِ یحییٰؑ، حضرتِ عیسیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے تفصیلی حوالہ جات سے اپنے اس مؤقف کو بیان کیا ہے کہ ان انبیاء ومرسلین علیہم السلام میں بادشاہ یا اپنے اپنے وقت کے حکمران تو چند ایک ہی ہیں تاہم جملہ انبیاءؑ ومرسلینؑ کی تعلیمات کا بنیادی واساسی زور عبادتِ الٰہی پر ہے کیونکہ انسان کی اخروی فلاح کا حقیقی درومدار ہی عبادت الٰہی پر ہے۔

باب 4 : انسان کا مقصدِ وجود۔اور۔خلافتِ آدم پر ابلیس کا انکار

اس باب میں موضوع زیرِ بحث سے متعلق نہایت ہی اہم نکات اور سوالات اُٹھا کر اُن کے جوابات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان نکات اور سوالات کی اہمیت جانچنے کے لئے ہم فہرست مضامین کی طرف رجوع کا مشورہ دیں گے تاکہ یہاں تکرار سے بچا جا سکے۔ تاہم بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر انسان کا مقصد تخلیق ''عبادتِ الٰہی'' ہے تو اس کی اخروی خیر وفلاح کا دارومدار بھی یقینی طور پر ''عبادتِ الٰہی'' ہی قرار پائے گا جیسا کہ گذشتہ باب 3 میں اس موضوع پر بھرپور اظہار خیال کیا جا چکا ہے۔ انسان اگر اپنے مقصدِ وجود کے محور ومنشا کو پیشِ نظر رکھ کر صرف عبادتِ الٰہی میں خود کو مصروف رکھتا تو ابلیس کو اس کے ساتھ الجھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی، جیسے اُسے فرشتوں کے ساتھ الجھنے کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ خالق و مالکِ جنّ وانس نے اپنے علمِ غائب سے یہ جانتے ہوئے کہ اختیار رکھنے والی مخلوق میں بالآخر انسان ہی ''عبادتِ الٰہی'' میں سبقت لیجانے والا ثابت ہوگا، اس لئے روزِ اول سے انسان کو خلافتِ الٰہیہ کا سزاوار ٹھہرانے کا فیصلہ صادر فرما دیا تو معلم الملکوت عزازیل (جو فرشتہ نہیں جنّ تھا) اپنے مادۂ تخلیق نار (یعنی آگ) اور اپنی عبادات کے گھمنڈ اور تکبّر کے باعث بغاوت پر اُتر آیا اور انسان کی اس عظمت کو تسلیم کرنے

سے انکاری ہو گیا جو مشیتِ ایزدی اور منشاءِ الٰہی میں انسان کا مقدر ٹھہرائی جا چکی تھی ۔ لٰہذا اللہ بزرگ و برتر کی جانب سے اُسے ابلیس (یعنی رحمت سے نامید شیطان) مردود قرار دیدیا گیا۔ اس طرح سے وہ تا قیامت راندۂ درگاہِ الٰہی بھی قرار پایا۔ کتاب زیر مطالعہ کے اس باب میں قرآن حکیم کی متعلقہ آیات کے حوالہ سے ان حقائق ازلی ؤ ابدی پر شرح و بسط سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرتِ علامہ اقبالؒ نے ابن آدمؑ کے سِرّ اور اس کے شرف کو اپنے فارسی کلام ''جاوید نامہ'' میں نہایت خوبصورتی سے بیان فرمایا ہے ۔ چند منتخب اشعار پیشِ خدمت ہے :۔

در دو عالم ہر کجا آثارِ عشق ابن ِ آدم سِرّے از اسرار ِ عشق
سِرّ عشق از عالم ارحام نیست او ز سام و حام و روم و شام نیست
حرفِ اِنیّ ۔ جاعِلٌ تقدیرِ اُو از زمیں تا آسماں تفسیرِ اُو!
او امام و اوصلوٰت و اوحرم اُو مِداد و اُوکتاب و اُو قلم!
برتر از گردوں مقامِ آدم است اصل ِ تہذیب ' احترام آدم است

(1) یعنی دونوں جہانوں میں جہاں کہیں بھی عشق کے آثار ہیں +(وہاں) ابن آدم عشق کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے ۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سِرّ ہے (2) عشق کا راز ماں کے رحم کے عالم سے نہیں ہے +وہ سام، حام، (دونسلوں) روم، شام (دو اوطان) سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں ہے (3) اس کی تقدیر (مشیتِ ایزی میں طے شدہ) اِنیّ جاعِلٌ ہے + گویا کہ یہاں پر قرآن کی سورۃ البقرہ کی آیت 30 کی طرف اشارہ ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ'' میں (اللہ تعالیٰ) زمین میں اپنا خلیفہ (یعنی نائب بنانے والا ہوں'' ۔۔۔ جو ربِ قدوس کی صفات کا مظہر ہوگا۔ زمین سے آسمان تک اسی کی تفسیر ہے + گویا ساری کائنات آدم کے تصرف میں دیدی گئی ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو یہ کائنات بے مقصد ہوتی (4) وہ یعنی انسانوں میں انسانِ کاملؑ ہی) امام' نماز اور کعبہ ہیں +وہؑ ہی مِداد (یعنی سیاہی ہے)' وہؑ کتاب ہے اور وہؑ ہی قلم ہے +(حضرت علامہؒ نے دوسری جگہ فرمایا:'' لوح بھی تو، قلم بھی تو ' تیراؑ وجود الکتاب'' ۔ (مداد کے لغوی معنی'' روش و راہ'' کے

ہیں ــــ یعنی آپؐ ہی کی اقتداء میں نجات ہے) (5) آدم کا مقام آسمان سے بلند ہے + تہذیب کی اصل آدم کا احترام ہے ۔ (جو دین اسلام ہی سکھاتا ہے ۔ مغرب نے تو آدم کو تذلیل کے مقام تک پہنچا دیا ہے ۔ جب کہ اسلام میں عربی، عجمی، نسلی و وطنی، لسانی و علاقائی وغیرہ کی بنیاد پر تفریقِ آدم کی کوئی گنجائش نہیں ۔ اس میں سب سے افضل وہ ہے جو تقویٰ و پرہیز گاری میں فضیلت رکھتا ہے۔

علامہ عبد الرحمٰن ابن خلدون، انسان کے پیدا کئے جانے کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے، اسے دنیاوی نہیں بلکہ اخروی زندگی کی خیر و فلاح قرار دیتے ہیں ۔ اسی طرح حضرتِ علامہ اقبال ضربِ کلیم میں دنیا و آخرت کے اس تعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں :-

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا ۔ فریب سود وزیاں ! لاالہ الا اللہ
یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند ۔ بتانِ وہم و گماں !لاالہ الا اللہ
یہ نغمہ فصلِ گُل و لالہ کا نہیں پابند ۔ بہار ہو کہ خزاں! لاالہ الا اللہ
اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں ۔ مجھے ہے حکمِ اذاں ! لاالہ الا اللہ

علامہ ابن خلدون انبیاءِ کرام اور خلفاءِ عظام کے فرائضِ منصبی، خلافت و امامت، کی تشریح کرتے ہوئے "مقدمہ ابن خلدون" میں لکھتے ہیں کہ شارع علیہ السلام کا مقصدِ وحید لوگوں کی آخرت میں کامیابی و کامرانی کی جد و جہد ہے ۔ اس لئے حضور ﷺ کے جانشینوں، نائبین یا خلفاء کا مقصود بھی یہی طے پایا کہ وہ دین کی حفاظت کریں ۔ اور ذاتی اصلاح یعنی تزکیۂ نفس کے ساتھ ساتھ، جہاں کہیں اُنھیں موقع ملے وہ دنیاوی حکومتوں کو شرع کے مطابق چلانے کی تلقین و اہتمام کریں ۔ علماءِ دین کے نزدیک تقررِ امام یا اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش فرضِ کفایہ ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ امر و نہی کے لئے علم شریعت اور احتساب کی قدرت ضروری ہے، جو ہر کسی میں نہیں ہو سکتی ۔ لہٰذا قرآن میں سورہ آلِ عمران کی آیت 104، 110 میں خطاب اگرچہ اہل اسلام کی پوری جماعت سے ہے مگر مکلف بعض کو بنایا گیا ہے۔ مصلحین اُمت کا اصل کام امر و نہی کے ساتھ تعلیم و تربیت اور تزکیہ و اصلاح ہے ۔ اسی کے ذریعے اہلِ تصوف نے عامتہ المسلمین کے علاوہ جابر و فاسق حکمرانوں کی بھی

اصلاح کی جس کی مثالیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔

عمرانی افکار و نظریات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے زیرِ مطالعہ باب میں اس امر پر خصوصیت سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دو جہتیں ہیں، ایک کو ہم روحانی جہت اور دوسری کو مادی جہت کہہ سکتے ہیں۔ پہلی جہت کا تعلق انسان کی روحانی بالیدگی، پاکیزگی، سرفرازی سے ہے اور دوسری جہت کا تعلق انسان کی جسمانی ونفسیاتی یا مادی ضروریات کی تشفی و تکمیل سے ہے۔ حقیقی و ابدی زندگی چونکہ روحِ انسانی سے متعلق ہے، جبکہ جسم فانی ہے، اس لئے ضرورت اس احساس کو جگائے رکھنے کی ہے کہ کامیابی وکامرانی کا اصل دارومدار انسان کی روحانی سربلندی سے ہے کیونکہ یہی ابدی سرفرازی ہے۔

> یہاں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ کا وجود درحقیقت حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کی روحانی جہت سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے روحانی فیضان کا ہی ثمرہ ہے ـــــ نہ کہ صرف تیس سال تک جاری و قائم رہنے والی خلافت کی مادی جہت کا نتیجہ ـــــ اور دینِ اسلام صرف اور صرف اُس حکومت اور دنیاوی غلبے کو ''خلافت'' تسلیم کرتا ہے جس کا مقصودِ اصلی اول و آخر انسان کے دینی اوصاف کی سربلندی اور روحانی اقدار کا غلبہ ہو۔

یہاں پر اب سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ منصبِ خلافت کا اہل انسان ہی کیوں؟ زیرِ مطالعہ باب میں اس سوال کا بھی تسلی بخش جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ تحقیقی مطالعہ سے یہ امر واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ انسان کے علاوہ جتنی مخلوق ہے اُس کی استعدادِ علم اور دائرۂ عمل محدود ہے جب کہ انسان کو عقل وفہم کی وہ قوتیں ودیعت کی گئی ہیں جن کے تصرفات کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس لئے حضرتِ انسان کو ہی منصبِ خلافت کا اہل سمجھا گیا۔ چنانچہ انسان کا مقصدِ وجود اگر قیام و انصرامِ خلافتِ ارضی میں خود کو اہل ثابت کرنا تھا تو اس کا اعزاز علم وحکمت ہے اور اس کی عظمت کی اساس عبادت، تقویٰ اور پرہیزگاری ہے، جب کہ انسان کا شرف یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یا نائب ہونے کا حق اس خوبی سے ادا کرے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسولِ اعظم ﷺ

کے احکام کی نہ صرف خود تعمیل کرے بلکہ بنی نوعِ انسان کو بھی ان احکامات کی پابندی کا خوگر بنانے میں اپنی بھرپور توانائیاں صرف کرے۔

زیرِ مطالعہ باب میں اس اہم ترین سوال پر بھی روشنی ڈالی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے نائبین کی حیثیت سے انسانِ اول آدم علیہ السلام سے لیکر نبیٔ آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ کے احکامات کے مطابق دنیائے انسانیت میں جس نظامِ خلافت و ربوبیت کی بنیاد استوار کی گئی آیا کہ شیطان اس نظام کو منہدم کرنے میں کامیاب ہو سکا یا ابھی تک ناکام چلا آرہا ہے؟ اگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نظامِ خلافت تمام ہو چکا تو ہمیں خلافتِ راشدہ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے مختصر دور کو چھوڑ کر بقیہ تقریباً چودہ سو سال سے نظامِ دنیا کے برقرار رہنے کے جواز ہی سے انکار کرنا ہوگا۔ لیکن اگر نظامِ دنیا آج بھی جاری و ساری ہے تو لامحالہ یہ اس امر پر شاہد ہے کہ شیطان اپنی جملہ ریشہ دوانیوں کے باوجود نظامِ خلافت منہدم کرنے میں ناکام رہا ہے اور یوں صلحائے اُمت کا یہ کمال تسلیم کئے بغیر چارہ کار نہیں کہ یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے شیطان کو قدم قدم پر شکست دی اور نظامِ خلافت کو جاری و ساری رکھنے کا کارنامہ انجام دیا جسے خود بھی ابلیس تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ اقبالؒ اپنے بیاض بعنوان ''ارمغانِ حجاز'' میں ابلیس کے تصرفات کے علی الرغم اُس کی ناکامی و پریشان حالی کا نقشہ اپنی نظم بعنوان ''ابلیس کی ایک مجلسِ شوریٰ'' میں کچھ اسطرح سے کھینچتے ہیں۔

ہے مرے تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمین' کیا مہر و مہ' کیا آسمانِ تو بتو!

کیا امامانِ سیاست' کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو!

کارگاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و سُبو!

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے ابتک شرارِ آرزو

خال خال اس قوم میں ابتک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو

اسلامی نظام کے قیام کے داعین کو ان نفوسِ قدسیہ کے سپاس گزار ہونا چاہئے کہ خلافتِ راشدہ کا نظام درہم برہم ہونے کے بعد انہی بزرگوں اور صلحائے اُمت نے نہایت درجہ

فراست وحکمت کے ساتھ روحانی سلاسل کے ذریعے خلافت کے نظام کو نہ صرف یہ کہ جاری وساری رکھا بلکہ یہ مواقع بھی فراہم کردیئے کہ انیسویں صدی عیسوی میں ایک بار پھر سے اجتماعی سطح پر اسلام کے سیاسی نظام کے احیاء کی بات کرنا ممکن ہو سکا!!! کیا یہی امر واقعہ نہیں ہے؟

باب 5: خلافت کی روحانی و مادی جہتیں (یعنی خلافتِ کُبریٰ وصُغریٰ)

زیر مطالعہ باب' ناچیز مؤلف کی تالیف میں کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ تیسرے باب میں ہم مقصدِ تخلیقِ انسانی پر مختصر بحث کے بعد یہ ثابت کر چکے ہیں کہ انسان کی اخروی فلاح کا واحد ذریعہ ''عبادتِ الٰہی'' ہے اس لئے پیغمبروں کی بعثت کا مقصودِ اصلی بھی انسان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت وتعلق باللہ کا شعور اُجاگر کرنا ہی ٹھہرا۔ حضرت آدمؑ سے لیکر حضور نبیٔ اکرم' ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک جملہ انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو اسی مقصودِ اصلی کی طرف بُلانے کیلئے اپنی توانائیاں صرف کیں۔ چوتھے باب میں ہماری بحث کا موضوع تھا کہ انسان نے اپنے مقصدِ وجود کے مطابق عبادتِ الٰہی اور ذکر اللہ کے ''جوہری ہتھیاروں'' سے کام لیکر خود کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نائبین (انبیاءؑ ورسلؑ) یعنی خلیفۃ اللہ کے نائبین یعنی خلیفۃ الخلفاء ہونے کا اہل ثابت کرنا ہے۔ خلافتِ آدمؑ کے اس تصور کے اعلان کے ساتھ ہی ابلیس نے انسان کی اس حیثیت ومنصب کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لہٰذا دنیا میں آج جو ''معرکۂ کرب وبلاء'' برپا ہے وہ اسی تنازعۂ ابلیس وآدم کا شاخسانہ ہے۔ لیکن ابلیس کے ساتھ جھگڑا اس معرکے کا ایک رُخ ہے' جبکہ دوسری جانب خود بندوں کے مابین بھی یہ تنازعہ کھڑا ہو چکا ہے کہ آیا انسان دنیا میں صرف عاقبت سنوارنے کے لئے آیا یا دنیا ہی میں اپنی شان وشوکت کے جھنڈے گاڑنے کے لئے بھیجا گیا اور انسانوں کے مابین یہ اختلافِ رائے انسان کی مادی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے ضمن میں اُس کی جدو جہد سے پیدا ہوا۔ جبکہ شیطان نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے انسان کی مادی ضرورتوں کی تکمیل کو اُس کے دل ودماغ میں ابھار کر دنیا داری' میں مگن رہنے کی تلقین جاری رکھی نتیجہ میں انسان بندۂ خدا بننے کی بجائے بندۂ زمانہ بننے کو ترجیح دینے لگا۔ پانچویں زیر مطالعہ باب میں اسی نکتہ پر ہماری بحث میں گرما گرمی آئی اور یہ سوالات پیدا ہوئے کہ خلافت ہے کیا؟ حکومت و

فرمانروائی اگر خلافت ہے تو کیا یہ کسبی ہے یا وہبی منصب؟ کیا حکومت و فرمانروائی انسان کا اصل مقصودِ زندگی ہے؟ کیا خلافت کی یہ مادی جہت اولیت رکھتی ہے یا روحانی جہت کو فضیلت حاصل ہے؟ حکومت نہ ہونے کے باوجود وراثتِ زمین کا حقیقی مفہوم، قرآن کی رو سے کیا ہے؟ تمکین فی الارض کا اصل مقصد کیا حکمرانی ہے یا دنیا میں اللہ کی عبادت کا نظام قائم کرنا ہے؟ کیا تمکین فی الارض کا وعدہ خلافتِ راشدہ کے دور میں ہی پورا ہو چکا؟ اگر جواب مثبت ہے تو پھر آنے والے ادوار میں دنیا کے جاری رہنے یا رکھنے میں کیا حکمت ہے؟ خلافت کے قیام و تسلسل میں صلحائے اُمت کا کردار و عمل کیا ہے اور یہ ہے بھی یا نہیں؟

ہم نے ان مسائل پر بحث کے لئے اپنے فکر و نظر کی تائید میں مولانا ابوالکلام آزاد، مصری مصلح و عالم دین مفتی محمد عبدہ، کے شاگرد خاص سید رشید رضا مصری، تاریخ نویسی کے بانی و عالمی شہرت یافتہ تاریخ دان علامہ ابن خلدون، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، علامہ ابن کثیر، اور جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کی متعلقہ تصنیفات و تالیفات، و تفاسیر اور کتب تواریخ سے استفادہ کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی جہت کو مادی جہت پر فوقیت حاصل ہے۔ نیز یہ کہ خلافت کی روحانی جہت کو ہم کیوں خلافتِ کبریٰ اور خلافت کی مادی جہت کو خلافت صغریٰ قرار دے رہے ہیں؟۔ ہم نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خلفاء راشدینؓ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث علماء و صلحاء ہی تھے جنہوں نے خلافت کے تسلسل کو قائم رکھنے کا فریضہ بحسن و خوبی جاری رکھا۔ اسطرح سے شیطان کو یہ موقع نہیں مل سکا کہ وہ دعویٰ کرتا کہ اُس نے انسان کو خلافت کے منصب جلیلہ کے لئے نا اہل ثابت کر دیا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا کہ شیطان اپنے دعوے میں خود کو سچا کر دکھاتا تو دنیا کے جاری و ساری رہنے کا کوئی جواز یا مقصد ہی باقی نہ رہتا۔

پانچویں باب ہی کے آخر میں ہم نے موضوعِ زیرِ بحث پر امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فکر و نظر کو بھی ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے جس کے لئے ہم نے علمی و فکری معلومات شاہ صاحب کی دو معرکۃ الآرا کتب ''ازالۃ الخفاء'' اور ''البدور البازغہ'' سے حاصل کی ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک خلیفۃ اللہ میں اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے چار مناصب جمع ہوتے ہیں (1) حکمران عادل (2) حکیم کامل (3) انسان کامل،

عارف کامل، صوفیٔ کامل اور مرشد کامل (4) ملاءِ اعلیٰ اور بندوں کے مابین ایک سفیرِ معتمد ان چار مناصب میں صرف ایک کا تعلق حکمرانی و فرمانروائی سے ہے اور وہ بھی عدل و انصاف کی شرط اور اس قاعدہ کلیّہ کے تحت کہ خلیفۃ اللہ کے نفسِ ناطقہ پر ملاءِ اعلیٰ سے سیاستِ ملکیہ کے عُلوم کلیّہ کا القاء ہوتا ہے اور اُس کے فیضانِ نگاہ سے دشمنیاں، محبت و اخوت میں بدل جاتی ہیں۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں (بشمول خلافتِ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ) تاریخ اس روحانی سیاست کے فیوض و برکات کا بھرپور مشاہدہ کر چکی ہے۔ اور اسی محمدیؐ ماڈل کے مطابق ایک بار پھر قربِ قیامِ قیامت سے متصل حضرت الامام المہدیؑ کی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے دور میں نسلِ انسانی بھرپور روحانی و مادی فیوض و برکات سے بہرہ مند ہونے کا شرف حاصل کرے گی۔ (انشاء اللہ العزیز)

باب 6: خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ختم ہونے پر تصوف کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

(صوفیہ نے کارِ نبوت کو اولی العزمی سے پورا کرنے کا بیڑا اُٹھایا)

باب گذشتہ میں جیسا کہ بیان ہوا، ہر نبی قاعدہ کی رو سے خلیفۃ اللہ بھی ہوتا ہے۔ اس لئے جب تک انبیاءؑ و رسلؑ کا سلسلہ جاری رہا، اس وقت بھی دو نبیوں کے درمیانی عرصہ میں انہی اولیاء کرام اور بزرگانِ دین نے، جو اگرچہ نبی نہیں تھے، لیکن اپنے اپنے دور کے خلیفۃ الرسول ضرور تھے خلافتِ کبریٰ کے تسلسل کو جاری رکھا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت تکمیل پا جانے کے بعد سب سے پہلے خلفاءِ راشدینؓ اور پھر انہی اولیاء امت، بزرگانِ سلف صالحین، ابرار و خواص نے خود کو پورے تدبر و فراست کے ساتھ منظم کر کے خلافتِ کبریٰ کے نظام کو ابد الآباد تک جاری و ساری رکھنے کا کارنامہ انجام دیا۔ یہی وہ کارنامہ ہے جو مختلف سلاسلِ صوفیہ کی صورت میں آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔

اُمتِ مسلمہ ہی نہیں بلکہ تمام اقوامِ عالم کی موت و حیات، ترقی و تنزل اور سعادت و شقاوت کے جو اصلی اسباب و مراتب قرآن حکیم نے بیان کئے ہیں اُن میں دو اہم ترین حقیقتیں: ''اجتماع و ائتلاف'' اور ''اَشتات و انتشار'' ہیں۔ گویا کہ زندگی اور وجود ہے مگر اجتماع (اکٹھے ہونے) ائتلاف (تناسب و ترتیب سے متعین ہونے) سے۔ موت و فنا نہیں مگر اس کی ضد سے۔ چنانچہ اَشتات ''تشتت'' سے ہے جس کے لغوی معنی ہیں تفریق

اور الگ الگ ہو جانا۔ اس پر قرآن کی شہادت ہے" تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل "متفرق" ہیں (59-الحشر:4) چنانچہ" مسلمانوں کی زندگی و عروج کا اصلی دور وہی تھا جب ان کی قومی و انفرادی، مادی و معنوی، اعتقادی و عملی زندگی پر اجتماع و ائتلاف کی رحمت طاری تھی اور ان کے تنزل و ادبار کی اصلی بنیاد اُس دن پڑی جب اجتماع و ائتلاف کی جگہ اشتات کی نحوست چھانی شروع ہوگئی۔ قرآنی قانون تنزل اقوام کے مطابق یہ حالت ہر چیز اور ہر گوشۂ وجود و عمل پر طاری ہوئی اور ایک ہزار برس پر "چار صدیاں" گزر چکی ہیں کہ تنزل و ادبار کی حالت برابر طاری ہو رہی ہے اور بڑھتی جا رہی ہے" (مولانا ابوالکلام آزاد) خلافتِ خاصہ یعنی خلافتِ راشدہ کے بعض فرائض نبوت یا امامتِ کبریٰ کے خصائص ((1) تلاوتِ آیات (2) تزکیۂ نفوس (3) تعلیمِ کتاب (4) بیانِ حکمت (یعنی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و توضیح) وغیرہ کے مطابق اُمت کی رہنمائی اور منصبِ نبوت کی نیابت کے کارِ عظیم کی انجام دہی کے لئے صلحائے امت میدان میں اُترے۔ اجتہاد و قضاء شرعی کا منصب مجتہدین وفقہاء نے سنبھال لیا اور تعلیم و تربیت، تزکیۂ نفوس اور ارشادِ قلوب کا شعبہ اصحابِ طریقت و تصوف کی نگرانی میں جاری و قائم ہوا۔ درحقیقت مجتہدین وفقہا بھی اپنی اپنی جگہ اصحابِ طریقت و تصوف ہی تھے اور انہی پر دو مناصب کے حاملین مل کر حکومت وفرمانروائی کے مناصب پر موجود اصحاب کو بھی شریعت کی صراطِ مستقیم کی راہِ راست پر چلانے کے لئے اپنا اثر و رسوخ اور اپنی عملی، فکری، نظری اور روحانی بصارت و بصیرت کو استعمال کرتے رہے۔

درحقیقت معرکۂ حق و باطل کا یہ پہلو خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ عطائے خلافتِ ارضی دنیا ہی میں بہت بڑا اعزاز و انعام نہیں جو نسلِ آدم کو نسلاً بعد نسلاً عطاء اور منتقل ہوا بلکہ یہی جہادِ زندگانی میں کامیابی و کامرانی پر انسان کی آخرت میں سرخروئی کا پیش خیمہ بھی ہے۔ چنانچہ شیطان لعین کو یہ کیونکر گوارا ہوسکتا تھا کہ وہ انسان کو آخرت میں سرخرو ہونے دے؟ لہٰذا معرکۂ حق و باطل برپا ہوا۔ قرآن حکیم سے اہل حق کی ولایت (بظاہر خلافت) کے تسلسل و تواتر کی شہادت آلِ عمران کی آیات 104 اور 110 سے ملتی ہے۔ عزازیل راندۂ درگاہِ ایزدی ہو کر شیطانِ مردود کہلایا اور روزِ اول سے تا حال بنی آدم کو اسی خلافت کے قیام و انصرام و تسلسل سے جاہل رکھنے کی کوششِ ناکام میں مصروف ہے۔ اور قیامت تک وہ

اپنا مردود سراسی خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنگلاخ جہتوں سے ٹکرا ٹکرا کر پھوڑتا اور لہولہان ہوتا رہے گا۔ مگر ہرگز ہرگز کامیاب نہ ہو سکے گا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے ارمغانِ حجاز میں اس ضمن میں ابلیس کی اندرونی پریشانی اور خلفشارِ ذہنی کو اُسی کی زبان میں اسطرح سے بیان کیا ہے:

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو — کیا زمیں، کیا مہر و مہ، کیا آسماں تو بتو!
کیا امامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ — سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو
کارگاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے — توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و سبو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں ابتک نظر آتے ہیں وہ — کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے — مزدکیت فتنہ ٔ فردا نہیں، اسلام ہے
جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں — ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف — ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں
الحذر آئینِ پیغمبرؐ سے سو بار الحذر — حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مردِ آفریں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب — یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں

اشکِ سحر گاہی سے وضو کرنے والے صلحائے اُمت کا گزشتہ چودہ سو برس میں کیا یہ کمال نہیں کہ خلافت کی مادی جہت درہم برہم ہونے کے باوجود انہوں نے شیطانِ مردود کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیا؟ ____ لہٰذا جس اللہ کے بندے کو قیام و تسلسل و انصرامِ خلافت کی روحانی جہت کے ذریعے مادی جہت کی ضرورتوں کو بھی پورا کر کے دکھانے کا عمل سمجھ میں آ گیا اور اُس نے خود کو بھی اس تسلسل سے منسلک کر لیا، وہ کامیاب و کامران و سرخرو ہوا۔ جسے اس کی سمجھ یا توفیق ارزانی نہ ہو سکی وہ گویا اپنے استاد شیطان کی ٹلیک ہُو کا دیوانہ بن کر اپنی آخرت خراب کرنے کا خود ذمہ دار ہوگا۔ قرآن حکیم میں جس ''عہدِ الست'' کا ذکر ہے اُس کے مطابق تو سلیم الفطرت انسانوں نے، جب کہ ابھی روحوں کی صورت میں تھے

اور انہیں ابھی جسمانی خلعتوں سے بھی نوازا نہیں گیا تھا' اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و پیمان کر لیا تھا کہ جب جب وہ دنیا میں مادی جسم سے سرفراز کیے جائیں گے تو وہ اللہ ہی کو اپنا خالق و مالک' اپنا پالنہار اور معبود تسلیم کریں گے۔ چنانچہ دنیا میں آکر اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ و چنیدہ اور مخلص بندوں نے اپنے عہد کو خوب خوب یاد رکھا اور نبھایا۔ اس میثاق کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو انسان اللہ بزرگ و برتر کے حکم کی تعمیل کرنے اور کرانے کا پابند ہے۔ کیونکہ خلافت کا مطلب و مقصد ہی اپنی ذات پر اللہ کے احکام کا نفاذ اور اس کی تخلیق کردہ دنیا میں اسی کے حکم کا پرچم بلند کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اسلام میں اولی الامر کی شان یہ ہے کہ ان کی معیت' ان کی رفاقت' اُن کی اطاعت' اُن کی حرکت پر حرکت' اُن کے سکون پر سکون' اُن کی طلب پر لبیک اور ان کی دعوت پر انفاقِ جان و مال ہو۔ اسلام میں اسی قومی و ملی مرکز کا نام خلیفہ اور امام ہے۔ چنانچہ خلفاءِ راشدینؓ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث علماء و صلحاء ہی نے فرائض نبوت کو پورا کر کے دکھایا۔ اولی الامر کی حیثیت سے اپنا لوہا منوایا اور خلافت کے تسلسل کو ایک لحظہ کے لئے بھی ٹوٹنے نہیں دیا۔ ان کے ہاں التزام جماعت بھی ہے' اطاعتِ امیر بھی ہے اجتماع و ائتلاف بھی ہے۔ قرآن کی ترتیل' تزکیۂ نفوس' تعلیم کتاب و حکمت کے ذریعے خلافتِ ارضی کے مقاصد اس شان سے پورے ہو رہے ہیں کہ غیر مسلم بھی انہی صوفیہ کا احترام کرتے ہیں۔ دینِ اسلام کی آبرو اور اس کا دھرم بھرم انہیں کے دم قدم سے قائم ہے۔ اُمتِ مسلمہ میں صلحاء کا یہی گروہ ہے کہ جس کے ہاں فرقہ بندیوں کے مفاسد بھی موجود نہیں ہیں۔

باب 6 میں ناچیز مؤلف نے خلافتِ راشدہ کے درہم برہم ہونے سے آج تک کے عرصہ (تقریباً چودہ صدیوں) میں صلحاءِ اُمت نے جس حکمت و تدبر کے ساتھ خود کو منظم و مربوط رکھا وہ بھی ایک حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ اس باب میں ہم نے سلاسلِ صحابہؓ، سلاسلِ تابعینؒ، سلاسلِ تبع تابعینؒ و مجتہدین کے علاوہ تصوف کے عمومیت سے مشہور چودہ خانوادوں کا تفصیل سے اندراج کیا ہے۔ اس سلسلے میں حتی الوسع پوری تحقیق و تجسس سے کام لیا گیا ہے۔ اور متفرق سلاسلِ تصوف کی تفاصیل بھی دیدی ہیں۔

ناچیز مؤلف کا تعلق چونکہ طریقت میں سلسلۂ چشت اہلِ بہشت سے ہے اس لئے سب سے پہلے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی ابتداء اور اس کی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے۔ ازاں بعد سلطان الہند حضور خواجۂ بزرگ معین الحق والدین حسن سنجری چشتی ثم اجمیریؒ کی اولادِ امجاد کا

سلسلۂ طریقت درج کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد و مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ حاضر دیوان زیب سجادۂ اجمیر سید آلِ حبیب علی خاں مدظلہ العالی اڑتیس (38) واسطوں سے بلاانقطاع سید الکونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ و نائبِ روحانی ہیں۔ شجرۂ نسبی (حاضر دیوان زیب سجادہ اجمیر سید آل حبیب علی خاں مدظلہ) کو اگر معیار سمجھا جائے تو صرف چھتیس (36) چندے آفتاب چندے ماہتاب واسطوں سے ہم امام الائمہ زوج بتولؓ خلیفۂ راشد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تک ایک سے ایک تابناک و درخشندہ ہستی روحانی تاریخ تصوف کے ایسے ابواب ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیتی ہے کہ ہمارے دل و دماغ پر انوار و تجلیات کی بارش ہونے لگتی ہے۔ عشقِ بلا خیز کے اس قافلۂ سخت جان کے جہاد زندگانی کی مختصر تاریخ قلمبند کرنے کا شرف ناچیز مؤلف کو حاصل ہوا ہے۔ جس کا ایک خصوصی بابِ عظیمت وعظمت یہ ہے کہ حضرتِ علی المرتضیٰؓ کے چھتیسویں خلیفہ حضرت اعلیٰ واول دیوان سید آل رسول علی خاں قدس سرہٗ العزیز تحریکِ پاکستان کے فعال سرگرم رہنما تھے اور دینِ اسلام کے احیاء کی تحریکوں میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر صفِ اول کے رہنما و مجاہد تسلیم کئے جاتے تھے۔ اس لئے تقسیم ہندوستان کے ساتھ ہی بھارتی حکومت کی معاندانہ دھمکیوں کے باعث اُنہیں ستمبر 1947ء میں پورے خاندان کو ساتھ لیکر ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا۔ اور یوں حضور خواجۂ بزرگ غریب نواز اجمیریؒ کا مرکزِ رُشد وھدایت پاکستان منتقل ہوگیا۔ 1973ء میں دیوان سید آلِ رسول علیخاں کے وصال کے بعد آپ کے جانشین سید آل مجتبیٰ علی خاں قدس سرہٗ سجادہ نشین اجمیر شریف مقیم پاکستان مقرر ہوئے۔ انہوں نے 1992ء میں آستانہ عالیہ معینیہ چشتیہ کے مستقل قیام و انصرام کے لئے گلشنِ سلطان الہند اجمیری کمپلیکس (پنڈی فتح جنگ روڈ نزد موہڑی پھاٹک راولپنڈی) کی بنیاد رکھی۔ تاہم خاندانِ رسالت مآب کا یہ چشم و چراغ بھی 13 اپریل 2001ء کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے 81 برس کی عمر میں راہیٔ ملک بقاء ہوا۔ اور یوں آپ کے جانشین دیوان سید آل حبیب علیخاں مدظلہٗ العالیٰ زیبِ سجادۂ اجمیر شریف مقرر ہوئے۔

ناچیز مؤلف نے اپنے سلاسلِ طریقت چشتیہ و قادریہ اور اپنا نسبی سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ بھی دیدیئے ہیں۔ ناچیز مؤلف کو مرشدی و مولائی حضرت خواجہ حافظ محمد صدیق چشتی نظامی السالمی قدس سرہٗ کی بارگاہِ رشد وھدایت سالم شریف میں 16 جمادی الآخر 1391ھ بمطابق 8 اگست 1971ء کو شرف بیعت حاصل ہوا۔ 8 محرم الحرام 1394ھ بمطابق 2 فروری 1974ء کو بمقام لاہور چاروں سلاسلِ عالیہ (چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ)

میں خرقۂ خلافت و اجازت بیعت و ارشاد سے نوازا گیا۔ 6رجب المرجب 1422ھ بمطابق ستمبر 2001ء کو سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کے سالانہ عرس مبارک کی تقریب میں سجادہ نشین اجمیر شریف حضورِ دیوان سید آلِ حبیب علیخاں مد ظلہٗ العالی کی جناب سے بھی خلیفہ مجاز کی دستارِ فضیلت اور تحریری سندِ خلافت عطاء فرمائی گئی۔ خلافت نامہ کا مضمون درج ذیل ہے۔

خلافت نامہ

''مشفقی و محبی نبی احمد خان صاحب لودھی ابن آغا علی احمد خان صاحب سلسلۂ عالیہ چشتیہ سے وابستہ ہیں اور خلوص و محبت سے اورادو وظائف اور اعمالِ صالحہ کے پابند ہیں۔ انہیں حضراتِ خواجۂ کرام اہل بہشت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور فقیر سے دلی لگاؤ ہے وہ تعمیل احکام میں ہمیشہ مستعد رہتے ہیں۔ ان کی تواضع، بردباری و انکساری، قابلِ ستائش ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دینی علم سے بھی گہری وابستگی ہے۔ لہٰذا فقیر ان کو رشد و ھدایتِ خلق یعنی اوامر پہ عمل کرانے اور نواہی سے بچنے کی تلقین کے لئے بیعت کرنے کا مجاز کرتا ہے۔

میری انہیں یہ بھی ہدایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضورِ نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خواجہ کرام رضی اللہ علیہم کی رضا اور خوشنودی کے لئے بلا لالچ وحرص سلسلہ کی تبلیغ و ترویج میں کوشاں رہیں۔ اور ذکر وفکر میں خود بھی مشغول رہیں اور مخلوقِ خدا کو بھی اس طرف راغب و مائل کریں۔ بالخصوص اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' عزت و توقیر دلوں میں جاگزیں کریں۔ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا لَہٗ کو پیش منظر رکھیں۔

فقیر کی دُعا ہے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حامی و ناصر ہوں۔ اخلاصِ عمل کی انہیں مزید توفیق عطا ہو (آمین)

دُعا گو:۔

(فقیر دیوان سید آل حبیب علیخاں)

سجادہ نشین خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

۶ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

باب 7: امت مسلمہ کی اجتماعی تنظیم وتہذیب میں صلحائے امت یعنی صوفیۂ عظام کا کردار وعمل

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ ختم نبوت اور خلافتِ راشدہ کے اختتام سے اب تک

اُمتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی میں صلحاء و اصفیائے امت یعنی علماء حق ' بزرگانِ دین اور صوفیائے عظام نے نا قابلِ تردید یکجہتی فکر وعمل ' ہوشمندی اور نا قابلِ شکست وریخت تسلسل کے ساتھ پیغمبرانہ فرائضِ پنجگانہ کو انجام دیا (جن کی تفصیل کتاب میں مناسب مقام پر دی گئی ہے)۔ عالمِ اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں میں نامور مصلحین (جن کا تذکرہ باب 6 میں بھر پور انداز میں قلمبند کیا گیا ہے) اور ممتاز اصحابِ دعوت وعزیمت کی اگر تاریخ بیان کرنا مقصود ہو تو مذکورہ سلاسل سے منسلک اصحاب کے سوا ڈھونڈے سے بھی کوئی دوسرا قابلِ ذکر نام نہیں لیا جا سکے گا۔ اور یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں کہ جن کی مجموعی کوششوں سے اسلام زندہ اور محفوظ شکل میں آج تک موجود ہے اور انشاء اللہ تا قیامِ قیامت موجود رہے گا۔ چنانچہ دورِ جدید کے مشہور دانشور اور فلسفی برٹینڈ (Russell) کا ایک فکر انگیز قول ہے:

> '' دنیا میں جس قدر عظیم فلسفی گزرے ہیں سب نے فلسفے کے ساتھ تصوف کی ضرورت کا بھی اعتراف کیا ہے۔ دنیائے افکار میں انتہائی بلند مقام صرف سائنس اور تصوف کے اتحاد سے حاصل ہوسکتا ہے (گویا پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ بند ہونے کے بعد انسانی رہنمائی کے لئے بہترین انسانی خوبیوں کا اظہار صرف تصوف ہی کے ذریعے ممکن ہے۔''

تاریخ تصوف کے مصنف پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشِ مکہ سے کبھی یہ نہیں کہا کہ اگر تم میری پیروی کرو گے تو میں تمہیں حکمران بنادوں گا۔ اس کی بجائے صرف یہ کہا کہ میری پیروی کرو' میں تمہیں اللہ سے ملا دوں گا۔'' اب قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ اسلام کا مقصد ارفع اور قرآن کی غایتِ قصویٰ حصول حکومتِ ارضی ہے۔ یا استرضاءِ باری تعالیٰ ہے؟ مسلمانوں کا مقصدِ حیات اللہ کو راضی کرنا ہے' حکومت ملے یا نہ ملے اور میں علیٰ وجہ البصیرت یہ کہتا ہوں کہ '' اسلامی'' تصوف اللہ کو راضی کرنے کے طریق کار کا دوسرا نام ہے۔(ص۔ 126 تا 128)۔''

انگلستان کے ایک مشہور ذی علم مستشرق پروفیسر ایچ۔آر۔گب (H.A.R.Gibb) نے ایک مرتبہ آکسفورڈ یونیورسٹی کی ایک مجلس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: '' تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے

مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیہ کا اندازِ فکر ونظر فوراً اس کی مدد کو آجاتا۔ اوراس کو اتنی قوت وتوانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی۔''

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے درست کہا تھا:

نہیں فقر وسلطنت میں کوئی امتیاز ایسا　　　یہ سپاہ کی تیغ بازی' وہ نگہ کی تیغ بازی

فتنوں کا فلڈ گیٹ کھلتے ہی صلحائے اُمت نے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیوں کی روشنی میں جو لائحہ عمل اختیار کیا وہ خصوصیت سے قابلِ غور ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ خلافتِ راشدہ کا دور صرف تیس (30) سال جاری رہے گا اوراسی دوران میں دورِ فتن کا آغاز ہوگا۔ حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں' حضورؐ نے فرمایا: خبردار جب یہ فتنہ وقوع میں آجائے تو وہ شخص جس کے پاس اونٹ ہو' اپنے اونٹ کے ساتھ ہوجائے اور جس کے پاس بکریاں ہوں' وہ اپنی بکریوں میں مل جائے اور جس کے پاس زمین ہو' وہ اپنی زمین پر جا پڑے (یعنی گوشۂ تنہائی اختیار کرلے) یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہؐ! جس کے پاس اونٹ' بکریاں' زمین نہ ہو' وہ کیا کرے؟ فرمایا: وہ اپنی تلوار کی طرف متوجہ ہو اور اُسے پتھر مار کر توڑ ڈالے (تاکہ جنگ و پیکار کا خیال دل میں پیدا نہ ہو)۔'' مشکوٰۃ المصابیح میں پورا بابِ فتن اور دوسرے مجموعہ ہائے احادیث میں ایسی پیش گوئیاں اوران پر مبنی ھدایات اتنی بڑی تعداد میں موجود ہیں کہ جن پر عمل درآمد نہ کرنا خود کو ھلاک کرڈالنے کے مترادف ہوسکتا تھا۔ لہٰذا صلحائے اُمت نے حکومت وسلطنت سے دلچسپی رکھنے والے افرادِ اُمت کے لئے میدان کُھلا چھوڑ دیا اور خود کو تزکیۂ نفوس' تلاوتِ آیات' تعلیم قرآن وحکمت' رشد وھدایت اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے وقف کردیا۔ مولائے رومؒ کیا خوب فرما گئے:

من ز قرآں مغز را برداشتیم　　　استخواں پیش سگاں انداختیم

اگرچہ صلحائے اُمت گوشۂ نشین ہوکر پیغمبرانہ فرائض پنجگانہ کی انجام دہی میں مصروف ہوگئے لیکن تاریخ ایسے واقعات پر بھی گواہ ہے کہ فقراء وصلحاء نے جہاں مناسب سمجھا' تلوار بھی ہاتھوں میں لینے سے گریز نہیں کیا اور کیا تاریخ اس بات کی بھی تصدیق نہیں کرتی کہ بت شکن سلطان محمود غزنوی کے اندر بت شکنی کا جذبہ پیدا کرنے کا سہرا اُس کے روحانی اساتذہ

اور مرشدانِ گرامی، سراج السالکین حضرت خواجہ ناصح الدین ابو محمد محترم چشتیؒ اور دوسرے علمائے حقہ کے سر ہے؟ شیخ ابو الحسن خرقانی کی روحانی عظمت اور عارفانہ تعلیمات کا بھی محمود غزنوی کی سیرت وکردار پر گہرا اثر تھا۔ ہند الولی غریب نواز خواجہ معین الدین چشتیؒ 561ھ میں کفرستانِ ہند میں اسلام کی روشنی پھیلانے کے لئے تشریف فرما ہوئے تو انہوں نے رائے پتھورا کا سر کچلنے کے لئے شہاب الدین غوری کو اجمیر پر چڑھائی کی ترغیب دلائی۔ کیا یہ تاریخی نتائج صلحائے اُمت کے فیضان نگاہ اور روحانی تصرفات کے مظہر نہیں؟۔ آج پاکستان نے میزائل غوری، جسے بھارتی میزائل پرتھوی کے مقابلے میں تشکیل دیا گیا ہے، وہ صلحائے اُمت کے فیضان کی تاریخی شہادت کا منہ بولتا ثبوت نہیں؟۔ خانوادۂ سلطان الہندؒ کے چشم و چراغ اور ان کے خلفاء ایک تسلسل کے ساتھ صدیوں سے برعظیم پاک و ہند اور پوری دنیا میں اسلام کے ازلی وابدی پیغام وتعلیمات کو پھیلانے میں انتھک طریقے سے مصروفِ عمل ہیں۔ (ان نفوس قدسیہ کی جدوجہد کا تفصیلی بیان اسی باب میں ملاحظہ کیجئے)

ہندوستان میں اسلام کا مرکز تبلیغ و اشاعت اجمیر شریف چونکہ ایک ایسے اعصابی کنٹرول سینٹر کی حیثیت رکھتا ہے جس کے استحکام پر اس خطہ کے مسلمانوں کی مادی و روحانی ترقی کا دارومدار ہے اس لئے اہل اللہ کی توجہ کا یہ ہمیشہ سے مرکز رہا۔ چنانچہ جب اس مرکز پر مسلمانوں کا تسلط ختم ہوتا نظر آیا تو مردِ حق آگاہ اور حکمتِ ایزدی کے شناور حکیم الہند شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ کی روح بے چین و مضطرب ہوگئی۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ مسلمانوں کے اس اعصابی کنٹرول سینٹر اجمیر شریف پر حقیقتاً کفار کا قبضہ تو اُس وقت ہوا جب ستمبر 1947ء میں قیامِ پاکستان کے بعد خواجہ غریب نوازؒ کے خانوادہ اور درگاہِ مُعلیٰ کے سجادہ نشین دیوان سید آلِ رسول علی خاں قدس سرہٗ کو ہجرت کر کے پاکستان چلے آنا پڑا۔ لیکن شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ کی روح میں جو اضطراب صدیوں پہلے پیدا ہوا اُس کی داستان نہایت ہی فکر انگیز ہے۔ آپ اپنے ایک طویل مکاشفہ میں اجمیر شریف سے کفار کا قبضہ ختم کرانے کے لئے جو لائحہ عمل تجویز فرماتے ہیں اُس کا صرف ایک جملہ یہاں نقل کرنا سعی حاصل ہوگا۔ فرماتے ہیں ''دنیا بھر سے باطل نظاموں کو ملیامیٹ کئے بغیر اللہ راضی نہیں ہوگا۔'' اسی باب میں اس مکاشفہ کی تفصیلات پڑھیئے اور مستقبل میں مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل تیار کیجئے۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے بھی مستقبل میں مسلمانوں کے مقدر پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ پیش گوئی کی تھی:

قومِ آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز　　لے اڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز!
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز　　تو ذرا چھیڑ تو دے تشنہ مضراب ہے ساز
نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے　　طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لئے

اس نازک مرحلے پر ہم اپنے تمام سیاسی رہنماؤں اور حکمرانوں کو خبردار کرنا چاہتے ہیں کہ تاریخ ہمیں جس مقام پر لے آئی ہے اس میں صرف دو ہی راستے ہیں ______ ''تخت یا تختہ'' ______ خاص طور پر سلطان الہندؒ کے سجادہ نشینان کا ہجرت کر کے پاکستان میں قیام پذیر ہونا اور بعد ازاں 9/11 کے سانحے میں امریکہ کی جڑواں بلند ترین عمارتوں کے انہدام کے بعد عراق اور افغانستان پر امریکہ کے قبضے اور پاکستان کے سرحدی علاقوں پر امریکی ڈرون حملوں سے پیدا شدہ نتائج سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہمیں انقلابی فیصلے کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی باب میں مسلمانوں کے مستقبل پر اثر انداز ہونے والے جملہ حالات و واقعات کا تجزیہ بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے سرخیل ''شیخ احمد سید گردوں جناب'' کے عنوان سے صوفیۂ عظام کے اس عظیم المرتبت طبقہ کی طرف سے کفر و الحاد اور زندقہ کے خلاف جو مہم چلائی گئی، اور جو اب تک پوری عظمتِ شان سے چل رہی ہے، اُسے بھی تفصیل کے ساتھ اس باب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ العزیز اُن کے فرزندان باکمال خصوصاً عروۃ الوثقیٰ، چراغ ہفت محفل خواجہ معصومؒ قدس سرہ اور دیگر خلفاء نے اکبر کے دین الٰہی کے خلاف جو مہم چلائی اُس کے حیرت انگیز کوائف و واقعات بھی اس باب کی زینت ہیں۔ اکبر کے الحاد و زندقہ کے مکافاتِ عمل کے طور پر دلچسپ تاریخی واقعہ کو بھی نشانِ عبرت کے طور پر اس باب میں نقل کیا گیا ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ ہندوؤں کے جنگجو گروہ مرہٹہ وغیرہ نے اپنی طویل غلامی کی خفت مٹانے کے لئے مغلوں کے آخری دورِ بادشاہت میں مغل اعظم شہنشاہ جلال الدین اکبر کی قبر کھود کر اُس کا پنجر نکالا زمین پر گھسیٹا اور آگ کے الاؤ میں پھینک دیا۔

برِعظیم پاک و ہند کی تاریخ میں جو انقلابی اقدامات اُٹھائے گئے اور تحریک پاکستان میں بھی ان صوفیہ عظام کا کردار و عمل آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ تحریکِ پاکستان شروع ہوئی تو سجادہ نشین اجمیر شریف حضرت دیوان سید آلِ رسول علی خاں قدس سرہٗ نے مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کے لئے مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا چنانچہ روز نامہ منشور کی 15 اگست 1945ء کی اشاعت میں صفحہ اول پر آپ کا یہ ایمان افروز بیان شائع ہوا کہ'' ہر مسلمان دل و جان سے مسلم لیگ کے ساتھ ہو جائے اور اس کی حمایت کو دینی فریضہ تصور کرے۔ جبکہ 14 اکتوبر 1945 کو پیر امین الحسنات المعروف پیر صاحب مانکی شریفؒ نے برعظیم پاک و ہند کے 500 علماء و مشائخ کی جو کانفرنس بلائی اُس میں بھی آپ شریک ہوئے۔ 17 دسمبر 1945ء کو اخبارِ دبدبہ سکندری رامپور میں حضرت دیوان صاحبؒ کے ایما پر مفتی آستانۂ اجمیر شریف مولوی امتیاز صاحب کا فتویٰ شائع ہوا کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت مسلم لیگ کی پیروی و حمایت فرض ہے کیونکہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ ''بوقتِ اختلاف بڑی جماعت اور کثرتِ آراء کا اتباع اور موافقت کرو''

اپریل 1946ء میں سنوسیٔ ہند امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ، نقشبندی مجددی محدث علی پوری قدس سرہٗ کی زیر صدارت بنارس (حال بھارت) میں آل انڈیا سُنّی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں سات ہزار مستند علماء و مشائخِ عظام شریک ہوئے۔ کانفرنس نے مطالبۂ پاکستان کی پر زور حمایت کرتے ہوئے مستقبل میں حصول پاکستان کے بعد وہاں اسلامی حکومت کے قیام کے لئے مکمل لائحہ عمل مرتب کرنے کی غرض سے جو تیرہ مقتدر علماء وجید مشائخ کی کمیٹی بنائی اُس میں حضرت دیوان سید آلِ رسول علیخاں قدس سرہٗ بھی شامل تھے۔ 7-8 جون 1946ء کو خواجہ غریب نواز اجمیریؒ کے سالانہ عرس کے موقع پر ایک اور سنی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا جس میں ہزاروں علماء و مشائخ کے علاوہ ایک لاکھ سے زائد عوام الناس نے شرکت کی۔ کانفرنس میں حضور دیوان صاحبؒ نے اپنے خطبہ میں پاکستان کے حامیوں میں ایک ولولۂ تازہ عطا کیا اور آپ نے عزم و ہمت کا درس دیا۔ آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی خانقاہوں کے سجادگان خواجہ غریب نوازؒ کا مشن سمجھتے ہوئے اپنی اپنی گدیوں کو چھوڑ کر حصول پاکستان کی تحریک کے اس نازک موڑ پر احیائے اسلام کی خدمت کے لئے نکل کھڑے ہوں اور مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کے لئے

کمر ہمت باندھ کر میدان عمل میں آجائیں۔

امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ، چھ لاکھ مسلمانوں کو جن کے دستِ فیض رساں پر بیعت کا شرف حاصل ہوا، 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے ساتھ ہی مسلمانوں کی تنظیم میں نئی روح پھونکنے میں دامے، درمے، سخنے، قدمے سرگرم عمل ہوگئے۔ 1936ء میں جب قائد اعظمؒ نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کا بیڑا اُٹھایا تو مشائخ عظام میں سب سے پہلے آپ ہی نے قائد اعظمؒ کو بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ تحریکِ پاکستان شروع ہوئی تو آپ نے قائد اعظمؒ کو ایک خط لکھا جس میں ارشاد فرمایا: ''قوم نے اگرچہ مجھے امیرِ ملت مقرر کیا ہے لیکن پاکستان کے لئے کوشش آپ کر رہے ہیں جو درحقیقت میرا کام تھا لیکن میں سو سال کے قریب عمر کا ضعیف و ناتواں ہوں، یہ بوجھ آپ پر آن پڑا ہے میں آپ کی مدد کرنا فرض سمجھتا ہوں، آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور میرے متوسلین آپ کے معاون و مددگار رہیں گے۔ آپ مطمئن رہیں''۔ حضور امیر ملتؒ کی حصول پاکستان میں قائد اعظمؒ کے شانہ بہ شانہ جد وجہد کی ایمان افروز داستان زیر نظر باب کے زرّیں اوراق پر مشتمل ہے۔

تاہم ایک واقعہ خصوصیت سے فکر انگیز اور قابل ذکر ہے اس لئے کہ یہ بانئ پاکستان کے فکر ونظر کی عکاسی کرتا ہے۔ 26 جولائی 1943ء کو ایک خاکسار کارکن رفیق صابر آف مزنگ لاہور نے جب بمبئی میں قائد اعظمؒ پر قاتلانہ حملہ کیا تو امیر ملتؒ حیدر آباد دکن میں جلوہ افروز تھے، خبر آپ کو قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگؒ نے، عجیب پریشانی کے عالم میں، خدمت میں آکر سنائی۔ آپ نے رو بقبلہ ہو کر قائد اعظمؒ کی درازئ عمر و کامیابئ مقاصد کے لئے دعا فرمائی۔ اگلے روز ایک مکتوب، ایک قلمی نسخہ قرآن مجید، ایک مخملی جائے نماز، ایک تسبیح، ایک شال اور ایک زمزمی (آبِ زمزم) اور چند ایک دیگر تحائف اپنے محبوب خلیفہ حضرت بخشی مصطفیٰ علی خاںؒ کے ہاتھ روانہ فرمائے۔ طویل مکتوب میں بہت سی دوسری باتوں کے علاوہ آپ نے ارشاد فرمایا! نمرود کی دشمنی حضرت ابراہیمؑ کے دین کی، فرعون کی دشمنی حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ کے دین کی اور ابوجہل کی دشمنی ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ترقی کا باعث ہوئی۔ اب جو حملہ آپ پر ہوا آپ کی کامیابی کے لئے نیک فال ہے۔ آپ کو مبارک باد دیتا ہوں، آپ کامیاب ہوں گے۔'' قائد اعظمؒ کو جب یہ مکتوب

موصول ہوا اور تحائف پہنچائے گئے تو آپ نے 11 اگست 1943ء کو حضرت امیر ملت" کے نام جو خط لکھا وہ نہایت اعلیٰ مقاصد کا ترجمان تھا۔

قائد اعظم نے ارشاد فرمایا: "جب آپ جیسے بزرگوں کی دُعا میرے شامل حال ہے تو میں اپنے مقصد میں ابھی سے کامیاب ہوں۔ اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میری راہ میں کتنی تکلیفیں کیوں نہ آئیں میں اپنے مقصد سے کبھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ آپ نے قرآن شریف اس لئے عنایت فرمایا کہ میں مسلمانوں کا لیڈر ہوں' جب تک قرآن شریف اور دین کا علم نہ ہو' کیا لیڈری کر سکتا ہوں؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ قرآن پڑھوں گا۔ انگریزی ترجمے میں نے منگوا لئے ہیں۔ اب عالم کی تلاش میں ہوں جو مجھے انگریزی میں قرآن کی تعلیم دے سکے۔ جائے نماز آپ نے اس لئے عطا کی کہ جب میں اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانتا تو مخلوق میرا حکم کیونکر مانے گی؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نماز پڑھوں گا۔ تسبیح آپ نے اس لئے ارسال کی کہ میں اس پر درود شریف پڑھا کروں۔ جو شخص اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب نہیں کرتا' اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے نازل ہو سکتی ہے۔ میں اس ارشاد کی بھی تعمیل کروں گا۔"

سلطان الہند" کے سجادہ نشین اعظم دیوان سید آل رسول علی خاں قدس سرہٗ اور امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ ء کے ہمرکاب تحریکِ پاکستان میں دیگر جن علماء و مشائخ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' اُن میں سے چند ایک کے نام تحدیثِ نعمت کے طور پر درج ذیل ہیں۔

"پیر محمد سدید الدین تونسوی"' پیر محمد شاہ بھیروی"' امیر حزب اللہ پیر محمد فضل شاہ جلالپور شریف" ' پیر سید غلام محی الدین گولڑوی"' شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی"' پیر محمد اسمٰعیل روشن سر ہندی" ، پیر محمد حسن جان سرہندی" ، پیر محمد حسین سرہندی" ، پیر محمد مقبول الرسول للّٰہی" ، مخدوم سید محمد رضا شاہ گیلانی ، خواجہ عبد الصمد المعروف حضور جی" ، سید سجاد حسین سیکری" ، سید ستار بادشاہ پشاوری" ، خواجہ حسن نظامی دہلوی" ، ملا شور بازار کابلی" ، میاں غلام اللہ شرقپوری" ، سید محمد طاہر اشرف جیلانی" ، پیر سید محمد محدث کچھوچھوی" ، خواجہ عبد الرشید پانی پتی" ، سید علی احمد کیتھلی" ، پیر سید لال بادشاہ مکھڈوی" ، شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی" ، پیر سید منظور احمد مکان شریفی" ، پیر سعید شاہ بنوری کوہاٹی" ، سید مظہر گیلانی پشاوری" ، پیر عبد اللطیف زکوڑی شریف" ، سید محمد حسن ظفر

سکھو چکیؒ، مخدوم سید شوکت حسین گیلانیؒ، صاحبزادہ ظہور الحق گورداسپوریؒ، پیر محمد قاسم مشوریؒ، پیر غلام مرتضٰی سرہندیؒ، پیر عبد الستار جان سرہندیؒ، حکیم محمد حسین بدر چشتیؒ، شاہ محمد سلیمان پھلواریؒ، پیر فضل حق کر بونحہ شریفؒ۔

صوفیہ کو گوشہ نشین رہتے ہوئے قومی و ملی معاملات اور امت مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ کے امور میں دلچسپی نہ لینے کا طعنہ دینے والے سیاسئین کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس باب کا بغور مطالعہ فرمائیں اور مناسب سمجھیں تو اپنے الزامات واپس لے لیں' اس لئے کہ بصورت دیگر انہیں اللہ پاک کے حضور پہنچ کر اہل اللہ پر لگائے گئے مذکورہ الزامات کے باعث یقیناً شرمندہ ہونا پڑے گا۔ امام ابوتراب نخشیؒ جو میدان علوم باطنیہ کے ایک مرد تھے کہا کرتے تھے کہ بندہ جب اللہ سے روگردانی کا خوگر ہو جاتا ہے تو اولیاء اللہ کی بدگوئی اُس کی مونس بن جاتی ہے۔ حضرت ابو یزید بسطامیؒ اپنے زمانے کے علماء سے کہا کرتے تھے کہ تم اپنے علوم رسمی عالموں سے یعنی مُردوں نے مُردوں سے حاصل کئے ہیں اور ہم نے اپنے علوم اُس زندہ جاوید سے اخذ کئے ہیں جو مرنے والا نہیں ہے۔ مناقب الابرار میں فضیل بن عیاضؒ سے نقل ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ دیکھو کٹ حجتی ظاہر بین عالموں کی صحبت سے بچتے رہو' اس لئے کہ اگر وہ تم کو دوست رکھیں گے تو تمہاری تعریف میں ایسی باتیں بیان کریں گے جو تم میں نہیں ہیں اور اس طرح سے تمہارے عیبوں کو تم سے پوشیدہ رکھیں گے اور اگر وہ تم سے عداوت رکھیں گے تو تمہاری مذمت میں ایسے امور ظاہر کریں گے جن سے تم پاک ہو اور لوگ ان کا کہنا سچ سمجھ لیں گے۔''

باب 8: اہل حق کی ولایت اور خلافت کا تسلسل

(قرآن حکیم سے نشانیاں' دلائل اور ثبوت)

گذشتہ ابواب میں سورۃ آل عمران کی آیات 104 اور 110 کا تذکرہ متعدد بار ہو چکا ہے اِن آیات میں بنیادی طور پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کے لئے اُمتِ مسلمہ میں ایک گروہ کے لازماً موجودہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ انہی فرائض منصبی کی انجام دہی پر مسلمانوں کی آخرت میں کامیابی و کامرانی کا دارومدار ہے۔ بعض علماءِ اسلام کے نزدیک یہ فریضہ واجب کا درجہ رکھتا ہے اور بعض دوسرے علماءِ حقہ کے نزدیک یہ فرضِ کفایہ ہے۔ چونکہ اس موضوع پر کافی تفصیل سے پہلے ہی بحث ہو چکی ہے اس لئے

تکرار لا حاصل ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر یہ فرضِ عین ہے تو اور فرضِ کفایہ ہے تو بھی' یہ بات تو نصِ صریح سے لازم آتی ہے کہ'' تم میں ایک جماعت ضرور ہونی چاہئے۔ جو بُلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے''۔۔(آلِ عمران : 104) جیسا کہ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری کی جلد دوئم میں رقمطراز ہیں: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ ہر شخص پر فرض یا واجب نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ امرونہی کے لئے علم شریعت اور احتساب کی قدرت ضروری ہے (اور یہ بات سب لوگوں میں نہیں ہوسکتی' بعض میں ہوتی ہے)۔آیت میں خطاب اہل اسلام کی پوری جماعت سے ہے مگر مکلّف بعض کو کیا) بلاشبہ امر ختیار کا متقاضی ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد سے آج تک چودہ سو سال کے عرصے میں اگر خلافتِ علیٰ منہاج النبوۃ کا قیام ممکن نہیں ہو سکا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ کیونکر انجام دیا جا رہا ہے؟۔ اس باب میں یہی وہ مسائل ہیں جن پر قرآن وسنت کی روشنی میں بحث کی گئی۔ ظاہر ہے حکومتی اختیار نہ ہونے کے باجود'' اولی الامر'' ہمارے درمیان موجود رہے۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص راعی (ذمہ دار) ہے اُس سے اُس کی (رعیت یا زیر دستوں) کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ جیسا کہ استاد اپنے شاگردوں کو حکم دیتا ہے' باپ اپنے گھر والوں کو حکم دیتا ہے' مرشد اپنے مریدوں اور متوسلین کو حکم دیتا ہے۔ افسر اپنے ماتحتوں کو حکم دیتا ہے۔ خطیب امام مسجد اپنے مقتدیوں کو وعظ وتلقین کرتا ہے۔ ہمارے ہاں تبلیغی جماعتیں موجود ہیں ' ہمارے ہاں دینی سیاسی جماعتیں موجود ہیں جو اپنے ارکان کے کردار وعمل پر نگاہ رکھتی ہے ۔ وغیرہ وغیرہ۔ تاہم فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کی بحث ہم نے اپنی کتاب کے مندرجات پر اُٹھائے جانے والے اعتراضات کے جوابات کی صورت میں بھی الگ سے دیدی ہے۔ اگر چہ اس باب کے مکمل مضامین پڑھنے سے بھی عقل سلیم کے حاملین کے بہت سے اشکالات دور ہو جائیں گے (انشاء اللہ العزیز)

آخرت کی کامیابی وکامرانی کا دارومدار کن باتوں پر منحصر ہے ؟ اس سوال کا جواب قرآن حکیم میں دو بڑے عنوانات کے تحت متعدد آیات میں دیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ اللہ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے ؟ قرآن حکیم میں جا بجا اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزاروں' تقویٰ والوں' نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے والوں کو پوری ضمانت کے ساتھ پسند کرتا ہے۔ پورے قرآن مجید میں کسی ایک جگہ بھی

حکومتِ الٰہیہ کے لازمی قیام سے اسے مشروط نہیں کیا گیا جیسا کہ دورِ حاضر کے بعض ''مفکرینِ اسلام'' اس پر زور دے رہے ہیں' البتہ حکومت اور خلافت کو عطائے الٰہی ضرور قرار دیا گیا ہے +اسی طرح اللہ کن لوگوں سے محبت نہیں کرتا؟ فرمایا گیا: وہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا (26:2) وہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ (2:190 ' 5:87) قرآنِ حکیم ناشکروں' ظالموں' کافروں' بدکاروں' مغروروں' فخر کرنے والوں' مسرفین' خائنوں' مفسدین' جھوٹوں' عہد شکنوں کو بھی ناپسند کرتا ہے۔

اور جن لوگوں کو اللہ پسند کرتا ہو اور جو اللہ کو ناراض کرنے والے افعال سے گریز کو اپنا شعار بنائے رکھیں' اللہ خوش ہو کر ایسے بندوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور دنیا میں خلافت و حکومت کا انعام عطا فرماتا ہے اور آخرت میں اُنہی کو زمین کا وارث قرار دیتا ہے۔ لہٰذا حکومت اور فرمانروائی کے منصب سے محرومی پر'' حکومتِ الٰہیہ کے علمبرداروں'' کا اللہ والوں سے ناراض رہنا سمجھ سے بالا ہے۔ ہم حضرتِ علامہ کے چند اشعار'' ان دوستوں'' کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کرتے ہیں۔

مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو' جہاں تیرا ہے یا میرا ہے ... اگر کج رو ہیں انجم' آسماں تیرا ہے یا میرا؟

مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا؟ ... محمدؐ بھی تیرا' جبریل بھی' قرآن بھی تیرا

زوالِ آدمِ خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا ... اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن

ہم تو صرف اتنا سبق' جو قرآنِ حکیم اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے' یاد رکھتے ہیں کہ'' جنت کے وارث صرف متقی ہوں گے۔'' (انشاء اللہ) اور قرآنِ حکیم کا وہ انتباہ بھی ہمیشہ ہمارے سامنے رہتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

O اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّ بُکِیًّا (آیت سجدہ) (۵۸) فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ یَلۡقَوۡنَ غَیًّا O (19۔مریم:58 تا 59)

ترجمہ:'' جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے رحمان کی آیتیں تو گر پڑتے ہیں وہ سجدے کرتے ہوئے اور زار و قطار روتے ہوئے' پس جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جنہوں

نے ضائع کیا نمازوں کو اور پیروی کی خواہشاتِ نفسانی کی، سو وہ دو چار ہوں گے اپنی نافرمانی (کی سزا) سے۔" (آیات سجدہ ہیں: خبردار سجدہ لازم ہے)۔
حضرت علامہ کے چند اشعار مزید پیش خدمت ہیں۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک — اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا داراوجم!
دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت — فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم؟
اے مسلماں! اپنے دل سے پوچھ مُلا سے نہ پوچھ — ہوگیا ہے اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم؟

خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی و مادی جہتیں

گذشتہ بابِ اول میں اللہ سبحانہ' وتعالیٰ کی ذاتِ اقدس کی صفاتِ عالیہ اور اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باعثِ تخلیق کائنات اور اول المسلمین ہونے اور عظمتِ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔
ازاں بعد دوسرے باب میں ہم نے بتایا کہ کائنات ارضی کے اولین حکمران جنات تھے۔ نیز اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی کہ انسانوں سے قبل اُنہی کی طرح کی ایک بااختیار مخلوق کے پیدا کرنے کا مقصد کیا تھا؟
تیسرے باب میں ہم نے واضح کیا کہ انسان کی اخروی فلاح کا واحد ذریعہ اور مقصدِ تخلیق عبادتِ الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ حضرت آدمؑ سے لیکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جملہ انبیاءؑ نے مقصدِ تخلیق انسانی یہی" عبادتِ الٰہی" ہی بیان کیا ہے۔ اور علماءِ حقہ نے قرآن حکیم کا مرکزی مضمون بھی ذکر اللہ اور عبادتِ الٰہی ہی بتایا گیا ہے۔ اور اسی پر اجماع اُمت ہے۔
چوتھے باب میں انسان کے مقصدِ وجود اور خلافتِ آدمؑ پر ابلیس کے انکار سے بحث کی گئی۔ اور یہیں سے ابنائے آدم میں اس اختلاف نے جنم لیا کہ آیا انسان کا دنیا میں آنے کا اصل مقصود حکومتِ الٰہیہ کا قیام وانصرام ہے یا صرف عبادتِ الٰہی؟ اس اختلاف کو شیطان نے کیوں ہوا دی؟
پانچویں باب میں ہم نے خلافتِ الٰہیہ اور خلافتِ ختم المرسلینؐ کے مابین فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی اور خلافتِ ختم المرسلینؐ کی روحانی و مادی جہتوں کو تفصیل سے بیان کیا اور اس

نتیجے پر پہنچے کہ روحانی جہت دراصل خلافتِ کبریٰ اور مادی جہت خلافتِ صغریٰ ہے اس لئے اول الذکر کو موخر الذکر پر نہ صرف یہ کہ اولیت و فوقیت حاصل ہے بلکہ یہ کہ انسان کی آخرت میں کامیابی و کامرانی کا دارومدار حقیقت میں خلافت کی روحانی جہت پر عمل پیرا ہونے میں مضمر ہے۔

چھٹے باب میں بتایا گیا کہ خلافتِ علیٰ منہاج النبوۃ (جو روحانی و مادی' دونوں جہتوں پر عمل پیرا ہونے سے وجود میں آئی) کا دور ختم ہونے پر تصوّف کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ۔۔۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ صوفیہ عظام اور صلحائے اُمت نے کارِ نبوت (یعنی تلاوتِ آیات' تزکیۂ نفوس' تعلیم کتاب و حکمت)' جو دراصل کارِ نبوت یا امامتِ کبریٰ کے خصائص ہیں' نہایت درجہ اولی العزمی کے ساتھ پورا کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ خلفائے راشدین کی اقتداء میں بالکل اُسی عزم و عمل کے ساتھ صلحائے اُمت میدان میں اترے اور احادیثِ صادقہ کے مطابق خیر و فلاح کے ادوار (یعنی دورِ صحابہؓ ' دورِ تابعینؒ اور دورِ تبع تابعینؒ) سے شروع ہوکر آج تک وہ میدانِ عمل میں پوری دلجمعی اور تسلسل کے ساتھ ڈٹے ہوئے ہیں' اُن کے سیدھے ہاتھ میں اگر قرآن ہے تو بائیں ہاتھ میں سنتِ مصطفیٰؐ ہے۔ چنانچہ یہی وہ شان ہے جس کی بدولت انہیں حکومت نہ ہوتے ہوئے بھی اولی الامر کا درجہ حاصل ہے۔ قیام و انصرام (تسلسلِ) خلافت میں یہی معرکۂ حق و باطل ہے جو صوفیہ و صلحاء کے جہادِ زندگانی کا محور و مقصود ہے۔ جس کے لئے انہوں نے انسانوں کے مختلف مزاجوں کے مطابق اُن کی تعلیم و تربیت اور اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے سلاسلِ طریقت کو منظم کر رکھا ہے۔

ساتویں باب میں ہم نے اُمتِ مسلمہ کی اجتماعی تنظیم و تہذیب میں صلحائے اُمت یعنی صوفیہ کے کردار و عمل پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اُمت کی شیرازہ بندی' تجدید و احیائے دین میں اصحابِ دعوت و عزیمت نے گذشتہ چودہ صدیوں میں کس عظمتِ شان کے ساتھ خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی کو نبھایا ہے؟

اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور شیرازہ بندی میں ان صلحاء امت اور صوفیہ عظام کی خدمات اور کردار و عمل کو غیر مسلم مستشرقین نے بھی تسلیم کیا ہے

آٹھویں باب: میں اہل حق کی ولایت کے تسلسل کے قرآن حکیم سے ثبوت فراہم کئے گئے ہیں

حضرت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

زمن گو صوفیاں باصفارا خدا جویاں معنی آشنارا
غلام ہمت آں خود پرستم کہ بانورِ خودی بیند خدارا
(پیام مشرق)

ترجمہ: (1) میری طرف سے باصفا (صفائی دل والے) صوفیوں سے کہو + (اِن صوفیوں سے) جو معنی (حقیقت) آشنا ہیں اور خدا کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں (2) میں اُس خود پرست کی ہمت کا غلام ہوں + جو اپنی خودی کے نور سے خدا کو دیکھتا ہے۔ (مراد ہے خود بینی سے خدا بینی تک پہنچا' جیسا کہ فرمایا گیا جس نے خود کو پہچان لیا اُس نے خدا کو پالیا)۔

بخود نازم گدائے بے نیازم تپم' سوزم' گدازم' نے نوازم
ترا از نغمہ آتش نشاندم سکندر فطرم آئینہ سازم
(پیام مشرق)

ترجمانی: (1) میں اپنے آپ پر (اس اعتبار سے) ناز کر رہا ہوں کہ میں (اگر چہ) گدائے بے سروسامان ہوں' لیکن بے نیاز ہوں + (محبوب خالق نے میرے اندر جو عشق پیدا کیا ہے) میں تڑپ رہا ہوں' جل رہا ہوں' (اپنے کلام و بیان کے ذریعے) اپنی تب و تاب اور سوز و گداز کا اظہار کر رہا ہوں (ورنہ دنیا داری کی لذتیں سمیٹنے اور جاہ و مرتبہ پانے کی مادی و فانی کشمکش میں خود کو میں مبتلا کر سکتا تھا۔) (2) (میں اگر جاہ و حشمت اور مال و دولت کا پجاری بن جاتا تو دوسروں کی طرح میں بھی دنیا میں غرق ہو جاتا ایسی صورت میں اے میری قوم! تجھ کو روشنی و ہدایت کون دیتا؟ + (یہ میری فقیری ہی کی وجہ سے ہے کہ) میں نے اپنے نغمہ (اپنے فکر و عمل کی درویشانہ اساس کی بدولت) تجھے آتشِ عشق کا رمز آشنا کیا ہے۔ یا نمرودانِ وقت کے خلاف تجھے حضرت ابراہیمؑ کی طرح آگ کے امتحان سے گزرنے کا حوصلہ دے دیا ہے) میں چونکہ فطرت کے اعتبار سے سکندر بادشاہ کی طرح ہوں اور مٹی سے آئینہ بنانا جانتا ہوں (اس لئے میں نے تجھے بھی اے قوم! اپنے اس زندگی بخش پیغام کے ذریعے خود نما بننے کی دعوت دی ہے' تیرے دل کو منور و روشن کیا ہے۔ تجھ میں اپنی پہچان کا مادہ پیدا کیا ہے۔

حضرتِ علامہ اقبالؒ نے نیز فرمایا ہے:

بانشۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد ؟
گفتم کہ نمی سازد! گفتم کہ برہم زن !

درمیکدہ ہا دیدم شائستہ حریفے نیست
با رستم دستاں زن با مغبچہ ہا کم زن

اے لالۂ صحرائی تنہا نتوانی سوخت
ایں داغِ جگر تابے برسینہ آدم زن

عقل است چراغِ تو؟ در رہگذارے نہ
عشق است ایاغ تو؟ با بندۂ محرم زن

لختِ دل پُر خُو نے از دیدہ فروریزم
لعلے ز بدخشانم بردار و بجا تم زن!

ترجمانی: (1) درویشی کے نشہ سے موافقت کر اور اس نشۂ (معرفت) کو مسلسل پیتا رہ + جب یہ نشہ معرفت پی کر تو پختہ (مدہوش) ہو جائے تو پھر جمشید بادشاہ کی بادشاہت (دنیاداری کی سڑاند) سے خود کو ٹکرا دے (یعنی پہلے اپنے اندر فقر کی شان پیدا کر پھر خانقاہ سے نکل کر باطل قوتوں کے خلاف نبردآزما ہو جا۔ یہی اسلامی فقر کا شیوہ ہے) (2) قضا و قدر کے کارکنوں نے مجھ سے) کہا کیا ہمارا جہاں تمہاری مرضی کے موافق ہے؟ میں نے کہا مرضی کے موافق نہیں ۔ انہوں نے کہا (تو پھر) اس کو الٹ دے + (ظاہر ہے کہ دنیاوی روش کو اُلٹ دینے کا سلیقہ اور کرامت کسی درویش بے گلیم کے پاس ہی ہو سکتی ہے!) (3) میں نے شراب خانوں میں دیکھا کوئی شائستہ شراب نوش ساتھی موجود نہیں ہے +تو دستاں کے بیٹے رستم کی صحبت اختیار کر لی (اور اس کے ساتھ بیٹھ کر پی) مغ بچوں کی صحبت میں نہ پی (مطلب یہ کہ عالی ظرفوں کی صحبت اختیار کر رزیلوں سے پر ہیز کر۔ عالی ظرف درویشانِ خدامست کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟) (4) اے صحرا (کی تنہائی میں کھلے ہوئے) لالے کے پھول، اکیلے نہیں جلا کرتے +اس جگر کو حرات دینے والے داغ کو آدم کے سینے میں ودیعت کر (اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے عشق کا داغ اور اس کی بنا پر سوز وگداز عطا کیا ہے تو اُسے دوسروں تک بھی پہنچا) ۔ (5) کیا عقل تیرا چراغ ہے؟ (اگر ہے تو اسے) کسی راستے میں رکھ دے (تا کہ لوگ اس کی روشنی میں بخیریت راہِ زندگی پر سے گزر سکیں) + کیا عشق تیرا پیالہ ہے؟ (اگر ہے تو اُسے) محرم بندہ کے ساتھ مل کر پی (عقل عام ہے اور عوام کے لئے

ہے، عشق خاص اور اخص لوگوں کے لئے ہے، عقل کی بات جس سے چاہے کر لیکن عشق کی بات صرف عشق کے محرموں کو ہی سمجھ آسکتی ہے۔ لہٰذا عامیوں سے اپنا راز بیان نہ کر)۔
(6) میں خون سے بھرے دل کا ٹکڑا اپنی آنکھ کی راہ سے نیچے گرا رہا ہوں+ یہ میرے بدخشاں کا لعل ہے، اُسے اُٹھا لے اور انگوٹھی میں جڑ لے (بدخشاں کے لعل مشہور ہیں) حضرت علامہؒ کا پیغام ہے کہ جسطرح بدخشاں کے لعل قابل قدر اور قیمتی ہوتے ہیں اُسی طرح میرا یہ مشورہ ہے کہ اے مخاطب اس سے بے اعتنائی نہ برت، اس سے فائدہ اُٹھا اور اپنی شخصیت کی تعمیر کے لئے کسی اللہ والے سے منسلک ہو جا)

زہد الاتقیاء حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ جن کا سلسلہ سترہ واسطوں سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد فاتحِ سومنات سلطان محمود غزنویؒ کے حقیقی خواہرزادے تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ملتان میں بیعت ہوئے۔ عمر مبارک 93 سے 98 برس پائی۔ آپکی ایک زوجہ شہزادی ہزبرہ بانو شہنشاہِ ہند سلطان غیاث الدین بلبن (جو آپ کا مرید تھا) کی بیٹی تھیں۔ سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ کے ستر ہزار خلفاء تھے۔ البتہ مشہور ترین پانچ ہیں جن میں حضرت خواجہ جمال الدین ہانسویؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی، حضرت خواجہ مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیر شریف (موخر الذکر دونوں بڑے خلفاء سے چشتی نظامی اور چشتی صابری سلاسل کا اجراء ہوا)، خواجہ بدر الدین اسحاقؒ، خواجہ سید محمد کرمانیؒ۔

حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے منظوم افکار و نظریات کا تذکرہ اوپر کیا جاچکا ہے۔ اب ہم حضور بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے کلام بلاغت نظام سے پر از حکمت چند اشعار ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا:

جت دہاڑے دھن وری ساہے لئے لکھائے ۔۔۔ ملک جو کنیں سنی دا مونہہ دکھالے آئے
جند نمانی کوں کڈھے ہڈاں کوں کڑکائے ۔۔۔ ساہے لکھے نہ چلنی جندو کوں سمجھائے
والوں نکی پُل صراط کنی نہ سُنی آئے ۔۔۔ فریدا کڑی پوندی اے کھڑا نہ آپ مہائے

ترجمانی: جس دن زندگی کا آغاز ہوا۔ ملک الموت نے آنا شروع کردیا۔ وہ جسم کو جھنجھوڑ کر

روح قبض کر لیتا ہے۔ اور سمجھاتا ہے کہ سانس مقرر ہیں۔ موت ہر حالت میں آنی ہے اس کے سامنے کوئی پیش نہیں جاتی پھر بال سے باریک پل صراط پر سے گزرنا ہوگا۔ اے فرید! آسمانی پکار ہے۔ دنیا میں اُلجھ کر غفلت کا شکار نہ ہونا۔ (دم دم کے محاسبہ کے نئے اس عقیدے سے بڑی قوت اور کیا ہوسکتی ہے۔

؎ در درویشی گاکھڑی' چلاں دُنیا بھت · بنھ اُٹھائی پوٹلی کتھے ونجاں گھت

ترجمانی: اے فریدا! درویشی کی منزل پر پہنچنا بہت مشکل ہے کیوں نہ میں بھی دنیا والوں کے طریقے پر چلوں۔ لیکن یہ جو گٹھڑی میں نے باندھ کر اُٹھالی ہے اسے کہاں پھینکوں۔

کُجھ نہ بُجھے، کُجھ نہ سُجھے' دنیا گجھی بھاہ · سائیں میرے چنگا کیتا تاں نئیں ہنبھی وجھاں ہا

ترجمانی: دنیا ایک خفیہ آگ ہے جس میں کچھ نظر نہیں آتا' نہ کچھ سُجھائی دیتا ہے' اگر خدا میری بھلائی نہ کرتا تو میں اس میں جل کر راکھ ہو جاتا۔

بابا فریدؒ اور اُن کے پیروؤں نے انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسی عقیدے کی روشنی میں اپنی راہِ عمل متعین کی۔ ان صلحائے امت نے نام ونسب کی تمام نسبتیں اپنی نظروں سے اوجھل کر دیں اور پلٹ کر نہیں دیکھا۔ بابا صاحب کے ہی سلسلۂ تصوف میں اوپر حضرت ابراہیمؒ بن ادھمؒ جیسے بلخ کے بادشاہ بھی ہیں جو بادشاہت کو چھوڑ کر روحانی شہنشاہیت پر فائز ہوئے جن کے جدامجد بھی حضرتِ عمر بن خطابؓ خلیفۂ ثانی تھے۔

دنیا کی حقیقت اور سرّ الٰہی کے سوا کوئی چیز ان بزرگوں کے سامنے نہ تھی۔ چنانچہ مضبوط تعلق باللہ ان کا ہمیشہ مطمعٔ نگاہ رہا۔ لہٰذا توحید کا مقام سامنے آتا ہے تو یہ پکار اُٹھتے ہیں:

؎ جے جاناں لڑ چھجنا' پیہدی پائیں گنڈھ · تیں جے وڈنا ہیں کو میں سب جگ ڈھاہنڈھ

ترجمانی: اگر میں جانتا پلو گھسا ہوا اور پھٹا ہوا ہے یعنی عمر ناپائیدار ہے تو پکی گرہ لگاتا' یعنی تجھ سے گہرا تعلق پیدا کرتا ہے۔ ایک دم کے لئے بھی غافل نہ ہوتا۔ میں نے سب جگ چھان مارا تجھ سا بڑا کسی کو نہ پایا۔

خواہشوں اور آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے انسان جب آخرت سے بے نیاز ہوکر اعمال کا

ارتکاب کرتا ہے اور توقع یہ رکھتا ہے کہ اس کی نادانیوں کا انجام بخیر ہوگا یہ کیونکر ممکن ہے؟ چنانچہ بابا صاحب اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

؎ فریدا! بوڑے دا کھ بجوڑیاں کِکر بیجے جٹ   ہنڈیے اُن کتائیندا پیہدا لوڑے پٹ

ترجمانی: اے فرید! کسان کیکر بوتا ہے' اس سے انگور توڑ کر کھانا چاہتا ہے۔ عمر تو اُون تو منے کاتنے میں بیت جاتی ہے ریشم پہننے کے ارمان ہوتے ہیں۔ کرنی بھرنی کی اس دنیا میں یہ بھلا کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ نیکی کرنے سے ہی نیک اجر ملے گا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے بھی اسی مضمون کا شیخ سعدی شیرازیؒ کا ایک شعر بانگِ درا میں شامل ایک نظم بعنوان ''فردوس میں ایک مکالمہ'' کے آخر میں استعمال کیا ہے (بقول اقبال: ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز ۔۔۔ حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدیؒ شیراز):

؎ خُرمانتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم   دیبانتواں یافت ازاں پشم کہ رشتیم

حضور بابا صاحبؒ رجوع الی اللہ کے راستے کی دشواریوں اور مشکلات اور اس کے دشوار گزار راستے سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فریدا گلیں چکڑ دور گھر نال پیارے نیہنہ   چلاں تاں بھجے کمبلی 'رہاں تاں ٹُٹے نیہہ

بھجو سجو کمبلی اللہ ورسو میہنہ   جائے ہلاں تہاں سجناں ٹوٹا ہیں ہیں نیہہ

ترجمانی: بارش ہو رہی ہے گلیوں میں کیچڑ ہے۔ پیارے اور محبوب (باری تعالیٰ) کا گھر دور ہے۔ جاتا ہوں تو کمبلی بھیگ جاتی ہے۔ نہیں جاتا تو الفت پر حرف آتا ہے + (پھر سوالات اور اُلجھنوں کا خود ہی یہ حل پیش فرماتے ہیں) ''اللہ مینہ برسائے'' میری کمبلی بھیگتی ہے تو بھیگ جائے۔ میری اُلفت میں فرق نہ آئے۔ تعلق باللہ بمقابلہ دنیاوی آلائشوں اور بکھیڑوں کے نتیجے میں مقصدِ حیات کی سچی لگن کو کس خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ نیز فرمایا:

؎ جے توں عقل لطیف ہیں کالے لکھ نہ لیکھ   آن پڑیں گریباں میں سرنیواں کر کے دیکھ

ترجمانی: اگر تو عقل لطیف رکھتا ہے تو اعمال بد سے باز رہ۔ تو خود اگر اپنے گریباں میں منہ ڈالے گا تو سر ندامت سے جھک جائے گا۔

؎ اُٹھ فریدا سُتیا وضو ساز نماز گزار   جو سر سائیں نہ نویں سو سر کپ اُتار

ترجمانی: اے فریدؒ! غفلت کی نیند سے بیدار ہو' جاگ' اُٹھ اور وضو کر کے اللہ رب سچے کے حضور نماز ادا کر۔ جو سر اللہ سائیں کے حضور جھکنے کی توفیق نہیں رکھتا' وہ اللہ والوں کے سر ہونے کا شرف رکھنے کا حقدار نہیں' ایسے سر کو کاٹ کر پھینک دے' اپنے تن سے جُدا کر دے۔ یعنی ''میں'' کو مار کر رب سچے کے حضور ایسے سر کو جھکنے پر مجبور کر دے۔

جو شیطان ونجایا سے کِت پھیرے چت   کو کیندیاں' چا کیندیاں' متیں دیندیاں نِت

ترجمانی: اے فریدؒ! ہم چیخ چیخ کر اور پکار پکار کر گمراہوں کو نصیحت دیتے رہے لیکن جس کو شیطان نے (اور اُس کے نفس نے) گمراہ کر دیا' اُسے نفسانی خواہشات کے چنگل سے چھڑا کر کیسے سیدھے راستے پر لایا جائے۔

گیہلا روح نہ جان اے' سر بھی مٹی کھائے   میں بھلاوا پگ دا مت میلی ہو جائے

ترجمانی: میں اسی پر بھولا ہوا ہوں کہ میری پگڑی میلی نہ ہو جائے (یعنی غلط فہمی کا شکار ہوں کہ دنیا کی ٹھاٹھ باٹھ سدا رہنے والی شے ہے) میری روح نہیں جانتی تھی کہ پگڑی تو کیا مٹی تیرے سر کو بھی کھا جائے گی جس پر تیری عارضی عزت دھری ہوئی ہے۔

لیکھا رب منگیسیا: تو آیوں کیہڑے کم؟   چار گوائیاں ہنڈھ کے' چار گوائیاں سم

ترجمانی: (دن رات کے آٹھ پہر ہوتے ہیں' بابا صاحب فرماتے ہیں) چار پہر تو تو نے چل پھر کر (بیکار اشغال میں خود کو مبتلا رکھتے ہوئے) گنواء دیئے اور چار پہر سو کر گزار دیئے۔ اللہ تعالیٰ حساب لے گا کہ تو کس کام کے لئے دنیا میں بھیجا گیا تھا اور کیا کرتا رہا؟

جتھاں ناؤں سہاگنی تتھاں جھاک نہ ہور   ڈھونڈیندیئے سہاگ نُوں تو تن کائی کور

ترجمانی: (جو عقل کے اندھے اور عملوں کے چور یعنی فقیری کے دشوار گزار راستوں سے گریزاں یہ کہتے ہوئے سُنے جاتے ہیں کہ ماضی میں تو اللہ والے تھے' آج دنیا اللہ والوں سے خالی ہو چکی ہے' لہٰذا کس سے رہنمائی حاصل کریں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سُنت ہے کہ وہ ہر دور کے لئے ہادی و رہنما اور اپنے چنیدہ بندوں کو اپنے اولیاء ہونے کا منصب عطاء فرماتا ہے' اُن کے غور و فکر کے لئے بابا صاحبؒ فرماتے ہیں) اے سہاگ ڈھونڈے والی! تو اگر اپنی تلاش میں کامیاب نہیں ہوئی تو جان لے کر تیری ذات میں ہی کوئی کمی یا عیب ہے'

یعنی تیری اپنی نیّت میں کھوٹ ہے۔ جن کا نام سہاگن ہے' وہ تو اپنی تلاش میں کبھی ناکام نہیں ہوتے) مطلب یہ کہ "خضر کیونکر بتائے کیا بتائے ۔۔۔۔ اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے ؟ ۔۔۔ حضرت سلطان باہوؒ فنافی الہُو کیا خوب فرما گئے :

خ خام کی جانن سار فقر دی جیہڑے محرم ناہیں دِل دے ہُو
آب مٹی تھیں پیدا ہوئے خامی بھانڈے گل دے ہو
لعل جواہراں دی قدر جانن جو سوداگر دل دے ہو
ایمان سلامت سوئی ویسن باہُو جیہڑے بھج فقیراں ملدے ہو

ترجمانی: خام (دنیا دار بظاہر پڑھے لکھے عقلمند لیکن درحقیقت نادان) جنہوں نے دلوں کے راز جاننے کی کوشش نہیں کی یعنی دل والوں (اللہ والوں) کی معیت اختیار کرنے سے گریز کیا) انہیں کیا خبر کہ فقر کسے کہتے ہیں؟ ان کی مثال ایسی ہے جیسے گُندھی ہوئی مٹی سے بنا ہوا کچا برتن۔

جو لوگ دل کے سوداگر ہیں (یعنی اللہ والوں کی قدر قیمت کو جانتے ہیں) وہ دنیاوی شان و شوکت اور ہیرے جواہرات کی دولت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ اے باہو! دنیا سے سلامت ایمان وہی لے جائے گا جو کوشش کر کے مجاہدے کر کے فقیروں میں شامل ہو جائے گا۔ نیز فرمایا:

ج جد دا مرشد کاسہ دِتا تد دی بے پروائی
کی ہویا جے راتیں جاگیوں' جے مرشد جاگ نہ لائی ہو
راتیں جاگیں تے کریں عبادت دینہہ نندیا کریں پرائی ہو
کوڑا تخت دنیا دا باہُو' فقر سچی بادشاہی ہُو

ترجمانی: جب سے ہمیں مرشد پاک نے فقر کا راستہ دکھایا یعنی دربارِ الٰہی کی گدائی کا سبق (کاسہ دِتا) پڑھایا تب سے ہمیں غیر اللہ سے بے پروائی حاصل ہوگئی (اور اللہ تعالیٰ اپنے غیب کے خزانوں سے ہماری ہر کوشش اور ضرورت کو پذیرائی عطا فرما رہا ہے) ساری ساری

رات تعلیم و تعلم کی کاوشوں میں مصروف رہنے کا نتیجہ کچھ نہیں نکل سکتا (راہِ راست حاصل ہونا محال ہوگا) جب تک کسی مرشدِ کامل کی رہنمائی حاصل نہ ہوگی۔ (کیونکہ دودھ کو جب تک جاگ نہ لگایا جائے' نہ تو دہی جمتا ہے اور نہ ہی بلونے سے مکھن نکل سکتا ہے' اسی طرح اگر انسان صرف اپنی کوششوں سے سیدھا راستہ تلاش کرسکتا تو اللہ تعالیٰ اُس کی رہنمائی اور تعلیم و تربیت کے لئے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر نہ بھیجتا۔ اے بزعمِ خود زاہدوں کی طرح رات کو عبادت کرنے والے اور پھر دن بھر لوگوں کی غیبت اور برائیاں کرنے والے بندے! (یہ سب کچھ بے فائدہ ہے اور کچھ حاصل وصول نہ ہوگا) دنیا کی شان و شوکت (بادشاہیاں اور حکمرانیاں) سب عارضی' فانی' بے نتیجہ سعی لاحاصل ثابت ہوں گی۔ سچی بادشاہی تو فقر ہے جسے دنیا اور عقبیٰ میں زوال نہیں اور اسی سے دونوں جہان کی عزت اور نعمتیں ہیں۔

حضرت علامہ اقبال نے کیا خوب کہا:

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل   دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

نیز فرمایا:

علم فقیہہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم   علم ہے جویائے راہ' فقر ہے دانائے راہ
چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی   ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ

حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ کے خطبات بعنوان ''تشکیلِ جدید الہیاتِ اسلامیہ'' کے پانچویں خطبہ کا عنوان ہے ''اسلامی ثقافت کی روح'' اس خطبہ کے ابتدائی پیراگراف میں آپ انبیاءؑ و اولیا کے ''شعورِ نبوت'' اور ''شعورِ ولایت'' کا نہایت دلآویز انداز میں موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بر فلک الافلاک رفت و باز آمد ــــــ واللہ! اگر من رفتمے ہرگز باز نیامدمے'' ــــــ یہ مشہور صوفی بزرگ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے الفاظ ہیں جن کی نظیر تصوف کے سارے ذخیرۂ ادب میں مشکل ہی سے ملے گی۔ شیخ موصوف کے اس ایک جملے سے ہم اس فرق کا ادراک نہایت خوبی سے کرسکتے ہیں جو ''شعورِ ولایت'' اور ''شعورِ نبوت'' میں پایا جاتا ہے۔ صوفی نہیں چاہتا وارداتِ اتحاد میں اسے جو لذت اور سکون حاصل ہوتا ہے اسے چھوڑ کر واپس آئے۔ لیکن اگر آئے بھی' جیسا کہ اس کا آنا ضروری ہے' تو اس سے نوعِ انسانی کے لئے کوئی خاص

نتیجہ مترتب نہیں ہوتا (اگر آنا ضروری ہے جیسا کہ حضرتِ علامہؒ نے فرمایا تو نتیجہ مرتب ہونا لازمی ہے: ناچیز مؤلف کتاب ہٰذا) برعکس اس کے، نبی کی باز آمد تخلیقی ہوتی ہے۔ وہ اس واردات سے واپس آتا ہے تو اس لئے کہ زمانے کی رو میں داخل ہو جائے اور پھر ان قوتوں کے غلبہ وتصرف سے عالمِ تاریخ کی صورت گری کرے اور مقاصد کی ایک نئی دنیا پیدا کرے۔ صوفی کے لئے تو لذتِ اتحاد ہی آخری چیز ہے لیکن انبیاء کے لئے اس کا مطلب ہے ان کی اپنی ذات کے اندر کچھ اس قسم کی نفسیاتی قوتوں کی بیداری جو دنیا کو زیروزبر کرسکتی ہیں۔"

(ناچیز مؤلف عرض گزار ہے کہ اولیا و اصفیاء، چونکہ پیغمبر ہی کے روحانی وارث ہوتے ہیں اس لئے یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش نہ کریں گے؟)

۔ تاہم حضرتِ علامہؒ کے ساتویں خطبہ کا عنوان: "کیا مذہب کا امکان ہے"۔ اس خطبہ میں حضرت علامہؒ صوفیہ و اولیاء اللہ کے مقاصدِ زیست پر روشنی ڈالتے ہوئے اس امر کا انکشاف فرماتے ہیں کہ کارِ نبوت کی انجام دہی میں کس طرح سے اپنی روحانی قوت کے ساتھ ساتھ دلائل و براھین سے بھی کام لیکر بے دینوں کو دین کی طرف راغب کرنے کا فریضہ نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ چنانچہ زیرِ نظر موضوع پر ایک لمبی بحث و تمحیص کے بعد آپ فرماتے ہیں:

"نفسیاتِ حاضرہ نے مذہبی زندگی کا گویا قشر تک بھی نہیں چھوا۔ وہ اس تنوع اور گونا گونی سے بالکل بے خبر ہے جو مذہبی واردات اور مشاہدات میں پائی جاتی ہے، لیکن جس کا تھوڑا بہت اندازہ شاید آپ سترھویں صدی (عیسوی) کے ایک بہت بڑے مرشدِ کامل، حضرت شیخ احمد سر ہندیؒ (مجدد الف ثانیؒ) کی ایک عبارت سے کر سکیں گے ـــــــ مجھے ڈر ہے، میں نفسیاتِ حاضرہ کی زبان میں اس کے حقیقی معنی شاید ہی بیان کرسکوں، کیونکہ اس قسم کی زبان موجود ہی نہیں ـــــــ لہٰذا آپ مجھے ان غیر مانوس مصطلحات کے لئے معذور سمجھیں جن کا تعلق ایک دوسری سرزمین اور ایسی نفسیات مذہب سے ہے جس نے تہذیب وتمدن کی ایک سرتا سر مختلف فضا میں پرورش پائی تھی تو اس کے زیرِ اثر، لیکن جس میں پیچ پیچ معنی کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔"

حضرت علامہؒ نے اس تمہید کے بعد ایک شخص عبد المومن اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مابین ایک مکالمہ کی تفصیل قلمبند فرمائی: "عبد المومن نے اپنے مشاہدے اور تجربے کا حال حضرتِ مجددؒ سے اسطرح بیان کیا:

"میرے لئے نہ تو ارض و سمٰوات کا وجود ہے نہ عرش الٰہی کا' نہ جنت اور دوزخ کا'۔ میں اپنے ارد گرد نظر ڈالتا ہوں تو ان کو کہیں نہیں دیکھتا ________ ذاتِ الٰہیہ لامتناہی ہے۔ کوئی اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہی منتہا ہے روحانی مشاہدات کا۔ کسی ولی کا گزر اس سے آگے نہیں ہوا"۔

اس پر حضرتِ مجددؒ نے فرمایا:

"میرے سامنے جو مشاہدات بیان کئے گئے ہیں ان کا تعلق قلب کی ہر لحظہ بدلتی ہوئی زندگی سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے صاحبِ مشاہدات نے قلب کے لاتعداد مقامات میں سے ابھی ایک چوتھائی بھی طے نہیں کئے۔ ان مقامات کا طے کرنا ضروری ہے۔ تاکہ عالمِ روحانیت کے مقامِ اول کے مشاہدات کی تکمیل ہو جائے۔ اس مقام کے بعد اور بھی کئی مقامات ہیں' مثلاً روح کا مقام' سِرّ خفی' اور سِرّ اخفی کے مقامات۔ ان سب مقامات کے جن کو مجموعاً ہم اپنی اصطلاح میں عالمِ امر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اپنے اپنے احوال و واردات ہیں۔ جب سالک کا گزران مقامات سے ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ اس پر اسمائے الٰہیہ اور پھر صفاتِ الٰہیہ کی تجلی ہوتی ہے بالآخر ذاتِ الٰہیہ کی"۔ (ناچیز مؤلف کی کتاب ھٰذا کا اٹھارواں باب اسمائے الٰہیہ اور صفاتِ الٰہیہ سے ہی متعلق ہے الحمدُللہ۔)

"شیخ موصوف نے ان اشارات میں جو امتیازات قائم کئے ہیں ان کی نفسیاتی اساس کچھ بھی ہو اس سے اتنا تو ضرور پتہ چلتا ہے کہ اسلامی تصوف کے اس مصلح عظیم کی نگاہوں میں ہماری اندرونی واردات اور مشاہدات کی دنیا کس قدر وسیع ہے" آگے چل کر حضرتِ علامہؒ کہتے ہیں: جدید یورپ میں نٹشے ______ کے دل و دماغ کی سرگذشت پر نظر ڈالیئے تو (مشرقی تصوف کی تاریخ میں اسکی اور بھی مثالیں مل جائیں گی) بے شک نٹشے نے اپنے اندر عالم لاہوت کی ایک جھلک دیکھی تھی جس کی بدولت اس میں پیغمبرانہ سی ذہنیت پیدا ہو گئی۔ وہ ذہنیت جو اس قسم کی تجلیات کو کسی نہ کسی طرح زندگی کی مستقل قوتوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ لیکن نٹشے کو اس میں بجز ناکامی اور کچھ حاصل نہ ہوا ______

نٹشے یہ سمجھا کہ اس نے جس عالم کی جھلک دیکھی ہے اس کا اظہار ہوگا تو انتہائی امارت پسندی کے کسی نظام کی شکل میں جب ہی تو میں نے کہا ہے (ناچیز مؤلف عرض پرداز ہے کہ حضرت علامہ" نے "جاوید نامہ" میں اپنی فارسی نظم بعنوان "مقامِ حکیم البانوی نطشہ" کے صرف دو شعر اپنے خطبہ میں درج کئے ہیں' جب کہ چند ایک دوسرے اشعار بھی مطلب کو مزید کھول کر بیان کرنے کے لئے راقم الحروف درج کر رہا ہے):

مردِ رہ دانے نبود اندر فرنگ — پس فزوں شد نغمہ اش از تارِ چنگ !

راہرو راکس نشاں از رہ نداد — صد خلل در واردات او افتاد !

نقد بود و کس عیار او را نکرد — کار دانے مردِ کار را نکرد !

خواست تابیند بچشم ظاہری — اختلاط قاہری با دلبری !

خواست تا از آب و گِل آید بروں — خوشۂ کز کِشتِ دِل آید بروں

آنچہ او جوید مقام کبریاست — ایں مقام از عقل و حکمت ماوراست

کاش بودے در زماں احمدے — تارسیدے بر سرورے سرمدے !

(ترجمانی: (1) فرنگ (یورپ) میں کوئی راہ داں آدمی نہ تھا + (جس کی وجہ سے) اس کا (یعنی نطشے کا) نغمہ (فلسفۂ زندگی) اس کے ساز کے تاروں سے آگے نکل گیا۔ (مراد یہ کہ اس کے فکر و فلسفہ کو حدود میں رکھنے کے لئے اگر کوئی راہ دان مرشدِ کامل ہوتا تو ضرور وہ دیوانگی کے الزام سے بچ جاتا۔ حضرتِ علامہ" ضربِ کلیم میں اپنی نظم بعنوان "حکیم نطشہ" میں فرماتے ہیں):

حریفِ نکتۂ توحید ہو سکا نہ حکیم — نگاہ چاہیے اسرارِ لا الٰہ کے لئے

اگرچہ پاک ہے طینت میں راہبی اس کی — ترس رہی ہے مگر لذتِ گنہ کے لئے

(2) راہروں کو کسی نے (منزل کے صحیح) راستے کا پتہ نہ دیا + اس لئے اس کی واردات میں سینکڑوں خلل پیدا ہو گئے۔ (اسے کوئی اقبال" یا رومی" کی طرح کا مرد راہ دان مل جاتا تو دیوانگی کے الزام سے بچ جاتا اور مومن بھی بن جاتا۔ (3) وہ نقدی تھا (سونا تھا) کسی نے

اُسے کسوٹی پر نہ لگایا (اُس کو پرکھ کر اس کی قدر و قیمت کو آشکار نہ کیا) + کسی مردِ کار یعنی مرشدِ کامل نے اسے کاردان (بات کو سمجھنے والا) نہ بنایا۔ یعنی نٹشے خدا رسیدگی کیصلاحیت تو رکھتا تھا لیکن کسی رہنما کے بغیر وہ ایسے ''فوق البشر'' کا قائل ہو گیا جو اقبال کے مردِ مومن کی ضِد ہے۔ (4) اُس نے چاہا کہ وہ ظاہری آنکھوں سے دیکھ لے + (دلبری اور قاہری کے اختلاط کو یعنی وہ جلال و جمال کی صفاتِ خداوندی کو دیکھنا چاہتا تھا ظاہری آنکھوں سے۔ یہ اُسی وقت ممکن تھا کہ وہ پہلے ایسا آدمی تلاش کرتا جو ان دو صفاتِ خداوندی کا مظہر ہوتا لیکن وہ اس طور طریق (طریقت) سے گزرے بغیر جرمن قوم کو کہتا رہا کہ قاہری اور دلبری' دو صفات' اپنے اندر پیدا کر لو تو تم فوق البشر بن جاؤ گے۔ (5) نطشے نے چاہا کہ یہ فوق البشر مٹی اور پانی سے باہر آئے یعنی عقل و ذہن کے اعتبار سے اُن صفات کا حامل ہو۔ وہ خوشہ جو دِل کی کھیتی سے باہر آ سکتا تھا' نطشے اسے جسم کی کھیتی سے اُگانا چاہتا تھا۔ (6) جس چیز کو وہ (نطشے) تلاش کر رہا تھا وہ تو کبریا کا مقام ہے + یہ مقام عقل اور حکمت سے ماورا ہے۔ (7) اے کاش! وہ امام ربانی شیخ احمد سرہندی حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے وقت میں ہوتا + تاکہ وہ سرمدی سِرّ و سرور تک پہنچ جاتا (وہ اسے فوق البشر کی منزل دکھا دیتے اور اس تک پہنچا دیتے۔ بالِ جبریل میں حضرتِ علامہؒ نے کہا ہے کہ اگر نطشے میرے عہد میں ہوتا تو اسے سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے۔ نطشے (1844ء۔ تا۔ 1900ء) زندگی کی نفی کی بجائے اس کے اثبات پر یقین رکھتا تھا۔ وہ کمزوری کو گناہ سمجھتا تھا اور کہتا تھا انسان کو طاقت پیدا کرنی چاہئے تا کہ غلبہ حاصل کرے (وہ آرزو جو ہمارے آج کے ظواہر بین علماء کا دستور العمل ہے) نطشے نے جرمن قوم سے کہا کہ طاقتور بشر پیدا کرے تا کہ مستقبل کا ہر بچہ فوق البشر ہو۔ اُس نے اپنے اس نظریہ کو اپنی کتاب ''بقول زرتشت'' میں بیان کیا ہے اور مسیحیت کے بزدلانہ مسلک اور شوپنہار فلسفی کے فنا کے فلسفے سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔ جبکہ اسلام انسان میں صفاتِ الٰہیہ پیدا کر کے اُسے اس مقام پر فائز کرتا ہے۔ اقبال کا مردِ کامل' مردِ فقیر' مردِ مومن اور مردِ درویش اسی فوق البشر کی صورت کے نام ہیں۔ اس قسم کے انسان یعنی مردِ مومن کے بارے میں قرآن کہتا ہے ''انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین''

____ اگر تم مومن ہو تو تم ہی ہر ایک سے فوق و اعلیٰ اور ارفع ہو۔ تم ہی سپر ہو۔)

حضرت علامہؒ اپنے مذکورہ خطبے میں اپنے درج بالا کلام کے حوالے سے آگے چل

کر لکھتے ہیں: یوں ایک بڑا ذہین وفطین انسان (نطشے) ضائع ہو گیا اور زندگی کی وہ جھلک بھی لا حاصل ثابت ہوئی جس کے لئے وہ صرف اپنی اندرونی قوتوں کا مرہونِ منت تھا محض اس لئے کہ اسے کوئی مرشد کامل نہ ملا جو اُس کی رہنمائی کرتا نطشے خود کہتا تھا کہ "یہ صرف میں ہوں جسے ایک زبردست مسئلہ درپیش ہے۔ معلوم ہوتا ہے میں کسی جنگل میں کھویا گیا ہوں کسی ازلی جنگل میں۔ کاش میری کوئی دستگیری کرتا! میرے کچھ مرید ہوتے' میرا کوئی آقا ہوتا' اس کی اطاعت میں کیسا لطف ملتا"۔

حضرت علامہؒ بالِ جبریل میں' جیسا کہ اوپر بیان ہوا' جرمنی کے مشہور فلسفی نطشے کو مجذوب قرار دیتے ہوئے مذکورہ شعر پر "فٹ نوٹ" میں لکھتے ہیں کہ وہ اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا اس لئے کہ فلسفیانہ افکار نے اُسے غلط راستہ پر ڈال دیا۔ اس سلسلے میں حضرت علامہؒ کی پوری نظم میں کچھ دیگر روحانی واردات و نکات غور طلب مثلاً فکرِ آخرت' خودی' سوزِ نفس' تقدیر' نوائے صبحگاہی کی نشاندہی کی گئی ہے اس لئے قارئین کرام کے لئے اس کا لطف لیکر مطالعہ کرنا ہی اُن کے لئے سعیٔ حاصل ہوگا' لہٰذا ذیل میں اسے ہم درج کرتے ہیں:

خردمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتداء کیا ہے ۔ کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں' میری انتہا کیا ہے!
خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے ۔ خدا بندے سے خود پوچھے' بتا تیری رضا کیا ہے!
مقامِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں ۔ یہی سوزِ نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے!
نظر آئیں مجھے تقدیر کی گہرائیاں اس میں ۔ نہ پوچھ اے ہمنشیں مجھ سے وہ چشم سرمہ سا کیا ہے!
اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں ۔ تو اقبال اس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے!
نوائے صبحگاہی نے جگر خوں کر دیا میرا ۔ خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے؟

حضرت علامہؒ اپنے ساتویں خطبہ میں فرماتے ہیں "خودی کا منتہائے جستجو یہ نہیں کہ اپنی انفرادیت کے حدود توڑ ڈالے۔ اس کا منتہا ہے اس کی انفرادیت کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھ لینا۔ لہٰذا اس کا آخری عمل فکر کا عمل نہیں۔ وہ ایک حیاتی عمل ہے جو اس میں گہرائی اور پختگی پیدا کرتا اور اُس کے ارادوں کو تقویت دیتے ہوئے ایک شانِ خلاقی کے ساتھ اس تیقن کا

باعث ہوتا ہے کہ دنیا محض دیکھنے یا افکار و تصورات کی شکل میں سمجھنے کی چیز نہیں بلکہ ایک ایسی چیز جس کو ہم اپنے مسلسل عمل سے بار بار بناتے اور بنا کر پھر بناتے رہتے ہیں۔ یہ خودی کے لئے سرور و ابتہاج کا انتہائی لمحہ ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ انتہائی آزمائش کا بھی: (حضرت علامہؒ نے اس سے آگے ''جاوید نامہ'' میں اپنے فارسی کلام بعنوان ''تمہیدِ زمینی'' جس کی ضمنی سرخی ہے ''آشکارمی شود روح حضرتِ رومیؒ و شرح می دہد اسرار معراج را'' (یعنی حضرت مرشد رومیؒ کی روح ظاہر ہوتی ہے اور معراج کے بھیدوں کو ظاہر کرتی ہے اس نظم کے دوسرے بند میں 25 اشعار موجود ہیں' ان میں سے آخری چودہ (14) اشعار ساتویں خطبہ میں دیئے گئے ہیں جو یہ ہیں:

(12) زندۂ یا مردۂ یا جاں بلب	از سہ شاہد کن شہادت را طلب
(13) شاہدِ اول شعورِ خویشتن	خویش را دیدن بنورِ خویشتن
(14) شاہد ثانی شعورِ دیگرے	خویش را دیدن بنورِ دیگرے
(15) شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق	خویش را دیدن ذاتِ حق
(16) پیش ایں نورار بمانی استوار	حیؑ و قائم چوں خدا خود راشما
(17) برمقامِ خود رسیدن زندگی است	ذات را بے پردہ دیدن زندگی است
(18) مردِ مومن درنسازد باصفات	مصطفیؐ راضی نشد اِلا بذات
(19) چیست معراج آرزوئے شاہدے	امتحانے روبروے شاہدے
(20) شاہدِ عادل کہ بے تصدیق او	زندگی مارا چو گل را رنگ و بو
(21) در حضورش کس نماند استوار	در بماند ہست او کامل عیار
(22) ذرۂ ازکف مدہ تابے کہ ہست	پختہ گیر اندر گرہ تابے کہ ہست
(23) تاب خود را برفزودن خوشتراست	پیشِ خورشید آزمودن خو شتراست
(24) پیکرِ فرسودہ را دیگر تراش	امتحانِ خویش کن موجود باش
(25) ایں چنیں موجود' محمود است و بس	ورنہ نارِ زندگی دوداست و بس

ترجمانی: ماحول کی منظرکشی کے بعد تیسرے شعر میں (حضرت علامہؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ) مولانا جلال الدین رومیؒ کی روح نے (آنسوئے افلاک سے آکر آسمانِ دنیا کے) پردے چاک کئے اور وہ ایک پہاڑی کے پیچھے سے ظاہر ہوئی مولانا رومؒ کی روح نے عناصر میں تصرف کر کے انسانی شکل اختیار کی۔ (اور ساتویں شعر میں بتایا گیا کہ) مولانا روم نے وجود کے اسرار بیان کرنے شروع کئے (اور بارھویں شعر زیر نظر میں فرمایا:) تو زندہ ہے یا مردہ ہے یا جاں بلب (یعنی مرنے کے قریب)+اس کے لئے تین گواہوں سے گواہی طلب کر۔ (13) پہلا گواہ اپنا شعور ہے+یعنی اپنے آپ کو اپنے ہی نور سے دیکھنا ہے۔ (14) دوسرا گواہ دوسروں کا شعور +یعنی خود کو دوسروں کے شعور سے دیکھنا ہے۔(15) تیسرا گواہ ذاتِ حق کا شعور +یعنی خود کو نورِ حق سے دیکھنا ہے (16) اس نور کے سامنے یعنی نورِ حق کے سامنے اگر تو استوار اور قائم رہے+تو خود کو خدا کی طرح حیّ و قیوم یعنی ہمیشہ زندہ قائم رہنے والا تصور کر (اسی کو تصوف کی زبان میں ''بقا باللہ'' کہتے ہیں) (17) اپنے مقام پر پہنچ جانا زندگی ہے +اور ذات کو یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنا زندگی ہے۔ یعنی تمہاری زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ تم اپنے مقام کو پالو جو خالق نے تمہارے لئے مقرر فرما رکھا ہے۔ (18) مردِ مومن' صفات کے ساتھ موافقت نہیں کرتا یعنی صفات پر قناعت نہیں کرتا (بلکہ صفات کے ذریعے ذات تک پہنچتا ہے۔ (کیا تجھے خبر نہیں ہے کہ) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ذات (تک پہنچے یا ذات کا دیدار) کئے بغیر راضی نہ ہوئے۔ (واقعہ معراج کی طرف اشارہ) جس کے مطابق آپؐ نے سدرۃ المنتہیٰ سے آگے قاب قوسین کے انداز میں ذاتِ باری کی رویت سے مشرف ہوئے اور کلام بھی فرمایا۔ (19) معراج کیا ہے' معراج کسی شاہد کی آرزو ہے۔ (معراج کیا ہے) کسی شاہد کے سامنے اپنا امتحان کرنا ہے (یعنی معراج' اس گواہ سے اپنے پختہ ہونے پر شہادت طلب کرنے کا نام ہے) (20) ایسا انصاف کرنے والا شاہد کہ جس کی تصدیق کے بغیر +زندگی ہمارے لئے ایسے ہی ہے جیسے کہ گلاب کے پھول کے لئے اس کا رنگ اور اُس کی خوشبو (یہ دونوں یعنی رنگ اور خوشبو عارضی اور پریدنی ہیں۔ جب تک کہ پختگی اور استواری پیدا نہیں ہوگی اور اس پختگی اور استواری پر کوئی شاہد عادل گواہی نہیں دیگا۔ زندگی اس طرح بیکار اور بے قیمت رہے گی جس طرح پھول کے لئے اُس کی بیوفا خوشبو اور رنگ (جب کہ قرآن حکیم کے مطابق اللہ کا رنگ ہی پکا ہے' یہ ہے وہ گواہی جس کی طرف مرشد رومیؒ کا اشارہ ہے)۔ (22) اگر تو ذرہ

ہے تو اس چمک کو جو تجھ میں ہے ہاتھ سے نہ دے + بلکہ اسے اپنی گرہ میں مضبوطی سے باندھ لے۔ (یہ چمک عشق کی ہے اگر تم اسے بروئے کار لاؤ گے تو ایک روز سورج کے سامنے خود کو استوار اور پختہ پاؤ گے)۔ (23) اے ذرّے! اپنی چمک کو بڑھاتے رہنا بہتر ہے + اور اسے سورج کے سامنے آزمانا زیادہ اچھا ہے یعنی اگر تم (ذکر اللہ کے ذریعے) اپنی چمک کو اتنا بڑھا لو گے کہ تم سورج کے سامنے ٹھہرنے کے قابل ہو جاؤ گے تو سمجھنا کہ تم مکمل ہو گئے اور امتحانِ استواری میں کامیاب ہو گئے۔ (24) اپنے فرسودہ پیکر کو پھر سے تراش + (اس طرح سے خود کو نئے سرے سے تراش اور یہ آزما کہ تیرا پیکر فرسودہ' تراش کے بعد مکمل و اکمل ہو گیا ہے یا نہیں + اپنا امتحان کر اور موجود ہو جا۔ مراد ہے کہ تو اپنی خودی کو مستحکم کر کے اپنے پیکر کو اس قابل بنا لے کہ خدا کے حضور استوار رہ سکے۔ جو شاہد عادل کے حضور قائم نہیں رہ سکتا وہ ناموجود ہے۔ (25) ایسا موجود ہی محمود ہے اور بس + ورنہ زندگی کی آگ دھواں ہے اور بس۔ صوفیہ نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ وجود ہر خیر و کمال کا منبع ہے اور عدم ہر شر اور نقص کا سر چشمہ ہے) اگر چہ اس وجود کا راز بھی نیستی ہے' چنانچہ صوفیہ کا قول ہے جیسا کہ ناچیز مؤلف کے مرشدِ گرامیؒ فرمایا کرتے تھے:

"نیستی ہے ہستی یارو اور ہستی کچھ نہیں"

یہ ہے وہ تصوف یعنی

خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد و اہداف

جن کی تفصیلات اگلے ابواب میں ملاحظہ کیجئے!

باب 9: صوفی اور تصوف کی ابتداء کب اور کیونکر ہوئی؟

علامہ جمال الدین ابوالفرجؒ' عبد الرحمٰن ابن الجوزی (م۔ 597ھ)' جو تصوف کے شدید ناقدین میں شمار ہوتے ہیں' اپنی تصنیف نقد العلم و العلماء یا تلبیس ابلیس میں اپنی غیر جانبدارانہ تحقیق کے مطابق لکھتے ہیں کہ قبل از اسلام' اللہ تعالیٰ کے لئے الگ ہو کر کعبہ کو وطن بنانے والے صوفہ کہلائے ______ اور جو ان سے مشابہ ہوا' اُسے صوفی کہا گیا' مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ تاریخ کے استاد اور رفیق ندوۃ المصنفین (دہلی) پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی معرکتہ الآراء تالیف "تاریخ مشائخ چشت" میں بحوالہ "مصارع العشاق" ص 224 (مطبوعہ قسطنطنیہ) لکھتے ہیں: حضرت امیر معاویہؓ نے ایک خط ابن ام الحکیم'

گورنرِ مدینہ کے نام لکھا جس میں ایک شعر درج تھا: ۔

قد کنت تشبہٗ صوفیا لہٗ کتب من الفرائض او آیاتِ فرقان

ترجمہ: ''تو مشابہ تھا ایسے صوفی سے جس کے پاس کتابیں ہوں جن میں فرائض اور آیاتِ قرآن مذکورہ ہوں''۔

یہ شعر اس بات کا ثبوت ہے کہ لفظ صوفی کا استعمال پہلی صدی ہجری (نصفِ اول) میں بھی بالیقین ہوتا تھا۔ چوتھی صدی ہجری کی ایک معرکتہ الآراء تحقیقی تصنیف ''کتاب اللمع فی التصوف'' کے مصنف طاؤس الفقراء الشیخ عبداللہ بن علی یحیٰی ابوالنصر سراج (م378ھ) اصطلاحِ صوفی کی تحقیق کے سلسلے میں رقمطراز ہیں ''یہ الزام کہ صوفی بعد کے زمانے کی خود ساختہ بغدادیوں کی گھڑی ہوئی اصطلاح ہے' قطعی بے بنیاد ہے' کیونکہ حسن بن الحسین البصریؒ (م110ھ) کہتے ہیں: میں نے طواف کعبہ کے دوران ایک صوفی دیکھا اور اُس کو کچھ دینا چاہا مگر اس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ ''میرے پاس چار درہم موجود ہیں جو میرے لئے کافی ہیں'' حضرت سفیان بن سعید ثوریؒ (م161ھ) فرماتے ہیں کہ ''اگر ہاشم صوفی نہ ہوتے تو مجھے ریاء کی حقیقت معلوم نہ ہوسکتی''۔ دوسری صدی ہجری میں پہلی صوفی خانقاہ رملہ (فلسطین) میں قائم کی گئی۔ بقول نکلسن تاریخ مکہ مکرمہ (جو اغلباً ارزاقی کی تصنیف ہے) میں محمد بن اسحاق بن یسار اور دوسرے راویوں سے روایت ہے کہ اسلام سے قبل مکہ پر ایک ایسا دور بھی آیا کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ان حالات میں دور دراز سے ایک صوفی آتا اور طواف کر کے واپس چلا جاتا''۔

چوتھی صدی ہجری تک پہنچنے میں صوفیہ کی جماعت کے محققین اگر چہ بہت کم رہ گئے تھے لیکن صاحبِ تفسیر الکبیر شیخ ابوالقاسم بن ہوازن قشیریؒ (م 465ھ) نے 437ھ میں ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان تھا ''شکایت اہل السنۃ'' جس میں اہل تصوف کے دفاع میں یہ لکھا گیا کہ تابعین کے بعد صلحاءِ اُمت کے احوال کو تصوف کہا گیا۔ طاؤس الفقراء اپنی تصنیف کتاب اللمع میں فرماتے ہیں کہ ''میں نے ان صلحاء کے ظاہری لباس ہی سے انہیں منسوب کیا (یعنی اون کا لباس پہننے والے)۔ مؤلف کتاب ھذا عرض پرداز ہے کہ ہمارے آقا و مولا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی براہِ راست سنتِ مبارکہ بھی ''صوف کا لباس پہننا'' احادیث سے ثابت ہے۔ چوتھی صدی ہجری کی ایک عدیم النظیر کتاب ''التعرف'' نے صوفیہ

کے مختلف طبقات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے مثلاً شکفتیہ' جوعیّہ' فقیر' صُفّیہ 'صَفّیہ' نوُریہ' صفویہ' صوفیہ وغیرہ۔ امام ابو القاسم القشیری فرماتے ہیں کہ تصوف نام کے مآخذ عربی لغت سے یا اشتقاق وغیرہ کی بحثوں سے متعین کرنا مناسب نہیں۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ صوف کا لباس پہننے والوں کے لئے تصوف کا لفظ بولتے ہیں۔ صوفی کا لفظ عوفی کے وزن پر ہے مراد ہے۔ اللہ نے اسے عافیت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روحائے صخرہ (چٹان) سے ستر (70) انبیاء علیہم السلام (صوف کی) عبا پہنے ہوئے بیت الحرام جانے کے قصد سے گزرے۔ صوفی کو مقام مفردین واصطفاء حاصل ہے' اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مفردین' ذکر الٰہی پر شیفتہ اور فریفتہ لوگ ہیں''۔ شیخ الشیوخ سیدنا غوث الاعظم الشیخ عبد القادر جیلانیؒ نے چاروں حروف ''تصوف'' کی حیرت انگیز تشریح وتوضیح فرمائی ہے جو اس باب کی زینت ہے۔

باب 10: صوفی کون اور تصوف کیا؟

صوفیہ کے احوال ونظریات' اور علوم و معارف مشاہداتِ باطنی اور تصوف کے بارے میں لوگوں کے حجابات' ظواہر بین علماء اور مخالف عوام وخواص کے لئے موضوعاتِ بحث وتمحیص رہے ہیں۔ پانچویں صدی ہجری کے عارفِ کامل سیدنا ابو الحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخشؒ (م 470ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''کشف المحجوب'' میں ان امور پر سوالات اُٹھا کر ان کا شافی جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ سید ہجویرؒ فرماتے ہیں لفظ صوفی اسم علم ہے' اسمائے اعلام سے اس وجہ سے ہے کہ ان (صوفیہ) کی بزرگی' مقام و مرتبہ اور معاملات چھپ سکتے ہیں باوجود اس کے کہ ان کو اشتقاق کی ضرورت ہے تاہم لغت کی رو سے اسم صوفی کا مشتق ہونا جائز نہیں۔۔۔ علماء و ائمہ تصوف کا اس امر پر اجماع ہے کہ طبقاتِ صوفیہ کو ان کے نظریات واحوال اور خصائص و محاسن سے پہچانا جاتا ہے۔ انہی محاسن و خصائص کے مطابق قرآن حکیم اپنے پسندیدہ' چنیدہ اور برگزیدہ مخصوص بندوں پر خاص اسماء کا اطلاق کرتا ہے۔ مثلاً الصادقین (سچے) القانتین (ادب والے) الخاشعین (عاجزی کرنے والے) الوجلین (ڈرنے والے) المتوکلین (توکل والے) اولیاء (اللہ کے ولی) الفقراء (دنیاوی عیش وآرام سے بے نیاز)

الذاکرین (اللہ کا دائم ذکر کرنے والے) وغیرہ وغیرہ۔ ہماری اس کتاب کا اٹھارواں باب انہی اسماء کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہے اور خاصہ طویل ہے۔ زیرِ نظر باب میں ہم نے قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ اور اس ضمن میں کچھ خصائص و محاسن کی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

باب 10 ہی میں ہم نے تصوف کی تعریف اور حقیقت تصوف' جید صوفیائے کرام کے ارشادات کی روشنی میں بیان کی ہے۔ اِن بزرگانِ دین میں حضرت جنید بغدادیؒ' رویم بن احمدؒ، ابو محمد جریریؒ' حضرت ابو بکر شبلیؒ ' اور دیگر شامل ہیں۔ مثلاً حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتیں ہیں جو آٹھ پیغمبروں کی پیروی کا نتیجہ ہے: مثلاً سخاوت میں حضرت ابراہیمؑ O رضا میں حضرت اسمٰعیلؑ O صبر میں حضرت ایوبؑ O اشارات میں حضرت زکریاؑ O غربت میں حضرت یحییٰؑ O صوف پوشی میں حضرت موسیٰؑ O سیر میں حضرت عیسیٰؑ O فقر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

باب 11: (تصوف کی وجہ تسمیہ) کیا تصوف کی اصطلاح یونان سے آئی؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اپنی اُمت کے لئے جن لوگوں سے ڈرتا ہوں وہ گمراہ کرنے والے **الاَ ئِمَّةَ الْمُضِلِّينَ** ہیں اور جب میری اُمت میں تلوار چل جائے گی تو پھر قیامت تک نہ رکے گی''۔ (رواہ' ثوبانؓ بحوالہ مشکواۃ' ابوداؤد' ترمذی) قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''O وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَاتُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوٓا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ O'' (2۔البقرۃ:11)

ترجمہ: ''O اور جب ان سے کہا جائے کہ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ' تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں O''

O أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ O (2۔البقرۃ:12)

ترجمہ: ''O بیشک وہی لوگ مفسد ہیں مگر انھیں اس کا شعور نہیں O''۔

عصرِ حاضر میں صوفیہ اور تصوف کے یوں تو بہت سے کرم فرما ہیں لیکن ان میں سرِ فہرست ''طِب و حکمتِ'' مغرب میں ایم بی بی ایس ڈاکٹر اسرار احمد ہیں جنہوں نے تصوف کی مخالفت' جماعتِ اسلامی پاکستان کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور صاحبِ تفسیر

تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی سے ورثہ میں پائی۔ موصوف نے ایک پمفلٹ قلمبند کرنا اپنے لئے ''توشۂ آخرت'' سمجھا جس کا عنوان ہے: ''مروجہ تصوف یا سلوک محمدیؐ ؟ یعنی احسان اسلام''۔ جس میں موصوف نے دعویٰ کیا ہے کہ تصوف کی اصطلاح غیر قرآنی اور مجہول الاصل ہے' اور جس کا مادہ ہی 'متفق' علیہ نہیں۔ نیز یہ کہ یہ لفظ دوسری صدی ہجری کے اختتام کے قریب استعمال ہونا شروع ہوا۔ درحقیقت یہ موصوف کی اپنی تحقیق نہیں بلکہ ڈاکٹر میر ولی الدین کی کتاب ''قرآن وتصوف'' سے مستعار لی ہوئی معلومات ہیں۔ ڈاکٹر میر ولی الدین منشی فاضل' ایم اے' پی ایچ ڈی صدر شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد (دکن) کی تصوف کے بارے میں اپنی معلومات کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنی مذکورہ کتاب کے صفحہ 11 پر لکھتے ہیں: ''حضرت امام قشیری (376ھ تا 465ھ) صاحب رسالہ قشیریہ' جو تصوف پر شاید کتاب اللمع کے بعد پہلا رسالہ ہے'' ______ بس اس ایک جملے سے ڈاکٹر صاحب موصوف کے تاریخ تصوف میں مبلغ علم کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کیونکہ کتاب اللمع فی التصوف اگر 278ھ کے لگ بھگ کی تصنیف ہے تو ''التعرف لمذہب اھل التصوف'' (جوالامام العالم ابی بکر بن ابی اسحاق کلا بازیؒ کی قریب قریب 380ھ کی تصنیف ہے۔ اس کے بعد شیخ ابو طالب المکیؒ (م386ھ) کی ''قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب'' لکھی گئی۔ ازاں بعد شیخ ابوعبدالرحمٰن محمد بن الحسین سلمی (م412ھ) کی تصنیف حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء سال 422ھ میں منظرِ عام پر آئی' تصوف اور اہل تصوف کے احوال ومناقب پر یہ بہت مشہور کتابیں ہیں جو محولہ بالا دور کے درمیانی عرصہ میں لکھی گئیں۔ التعرف میں بہت سی اور کتب کے نام بھی درج ہیں جو اس سے بھی پہلے زمانہ کی ہیں۔ لیکن ڈاکٹر اسرار صاحب کا تصوف کا براہِ راست مطالعہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لئے موصوف نے ڈاکٹر میر ولی الدین کے مطالعہ پر انحصار کرتے ہوئے خود ہمالیہ سے بھی بڑی علمی' تاریخی اور دینی غلطی کا ارتکاب کیا۔ اگرچہ یہاں ڈاکٹر میر کی مذکورہ کتاب کے حُسن وقبح پر گفتگو ہمارے پیش نظر نہیں لیکن ہمارا مجموعی تاثر یہ ہے کہ وہ حضرت داتا گنج بخشؒ اور کتاب اللمع فی التصوف کے مصنف سراج الفقراؒ جیسے اولین اکابر صوفیہ کا یہ موقف سمجھنے میں بُری طرح ناکام رہے ہیں کہ ''صوفیہ کو ایک مخصوص علم یا حال سے منسوب کرنا ممکن نہیں جیسا

کہ محدثین کو علمِ حدیث سے' فقہا کو علمِ فقہ سے' زاہدوں کو زہد سے' متوکلین کو توکل سے اور صابرین کو صبر سے منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ صوفیہ اپنے ربّ کی قربتوں سے ہر آن شاد کام ہونے اور اللہ تعالیٰ سے ہر لحظہ بہت قریب ہونے کے مشتاق رہتے ہیں''۔ ڈاکٹر ولی الدین نے بھی اپنی معلومات کے لئے علامہ لطفی جمعہ کی کتاب ''تاریخ فلاسفۃ الاسلام'' پر انحصار کیا اور غلط طور پر یہ توجیہہ پیش کی کہ ''صوفی کا لفظ تھیو صوفیا'' سے مشتق ہے جو ایک یونانی کلمہ ہے جس کے معنی ''حکمتِ الٰہی'' کے ہیں۔ علامہ لطفی جمعہ کے نزدیک صوفی وہ حکیم ہے جو حکمتِ الٰہی کا طالب ہوتا ہے''۔

موصوف کی یہ تحقیق بھی تاریخی حقائق و واقعات کے منافی ہے کہ صوفیائے کرام نے اپنے علم کا اظہار اس وقت تک نہیں کیا اور نہ خود کو اس صفت سے متصف کیا جب تک یونان کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا۔ ڈاکٹر اسرار کے جملہ دعاوی کا مآخذ ڈاکٹر ولی الدین کی یہی کتاب ہے لیکن موصوف نے ان کی کتاب کا نام غلط طور پر ''قرآن اور تصوف'' کی بجائے ''قرآنی تصوف'' لکھا۔ دونوں عنوانات کے معانی و مفہوم میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ڈاکٹر اسرار بھی تصوف کا مصدر یا مادہ یونانی لفظ Sophia کو قرار دیتے ہیں۔ اور یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اس رائے میں منفرد ہیں۔ اس بارے میں موصوف نے دلچسپ لغوی بحثیں کرنے کی کوشش کی۔ ہم نے ان کی جملہ بحثوں کو دلائل و براہین اور لغت کے اعتبار سے غلط ثابت کیا ہے۔ موصوف جہاں ایک طرف یہ کہتے ہیں کہ تصوف کا لفظ یونان سے آیا تو دوسری طرف یہ دعویٰ کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ تصوف کی اصطلاح مجہول الاصل ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جن یونانی الفاظ کو تصوف کا اشتقاق بتایا' دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں سے پہلا ''Sophia'' ہے' جب کہ یہ لفظ الگ سے ڈکشنری میں کہیں موجود ہی نہیں۔ البتہ انگریزی لفظ ''Sophism'' ہے جس کے لفظی معانی ہیں: فریب دہی کے لئے دلیلِ باطل۔ اسی سے لفظ بنایا گیا ''Sophisma'' جس کے معنی ہیں: مکاری' چالاکی پر مشتمل تدابیر۔ اسی سے جو لفظ بنایا گیا وہ ہے: ''Sophos'' جس کا مطلب ہے دنیاوی امور میں زیرک و جہاندیدہ۔ آگے ایک اور لفظ موجود ہے:

''Sophist'' جس کے معنی ہیں جھوٹی دلیلیں دینے والا منطقی ۔ اس کا متبادل یونانی لفظ ''Sophistes'' ہے: جسے عربی زبان میں سوفسطہ' سوفسطائی' سفسطی لکھا جاتا ہے ۔ سن ہجری ۳۷ تا ۵۰۷ھ میں جن سینکڑوں جید صوفیہ وصلحائے اُمت کے نام تاریخ میں مندرج ہیں اور مشہور آئمہ فقہ اور محدثین' جو بلا تخصیص تصوف کے معترف و مؤید تھے' کیا ان میں سے کسی اللہ والے کو اُن صفاتِ قبیحہ سے نسبت دی جا سکتی ہے جو اوپر دیئے گئے پیراگراف میں مختلف یونانی الفاظ کے معانی و مفاہیم میں پوشیدہ ہیں؟

''مقتدرہ قومی زبان'' کی شائع کردہ قومی انگریزی۔اردو لغت سے ہماری طرف سے دیئے گئے مذکورہ الفاظ کے معانی و مفاہیم کی تصدیق کی جاسکتی ہے ۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے ایک اور اصطلاح ''Theosophy'' کے بارے میں بھی یہ دعویٰ فرمایا کہ ''درحقیقت تصوف کا لفظ یہیں سے آیا ہے ۔'' ____ جبکہ آکسفورڈ ڈکشنری میں اس کے جو معنی دیئے گئے ہیں ۔ اُن کے مطابق اسکا مطلب یہ ہے کہ مختلف فلسفیوں میں سے کوئی سا فلسفیانہ عقیدہ جو قیاسی یا وجدانی بے خودی پر مبنی خدا کی وجودیت کا علم بہم پہنچانے کا دعویدار ہو یا براہِ راست الہامی فکر و نظر رکھتا ہو۔ خصوصیت سے ایسے نظریات جو برہمنی اور بدھ مت کے تصورات پر مبنی ہوں۔ اندازہ کیجئے کہ ڈاکٹر موصوف اپنے گھڑے ہوئے غلط تصورات صحیح ثابت کرنے کے لئے کہاں کہاں سے ڈھونڈ کر الفاظ نکال رہے ہیں اور پھر اُن الفاظ کو تصوف کا مآخذ ثابت کر رہے ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ کیا عربی زبان میں اتنی وسعت نہ تھی کہ مسلمان اہل علم وفضل اگر کوئی اصطلاح متعارف کرانا چاہتے تھے تو اُنہیں دو تین سو سال تک یونانی فلسفہ یا علوم کے تراجم کا انتظار کرنا پڑا ؟ اس ضمن میں ایک اصطلاح ''Theosophy'' کی بھی زیرِ بحث آئی ۔ لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ مقتدرہ قومی زبان کی مذکورہ لغت میں جس انداز سے اس کے معانی میں الہامی اور روحانی تجربات وواردات کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی اُس سے تو یورپی ماہرین لسانیات بھی بے خبر تھے ۔ تاہم یہاں تفصیلات کی گنجائش نہیں اس لئے ہم کتاب کیمتن کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیں گے ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ تصوف کے مخالفین نے تصوف کے شفاف سر چشمۂ رشدوھدایت کو یونانی فکر و فلسفہ کی طرف منسوب کر کے غلیظ و گدلا کرنے کی شعوری جسارت کی ہے۔

حضرت علامہؒ اپنی کتاب ''تاریخ تصوف'' (نئی دریافت شدہ) کے باب اول میں رقمطراز ہیں کہ ''یونانی فلسفے کے زیروبم سے مسلمانوں میں ایک اور مذہبی تحریک پیدا ہوئی جسے ''فرقہ معتزلہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جس نے فلسفے کے اثر سے مذہبی حقائق کو عقلی ترازو میں تولنے کی کوشش کی (جس سے زبردست نظریاتی اکھاڑ پچھاڑ ہوئی تاہم) اشاعرہ نے معتزلہ کے ہتھیاروں سے ہی ان کا مقابلہ کیا۔ تاہم اس وقت تک کے صوفیہ سے اگر یہ گناہ سرزد ہوا ہوتا' کہ تصوف کی اصطلاح یونان سے لی گئی ہوتی تو علامہ ابن الجوزی (م۵۹۷ھ) اس کی نشاندہی سے کبھی نہ چوکتے۔ انہوں نے اپنی تصنیف ''تلبیسِ ابلیس'' میں صوفیہ کے احوال واطوار پر سخت تنقید کی ہے لیکن وہ اپنی کتاب کے باب۔5 میں ''شیطان کا عقائد و دیانات میں تلبیس کرنا'' کے عنوان سے کھل کر سوفسطایہ کے نظریات سے بحث کی اور انھیں باطل قراردیا (سوفسطایہ گروہِ عقلاء کو کہا گیا نہ کہ صوفیہ کو)۔ عہدِ شاہجہاں کے مستند و معتبر فارسی زبان کے ایک تذکرہ ''سیر الاقطاب'' کا ترجمہ ایک خاتون مصطفائی بیگم نے ''خاصانِ خُدا'' کے نام سے کیا۔ موصوفہ نے اس کتاب کو متعارف کراتے ہوئے لکھا: ''میری اس کاوش کا مقصود یہ ہے کہ تصوف کے متعلق عام طور پر جو یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔ کہ اس کے مآخذ مسالک بدھ' عقائد مسیحی' اشراقی اور یونان کے فلسفیانہ خیالات سے ماخوذ ہیں' اس کا ازالہ ہو جائے۔ موصوفہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یورپی ماہرین علوم وفنون نے ایسی ایسی ابلہ فریبیوں سے کام لیا ہے کہ جن کی نظیر علمی دنیا میں نہیں ملتی مثلاً میکڈونلڈ اور نکلسن کا خیال ہے کہ دوسری صدی ہجری میں مسیحی راہبوں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے تصوف اختیار کیا۔ جاسف واہمیر کی تحقیق ہے کہ صوفیائے اسلام' ہندوستان کے ہندو سادھوؤں کی طرح لنگوٹی پوش اور ننگے ملنگ تھے۔ نیز صوفی اور صفا دونوں یونانی الفاظ ہیں۔ یونانی لفظ ''Gnosis'' کے انگریزی میں معنی ہیں ''Naked Sophist'' عربی میں اسے ہی سفسطہ کہتے ہیں۔ مولانا شاہ عبد العزیزؒ صدرالدین شیرازی کی کتاب صدرا کے حاشیہ میں لفظ فلسفہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لفظ فلسفہ کے صحیح معنی محبِ حکمت کے ہیں کیونکہ یونانی لفظ فیلا (Philo) بمعنی محب آتا ہے اور سوفا (Sopho) بمعنی حکمت۔ لہٰذا اگر سوفسطا سے صوفی لیا گیا تو اسے س سے لکھا جاتا نہ کہ ص سے۔ اس بحث سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہ ہوگا کہ تصوف اور صوفی نہ تو مجہول الاصل ہیں اور نہ ہی یونان

سے آئے ہیں بلکہ یہ الفاظ قرآن حکیم کے مطلوب و مقصود چنیدہ اور خاص بندوں نے قرآنی حکمت و فراست سے کام لیکر خود وضع کئے۔

ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کی طرح کے دوسرے تجدد پسند دانشورانِ قوم تھیوکریسی اور ڈیموکریسی کی توجیہات میں بھی مسلمانوں کو الجھانے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ دونوں اصطلاحات بدبخت اور انسانِ دشمن نظام ہائے سیاسیات کا ملغوبہ ہیں ۔ درویش نہ ''Theo'' کے قائل ہیں نہ ''Demo'' کے شیدائی۔ تفصیلات کتاب میں ملاحظہ ہوں۔

شیخ المشائخ یحییٰ ابن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں: تین قسم کے آدمیوں سے بچو (1) غافل علماء (2) ست فقراء (3) اور جاہل صوفیہ۔

اس باب میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ تصوف کی درحقیقت قرآنی لفظ ''اَصوَا فِهَا'' سے نسبت ہے (گویا کہ سفید لباس پہننے والے حواری انصار اللہ کہلائے ۔ (بحوالہ :3۔آل عمران :53) خلافت راشدہ ختم ہونے پر صلحاء رضا کارانہ انصار اللہ بن گئے اور دنیادار جنگ وجدال سے بادشاہت کی چھینا جھپٹی میں مصروف رہے ۔ یہاں ہم مولانا امین احسن اصلاحی کے ایک قول کا حوالہ بھی دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ اصطلاحوں کو لغوی کے بجائے اصطلاحی مفہوم میں دیکھنا چاہئے چنانچہ اشتقاق کے جھگڑوں میں پڑ کر حقائق سے چشم پوشی دراصل عمل سے فرار کے راستے تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ ہمیں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ اسم اللہ کا نہ کوئی اشتقاق ہے نہ باب' جیسا کہ علامہ ابن کثیر نے ثابت کیا ہے' تو کیا ہم اللہ ہی کو تسلیم کرنے سے انکاری ہو جائیں گے؟ حقیقت تو صرف یہ ہے کہ ظاہر سے زیادہ باطن کا خیال رکھنے والے کو صوفی کہا جاتا ہے ۔ تصوف کی جملہ اصطلاحات کا ماخذ قرآن و سنت ہے ۔ صوفیہ صدیوں سے برعظیم پاک وہند میں کام کر رہے ہیں لیکن انہوں نے کبھی ہندی' ایرانی یا یونانی اصطلاحات استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی ۔ مثلاً اصلاح نفس کیلئے مقامی لفظ ''یوگ'' کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

متحدہ ہندوستان میں یوگ پر عمل پیرا شخص کو یوگی کہا جاتا ہے' لیکن انہوں نے تصوف پر عمل پیرا ہونے والے کو ایک باوقار خطاب ''صوفی'' عطا کیا۔ عربی میں معبود و مالک اور خالقِ کائنات کے لئے اللہ اسمِ ذات ہے تو انہوں نے ہندوستان میں کبھی ایشور' پرم آتما' بھگوان یا اوم جیسے اسماء استعمال نہیں کئے ۔ پیر و مرشد کو کبھی مہا گرو یا گرو دیو نہیں کہا۔

مذہب کو دھرم، عقل کو بدھی، روح کو آتما، حرص کو موہ، عُجب کو اہنکار ، طمع کو لوبھ، غضب کو کرودھ، ماسوا اللہ کو ویراگ، مشاہدہ کو انوبھو، لا الہ الا اللہ کو یکم ستر دویتو ناستی، ذکر کو جپ، مراقبہ کو گیان دھیان، ریاضتِ نفس کو تپسیہ کبھی نہیں کہا۔ اسی طرح آپ صوفیۂ ہند کی پوری Vocabulary کا جائزہ لے لیجئے انہوں نے کسی علاقائی ہندی یا عالمی اصطلاحات (یعنی یونانی وغیرہ) کو استعمال نہیں کیا لہٰذا صوفیہ یا مصلحین ومقربین پر الزام کہ انہوں نے تصوف کا لفظ یونان سے لیکر پہاڑ جیسی غلطی کا ارتکاب کیا محض جھوٹ، فریب اور بہتان ہی نہیں، ظلوم وجہول کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ حضرت علامہ نے کیا خوب فرمایا:

زاغ کہتا ہے نہایت بدنما ہیں تیرے پر — شپرک کہتی ہے تجھ کو کور چشم و بے ہنر
لیکن اے شہباز یہ مرغانِ صحرا کے اچھوت — ہیں فضائے نیلگوں کے پیچ وخم سے بے خبر
ان کو کیا معلوم اس طائر کے احوال و مقام — روح ہے جس کی دمِ پرواز سرتاپا نظر

رہی ''حکومتِ الٰہیہ'' تو صوفیہ کے لئے یہ کوئی اچنبے کی بات نہیں۔ البتہ تصوف کی ابجد سے ناواقف تصوف پر گفتگو کے ہرگز اہل نہیں ہوسکتے۔ اہل اللہ نے اول روز سے اب تک حقیقی اہلِ علم کے دو گروہوں، محدثین وفقہا، کے خلاف کبھی محاذ آرائی نہیں کی جبکہ منصور حلاجؒ کے خلاف مذکورہ گروہوں میں موجود کم سے کم چوراسی (84) علماء ظاہر نے سلطان وقت کی تلوار کے خوف سے ایک ''مجذوبِ وقت'' کی موت کے فتویٰ پر دستخط کئے۔ لیکن منصور موت سے چند ثانیے قبل دُعا کرتا ہے کہ'' اے اللہ! میرے قاتلوں کو معاف کردے''۔

اس باب میں ہم نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تخلیق، کتابچہ ''مروجہ تصوّف یا سلوکِ محمدیؐ ؟ یعنی احسانِ اسلام'' کا ''پوسٹ مارٹم'' کیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے قارئین ومخاطبین کو جس قدر چالاکی و ہوشیاری سے گمراہ کرنے کی جسارت کی ہے اس کا علمی وفکری سطح پر جائزہ لیا ہے یہاں ہماری اس کاوش کا اختصار ایک علمی مسئلے کو الجھانے کا سبب بن سکتا ہے اس لئے قارئین سے کتاب کے متن کی طرف رجوع کرنے کی ہم استدعا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کے کتابچہ پر دوحرفی تبصرہ کے لئے ہم صرف حضرت علامہؒ کے دو اشعار پر اکتفا کرتے ہوئے اس ضمن میں گفتگو ختم کرتے ہیں:۔

ترے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں — ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

صحبت پیر رومؒ سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش — لاکھ حکیم سربجیب ' ایک کلیم سربکف

باب 12 : ''امام غزالیؒ کا نظریۂ تصوف : شرط اول' دِل کو ماسوا سے پاک کرنا

حجتہ الاسلام امام ابو حامد محمد بن احمد الغزالیؒ کا ''نظریۂ تصوف'' جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے' یہ ہے کہ شرطِ اول کے طور پر دل کو ماسوا سے پاک کیا جائے ۔ آپ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''المنقذ من الضلال'' میں فرماتے ہیں: ''مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیہ ہی کا گروہ ہے جو خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے۔ انہیں کی سیرت سب سے بہتر ہے' انہیں کا طریقہ زیادہ صاف اور انہیں کے اخلاق زیادہ پاکیزہ اور بلند ہیں' بلکہ اگر تمام عقلاء و حکما کی عقل و حکمت کو جمع کر لیا جائے اور واقفانِ شریعت کے اسرار وعلوم کو ملا لیا جائے تاکہ ان سے بہتر سیرت کی تشکیل ہو سکے تب بھی ان کے اخلاق و سیرت کے ڈھانچہ کو بدلنا ضروری نہ ہو کیونکہ صوفیہ کی تمام حرکات وسکنات' چاہے ظاہری ہوں' چاہے باطنی' مشکواۃِ نبوت ہی سے تو مستنیر ہیں اور نورِ نبوت سے بڑھ کر اور کوئی نور روئے زمین پر اس لائق نہیں کہ اس سے روشنی حاصل کی جائے ۔ مقصود یہ ہے کہ ایسے طریقے کی بلندی و صحت پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے جس میں پہلی شرط ہی دِل کو ماسواء سے پاک کرنا ہے اور جس کی تکبیر تحریمہ ہی یہ ہے کہ دِل کو ذکر اللہ میں غرق رکھا جائے ۔ جس کا آغاز یہ ہو اور انتہا یہ ہو کہ سالک اللہ کی ذات میں اپنے کو کلیتاً فنا کر ڈالے''۔

حضرت امام غزالیؒ کی کل مدتِ حیات سن ہجری کے حساب سے پچپن (55) برس سے کچھ کم بنتی ہے اور سنِ عیسوی کے اعتبار سے تو ترپن (53) برس بھی بمشکل ہی بنتے ہوں گے۔ لیکن اُن کی تصانیف کی تعداد اس عدد سے تین گنا ہے۔ ایک ضخیم کتاب'' یاقوت التاویل فی التفسیر'' (جو چالیس جلدوں پر مشتمل ہے) کے بارے میں بعض محققین کی رائے ہے کہ یہ ایک فرضی نام ہے ۔ تاہم ''کتابیں باتحقیق ان کی لکھی ہوئی تسلیم کی جاتی ہیں۔ جن کے نام حروفِ تہجی کی ترتیب سے مولانا شبلی نعمانیؒ کی تالیف ''الغزالی'' (1901ء) میں تحریر ہیں۔ فقہ' اصولِ فقہ' منطق' فلسفہ' کلام اور تصوف و اخلاق ان کے

خاص موضوعات ہیں ۔تحریر و تصنیف کا سلسلہ انہوں نے بیس برس کی عمر میں شروع کر دیا تھا۔ آپ کی اعلیٰ ترین ضخیم عربی تصنیف '' احیاء العلوم الدین '' تسلیم کی جاتی ہے ۔ صحیح مسلم کے شارح امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ احیاء العلوم' قرآن مجید کے لگ بھگ ہے۔مشہور صوفی اور حضرتِ امام غزالیؒ کے شاگرد شیخ عبد اللہ نے احیاء العلوم' پوری کی پوری حفظ کر رکھی تھی شیخ محی الدین اکبر'' احیاء العلوم'' کا مطالعہ کعبہ مکرمہ کے سامنے بیٹھ کر کیا کرتے تھے ۔ امام صاحبؒ اپنی کتابوں (مثلاً کیمیائے سعادت وغیرہ) میں توریت' انجیل اور زبور کے حوالے دیا کرتے تھے ۔یعنی اُن کا طریقِ استدلال وہی تھا جو آجکل کے مسلمان مصنفوں کا ہے ۔کیمیائے سعادت فارسی زبان میں احیاء العلوم ہی کا مبسوط خلاصہ ہے' جو چار ارکان پر مشتمل ہے' ہر رکن کے دس باب ہیں' جنہیں مصنف نے اصلوں سے موسوم کیا ہے ۔ اس طرح مجموعی طور پر اس کتاب کے چالیس ابواب ہیں ۔ چار ارکان میں (1) عبادات (2) معاملات (3) مہلکات (4) منجیات شامل ہیں ۔

(تفصیلات کے لئے دیکھئے '' کیمیائے سعادت'' فارسی کا مستند' بامحاورہ ترجمہ بعنوان ''نسخۂ کیمیا'' از پروفیسر عبد المجید یزدانی' شائع کردہ ناشرانِ قرآن اردو بازار لاہور)۔

حضرت امام غزالیؒ' امام الحرمین حضرت عبد الملک المعروف ضیاء الدین اشعریؒ کے شاگرد رشید تھے ۔امام الحرمین سلسلۂ اشعریہ سے وابستہ تھے ۔اسی زمانے میں عمید کندری کی تحریک سے نیشاپور کے حکمران الپ ارسلان سلجوقی نے حکم دیا تھا کہ مساجد میں امام ابوالحسن اشعریؒ پر خطبہ میں لعنت پڑھی جائے۔ امام الحرمین کو یہ حکم ناگوار ہوا اور وہ ناراض ہو کر حرمین چلے گئے ۔ جہاں اُن کی زبردست قدر و منزلت ہوئی ۔ بعد ازاں الپ ارسلان نے نظام الملک کو وزیر اعظم مقرر کر دیا جو علماء کا قدردان اور غیر متعصب شخص تھا ۔ یہ معلوم ہونے کے بعد امام الحرمین واپس نیشاپور آگئے اور 478ھ میں انتقال فرما گئے ۔ اُس زمانے میں نامور علماء کا معمول تھا کہ اپنے سب سے ہونہار شاگرد کو وہ اپنے دیگر شاگردوں کو سبق یاد کرانے کے لئے نامزد کر دیتے جسے ''مُعید'' (لوٹانے والا' دوبارہ زندہ کرنے والا) کہا جاتا تھا ۔ امام غزالیؒ کو بھی یہ منصب حاصل تھا۔

علامہ شبلی نعمانی اپنی تالیف '' الغزالی'' میں لکھتے ہیں کہ امام صاحب کے ترک تعلقات کا واقعہ دنیا کے عجیب و غریب واقعات کی فہرست میں درج کیا جاسکتا ہے ۔ امام

صاحب اپنی خودنوشت ''المنقذ من الضلال'' میں ان اسباب پر خود روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''میں نے ہر ہر گروہ کے عقائد کی چھان بین کی اور ہر مذہب کے اسرار معلوم کرنے کی تگ ودو کی تاکہ اہل حق اور اہل باطل میں خطِ امتیاز کھینچ سکوں اور جان سکوں کہ سُنّی کون اور بدعتی کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ میں نے کسی باطنی کو اس کی باطنیت کا جائزہ لیے بغیر چھوڑا اور نہ کسی ظاہری کو یہ جانے بغیر معاف کیا کہ اُس کی ظاہریت کا حاصل کیا ہے؟ اسی طرح میرے ہاتھ سے نہ کوئی فلسفی ہی چھوٹا اور نہ متکلم ____ صوفی و عابد کو بھی پرکھا تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ اُس کی پاک بازی کن چیزوں پر منحصر ہے اور اُس کی عبادت کے کیا ثمرات ہیں؟ اسی طرح میرے حلقۂ تنقید میں زندیق و معطل تک آئے، میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو بے دینی اور تعطل پر کس نے جرأت دلائی؟''۔ ____ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں ____ یہ تشکیک ذہن کی ایک کیفیت اور قلب کے ایک اضطراب سے تعبیر تھی، نطق و مقال میں اس کا اعتبار نہیں ہوا تھا ____ بالآخر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس گمراہی سے نکالا اور پوری پوری شفا بخشی ____ اللہ تعالیٰ نے دل کو اپنے نور سے روشن کیا اور شک و ریب کی تاریکیاں اس سے دور ہوئیں دراصل یہ نور ہی ہے جس سے اکثر معارف و اسرار کی عقدہ کشائی ہوتی ہے''۔ ''طالبِ حق کو چاہئے کہ اسی نور سے اپنے کشف کو طلب کرے اور دلائل و براہین کا منت پذیر نہ رہے۔ یہ یاد رہے کہ کسبِ انوار کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کا چشمہ کچھ ساعتوں میں چھلکتا رہتا ہے اور یہ نور اس چشمۂ فیض سے ان لمحوں میں نکلتا رہتا ہے۔ اس لئے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''ان اوقات کا منتظر رہنا چاہئے'' ____ نیز فرمایا ____ ''متلاشیانِ حق کی چار قسمیں ہیں:

(1) متکلمین: یہ وہ گروہ ہے جو اپنے کو اہل الرائے یا اہل النظر کہتا ہے

(2) باطنیہ: یہ اصحاب التعلیم کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ صرف امام معصوم ہی سے انوار و معارف کا اکتساب ممکن ہے (3) فلسفی: یہ منطق و برہان کا شکار ہیں۔(4) صوفیہ: ان کا دعویٰ ہے کہ یہ مقربانِ خاص ہیں اور مشاہدہ و مکاشفہ سے براہِ راست بہرہ مند ہیں ____ جب میں نے ان چار پر غور کیا تو دل نے کہا کہ حق و

صداقت ان چار ہی میں منحصر ہوگی۔ ـــــــ یہ سوچ کر ان چاروں گروہوں کے عقائد کی چھان بین کی ۔ (امام صاحب نے الگ الگ سب گروہوں کے احوال و کوائف لکھنے کے بعد فرمایا :) جب میں ان تمام علوم کی تحقیق سے فراغت پا چکا تو پوری توجہ سے صوفیہ کے طریق حق کی طرف مائل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی راہ صرف علم وفن کی راہ نہیں بلکہ علم وعمل دونوں کی راہ ہے ۔ ـــــــ میں نے ان لوگوں کی صحبت میں رہنا شروع کیا ـــــــ اندازہ ہوا کہ یہ حضرات نرے اصحاب اقوال نہیں' اصحاب احوال ہیں ـــــــ مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیہ ہی کا گروہ ہے جو خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے'' (بقیہ مضمون ابتداء میں درج کیا جا چکا ہے)

حضرت امام غزالی کے بارے میں یہاں یہ درج کرنا بھی مناسب نظر آتا ہے کہ علامہ شبلی نعمانی نے جیسے لکھا ہے ! یہ علم چونکہ کتابوں سے نہیں آتا اس لئے مورخین بالا تفاق لکھتے ہیں کہ امام صاحب شیخ ابو علی فارمدیؒ (افضل بن محمد بن علی) سے بیعت تھے ۔ شیخ موصوف بہت عالی رتبہ صوفی تھے نظام الملک ان کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ جب وہ دربار میں تشریف لے جاتے تو تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا اور ان کو اپنی مسند پر بٹھا کر خود مؤدب سامنے بیٹھتا۔ حالانکہ امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری کے لئے وہ صرف قیام پر اکتفا کرتا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو (صوفیہ کے کردار وعمل اور بعض حالتوں میں بادشاہوں کے ساتھ اُن کے روابط پر زبانِ طعن دراز کرنے والے خاص طور پر نوٹ فرمائیں ـــــــ مؤلف): نظام الملک نے کہا کہ'' امام الحرمین وغیرہ آتے ہیں تو میرے منہ پر میری تعریفیں کرتے ہیں جس سے میرا نفس زیادہ نخوت پرست بن جاتا ہے بخلاف اس کے جب شیخ ابو علی فارمدیؒ میرے عیوب سے مجھے مطلع کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ رعایا پر میرے ہاتھ سے کیا ظلم ہو رہا ہے'' ـــــــ

حضرت امام غزالیؒ جب بے خودی کی حالت میں درس وتدریس' کے میلان کو جاہ پرستی اور شہرتِ عامہ خیال کرتے ہوئے' چھوڑ کر 488ھ میں بغداد سے نکلے تو عجب ذوق اور وارفتگی کا عالم تھا۔ پرتکلف اور قیمتی لباس کی بجائے بدن پر ادنی کمبل تھا' لذیذ غذاؤں کے بدلے ساگ پات پر گزران تھی۔ بعض روایات کے مطابق امام صاحب یوں تو مدت سے ''ترکِ دنیا'' کا ارادہ رکھتے تھے لیکن تعلقات سے کنارہ کشی بھی ممکن نہ تھی ۔ ایک دن

وعظ کہہ رہے تھے کہ اتفاق سے ان کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالیؒ جو صوفی اور صاحبِ حال تھے، آ نکلے اور چند اشعار پڑھے جن کا مطلب تھا: ''تم دوسروں کو ہدایت کرتے ہو مگر خود ہدایت نہیں پکڑتے اور وعظ سناتے ہو لیکن خود نہیں سنتے۔ اے سنگِ فسان! کب تک تو لوہے کو تیز کرتا رہیگا لیکن خود نہ کاٹے گا۔ (ظاہر ہے پتھر تو پھر پتھر ہی رہے گا وہ تلوار تو نہیں بن سکتا!) غرض بغداد سے نکل کر حضرت امامؒ نے شام کا رُخ کیا اور دمشق پہنچے۔ جامع اموی کے غربی مینار پر چڑھ کر دروازہ بند کر لیتے اور مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول ہو جاتے۔ تمام تمام دن مراقبہ اور ذکر و شغل کیا کرتے۔ دو برس دمشق میں قیام رہا۔ بعد ازاں بیت المقدس کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر صحرا کے حجرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے اور مجاہدہ کیا کرتے۔ پھر مقامِ خلیلؑ گئے جہاں حضرت ابراہیمؑ کی آخری آرام گاہ ہے مزارِ مبارک پر حاضر ہو کر آپ نے تین باتوں کا عہد کیا: (1) کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا (2) کسی بادشاہ کا عطیہ نہ لوں گا (3) کسی سے مناظرہ اور مباحثہ نہ کروں گا۔ اور پھر آخری سانس تک یہ عہد نبھائے۔ تاہم ایک دفعہ سلطان سنجر نے امام صاحب کے حاسدوں کی شکایات کے ازالہ کیلئے دربار میں طلب کیا۔ آپ نے سنجر سے مخاطب ہو کر طول طویل تقریر کی جس میں دو یا تین باتیں بہت اہم تھیں ______ ایک یہ کہ ''طوس کے لوگ پہلے ہی بدانتظامی اور ظلم کی وجہ سے تباہ تھے، اب سردی اور قحط کی وجہ سے بالکل برباد ہو گئے ہیں، ان پر رحم کریں، خدا تجھ پر بھی رحم کرے گا، افسوس! مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں اور تیرے گھوڑوں کی گردنیں طوق ہائے زریں کے بار سے'' ______ دوسرے یہ کہ ''میں بارہ برس گوشۂ نشین رہا، پھر فخر الملک نے یہاں آنے کے لئے اصرار کیا، میں نے کہا یہ وقت ہے کوئی شخص ایک بات بھی سچ کہنی چاہے تو زمانہ اس کا دشمن بن جاتا ہے لیکن فخر الملک نہ مانا اور کہا کہ بادشاہِ وقت عادل ہے اگر کوئی خلاف بات ہوگی تو میں سینہ سپر ہوں گا۔ ______ میری نسبت جو یہ کہا جاتا ہے کہ میں امام ابو حنیفہؒ پر طعن کرتا ہوں، محض بہتان ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی نسبت میرا وہی اعتقاد ہے جو میں نے کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے میں ان کو فنِ فقہ میں انتخابِ روزگار سمجھتا ہوں۔''

حضرت امام غزالیؒ نے ''المنقذ من الضلال'' میں درحقیقت کوزے میں دریا بند کر دیا ہے، انہوں نے جن عنوانات کے تحت اپنی سرگذشتِ زیست پر قلم اُٹھایا وہ یہ ہیں:

تبدیلی و انقلاب کے اسباب ودواعی ○ ادیان و مذاہب کی رنگا رنگی ○ میرے دائرۂ تحقیق کی وسعتیں ○ تقلید کی بندش اور درکِ حقائق کا چسکا ○ حقیقی علم کی تعریف ○ مداخلِ سفسطہ (کیا حسیات قطعی ہیں؟ حاسۂ بصر کی کرشمہ سازی ○ خواب اور موجودہ دنیا کی حقیقتیں ○ تشکیک حال کے اعتبار سے تھی قال کے اعتبار سے نہیں ○ متلاشیان کی قسمیں ○ علم الکلام (اس کے مقصود وحاصل پر تنقید) علم الکلام سے نفسِ فن کا مقصد تو پورا ہوتا ہے مگر شک کی بیماری دور نہیں ہوتی ○ فلسفہ کا حاصل کیا ہے؟ ○ فلسفہ کی تحصیل میں اساتذہ کی منت کشی سے بے نیازی ○ فلاسفہ کی قسمیں ○ ابنِ سینا اور فارابی ____ ارسطو کے شارح ○ حکماءِ فلاسفہ کے علوم وفنون (ریاضیات' منطقیات' طبیعیات' الٰہیات' سیاسیات' اخلاقیات)

○ حق کا پیمانہ خود نفسِ حق ہے' اہلِ حق نہیں ○ عارف' کفر وضلالت کی تاریکیوں سے بھی حق کی تجلیات ڈھونڈ نکالتا ہے ○ عوام کی ایک کمزوری ○ مذہب' تعلیم اور اُس کی فتنہ سامانیاں ____ عقل کی واماندگی۔ ○ امام احمد بن حنبلؒ کا ایک اعتراض اور اس کا جواب ○ انبیاء کا سہو ____ اور معصومین؟ ○ معجزہ کب دلیل ہوسکتا ہے ____ اس کی پیچیدگیاں ○ پہلے بیماری کا تعین ____ پھر علاج ○ تعلیمیہ کے پاس منصبِ امامت کی کوئی دلیل نہیں (فیثا غورث کے رکیک فلسفہ کا تتبع ○ صوفیہ کا طریق حق (تصوف علم وعمل کی راہ ہے ____ صرف علم کی نہیں ____ سکر ومستی کو جاننا اور شے ہے اور سکر ومستی سے دوچار ہونا شئے دیگر ○ تقویٰ کی حقیقت اور احتسابِ نفس ○ امدادِ غیبی سے زبان بند ○ اور چہ مگوئیاں ○ تصوف کی ضرورت ○ علم' ذوق اور ایمان ○ حقیقتِ نبوت ○ حاسۂ بصر وسمع اور ذوق کی تخلیق ○ عقل و شعور سے آگے کا قدم ○ نبوت کا تعلق خواب ورویاء سے ○ منکرین نبوت کی قسمیں ○ پیغمبر کے حالاتِ زندگی' نبوت کی دلیل ○ علوم وفنون کی نشر واشاعت کے نئے داعیات ○ قلب کی حقیقت اور عوارض وصحت مندیاں ○ عبادات میں افعال و حرکات کی کمی بیشی کا فلسفہ ○ اعمال میں تساہل کے اسباب ○ علماء کا حال ○ فلسفہ اور اس کے اثرات ○ نشرِ علوم کی طرف دوبارہ رجوع ○ بادشاہ کا اصرار ____ اہلِ دل سے مشورہ طلبی ○ ضعفِ ایمانی اور اس کے علاج ○ حقیقتِ نبوت اور عقل کی نارسائی ○ افیون کی مثال (کیا فریب خوردگانِ فلسفہ وحکمت کے دلائل کا یہی انداز نہیں؟ ○ فلسفہ زدہ اشخاص کا ذہنی تضاد ○ امورِ نبوت کا تجربہ ومشاہدہ ممکن ہے۔ (ان موضوعات کا سرسری سا جائزہ

کتاب ھٰذا میں دیدیا گیا ہے)۔

کاش! ہمارے دور کے عقلیین کے پاس اتنی فرصت ہوتی کہ وہ اس کتاب سے شعورِ زندگی حاصل کر پاتے!!! مؤلف)

ذرا دیکھئے کہ جہاں ایک طرف حضرت امام غزالیؒ خواب و رویاء کو نبوت کی تصدیق کا واحد ذریعہ قرار دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ نبوت کے خواص کا علم صرف اُس ذوق سے حاصل ہوسکتا ہے جو جادہ تصوف پر چلنے سے حاصل ہوتا ہے' وہاں ہمارے ہاں کے ظواہر بین تجدّد پسند علماء اور بزعم خود عقلیین و ''صالحین'' ہر آن ان صلحائے امت کے مشن کو ناکام بنانے پر اپنی توانائیاں صرف کرنے پر تُلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں اس ''گروہِ صالحین'' کے ''مرشدِ اعلیٰ'' ہونے کا شرف مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کو حاصل ہے۔ موصوف نے 1940ء میں ''تجدید و احیائے دین'' کے عنوان سے ایک کتابچہ تحریر فرمایا جس کا بظاہر مقصد امت کے بڑے بڑے مُجدّدِ دین اور اُن کے کارناموں کو متعارف کرانا بتایا گیا ہے لیکن اس ''کارِ خیر'' کا آغاز ''اسلام اور جاہلیت کی اصولی اور تاریخی کشمکش'' پر ایک مبسوط مقالہ لکھ کر کیا گیا جس میں ''زندگی کے چار نظریات'' پر کچھ اس طرح سے بحث کی گئی کہ تین نظریات یعنی ''جاہلیتِ خالصہ''، ''جاہلیتِ مشرکانہ''، ''اور جاہلیتِ راہبانہ'' کے بالمقابل چوتھے نظریہ یعنی ''اسلام'' سے صوفیہ و زاہدین کو دھکیل کر پہلے تین نظریات کے حاملین کی صف میں مجرم بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ مثلاً (1) جاہلیتِ خالصہ کے ذیلی عنوان کے تحت سید صاحب اگرچہ براہِ راست صلحائے امت کو ملوث نہیں کر پائے لیکن تھوڑا آگے جا کر پہلے یہ دعویٰ کیا کہ تمام انبیاءؑ نے سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی اور اُن کا منتہائے مقصود یہ رہا ہے کہ حکومتِ الٰہیہ قائم کر کے اس پورے نظامِ زندگی کو نافذ کریں جو وہ خدا کی طرف سے لائے تھے گویا کہ انسانی زندگی کا اصل مقصود اللہ کی عبادت کا نظام قائم کرنے کی بجائے' جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا' حکومت قائم کرنا ٹھہرا ______ ''فٹ نوٹ'' میں سید صاحب نے کھل کر اس خیال کی نفی ان الفاظ میں کی ہے کہ ''بعض'' دیندار بزرگوں'' کی زبان سے یہ فقرا اکثر سننے میں آتا ہے کہ حکومت مقصود نہیں بلکہ موعود ہے (ص۔34) موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کا نظام درہم برہم ہوجانے کے بعد اسی جاہلیت نے مرضِ سرطان کی طرح اجتماعی زندگی کو اسلام کی بجائے جاہلیت پر قائم کردیا۔

جاہلی امارت کی مسند اور جاہلی سیاست کی رہنمائی پر ''مسلمانوں'' کا جلوہ افروز ہونا' جاہلی تعلیم کے مدرسے میں ''مسلمان کا معلم ہونا' جاہلیت کے سجادہ پر ''مسلمان'' کا مرشد بن کر بیٹھنا وہ زبردست دھوکہ ہے جس کے فریب میں آنے سے کم ہی لوگ بچ سکتے ہیں۔ اس معکوس انقلاب میں اسلام کا نقاب اوڑھ کر تینوں قسم کی جاہلیتوں نے اپنی جڑیں پھیلانی شروع کردیں۔ جاہلیت خالصہ کا تسلط جما' نام خلافت کا تھا (2) جاہلیت مشرکانہ : دوسری قسم کی جاہلیت کا تعارف سید صاحب نے کچھ اس طرح سے کرایا: ''انبیاء علیھم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد قہار کی خدائی کے قائل ہو گئے وہاں سے خداؤں کی دوسری اقسام تو رخصت ہوگئیں مگر انبیاء' اولیاء' شہداء' صالحین' مجازیب' اقطاب' ابدال' علماء' مشائخ ' ظل اللھوں کی خدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ نکالتی ہی رہی _____ مشرکانہ پوجاپاٹ کی جگہ فاتحہ' زیارات' نیاز' نذر' عُرس' صندل چڑھاوے' نشان ' علَم' تعزیے' اور اسی طرح کے دوسرے اعمال کی ایک نئی شریعت تصنیف کر لی گئی _____ اُن کے ہاں اہلکار علانیہ الٰہ' دیوتا' اوتار یا ابن اللہ کہلاتے ہیں۔ اور یہ انہیں غوث' قطب' ابدال' اولیا اور اہل اللہ وغیرہ کے پردوں میں چھپاتے ہیں۔

(3) جاہلیتِ راہبانہ : کے ضمنی عنوان کے تحت فرمایا گیا: نجات کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں کہ اس زندگی کے بکھیڑوں سے قطع تعلق کر لیا جائے _____ اور اپنے اس دشمن نفس وجسم کو مجاہدات و ریاضات کے ذریعے سے اتنی تکلیفیں دی جائیں کہ روح پر اس کا تسلط قائم نہ رہ سکے۔ اس طرح روح ہلکی اور پاک صاف ہو جائے گی۔ اور نجات کے بلند مقامات پر اڑنے کی طاقت حاصل کر لے گی _____ یہ نظریہ بجائے خود غیر تمدنی Anti-Social ہے۔ _____ یوگ' تصوف' مسیحی رہبانیت اور بدھ ازم وغیرہ ناموں سے مشہور ہے _____ جہاں جہاں اس کے اثرات پہنچتے ہیں وہاں افیون اور کوکین کا کام کرتے ہیں'' _____ اس ذہنیت نے انبیاء کی امتوں سے ایک گروہ کو مراقبہ و مکاشفہ' چلہ کشی و ریاضت اور اوراد و وظائف احزاب و اعمال' سیرِ مقامات' اور حقیقت کی فلسفیانہ تعبیروں کے چکر میں ڈال دیا اور مستحبات و نوافل کے التزام میں فرائض سے بھی زیادہ منہمک کر کے خلافتِ الٰہیہ کے اُس کام سے غافل کر دیا جس کو جاری کرنے کے لئے انبیاءؑ آئے تھے (گویا یہ گروہِ صوفیہ ہے) _____ دوسرے گروہ میں تقشف' تعمق

فی الدین، غلو، موشگافی، چھوٹی چھوٹی چیزوں کی ناپ تول اور جزئیات کے ساتھ غیر معمولی اہتمام کی بیماری پیدا کردی (مراد گروہِ زاہدین سے ہے)۔

(4) اسلام: چوتھا مابعد الطبعی نظریہ وہ ہے جسے انبیاءؑ نے پیش کیا ـــــــ گویا کہ پہلے تین نظریات میں شامل کئے گئے صوفیہ، اولیا، زہاد، غوث، قطب، ابدال، مجاذیب، علماء، مشائخ، شہداء، سب اسلام کے مابعد الطبعی نظریہ کے باغی اور خارج از اسلام ٹھہرے کیونکہ وہ جاہلیت کی مختلف صورتوں پر عمل پیرا ہیں۔ ـــــــ ایں چہ بوالعجبیست ؟

سید مودودی کے اس ''کتابچہ'' پر جب شدید تنقید آئی تو موصوف نے جواباً فرمایا:

''تصوف کسی ایک چیز کا نام نہیں ہے بلکہ بہت سی مختلف چیزیں اس نام سے موسوم ہوگئی ہیں ۔ جس تصوف کی ہم تصدیق کرتے ہیں (حالانکہ پہلے تو ہر قسم کا تصوف جاہلیتِ مشرکانہ و جاہلیتِ راہبانہ تھا) وہ اور چیز ہے اور جس تصوف کی ہم تردید کرتے ہیں وہ ایک دوسری چیز ہے اور جس تصوف کی ہم اصلاح چاہتے ہیں وہ ایک تیسری چیز ہے۔ ایک تصوف وہ ہے جو اسلام کے ابتدائی دور کے صوفیہ میں پایا جاتا تھا مثلاً فضیل بن عیاضؒ (م 187ھ) ابراہیم بن ادھمؒ (م 163ھ) معروف کرخیؒ (م 200ھ) وغیرہم رحمہم اللہ'' ـــــــ

واضح رہے کہ ان حضراتِ اقدس کا تصوف بھی اقامتِ دین کے اُس تصور سے کلیتاً مختلف تھا جو سید مودودی کے پیشِ نظر ہے۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم نے تو خود بادشاہت چھوڑ کر فقر اختیار کرلیا تھا ـــــــ علاوہ ازیں موصوف نے اپنے تفصیلی تجزیہ میں تو کسی کو معاف نہیں کیا تھا۔ جن حضرات کو سید مودودی نے مجددین کی صف میں شمار کیا اُن میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، ائمہ اربعہؒ، امام غزالیؒ، شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ شامل ہیں ـــــــ کیا دنیا کا کوئی تاریخ دان یا محقق یہ ثابت کرسکتا ہے کہ ان مجددین میں سے کسی نے (سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے جنہیں زبردستی خلیفہ نامزد کردیا گیا تھا) کبھی حکومتوں پر قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ سید مودودی نے جنہیں مجدد تسلیم بھی کیا اُن پر یہ ناروا اور انتہائی غیر سنجیدہ اور غیر معقول تنقید کرنا بھی مناسب سمجھی کہ: ''شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادوں نے علماءِ حق اور صالحین کی جو عظیم القدر جماعت پیدا کی اس (تصوف) کے لباس میں مسلمانوں کو افیون کا چسکا لگایا گیا اور اس کے قریب جاتے ہی ان مزمن مریضوں کو پھر وہی چنیا بیگم یاد آجاتی ہے ـــــــ'' (ص،120)

سوال یہ ہے کہ امام' اولیاء' اہل اللہ' نقباء' صالحین' صدیقین' زہاد' شہداء' متقین' مفلحین و فائزین' ہدایت یافتہ لوگ کیا قرآن حکیم اور سنتِ طیبہ میں دیئے گئے خطابات نہیں؟ اگر ہیں تو پھر ان کا مذاق اُڑانے کا کسی مسلمان کو حق حاصل نہیں؟ گذشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں نہیں لاکھوں ایسے اہل اللہ اور صلحائے اُمت ہو گزرے ہیں جن کو اُن خطابات سے پکارا گیا' جن پر سید مودودی نے نہایت بھونڈے انداز میں تنقید کی' لیکن کبھی کسی مصلح ہونے کے دعویدار نے آج تک یہ جسارت نہیں کی کہ ان اہل اللہ کو کفار و مشرکین کے پروہتوں' پنڈتوں' پوپوں اور مہنتوں کے ساتھ گڈ مڈ کر کے ان کے خلاف نفرت پھیلائی ہو۔ سید مودودی کا کیا یہ "کمالِ انشاپردازی" نہیں کہ انہوں نے اسلام کی ترویج و ترقی اور اشاعتِ دین و دعوتِ ایمان کے مقاصدِ مطلوب کے لئے فقر کو سینوں سے لگانے والے ان مجاہدین کی حیثیت و مقام اور کارناموں کو کفار و مشرکین سے مشابہت دے کر انہیں اُمتِ مسلمہ کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی ہو۔ تاہم اس باب میں ہم نے جن عنوانات کے تحت صلحائے اُمت کے کارناموں کو اُجاگر کرنے اور ناقدین کی غیر معقول روش کو واضح کرنے کی کوشش کی وہ یہ ہیں: O سید مودودی بمقابلہ شاہ اسمٰعیل O تاریخ دعوت و عزیمت (از مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ) میں نامور مصلحین اور ممتاز اصحابِ دعوت و عزیمت کا تعارف۔ "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے احیاء کی کوششیں (گذشتہ چودہ سو برس کی تاریخ کے آئینہ میں) مجددین اور تحریک سیّدین پر چنیا بیگم کی پھبتی O انبیاء کا اصل کام کیا سیاسی انقلاب تھا؟ O حضرت امام المہدیؑ کی آمد اور تجدید و احیائے دین O خلافت الامام المہدیؑ O مولانا ابوالکلام اور مسئلہ خلافت' منصبِ نبوت کی نیابت کے کامل معانی' O ڈاکٹر اسرار احمد کا نظریہ خلافت O ڈاکٹر اسرار کی فکر و نظر کے مغالطے O تاریخ شاہد ہے کہ مجدّدین نے حکومتوں پر قبضہ کی کبھی کوشش نہیں کی O تجدّد پسند علماء کی متضاد روش ـــــ ایک المیہ O مولانا امین احسن اصلاحی اور تزکیۂ نفس O مولانا اصلاحی کی تزکیۂ نفس اور امام غزالی کی کیمیائے سعادت O صوفیائے کرام کے کارنامے بحوالہ چشتی کی تاریخِ تصوف O مولانا اصلاحی کی تصوف سے بیزاری میں کمی O مولانا مودودی کا تصوف کی طرف جھکاؤ O چیف جسٹس شمیم حسین قادری مرحوم کی مولانا مودودی کے فکر و نظر میں تبدیلی سے متعلق شہادت O مولانا مودودی کی تزکیۂ نفس پر استفادہ کی تمنا O شاہ عبد الغفور عباسی قدس سرہ کا مولانا مودودیؒ کے نام خط

(تفصیلات کے لئے متعلقہ باب کا مطالعہ انشاء اللہ شافی و کافی اور معلومات افزا ہوگا۔ مؤلف)

باب 13: ''تصوّف کا ماخذ اور قرآن سے اس کا جواز''

(علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے فکر و نظر کی روشنی میں)

ہم نے یہ عنوان حضرت علامہ کے مقالہ "The Development of Melaphysics in Persia" کے پانچویں باب کے عنوان سے مستعار لیا ہے۔ حضرتِ علامہؒ نے یہ مقالہ ڈاکٹریٹ کے لئے پیش کئے گئے "Thesis" کے طور پر لکھا تھا۔ بعد ازاں 1927ء میں میر حسن الدین نے حضرت علامہ کی اجازت سے اس کا اردو ترجمہ ''ایران میں ما بعد الطبیعیات کا ارتقاء'' کی بجائے ''فلسفۂ عجم'' کے عنوان سے کیا۔ حضرت علامہؒ مذکورہ عنوان کے تحت باب پنجم میں فیصلہ کن انداز میں تسلیم کرتے ہیں کہ ''ذہنِ انسانی اپنی ایک مستقل انفرادیت رکھتا ہے اور خود بخود اپنے اندر سے ایسی صداقتوں کو نمو دے سکتا ہے جن کی صدیوں پہلے دوسرے اذہان نے بھی پیش بینی کی ہو۔ کوئی تصور کسی قوم کی روح میں جاگزیں نہیں ہوسکتا' تاوقتیکہ وہ ایک لحاظ سے خود اس قوم کا اپنا تصور نہ ہو۔ خارجی مؤثرات ان تصورات کو گہری غیر شعوری نیند سے بیدار کرسکتے ہیں لیکن وہ کسی طرح عدم محض سے اس کو وجود میں نہیں لاسکتے'' ____ گویا کہ حضرت علامہؒ کے اس فکر و نظر کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو تصوّف کو ہم کلیتاً خارجی مؤثرات کا نتیجہ قرار نہیں دے سکتے۔ اور ہم پورے تحکم اور یقینِ کامل کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تصوّف کی نشوونما ہی اسلام کے ابدی اُصولوں کے تحت نہیں ہوئی بلکہ اس کی ابتداء بھی مسلمان صلحاء و اصفیاء کے اذہانِ رساء کی مرہونِ منت ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت علامہؒ قرآنِ حکیم سے اس کا جواز کبھی پیش نہ کرتے۔ جہاں تک ''فلسفۂ عجم'' کے مکمل مندرجات کا تعلق ہے تو مترجم خود کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ''1927ء میں علامہ اقبالؒ سے اس ناچیز نے جب ترجمہ شائع کرنے کی اجازت چاہی تو علامہ موصوف نے ازراہ کرم اس سے مشروط اتفاق کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ ''یہ کتاب اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے نئے امور کا انکشاف ہوا ہے اور خود میرے خیالات میں بھی بہت سا انقلاب آچکا ہے۔ جرمن زبان میں امام غزالیؒ ' طوسی' وغیرہ پر علیحدہ کتابیں لکھی گئی ہیں جو میری تحریر کے وقت موجود نہ

تھیں۔ میرے خیال میں اب اس کتاب کا صرف تھوڑا سا حصہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے گا'' ـــــ تاہم ـــــ ''تصوف کے موضوع پر میں نے زیادہ سائنٹفک طریقے سے بحث کی ہے اور ان ذہنی حالات و شرائط کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی ہے جو اس قسم کے واقعے کو معرضِ ظہور میں لے آتے ہیں ـــــ میں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تصوف ان مختلف عقلی و اخلاقی قوتوں کے باہمی عمل واثر کا لازمی نتیجہ ہے جو ایک خوابیدہ روح کو بیدار کر کے زندگی کے اعلیٰ ترین نصب العین کی طرف راہنمائی کرتی ہے''۔

ناچیز مؤلف کے نزدیک امر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں صوفیانہ نظریات تو پہلے سے موجود تھے' یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ پوری آب و تاب کے ساتھ نبوت کے فرائضِ پنجگانہ کو خلافتِ راشدہ کے منہدم ہو جانے کے بعد بھی پوری ذمہ داری سے سنبھالے رہے۔ فتنوں کا فلڈ گیٹ کھلنے کے ساتھ ہی انہوں نے عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی جس کی واضح تاکید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما رکھی تھی۔ لیکن دین میں جب یونانی فلسفہ کے تراجم آجانے سے فسادِ فکر و نظر پیدا ہوتا نظر آیا تو وہ مجبوراً گمراہ عقائد اور علمی فتنوں کے ابطال کے لئے باقاعدہ میدانِ عمل میں اُتر آئے۔ یہی وہ دور ہے کہ جب انہوں نے صوفیانہ فکر و نظر کو باقاعدہ ترتیب دے کر پیش کرنا شروع کیا۔ حضرت علامہؒ نے ''فلسفۂ عجم'' کے زیرِ نظر باب پنجم میں اسی تاریخی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے کہ خلیفہ المامون کے دور میں مختلف فرقوں کے مسالک سے وابستہ نمائندوں کے مابین مذہبی مناظرے ہوا کرتے تھے۔ جن میں خاص طور پر قابلِ ذکر وہ تلخ دینیاتی مناقشہ (خلقِ قرآن) ہے جو اشاعرہ اور علم بردارانِ عقلیت (معتزلہ) کے مابین ہوا تھا۔ علاوہ ازیں دورِ عباسیہ کے ابتدائی زمانے میں عقلیت کے میلان کے اثر سے مذہبی جوش بتدریج ٹھنڈا ہونے لگا اور دولت کی روز افزوں فراوانی سے اخلاقی احساس دبتا گیا اور مسلمانوں کے اعلیٰ طبقوں میں مذہبی زندگی سے بے اعتنائی برتی جانے لگی۔ (غالباً ایسے ہی حالات سے آج وطنِ عزیز پاکستان بھی دوچار ہے ـــــ مؤلف) تصوف کی نشوونما کے لئے یہ فضا بہت سازگار تھی۔ تاہم اس تجزیہ کے علی الرغم حضرتِ علامہ جدید مستشرقین سے اتفاق نہیں کرتے جیسا کہ فان کریمر اور ڈوزی نے ایران میں تصوف کے نظریات کا مآخذ ہندو ویدانت کو ٹھہرایا تھا

نکلسن اس کونو فلاطونیت سے ماخوذ سمجھتا تھا جب کہ پروفیسر براؤن کا خیال تھا کہ یہ غیر جذبی سامی مذہب کے خلاف آریائی ردِ عمل ہے۔ حضرت علامہؒ ان سب کے خلاف کہتے ہیں کہ یہ سب قطعاً غلط ہیں۔ اقبال کے نزدیک ہندوویدانتی اور صوفی کے نظریات میں زبردست اختلاف ہے (صفحہ:142) اقبال کی حتمی رائے ہے کہ صوفیہ' تصوف کا جواز قرآنِ حکیم سے پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام ﷺ کے ذریعے قرآن ہی میں ایک روحانی تعلیم (حکمت) کا بھی اہتمام کر رکھا ہے جیسا کہ فرمایا گیا: ○ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ (2۔البقرۃ:151)

ترجمہ: ''جیسا کہ ہم نے ایک رسولؐ بھیجا تم ہی میں سے تا کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرے اور تمہارے نفس کا تزکیہ کرے اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور تمہیں وہ تعلیم دے جس کا تمہیں علم نہیں''۔

حضرتِ علامہؒ کہتے ہیں کہ ''میرے خیال میں یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ قرآن اور احادیثِ صحیحہ میں صوفیانہ نظریہ کی طرف اشارات موجود ہیں۔''(ص: 145)۔ مؤلف کتاب ھذا عرض پرداز ہے کہ یہی وہ نبوت کے فرائض پنجگانہ ہیں جن کا اس کتاب میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔'' اور وہ تعلیم جس کا ہمیں علم نہیں'' ____ سے مراد علم لدُنی ہے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں واضح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

○ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ (الکہف:65)

ترجمہ: ''اور ہم نے سکھلایا تھا اُسے اپنے پاس سے (خاص علم)۔

حضرت علامہ نے صوفیانہ نظریات کو قرآن حکیم سے ثابت کرنے کے لئے مزید جن آیات کا حوالہ دیا وہ ہیں ''مسلم'' کی تعریف کے ضمن میں (2۔البقرۃ:3) علم غیب کے بارے میں (51، الذاریات:21) قربِ الٰہی سے متعلق (50۔ق:15) غیب کی اصلی ماہیت کے ضمن میں (24۔النور:35) اللہ تعالیٰ کے بے مثال ہونے کے بارے میں (42۔الشوریٰ:11) تفصیلات کے لئے متعلقہ باب ملاحظہ ہو۔ حضرت علامہ کے نزدیک

درج بالا آیات خصوصیت کے ساتھ صوفی نظریات کی تشریح و توضیح کے ضمن میں بیان کی جاتی ہیں۔ صوفیہ' روحانی تربیت کی چار منازل بیان کرتے ہوئے درج ذیل آیات کا حوالہ دیتے ہیں: روح کی حقیقت بیان کرنے کے لئے سورۃ الاسراء: 87۔ علم بالغیب اور غیب کی جستجو کے ضمن میں صورۃ الغاشیہ: 17 تا 19۔ اعلیٰ درجہ کے تصوف کے لئے عدل و احسان کی مسلسل مشق کے سلسلے میں سورۃ النحل" 92۔

حضرت علامہ" کے مقالہ ''فلسفہ عجم'' کے درج بالا اقتباسات سے اُن کا تصوف کے بارے میں مثبت طرز عمل متعین کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

حضرت علامہ" یونانی فلسفہ و منطق پر بھی تنقید میں صوفیہ کے ہم خیال ہیں اور یونانی فلسفہ و کلام کی خامیوں کو بے نقاب کرنے کے لئے لکھی گئی حضرت شہاب الدین سہرودی" کی ایک کتاب کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ حضرت علامہ" کے نزدیک یونانی فلسفے میں تصوف کی آمیزش تو ہوئی جبکہ تصوف کے نظریات میں یونانی' ایرانی یا ہندی طریق تزکیہ نفس کی آمیزش کو ثابت کرنا انتہائی لغو اور بیہودہ دکھائی دیتا ہے۔

حضرتِ علامہ" 1915ء سے 1919ء کے درمیانی عرصے میں ایک مستقل کتاب ''تاریخ تصوف'' لکھنے میں بھی کوشاں رہے لیکن بعض اہل علم کی طرف سے ''شدید ردِعمل'' اور تصوف کے موضوع پر مستند کتب فراہم نہ ہونے کے باعث وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کتاب کے وہ صرف دو باب ہی لکھ سکے اور دیگر ابواب کے لئے کچھ مواد اکٹھا کر پائے تھے کہ اسی ضمن میں بعض جرائد میں اُن کے شائع شدہ مضامین کے بارے میں خواجہ حسن نظامی" کی طرف سے حافظ شیرازی" کے اشعار سے متعلق حضرت علامہ" کے افکار پر کڑی گرفت کی گئی۔ چنانچہ اُس دور کے بعض معروف علماء نے ان اختلافی بحثوں کو ختم کرانے میں بھرپور مصالحتی کردار انجام دیا۔ تفصیلات متعلقہ باب میں ملاحظہ ہوں تاہم حضرتِ علامہ نے اس اختلافی بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھا:

''تصوف کے مقاصد سے مجھے کیونکر اختلاف ہو سکتا ہے۔ کوئی مسلمان ہے جو ان لوگوں کو برا سمجھے جن کا نصب العین محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو ذاتِ باری سے تعلق پیدا کر کے اپنے اور دوسروں کے ایمان کی

پختگی کا باعث ہوتے ہیں۔ اگر میں تصوف کا مخالف ہوتا تو مثنوی میں ان کی حکایات و معقولات سے استدلال نہ کرتا۔"

قارئین کرام! تصوف کی مخالفت یوں تو اسلام کے اوائل ہی کی ایک دو صدیوں کے عرصہ سے چلی آ رہی ہے۔ اہم مخالفین میں امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن الجوزی کے نام سرفہرست ہیں لیکن دورِ حاضر میں اس کی مخالفت کے آغاز کا سہرا صاحب تفہیم القرآن مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کے سر پر سجا نظر آتا ہے۔ اسی اثنا میں صاحبِ تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی بھی اس کاروانِ مخالفت میں شامل ہو گئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد چونکہ مولانا مودودی ہی کے فکری وارث اور قرآن فہمی میں مولانا اصلاحی کے اُستاد مولانا حمید الدین فراہی کے مکتبِ فکر و نظر کے حامل ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے اس لئے موصوف نے بھی تصوف کی مخالفت کو ہی عوام الناس میں متعارف ہونے کا ذریعہ بنانا ضروری سمجھا۔

اسی طرح اہلِ اسلام میں جدیدیت کے ایک اور علمبردار جاوید احمد غامدی بھی مولانا اصلاحی ہی کو اپنا استاد تسلیم کرتے ہوئے میدان میں اُتر آئے۔ لیکن ان حضرات کے ایک اور ہمعصر مسٹر غلام احمد پرویز بٹالوی بھی مخالفینِ تصوف میں "پانچویں سوار" کے طور پر اپنی منفرد مبغوض حیثیت میں موجود نظر آتے ہیں کہ جو ایک طرف اپنے فکر و نظر کو حضرت علامہ اقبالؒ کی قرآن فہمی کا فیضان و بروز تسلیم کرتے ہیں لیکن دوسری طرف حضرت علامہؒ کی نثری تحریروں (مثلاً تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ وغیرہ) اور منظوم اردو فارسی کلام کو شدید تنقید و تجر کا نشانہ بناتے ہوئے اپنی علمی و فکری درشتی و کرختگی کے اظہار کو اپنا کارنامہ خیال کرتے ہیں۔

عصرِ حاضر میں اہلِ علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مسٹر غلام احمد پرویز نے سرسید احمد خان کے افکار ہی کی بنیاد پر ایک نئے دین کو فروغ دیا اور اس کے لئے علمی اساس فراہم کرنے کی کوشش کی جس کے باعث اہلِ اسلام کے جملہ مسالک کے علماء نے متفقہ طور پر مسٹر پرویز کو منکرِ حدیث و سنت قرار دے کر موصوف کی تکفیر کا فتویٰ جاری کیا۔ پرویز صاحب کی کتب کا قریب پینتیس (35) برس تک ایک طالب علم کی حیثیت سے گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اُن کے فکر و نظر سے شدید اختلاف کرنے والے ایک صاحبِ علم و مطالعہ جناب شکیل عثمانی اپنی حالیہ تحریر میں لکھتے ہیں کہ پرویز صاحب کی فکر میں پائی جانے والی

سب سے بڑی ضلالت یہ ہے کہ وہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کا دوسرا ماخذ تسلیم نہیں کرتے۔ نیز یہ کہ پرویز صاحب کے انداز ترجمانی وتفسیر پر اُن کے ایک فکری ہم سفر خواجہ احمد الدین امرتسری کے جانشین اور ماہنامہ بلاغ امرتسر کے ایڈیٹر علامہ محمد حسین عرشی امرتسری کے دوست اور ممتاز دانشور حکیم محمد موسیٰ امرتسری ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:

''میرے اور عرشی صاحب کے درمیان ایک دو بار دورانِ گفتگو غلام احمد پرویز صاحب کا ذکر چلا تو عرشی صاحب نے فرمایا: اگر شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا صرف ترجمہ قرآن الگ کر کے کسی عربی دان کو کہا جائے کہ اس کا عربی میں ترجمہ کرو تو وہ جو کچھ بھی ترجمہ کرے گا وہ قریب قریب قرآن کے مفہوم کے مطابق ہوگا۔ مگر پرویز صاحب کے ترجمے کا اگر عربی میں ترجمہ کرایا جائے تو کچھ اور ہی کتاب تیار ہو جائے گی اور اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہ ہوگا''۔

حضرت علامہ اقبالؒ کی نگاہ میں قرآن کی عظمت اور فضیلت کو مسلم تسلیم کرتے ہوئے مسٹر پرویز خاص طور پر حضرت علامہؒ کی پہلی مثنوی (اسرار و رموز) کے آخر میں بحضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم منظوم عرضداشت کو بطور شہادت پیش کرتے ہیں:

(26) گر دلم آئینہ بے جوہر است — در بحر فم غیر قرآں مضمر است
(27) اے فروغت صبح اعصار و دہور — چشم تو بینندۂ ما فی الصدور
(28) پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن — ایں خیاباں راز خارم پاک کن
(29) تنگ کن رختِ حیات اندر برم — اہلِ ملت رانگہدار از شرم
(30) سبز کشتِ نا بسامانم مکن — بہر گیر از ابرِ نیسانم مکن
(31) خشک گرداں بادہ درانگور من — زہر ریز اند مئے کافورِ من
(32) روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا — بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

(عرض حال مصنف بحضور رحمۃ للعلمینؐ ـــــــ کل 37 اشعار پر مشتمل یہ طویل نظم ہے جس میں سے سات اشعار یہاں نقل کئے گئے ہیں)

ترجمانی: اگرچہ میرے دل کا آئینہ بے جوہر ہے (خصوصیت کے ساتھ اُس وقت کہ جب) میرے اشعار میں قرآن پاک کے سوا کسی دوسری چیز (کی تعلیم) پوشیدہ ہو۔ یعنی قرآن پاک کی تعلیم و تلقین میری شاعری کا حقیقی مقصود ہے (27) آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور زمانوں کی صبح ہے یعنی زمانوں کی شمعِ ہدایت سے منور کرنے کا سبب ہے۔ اور آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی (روحانی) آنکھ سینے کے رازوں کو دیکھنے والی ہے۔ یعنی یہ کہ شاعر کے دل و دماغ میں اس کلام کا جو مقصود ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتا (28) (اگر میری نیت میں کچھ فتور ہے یعنی قرآن پاک کی تعلیم و تلقین کے علاوہ کسی قسم کی شہرت یا دنیاوی فائدہ میرے پیشِ نظر ہے تو) آپ (حضورؐ) میرے افکار کے ناموس کا پردہ چاک فرما دیجئے اور اس جہاں کو میرے کانٹے (یعنی وجود) سے پاک کر دیجئے۔ یعنی اگر میں قرآن پاک کی تعلیمات سے ہٹ کر کچھ بھی بیان کروں تو لوگ اُس کو بخوبی جان لیں اور میری بات ماننے سے انکار کر دیں۔ (29) (اگر قرآن پاک کی تعلیم کے فروغ کے علاوہ میرا کچھ بھی مقصود ہو تو) میرے وجود پر زندگی کا لباس تنگ کر دیجئے اور اہلِ ملت کو میری شاعری کی آفت سے محفوظ رکھیئے۔ (30) (قرآن پاک کی تعلیمات کے علاوہ اگر میں کچھ اور پیغام دینا چاہوں تو) میری تمام شاعری کا سرسبز و لہلہاتا کھیت ویران ہو جائے اور ابر بہار سے میری شاعری کی کھیتی بے شک محروم رہے۔ (31) (میری شاعری کو اگر انگوروں کا باغ اور انگور سے پیدا ہونے والے مشروب کی مستی و سرور قرار دیا جائے تو) میرے انگور کے اندر شراب کو خشک کر دیجئے۔ اور میری کافوری شراب کے اندر زہر ڈال دیجئے یعنی ایسی شاعری سے بہتر ہے مجھے موت آ جائے۔ (32) موت کے بعد مجھے ذلیل و رسوا کر دیجئے (اللہ معاف فرمائے!) ایسی حالت میں مجھے آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے پاؤں کے بوسے سے محروم فرما دیجئے گا۔

مسٹر پرویز ان اشعار کا حوالہ دینے کے بعد اپنی کتاب "تصوف کی حقیقت" کے حصہ دوم بعنوان "اقبال اور تصوف" میں حضرت علامہؒ کے ان پرعزم و پراعتماد الفاظ کے پس پردہ نتائج کو جگر پاش اور قلب سوز قرار دیتے ہوئے شدید حیرت و استعجاب کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ " میں تو اکثر سوچا کرتا ہوں کہ ان میں ہمت کیسے پیدا ہوگئی کہ

(حضرتِ علامہ نے کہہ دیا:)

روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا　　　بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

ہم سمجھتے ہیں کہ دراصل یہ الفاظ حضرتِ علامہؒ کے اپنے فکر و نظر کی حقانیت پر حق الیقین کی حد تک پختہ شہادت کے مظہر ہیں۔ مسٹر پرویز نے بڑی محنت کے ساتھ حضرت علامہؒ کے پورے کلام سے چن چن کر درجنوں ایسے اشعار کی نشاندہی کی ہے جن کا مرکزی خیال قرآن حکیم کی عظمتِ شان کا بیان و اقرار ہے۔ مثنوی اسرار و رموز کے علاوہ حضرتِ علامہؒ کی دیگر کتب مثلاً جاوید نامہ، مثنوی مسافر اور ارمغانِ حجاز وغیرہ سے بے شمار اشعار کا حوالہ دینے کے بعد مسٹر پرویز نے تسلیم کیا ہے کہ "مجھ پر (حضرت علامہؒ کا) خصوصی احسان ہے کہ میں نے قرآن کو سمجھنا ان ہی سے سیکھا ہے۔ اور میں گذشتہ قریب پچاس سال سے قرآن کریم کو جس انداز میں پیش کئے چلا آ رہا ہوں یہ انہی کے فیضان کا اثر ہے۔"

"میرے نزدیک علامہ اقبالؒ عظیم مفکرِ قرآن ہیں لیکن وہ بالآخر انسان تھے (نبی نہیں تھے) اس لئے (تصوف کے نظریات وعقائد کے بارے میں) ان سے سہو وخطا کا امکان بھی تھا۔"

"علامہ اقبالؒ نے اپنی فکر کا سر چشمہ قرآن قرار دیا لیکن جب وہ تصوف کی دنیا میں پہنچے تو ان کے ہاں بھی تضادات در آئے جس سے اُن کے پیغام اور رجعت الی القرآن کی دعوت کو بڑا نقصان پہنچا۔____ آگے چل کر مسٹر پرویز نے مزید لکھا: اگر وہ (حضرت علامہؒ) فکرِ قرآنی کے متعلق ایک کتاب بھی نثر میں تصنیف فرما جاتے جیسا کہ ان کا ارادہ تھا____ تو ملت کے لئے بیش بہا سرمایہ اور اسلام کو دنیا کے سامنے صحیح شکل میں پیش کرنے کا بے مثال ذریعہ ہوتی"۔

مؤلف کتاب ہٰذا عرض پرداز ہے کہ معلوم نہیں پرویز صاحب قرآنی فکر کے بارے میں کس قسم کی کتاب نثر میں لکھنے کی حضرت علامہؒ سے توقع رکھتے تھے۔ حضرت علامہؒ نے سب سے پہلے انگریزی زبان میں جو نثری کتاب لکھی (اگر چہ وہ پی ایچ ڈی کے لئے لکھا گیا مقالہ تھا) اُس کا ترجمہ "فلسفۂ عجم" کے عنوان سے میر حسن الدین ایڈووکیٹ نے حضرت علامہ کے اجازت سے کیا لیکن کتاب 1936ء میں شائع ہو سکی۔ ازاں بعد حضرتِ علامہ نے فلسفۂ تصوف کے عنوان سے کتاب مرتب کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس کے دو ابواب لکھے بھی گئے اور دیگر ابواب کے اہم نکات بھی اکٹھے کر لئے گئے۔ ہر دو

کتب میں ایک بات مشترک ہے کہ حضرت علامہؒ نے قرآنی آیات اور محکم دلائل سے ثابت کیا کہ تصوف کا ماٰخذ قرآن اور مسلمانوں کے اپنے افکار و نظریات و روایات کے سوا کوئی اور تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ہر دو کتب کے بارے میں دیگر حقائق و خصائص جاننے کے لئے زیر نظر باب کا تفصیلی مطالعہ ضروری ہوگا۔ تیسری کتاب حضرت علامہؒ کے انگریزی خطبات بعنوان ''Reconstruction of Religious thougt in Islam'' کا اردو ترجمہ بعنوان ''تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' سید نذیر نیازی نے کیا۔ اس کتاب کے مباحث یقیناً بہت دقیق اور پیچیدہ ہیں لیکن بلا شبہ اپنے اندر ایک اجتہادی شان رکھتے ہیں۔ موخر الذکر کتاب پر تبصرہ سے قبل اور مابعد پرویز صاحب نے جس واہیات انداز میں گمراہ کن، بیہودہ اور لغو تمہید باندھی اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر پرویز کے نزدیک اپنی عقلی توجیہات مبنی بر علم بالحواس کے گمراہ کن فلسفے کی روشنی میں حضرتِ علامہؒ کے علم و عرفان بالقرآن کے فکر و فلسفے کو باطل ثابت کرنا مقصودِ اصلی ہے۔

علم بالحواس سے مراد اگر مخبوط الحواس ہونا اور تواتر سے دینِ متین کی مسلمہ اور ثابت شدہ روایات اور اعلیٰ مذہبی اقدار اور ٹھوس طے شدہ معمولاتِ روحانی و اخلاقِ فاضلہ کا مذاق اُڑانا قرار پائے اور اُسے حاصلِ زیست سمجھا جائے تو یہ ''عظمت و سربلندی'' مسٹر پرویز کی واحد میراث تسلیم کرنا پڑے گی۔ اتھاہ اندھیاروں کو روشنی اور نور ثابت کرنا اور اس سے معصوم لوگوں کی بصیرت کو اندھا کر ڈالنے کا فن کوئی اس غارت گرِ عقل و فکر اور ازلی و ابدی محروم انسان سے پوچھے ____ جو اپنی محفلوں میں خود اپنی محرومی پر مگر مچھ کے آنسو بہانا تو جانتا تھا لیکن اپنا دامنِ تار تار رفو کرنے پر کبھی آمادہ نہ ہوسکا لیکن کوئی سلیم الفطرت انسان اس کی گمراہ کن فکر و نظر کے جال میں پھنس کر اپنا ایمان غارت نہیں کر سکتا۔ الزام تراشنا' ایجاد کرنا اور اسے مخالف پر ٹھونس کر خلافِ قرآن و اسلام ثابت کرنا' مسٹر پرویز کی لچھے دار تحریروں کا کمال تھا۔ مزید بد بختی یہ کہ قرآن کا ترجمہ اور مفہوم بھی اپنے ''الزام تراشیدہ'' کے حق میں ڈالنے کے فن میں بھی موصوف کو کمال حاصل تھا۔ حضرتِ علامہ نے کیا خوب فرمایا تھا!

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن!
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن!
بندۂ تخمین و ظن! کرمِ کتابی نہ بن!

عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات!
علم مقام صفات، عشق تماشائے ذات!
عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات

علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب!

''علامہ کی زندگی کا نیا باب'' کے عنوان سے مسٹر پرویز نے لکھاؒ:

''اسلام' خدا پر ایمان کا مطالبہ کرتا ہے' عرفان (معرفت) کا نہیں اور ایمان' خدا کے بیان کردہ حقائق پر (جو قرآن مجید میں مذکور و محفوظ ہیں) علمی اور عقلی طور پر غور و فکر سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس تصوف' نہ صرف ذاتِ خداوندی کی معرفت کا مدعی ہوتا ہے بلکہ وہ اس کا بھی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اس ذات کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ بلکہ اس سے ملاقات بھی''۔

اندازہ فرمایا آپ نے کہ مسٹر پرویز نے کیا کہا؟؟؟ حضرتِ علامہؒ نے ''تربیت'' کے عنوان سے ''ضرب کلیم'' میں غالباً ایسی ہی فکری و عقلی الجھنوں کے پیش نظر فرمایا تھا:

زندگی کچھ اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے — زندگی سوزِ جگر ہے، علم ہے سوزِ دماغ!
علم میں دولت بھی ہے قدرت بھی ہے لذت بھی ہے — ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نہیں اپنا سراغ!
اہلِ دانش عام ہیں کم یاب ہیں اہلِ نظر — کیا عجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا ایاغ!
شیخ مکتب کے طریقوں سے کشادِ دل کہاں — کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ!

دلچسپ امر ہے کہ پرویز صاحب خود بھی اپنے ہی پیدا کردہ خلجان کا جواب اگلے پیراگراف میں ان الفاظ میں دیتے ہیں:

''عرفان یا مشاہدہ ذاتِ خداوندی کا مفہوم کیا ہے' اسے صوفیاء کے نزدیک الفاظ میں بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ: ''ذوقِ ایں بادہ نہ دانی' بخدا! تانہ چشی''۔
مسٹر پرویز ازاں بعد اس کیفیت کی Religious Experience سے تعبیر کرتے ہوئے اسے دین کی ضد قرار دیتے ہیں اور اپنے موقف کی تائید' وضاحت اور صراحت کے

لئے ''روزگارِ فقیر'' کے مؤلف کا پروفیسر یوسف سلیم چشتی (مرحوم) کو بیان کردہ ایک چشم دید واقعہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ روزگارِ فقیر کے مؤلف (1924ء میں) حضرتِ علامہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے پوچھا کہ '' ہم ذاتِ باری تعالیٰ کے وجود کو کیسے ثابت کریں؟'' انہوں نے جواب میں فرمایا:

''عقلی دلائل کی مدد سے واجب الوجود کا اثبات نہیں ہوسکتا۔ اس کے اثبات کا طریقہ باطنی مشاہدہ ہے۔ خدا شناسی کا ذریعہ خرد نہیں عشق ہے۔'' (روزگارِ فقیر جلد اول ص۔177)۔
روزگارِ فقیر کی جلد دوم میں ص۔90 پر نیز یہ بیان کیا گیا کہ 1926ء میں ایک دفعہ محترم ممتاز حسن (مرحوم) نے علامہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے کہا کہ فلسفہ کی رو سے تو خدا کی ہستی کا ثبوت بہم پہنچانا مشکل ہے' اس کا اور ثبوت کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضرتِ علامہؒ نے انگریزی میں فرمایا: '' I have seen him ; There are moments in a man's life when he can experience God" ___Such moments are , however, rare " he added, a little later, very rare ; no one is shutout , but he who wants the experience has to wait for it ''

مسٹر پرویز یہ واقعات بیان کرنے کے بعد حضرت علامہؒ کی نثری تصنیف' جو 1928ء میں دیئے گئے لیکچرز کا مجموعہ ہے' اور عالمگیر شہرت رکھتی ہے' کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کتاب کا عنوان انگریزی اور اردو میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ تاہم پہلے لیکچر کا عنوان ہے: "Knowledge and Religious Experience"(یعنی علم اور مذہبی مشاہدات)۔

مسٹر پرویز لکھتے ہیں: '' یہ عنوان ہی اس انقلاب کا آئینہ دار ہے جو علامہ کی فکر میں پیدا ہو چکا تھا۔ دین اور تصوف کی جنگ کی بناء مخاصمت ہی یہ ہے کہ دین کا مدار علم (Knowledge) پر ہے اور تصوف کا مدار Experience(مشاہدے) پر ہے___ سید نذیر نیازی صاحب کا خیال ہے کہ Experience سے مراد خاصۂ نبوت ہے اسی لئے حضرتِ علامہ کی رائے تھی کہ اس خطبہ کا عنوان '' علم بالحواس اور علم بالوحی ہونا چاہئے۔ اس عنوان سے بات واضح ہو جاتی ہے لیکن اگر علم بالوحی کو Religous

Experience کہا جائے۔ تو اس سے وحی کی ماہیت ہی بدل جاتی ہے۔ وہ کلامِ خداوندی ہونے کی بجائے نبی کے اپنے مکاشفات قرار پاجاتا ہے اور اس طرح نبی اور ولی میں کوئی فرق ہی نہیں رہتا۔''

حضرت علامہؒ نے ''وحی'' کے عنوان سے ''ضربِ کلیم'' میں چند اشعار میں درج بالا تجزیہ کار کے فکرِ بے نور پر کچھ اس طرح سے تبصرہ فرمایا ہے:

عقلِ بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں — راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات!
فکر بے نور ترا' جذبِ عمل بے بنیاد — سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شبِ تارِ حیات!
خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیونکر — گر حیات آپ نہ ہو شارحِ حیات!

اہل علم و عرفان نے انبیاءؑ کے کمالات سے اولیاء اللہ کی مشابہت پانچ امور میں بیان کی ہے (1) فراست سے مردم شناسی (2) امارت سے دشمن کشی کا سلیقہ (3) عدالت سے فیصلے کا سلیقہ (4) حفاظت سے مفسدین، فساد و ملحدین کی رخنہ اندازی کے سدِ باب کا فن (5) نظامت سے مسلمانوں کے حال کی اصلاح اور دین کی خدمت گزاری۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام میں پانچ کمالات خصوصیت سے قابلِ ذکر ہوتے ہیں: (1) وجاہت (2) ولایت (3) بعثت (4) ہدایت (5) سیاستِ ایمان۔ غیر انبیاء میں ان کمالات کا ذکر قرآن مجید سے ثابت ہے رہا وحی کا سوال تو اس سلسلے میں شاہ اسمٰعیل شہید کی کتاب ''منصبِ امامت'' میں مذکور ہے کہ جو انبیاءؑ سے ثابت ہو اُسے وحی کہتے ہیں اور اگر کسی اور سے ثابت ہو اُسے تحدیث کہتے ہیں اور کہیں کتاب اللہ میں مطلق الہام کو وحی کہا گیا ہے' خواہ انبیاءؑ سے ثابت ہو خواہ اولیاء سے۔ یہ الہام مطلق کبھی پردہ غیب سے کلام کی صورت میں نازل ہوتا ہے جیسا ارشادِ خداوندی ہے:

○ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۔ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○
(42۔سورۃ شوریٰ:51)

ترجمہ: ''اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اُس سے بات کرے مگر الہام (ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے کوئی فرشتہ بھیج دے تو اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے القاء کرے۔

بیشک وہ عالی رتبہ (اور) حکمت والا ہے''۔

○ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (28۔القصص:7)

ترجمہ: ہم نے موسیٰ (علیہم السلام) کی ماں کو وحی کی کہ اسے دودھ پلاتی رہ اور جب تجھے اس کی نسبت خوف معلوم ہو تو اسے دریا میں بہا دینا اور کوئی ڈر خوف یا رنج وغم نہ کرنا۔ ہم یقیناً اسے تیری طرف لوٹانے والے ہیں اور اسے رسول بنائیں گے''۔

○ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِىْ وَبِرَسُوْلِىْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ○ (5۔المائدہ:111)

ترجمہ: اور جب ہم نے حواریین پر وحی کی کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ''۔

○ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ○ (18الکہف:86)

ترجمہ: ''ہم نے فرمایا کہ اے ذوالقرنین! یا تو تو انہیں تکلیف پہنچائے یا ان کے بارے میں تو کوئی بہترین روش اختیار کرے۔''

الہام کی نسبت اگر اولیاء اللہ سے ہو تو اُسے نطق سکینہ کہتے ہیں۔ الہام کی ایک قسم فرشتے کے ذریعے بندوں کو اطلاع دینا ہے جیسے سورۃ آل عمران میں آیتِ کریمہ ہے کہ'' جب فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اللہ تجھے ایک کلمے کے ساتھ خوشخبری دیتا ہے کہ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابنِ مریم ہے''۔ الہام کی ایک اور قسم صاحبِ الہام کے دل میں کوئی بات جوش مارتی ہے۔ الہام بذریعہ خواب بھی ہوتا ہے۔ جیسے حضورؐ نے فرمایا ''نیک خواب جو مومن دیکھتا ہے۔ یہاں علم لدُنی کا ذکر بھی ضروری ہے اگرچہ یہ پرویز صاحب جیسے لوگوں کی عقل وفکر سے بہت مادرئی بات ہے۔ جیسے قرآنِ حکیم میں فرمایا گیا:

○ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ (18۔الکہف:65)

ترجمہ: ''پس ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس کی خاص رحمت عطا فرما رکھی تھی اور اسے اپنے پاس سے علم لدُنی (خاص علم) سکھا رکھا تھا۔''

(اس مقام پر عبد سے مراد حضرتِ خضر علیہ السلام ہیں اور صحیح قول کے مطابق وہ منجملہ انبیاء نہ تھے)۔ حکمت اولیا کے بارے میں حضرت لقمانؑ کی مثال قرآن حکیم ہی میں بیان ہوئی ہے ۔ ارشادِ ربانی ہے :

○ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (31۔لقمان:12)

ترجمہ : اور ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی کہ تو اللہ کا شکر کر ۔ ہر شکر کرنے والا اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے ۔ جو بھی ناشکری کرے وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے ۔

درج بالا آیاتِ قرانیہ کی رو سے اگر پرویز صاحب اللہ تعالیٰ کی اُن بیشمار نعمتوں سے خود کو محروم رکھنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے تو اس میں حضرتِ علامہؒ کو تو قصوروار نہیں ٹھہرایا جا سکتا! یہ امر مسلمہ ہے کہ حضرتِ علامہؒ کے مقام و مرتبہ کو سمجھنا پرویز صاحب جیسے روحانیت سے نا بلد' شیطان اور ابوجہل کے چیلوں کے بس کی بات ہی نہ تھی اور نہ ہو سکتی ہے ۔

حضرت علامہؒ نے کیا خوب فرمایا:

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

پرویز صاحب کے نزدیک حضرتِ علامہؒ کے ساتویں خطبہ میں تصوف کھل کر سامنے آ گیا۔ اس خطبے کا عنوان ہے "Is Religion Possible" (جس کا ترجمہ سید نذیر نیازی نے ____ "کیا مذہب کا امکان ہے؟" ____ کیا) اس خطبے کی ابتداء' اس طرح سے ہوتی ہے :

"اجمالاً پوچھئے تو مذہبی زندگی کی تقسیم تین ادوار میں ہو جاتی ہے ۔ اس میں پہلا دور "عقیدہ" (Faith) کا ہے ۔ دوسرا فکر (Thought) کا اور تیسرا کشف یا عرفان (Discovery) کا ____ اس تیسرے دور میں انسان کو یہ آرزو ہوتی ہے کہ وہ حقیقتِ مطلقہ سے براہِ راست اتحاد و اتصال پیدا کرے" پرویز موصوف نے نہایت ہی دیدہ دلیری سے اُن اصطلاحوں کو تبدیل کرنا ضروری سمجھا جو سید نذیر نیازی کے ترجمہ میں استعمال کی گئیں تھیں ۔ یعنی پہلے دور میں "ایمان" کی جگہ "عقیدہ" دوسرے دور میں " فکر اور معرفت " کو صرف "فکر" اور تیسرے دور میں "عرفان حقیقت " کو کشف و عرفان میں

تبدیل کر دیا۔ نیز تیسرے دور میں ''انسان کی آرزو'' مبنی بر ''حقیقت مطلقہ سے اتحاد و اتصال'' مضمون میں کچھ اس طرح سے داخل کیا کہ ایسا کرنے کے جو دلائل و براھین (خصوصاً پہلے اور دوسرے دور سے متعلق بیان کردہ توجیہات کو کلیتاً حذف کرتے ہوئے) حضرتِ علامہؒ نے بیان فرمائے' اُن کا مقصد و مدعا ہی تبدیل ہو کر رہ گیا۔ علاوہ ازیں موصوف نے اپنی طرف سے ایک توجیہہ کو فٹ نوٹ میں دے کر حضرتِ علامہؒ کے الفاظ کو بالکل نئے معانی بھی پہنا دیئے حالانکہ پورے خطبے میں اس نوعیت کی کوئی بات حضرت علامہؒ نے ہرگز نہیں کی تھی۔ موصوف نے اوپر بیان کردہ تین ادوار کو خود ہی ''شریعت''، ''طریقت'' اور ''حقیقت'' کے صوفیانہ مقامات قرار دیتے ہوئے ''جاوید نامہ'' سے حضرتِ علامہؒ کے اُس شعر کا حوالہ دینا ضروری سمجھا کہ جس میں حضرتِ علامہ نے مولانا جلال الدین رومیؒ کی زبان سے یہ کہا تھا کہ:

بر مقام خود رسیدن زندگی است ذات را بے پردہ دیدن زندگی است

ترجمانی: اپنے مقام پر پہنچ جانا زندگی ہے (اور) ذات کو یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنا زندگی ہے یعنی خالق نے انسان کے لئے جو مقام رضائے الٰہی (بقا باللہ) مقرر کر رکھا ہے اُس کی جستجو ہی اُس کا مقصد و مقصود ہونا چاہئے لیکن موصوف نے اس مقامِ تفرید وعظمت کو قرآنی تصریحات کے خلاف قرار دیا تاہم اس سے اگلے شعر میں حضرتِ علامہؒ اپنے مقصد کو مزید خوبصورتی و وضاحت سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مردِ مومن در نسازد با صفات مصطفیٰؐ راضی نہ شد الا بذات

ترجمانی: مردِ مومن صفات کے ساتھ موافقت نہیں کرتا یعنی صفات پر قناعت نہیں کرتا بلکہ صفات کے ذریعے ذات تک پہنچتا ہے۔ (کیا تجھے خبر نہیں کہ؟) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ذات تک پہنچے۔ (یا ذات تک پہنچے بغیر) راضی نہ ہوئے۔ واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔ انہوں نے سدرۃ المنتہیٰ سے آگے قاب قوسین کے انداز میں ذات باری کو اُس طرح سے دیکھا جیسا کہ دیکھا اور کلام بھی کیا۔ مؤلف کتاب ھٰذا عرض پرداز ہے کہ اسی سلسلے کے مزید اشعار کا ذکر دوسرے مقامات پر بھی موجود ہے۔

مسٹر پرویز چونکہ حضرتِ علامہؒ کے اس خطبے کا رُخ پہلی دو تین سطور سے ہی صوفیاء کے مکاشفات کی طرف موڑ چکے تھے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ علامہ کے افکار و نظریات پر کھل

کر تنقید کر سکیں اس لئے موصوف نے اُس گفتگو کا حوالہ دینا بھی ضروری خیال کیا جو محمد حسین عرشی صاحب نے ایک ملاقات (جو 1935ء میں ہوئی) کی روئداد میں اس طرح سے بیان کی ہے:

''اس کے بعد لفظ علم پر گفتگو ہوئی۔ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہماری اکتسابی معلومات کا ذخیرہ۔ ہم خود ہی مخلوقِ الٰہی ہیں اور ہمارے اکتسابی آلاتِ علمیہ ہماری مخلوق۔ یعنی ہمارا علم مخلوق کا مخلوق ہے۔ پس ایسے علم کو علمِ الٰہی سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرا علم وہ ہے جو خواص کو عطا ہوتا ہے۔ وہ بے منتِ کسب، قلب و روح کے اعماق سے ابلتا ہے'' میں نے عرض کیا: اس علم کی کلید کیا ہے؟ فرمایا: ''ارشادِ خداوندی ہے قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا۔ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا۔ اس پر اس علم کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں''۔ میں نے کہا: تزکیہ کا طریق کیا ہے؟ اس پر آپ نے صوفیاء کے بعض مشاغل کی طرف اشارہ کر دیا (ملفوظات محمود نظامی: ص 44)

مسٹر پرویز یہاں سے پلٹ کر پھر پہلے خطبہ سے لئے گئے ایک جملہ کو اپنی توجہ کا مرکز بناتے ہیں، یعنی یہ کہ:

''جہاں تک حصولِ علم کا تعلق ہے، صوفیانہ مشاہدات کی دنیا ایسی ہی حقیقی اور معتبر ہے جیسے ہمارے مشاہدات کا کوئی اور عالم۔ لہٰذا ان کو محض اس بنا پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان مشاہدات کی ابتداء ادراک بالحس سے نہیں ہوتی'' _____

دلچسپ امر یہ ہے کہ حضرتِ علامہؒ اپنے خطبۂ اول بعنوان ''علم اور مذہبی مشاہدات'' میں پہلے 33 صفحات پر مشاہدات کے بارے میں اپنے نقطۂ نگاہ کی وضاحت کے لئے درجنوں آیاتِ قرآنی سے استدلال کرتے ہیں لیکن چونتیسویں صفحہ پر جا کر مسٹر پرویز کی مذکورہ بالا جملے کی معنویت پر رگِ مخالفت پھڑک اٹھتی ہے _____ وہ زہریلے سانپ کی طرح بل کھا کر ایک دفعہ پھر سے اس خطبے کے پہلے صفحہ کے پہلے پیراگراف سے ایک جملہ اُٹھا کر اعتراض وارد کرتے ہیں کہ حضرتِ علامہؒ نے یہاں تک کہہ دیا کہ:

''ذاتِ مطلق کا بلا واسطہ القا بھی ممکن ہے''۔ (لیکن دیدہ دلیری اور علمی

بد دیانتی کا مظاہرہ اس جملے میں استعمال کئے گئے ایک لفظ کو تبدیل کرتے ہوئے اس طرح سے کرتے ہیں کہ ''لِقا'' کو ''القاء'' میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

اس مقام پر کتاب ھٰذا کا مؤلف نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ سورۃ الانعام کی ایک آیت کا حوالہ دینا مناسب سمجھتا ہے جس میں ''لِقاءِ اللہ'' کے الفاظ استعمال ہوئے۔ اس لئے کہ یہی آیت ایسے بدبختوں کے انجام کی خبر دینے کے لئے کافی ہے جو لقاءِ اللہ سے انکاری ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا:

O قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ط حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ط اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ O (6 الانعام: 31)

ترجمہ: '' بے شک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملاقات (کی خبر) کو یہاں تک کہ جب آ گئی ان پر قیامت' اچانک بولے: ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو ہم سے ہوئی اس زندگی میں اور وہ اُٹھائے ہوئے ہیں اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر۔ ارے کتنا بڑا بوجھ ہے جسے وہ اُٹھائے ہوئے ہیں''۔

امام راغب اصفہانی نے ''مفردات القرآن میں'' لِقاءَ کے معنی کسی کے سامنے آنے اور اُسے پالینے کے لکھے ہیں اور ان دونوں معنی میں سے ہر ایک پر الگ الگ بھی بولا جاتا ہے اور کسی چیز کا حِس اور بصیرت سے ادراک کر لینے کے متعلق بھی ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت 249 میں بھی ''مُلٰقُو اللہ '' کے الفاظ ہی استعمال ہوئے لِقاءً (مصدر) مُلاقاۃ کے ہم معنی ہے۔ فرمایا گیا: ''اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں سے کہا' بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی جماعتیں اور بہت بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں' اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Oوَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ط لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا O (25۔الفرقان: 21)

ترجمہ: اور جنہیں ہماری ملاقات کی توقع نہیں انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں

اُتارے جاتے؟ یا ہم اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ لیتے؟ ان لوگوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے اور سخت سرکشی کر لی ہے''۔

اگلی آیت کریمہ میں ایسے بدبختوں کو ازلی و ابدی محرومین کہا گیا ہے۔ مسٹر پرویز اور ان کی فکر و نظر پر اعتماد کرنے والے ''ان مجورین'' کو درج بالا آیات کی روشنی میں اپنا حشر ونشر دیکھ اور سمجھ لینا چاہئے۔

مسٹر پرویز نے اس امر کا اعتراف تو کیا ہے کہ حضرت علامہؒ نے 1935ء میں ''اسلام اور احمدیت'' کے سلسلے میں سید نذیر نیازی کو ایک نوٹ کے طور پر لکھا تھا کہ: ''میرے عقیدے کی رو سے بعد وحیٔ محمدیؐ کے' الہام کی حیثیت محض ثانوی ہے۔ سلسلہ تو الہام کا جاری ہے مگر الہام بعد وحی محمدؐ حجت نہیں ہے؟' سوائے ہر اُس شخص کے لئے جس کو الہام ہوا ہو''۔ (انوار اقبال: ص:48)۔ 4 جون 1929ء کو سید نذیر نیازی کو ہی حضرتِ علامہؒ نے ایک خط میں لکھا: ''تصوف لکھنے پڑھنے کی چیز نہیں' کرنے کی چیز ہے' کتابوں کے مطالعہ اور تاریخی تحقیقات سے کیا ہوتا ہے کسی کو کوئی حقیقی فائدہ نہیں پہنچتا''۔ (مکتوباتِ اقبال بنام سید نذیر نیازی)۔

مسٹر پرویز کو اپنی تحقیقات کا زعم اور علمی و فکری غرور کا یہ عالم ہے کہ موصوف حضرت علامہؒ پر 'تو ہم پرستی' عقائد میں قرآن کے خلاف نظریات کے اظہار کا الزام لگاتے ہوئے کسی دید لحاظ کو بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ حضرت علامہؒ کے تصوف کو اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا قرار دیتے ہیں۔ وحدت الوجود کے عقائد رکھنے کو بانگ درا' پیام مشرق' زبور عجم' جاوید نامہ' بال جبریل' ضربِ کلیم' اور ارمغان حجاز کے اشعار کا حوالہ دے کر سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ موصوف حضرت علامہؒ پر قرآن کے باطنی معانی بیان کرنے کے ضمن میں بھی شدید اعتراضات وارد کرتے ہیں۔ عقل و عشق کا فلسفہ بھی موصوف کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ غالب نے کیا خوب کہا تھا:

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت　　　دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

ماضی و حال کے تجدد پسند گمراہ فرقوں کا تاریخی پس منظر

مسلم اُمّہ میں موجود سیاسی ذہن رکھنے والوں کا دعویٰ ہے کہ قرآنِ حکیم میں ''حکومت'' کے لئے جو اصطلاح خصوصیت سے استعمال کی گئی ہے وہ ''مَکَّنَّا فِی

الاَرْضِ ''یعنی زمین میں ''تَـــمْــکِیْــن'' (طاقت وعظمت کا جماؤ اور قیام) ہے۔
جبکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

○اَلَّـذِیۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ○
(22۔الحج:41)

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم اُن کو ملک میں تمکین (یعنی طاقت وعظمت کا جماؤ یا قیام) عطا کریں تو اُن کا کام یہ ہوگا وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیک کام کرنے کا حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے''

مولانا ابو الکلام آزاد (جیسا کہ متعدد مقامات پر زیرِنظر کتاب میں بیان کیا جا چکا ہے) اس آیاتِ کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی تالیف ''مسئلہ خلافت'' میں بیان کرتے ہیں کہ ''اس سے صاف طور پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ تمکین فی الارض کا مقصدِ اصلی صرف یہ ہے کہ اللہ کی عبادت دنیا میں قائم کی جائے۔ نیکی اور راستی کا اعلان وظہور ہو' برائی سے نوعِ انسانی کے دلوں اور ہاتھوں کو روک دیا جائے''

ہم سمجھتے ہیں کہ تصوف کا مادی مقصودِ اصلی بھی' دنیا کی حد تک' یہی ہے۔ اور اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ مولانا ابوالکلام کے نزدیک اُمتِ اسلامیہ ہی نہیں بلکہ تمام اقوامِ عالم کی موت وحیات' ترقی وتنزل اور سعادت وشقاوت کا انحصار ''اجتماع وائتلاف'' اور ''اشتات وانتشار'' کے اندر پوشیدہ ہے۔ مفردات امام راغب اصفہانی کے مطابق اجتماع سے مراد ''باہم اکٹھا ہونا'' ہے اور اس حالت کی ضد ''اشتات وانتشار'' ہے جس کے معنی لغت میں تفریق اور الگ الگ ہوجانے کے ہیں۔ تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھا جائے تو اُمت مسلمہ میں ''اشتات وانتشار'' کی سب سے بڑی وجہ نزاع ''حصولِ خلافت وحکومت'' ہی نظر آتی ہے۔ علمائے اسلام اس سلسلے میں بیشمار کتابیں لکھ چکے ہیں۔ لیکن ہم یہاں دو کتابوں کا خصوصیت سے ذکر کریں گے۔

پہلی ''کتاب الملل والنحل'' ہے جس کے مؤلف امام ابو الفتح محمد بن عبد الکریم بن ابی بکر احمد الشہرستانی (479ھ ___ 548ھ) ہیں۔ اور دوسری حال ہی میں لکھی

جانے والی کتاب کا نام ''المذاہب الاسلامیہ'' یعنی اسلامی مذاہب ہے جس کے مصنف شیخ محمد ابوزہرہ، پروفیسر شریعتِ اسلامیہ، لاء کالج قاہرہ یونیورسٹی مصر ہیں۔ امام فخر الدین رازیؒ (م606ھ) کے خیال میں شہرستانی کی کتاب الملل والنحل چنداں وقیع نہیں ہے۔ ان کے نزدیک اسلامی فرقوں کے حالات وعقائد انہوں نے ابومنصور البغدادی (م،429ھ) کی کتاب ''الفرق بین الفرق'' سے نقل کر دیئے ہیں، جو ایک متعصب شخص تھا۔

تاہم اگر یہ کتاب شہرستانی کی اپنی تحقیق نہ بھی ہو تو ہمارے لئے یہ کتاب بہت ہی مفید معلومات کا ذخیرہ ہے۔ پروفیسر علی محسن صدیقی نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کر دیا ہے جسے قرطاس (پبلی کیشنز) کراچی یونیورسٹی نے شائع کیا ہے۔ دلچسپی رکھنے والے اصحاب ضرور اس کتاب سے استفادہ کریں۔ اس کتاب کے تیسرے مقدمہ میں ''مخلوقات میں پہلے اختلاف کے وقوع کا بیان بہت ہی دلچسپ ہے۔ یہ اختلاف ابلیس لعین کی خودرائی سے حکم کے معارضہ میں ہواوہوس کو اختیار کرنے سے اور جس مادہ سے اس کی تخلیق ہوئی تھی، اس کو اس مادہ سے بڑا اور اعلیٰ خیال کرنے سے جس سے حضرتِ آدم علیہ السلام کی تکوین ہوئی یعنی آگ کو طین (گندھی ہوئی مٹی) پر فضیلت دینے سے ہوا۔ ابلیس نے اپنے مؤقف کے حق میں سات بہت قوی عقلی دلائل فرشتوں کے سامنے پیش کئے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ پر یہ وحی کی کہ (ابلیس سے) کہہ دو کہ ''تُو اپنے اقرار میں کہ میں تیرا معبود اور تمام مخلوقات کا معبود ہوں، نہ تو صادق ہے اور نہ مخلص، کیونکہ اگر تو اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ میں سارے جہاں کا الہٰ (معبود) ہوں تو مجھ سے حجت کر کے میری حکم عدولی نہ کرتا۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، میں جو کچھ کرتا ہوں اس پر کوئی سوال (اعتراض) نہیں کیا جاسکتا جبکہ مخلوقات (اپنے افعال میں) جواب دہ اور مسؤل ہیں'' شہرِ ستانی نے چوتھے مقدمہ میں اُمت مسلمہ میں پیدا ہونے والے اختلافات کو ایک ایک کر کے گنوایا اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔

پروفیسر شیخ محمد ابوزہرہ مصری نے اسلامی فرق و مذاہب کو تین قسموں میں منقسم کیا ہے:

(1) اعتقادی فرقے: ان فرقوں کے مابین اعتقادی اعتبار سے کوئی جوہری فرق نہیں پایا جاتا۔ یہ فرق صرف اصل عقائد سے متعلقہ فروعات تک محدود ہے۔ مثلاً جبر و اختیار کا مسئلہ اور دیگر کلامی مسائل جن میں متکلمین مختلف الخیال ہیں۔ حالانکہ سب فرقے مسئلہ توحید میں یک

زبان ہیں۔ یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ عقیدۂ توحید ہی عقائدِ اسلامی کا مغز و خلاصہ ہے اور اس میں سب اہلِ قبلہ متحد الخیال ہیں۔

(2) فقہی مذاہب: مکتبہ ہائے فکر کو شامل ہیں۔ انہی کے ذریعہ لوگوں میں باہم نظم وضبط پایا جاتا ہے۔ اور عبد و معبود کے مابین اس رابطہ کی نشان دہی ہوتی ہے جو کتاب وسنت میں بیان کردہ عبادات کے ذریعے استوار ہوتا ہے۔ مؤلف نے البتہ فقہی مذاہب کا تذکرہ ایک علیحٰدہ کتاب میں کرنے کا فیصلہ کیا۔

(3) سیاسی فرقے: انتخاب خلیفہ میں جو اختلافات اول روز سے (خلافتِ راشدہ کے آغاز سے) شروع ہوئے وہ آج تک اُمتِ مسلمہ میں موجود ہیں۔ حُبِّ ریاست وجاہ ان فرقوں کی بنیاد ہے۔ حکومت وسلطنت کے بہت سے خواہش مند بعض ایسے افکار و آراء کی جانب رجوع کرتے ہیں جن کا مظہر فقط ان کی ذاتی خواہشات ہوتی ہیں۔ پھر وہ ان (خیالاتِ باطلہ) کی تائید وتوثیق میں مصروف کار رہتے ہیں' یہاں تک کہ انھیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی دعوت میں مخلص ہیں اور حق وصواب صرف اسی میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ بعض اوقات قومی (لسانی ونسلی) عصری تعصب بھی اختلاف کا مؤجب بنتا ہے۔ یہ بھی حُبِّ جاہ وریاست میں شامل ہوتا ہے۔ وہ خود کو مبتلائے فریب کرتے ہیں کہ ان کی دعوت حق وصداقت کی ترجمان ہے۔ اس قسم کے لوگ دراصل نوعِ انسانی کے لئے بڑے خطرہ کا مؤجب ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی لوگوں کے متعلق فرمایا:

> ''مجھے اپنی اُمت کے بارے میں جس شخص سے زیادہ خطرہ لاحق ہے وہ ایک منافق آدمی ہے جس کی زبان بڑی چکنی چپڑی مگر اس کا دل نورِ حکمت سے خالی ہے' وہ اپنی فصاحت و بلاغت سے لوگوں میں انقلاب پیدا کرتا ہے اور اپنی جہالت کے باعث ان کی گمراہی کا موجب بنتا ہے''۔

سیاسی فرقوں میں ایک بہت زیادہ قابلِ ذکر فرقہ معتزلہ ہے جس نے اموی عصر وعہد میں بال وپر نکالے اور عباسی خلافت میں عرصۂ دراز تک اسلامی فکر پر حاوی رہا۔ اس فرقہ کا رئیس واصل بن عطاء ابتدأ حضرت حسن بصریؒ (21ھ تا 110ھ) کے حلقہ درس میں حاضر ہوتا رہا۔ معتزلہ اسلام اور معتزلہ یہود کے مابین قریبی مماثلت پائی جاتی ہے۔ معتزلۂ یہود فلاسفہ کی منطق کی روشنی میں تورات کی تشریح وتوضیح کرتے' اسی طرح معتزلۂ

اسلام قرآن میں بیان کردہ صفات کی تاویل بھی فلسفیانہ انداز میں کرتے ہیں ۔
امر بالمعروف و نہی عن المنکر ' اس فرقہ کے اجماعی اصولوں میں سے پانچواں اصول ہے۔
معتزلہ کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سب مومنوں پر واجب ہے۔ معتزلہ محدثین
وفقہاء کے خلاف بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور حجت و برہان اور قوتِ سلطان (حکومتی طاقت)
سے اپنا ہمنوا بنانا چاہا۔ آگے چل کر خلقِ قرآن کا مسئلہ کھڑا کر دیا گیا۔ معتزلہ اشیاء کے حُسن
و قبح کا فیصلہ از روئے عقل کیا کرتے۔ ان کا کہنا تھا کہ سب معارف (عقائدی مسائل)
عقل سے سمجھے جاسکتے ہیں اور واجب ہے کہ عقل ہی سے ان پر غور کیا جائے۔ مثلاً وحی کے
وارد ہونے سے پہلے ہی معلوم تھا کہ محسن کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ (بحوالہ الملل
والنحل)۔ معتزلہ اپنے افکار میں یونانی فلسفہ سے بھی بے حد متاثر تھے۔ وہ (مسائل کے حل
کے لئے قوانین و قواعد کے استنباط میں) قرآن کے علاوہ کسی اور مصدر و مآخذ کے قائل نہ
تھے۔ فہم عقائد کے لئے وہ قرآن کی آیات پر اکتفا کرتے۔ حدیث پاک کو وہ زیادہ جانتے
ہی نہ تھے۔ نہ عقائد میں حدیث سے حجت لاتے تھے نہ اس سے استدلال کرتے۔ اگر کہیں
اشتباہ واقع ہو جاتا تو اسے اسالیبِ لغت سے سمجھنے کی کوشش کرتے۔ معرفتِ عقائد میں
معتزلہ بالکل عقلی انداز اختیار کرتے تھے۔ نص پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ معتزلہ کے
ایک اور رئیس علامہ جُبائی کا یہ قول دلچسپ ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ بندے کی دُعا قبول کرتا
ہے تو وہ گویا (نعوذ باللہ) بندے کی اطاعت کرتا ہے۔ فرقہ معتزلہ میں بہت سے ملحدین نے
بھی اپنا گھونسلہ بنا رکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

درج بالا عقائد و افکار و خیالاتِ باطلہ و فاسدہ کے باعث حضرت امام ابو حنیفہؒ
کے شاگرد ابو یوسفؒ نے فتویٰ دیا کہ معتزلہ زندیق ہیں۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کسی
معتزلی کی شہادت قبول نہیں کرتے تھے۔ امام محمد بن حسن شیبانی نے فتویٰ دیا کہ معتزلی فاسق
و فاجر ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے والے اپنی نمازیں لوٹائیں۔
تاریخ میں یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ معتزلہ میں ممتاز انشاء پرداز' بلند پایہ عالم' ماہرین فلسفہ اور
صاحبِ فہم و ادراک لوگوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ وہ شیریں بیانی اور قادر الکلامی میں بھی
اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ جدل و پیکار کے فن سے بھی باخبر تھے۔ مثلاً واصل بن عطاء فرقہ
معتزلہ کا بلند پایہ خطیب تھا' حاضر جوابی اور برجستہ گوئی میں اپنا کوئی جواب نہ رکھتا تھا۔ ایک

اور معروف معتزلی نظام نکتہ رس، فصیح، ادیب اور شاعر تھا۔

عصر حاضر میں مسلم اُمّہ کے گروہِ عقلیین و سیائیین کے عقائد و افکار عمومیت کے ساتھ معتزلہ کے عقائد و افکار کا چربہ معلوم ہوتے ہیں جبکہ غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کو تو اُمتِ مسلمہ کے علماء و فقہاء مکمل اتفاق و اجماع کے ساتھ خارج از اسلام قرار دے چکے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ میں پھیلائی گئی گمراہیوں کے ذمہ دار ایسے ہی برخود غلط دانشوران قوم ہیں۔ سطورِ بالا میں جیسا کہ بیان ہوا خلافت اور انتخابِ خلیفہ میں جو اختلافات اول روز سے (یعنی خلافتِ راشدہ کے آغاز) سے شروع ہوئے وہ آج تک موجود ہیں اس کے ذمہ دار حُبِ جاہ و ریاست کے مرض میں مبتلا سیاسی فرقے ہیں۔ ماضی میں ان فرقوں میں خوارج (نہایت درجہ متعصب و بدبودار گروہ) اور بعد ازاں معتزلہ شمار ہوتے تھے۔ آج بھی اُمتِ مسلمہ میں فساد اور کشت و خون کی سرپرستی کرنے والے بہت سے دوسرے ناموں سے مشہور و معروف ہیں۔

باب: 14

(صوفیہ آزمائش کی کسوٹی پر) کارِ نبوت کی انجام دہی کے لئے صُلحائے اُمّت اور طاغوتی قوتوں میں معرکۂ حق و باطل ازل تا امروز

عنوان بالا اپنی تشریح و توضیح کا محتاج نہیں، البتہ فلسفۂ ابتلاء و آزمائش اپنی جگہ اصل حقائق سے پردہ اُٹھانے کا متقاضی ہے کیونکہ معرکۂ حق و باطل میں طاغوتی قوتوں اور معبودان باطل کے سامنے پختہ کار منجھے ہوئے مردانِ کار ہی کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں اور ایسے مردان کار کی تیاری کے لئے اللہ بزرگ و برتر نے اپنا ایک نظام اور کچھ پیمانے وضع کر رکھے ہیں جن کے بارے میں قرآن عظیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

1۔ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ (١٥٥) الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (١٥٦) اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

(البقرۃ: 155 تا 157)

''اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور میووں کے نقصانات سے تمہاری آزمائش کریں گے، تو

صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی خبر سنا دو O ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں O یہی لوگ ہیں جن پر اُن کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے رستے پر ہیں O

2۔O اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۔ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ O

(البقرۃ:214)

''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یوں ہی) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں ۔ اُن کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا مارے گئے' یہاں تک کہ رسول (پیغمبر) اور مومن لوگ جو اُن کے ساتھ تھے سب پکار اُٹھے کہ کب اللہ کی مدد آئے گی' دیکھو اللہ کی مدد (عن) قریب (آیا چاہتی ہے)''۔

3۔ O لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۔ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ O (آل عمران:186)

(اے اہلِ ایمان!) تمہارے مال و جان میں تمہاری آزمائش کی جائے گی اور تم اہلِ کتاب سے اور اُن لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے' تو اگر صبر اور تقویٰ (پرہیزگاری) کرتے رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں O

4۔O وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ(۴۲) فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O (الانعام:42-43)

''اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سی اُمتوں کی طرف رسول بھیجے' پھر (اُن کی نافرمانیوں کے سبب) ہم اُن کی اُمتوں کو سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے تاکہ (وہ) عاجزی کریں O تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ آیا ان پر ہمارا عذاب اور انہوں نے عاجزی نہ کی مگر اُن کے دل تو سخت ہو گئے تھے اور جو کام وہ کرتے تھے شیطان اُن کو (اُن کی نظروں میں) آراستہ کر کے دکھاتا ہے'' O

5۔O وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ۔ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ۔ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌO (الا انعام:165)

'' اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا خلیفہ (نائب) بنایا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تا کہ جو کچھ اُس نے تمہیں بخشا ہے اُس میں تمہاری آزمائش کرے' بیشک تمہارا پروردگار جلد عذاب دینے والا اور بیشک وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے O''

6۔☆ نیز دیکھئے: انفال :128 O التوبہ :126 O یونس :85-56 O الکھف :7 O طٰہٰ :131 O الانبیاء :35 O الحج :11 O العنکبوت :2-3 O الملک :1-3 O الفجر :15-61

علاوہ ازیں دسیوں بیسیوں آیاتِ مبارکہ میں ابتلاء وآزمائش کا ذکر ہے۔

زیرِ نظر باب میں کارِ نبوت کی انجام دہی کے لئے صلحائے اُمت اور طاغوتی قوتوں کے مابین اسی معرکۂ حق و باطل کی تاریخ سے شہادتیں پیش کی گئی ہیں جو آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک کے ادوار کے مردانِ کار کے احوال کی عکاسی کرتی ہیں۔

حضرتِ علامہ اقبالؒ نے اسی صورتِ احوال کو بانگِ درا میں اس طرح سے بیان فرمایا ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز — چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی
اسی کشاکشِ پیہم سے زندہ ہیں اقوام — یہی ہے رازِ تب و تابِ ملتِ عربی

نیز بالِ جبریل میں یہ فرمایا!

رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں ابتک — مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے ید بیضا

دنیا میں حق و باطل' ظلمت و نور میں جنگ ازل سے جاری ہے لیکن صلحائے اُمت اس ایمان و ایقان کے ساتھ ایک روحانی سرشاری کی کیفیت میں یہ جانتے اور مانتے ہوئے ہمیشہ باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر رہتے ہیں کہ:

O وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ O (الصّف:8)

'' اور اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا اگر چہ کافروں کو نا گوار ہو''O

باطل شعار منافقینِ قوم وملت نے صلحائے اُمت پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کیں مگر آوازِ سگاں کی پروا نہ کرتے ہوئے اللہ کے یہ درویش یادِ الٰہی سے کبھی غافل نہ

ہوئے بلکہ وہ احمد فراز کے ایک شعر کی عملی تصویر بنے نظر آئے:

ہم ''کج ادا'' چراغ کہ جب بھی ہوا چلی ______ طاقوں سے اُٹھ کر برسرِ دیوار آ گئے

ایک ایسے ہی عظیم المرتبت ''کج ادا'' چراغ ابو المغیث حسین بن منصور حلاجؒ الحافظ البغدادی البیضاوی (244ھ یعنی 857ء ____ تا ____ 308ھ یعنی 27 مارچ 922ء) کی طرف سے ''انا الحق'' کہنے کی حقیقت حضرتِ علامہ محمد اقبالؒ نے بھی برأتِ منصور کی خاطر بیان کی ہے جس کا ذکر گذشتہ باب نمبر 13 میں کیا جا چکا ہے۔ لوئی میسینون (Massignon) کی تحقیقات کے مطابق منصور کے خلاف علمائے ظاہر کی 84 شہادتیں پیش کی گئیں جس پر اُسے پھانسی کی سزا دی گئی۔ ازاں بعد اس کا ایک ایک عضو کاٹا گیا' وہ دوسرے دن تک زندہ رہا۔ اس کے بعد اس کا سر کاٹ کر لاش جلا دی گئی (الفہرست: ص 283 بحوالہ ''تاریخ تصوف'' علامہ محمد اقبالؒ)۔ تذکرۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ حلاج کے ہر عضو سے انا الحق کی آواز آتی رہی اور اُن کے خون کا ہر قطرہ اللہ اور انا الحق کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ حلاج نے اپنی کتاب الطّواسین میں لکھا ہے: ''جو عالمِ ناسوت میں رہتے ہوئے مجھ کو دیکھ ہی نہ سکا' اس نے مجھے زندیق کہا' اور جو عالم کشف سے واقف ہوا اس نے مجھے عالمِ ربانی گمان کیا''۔ موصوف کی تصانیف کی تعداد 46 بتائی گئی۔ صوفیاء و علماءِ حقہ کی کثیر تعداد منصور کے حق میں ہے جن میں شیخ ابو بکر شبلیؒ ' داتا گنج بخشؒ' شیخ فرید الدین عطارؒ ' ابنِ عطاءؒ ' امام غزالیؒ ' عبداللہ خفیفؒ ' ابو القاسم نصر آبادیؒ نمایاں ہیں۔ عطارؒ تو حلاج کو قتیل فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔ غزالیؒ نے مشکواۃ الانوار میں لکھا ہے کہ عالم سکر میں کہے گئے الفاظ پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

شیخ اکبر محی الدین ابو بکر محمد بن علی المعروف ابن العربیؒ کا نظریۂ تصوف و خلافت

زیر نظر باب میں ہم نے تصوف کے ایک بحرِ بیکنار حضرت الامام الموحدّین سید المکاشفین شیخ اکبر محی الدین ابو بکر محمد بن علی الطائی الحاتمی اُلاندلسی قدس اللہ تعالیٰ سرّہ العزیز (بروز پیر 17 رمضان المبارک 560ھ بمطابق 28 جولائی 1165ء ___ تا ___ جمعۃ المبارک 22 ربیع الآخر 638ھ بمطابق 1240ء) کے احوال کا ذکر کیا ہے جنہیں دنیا ابن عربیؒ کے نام سے جانتی ہے۔ ناچیز مؤلف کے سامنے اس وقت شیخ اکبر محی

الدین ابن العربیؒ کی معرکۃ الآراء ضخیم کتاب ''فتوحاتِ مکیہ'' کا اردو میں تیار کیا گیا 400 صفحات پر مشتمل ایک خلاصہ موجود ہے جو حضرتِ علامہ صائم چشتی (فیصل آباد) کی قابلِ قدر علمی وفکری کاوش کا ثمرہ ہے اور اردو دان طبقے کے لئے ایک روحانی تحفہ ہے۔ الفتوحات المکیہ پانچ سو ساٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور چھ فصلوں میں منقسم ہے فصل اول علم تصوف کے بنیادی مباحث یعنی معارف کو محیط ہے۔اس میں روح کی ماہیت کے بیان سے ہبوطِ روح کی منازل اور اجساد کی تخلیق کا ذکر ہے۔اس کتاب پر تعارفِ تصنیف و مصنف پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے لکھا ہے ____ شیخ اکبرؒ کے علمی و ادبی اور روحانی مقامات تک رسائی پانے میں عاجز کم نظروں کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے درست لکھا کہ ''کم نظری قاری کی وسعتِ نظر کا نقص ہے مگر انسانی فطرت ہے کہ وہ جہاں تک جانے سے قاصر ہوتا ہے اُس پر تشکیک کے تیر پھینکنے لگتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کی پردہ پوشی کے لئے بھیانک الزامات بھی تراشتا ہے۔شیخ کے بعض ناقدین کا اندازِ تحکیم بھی ایسا ہی ہے۔مقام شیخ کی رفعت سے ناآشنا لوگ شیخ کے عقائد و تصورات میں خود ساختہ اُلجھنیں تلاش کرنے لگے۔کبھی اُن کے فلسفہ وحدۃ الوجود کی آڑ میں اُن کے عقائد کو باطل قرار دیا گیا۔تو کبھی موجودات کے تعین میں بے راہ روی کا طعنہ دیا گیا۔کبھی ذاتِ الٰہی پر ایمان میں شیخ کو مضطرب بتایا گیا تو کبھی مقامِ رسالت کے ادراک میں کوتاہ نظری یا بے باکی کا الزام لگایا گیا۔حملہ کرنے والے وہ بھی تھے جو اُن کے ارفع خیالات تک بلند نہ ہوسکتے تھے اور وہ بھی جو اپنی علمی بے بضاعتی کا کفارہ ادا کر رہے تھے ____ مگر حیرت اُن ساکن الوجودوں پر ہے جو زمین اور زمینی حوالوں سے بلند نہ ہوسکے جب کہ صاحب اسرار اور بلند بام سیارشش جہات پر حرف گیری کرتے رہے'' ____

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی ایک اور محیر العقول تصنیف ''فصوص الحکم'' (یعنی حکمتوں کا خلاصہ ____ وہ حکمتیں یا علوم جو انبیاءؑ کا خاصہ ہیں) کی شرح خصوص الکلم فی عل فصوص الحکم کے عنوان سے مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھی جو یقیناً پڑھنے کی چیز ہے۔ اسی طرح اس عظیم الشان تصنیف کا ترجمہ اور شرح حضرت بابا ذھین شاہ تاجیؒ نے بھی لکھی جو ادارہ تعلیم و ثقافتِ اسلامی کراچی نے 1976ء میں شائع کی۔ یہ کتاب بھی ساڑھے سات سو صفحات پر مشتمل ہے اور اردو دان طبقۂ صوفیہ کے لئے ایک قابل افتخار و تحسین

کارنامہ ہے اور اسرار و رموز کا بے بہا خزینہ ہے۔

حال ہی ایک فاضل نوجوان (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ایک محقق) ابرار احمد شاہی نے رسائل ابن عربی" (جلد اول) کے عنوان سے شیخ اکبرؒ کی ''(۱) کتاب وصیت'' (۲) کتاب ''الفناء فی المشاھدہ'' (۳) کتاب '' الجلال و الجمال'' (۴) رسالہ الی الامام الرازیؒ (۵) کتاب ''حلیۃ الابدال'' (۶) رسالہ ''القسم الالٰہی'' (۷) ''رسالۃ انوار'' (۸) کتاب ''الجلالۃ وھو قلمۃ اللہ'' (۹) کتاب '' الالف وھو کتاب الاحدیۃ'' (۱۰) کتاب المیم و الواوٗ والنون (۱۱) ''رسالۃ التراجم'' کا نہایت سلیس و شستہ ترجمہ پیش کر کے اہل تصوف کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا ہے۔

اسی فاضل نوجوان ابرار احمد شاہی نے شیخ اکبرؒ کی ایک اور معرکۃ الآرا تصنیف ''التدبیرات الالھیۃ فی اصلاح المملکۃ الانسانیہ (یعنی مملکتِ انسانی کی اصلاح میں خدائی تدبیریں) جس میں مرید پر لازم اُمور کی حقیقت اور الہام کے اشارات بھی شامل ہیں' کا نہایت محنت شاقہ سے شستہ اور سلیس اردو میں ترجمہ کیا جسے حُسنِ طباعت و اشاعت کے زیور سے آراستہ کر کے ابن عربی فاؤنڈیشن پاکستان نے دسمبر 2008ء میں پیش کیا۔ یہ کتاب درحقیقت ہماری اپنی کتاب '' خلافت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی و مادی جہتیں'' کے ہی موضوعات سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ شیخ اکبرؒ نے جسمِ انسانی کو ایک مملکت قرار دیتے ہوئے اس کی اصلاح کے لئے تدابیرِ الٰہیہ پر گفتگو فرمائی ہے اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ منفرد کتاب شیخ اکبرؒ کے نظریۂ خلافت پر ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اس کتاب میں شیخ اکبرؒ نے جسم انسانی کو ایک مملکت' انسانی روح کو اس مملکت میں خلیفہ یا بادشاہ اور خواہشاتِ نفسانی کو اس مملکت کا دشمن قرار دیتے ہوئے انسانی حقیقت کو کھول کر بیان کیا ہے۔

☆ باب اول کا عنوان ہے: '' خلیفہ کے وجود کے بارے میں' جو جسم کا بادشاہ ہے' اس میں صوفیہ کی اغراض اور اس کے بارے میں ان کی تعبیر' جو روح کلی ہے۔

شیخ اکبرؒ نے سب سے پہلے قرآن حکیم سے سورۃ البقرۃ کی آیت 30 کا حوالہ دیا: ارشاد ہے

○ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط ○

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں ایک خلیفہ بنا رہا ہوں''

اہل حقائق نے اس خلیفہ کے بارے میں مختلف عبارات استعمال کی ہیں جن میں سے ہر عبارت کا علیحدہ معنی ہے ____ بعض نے اسے امامِ مبین کہا، کسی نے اسے عرش کہا، کسی نے اسے آئینۂ حق کہا ہے ____ ایک گروہ جن میں امامِ غزالیؒ بھی شامل ہیں نے ذکر کیا ہے کہ یہ خلیفہ جسے ''روح'' کہتے ہیں اصطلاحاً عالمِ امر سے ہے، عالمِ خلق سے نہیں، ان کی دلیل اللہ کا یہ قول ہے: Oقُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي O (الاسراء: 85) کہہ دو کہ روح امرِ ربی ہے۔ (مزید دلچسپ تفصیلات کے لئے دیکھئے اصل کتاب ''التدبیرات الالھیۃ'')۔ ____ عالمِ اصغر میں اس کی مثال جسم کی زمین میں روح کا خلیفہ ہونا ہے ____

☆ باب 2 کا عنوان ہے: روح کی ماہیت اور حقیقت

☆ باب 3 کا عنوان ہے: شہر (مملکت) جسم کی تفصیل ____ یہ خلیفہ (روح) کی بادشاہت ہے

☆ باب 4 کا عنوان ہے: خواہش اور عقل کے درمیان جاری جنگ کے اسباب کا ذکر

☆ باب 5 کا عنوان ہے: خلیفہ ہی امام اور وہ ایک ہی ہوتا ہے۔

☆ باب 6 کا عنوان ہے: عدل جو اس شہر (مملکت) جسم کا قاضی ہے۔

☆ باب 7 کا عنوان ہے: عقل خلیفہ کی وزیر اور اُس کی صفات و کردار

☆ باب 8 کا عنوان ہے: شرعی اور عقلی فراست کے بارے میں۔ (کارکنانِ مملکت)

☆ باب 9 کا عنوان ہے: کاتب کی معرفت، اس کی صفات اور کاتب کا جزو، کتاب کا جزو (بقول اقبالؒ گویا: "لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب")

☆ باب 10 کا عنوان ہے: قائم مقام عاملین، اصحاب محصولات وخراج

☆ باب 11 کا عنوان ہے: محصولات کا حضراتِ الٰہیہ میں پہنچایا جانا۔

☆ باب 12 کا عنوان ہے: شہر (مملکت) جسم میں انقلابیوں کی طرف بھیجے گئے سفیر اور ایلچی

☆ باب 13 کا عنوان ہے: فوجی کمانڈر اور فوجیوں کی حکمتِ عملی اور مراتب

☆ باب 14 کا عنوان ہے: جنگی حکمتِ عملی اور مقابلے کے وقت فوج کی ترتیب، چالبازی

☆ باب 15 کا عنوان ہے: اس راز کا ذکر جس سے اس شہر (مملکت) جسم کے دشمن اس پر غالب ہو سکتے ہیں۔

کتاب کل 20۔ ابواب پر مشتمل ہے، اہم ترین کے عنوانات اوپر دیئے گئے ہیں)

یہ ہے وہ عالمِ اصغر جس پر فتح و کامرانی کے لئے انبیاءؑ اور صلحائے اُمت ہمیشہ سے زور دیتے چلے آئے ہیں۔ حضرتِ علامہ اقبالؒ نے بالِ جبریل میں کچھ ایسے ہی

ارشادات کے ذریعے انسان کو ہوش کے ناخن لینے پر اُکسایا ہے۔ فرماتے ہیں:

حُسنِ بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے ہوں اگر شہروں سے بَن پیارے تو شہر اچھے یا بَن؟
من کی دنیا؟ من کی دنیا سوزومستی جذب و شوق تن کی دنیا؟ تن کی دنیا سُود و سَودا مکروفن!
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں تن کی دولت چھاؤں ہے! آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

پانی پانی کرگئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن!

سلسلۂ نقشبندیہ میں تسلیم شدہ نظریۂ خلافت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بارھویں صدی ہجری میں جس منصب کو خلافتِ ظاہری اور خلافتِ باطنی کے عنوانات سے تعبیر کیا۔ آٹھویں صدی ہجری میں کبروی سلسلۂ عالیہ کے صاحبِ اسرارِ روحانی و باطنی حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ نے اسے خلافتِ صوری و معنوی قرار دیا۔ آپ اسلامی تاریخ کے مذکورہ سلسلۃ الذہب کی اہم کڑی ہیں۔ انہوں نے ''ذخیرۃ الملوک'' کے عنوان سے ایک کتاب (بڑی تقطیع کے ساڑھے چارسو صفحات پر مشتمل) تصنیف فرمائی جس کا مرکزی مضمون صوری و معنوی خلافت کو بنایا۔ حضرتِ امیر کبیرؒ کے تقریباً دوسو برس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہٗ طریقت کے اسی سلسلۂ کبروی میں بیعت ہوئے جس کی رو سے حضرتِ امیر کبیرؒ آپ کے آٹھ درجہ اوپر مرشد ہیں۔ سید علی ہمدانیؒ کا ٹکراؤ امیر تیمور سے ہوا اور حضرتِ مجددؒ جہانگیر کے ہاتھوں اذیتوں کا شکار ہوئے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ دونوں عظیم المرتبت شخصیتوں میں سے کوئی بھی باطل کے سامنے جھکنے پر تیار نہ ہوا۔ سید علی ہمدانیؒ کی مذکورہ تالیف (ذخیرۃ الملوک) کا اردو ترجمہ و ترجمانی اور اس پر تحقیق و تدقیق کی سعادت ہمارے اپنے دور کے درویش خدامست، عالمِ ربانی و محققِ لاثانی حضرت مولانا صدر الدین الرفاعی المجدّدیؒ کے حصے میں آئی جو شائع ہوکر مشتاقانِ تصوف و احسان کی روحانی پیاس بجھانے کا سامان کر رہی ہے۔ درحقیقت حضرت امیر کبیرؒ کا یہ علمی و فکری کارنامہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ ہی کے فیضانِ نگاہ کا ایک حسین و جمیل مرقع ہے۔ حضرتِ امیر کبیر کی کتاب ذخیرۃ الملوک کا چھٹا باب سلطنتِ صوری و معنوی کی شرح، خلافتِ انسانی کے اسرار و رموز، سیاستِ روحانی

کی کیفیات، مملکتِ جسمانی کے بناؤ بگاڑ کی تدابیر اور ولایتِ حسی کے تغیرات اور تبدیلیوں، خلافتِ نفسی کے رموز کی مقداروں سے مشابہت کے بیان میں ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :'' وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا'' ____ (35۔فاطر:39)

سید علی ہمدانیؒ اِس مملکتِ جسم کا پایۂ تخت دل یعنی من کو قرار دیتے ہوئے اس کو معرفتِ الٰہی کا مرکز شمار کرتے ہیں۔ اس فنا ہونے والی مملکت (یعنی دنیا) میں جس طرح اسبابِ ارکان دولت، وزیر، دبیر، کوتوال، محصل، قاصد، کارکن، نگران، اور قاضی ہوتے ہیں جن کے بغیر حکومت کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ ولایت کا والی اور حاکم جب تک مصلحین و مربیوں کی نصیحت و خیر خواہی کے آثار و قرائن اور مفسدین کی مکاری و دغا بازی کے درمیان تمیز نہ کرلے، وہ شور وشر کی آفتوں اور دشمن کے فتنوں سے اپنی مملکت کی حفاظت نہیں کرسکتا۔ (اور جو خود اپنی حفاظت نہیں کرسکتا وہ دنیا والوں کی حفاظت کے لئے، مفسدین سے اُن کو بچانے کے لئے حکومتوں پر براجمان ہونے کے خواب کیوں کر دیکھ سکتا ہے؟؟؟)۔ پس ان حقائق و رموز کی وضاحت کے لئے ہر قسم کی روحانی اور حیوانی قوتوں کی حقیقت جاننا، جو کہ روحِ انسانی کے لئے انصار و مددگار ہیں، وہ ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، کان اور دیگر بدنی اعضاء ہیں جو اس خلیفہ کے خادم اور رعایا ہیں اور ان میں دل خلیفہ یعنی روح کا صدر مقام ہے اور جاننا چاہئے کہ خلیفہ بنانے والے (مستخلف) کی نظر ہمیشہ اپنے خلیفہ کے اسی مقام پر رہتی ہے۔ یاد رہے کہ اس جگہ دل سے مراد گوشت کا ٹکڑا نہیں بلکہ دل سے مراد ایک لطیفہ ہے جو اسرارِ ملک و ملکوت کا جامع اور غیب و شہادت کی خبروں کا حامل ہوتا ہے۔ اور یہ لطیفہ نفس اور روحِ ناطقہ کے ازدواج اور ملنے سے پیدا ہوتا ہے ____ خلیفہ روح کا ایک وزیر عقل ہے اور مملکتِ بدن کی سب سے اونچی منزل اس روشن رائے وزیر کا محل ہے، جسے دماغ کہتے ہیں۔ دماغ کے محل میں پانچ جھروکے ہیں جنہیں (1) سننے (2) سونگھنے (3) چکھنے (4) دیکھنے اور (5) چھونے کی طاقتوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وزیر عقل انہی پانچ ولایتوں کے اسرار کو جھانک کر دیکھتا، خبروں سے آگاہ ہوتا اور خلیفہ روح کو اپنے مشوروں سے نوازتا ہے۔ تفصیل طولانی ہے اصل کتاب دیکھئے شائع کردہ مشتاق کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

حضرتِ علامہؒ نے بالِ جبریل میں کیا خوب فرمایا:

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنتِ اہل دل فقر ہے' شاہی نہیں

ناچیز مؤلف نے زیرِ مطالعہ تحریر (باب:14) میں جن عنوانات پر بحث کی ہے اُن میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

☆ اللہ والے اپنا اصلی مقصد کبھی ترک نہیں کرتے
☆ اولیاء اللہ کے احوال نہ سمجھنے کے باعث بدگوئی
☆ باطل کا شعارِ ازلی: اولیا اللہ کی تکذیب
☆ اولیاء اللہ کے اسرار کا اخفاء' رحمتِ حق
☆ اہل اللہ کی بلندیٔ شان' بد باطنوں میں حسد کی بیماری
☆ علمائے سُو کی تحریک پر حکام وقت کی اہل اللہ پر زیادتیاں

باب:15

تہذیبوں کے مابین تصادم (Clash of Civilization)

تہذیبِ مغرب اور مسلم اُمّہ: تصادم (یا) تعاون

کتابِ ھٰذا کے زیرِ مطالعہ باب: 15 میں درج بالا عنوان بظاہر کتاب کے عمود اور عمومی مضامین سے مطابقت نہیں رکھتا لیکن اس میں شک نہیں کہ خلافت کی مادی جہت متقاضی تھی کہ مُسلم اُمّہ ان دِنوں عالمگیر سطح پر جن حالات و واقعات اور اسلام دشمن طاقتوں کی ریشہ دوانیوں سے دوچار ہے اُس کے تناظر میں اس تأثر کو دور کیا جائے کہ صوفیہ کا میدانِ عمل اولاً اگرچہ انسانی کردار وعمل کی اصلاح اور تزکیۂ نفس ہے جیسا کہ جید صوفیہ کے خلافت کی صوری و معنوی تعبیر سے متعلق افکار ونظریات کا تذکرہ باب:14 کے نشانِ منزل میں تفصیل کے ساتھ کیا گیا' لیکن وہ اپنے گردوپیش سے بھی ہمیشہ باخبر رہتے ہوئے اُمتِ مسلمہ کی درست سمت میں رہنمائی کا فریضہ تواتر کے ساتھ ادا کرتے چلے آئے ہیں۔ اور جہاں ضرورت پیش آجائے وہاں خانقاہوں سے نکل کر رسمِ شبیریؓ بھی ادا کرنے میں کبھی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ عصرِ حاضر میں ہم نے دیکھا کہ امریکی اور نیٹو افواج کے افغانستان میں داخل ہونے کے بعد پاکستان جن حالات سے دوچار ہوا اُس میں بھی مشائخ

عظام اور علماءِ حقہ کی طرف سے بھر پور مزاحمت کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ بھارت' اسرائیل' روس اور امریکہ نے مل کر'' عالمی دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کی آڑ میں جس طرح غداران قوم و ملت کو بھاری رقوم اور جدید ترین اسلحہ فراہم کر کے پاکستان میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور نفاذِ اسلام کے بہانے ہزاروں بے گناہ انسانوں کو خودکش حملوں کے ذریعے بے دردی سے موت کے گھاٹ اُتارا اُس کو صحیح العقیدہ علماء و مشائخ نے بیک آواز حرام قرار دیا اُس کا خمیازہ (یا انعام) جیّد علماء وصوفیہ کو شہید ہونے کی صورت میں بھگتنا پڑا لیکن اُن کے پائے استقلال میں ذرّہ بھر لغزش پیدا نہ ہوئی۔ اس لئے کہ'' اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی''۔

''تاریخ مشائخ چشت'' کے مؤلف پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ:''یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی اُن کے دینی نظام کو تباہ نہ کرسکا۔ بلکہ پروفیسر ہٹی (Hitti) نے لکھا کہ اکثر ایسا ہوا کہ'' سیاسی اسلام'' کے تاریک ترین لمحات میں''مذہبی (یا روحانی) اسلام'' نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ (History of Arabs P-475-) ایک اور فاضل مستشرق Frede Lokke Gaard (لوکے گارڈ) نے بھی دبے الفاظ میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا''۔ انگلستان کے ایک ذی علم مستشرق پروفیسر ایچ اے آر گب (H.A.R.Gibb) نے ایک مرتبہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:'' تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیہ کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی''۔ (Islamic Culture 1942۔ص:265) کتاب کے متن میں ہم ان آراء کا تفصیلی ذکر کر چکے تھے لیکن موضوع کی مناسبت سے اس جگہ اسے دہرانے کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ تاہم دلچسپ امر ہے کہ تاریخ ایک بار پھر اُمتِ مسلمہ کو اس موڑ پہ لے آئی ہے کہ مغربی مفکرین اور ایک امریکی یہودی قلمکار سیموئیل ہنٹنگٹن نے تہذیبوں کے مابین تصادم کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنی ہم خیال مغربی تہذیب کے مقابلہ

میں اسلامی تہذیب یا کلچر کو تباہ کرنے کا تہیہ کیا۔ اور 11 ستمبر 2001ء کو جڑواں ٹریڈ ٹاورز نیویارک کی تباہی کے بعد اُس وقت کے امریکی صدر جارج ڈبلیو بُش نے مسلمانانِ عالم اور اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا۔ (تفصیلات کے لئے دیکھئے متن میں باب۔15)۔ ہنٹنگٹن کا کہنا ہے کہ قوموں کے درمیان جنگوں کا دور گزر چکا اب تہذیبوں کے مابین جنگیں ہوں گی۔ پروفیسر اشفاق علی خان مرحوم نے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ: ''اسلام ہی وہ واحد نظریہ ہے جو جدید مغربی فلسفۂ زندگی کا مقابلہ کرسکتا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اہلِ اسلام میں ''یقین'' (اللہ، رسولؐ اور آخرت پر ایمان) کا عنصر ایک چٹان کی طرح مضبوط ہے لہٰذا اسلامی تہذیب ایک لوہا لاٹھ وحدت ہے۔ حضرتِ علامہ اقبالؒ زبورِ عجم (حصہ دوم) میں اندریں حالات مسلمانوں کے لئے جو لائحہ عمل تجویز فرماتے ہیں وہ ملاحظہ ہو: فرمایا

اگر در دِل جہانے تازہ داری بروں آور
کہ افرنگ از جراحت ہائے پنہاں بسمل افتاد است

ترجمانی: اگر تو دل میں کوئی نیا جہان رکھتا ہے تو اس سے کوئی (ایسا علاج) لے کر آ (جس سے شیطان کے زخم خوردہ عہدِ حاضر کے انسانوں کے زخموں کا علاج ہو سکے)۔ کیونکہ اہلِ مغرب تو ان زخموں کا علاج کرتے کرتے خود زخمی پڑے ہیں (مغرب والوں نے اپنے ہی لگائے ہوئے زخموں کا علاج کرنے کے لئے طرح طرح کے طریقہ ہائے علاج دریافت کئے لیکن نتیجہ صفر رہا۔ اب اے مسلماں! کیونکہ تیرے پاس وہ علاج موجود ہے۔ مراد ہے اہل مغرب نے اپنے علوم وفنون اور نظریات وافکار سے ساری دنیا کی معاشرت کو تباہ کیا اور اپنی ہٹ دھرمی سے آج مسلمانوں کے بھی درپے آزار ہیں تاہم تیرے پاس اے مسلماں! وہ علاج موجود ہے جو حیوانوں کو انسان بنا سکتا ہے۔ اُٹھ پہلے اسے اپنے اوپر نافذ کر اور پھر اسے ساری دنیا کو عطا کر جو اُس کی منتظر ہے۔

آئی ایس آئی کے سابق ڈائریکٹر جنرل اور روسی افواج کو افغانستان میں شکست دینے میں کلیدی کردار ادا کرنے والے پاکستانی افواج کے جنرل حمید گل نے مذکورہ حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مغرب اسلام کا خاتمہ چاہتا ہے۔ دو متضاد تہذیبوں کی جنگ میں اسلام کی بنیاد یقین کامل پر ہے۔ اُن کی تجویز ہے کہ مسلم حکمران اور علمائے سُو مسلم اُمّہ کے

نمائندے نہیں اس لئے دانشوروں کا ایک فورم تشکیل دیا جائے اور ایک مضبوط ویب سائٹ لانچ کی جائے جس کی پشت پناہی مضبوط پریشر گروپ کرے جو اقتدار کا خواہش مند نہ ہو۔

صورتِ احوال بالا میں مسلمانوں کے لئے کیا چارہ کار ہے؟ ہمارے عہد کے ایک بلند پایہ دینی دانشور سید ابو الحسن علی ندوی مرحوم کا یہ انتہائی دلنشیں تجزیہ اُمہ کے لئے ایک دعوتِ فکر و عمل ہے۔ پڑھیئے اور اپنے لئے لائحہ عمل مرتب کیجئے۔:

سُن لیجئے کہ ____ دنیا کے فساد کا ذمہ دار مذہب نہیں ہے۔ دنیا کا فساد یہ نہیں ہے کہ مذہب مذہب سے لڑ رہا ہے' مذہب کا مذہب سے لڑنے کا دور ختم ہوا۔ صدیوں پہلے ختم ہوا۔ آج بیچارے مذہب کو کون موقع دیتا ہے۔ کہ وہ میدان میں آئے۔ آج غیر مذہبی انسان' غیر مذہبی انسان سے لڑ رہا ہے۔ آج غرض' غرض سے لڑ رہی ہے۔ آج ہوس' ہوس سے ٹکرا رہی ہے۔ آج شیطان' شیطان سے ٹکرا رہا ہے۔ آج مال' مال سے ٹکرا رہا ہے۔ آج اقتدار' اقتدار سے لڑ رہا ہے۔ آج حکومت' حکومت سے لڑ رہی ہے۔ آج وزارت' وزارت سے لڑ رہی ہے۔ آج (سیاسی) پارٹی' پارٹی سے لڑ رہی ہے ____ ساری لڑائی اغراض کی ہے''۔

''سید ندوی فرماتے ہیں: اے یورپ کے داناؤ! اے امریکہ کے لال بجھکڑو! تم راستہ کھو چکے۔ مسیح علیہ السلام نے تم کو راستہ بتایا تھا کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہیں ہوئی تھی وہ راستہ بھی منزل تک پہنچانے کے لئے کافی تھا۔ مگر اے عقل و انسانیت کے دشمنو! تم نے مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا دامن چھوڑ دیا ____ دنیا کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ ہمارا مرض' ہمارے اندر ہے اور ہمارا علاج بھی ہمارے اندر ہے ____ آج ساری دنیا کے لال بجھکو یہی کہہ رہے ہیں' حقیقت گم ہوگئی تھی ہمارے دل کے اندر' ہمارے وجود کے اندر' ہمارے ارادوں کے اندر' ہمارے یقین کا جو سرچشمہ ہے اُس کے اندر' لیکن چونکہ اس میں تاریکی ہے' اور تاریکی ہے ایمان نہ ہونے کی وجہ سے' تاریکی ہے اس وجہ سے کہ نبوت کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ گیا لیکن ملے گی وہ چیز وہیں' جہاں گم ہوئی تھی۔ اس گھر کے اندر آؤ' چراغ جلاؤ' ایمان کی مشعل مانگ کر کے لاؤ' لیکن خُدا کے لئے گھر میں آؤ اور تلاش کرو وہ چیز جہاں گری تھی ____ یہ تمہاری دولت پرستی' یہ تمہاری جاہ پرستی' یہ تمہاری غرض پرستی' یہ تمہاری حکومت پرستی ____ (ان سب کی کھاد بناؤ ____ یعنی ان سب کو ترک کردو) کھاد ہمیشہ گندی ہوتی ہے لیکن جو چیز پیدا کرتی وہ کیسی لطیف و نظیف

ہوتی ہے ______ اسی سے دنیا میں بہار آئے گی"
فیضؔ نے کیا خوب کہا!

مرے چارہ گر کو نوید ہو' صفِ دشمناں کو خبر کرو
جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا

جو رُکے تو کوہِ گراں تھے ہم' جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

باب:16

دورِ فتن سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیاں:
پرآشوب مادی ادوار میں اُمتیوں کے لئے قیامت تک کا لائحہ عمل:
"حرزِ جاں کُن گُفتۂ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم"

زیرِ مطالعہ باب 16 میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن ارشاداتِ عالیہ کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جن میں اُمتِ مسلمہ کے لئے قیامت تک کے لئے تواتر کے ساتھ آنے والے ادوارِ فتن سے نمٹنے کا لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

- ☆ خبردار چٹائی کے تنکوں کی طرح فتنے ڈالے جائیں گے' یہ دل نہ تو امر معروف سے آگاہ ہوگا اور نہ بُرے کاموں کو بُرا جانے گا۔
- ☆ وقت آئے گا دنیا دار عقلمند' ہوشیار' خوبصورت اور چالاک کہلائے گا حالانکہ اُس کے اندر رائی کے برابر ایمان نہ ہوگا۔
- ☆ لوگ دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو بلائیں گے' (علانیہ گمراہی پھیلائیں گے)' (پس) فتنوں سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو جانا۔
- ☆ فتنوں سے بچنے کے لئے نیک اعمال میں جلدی کرنا' صبح آدمی ایمان کی حالت میں اُٹھے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا۔
- ☆ فتنوں کی طرف جھانکنے والے کو فتنہ اپنی طرف کھینچ لے گا۔ جہاں پناہ کا ٹھکانہ پائے وہیں جا کر گوشہ نشین ہو جانا۔
- ☆ اپنی تلواروں کو پتھر مار کر توڑ ڈالنا (جنگ و پیکار کا خیال دل سے نکال دینا) فتنوں سے بچنے کے لئے بھاگ نکلنا۔

☆ جنگلوں میں چلے جانا اور دین کو بچا لینا۔ زمانہ قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی۔

☆ خبردار! فتنے تمہارے گھروں پر مینہ کی طرح برسیں گے۔

☆ زمانہ دنیا اور زمانہ آخرت کے قریبی دور میں علم اُٹھ جائے گا، قتل عام ہوگا۔

☆ قاتل ومقتول دونوں کو وجہ قتل معلوم نہ ہوگی۔ دونوں دوزخ میں جائیں گے۔

☆ فتنے میں عبادت گزار ہجرت کا ثواب پائیں گے۔

☆ فتنہ انگیزی میں صبر بہترین طرز عمل ہوگا۔

☆ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: حضورؐ نے ایک ایک فتنہ پرداز کے حسب نسب سے ہمیں آگاہ کیا۔

☆ حضورؐ نے فرمایا: میں اپنی اُمت کے لئے جن لوگوں سے ڈرتا ہوں وہ گمراہ کرنے والے ائمہ (امام) ہیں۔

☆ فتنوں سے بچنے کے لئے کسی درخت کی جڑ میں بیٹھ جانا۔ وہیں مرجانا بہتر ہوگا۔

☆ خبردار! سلطنتوں اور حکومتوں کی بنیاد فساد اور کدورتوں پر ہوگی۔

☆ بھوک پر صبر کرنا، حرام اور مشتبہ مال سے خود کو بچانا، پرہیزگاری اختیار کرنا۔

☆ قتل وخون کا بازار گرم ہوگا، اُس وقت جو فتنہ انگیزوں کے ساتھ مل کر لڑے گا وہ انہیں کا شریک ہوگا۔

☆ خود کو سنبھالے رہنا، عوام سے دور رہنا، گوشہ نشینی اختیار کرنا۔

☆ تلواریں توڑ ڈالنا، گھروں کے ٹاٹ ہوجانا۔ فسادی ہونے سے بچنا۔

☆ زبان درازی اور عیب جوئی کا فتنہ بدترین ہوگا۔

☆ زبان درازی تلوار مارنے کے برابر فتنہ ہے۔

☆ نا اہلوں سے بیعت، اسراف، عیش وعشرت اور نفاق کے فتنوں میں پرہیزگاری اختیار کرنا

☆ فتنے میں ہاتھ روکے رکھنے والا کامیاب ہوگا۔

درجہ بالا ارشاداتِ نبویؐ کا اگر ہم ملک عزیز پاکستان اور عصر حاضر کے مسلم ممالک پر اطلاق کریں گے تو اصلاحِ احوال اور عبرت کے لئے ہمیں بہت کچھ حاصل ہو سکے گا۔ خاص طور پر ہمارے ہاں اسلام کا نام لے کر خودکش حملے کرانے والوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ حضرتِ علامہ اقبالؒ نے پیامِ مشرق میں جدید ترکی کے بانی مصطفےٰ کمال اتاترک سے (جس نے ترکی سے اسلامی شعائر کا خاتمہ کردیا تھا) مخاطب ہوکر فرمایا تھا:

امتے بود کہ ما از اثر حکمتِ او واقف از سِرّ نہانخانِ تقدیر شدیم

ہر کجاراہ دہد اسپ براں تاز کہ ما　　　بارہا مات دریں عرصہ بتدبیر شدیم

ترجمانی: حضرتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک امی تھے لیکن ان کی حکمت کے اثر سے ہم تقدیر کے چھپے ہوئے راز سے واقف ہوئے ۔ یعنی انہوںؑ نے ہمیں بتایا کہ تدبیر کیا ہے ؟ (جیسا کہ فارسی کے مشہور شاعر نظیری نے کہا) جہاں کہیں راستہ بنتا ہے وہاں گھوڑا دوڑا کیونکہ ہم نے بارہا اس میدانِ دنیا میں تدبیر کے ہاتھوں اپنی ہار دیکھی ہے۔ لیکن اے مصطفیٰ کمال ! اگر تیرے پاس ظاہری سازوسامان نہیں ہے تو تدبیر پر بھروسا کرنے کی بجائے اللہ پر اور اُس کی بنائی ہوئی تقدیر پر بھروسا کر کے ایمان اور ہمت کے پاؤں پر چل کر آگے بڑھتا جا۔ اللہ کامیاب کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تجویز کردہ نسخہ پر عمل ہی مسلمانوں کو کامیابی سے ہمکنار کرسکتا ہے۔

باب 17:

صوفیہ ـــــــ تصوف ـــــــ اور زاویہ نشینی

(صلحائے اُمت نے گوشہ نشینی کیوں اختیار کی؟ خانقاہی نظام کا آغاز کب اور کیوں ہوا؟ خانقاہ کی اہمیت اور فضیلت کا بیان

اس باب کی وجہ تسمیہ تو اوپر باب 16 میں تفصیل کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے۔ لیکن گوشہ نشینی کی تاریخ، وجوہ اور اس کے فوائد اور اصول وضوابط کا تذکرہ اس باب میں کیا گیا ہے۔ تاہم گذشتہ ابواب کے مضامین کی دہرائی کے لئے اس باب میں چند ایک اہم موضوعات پر بھی مختصراً گفتگو کی گئی ہے جو یہ ہیں:

(1) صوفی کی نسبت کیا ہے؟
(2) اصطلاح صوفی کی تحقیق
(3) صلحائے اُمت نے گوشہ نشینی کیوں اختیار کی ؟
(4) اُمت لاتعداد روحانی فوائد سے فیض یاب کیونکر ہوئی ؟
(5) صحابہؓ کے بعد صوفیہؒ کے مقامات اور علوم پر گفتگو کرنے والے اصحاب عزیمت
(6) تصوف پر کتابوں اور رسالوں کے ذریعے علوم واشارات پھیلانے والے اہل دانش ودین
(7) معاملات صوفیہ میں تصانیف فرمانے والے صلحاء وعرفاء
(8) اصحابِ تصوف کے احوالِ محمودہ

(9) بیعت توبہ اور ارشاد کے سلاسل
(10) نبوت و خلافت و تصوف کے فرائضِ پنجگانہ
(11) قرآن حکیم کی رو سے تزکیۂ نفس کی اہمیت
(12) اولیا کے سلاسل کی اہمیت

خانقاہی نظام کا آغاز اور اس کی اہمیت بھی اگر چہ پہلے بیان کی جا چکی تھی لیکن موضوع کی مناسبت سے ایک بار پھر سے دہرائی کی غرض سے مختصراً تحریر کردی گئی ہے۔ ازاں بعد خانقاہ کی فضیلت وعظمت قرآنِ حکیم کے حوالہ سے بیان کی گئی۔

خانقاہ کہنے کو ایک لفظ ہے لیکن یہ صوفیہ کے فلسفۂ حیات کی عکاسی کرتا ہے گویا کہ یہ ایسا گھر ہے جس میں ہر گوشہ کے اندر اللہ کا ذکر کرنے والوں کا اجتماع رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ایک حدیث مروی ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اللہ تعالیٰ نیک اور صالح مسلمان کے ذریعے اس کے سو گھر والوں اور پڑوسیوں سے بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں پڑوسی کی تعریف یہ بیان کی گئی کہ جو بھی چاروں اطراف میں چالیس چالیس گھر ہوں وہ پڑوسی ہوتے ہیں۔ اب ذرا قیاس کیجئے کہ جو خانقاہ نیکوں' پرہیزگاروں اور اللہ کے صالح بندوں اور ذاکرین کا مستقل ڈیرہ ہو اُس کی برکتوں کا کیا عالم ہوگا؟ خانقاہ کا متبادل لفظ رباط ہے۔

اس باب میں ہم نے خانقاہی نظام کی خصوصیات و اعمالِ چہارگانہ' خانقاہ نشینوں کے فرائض' اصحاب صُفہ سے ان کی مشابہت' خانقاہی نظام میں تعلیم و تربیت اور شیخ زاویہ کے فرائض' خلوت نشینی سے مقصود' دین کی حفاظت' احوال نفس کی جستجو اور عبادتِ الٰہی کی تفصیلات بیان کی ہیں جس کے لئے متعلقہ باب ملاحظہ کیجئے۔

باب 18:

خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ صوفیۂ عظیم الشان کے قرآنی القابات

اس باب میں رجوع الی اللہ کو اپنی زندگیوں کا مقصود و محور بنانے والے مختلف

صفات و درجات کے حامل صلحائے اُمت کے اُن القابات کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے جنہیں اللہ بزرگ و برتر نے اپنی بارگاہ کے مقبولین میں شمار کرتے ہوئے مختلف اسماء سے قرآن حکیم میں یاد فرمایا مثلاً:

☆**الصادقین** (سچے) ☆**القانتین** (ادب والے) ☆**الخاشعین** (عاجزی والے) ☆**المؤقنین** (یقین والے) ☆**المخلصین** (فقط اللہ کی بندگی والے) ☆**المحسنین** (نیکی و پرہیزگاری والے) ☆**السائحین** (روزے رکھنے والے) ☆**الرجین** (اُمید رکھنے والے) ☆**الوجلین** (ڈرنے والے) ☆**الراضین** (راضی رہنے والے) ☆**العابدین** (عبادت کرنے والے) ☆**الصابرین** (صبر کرنے والے) ☆**الاولیاء** (اللہ کے ولی) ☆**المتوکلین** (توکل والے) ☆**المختبین** (تواضع والے) ☆**المجتبین** (چنے ہوئے برگزیدہ) ☆**المتقین** (تقویٰ والے) ☆**المصطفین** (منتخب و چنیدہ) ☆**الخائفین** (اللہ کا خوف رکھنے والے) ☆**الابرار** (خوب پرہیزگار) ☆ ☆**المقربین** (قرب والے) ☆**السابقین** (سبقت لیجانے والے) ☆**شاھدین** (متوجہ کان لگانے والے) ☆**الذاکرین** (دائمی ذکر کرنے والے) ☆**التائبون** (توبہ کرنے والے)

یہ باب ناچیز مؤلف کی ساری محنت کا نچوڑ ہے۔ رجوع الی اللہ کا ذوق و شوق رکھنے والے اصحاب دینِ دانش سے درخواست ہے وہ دل و دماغ کی پوری توجہ اور دلجمعی کے ساتھ اس کا مطالعہ فرمائیں۔ ''اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے ____ شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات'' ____ اور آخر میں حضرتِ علامہ اقبالؒ کے درج ذیل پُر سوز و پُر درد اشعار معزز قارئین کرام کی خدمت میں غور و فکر کے لئے پیش ہیں:

(1)☆ خضر وقت از خلوت دشت حجاز آید بروں ـــ کارواں زیں وادیِ دور و دراز آید بروں!

(2)☆ من بسیمائے غلاماں فر سلطان دیدہ ام ـــ شعلہ محمود از خاک ایاز آید بروں !

(3)☆ عمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات ـــ تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

(4)☆ طرح نو می افگند اندر ضمیر کائنات ـــ نالہ کز سینہ اہل نیاز آید بروں !

(5)☆ چنگ را گیرید از دستم کہ کار از دست رفت ـــ نغمہ خوں گشت و از رگہائے ساز آید بروں!

ترجمانی:

(1) حجاز کے صحرا سے زمانے کا خضر (رہنمائے ملتِ اسلامیہ) ظہور کر رہا ہے+اس دور و دراز وادی سے کوئی کارواں نکل رہا ہے(مراد ہے کہ احیائے اسلام کی کوئی صورت اس زمانے میں پھر پیدا ہونے والی ہے) (2) میں نے غلاموں کی پیشانی میں سلطان (مسلمانوں کی حکومت و سلطنت) کی شان و شوکت چشم تصور سے دیکھی ہے +ایاز جو سلطان محمود غزنویؒ کا غلام (یا محبوب) تھا' اس کی خاک سے محمود غزنوی کی شاہی کا شعلہ باہر آ رہا ہے۔ (مراد ہے کہ دنیا بھر میں مسلمانوں میں بیداری پیدا ہو رہی ہے اور اُن کے اندر آزادی و سرفرازی کے آثار نمودار ہونے کو ہیں جو دو صدیوں کی غلامی اور پستی کے بعد پھر سے سربلند ہونے اور غالب آنے کی تدابیر کرتے نظر آ رہے ہیں۔(3) زندگی مدتوں کعبہ اور بت خانہ میں روتی ہے +تب جا کر کہیں بزمِ عشق سے ایک دانائے راز باہر آتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(حضرت علامہؒ درحقیقت نہایت لطیف انداز میں اُمتِ مسلمہ سے اس توقع کا اظہار کر رہے ہیں کہ جب کوئی ایسا دیدہ ور یا دانائے راز پیدا ہو جائے تو اُس کا بھرپور ساتھ دینا چاہئے)

(4) ضمیر کائنات میں (کون ہیں) وہ جو ایک نئی بنیاد ڈالتے ہیں+وہ نالے جو اہل نیاز (یعنی اللہ کے نیک' برگزیدہ اور تسلیم و رضا والے لوگوں) کے سینوں سے باہر آتے ہیں (جو دعائیں کرتے ہیں تو اللہ اُن کی دعاؤں کو کبھی رد نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے ولیوں' درویشوں فقراء' ابرار و مقربین کی التجاؤں کو ہمیشہ شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے)(5) رباب کو میرے ہاتھ سے لے لو کہ میرا کام میرے ہاتھ سے جا رہا ہے یعنی میرے بس میں نہیں رہا +(حالت یہ ہوگئی ہے کہ) میرا نغمہ خون بن گیا ہے اور ساز کی رگوں سے باہر نکل رہا ہے۔ مراد ہے میں نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے اپنے دل و جگر کو خون کر لیا ہے اور اسے اشعار و نثری تحریروں میں سمو کر قارئین تک پہنچایا ہے۔ جو کچھ میرے بس میں تھا وہ میں کر چکا اب کام ہے میرے مخاطبین و قارئین کا کہ وہ اس ساز و نغمہ سے اور پیغام حیات ابدی سے کہاں

تک فائدہ اُٹھاتے ہیں۔والسلام

فقط مورخہ

جمعۃ المبارک 29 شعبان المعظم 1430ھ

بمطابق 21 اگست 2009ء۔

داعی الی الخیرات ــــ ناکارۂ خلائق

ناچیز حقیر پرتقصیر

ابو ناصر نبی احمد لودھی چشتی نظامی السالمی

A-6/960 عابد مجید روڈ، راولپنڈی کینٹ

فون: 051-5581331

--------☆☆☆--------

اعتراضات | بُلبُل چہ گفت | و | گُل چہ شنید | و | صبا چہ کرد | اشکالات
جوابات | | | | | | وضاحتیں

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطرِ قرآں کو چلیپا کر دیا تُو نے

ناقدین کی طرف سے مسودۂ کتاب پر اُٹھائے گئے اعتراضات اور اشکالات کا ابطال

کتابِ ھٰذا کا پہلا تصحیح شدہ مسودہ بعض صاحبانِ فکر و نظر اور اہل علم و بصیرت کی خدمت میں اُن کی قیمتی آراء کے استفادہ کی غرض سے پیش کیا گیا تو اس میں شامل مضامین و مندر جات پر اُن میں سے بعض اصحاب نے کچھ اشکالات پیش کئے اور نفسِ مضمون پر کچھ اعتراضات وارد ہوئے ۔ نا چیز مؤلف کو یقین ہے کہ ان سب اشکالات و اعتراضات کے شافی جوابات کتاب میں موجود تھے لیکن معترضین نے شاید بہ نظر غائر مطالعہ کی زحمت ہی نہیں فرمائی ۔ مثلاً :

باب 1: (اشکال 1) کہا گیا ہے کہ حضور نبیٔ مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کو آیا خلیفۃ اللہ فی العالم یا اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (اس اشکال کی وضاحت متصل پیرا گراف بعنوان تمام انبیاءؑ کا حضورؐ پر ایمان'' اُس سے اگلے پیرا گراف بعنوان'' حضورؐ کا مقامِ محمود ۔'' ایک اور اہم پیرا گراف بعنوان حضورؐ کی بلندیٔ شان پر قرآن حکیم کی وضاحتیں اور بشارتیں و دیگر متعدد مندرجات میں موجود تھی) ۔

(اشکال 2): کیا علمِ لدّنی، علمِ وحی سے کوئی الگ چیز ہے؟ ۔۔۔۔۔ اس سوال کا جواب چند صفحات آگے پیرا گراف بعنوان'' اولیاء کا کشف و الہام اور علمِ حضوری'' میں تفصیل کے ساتھ دیا گیا تھا ۔ لیکن مسلم اُمّہ میں'' خصوصی فکر و نظر'' رکھنے والے'' روشن خیال'' بعض متشدّد عقائد کے حامل فاضل علماء کو اولیا اللہ کے علمِ لدّنی کے خیال سے ہی چڑ ہے لہٰذا وہ اس موضوع پر دیئے جانے والے دلائل کو پڑھنے سننے ہی سے انکاری ہو جاتے ہیں ۔

(اشکال 3) عنوان'' انبیاء، مرسلین اور علماء اولیاء اللہ کے تعلق باہمی کے تحت کئی گئی بحث پر یہ سوال اُٹھایا گیا کہ'' اگر اولیاء اللہ کا علمِ غیب' رسول اکرم ﷺ کا فیضان ہے تو کیا اُسے قطعی نہیں ہونا چاہئے؟'' ۔۔۔ حالانکہ اس کی وضاحت سورۃ المائدہ کی آیت 111: کہ'' میں

نے حواریوں کو الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ"۔۔۔۔کی صاحب تفسیر مظہری، حضرت علامہ محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ کے حوالے سے اگلے ہی پیرا گراف میں کر دی گئی تھی۔

باب 3: بعنوان " انسان کی اُخروی فلاح کا واحد ذریعہ اور (مقصدِ تخلیق) عبادتِ الٰہی" کے ذیلی عنوان " پیغمبروں کی بعثت کا مقصود" کے حضرت آدمؑ، حضرتِ شیثؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرتِ صالحؑ، حضرتِ ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرتِ موسیٰؑ و ہارونؑ، حضرتِ یوشعؑ، حضرت لوشاقوسؑ، حضرت حزقیلؑ، حضرت داوٗدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرتِ ایوبؑ، حضرت یونسؑ، حضرت عزیرؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت ذکریاؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کے تذکار میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ انبیاءؑ کی بعثت کا اصل مقصود" عبادتِ الٰہی" تھا اگرچہ متعدد معروف ترین انبیاء ورسلؑ، کی بعثت کے اس مقصود پر قرآن حکیم میں بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے لیکن بعض انبیاءؑ کا ذکر اجمالی طور پر کیا گیا ہے تاہم ان انبیاء کے تذکار و مقصودِ بعثت کا ذکر الہامی کتبِ سابقہ میں بھی موجود ہے۔ لیکن انہیں " اسرائیلیات" کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ تقابلی مطالعہ کے لئے ان احوال و اقعاتِ انبیاء کی اہمیت سے انکار کی گنجائش نہیں۔ ہمارے بعض اہل علم اور محقق علماء نے نہایت درجہ عرق ریزی سے کتبِ سابقہ اور پہلے انبیاء کے سبق آموز احوال و واقعات کو جمع کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے جس کی تحسین نہ کرنا احسان ناشناسی ہے۔ جب کہ قرآن حکیم نے کتبِ سابقہ میں موجود احوال و واقعات اور ہدایاتِ الٰہیہ کے بارے میں جو فیصلہ دے رکھا ہے وہ ہماری رہنمائی کے لئے کافی و شافی تصور کیا جانا چاہئے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ م بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَانُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (٦٤) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْم بَعْدِهٖ۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (٦٥)

" کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے اُس

کی طرف آؤ۔ وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔ O اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورِیت اور انجیل اُن کے بعد اُتری ہیں۔ (اور وہ پہلے ہو چکے) تو کیا تم عقل نہیں رکھتے O۔ (سورۃ آل عمران :64-65)

چنانچہ درج بالا آیاتِ کریمہ کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو جو احوال و واقعات اور ہدایات و تعلیمات سابقہ کتب کی قرآن کریم میں موجود شواہد سے ٹکراؤ نہیں رکھتیں، ہمیں چاہئے کہ انہیں ماننے سے انکار نہ کریں۔ لیکن ہمارے ایک معترض نے یہ سوال اُٹھایا کہ ہم نے اُن کے فرقے کی مسلمہ کتب کے علاوہ سابقہ انبیاءؑ کی تعلیمات کو کچھ اور کتابوں سے کیوں اخذ کیا۔ مثلاً حضرت ادریسؑ کے واقعات قلمبند کرتے ہوئے یہ لکھا گیا تھا کہ: اخبار الدول اور دیگر کتبِ معتبرہ میں ہے کہ اولادِ قابیل کو انہوں نے شریعتِ آدمؑ و شیثؑ کی مخالفت سے منع کیا، چونکہ حضرتِ شیثؑ کے دور میں پانچ صالح و متقی اصحاب کی وفات پر اُن کے بُت بنا لئے گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے سب سے پہلے خدا پرستی کی دعوت دی اور نماز روزے کا حکم دیا۔ زکوٰۃ و اعانتِ ضُعفاء کا فرمان جاری کیا۔ وہ خود بھی صائم النہار اور قائم اللیل تھے اور کتابت اور خیاطی سے روزی کماتے اور اس میں فقراء اور مسکینوں کو صدقہ کرتے تھے۔ جب کپڑے سیتے تھے تو ہر سوزن پر اللہ کی تسبیح فرماتے تھے ۔۔۔۔حضرت ادریس کے کلیاتِ نصائح میں ہے۔

(1) شریروں سے صحبت نہ رکھو۔ (2) بدخواہوں سے پرہیز کرو۔
(3) حلف و دروغ گوئی سے بچو۔ (4) دوستی پر اعتماد کرو۔
(5) مغروری اور خودنمائی سے دور رہو۔ (6) حتی المقدور لفظ ''نہیں'' زبان پر نہ لاؤ
(7) ادب اختیار کرو۔ (8) جھوٹی قسم نہ کھاؤ۔
(9) شرع و حکمت کے دوست بنو۔ (10) نفس کو آدابِ پسندیدہ سے آراستہ رکھو
(11) حیا و خدا پرستی و توبہ کو اپنا وتیرہ بنالو۔ (12) قول و فعل میں مطابقت رکھو۔
(13) حیات کو تحصیل علم و ہنر میں صرف کرو۔ (14) بزرگوں کی اطاعت اختیار کرو۔
(15) عبادت کا صلہ رضائے الٰہی چاہو وغیرہ وغیرہ۔ (اختصار پیش کیا گیا ہے) خدالگتی

کہیئے کہ کونسی بات قرآن وسنت کے خلاف ہے۔؟؟؟

حضرت لوشا قوسؑ کے احوال و واقعات میں احوال انبیاء (مؤلفہ مولانا ابوالمحسن حسن کاکوروی) کے حوالے سے بتایا گیا تھا کہ '' حضرت یوشعؑ '' حضرت موسیٰؑ کے بعد سات سال تک صرف خلیفہ رہے یعنی حضرتِ موسیٰؑ کے خلیفہ' بعد میں اللہ بزرگ و برتر نے آپ کے نبی ہونے کا اعلان فرمایا اور ان کا دورِ نبوت ستائیس برس تک قائم رہا۔ آپؑ نے اپنی وفات کے وقت حضرت لوشا قوسؑ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا''۔ یہ واقعہ تاریخی اعتبار سے صرف اس لئے بیان کیا گیا کہ حضور ختمی المرتبت ﷺ کی خلافتِ نبوت کے بعد جس طرح سے خلافتِ راشدہ کا دور تیس برس تک جاری رہا اور حضرت ابوبکرؓ، صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسنؓ حضور ﷺ کے خلیفہ شمار ہوئے اسی طرح '' سابقہ ادوار میں انبیاءؑ ورسل اپنے خلیفہ مقرر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیثِ مبارکہ کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور محمد ﷺ تک کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر نسلِ انسانی کی رشد وہدایت اور خیر و فلاح کے لئے آئے جب کہ انجیل برناباس میں ان کی تعداد ایک لاکھ چوالیس ہزار بیان کی گئی ہے۔ دو انبیاء کے درمیانی عرصہ میں اگر کہیں نبی یا رسول موجود نہ بھی ہوتے پہلے انبیاء کے خلفاء یعنی اُس اُمت میں اولیاء اللہ رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیتے۔ جیسا کہ خلافتِ راشدہ کے بعد گذشتہ چودہ صدیوں سے اُمتِ مُسلمہ میں یہی اولیاء اللہ ایک تسلسل کے ساتھ فرائضِ نبوت کو انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا خلافت کا یہ سلسلہ کہیں بھی منقطع نہیں ہونے دیا گیا۔

باب 4 : بعنوان: ''انسان کا مقصد وجود اور خلافتِ آدمؑ پر ابلیس کا انکار''۔۔

میں ابتدائی طور پر سورۃ البقرۃ کی دس آیات (30 تا 39) کے ترجمے کے حوالہ سے یہ بتایا گیا تھا کہ ان دس آیات میں انسان کے مقصد ومقصودِ تخلیق، علم وفضل میں اُس کے اشرف المخلوقات اور مسجودِ ملائک ہونے کے مقامِ رفیع الشان' اُسے خلافت وشرف و عظمت وسربلندی کے منصبِ جلیلہ پر فائز کئے جانے اور اُس کی دنیاوی زندگی کے لئے وحیٔ الٰہی کے ذریعے متعین کردہ اُصولی لائحہ عمل ونزولی ضوابطِ کار کی پابندی کی صورت میں اُخروی خیر وفلاح وسرخروئی کا مکمل نقشہ کھینچے جانے کا ذکر تھا۔ علامہ عبد الرحمٰن ابنِ

خلدون کی مشہور زمانہ تحقیقی تاریخی تصنیف ''مقدمہ ابن خلدون'' کے حوالہ سے یہ بتایا گیا تھا کہ انسان کے پیدا کئے جانے کی غرض و غائت ہرگز دنیاوی نہیں کیونکہ دنیا تو سراسر باطل اور عبث ہے اور ناپائیدار ہے' دنیا کی انتہا موت و فنا ہے ۔۔۔لہٰذا لوگوں کے پیدا کرنے کا اصل مقصود صرف دینی سعادت حاصل کرنا ہے ۔ جس سے اُسے اُخروی زندگی کی فلاح و کامرانی نصیب ہو۔ یہ اُس اللہ کی راہ ہے جس کی بادشاہت کائنات کے ذرہ ذرہ پر ہے۔ اس لئے شریعت لوگوں کو زندگی کے تمام گوشوں میں دین پر اُبھارتی ہے' خواہ اعتقادات ہوں یا عبادات یا معاملات حتیٰ کہ وہ سیاست کو بھی دینی سانچوں میں ڈھالتی ہے'' لیکن علامہ ابنِ خلدون کے نزدیک '' تقررِ امام (سیاست) فرضِ کفایہ ہے ۔' فرض عین نہیں'' ۔

۔۔۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ہمارے ایک سیاسی عالمِ دین'' نے یہ اعتراض وارد کیا کہ '' حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی میں مادی و روحانی برکات کا اجتماع کیا خلافت کا ماڈل نہیں ؟ صرف روحانی سرگرمی کیا کارِ نبوت کے ایک جزو کی تکمیل نہیں ہے؟''

قارئین کرام ! ناچیز مؤلف نے اٹھارہ ابواب پر مشتمل زیرِ نظر کتاب بعنوان:'' خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی و مادی جہتیں'' ۔۔۔لکھی اُس کے عنوان ہی میں ہمارے فاضل دوست کے متذکرہ اعتراض کا جواب موجود تھا ۔۔۔ یہ کہ ناچیز مؤلف دونوں جہتوں کو برابر تسلیم کرتا ہے یہ کہ خلافتِ ختم المرسلین ﷺ کی ایک روحانی جہت ہے تو دوسری مادی جہت ۔ البتہ اُس کے نزدیک روحانی جہت کو فوقیت حاصل ہے اس لئے کہ مادی جہت (یعنی سیاسیات) بھی اس لئے ہے کہ '' خلیفہ '' یعنی حکمرانِ وقت انسانوں کی اخروی فلاح کے لئے تمام تر توانائیاں صرف کرے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں اس جہت پر عمل درآمد کے لئے جو اصول وضوابط طے کئے گئے ملاحظہ ہوں:

○ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (247)○

ترجمہ:'' اور اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے بادشاہی بخشے' وہ بڑا کشائش والا اور بڑا دانا ہے''

(البقرۃ 247)

○ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (٢٦) ○

ترجمہ: ''کہو کہ اے اللہ (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔'' (آل عمران 26)

○ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (٤١)○

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم اُن کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے'' (الحج 41)

○ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۔ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا ۔ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (٥٥)○

ترجمہ: ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے' اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کا حاکم بنا دے گا' جیسا اُن سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور اُن کے دین کو جسے اُس نے اُن کے لئے پسند کیا ہے مستحکم اور پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد اُن کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اُس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ فاسق ہیں (النور 55)

راقم الحروف نے اپنے مؤقف کی وضاحت کے لئے جن عنوانات کے تحت بحث وتمحیص کی وہ یہ ہیں: (1) منصبِ خلافت کا اہل انسان ہی کیوں؟ (2) قرآن میں پچیس مقامات پر حضرت آدمؑ کا ذکر (3) انسانی تخلیق کے مراحل (4) تخلیقِ آدم کی حکمتیں (5) شیطان کی حقیقت اور انسان سے دُشمنی کی وجوہ (6) حضرتِ انسان کی عظمتیں اور سرفرازیاں (7) کیا شیطان نظامِ خلافت (انسانی) منہدم کرنے میں کامیاب ہو سکا؟ (8) نظامِ کائنات میں گہری حکمت (9) احیائے خلافت کی تیاری کا معیار (10) اصحابِ صُفہؓ کی روشن مثال (11) اُمّتِ مُسلمہ کی فکری و نظری بھول

(12) اُمت کے ایک طبقہ کی گمراہی کا نکتہ ٔ آغاز (13) قرآن کی غرض و غایت قیام حکومت نہیں (14) بندہ ٔ خُدا اور بندہ ٔ زمانہ کے مابین کشمکش (15) ظاہری اور حقیقی علوم کے مابین خطِ امتیاز (16) خلافتِ کُبریٰ کا تسلسل درج بالا عنوانات بادی النظر میں ہی ہمارے موٴقف کی تائید کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ نامور دینی سکالر پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی تالیف ''تاریخِ تصوف'' میں لکھتے ہیں کہ: قرآن کی غرض و غایت قیامِ حکومت نہیں بلکہ بنی آدم میں تعلق باللہ کی اہمیت کا شعور پیدا کرنا اور اس حقیقت کو جاگزیں کرنا ہے کہ اللہ کے ساتھ تعلق نہ ہو تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ گویا کہ مسلمان کا مقصدِ حیات اللہ کو راضی کرنا ہے۔ رہی حکومت تو یہ ایک انعام ہے جو بعض شرائط پوری ہونے پر اللہ اپنے نیک بندوں کو عطا کرتا ہے۔ اسے مقصود و مطلوبِ حیات بنانا بہت بڑی بھول اور گمراہی ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جسے سمجھنے سے اُمت کے بعض دینی سیاسی مفکرین قاصر رہے اور بعض ایسے خودغرض، جاہ پرست اور دنیاوی ہوسِ اقتدار میں مبتلا بزعم خود ''علماءِ دین'' ہیں جو جان بوجھ کر خود کو اور اُمہ کو گمراہ کرنے کا ٹھیکہ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ''دنیا کے تمام مذاہب تعلق باللہ کی بات کرتے ہیں اور شخصی تعمیر و اصلاح کو ایک انفرادی عمل خیال کرتے ہیں۔ لیکن دینِ اسلام کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ سیاسیات کو نہ تو شجرِ ممنوعہ خیال کرتا ہے اور نہ ہی ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہو کر روحانی سربلندی سے غافل ہونے کی غلطی کا مرتکب ہونے کی اجازت دیتا ہے بلکہ ''اجتماعی مادیت کو روحانیت کے تابع رکھنا لازمی خیال کرتا ہے اور جہاں اجتماعیت ''یزیدیت'' کا رنگ اختیار کرتی نظر آئے وہ اس سے الگ ہو کر تعلق باللہ کی ابدی دولت کو بچانے پر اپنی توانائیاں مرکوز کرنے پر زور دیتا ہے۔ چنانچہ ہم ''سیاست کو فرضِ عین'' قرار دینے والے ہوسِ اقتدار کے ان پجاریوں کو مشکوٰۃ المصابیح کے چند ایک ابواب کے خصوصی مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں ' اس توقع کے ساتھ ''شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں میری بات''۔

باب ریا اور شہرت طلبی :

اس باب میں جن موضوعات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمہ کی رہنمائی فرمائی ، اُن میں سے چند ایک یہ ہیں: (1) دین کے ذریعے دنیا کو دھوکہ دینے والے بھیڑیئے (2) ریاکار کو اللہ ذلیل کرے گا (3) ظاہر میں دوست 'باطن میں دشمن قومیں (4) باتیں

عالمانہ وحکیمانہ کام ظالمانہ۔

باب تغیر الناس : (1) تم سابقہ اُمتوں کی تقلید کرو گے (2) امت کے بُرے لوگ بھلے لوگوں پر مسلط ہو جائیں گے (3) شریر بدکار دنیا کے مالک ہو جائیں گے (4) زمین کی پشت کب بہتر ہوگی اور پیٹ کب بہتر ہوگا (5) جس قوم میں خیانت' زنا کاری' ناپ تول میں کمی' عہد شکنی پیدا ہو جائے' اُس پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے۔

کتاب الفتن : (1) فتنے ڈالے جائیں گے (2) ایمان اُٹھ جائے گا (3) (ایسے حالات میں) فرقوں سے الگ ہو جانا، درخت کی جڑ میں پناہ لے لینا (4) اعمال نیک میں جلدی کرنا فتنوں سے پہلے (5) عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا تو گوشہ نشین ہو جانا (6) گوشۂ تنہائی اختیار کر لینا (تین بار فرمایا) (7) پہاڑ کی چوٹی میں' جنگل میں جہاں پناہ ملے چلے جانا (8) فتنوں میں عبادت کا ثواب ہجرت کے برابر (9) آئندہ زمانہ موجودہ سے بدتر (10) اُمت کو گمراہ کرنے والے امام' قتالِ باہم ہوگا (11) خلافت کے تیس سال پھر ظالم بادشاہ' پھر فساد فی الارض' پھر دورِ جبر واستبداد (یہ حدیث زیادہ تفصیل کے ساتھ باب متعلقہ ڈرانے اور نصیحت کے بیان میں بھی موجود ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے دین کی ابتداء نبوت ورحمت' پھر خلافت' پھر ظلم پر مبنی بادشاہت' پھر فساد فی الارض یعنی عیش وعشرت' بے حیائی) ۔(12) زمانہ خیر کے بعد شر ہوگا پھر سلطنت (حکومت) ہوگی۔ ایسے وقت میں درخت کے نیچے بیٹھ جانا وہیں مر جانا (13) فتنہ کے وقت پرہیزگاری اختیار کرنا (14) خود کو سنبھالنا' عوام سے دور رہنا' گھر میں گوشۂ نشین ہو جانا' عوامی معاملات سے کوئی تعلق نہ رکھنا' گھروں میں ٹاٹ ہو جانا' کمانوں کو توڑ دینا (15) ''احلاس'' کا فتنہ یعنی خوشحالی' اسراف' عیش وعشرت' افسوس اُس پر جو فتنوں سے دور نہ ہوا۔ (مشکوٰۃ المصابیح میں باب الفتن ملاحظہ ہو)

باب 5 : بعنوان ''خلافت کی روحانی و مادی جہتیں یعنی خلافتِ کبریٰ وخلافتِ صُغریٰ''۔۔ میں اس اُصولی مؤقف پر بحث کی گئی ہے کہ قرآن حکیم کی آیات الانعام 165' ھود 57' یونس 14' الاعراف 69' اور ص 26 پر غور کیا جائے تو یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ مالکِ کُل اور حاکمِ مطلق (The Almighty) ہے جو انسانوں کو بحیثیت قوم یا اُمت، زمین پر حکومت وسلطنت عطا فرماتا ہے۔ گویا کہ حکومت وفرمانروائی کسبی نہیں (یعنی کوششوں سے حاصل کرنے والا منصب

نہیں) وہبی و عطائی ہے۔

دوسری بات یہ واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ''خلیفۃ اللہ'' ہونا یعنی اللہ تعالیٰ کا براہِ راست نائب یا قائم مقام مقرر ہونا، کلیتاً ایک الگ مقدس منصبِ جلیلہ اور ارفع و اعلیٰ مقام ہے جس کا لازمی تعلق دنیاوی نظم و انصرام، حکومت یا سلطنت سے ہرگز ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جیسا کہ نقلی و عقلی دلائل سے ثابت ہے کہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ و رسل میں سے صرف چند ایک پیغمبر ایسے ہیں جو بادشاہ بھی تھے اور ایسے اصحابِ عظیمت کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ مختلف قوموں کی بحیثیت مجموعی حکومت و فرمانروائی کلیتاً مختلف مقاصد و معانی کی حیثیت رکھتی ہے جس کے لئے کائنات کے خالق و مالک نے جو قواعد و ضوابط اور قوانینِ قدرت مقرر کر رکھے ہیں اُنہی کے مطابق وہ حکومت و سلطنت مختلف قوموں کو عطا فرماتا ہے۔ ان اُصولوں پر فلسفہ و تاریخ کے سرتاج علامہ ابنِ خلدون کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد، امام فخر الدین رازیؒ، علامہ سید رشید رضا مدیر المنار قاہرہ اور بہت سے دیگر اہلِ علم نے تفصیل سے بحث و تمحیص کی ہے اور کتب تصنیف کی ہیں۔ ہم نے اپنی تالیف زیرِ نظر (باب زیر بحث) میں درج ذیل عنوانات کے تحت بحث کی ہے:

(1) ''خلفاءِ راشدینؓ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث علماء و صلحاء'' (2) اولی الامر کی حیثیت سے اولیاء اللہ کا مقام (3) مولانا ابوالکلام کے نزدیک عہدِ اجتماع و ائتلاف (4) حکومتوں اور سلطنتوں کی غرض و غایت اور حکومت و فرمانروائی کسبی نہیں وہبی منصب ہے (5) بادشاہ نہ ہونے کے باوجود بادشاہوں کے آقا (6) حکومت نہ ہونے کے باوجود زمین کے وارث (7) دنیاوی حکومتیں اور سلطنتیں عارضی و فانی (8) مولانا اصلاحی اور سید مودودی کے نزدیک وراثتِ زمین کا حقیقی مفہوم (9) زمین اللہ کی' جسے چاہتا ہے وارث بناتا ہے: حافظ ابنِ اکثیر (10) تمکین فی الارض کا اصل مقصد: اللہ کی عبادت: ابوالکلام (11) حضورؐ سے تمکین فی الارض کا وعدہ پورا ہو چکا: پیر کرم شاہؒ (12) خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور اور امام مہدیؑ (13) خلافتِ کبریٰ کے تسلسل میں شمولیت کی اہلیت (14) خلافت کا تسلسل کیوں ضروری تھا؟ (15) خلافت کا تسلسل اور صوفیہ کے سلاسل (16) اقتدارِ باطل: امام حسینؓ کی نظر میں (17) خادم بن کر رہنے سے خدا مخدوم بنا دیتا ہے۔

اعتراض نمبر (1) عصرِ حاضر میں حکومتوں کے قیام کو "فرضِ عین" تصور کرنے والے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے فکر و فلسفہ کے متاثرین "بزعمِ خود دینی و سیاسی دانشورانِ قوم" نے عموماً ہماری فکر و نظر پر یہ اعتراض اُٹھایا کہ "مکمل خلافت مادی و روحانی جہتوں کو شامل ہوتی ہے دنیا کو آخرت کے تابع کرنا بڑے فساد کا علاج ہے کیونکہ حکومتیں ہی بڑے فساد کا موجب ہوتی ہیں۔ کیا علماء و صلحاء کا دنیا کو اہلِ ہوس کے لئے چھوڑ دینا بڑے فساد سے صرفِ نظر نہیں؟ وہ جو اقبال نے کہا تھا:

"نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؓ　　　　کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری"

اس کا شافی جواب چاہئے!

جواب: ناچیز بصد ادب و احترام عرض گزار ہے کہ اولاً گذشتہ چودہ صدیوں سے "اسلام کے سیاسی نظام کے اُصول و مبادی" کے ماہرین علماءِ حقہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ "مسلمانوں پر ایسے خلیفہ کا منصوب (یعنی تقرر) کرنا جو جامع شرائطِ خلافت ہو فرضِ کفایہ ہے"۔ (فرض کفایہ وہ فرض ہے جو ہر شخص پر بالذّات فرض نہ ہو۔ حتیٰ کہ اگر بعض لوگ اس کو ادا کر دیں تو سب کے ذمے سے یہ فرض اُتر جائے" (دیکھئے "**اِزَالَةُ الخَفَاء عَنْ خِلَافَةِ الخُلَفَاء**" تالیف امام الہند شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ: جلد اول)۔ حضرت شاہ صاحب نے اس مسئلہ پر متعدد دلائل پیش کئے ہیں

دلیلِ اول: یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد خاکی کی تدفین سے بھی پہلے خلیفہ کے تعین و تقرر کی طرف مائل ہوئی بصورت دیگر صحابہؓ خلیفہ کے تقرر کو تدفین پر مقدم نہ کرتے۔ (اندریں حالات دو اہم نکات پیشِ نظر رکھنا ضروری ہوگا کہ خلافت کی مادی جہت کا قیام تو آج ممکن العمل نظر نہیں آتا بلکہ خلافتِ راشدہ کے بعد آج تک عمومیت کے ساتھ ممکن العمل نہ ہو سکا تو خلافت کی روحانی جہت کا تسلسل اور بھی ضروری بلکہ لازمی قرار پایا کہ اس میں سوائے حدود و تعزیر کے شریعت کے جملہ احکام پر عمل دارآمد ہوسکتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ دوسرے یہ اہم نکتہ ہے کہ اصل مقصود تعلق باللہ ہے اور صرف اور صرف خلافت کی روحانی جہت سے ہی یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے اور گذشتہ چودہ صدیوں سے حاصل ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس کی افضلیت تسلیم کئے بغیر چارہ کار نہیں۔

دلیلِ دوم: یہ ہے کہ حدیثِ (نبویؐ) میں وارد ہے کہ "جو شخص اس حال میں مرے کہ اُس

کی گردن میں (کسی خلیفہ کی) بیعت (کارشتہ) نہ ہو' وہ جاہلیت کی (سی) موت مرا''۔ یہ حدیث نص شرعی ہے۔ تفصیلاً (یعنی حقیقتاً مرفوع ہے)۔ مرفوع اُس روایت کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کا قول یا فعل یا حال ہو۔ (یہ مقصد بھی خلافت کی مادی جہت کے عدم وجود قیام کی صورت میں صرف اور صرف خلافت کی روحانی جہت کے قیام و انصرام (اور تسلسل) سے ہی گذشتہ چودہ سو برس سے آج تک پورا ہو رہا ہے۔ بصورت دیگر تو بیعت کا انقطاع جاہلیت کی موت مرنے کے مترادف ہوتا۔ کاش یہ بات علماءِ ظاہر کی سمجھ میں آسکتی۔

دلیل سوم: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کو فیصلہ' خصومات کو اور علومِ دین کے زندہ رکھنے کو اور ارکانِ اسلام قائم رکھنے کو فرضِ کفایہ کر دیا ہے اور یہ سب باتیں بغیر امام (یعنی خلیفہ) کے مقرر کیے ہوئے صورت پذیر نہیں ہوسکتیں۔ (شاہ صاحبؒ کی اس دلیل پر بھی اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سوائے بلادِ اسلام سے کفار کے حملے دور رکھنے اور حدود و تعزیر کے نفاذ کے دیگر فرائض امام کما حقہ، صلحاءِ اُمت، نے سلاسلِ تصوف کے قیام کے ذریعے پورے کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ بلکہ مسلمان حکومتوں اور حکمرانوں کو بھی راہِ راست پر رکھنے میں وہ دن رات دعاء و تدابیرِ عقلیہ و نقلیہ سے کام لیکر کوشاں رہے ہیں۔ آج جبکہ ''جمہوری دور'' میں انتخابات کے ذریعے حکومتوں کو تبدیل کرنا قدرے آسان ہو چکا ہے تو اہل تصوف پھر سے میدان میں موجود ہیں اور وہ اس طرح سے کہ مسلمان سیاسیین میں سے اہل افراد کے حق میں اپنا اور اپنے متوسلین کا وزن ڈالنے کا فریضہ بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ اگر چہ حضرت علامہ اقبالؒ نے تو موجودہ جمہوری نظام'' کی نفی کرتے ہوئے ہی یہ کہا تھا۔

اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

حضرت علامہ اقبالؒ اپنے فارسی کلام پیامِ مشرق میں بھی '' جمہویت'' کے موضوع پر اس نظامِ حکومت سے لمبی چوڑی توقعات وابستہ کرنے والے'' دینی دانشورانِ ملت'' کو یہ پیغام دیتے ہیں:

متاعِ معنیٔ بیگانہ از دو فطرتاں جوئی؟ زموراں شوخیِ طبعِ سلیمانے نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری، غلام پختہ کارے شو کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

ترجمانی: (1) تو دوسروں کے حقوق یا مقاصد کو پورا کرنے کی دولت کمینہ فطرت لوگوں سے طلب کرتا ہے (یاد رکھ کہ ہزروں لاکھوں) چیونٹیوں سے ایک سلیمان بادشاہ کی طبع کی شوخی نہیں آتی (وہ تجھ سے ووٹ حاصل کر کے حکمران ہو جائیں گے اور اپنی فطرت کی کمینگی سے تجھے ہر طرح کا نقصان پہنچائیں گے تاکہ ان کی حکمرانی اور بادشاہت (بصورت صدارت، وزارت، گورنری و دیگر جمہوری عہدے قائم رہ جائے چاہے قوم اور ملک و ملت کا بیڑا غرق ہو جائے) (کیا حالیہ سیاسی جمہوری کشمکش کے دور میں یہی "تماشائے اہلِ سیاست" پاکستان کے عوام الناس کا مقدر نہیں بنا ہوا ؟؟؟ کیا یہ پسندیدہ ہے؟)
(2) مغربی طرز کی جو جمہوریت تمہیں ملی ہے اس سے دور بھاگ (اور اپنے منتخب کردہ بیسیوں سینکڑوں حکمرانوں سے قطع نظر) ایک تجربہ کار نیک نفس، صالح اور سمجھدار مرد کی غلامی اختیار کر لے + کیونکہ دوسو گدھوں کے دماغ سے ایک انسان کی فکر پیدا نہیں ہو سکتی (یہ دوسو گدھوں کا دماغ رکھنے والے تیرے حقوق کی نگہداشت نہیں کر سکیں گے۔ ہاں کسی ایک اللہ والے، صائب الرائے کو اپنا آقا تسلیم کر لے وہ تیرے غم کو اپنا غم بنا لے گا۔ وہی اس دنیا میں اور آخرت میں تمہاری کامیابی کا ضامن ہو سکے گا۔

ناچیز مؤلف اپنے ان دینی سیاسی پرندوں سے یہ عرض کرنا بھی مناسب سمجھے گا کہ اُمتِ مُسلمہ کا اصل مرض" سیاسی شکست" نہیں روحانی شکست ہے جیسا کہ حضرت علامہؒ نے فرمایا!

اصلِ ما یک شرر باختہ رنگے بودست نظرے کرد کہ خورشیدِ جہانگیر شدیم
نکتۂ عشق فروشت ز دل پیرِ حرم از نفس ہائے صبا غنچۂ دلگیر شدیم
اے بسا صید کہ بے دام بفتراک زدیم دربغل تیر و کماں کشتۂ نخچیر شدیم

ترجمانی: ہماری اصل تو ایسا شعلہ ہے جس کا رنگ اُڑ چکا ہو یا حرارت ختم ہو چکی ہو۔ مراد ہے کہ ہم خاک کے پُتلے ہیں لیکن اہلوں اور اہل نظر نے ہم پر نگاہ کی اور جہاں کا احاطہ

کرنے والے اور جہاں کو روشن کرنے والے سورج بن گئے تھے۔ یعنی دنیا پر حکمران ہو گئے تھے یا ہم نے دنیا کو نورِ روحانی اور دانش ملکوتی سے روشن کر دیا تھا۔ (2) پیر حرم (ہمارے ظاہر پسند اور باطن نفور علماء یا ہمارے دنیا پسند اور دین نفور رہنماؤں نے) ہمارے دل سے عشق کی باریک بات کو دھو ڈالا یعنی مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول ﷺ کا جذبہ ختم کر دیا۔ یہ چونکہ ہماری بڑی تقصیر (قصور، جُرم، یا غلطی) تھی اس لئے ہم اتنے ہی دنیا میں ذلیل وخوار ہو گئے (3) (ایک وقت وہ بھی تھا کہ) ہم نے کئی دفعہ شکار کو جال لگائے بغیر پکڑ کر اپنی فتراک سے باندھ لیا (اب صورتِ حال یہ ہے کہ) تیر اور کمان ہماری بغل میں ہیں اور شکار کے خود ہی شکار ہو گئے۔ یعنی آج کے دور پر اگر اس شعر کا اطلاق کیا جائے تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیائے اسلام کی واحد ایٹمی قوت ہوتے ہوئے ہم دشمن قوموں کے لئے (قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں کے ذریعے) خوانِ یغمہ بنے ہوئے ہیں۔

(یہ بھی اس لئے ہوا کہ ہم جذبۂ عشق رسول ﷺ سے خالی اور عمل سے بیگانہ ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم عملاً دشمن قوموں کے غلام ہو کر ذلیل اور خوار ہو رہے ہیں)۔

علامہ سید سُلیمان ندویؒ اپنی تالیف بعنوان ''اسلام کے سیاسی نظام کے اُصول ومبادی'' (جو درحقیقت اُن کی شُہرۂ آفاق کتاب ''سیرۃ النبیؐ''، صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جلد ہفتم ہے) میں رقمطراز ہیں: ''اسلام کے سارے دفتر میں ایک حرف بھی ایسا موجود نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ قیامِ سلطنت اس دعوت کا اصل مقصد تھا اور عقائد و ایمان و شرائع و احکام اور حقوق و فرائض اس کے لئے بمنزلۂ تمہید تھے۔ بلکہ جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شرائع اور حقوق و فرائض ہی اصل مطلوب ہیں اور ایک حکومتِ صالحہ کا قیام ان کے لئے وجہ اطمینان وسکونِ خاطر کا باعث ہے' تا کہ وہ احکامِ الٰہی کی تعمیل بآسانی کر سکے' اس لئے وہ عرضاً مطلوب ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد اسی نکتہ کا ترجمان ہے:

○ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۔ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا (٥٥) ○

ترجمہ: '' جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے' ان سے اللہ کا وعدہ ہے

کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا مستحکم اور پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے''۔ (سورۃ نور 55)

ترجمانی: ''اس آیت میں خلافت کی عطا' خوف کے بعد امن کی بخشش اور کمزوری کے بعد طاقت کے حصول کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ ہر امر میں اللہ کی عبادت اور اطاعت ہو اور شرک دور ہو۔ اگر واقعہ اس کے خلاف ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ عبادتِ الٰہی کی تعلیم اور شرک کی دعوت اس لئے ہے کہ خلافت کا قیام اور سلطنت کا حصول ہو''۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے نزدیک سورۃ الحج کی آیت نمبر 6 کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ''اسلامی سلطنت کا مقصد نہ جزیہ کا حصول، نہ خراج کی وصولی، نہ مالِ غنیمت کی فراوانی، نہ دولت کی ارزانی، نہ تجارت کا فروغ، نہ جاہ و منصب کا فریب، نہ عیش وعشرت کا دھوکہ اور نہ شان و شوکت کا تماشا ہے۔ بلکہ سرتاسر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری ہے اور اس کے لئے جدو جہد اور سعی و محنت کی ذمہ داری کا نام ہے''۔

ہماری معروضات سے اختلاف رکھنے والے ''اصحابِ فکر ونظر'' سے درخواست ہے کہ وہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتاب ''اسلام کے سیاسی نظام کے اُصول و مبادی'' (سیرۃ النبیؐ جلد ہفتم) کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ اُن کے بہت سے اشکالات و اعتراضات کا صفایا ہو جائے گا (انشاء اللہ تعالیٰ) سطور بالا میں صاحب موصوف نے جو حضرتِ علامہؒ کے ''خانقاہوں سے نکل کر رسمِ شبیریؐ'' ادا کرنے سے متعلق شعر کا حوالہ دیتے ہوئے ناچیز مؤلف سے شافی جواب طلب کیا تھا۔۔۔اُن سے عرض یہ ہے کہ معترضین مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مرحوم کی تین جلدوں پر مشتمل ضخیم کتاب بعنوان ''تاریخ دعوت وعزیمت'' پڑھنے کی زحمت ضرور گوارا فرمائیں۔ اس کتاب کے حصہ اول میں عالمِ اسلام کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں کا تاریخی جائزہ' نامور مصلحین اور ممتاز اصحابِ دعوت وعزیمت کا مفصل تعارف' اُن کے علمی کارناموں کی روداد اور اُن کے اثرات ونتائج کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جبکہ حصہ سوئم میں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتیؒ ' سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ' حضرت خواجہ مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ کی سوانح حیات' صفات و کمالات و تجدیدی و اصلاحی کارنامے' تلامذہ و منتسبین و مسترشدین کا

تذکرہ وتعارف پیش کیا گیا ہے۔۔۔در حقیقت علی میاںؒ نے اپنی اس قابلِ ستائش تالیف میں اسلام کی تیرہ سو برس کی تاریخ میں اصلاح و انقلابِ حال کی کوششوں کے تسلسل کو دکھایا ہے اور ممتاز شخصیتوں اور تحریکوں کی نشاندہی کی ہے جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق دین کے احیاء اور تجدید اور اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے کام میں حصہ لیا ہے اور جن کی مجموعی کوششوں سے اسلام زندہ اور محفوظ شکل میں اس وقت موجود ہے ۔۔۔۔اور مسلمان ان گرامی قدر حضرات کے احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ علی میاںؒ واشگافِ الفاظ میں خلافتِ راشدہ کے بعد پہلی صدی ہجری کی اصلاحی کوششوں میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، دوسری صدی ہجری میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ، فتنۂ خلقِ قرآن کے تدارک میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ، فتنۂ اعتزال کے قلع قمع میں امام ابو الحسن اشعری اور ان کے پیروؤں، نبوتِ محمدیؐ کے خلاف بغاوت اور فلسفیانہ و باطنیت کے فتنہ و دیگر فکری و اصلاحی و دعوت و تذکیر کی کوششوں میں حضرت امام غزالیؒ، مردہ دلوں کی مسیحائی کے ضمن میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور بہت سے دوسرے مصلحین مثلاً مولانا جلال الدین رومیؒ جیسے بلند پایہ صوفیہ کے تذکرہ سے قبل اپنی تالیف کے مقدمہ بعنوان ''اصلاح وتجدید کی ضرورت اور تاریخِ اسلام میں ان کا تسلسل'' میں رقمطراز ہیں: ''اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام کی اس طویل اور پُر آشوب تاریخ میں کوئی قلیل سے قلیل مدت ایسی نہیں پائی جاتی جب اسلام کی حقیقی دعوت بالکل بند ہو گئی ہو، حقیقتِ اسلام بالکل پردہ میں چھپ گئی ہو، یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب کبھی اسلام کے لئے فتنہ نمودار ہوا، اس کی تحریف اور اس کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی یا اس کو غلط طریقہ پر پیش کیا گیا، مادیت کا کوئی سخت حملہ ہوا' کوئی طاقتور شخصیت ایسی ضرور میدان میں آ گئی جس نے اس فتنہ کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور اس کو میدان سے ہٹا دیا۔ بہت سی دعوتیں اور تحریکیں ایسی ہیں جو اپنے اپنے وقت میں بڑی طاقتور تھیں لیکن آج ان کا وجود صرف کتابوں میں رہ گیا ہے۔ ان کی حقیقت کو سمجھنا بھی آج مشکل ہے''۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی ایک اور تحقیقی کاوش بعنوان ''عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح'' (یعنی بعض معاصر تحریکوں اور تحریروں کے آئینہ میں ایک جائزہ اور تبصرہ) 1978ء میں شائع ہو کر اہل علم سے دادِ تحسین و آفرین حاصل کر چکی ہے۔ کتاب کے

پیش لفظ میں علی میاںؒ بیان کرتے ہیں کہ'' عصر حاضر کے مطابق دین کی تفہیم و تشریح کا ضروری، مفید اور مبارک کام جاری رہا اور خدا ہر زمانے کی ضرورت کے مطابق ایسے متکلم اسلام اور ایسے شارحِ دین اور ترجمانِ شریعت پیدا کرتا رہا جنہوں نے پوری کامیابی اور خوش اسلوبی سے یہ فرض انجام دیا لیکن اسی کے ساتھ ان لوگوں سے بھی کوئی زمانہ خالی نہیں رہا جن کو رسوخ فی العلم کی دولت حاصل تھی اور جو ایک طرف اس دین اور شریعت کے کامل مزاج داں' دوسری طرف نئی نسل کے صحیح نباض بھی تھے۔ انہوں نے عصری تفہیم و تشریح پر ناقدانہ نظر رکھی اور دیکھتے رہے کہ وہ اس صراطِ مستقیم سے انحراف تو نہیں کر رہی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمت کو چھوڑا تھا اور اس سے دین کے فہم کا جو سانچہ اور دینی مزاج کا جو ڈھانچہ بن رہا ہے، وہ اس دینی فہم اور دینی مزاج سے مختلف تو نہیں ہے جو قیامت تک کے لئے مثالی اور معیاری رہے گا۔۔۔علی میاںؒ نے اس ضمن میں حضور ﷺ کی ایک پیشن گوئی بھی نقل کی ہے:

حضور ﷺ نے فرمایا:'' اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل اور متقی حامل و وارث ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف اہل باطل کے غلط انتساب و دعاوی اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات کو دور کرتے رہیں گے'' (مشکوٰۃ کتاب العلم بحوالہ بیہقی)

علی میاںؒ نے اس مختصر سی لیکن جامع کتاب میں جماعت اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی مشہور لیکن باعثِ نزاع کتاب '' قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات'' میں '' الٰہ''، '' دین''، اور '' عبادات'' کے قرآنی کلمات اور اسلامی اصطلاحات کا ذکر کرتے ہوئے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ کیا قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں صدیوں تک پردۂ خفا میں' اور اسلام کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور رہی؟''۔۔۔اس سوال سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مصنف کیا کہنا چاہتا ہے؟۔۔انہوں نے مولانا مودودی کی دوسری کتاب '' تجدید و احیائے دین'' کے بارے میں بھی سخت انتقاد کیا۔آپ نے بلا شبہ درست کہا کہ'' کہ یہ کتاب لکھ کر' جس میں مسلم الثبوت مجدّدینِ اُمّت کے کارناموں پر ایک تنقیدی نظر ڈالی ہے' اور ان میں سے کسی کی عظمت و شہرت اور لوگوں کا اعتماد و استناد اور عقیدت و شیفتگی ان کو اپنے خیالات و احساسات کے اظہار سے روک نہیں سکی، اس کی نظیر قائم کر دی ہے''

ہم یہاں دورِ حاضر کے ایک اور صاحبِ قلم، تحقیق و تجسس کے دھنی، ہمعصر

مورخ غلام حبیب سبحانی ایڈووکیٹ (سپریم کورٹ) کی تالیف ''علمائے پاکستان و ہند'' کا تذکرہ بھی ضرور کریں گے۔ مورخ موصوف نے نہایت درجہ دیدہ ریزی سے برعظیم پاک و ہند کی تاریخ میں دینی، اعتبار سے اہم کردار ادا کرنے والے ایک سو ایک (۱۰۱) بلند پایہ علمائے دین، محدثین اور ممتاز صوفیاء کرام کے ایمان افروز احوال و آثار، اُن کی تبلیغی و اصلاحی خدمات اور قابلِ قدر علمی کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ کاش کہ ہمارے معترضین، جن کے دماغوں پر ''حصولِ اقتدار'' کے خمار نے قبضہ جما رکھا ہے۔ اُن کے پاس اپنے فرقوں اور'' دینی سیاسی جماعتوں'' کے لٹریچر کے سوا دوسری علمی و فکری کتب کے مطالعہ کا وقت ہی موجود نہیں، ایسی کتابوں سے بھی استفادہ کا کچھ وقت ہوتا تو وہ فکرِ آخرت اور رجوع الی اللہ کی دعوت اور دنیا کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے تابع رکھنے کا پیغام دینے والے بزرگوں اور درویشوں کے فکر و نظر کو بہتر طور پر سمجھ پاتے۔

ناچیز مؤلف کتاب ھٰذا نے بھی اپنی پہلی دو تالیفات (1) ''عصرِ حاضر میں تلبیس ابلیس، جدید فکرِ اسلامی، ایک تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' اور (2) جاگتے لمحوں کی آواز (جو سعید روحوں کے دلوں تک پہنچی۔۔۔ لیکن سماعت سے محروم دیدہ ورنہ سُن سکے)''۔۔۔ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی' ڈاکٹر اسرار احمد، جاوید احمد غامدی، اور ایک بھارتی مصنف اسرار عالم کے افکار و نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی و مادی جہتوں میں بھی مناسب حد تک مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار و نظریات پر انتقاد موجود ہے۔

باب نمبر 5: میں ایک عنوان یہ قائم کیا گیا تھا کہ '' اولیاء اللہ خلافت کی مادی جہت سے کیوں گریزاں رہے؟ اس عنوان کے تحت مختصر سی بحث کا آغاز ہی اس جملہ سے کیا گیا تھا کہ'' تاریخ کے اس مرحلہ پر صلحائے اُمت اولیاء اللہ نے خلافت کی مادی جہت سے گریز کرنے اور حکومت و سلطنت کے حصول کے لئے شر و فساد برپا کئے رکھنے پر' اپنے دین و ایمان کو بچا لے جانے کا فیصلہ کیوں کیا؟''۔۔۔ اس کے لئے ان کے پاس قوی دلائل موجود تھے اس ضمن میں بھی اُن کے پاس حضور ﷺ کے ارشادات کی صورت میں رہنمائی موجود تھی۔ حکومت و سلطنت کے شیدائی اور اس کی حرص و ہوس رکھنے والے لوگوں کی آنکھیں نبی ﷺ کی طرف سے مہیا کردہ رہنمائی سے کیوں بند رہیں۔ اس سے

ہمیں سروکار نہیں، لہٰذا آگے کم سے کم اکیس احادیثِ مبارکہ ایسی دی گئی تھیں۔ کہ جن سے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی بے ثباتی و ناپائیداری کا برائے عبرت تذکرہ ضروری سمجھا گیا تھا تاکہ تاریخ کے ایسے مراحل سے جب سابقہ ہو کہ دنیاداری کے باعث شر و فساد نے اُمت کو گھیر رکھا ہو اور جاہ پرستی اور حکومت و سلطنت و اقتدار کی ہوس رکھنے والے افراد نے لوگوں کا جینا حرام کر دیا ہو تو بھلے انسانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ واضح رہے کہ اس سے قبل خلفاءِ راشدینؓ کے بعد حضور ﷺ کے وارث علماء و صلحاء ۔۔۔ اصل اولی الامر اور اُن کا مقام، خلافت کے تسلسل مین اولیاءِ اُمت کا کردار اور ہیشگی (آخرت میں کامیابی) صرف روحانی جہت کو حاصل ہے وغیرہ موضوعات پر تفصیلی بحث ہو چکی تھی لیکن ہمارے سیاسی ناقدین نے اس بحث سے یہ تاثر لیا ہے کہ ہم ایسی احادیث سنا کر دنیا کو بندگانِ اغراض کے لئے چھوڑ کر کنارہ کشی اختیار کرنے کا سبق پڑھا رہے ہیں !!!!ایں چہ بوالعجبیست ؟ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ سب احادیث دنیا پرستی اور حُبِ دنیا کا علاج ہے تو جاہ پرستی، اقتدار کی ہوس، حکومت و سلطنت کے لئے مسلمانوں کا آپس میں ٹکراؤ اور خون خرابہ کیا ''حُبِ دنیا'' کے مرض کا شاخسانہ نہیں کیا ہم تاریخ کے اس سبق کو بھول چکے ہیں کہ اُمُ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جنگِ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کا مشورہ مان کر اپنی فوج کو ہتھیار رکھنے کا حکم کیوں دیا تھا؟ اور پھر دورِ فتن میں اُمتِ مُسلمہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسا طریق عمل اختیار کرنے کا حکم دیا تھا جو مشکوٰۃ المصابیح میں بابُ الفتن کے عنوان سے بیان ہوا۔ زیرِ مطالعہ کتاب میں بھی باب 16 میں اس کی تفصیلات موجود تھیں۔ جس پر فاضل معترض نے توجہ فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کی حالانکہ یہ '' حرزِ جاں کن گفتہ' خیر البشر ﷺ '' کے مصداق اُمت کے پاس قیامت تک کے لئے ناقابلِ تردید لائحہ عمل تھا' ہے اور رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں ایسے ادوار میں گوشہ نشینی کی تلقین فرمائی بلکہ فرمایا جنگلوں میں چلا جا، دین کو بچا لے۔ فتنے میں عبادت پر ہجرت کا ثواب ہو گا۔ فرمایا: گھروں کے ٹاٹ ہو جانا 'فسادی نہ ہونا' نیز فرمایا: گمراہ کرنیز والے آئمہ (بزعم خود علماء و رہنماؤں) سے بچنا۔

باب نمبر 5 میں ہی ''بادشاہ نہ ہونے کے باوجود بادشاہوں کے آقا'' کے عنوان سے ایک بحث موجود ہے۔ معترض نے اس کے مندرجات پر دلچسپ سوالات

اُٹھائے۔ ناچیز مؤلف کا مؤقف تھا کہ" قرآنِ حکیم کے مطابق تمکین فی الارض یعنی طاقت وعظمت کا جماؤ، قیامِ حکومت وسلطنت کی براہِ راست کشمکش میں اُلجھے بغیر بھی ممکن ہے جیسا کہ کنعان کے ایک اسرائیلی نوجوان (یعنی یوسف علیہ السلام) کا اُسوۂ ہے کہ اُنھیں کنوئیں سے نکال کر مصر کے بازار میں فروخت کر دیا گیا لیکن وہ اپنے اعمالِ صالح اور حق وانصاف کی روحانی قوت سے بادشاہ نہ ہوتے ہوئے بھی حکمرانِ وقت (عزیزِ مصر) سے عدل وانصاف پر مبنی احکامات جاری کراتے رہے۔ پھر مشیّتِ ایزدی سے مصر کے تاج و تخت کے مالک ہو گئے۔ ناچیز نے خود اس ضمن میں سورۃ یوسف کی آیت 56 کا حوالہ دیا تھا ۔۔۔لیکن ہمارے فاضل معترض نے سورہ یوسف کی آیت 55 کے حوالہ سے" طلبِ اقتدار" کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ۔اُن کا کہنا تھا کہ" یہ کیسے ممکن ہے؟ کہ مسلمان سیاسی و عسکری قیادتیں کفر کے ہاتھوں شکست کھا گئیں۔ علماء وصلحاء کے ہوتے ہوئے کفار نے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو بدل دیا؟ (اندریں حالات اُن کا مطلب تھا کہ ہمیں آگے بڑھ کر یوسفؑ کی طرح اقتدار پر قبضہ کر لینا چاہئے) جیسا کہ" حضرتِ یوسفؑ نے بادشاہ سے کہا تھا:

○ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ج اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ" ○(۵۵)

ترجمہ: آپؑ نے فرمایا: مجھے مقرر کر دے زمین کے خزانوں پر بیشک میں (ان کی) حفاظت کرنے والا (اور معاشی مسائل کا) ماہر ہوں۔ (12 یوسفؑ :55)

اُس سے اگلی آیت نمبر 56 جس کا حوالہ ناچیز نے دیا تھا وہ یہ ہے:

○ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۚ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○(۵٦)

ترجمہ: "یوں ہم نے تسلط (اور اقتدار) بخشا یوسف کو سرزمینِ مصر میں تا کہ رہے اس میں جہاں چاہے۔ ہم سرفراز کرتے ہیں اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر عمدہ کام کرنے والوں کا"۔ (12۔یوسف:56)

دونوں آیات کو ملا کر پڑھا جائے تو ناچیز مؤلف کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔ یہ کہ یوسفؑ کو ایک ماہر معاشیات ہونے کی بنا پر جب خزائنِ مصر پر اختیار دیا گیا تو وہ اُس وقت بادشاہ نہیں تھے لیکن بعد ازاں وہ مشیّت ایزدی سے مصر کے تاج وتخت کے بھی مالک ہو گئے۔

آیت 56 میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ یہ اقتدار ذاتِ باری' مالکِ کُل' ربِ العالمین نے یوسفؑ کو عطاء فرمایا جیسا کہ اللہ کا وعدہ ہے نیک عمل کرنے والے صالحین اُمت سے کہ اللہ سرفراز فرماتا ہے اپنی رحمت سے جسے چاہے اور وہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

ہمارے فاضل معترض کی فکر ونظر کا ''منبع ومخرج'' دراصل مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا فکر و فلسفہ ہے۔ صاحبِ تفہیم القرآن (سید مودودی) مذکورہ آیت کی تفسیر میں بہت تفصیل کے ساتھ اپنے مؤقف کی تائید میں بہت کھینچ تان کر مذکورہ آیات کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ:

'' یہ اختیارات جو حضرت یوسفؑ نے مانگے اور اُن کو سونپے گئے ان کی نوعیت کیا تھی؟ ناواقف لوگ یہاں ''خزائن ارض'' کے الفاظ اور آگے چل کر غلہ کی تقسیم کا ذکر دیکھ کر قیاس کرتے ہیں کہ شاید یہ افسرِ خزانہ' یا مال افسر' یا قحط کمشنر یا وزیر مالیات' یا وزیر غذائیات کی قسم کا کوئی عہدہ ہوگا۔ لیکن قرآن ' بائبل' اور تلمود کی متفقہ شہادت ہے کہ درحقیقت حضرت یوسفؑ سلطنتِ مصر کے مختارِ کل (رومی اصطلاح میں ڈکٹیٹر) بنائے گئے تھے''۔۔۔ بعد ازاں سید مودودی بائبل اور تلمود سے ایک ایک اقتباس پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کا ملک مصر پر اقتدار سب سے بالا تھا اور کسی معاملے میں فرعون کے اِذن کی انہیں ضرورت نہ ہوتی تھی۔۔۔ بہت سے دوسرے پہلوؤں پر گفتگو کے بعد سید مودودی' حضرت یوسفؑ کے اقتدار و حکمرانی (ڈکٹیٹر شپ کے منصب کو' جب کہ بادشاہ یا فرعون خود بھی موجود تھا) کو تسلیم کرنے والوں کو دورِ انحطاط کے مسلمان قرار دیتے ہوئے اُن کے طرزِ عمل کو اپنے لئے کافر حکومتوں کی چاکری کیلئے جواز فراہم کرنے کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ پھر یہ فرماتے ہیں: کہ حضرت یوسفؑ کا کردار و عمل دراصل ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ'' اگر کسی ملک میں ایک اور صرف ایک مردِ مومن بھی خالص اسلامی اخلاق اور ایمانی فراست وحکمت کا حامل ہو تو وہ تن تنہا مجرد اپنے اخلاق اور اپنی حکمت کے زور سے اسلامی انقلاب برپا کرسکتا ہے۔ اور یہ کہ مومن کی اخلاقی طاقت (بشرطیکہ وہ اس کا استعمال جانتا ہو اور استعمال کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو) فوج اور اسلحہ اور سروسامان کے بغیر بھی ملک فتح کرسکتی ہے اور سلطنتوں کو مسخر کرلیتی ہے''۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی روح سے بصد معذرت اور اُن کے ہم نواؤں کی توجہ کے لئے عرض ہے کہ حضرت یوسفؑ کا ایک غلام اور قیدی کی حیثیت سے' اپنے تقویٰ

اور پرہیزگاری کی بدولت، جو اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم کا نتیجہ تھی، مصر کے اقتدار اعلیٰ پر سرفراز و فائز ہونا بحوائے آیتِ قرآن (سورۃ یوسفؑ :56) محض اللہ تعالیٰ کی عطاء و بخشش و منشاءِ، ایزدی تھا جیسا کہ فرمایا گیا کہ ''ہم (اللہ بزرگ و برتر) سرفراز کرتے ہیں اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں' اور پھر یہ بات بھی اپنی جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ'' ہم ضائع نہیں کرتے اجر عمدہ کام کرنے والوں کا'' لیکن اس سے اگلی ہی آیتِ مبارکہ میں فرمایا گیا:

○ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ○ (٥٧)

ترجمہ: ''اور آخرت کا اجر (اس سے) یقیناً بہتر ہے اور ان کے لئے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کئے رہے'' (12۔یوسف:57)

(مطلب یہ کہ اگر دنیا میں کوئی اقتدارِ اعلیٰ یا کسی بڑے منصب پر فائز نہیں بھی کیا جا سکتا (اور متقین دنیا وی اجر یا صلے کی نیت سے نیکی و پرہیزگاری اختیار کرتے بھی نہیں) تو آخرت میں ایمانداروں اور متقین کے لئے بلندیٔ درجات یقینی ہیں۔ مولانا نے اس آیت کا مفہوم دوسطروں میں سمیٹ دیا اور سارا زورِ بیان ایک مردِ مومن کے تنہا اپنی فراست و حکمت کے زور پر اسلامی انقلاب لانے کی یقین دہانی پر صرف کر دیا۔ درحقیقت دینی سیاست فکرِ آخرت کے گرد گھومتی ہے اور دنیاوی سیاست میں حصولِ اقتدار کی جدو جہد کو دین کا مقصود قرار دے کر فکرِ آخرت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے چودہویں صدی ہجری کے اواخر کے مسلمانوں کی محرومی یہ ہے کہ سید مودودی جیسے ''مفکرینِ اسلام'' جنہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے نصف صدی سے زائد عرصہ تک صلاحیتیں اور مواقع ارزانی فرمائے، نے تمام تر دین (قرآن وسنت کی تعلیمات متعلقہ عقائد، معاملات ،تزکیۂ نفس، رجوع الی اللہ ،فکرِ آخرت) کو انتخابی سیاست کی بھینٹ چڑھا دیا۔نتیجہ کیا نکلا ؟ '' نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم'' ۔۔۔۔مولانا نے اپنی فراست سے ایک اچھی بھلی جماعت بھی کھڑی کر دی' اور وہ تن تنہا بھی نہیں تھے۔ اُن کا ملک کے بعض جیّد علماء نے ساتھ بھی دیا۔ جو بعد ازاں مایوس ہو کر جماعت سے الگ ہو گئے ،لیکن تن تنہا اپنی فراست و حکمت سے اسلامی انقلاب کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ کر سکے۔ افسوس صد افسوس اندریں حالات:۔

خضر کیونکر بتائے کیا بتائے   اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے ؟

ان سیاسئین ِ اُمت کے مقابلہ میں اب درویشانِ خدا مست ' علمائے حقہ و صلحائے امت کی فکر و نظر کیا ہے ؟ اس کا اندازہ قارئینِ محترم کو جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی تفسیر ضیاء القرآن میں مذکورہ آیات کی تفہیم وتوجیہات سے ہو سکے گا۔ آپ اس سوال کے جواب میں کہ '' کیا ایک مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی فاسق و فاجر حکمران سے یا ایک غیر مسلم حکومت میں کوئی عہدہ قبول کرلے؟ آپ نے بتایا '' علماءِ اسلام نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ اگر اندیشہ ہو کہ یہ ظالم و کافر (یا فاسق وفاجر) اسے آلۂ کار ہی بنائے گا اور اس کی ساری قوتیں اسکے ظالمانہ و کافرانہ عزائم کی تکمیل میں ہی صرف ہونگی تو اس صورت میں اس کا کوئی عہدہ قبول کرنا ناجائز ہے (جیسا کہ حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے عہدۂ قضا قبول کرنے سے انکار کیا اور جیل جا کر کوڑے کھانا قبول کرلیا)۔ لیکن اگر اُسے ظنِ غالب ہو کہ وہ عدل وانصاف قائم کرنے میں ممد ثابت ہوگا اور اس کی خدمات ملک کی معاشی خوشحالی اور سیاسی استحکام کے لئے مفید ثابت ہوں گی تو ایسے حالات میں فاسقانہ اور کافرانہ حکومتوں میں عہدہ قبول کرنے کی اجازت ہے''۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے دور کے کافر بادشاہ سے اسی لئے تعاون کی پیشکش قبول فرمائی اور اس معاملے میں اپنی صلاحیتوں کا از خود اظہار بھی فرما دیا۔ بادشاہِ مصر نے سارا نظام مملکت آپ کے سپرد کر دیا ۔آپ نے خوشحالی کے صرف سات سال میں ملک کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ قحط سالی کے شکار ملک کے سارے گودام غلہ سے لبالب بھر گئے ۔۔۔ (تفصیلات مزید کے لئے دیکھئے تفسیر ضیاء القران جلددوم) جماعتِ اسلامی کے ابتدائی ادوار میں ایک نعرہ کثرت سے لگایا جاتا تھا کہ '' عہدوں کے بھکاری خائن ہوتے ہیں'' ۔۔۔ اور یہ بھی کہ ۔۔۔ '' ملک خُدا کا، قانون شریعت کا، حکومت نیک بندوں کی''۔ لیکن اب یہ نعرے قصۂ ماضی بن چکے ہیں ۔۔۔ ان نعروں کی حقیقت اُس حدیث سے ماخوذ تھی کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حضور ﷺ نے فرمایا: اگر کسی عہدہ کی کوئی شخص خواہش رکھتا ہے تو ایسے شخص کو ہم عہدہ نہیں سونپتے ۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عبدالرحمٰن سمرہؓ سے ارشاد فرمایا: اے عبد الرحمن عہدہ مت مانگو کیونکہ اگر تمہاری طلب پر تمہیں کوئی عہدہ دیا گیا تو اس کی ذمہ داریوں سے عہد برآ ہونے کا تمہیں ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا ۔ اور اگر طلب کے بغیر تمہیں عہدہ ملا تو اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لئے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امداد پہنچے گی+ تاہم عزیز مصر کی بادشاہت میں حضرت یوسفؑ کی حیثیت اور مقام کیا تھا اور کیا بالآخر بادشاہ بھی

مسلمان ہو گیا تھا؟ یہ واقعات جاننے کے لئے آپ کو ضیاءُ القرآن میں تفسیر متعلقہ آیات کا مطالعہ از بس ضروری ہو گا۔

باب۔5: میں ہی حضرت یوسفؑ کے مذکورہ بالا واقعات کے اختتامی پیراگراف میں یہ کہا گیا تھا کہ "مفسرین نے لکھا ہے کہ (بادشاہ عزیز مصر) حضرت یوسفؑ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا' یہ گویا اجر تھا اُن کے صبر کا جو بھائیوں کے ظلم و ستم پر انہوں نے کیا اور ثابت قدمی کا جو زلیخا کی دعوتِ گناہ کے مقابلے میں انہوں نے اختیار کی اور اُس اولو العزمی کا جو قید خانہ کی زندگی میں انہوں نے اپنائے رکھی۔ صوفیہ عظام اسی فکر و نظر کے مؤید و مبلغ اور اسی اصول پر مبنی لائحہ عمل کے پیروکار ہیں تا آنکہ حضرت الامام المہدیؑ کا ظہور اور حضرت مسیح موعود عیسیٰ ابن مریمؑ کا ورودِ ثانی نہیں ہوتا جن کے ذریعے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا قیام و انصرام میں آنا مشیّتِ ایزدی ہے اور جس کی واضح پیشین گوئیاں احادیث مبارکہ میں موجود ہیں"۔۔۔ ہمارے فاضل معترض کو ایک بار پھر جوشِ انقلاب اسلامی میں آ کر اس سوال کی ضرورت پیش آئی کہ "اس کے معنی ہیں کہ حضرت مہدیؑ کے آنے تک ہم فاسقانہ حکومتوں کے زیرِ سایہ انفرادی نیکیوں پر اکتفا کر لیں؟۔۔۔ جواباً عرض ہے کہ جماعتِ اسلامی کے معزز اراکین (تقویٰ و پرہیز گاری میں بھی اُس جماعت کے دیگر اراکین کے لئے رول ماڈل تھے) نے مردِ حق ضیاءُ الحق مرحوم کی حکومت میں شامل ہونا کیوں ضروری سمجھا؟ اور پھر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جیسے متشدد" بزعم خود داعی اسلام' اور مولانا مودودی کی سیاسی وراثت کے دعویدار' جنرل ضیاءُ الحق مرحوم کی مجلسِ شوریٰ میں شمولیت کے بعد مستعفی کیوں ہوئے؟۔ اور کیا اس وقت بھی میدانِ کار زارِ ریاست کی دشوار گزار گھاٹیوں کو ہموار کرنے کے لئے جماعتِ اسلامی' جماعت و جمعیت' اہلِ حدیث کے مختلف دھڑے' اہلِ سنت والجماعت کے بعض گروہ' سُنی تحریک' جمعیتِ العلماءِ اسلام (مولانا فضل الرحمان و مولانا سمیع الحق کے دھڑے) اہلِ تشیّع کے ہر دو بڑے گروہ اپنی اپنی بھرپور قوتوں اور توانائیوں سے مصروفِ عمل ہیں۔ پاکستان کی خالقِ جماعت "مسلم لیگ" بھی ملک میں نفاذِ اسلام یعنی اسلام کے معاشرتی و اقتصادی نظام عدل اجتماعی سے انکاری نہیں ہے۔ علماء و مشائخ کے بعض گروہ بھی اپنے اپنے مزاج کی سیاسی قوتوں کی پشت پناہی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھ رہے۔۔۔ پھر بھی منزل ہے کہ اُس کا کوئی نشان سامنے نظر نہیں آتا۔ کیوں؟ اس صورتِ حالات میں سوائے اس کے چارہ کار کیا

ہے کہ ہم اپنی سی کوشش ضرور کریں لیکن مشیت ایزدی میں دنیا کا نظام جیسے ترتیب دیا گیا' ویسے ہی چلے گا۔ حضور علیہ نے حضرت امام مہدیؑ تک کے زمانہ میں آنے والے سیاسی ادوار کی خود نشاندہی و پیش گوئی فرما رکھی ہے۔ چنانچہ ابویعلیٰ نے حضرت ابوعُبیدہ بن جراح ؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ (آپؐ نے فرمایا) اس کام (یعنی دینِ اسلام کی ابتداء نبوت و رحمت سے ہوئی پھر آگے چل کر خلافت اور رحمت ہو جائے گی (یعنی خلافتِ راشدہ) پھر آگے چل کر ملکِ عضوض (یعنی کاٹ کھانے والی بادشاہت) ہو جائے گا۔ پھر آگے چل کر سرکشی اور جبر ہوگا، اور امت میں فساد پیدا ہوگا، ریشمی کپڑوں، شرابوں اور زناکاری کو اور بدعہدی کو حلال سمجھنے لگیں گے مگر باوجود اس کے ان کی مدد کی جائے گی اور اُن کو رزق ملے گا۔ یہاں تک کہ اللہ سے آملیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول علیہ نے فرمایا! (1) جب مالِ غنیمت کو دولت قرار دے دیا جائے گا (یعنی جب مالِ غنیمت یا ملکی خزانوں سے لوٹی گئی ناجائز دولت کو امراء و صاحبانِ منصب ذاتی دولت قرار دے کر ذاتی تجوریاں بھر لیں گے یا ملکی وغیر ملکی بنکوں میں جمع کرا دیں گے) اور ضعفاء (غرباءِ قوم) کو اس میں سے حصہ نہ دیں گے) اور جب امانت (کے مال) کو غنیمت شمار کر لیا جائے گا (یعنی امانت کے مال میں خیانت کریں گے) (3) اور جب زکوٰۃ کو تاوان سمجھ لیا جائے گا (4) اور جب علم کو دین سے بے نیاز ہو کر سیکھا جائے گا (5) اور جب مرد عورت کی اطاعت کرے گا (6) اور جب (بیٹا) ماں کی نا فرمانی کرے گا اور اُسے رنج دے گا (7) اور جب آدمی' دوست کو اپنا ہم نشین بنائے گا (یعنی نااہلوں کو نوازے گا) اور باپ کو دور رکھے گا (8) اور جب مسجد میں اونچی آواز سے باتیں ہوں گی اور شور مچایا (اور جھگڑا' فساد برپا) کیا جائے گا (9) اور جب قوم کی سرداری قوم کا فاسق آدمی کرے گا۔ (10) اور جب قوم کے امور کا سربراہ قوم کا کمینہ شخص ہوگا۔ (11) اور جب آدمی کی تعظیم اُس کی برائیوں سے بچنے کے لئے کی جائیگی۔ (12) اور جب گانے والی عورتیں ظاہر ہوں گے (13) اور جب باجے ظاہر ہوں گے (میوزک کو فنِ لطیف سمجھ کر عزت و وقار کی علامت قرار دیا جائے گا) (14) اور جب شرابیں پی جائیں گی (یعنی اعلانیہ اُسے جائز قرار دیا جائے گا) (15) اور جب اس اُمت کے پچھلے لوگ اگلوں (پہلے گزرے ہوئے لوگوں) کو بُرا کہیں گے اور اُن پر لعنت کریں گے۔۔ اُس وقت تمام ان چیزوں کے وقوع میں آنے کا انتظار کرو یعنی O تیز و تند آندھی کا O زلزلوں کا

O زمینوں کے دھنس جانے کا O صورتیں مسخ ہو جانے کا اور تبدیل ہو جانے کا O اور پتھروں کے برسنے کا (احتجاجی جلوسوں سے پولیس پر اور پولیس سے عوام پر بھی مطلب لیا جا سکتا ہے) O اور ان پے درپے نشانیوں کا جو قیامت سے پہلے ظہور میں آئیں گی۔ گویا وہ موتیوں کی ٹوٹی ہوئی لڑی ہوگی جس سے پے درپے موتی گر رہے ہیں۔ (المشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)۔

حضرت علیؓ نے کہا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب میری اُمت وہ پندرہ باتیں کرے گی (یا دیکھے گی جن کا ذکر اوپر حدیث پاک میں ہوا) تو وہ نتائج پیدا ہوں گے جن کا اوپر ذکر ہوا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ، حضرت اُم سلمہؓ، حضرت ابی سعید خدریؓ ، نے الگ الگ روایات میں حضرت امام مہدیؑ کے ظہور کی بشارت دی اور یہ کہ حضرت ابو سعیدؓ نے کہا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "وہ میری عترت اور میرے خاندان سے ہوگا۔ وہ زمین کو اسی طرح عدل و داد سے معمور کر دے گا جس طرح وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی۔ اس سے زمین والے بھی خوش ہوں گے اور آسمان والے بھی۔ اس کے عہد میں آسمان بارش کے قطروں میں سے کچھ باقی نہ رکھے گا اور زمین اپنی روئیدگی سے کچھ باقی نہ رکھے گی۔ سب اگا دے گی یہاں تک کہ زندہ لوگ آرزو کریں گے کہ مرنے والے لوگ اس وقت زندہ ہوتے"
(المشکوٰۃ)

ہمارے معترض دوست کو صبر و سکون کے ساتھ ان روایات کا جائزہ لے کر اپنے "غم و غصے) کا اظہار کرنا چاہیئے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی تخلیق اور اسے قیامت تک چلانے میں اپنے اندازے مقرر کر رکھے ہیں۔ حضور ﷺ کی رسالت و نبوت پر تخلیق آدمؑ سے بھی بہت پہلے جملہ انبیاءؑ و رُسلؑ کی روحوں سے عہد لیا گیا اور کتنی ہزار صدیوں کے بعد وہ روز سعید آیا کہ جب حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ہر نبی اپنے اپنے دور میں اپنے امتیوں کو نصیحت و وصیت کرتا رہا کہ اگر اُن کی زندگیوں میں حضور ﷺ مبعوث ہو جائیں تو بلا تاخیر اُن پر ایمان لانا۔۔۔۔ لہٰذا یہ کہنا کہ علماءِ حقہ و صلحائے امت "ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا" ہیں قطعی طور پر ایک تہمت و الزام ہے اور حقائق سے چشم پوشی ہے۔ ان ہی پاکیزہ ہستیوں کے طفیل نسلاً بعد نسلاً ہمیں دین متین کی تعلیمات منتقل ہوئیں اور علم و عمل کے چراغ روشن رہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے "زبورِ عجم" میں اس کی کچھ اس طرح سے عُقدہ کشائی کی ہے:

جہاں کو راست و از آئینہ دِل غافل افتاد است ولے چشمے کہ بینا شد نگاہش بر دل افتاد است

شب تاریک و راه پیچ پیچ و بے یقین راہی دلیلِ کارواں را مشکل اندر مشکل افتاد است

رقیب سوداست و عاشق مست و قاصد مست کہ حرفِ دلبراں دارائے چندیں محمل افتاد است

یقین مومنے دارد گمان کافرے دارد چہ تدبیرائے مسلماناں کہ کارم با دل افتاد است

گہے باشد کہ کارِ ناخدائی می کند طوفاں کہ از طغیانِ موجے کشتیم بر ساحل افتاد است

نمی دانم کہ داد ایں چشم بینا موجِ دریا را گہر در سینہ دریا، خزف بر ساحل افتاد است

نصیبے نیست از سوز درونم مرز و بوم را زدم اکسیر را بر خاکِ صحرا باطل افتاد است

ترجمانی: (1) جہان اندھا ہے اور دل کے آئینہ سے غفلت میں پڑا ہوا ہے + لیکن جو آنکھ کہ بینا بن گئی (جس میں کسی مرشد کامل کی صحبت سے چشمِ باطن پیدا ہو گئی) اس کی نگاہ دل پر (ضرور) پڑی ہے (اسے معلوم ہے کہ دل کیا شے ہے؟) مطلب یہ کہ جہاں والے اپنے دِلوں کے آئینے سے غافل ہیں۔ انہیں سیاسی جھمیلوں (یعنی انہوں نے سیاسی جلسے جلوسوں میں ٹینٹ لگانے خیمے آویزاں کرنے ' پوسٹر چپکانے اور ہینڈ بل تقسیم کرنے ' ووٹ مانگنے اور سیاسی ہنگاموں میں اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کو ہی ''عبادت'' سمجھ رکھا ہے) سے ہی فرصت نہیں۔ حالانکہ ان کے سینوں میں دل نام کی جو چیز اور مرکز قوت ہے ' جس میں نہ صرف یہ سارا خارجی جہان منعکس ہے بلکہ اگر باری تعالیٰ کی بھی کہیں جلوہ گری ہو سکتی ہے تو وہ یہی دل ہے۔ مسلمان صوفیہ و اصفیاء وصلحائے اُمت نے اپنا سارا نظام اسی دل کی بنیاد پر استوار کیا ہے لیکن افسوس کہ اہل جہاں کی توجہ نفس پر تو ہے جو شیطان کا گھر ہے لیکن دل پر نہیں جو ربِ محمدؐ کا گھر ہے۔ (2) (دورِ حاضر میں جملہ انسانوں کی عموماً اور مسلمانوں کی خصوصاً بے راہ روی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علامہؒ کہتے ہیں: آج صورت حال کچھ ایسی ہے کہ) اندھیری رات ہے اور راستہ بل دار ہے اور راستہ چلنے والا بے یقین ہے + قافلہ کے امیر یعنی راہروؤں کے رہنما کے لئے (بے یقین مسافروں کو منزلِ مقصود پر پہنچانے میں) ایک کے بعد دوسری مشکل پیش آ رہی ہے (لیکن جہاں صورتِ حال اور بھی گھمبیر ہو چکی ہو کہ جماعتوں کے امیر ہی نا اہل ہوں تو پھر ہمارے ہمعصر و ہم زبان دوست واصف علی واصف نے اس صورت حال کی کچھ اس طرح سے ترجمانی کی ہے: '' دیدہ وروں نے اُن کو بنایا امیر شہر۔۔۔ تھے جن کی چشمِ کور میں پتھر جڑے ہوئے''۔۔۔ (3) تاہم ایسا

بھی ہوسکتا ہے کہ ناقص عشق والا رقیب مست ہے' عاشق مست ہے ' پیغام لے جانے والا مست ہے +(یہ تینوں اس لئے مست ہیں) کہ محبوبوں کی تحریر یا بات (اپنی اونٹنی پر) کئی کجا وے رکھتی ہے ۔ یعنی کئی پہلو رکھتی ہے جن کو رقیب اپنے موافق' عاشق اپنے موافق ' اور قاصد اپنے موافق سمجھتا ہے اور اسطرح محبوب کی اس پر نظر عنایت کی شراب (سرور و مستی) میں ہر کوئی بے خود ہے ۔ (مراد ہے کہ خالقِ کائنات سے ہر کسی نے اپنے اپنے انداز میں رشتہ جوڑ رکھا ہے۔ (4) (دورِ حاضر کی تہذیب ' ثقافت' علم' اور نظامِ سیاست و معاشرت و اقتصاد کے باعث) میرا دل کبھی مومن کا سا یقین رکھتا ہے اور کبھی کافر کی سی بے یقینی کا شکار ہو جاتا ہے ۔ یعنی مختلف اوہام اور وساوس کی آماجگاہ بنا رہتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلکِ حق پر قائم رکھنے والا کوئی مرشد کامل میں نے نہیں پکڑا ہوا جو مجھ میں عشق کی لذت کا شعور اُجاگر و جاگزیں کرتا اور ہر قسم کے خاشاکِ غیر اللہ کو جلا کر راکھ کر دیتا ۔ اے مسلمانو! (یعنی یقین کامل کے حامل ، کسی مرشدِ کامل کے زیر سایہ و تربیت پائے ہوئے حق الیقین و عین الیقین رکھنے والے فرزانو!) میں کیا تدبیر کروں (کہ اس بے یقینی کی منزل سے نکل کر میں تم جیسا ہو جاؤں !!!(5) میں نہیں جانتا کہ دریا کی موج کو یہ دیکھنے والی تمیز رکھنے والی آنکھ کس نے عطا کی ہے کہ موتیوں کو تو اپنی تہ میں حفاظت سے رکھتی ہے اور ٹھیکریوں کو کنارے پر پھینک دیتی ہے۔ لیکن انسان ، جو علم و خبر رکھتا ہے ، اس ہستی علیم و حکیم کے احکام کی نافرمانی کر رہا ہے ۔ (6) میرے اندر جو سوزِ عشق ہے اس سے میری کھیتی یعنی میرے مخاطبین (معترضین) نے نصیب نہیں پایا۔ (یعنی جو کچھ حضرت علامہؒ نے اشعار میں فرمایا ' ناچیز مؤلف کتاب ھٰذا نے اپنی زیر مطالعہ کتاب میں عرض کیا ' اس سے کما حقہ ' فائدہ اُٹھانے میں مخاطبین و معترضین آخر کیوں ناکام رہے؟) +میں نے صحرا کی مٹی میں اکسیر کا عمل کیا جو (شاید) بے کار گیا (میری قوم کیا قبولیت کی استعداد ہی سے محروم ہو چکی ہے ورنہ جو کچھ میں نے انہیں دیا اُس سے تو مٹی بھی سونا بن سکتی تھی)۔

باب ۔5 ہی کے ایک پیراگراف بعنوان' حضور سے تمکین فی الارض کا وعدہ پورا ہو چکا : پیر کرم شاہؒ'' ---- میں معترض موصوف نے اس دعوے پر مختصر سا تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: '' گویا اب کوشش کرنا بے سود ہے'' ---- غیر علمی اور بے مغز یعنی الزامی قسم کا تبصرہ ہے تاہم موصوف کی تسلی کے لئے عرض ہے کہ '' نہیں جناب کوشش جاری رکھنا بہت ضروری ہے(بلکہ حضرت امام المہدیؑ کے ظہور تک سر توڑ کوشش ہونی چاہئے ،

تا کہ اس ضمن میں کوشش یعنی فرضِ کفایہ کی ادائیگی کا تسلسل قائم رہے۔ اس لئے حضورؐ کی ذاتِ اقدس پر دین کی ہی تکمیل نہیں ہوئی بلکہ حضورؐ نے ''تمکین فی الارض'' کا فریضہ بھی بکمال و تمام پورا کر کے دکھا دیا تھا۔ چنانچہ اب اسی محمدیؐ ماڈل پر مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ آنے والے ادوار میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے احیاء کی کوشش فرض کفایہ کی ادائیگی کی طور پر (''بازی گر چہ لے نہ سکا جاں تو کھو سکا''۔ کے مصداق) جاری رکھتے ہوئے قیامِ خلافتِ کبریٰ کی تکمیل میں اپنی ذمہ داریوں سے اللہ کے روبرو سرخرو ہو سکیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ بالآخر حضورؐ کی پیش گوئی کے مطابق آپؐ کے ایک پُرعزم و استقلال اُمتی حضرت امام المہدیؑ خلافت کے احیاء کا یہ فرض محمدیؐ ماڈل پر پورا کر کے دکھائیں گے (انشاء اللہ العزیز) یوں یہ اعتراض بھی دور ہو جائے گا کہ ''اُمت کے صلحاء نے (اللہ معاف فرمائے) خلافت کے قیام کو ہی ایجنڈے سے خارج کر رکھا ہے۔

۔۔رہی خلافتِ کبریٰ کی توجیہہ اور خلافتِ صغریٰ کے معانی کا تعین' تو اسے ہم باب۔5 محررہ پیراگراف بعنوان'' خلافتِ علیٰ منہاج النبوۃ اور امام مہدیؑ'' میں بہ تفصیل زیر بحث لا چکے ہیں۔ ہمارے نزدیک اسلام میں تزکیۂ نفوس وقلوب کو جہادِ اکبر اور قتال فی سبیل اللہ کو جہادِ اصغر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح ہم خلافت کی روحانی جہت کو جس کا آغاز حضرت آدمؑ سے ہوا اور جس کی تکمیل حضرت امام المہدیؑ پر ہوگی۔ اپنے دائم تسلسل و تواتر کے باعث روحانی جہت کو ہم خلافتِ کبریٰ سے تعبیر کریں گے۔ اور تمام کے تمام ادوارِ خلافتِ الٰہیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۂ اکبر ہیں۔ اور صلحائے اُمت کی خلافتیں اپنے اپنے ادوار کے انبیاءؑ و رسلؑ کی خلافتوں ہی کی کڑیاں شمار ہوں گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ہم زیر مطالعہ کتاب ہی کی طرف رجوع کا مشورہ دیں گے کیونکہ یہاں اس کی گنجائش نہیں اور دلائل کا تکرار وقت کا ضیاع ہوگا۔

''تمکین فی الارض''۔۔۔۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک فکر انگیز اصطلاح ہے اور توجیہات و ندرت فکر کی ایک دنیا اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اسی طرح ''وراثتِ زمین'' کے مسئلہ کی عقدہ کشائی بھی کتبِ سابقہ اور قرآن حکیم میں تفصیل سے زیر بحث لائی گئی ہے۔ ہمارے علماءِ دین اور مفسرین قرآن نے ان موضوعات پر کھل کر اپنے اپنے فکر ونظر کا اظہار کیا ہے۔ اہل تصوف علماء چونکہ علماءِ ظاہر سے متعدد معاملات میں اپنا الگ نقطۂ نگاہ رکھتے ہیں اس لئے بعض مقامات پر کسی قدر فکری اُلجھاؤ کا سامنے آنا قدرتی بات ہے۔ زیر مطالعہ کتاب کے باب۔ 5 میں ہم نے تصوف کے شدید مخالف مفسرین مثلاً مولانا

امین حسن اصلاحی اور قرآن کی آیاتِ کریمہ کی روحانی تعبیرات سے عمومیت کے ساتھ گریز کرنے والے ایک اور فاضل مفسر یعنی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے فکر و نظر کو بھی پیش کرنا ضروری خیال کیا ہے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ہر دو موضوعات پر مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی کا نقطۂ نگاہ قریب قریب وہی ہے جو اہل تصوف علماء کا ہے۔ چنانچہ " دنیاوی حکومتیں عارضی و فانی " کے زیرِ عنوان، باب۔5 میں جو بحث کی گئی ہے وہ مولانا اصلاحی کی تفسیر تدبرِ قرآن سے ماخوذ ہے جو مفسر موصوف نے سورۃ الانبیاء کی آیت 105 کے ضمن میں کی ہے۔ انہوں نے زبور سے بھی مضامین قرآن کی تائید میں آیات پیش کی ہیں۔ اسی طرح " سید مودودی کے نزدیک وراثتِ زمین کا تعلق عالمِ آخرت سے ہے نہ کہ اس دنیا سے۔ سید مودودی بھی زبور ہی کے حوالہ سے اپنے دلائل کو مزید مستحکم کرتے ہیں ۔۔۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ پچھلے مضامین میں جن اُصولوں اور ضابطوں کو دنیا میں حکمرانی کے ضمن میں ہم پیش کرتے چلے آرہے تھے۔ اور سیّد مودودی کے متبعین کو ہمارے مؤقف پر اعتراضات پیدا ہوئے تھے۔ یہاں مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی ہمارے مؤقف کی تائید میں دلائل دیتے نظر آرہے ہیں۔ مگر ان کے متبعین اب اپنی خفت مٹانے کے لئے اپنے ہی فاضل " مرشدانِ گرامی " کے دلائل کی مخالفت پر اتر آئے۔ انہوں نے مولانا اصلاحی کی تفسیر سے اقتباس کے حاشیہ پر لکھا: " یہ کیسا استنباط ہے؟ قیامت کا منظر ہے۔ آخرت کا نیا نظام ہوگا۔ اسے صالحین کی بادشاہی پر منطبق کرنے کا کیا حوالہ ہے؟ مولانا مودودی کے اقتباس میں جملہ تھا " یہ دراصل مادی ترقی کی خواہش کا ہیضہ ہے جو لوگوں کو اس بُری طرح لاحق ہوگیا ہے کہ وہ قرآن کی معنوی تحریف کرنے میں بھی تامل نہیں کرتے ": معترض نے اس کے سامنے حاشیہ پر لکھا ہے: " یہ کیسی تعبیر ہے " اللہ اکبر۔ حق و صداقت سر چڑھ کر بولتی ہے۔ اب قارئین کرام باب کھول کر خود ہر دو بزرگوں کی تحریریں پڑھ کر فیصلہ کرلیں کہ عصر حاضر میں علماءِ ظاہر اپنے تجدد کے پائے چوبیں " سے خود کو اور عوام الناس کو عقلیت کے جال پھیلا کر کیا کیا فریب دیتے ہیں۔ اور اپنی علمیت اور دانشوری کی آڑ میں کس کس انداز سے مغالطہ انگیزی کے زہر سے سادہ لوح عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔

باب۔5 میں " اقتدارِ باطل : امام حسینؓ کی نظر میں " ۔۔۔ کے عنوان سے ٹھوس دلائل کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ امام عالی مقامؓ کی طرف سے نظام پر ضرب کاری سے جہاں یہ نتیجہ نکلا کہ نظام خلافت کو فوری طور پر بحال کرنے میں

کامیابی کا حصول ممکن نہ ہو سکا، وہاں صلحائے اُمّت کے لئے مستقبل کے لائحہ عمل کے خدو خال بھی واضح ہو گئے۔ مطلب یہ کہ جہاں نواسہؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پورے خانوادۂ نبوت کو خاک و خون میں لوٹا کر بھی مقصد حاصل نہ کیا جا سکا ہو وہاں اب بحالی خلافت کی جہد و جہد کو کامیاب بنانے کے لئے صدیوں کی چمن بندی کی ضرورت ناگزیر ہو گی اور وہ بھی ایسی مہارت، چابکدستی، فہم و فراست اور تدبر و تعقل کے ساتھ ایسی حکمتِ عملی پر عمل درآمد ضروری ہوگا کہ سانپ بھی مر جائیں اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹنے پائے۔
چنانچہ صلحائے امت نے مولانا رومؒ کے مشورہ پر عمل کیا کہ

من ز قرآں مغز را برداشتیم   استخواں پیش سگاں انداختیم

اُس وقت موجود صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعین اور صلحائے اُمّت نے ایسی خوبصورتی کے ساتھ مستقبل کی حکمتِ عملی ترتیب دی کہ جسے جدید اصطلاح میں متوازی حکومت (Parallel Government) کا قیام کہا جا سکتا ہے۔
معترض موصوف کی سوئی چونکہ ایک ہی نکتہ پر اٹکی ہوئی تھی اس لئے اُس نے ''مناسب'' خیال کیا کہ ''گویا صلحاءِ اُمّت کو ہمیشہ کے لئے اہلِ اقتدار کو یہ یقین دلانا پڑا کہ ہم تو ٹھہرے گوشہ نشین اور دُعا گو، ہم سے تمہیں کیا خطرہ؟'' ---دراصل مولانا مودودی کے لٹریچر نے صلحائے اُمّت اور اہلِ تصوف کے خلاف اپنے قارئین و متبعین کے دل و دماغ کو اس قدر مسموم کر رکھا ہے کہ وہ عقل و فکر کی بات پر ''فکرِ مودودی'' کی عینک اُتار کر غور کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔ اگرچہ مولانا مودودی خود آخری عمر میں اپنے فکر و نظر میں غلطیوں اور کوتاہیوں کو محسوس کرتے ہوئے تزکیہ نفس کے لئے اہلِ تصوف سے استفادہ کا فیصلہ کر چکے تھے (لیکن)

''اب پچھتائے کیا ہوت   جب چڑیاں چگ گئیں کھیت''

دیکھئے باب نمبر 12 میں سید مودودیؒ کے فکر و نظر کا ایک جائزہ)۔
باب 8 : میں زیرِ عنوان ''اہلِ حق کی ولایت اور خلافت کا تسلسل ---قرآن حکیم سے نشانیاں، دلائل اور ثبوت ---تبدیلیٔ امامت کا اعلان'' ---مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی کی آراء کو پوری اہمیت کے ساتھ پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ نسلِ انسانی کی تاریخ کے اس مرحلے پر تبدیلیٔ امامت کی ضرورت

کیوں پیش آئی ، قرآن نے اُمّتِ مسلمہ کو بہترین قرار دینے کے فیصلے کی غرض و غایت' تسلسلِ خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت' اُمّتِ محمدیہؐ کا مقام و منصب اور اسے خیر الامم قرار دینے کی خصوصیت ۔۔۔ ازاں بعد اس سوال پر بحث کی گئی تھی کہ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے حصولِ اقتدار لازمی ہے؟؟؟

فاضل معترض کی رگِ مخالفت ایک بار پھر پھڑک اُٹھی اور موصوف نے یہ اعتراض جڑ دیا کہ "امر اختیار کا متقاضی ہے' اور یہ کام درخواستوں اور التجاؤں سے نہیں ہو سکتا!!!

درست فرمایا آنجناب نے ۔۔۔ لیکن اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر گزشتہ چودہ سو سال میں خلافتِ علیٰ منہاج النبوۃ کا دور موجود نہیں رہا تو کیا اُمّتِ مسلمہ میں خاندان کے بزرگوں' والدین' مختلف فقہی گروہوں اور جماعتوں کے سربراہوں' اساتذہ کرام اور دیگر فرقوں اور قبیلوں کے ائمہ اور سرداروں پر سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط سمجھا جائے گا؟ امر بالمعروف کے سلسلہ میں حکومتوں کے احکام سے قطع نظر اسلام میں تفصیل سے ہدایات موجود ہیں' جن پر ہر شخص اپنی اپنی جگہ عمل کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابی سعید خدریؓ کہتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کسی خلافِ شرع امر کو دیکھے اسے اپنے ہاتھوں سے تبدیل کر دے۔ اگر ہاتھوں سے تباہ و برباد کرنے کی قوت نہ ہو تو پھر زبان سے منع کرے اور زبان سے بھی منع کرنے کی قوت نہ ہو تو پھر دل سے اسے بُرا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔ O حضورؐ کی ایک حدیث زبان زد خاص و عام ہے کہ "تم میں سے ہر شخص راعی (ذمہ دار) ہے۔ اُس سے اُس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ کتبِ احادیث میں اس موضوع پر پورے پورے باب موجود ہیں۔

معترض موصوف کے یقیناً علم میں ہونا چاہئے کہ پورے قرآن میں کسی ایک جگہ بھی حکومتِ الٰہیہ کے لازمی قیام پر زور نہیں دیا گیا۔ اگرچہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حدود و تعزیر کا نفاذ حکومت کے بغیر ممکن نہیں اور ہم نے پوری کتاب میں کہیں بھی یہ کہنے کی جسارت نہیں کی کہ حکومتِ الٰہیہ کا قیام غیر ضروری ہے۔ البتہ اسے فرضِ کفایہ ضرور کہا ہے۔ جس پر دورِ حاضر کے بزعمِ خود بعض "مفکرینِ اسلام" کے علاوہ محقق علماء حقہ کا اتفاق اور اجماعِ اُمّت ہے۔ اور زیرِ مطالعہ باب میں ہم قرآن و سنت سے قوی دلائل کے ساتھ اسے ثابت کر چکے ہیں۔ اس ضمن میں متفرق دلائل ہم باب 7 اور باب 8 میں بھی پیش کر چکے ہیں۔

باب 12 میں زیرِ عنوان "امام غزالی" کا نظریۂ تصوف ۔۔۔ دورِ حاضر کے تجدد پسند علماء

کی روش۔ (تصوف' صوفیہ' الامام المہدیؑ کی تضحیک : ایک المیہ)۔ جہاں سید مودودی کے فکر ونظر کا ایک جائزہ پیش کیا گیا تھا' اس کی متعدد تصریحات پر معترض نے شدید اعتراضات وارد کئے جو ایک طرح سے ٹھوس دلائل کے بغیر محض الزامی سوالات کی صورت میں ہیں۔ مثلاً "یہ کہ کیا سید مودودی نے ان صلحاء کی شان میں گستاخی یا ان کے "پرستاروں کی ذہنیت" پر تنقید کی؟"۔۔۔اور یہ کہ "برصغیر کے گدی نشینوں نے انگریزی راج کے لئے دُعا گوئی واطاعت شعاری کا جو طریقہ اختیار کیا وہ تواب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے" نیز یہ کہ بریلوی علماء ' شاہ اسمٰعیل شہید کو صرف اسمٰعیل دہلوی کیوں کہتے ہیں؟ ۔۔۔ ہم ان الزامی جوابات کی "قدر و قیمت" جانچنے کے لئے قارئین کے حُسنِ مطالعہ پر انحصار کرنا مناسب خیال کریں گے۔ ہمارے دلائل کی روشنی میں قارئین کرام بہتر فیصلہ کرسکیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم حق پر ہیں اور قارئین کرام ہمارے ہی حق میں فیصلہ کریں گے۔ (انشاء اللہ العزیز)

------☆☆☆--------

سرِ دلبراں

خلافتِ ختم المرسلینؐ کی روحانی جہت کے امین

و مادی جہت کے نگران صوفیہٴ عظیم الشان

............(ضیاالامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ)............

[illegible]

سب سے پہلے ہم لفظ صوفی پر بحث کریں گے کہ اس کا ماخذ و اشتقاق کیا ہے۔ اور اس فن سے وابستہ لوگ اس کو کس مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔

ابو ریحان البیرونی (۹۷۳ھ تا ۱۰۴۸ھ) کا نام محتاج تعارف نہیں یہ بیک وقت

ریاضی، طب، فلک، تقادیم اور تاریخ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ انہوں نے کئی سال ہندوستان میں بسر کیے سنسکرت میں مہارت حاصل کی اور یہاں کے تمدن اور مذہبی افکار/ اعمال کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ وہ کہتے ہیں:

''صوفی'' کا ماخذ سُوف ہے جو یونانی زبان کا لفظ ہے۔ سُوف کا معنی ''حکمت'' ہے۔ اس لیے حکیم اور دانشور کو فیلسُوف کہتے ہیں۔ فیلا کا معنی مُحب اور سُوف کا معنی حکمت، یعنی دانش و حکمت سے محبت کرنے والا سُوف کے لفظ کو جب عربی میں ڈھالا گیا تو تحریف کے بعد صوفی ہو گیا۔ کیوں کہ یونان میں حکماء کا ایک ایسا گروہ تھا جن کا نظریہ تھا کہ وجود حقیقی صرف علّت اولیٰ کے لیے ہے کیوں کہ وہی ماسویٰ سے مستغنی ہے باقی سب اس کے محتاج ہیں اس لیے موجود حقیقی صرف وہی علت اولیٰ ہو گی باقی اشیاء کا وجود حقیقی نہیں بلکہ خیالی ہے کیونکہ مسلمانوں میں بھی بعض حضرات کا عقیدہ بظاہر ان سے قریب ہے اسی مناسبت سے انہیں بھی صوفی کہا گیا''۔

لیکن البیرونی کی یہ رائے قابلِ اعتنا نہیں چونکہ یونانی کتب کے عربی تراجم کا سلسلہ تیسری صدی ہجری کے نصف کے لگ بھگ شروع ہوا اور اہلِ عرب کے ہاں صوفی کا لفظ اس سے بہت پہلے مستعمل تھا۔ جو صاحب سب سے پہلے صوفی کے لقب سے ملقب ہوئے وہ ابوالہاشم الکوفی تھے جن کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی تھی یعنی ترجمہ کے دور سے تقریباً ایک سو سال پہلے اس لیے البیرونی کی رائے میں کوئی وزن نہیں۔ البیرونی، اپنے اس رویہ پر اس لیے مصر ہیں کہ اگر اس کے علاوہ صوفی کا کوئی اور مادہ اشتقاق مانا جائے تو اس میں حکمت و معرفت کی نسبت مفقود ہو جائے گی اور یہ لفظ سطحی قسم کا ہو جائے گا۔ البیرونی نے صوفی کے لفظ کی تقدیس کو تو برقرار رکھا لیکن انہیں یہ خیال نہ آیا کہ اس طرح وہ اسلامی تصوف کو یونانی علوم کا ریزہ چین ثابت کر رہے ہیں اور اس کی انفرادیت کو ختم کر رہے ہیں جو واقعہ کے بھی خلاف ہے اور تصوف کے مقام سے بھی بہت فروتر۔ اس لیے البیرونی کے اس قول کو تمام مسلم محققین نے رد کر دیا البتہ یورپ کے مستشرقین میں سے کئی لوگ انہیں اپنے ہمنوا مل گئے لیکن اس کی وجہ کچھ اور ہے جس سے قارئین واقف ہیں۔

بعض کے نزدیک صوفی۔ صفا سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ظاہر اور باطن دونوں کی صفائی اور پاکیزگی کا از حد اہتمام فرماتے تھے اس لیے ان کو صوفی کہا جانے لگا۔ لیکن صرف کے قواعد اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر صفا کی طرف نسبت کو ملحوظ رکھنا ہوتا تو انہیں صوفی کے بجائے صفوی کہا جاتا۔ اشتقاق لغوی کے قواعد کو نظر انداز کرنا درست نہیں۔

بعض علماء نے صف کو صوفی کا مآخذ قرار دیا ہے کیونکہ جہاد اصغر ہو یا جہاد اکبر یہ لوگ ہمیشہ صفِ اوّل میں ظاہری اور باطنی دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوتے ہیں۔ لیکن قواعد اشتقاق اس قول کی بھی تغلیط کرتے ہیں صف کی نسبت سے انہیں صفی کہلانا چاہیئے تھا نہ کہ صوفی۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اصحاب صفہ کی نسبت سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے کیوں کہ وہ حضرات دنیا کے علائق سے اپنے آپ کو آزاد کر کے دن رات ذکر الٰہی اور اطاعت رسالت پناہی میں سرگرم رہتے تھے اور فقر و درویشی کی زندگی بسر کرنے والے لوگوں نے بھی دنیا کی لذتوں، آسائشوں اور دلچسپیوں کو طلاق دے دی ہے اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کیلئے شب و روز سرگرداں رہتے ہیں اس لیے انہیں اصحاب صفہ سے خصوصی نسبت ہے اسی وجہ سے انہیں صوفی کہا گیا۔ بظاہر تو یہ وجہ بڑی معقول معلوم ہوتی ہے لیکن قواعد اشتقاق اس کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ اگر انہیں صفہ سے نسبت ہوتی تو صفی کہا جاتا۔

بعض محققین نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ یہ لوگ صوف کا لباس پہنتے تھے اس سے صوفی کا لفظ بنا ہے۔ قواعد کے لحاظ سے تو یہ نسبت درست ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر صوفی صوف کا لباس پہنے۔ بڑے بڑے جلیل القدر اصفیاء ایسے گزرے ہیں جو صوف کا لباس نہیں پہنتے تھے۔

امام قشیری مختلف آراء نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں "**ولا یشهد لهذا الاسم اشتقاق" من جهة العربيه وقياس والظاهر اِنه' لقبٌ**"

ترجمہ: "یعنی صوفی کے لفظ کا مآخذ اشتقاق عربیت کے لحاظ سے اور قواعد و صرف کی رو سے معلوم نہیں ہوتا۔ سیدھی صاف بات یہ ہے کہ یہ اس فن کا لقب ہے"۔

علامہ ابن خلدون نے بھی قشیری کی اس رائے کو پسند کیا:

صوفی کے لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ تصوف کا مفہوم کیا ہے۔ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں علم التصوف کے باب میں اس کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"تصوف کا معنی ہے، عبادت پر ہمیشہ پابندی کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا۔ دنیا کی زیب و زینت کی طرف سے روگردانی کرنا۔ لذت، مال اور جاہ جس کی طرف عام لوگ متوجہ ہیں اس سے کنارہ کش ہونا۔ یہ طریقہ صحابہ کرام اور سلف صالحین میں عام مروّج تھا"۔

اکثر حضرات تصوف کی تعریف میں اخلاقی پہلو کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں اور یہ نظریہ صوفیاء میں بھی مقبول ہے۔ اس نظریہ کے مطابق جن حضرات نے تصوف کی تعریف کی ہے۔ ان میں سے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

ابوبکر الکتانی (متوفی ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں:

''تصوف' خلق کا نام ہے جو خلق میں تجھ سے برتر ہوگا۔ وہ صفائی میں بھی تجھ سے بڑھا ہوا ہوگا''۔

ابومحمد الجریری (متوفی ۳۱۱ھ) سے کسی نے تصوف کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

''ہر اعلیٰ اور عمدہ خلق میں داخل ہونا اور ہر رذیل عادت سے باہر نکلنا تصوف ہے''۔

ابوالحسین النوری تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تصوف نہ رسم ہے نہ علم بلکہ یہ خلق کا نام ہے''۔

دوسرے مقام پر انہی کا ارشاد ہے:

''تصوف' حریت' کرم' بے تکلفی اور سخاوت کا دوسرا نام ہے''۔

اگرچہ اخلاقی نقطہ نظر سے تصوف کی یہ تعریف شرق و غرب میں مشہور بھی ہے اور مقبول بھی۔ لیکن اسے تصوف کی صحیح تعریف نہیں کہا جا سکتا۔ بہت سے لوگ جو مکارم اخلاق میں اپنی نظیر نہیں رکھتے انہیں صوفی نہیں کہا جاتا۔ یہ بات مسلم کہ تصوف کی بنیاد اخلاق کریمہ پر ہے اور صوفی کیلئے ناگزیر ہے کہ وہ مکارم اخلاق سے متصف ہو لیکن اسے تصوف کا حقیقی مفہوم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

تصوف کی تعریف میں دوسرا نقطہ نظریہ ہے کہ اس کا معنی زہد ہے یعنی دنیا اور دنیا کی زیب و زینت اور لذات سے کلیۃً کنارہ کشی' یہ بجا کہ صوفی کا دل دنیا سے بیزار ہوتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ زہد و تقشف اور چیز ہے اور تصوف اور چیز ہے۔ بعض لوگوں نے عبادت گزار کو صوفی کہا ہے لیکن ان کا یہ قول بھی حقیقت سے بہت دور ہے۔ ایک شخص عبادت میں سرگرم ہوتا ہے' لیکن پھر بھی اسے صوفی نہیں کہا جاتا۔

ابن سینا نے اپنی کتاب ''الاشارات'' میں بڑی وضاحت سے زاہد' عابد اور صوفی میں جو فرق ہے اسے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''جو شخص دنیا اور اس کی لذتوں سے منہ موڑ لے اسے زاہد کہتے ہیں۔ جو شخص ہر لمحہ عبادت میں مصروف رہے اسے عابد کہتے ہیں اور جو شخص ہمیشہ اپنے فکر کو قدس جبروت کی طرف متوجہ رکھتا ہے اور ہر لحظہ اپنے باطن میں نورِ حق کی تابانی کا آرزومند ہوتا ہے اسے عارف کہتے ہیں اور ابنِ سینا کے نزدیک عارف ہی صوفی کہلانے کا مستحق ہے''۔

زاہد اور عابد زہد و عبادت کو اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ انہیں دوزخ سے نجات ملے اور نعیم جنت کی سرمدی مسرّتیں انہیں نصیب ہوں، صوفی بھی دنیا کی زینتوں اور لذتوں سے دامن کش رہتا ہے اور ہمہ وقت مصروفِ عبادت و نیازمندی کا مستحق ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد اس حقیقت کو واضح کرنے کیلئے کافی ہے۔ ایک روز انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کیا:

.... ''اے اللہ: اگر میں تیری عبادت آتشِ دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھونک دے''۔

.... ''اور اگر میں جنت کے لالچ کیلئے تیری جناب میں سربسجود رہتی ہوں تو مجھے اس جنت سے محروم کردے''۔

.... ''اور اگر میں صرف تیری ذات کیلئے تیری عبادت کرتی ہوں تو اے میرے محبوب مجھے اپنے شرفِ دیدار سے محروم نہ رکھیو''۔

معلوم ہوا کہ تصوف نہ صرف اخلاق حسنہ کا نام ہے، نہ صرف دنیا کی لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے اور نہ صرف شب و روز مصروفِ عبادت رہنے کا نام ہے اگرچہ وہ ان تمام چیزوں کو شامل ہے۔ لیکن وہ ان کے ماسوا کوئی اور چیز ہے۔

اس لیے ابھی ہمیں تصوّف کی ایسی تعریف کی ضرورت ہے جس سے اس کی حقیقت تک رسائی حاصل ہوجائے۔

ابوسعید الخرازؒ (متوفی ۲۶۸ھ) سے ''صوفی'' کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا:

''جس کے دل کو اس کا ربِّ پاک صاف کردے اور اس کا دل نُورِ الٰہی سے لبریز ہو جائے اور جو شخص ذکرِ الٰہی شروع کرتے ہی لذت و سرور میں کھو جائے''۔ (وہ صوفی ہے)

حضرت جنید بغدادیؒ تصوف کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

''تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کردے اور اپنی ذات کے ساتھ تجھے زندہ کردے''۔

ابوبکر الکتانیؒ کی تعریف، ایجاز اور جامعیت کا شاہکار ہے وہ فرماتے ہیں:

''تصوف صفاء یعنی تزکیہ اور مشاہدہ کا نام ہے''۔

ان دو میں سے پہلی (صفاء) سبب ہے اور دوسری بات (المشاہدہ) غایت اور مدعا ہے۔ یہ تعریف بڑی جامع ہے اس میں سالک کی منزل کا بھی ذکر ہے اور اس راستہ کا بھی جو سالک کو اس منزل تک لے جاتا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں اس حقیقت کو ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اس منزل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے صفات مذمومہ کو مٹائے تمام تعلقات کو توڑ ڈالے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جب یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کا متولی بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے''۔

یہ ہے تصوف کا وہ مفہوم جس کو اولیاء اللہ اپنا مقصدِ حیات بناتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی صفا اور تزکیہ کے کٹھن مرحلوں کو صدقِ دل سے طے کرنے کیلئے وقف رہتی ہے تاکہ آخر کار وہ مشاہدہ کی منزل میں خیمہ زن ہونے کی سعادت حاصل کریں اس طرح وہ انسانیت کے اس مقامِ رفیع کو پالیتے ہیں جہاں ''نفخت فیه من روحی'' کا سرِ نہاں عیاں ہوتا ہے اور وہ خلیفۃ اللہ فی الارض کی مسندِ جلیل پر متمکن ہوتا ہے۔

اس تصوف پر جس کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی تشریح آپ ابھی پڑھ چکے ہیں گزشتہ زمانہ میں بھی اور آج بھی اپنوں نے بھی اور بیگانوں نے بھی بدنیتی سے یا غلط فہمی کے باعث بڑی بے رحمی سے طعن و تشنیع کے تیروں کا مینہ برسایا ہے اور آج اس تحریک میں مزید شدت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ عدل و تحقیق کا دامن بھی بسا اوقات ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس حالیہ شدت کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ جو لوگ تصوف کے علمبردار بنے ہوئے ہیں ان میں سے چند ایسے بھی ہیں جو باعث رسوائی اسلاف ہیں یا اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے آثار کو دیکھ کر ابلیسی قوتیں

ہراساں ہیں اور وہ مسلمانوں کو اس چشمۂ حیات سے بدظن اور متنفر کرنے کا قبل از وقت پروگرام بنا رہی ہیں تا کہ مسلمان اس بیداری سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ وجہ کوئی بھی ہو ہمیں حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ان اعتراضات کا جائزہ لینا چاہیئے انہوں نے اگر کسی واقعی خامی کی نشاندہی کی ہے تو اس کے ازالہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور اگر انہوں نے غلط اعتراضات کیے ہوں تو ان کا مسکت جواب دینا چاہیئے۔

ایک بات میں ابتداء میں ہی صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صوفیہ کی صفوں میں ایسے لوگ بھی در آئے ہیں جو بظاہر عابد و زاہد نظر آتے ہیں لیکن دراصل اپنے زہد و عبادت کو حصول مال و جاہ کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں لیکن مجھے یہ تو بتائیے انسانی زندگی کا کون سا ایسا شعبہ ہے جہاں یہ کالی بھیڑیں موجود نہیں۔ علماء، اطباء، قضاۃ، اتجار، صفت کار، سب جگہ پر ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طبقہ کے لئے ننگ و عار کا باعث ہیں لیکن اگر ان کے وجود سے صحیح اور راستباز لوگوں کی افادیت کم نہیں نہیں ہوئی تو جعلی صوفیوں کے ہتھکنڈوں سے صوفیاء کرام کی عظمت پر حرف نہیں آ سکتا، ہم جن صوفیاء کے بارے میں کلام کریں گے وہ وہ لوگ ہیں جو صحیح معنوں میں اس لقب کے اہل ہیں۔

پہلا اعتراض:

تصوف پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا رہا ہے اور اب بھی کیا جا رہا ہے کہ اس کا مآخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ یہ ایک اجنبی چیز ہے جسے اسلام میں زبردستی ٹھونس دیا گیا ہے۔ لیکن جب ان معترضین سے اس اجنبی مصدر اور منبع کے بارے میں استفسار کیا جاتا ہے۔ تو بھانت بھانت کی بولیاں سننے میں آتی ہیں اور انسان تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے کہ تصوف کے کس معترض کی بات کو وقیع اور وزنی سمجھا جائے اور کسے لایعنی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے ان معترضین کا باہمی اختلاف اور کسی ایک منبع پر متحد نہ ہونا ہی ان کے اس قول کے بطلان کے لیے کافی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم تمام اقوال کا ایک ایک کر کے ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کا علمی تجزیہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں وہ خود ہی حق و باطل میں امتیاز کر لیں گے۔

معترضین کا ایک طبقہ جس میں مستشرقین کے جیّد علماء بھی شامل ہیں یہ کہتا ہے کہ تصوف میں چلہ کشی، ریاضت وغیرہ کے سارے طریقے ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے مستعار لئے گئے

ہیں۔ اس طبقہ کا سرخیل ہارٹن (Horton) بلوشیٹ (Blochet) اور ماسی نیون (Massignon) ہیں۔ یہ لوگ بڑی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اور بڑے محقق اور مدقق شمار ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں ان صاحبان کو اس بے مقصد تکلف کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی کیا انہیں معلوم نہیں کہ مسلمان صوفیاء کے ہادی و راہبر نبی کریم ﷺ نے غار حرا میں چلہ کشی کی تھی۔ اور ذکر الٰہی پر مداومت کے متعدد احکام قرآن کریم اور احادیثِ نبوی میں بصراحت موجود ہیں اور یہ سب اس وقت ان کو میسر تھا جب کہ ہندوؤں کی تہذیب و تمدن کے بارے میں جزیرہ عرب کے باشندوں کو سطحی قسم کی معلومات بھی میسر نہ تھیں۔ اس لیے صوفیاء کرام کی ریاضتوں اور چلہ کشیوں کو ہندو جوگیوں کی طرف منسوب کرنا لغویت کی انتہا ہے۔ مزید برآں دونوں ریاضتوں کے مقاصد میں بُعد المشرقین ہے۔

دوسرا طبقہ ان معترضین کا ہے جو مسلمانوں کے زہد و تبتل کو بُدھ مت سے ماخوذ سمجھتے تھے گولڈ زیہر (Goldziher) اور اولیری (O' Leary) کے پایہ کے مستشرق بھی یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ صوفیاء کا دنیا سے قطع تعلق درحقیقت گوتم بدھ کی تقلید ہے۔ جس طرح اس نے تخت و تاج کو ترک کر کے فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کر لی تھی اسی طرح مسلمان صوفیاء نے بھی اپنے گھروں کے راحت و آرام کو ترک کر کے جنگلوں اور پہاڑوں کی غاروں میں آ کر بسیرا کیا۔ لیکن اتنا بڑا الزام لگانے سے پہلے ان حضرات نے یہ غور کرنے کی زحمت بھی برداشت نہیں کی کہ گوتم بُدھ خدا کے وجود کا منکر ہے۔ وہ نفسِ انسانی کو ہی سب کچھ خیال کرتا ہے اس کے برعکس مسلمان اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی واحدانیت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور یہ ریاضتیں مقصود بالذات نہیں بلکہ بارگاہِ الٰہی میں شرفِ باریابی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام کا تصوف دراصل فارسی تصوف کا آئینہ دار ہے۔ عرب ہر لحاظ سے فارس سے فروتر تھے انہوں نے ان سے ہی کچھ لیا ہے۔ فارسیوں کو دینے کیلئے ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ اگر یہ لوگ اسلام سے پہلے کی بات کہہ رہے ہیں تو ہم اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن ہم اس زمانہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے ہماری بحث اس تصوف سے ہے جو آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد رونما ہوا۔ جب قرآنِ کریم کے فیضان سے عرب مسلمانوں کی جھولیاں علم و حکمت کے جواہرات سے بھر گئیں تو وہ اپنے گھروں سے نکل کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے اور بڑی دریا دلی اور فیاضی سے انہوں نے ان جواہرات کو لٹایا۔ تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم

یہ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ اہلِ فارس نے عرب مسلمانوں کو دینی' تہذیبی اور علمی اعتبار سے متاثر کیا بلکہ یہ وہ عرب تھے جنہوں نے اپنی ظاہری فتوحات کے جھنڈے گاڑنے کے بعد اہلِ ایران کے عقائد' نظریات وافکار اور تہذیب وتمدن کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ جب اسلام کی برکت سے اہلِ فارس آتش پرستی کو چھوڑ کر خداوند واحد و یکتا کے پرستار بن گئے باقی اور کیا چیز تھی جس کیلئے مسلمان صوفی ان کے شکست خوردہ افکار سے دریوزہ گری کرتے۔ پروفیسر براؤن کا یہ کہنا سراسر خلاف حقیقت ہے کہ ایرانی افکار نے عربوں کو متاثر کیا اور اسی سے ان کا تصوف ماخوذ ہوا۔ اس حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ بہر حال اگر کہیں کچھ مشابہت پائی بھی جاتی ہے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی تصوف اہلِ فارس کے نظریات سے ماخوذ اور مستعار ہے اسلام کا تصوف صرف اسلام سے ماخوذ ہے اور وہ ہر اعتبار سے بالکل الگ اور جداگانہ چیز ہے۔

معترضین کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اسلام کے تصوف پر نصرانی تصوف کا بہت بڑا اور گہرا اثر ہے۔ اس دعویٰ کی تائید کیلئے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ عربوں اور عیسائیوں میں عہد قدیم سے باہمی روابط تھے۔ عرب ایک غیر متمدن اور جاہل قوم تھے جب کہ عیسائی دنیا علم وحکمت کے نور سے جگمگا رہی تھی۔ اس لیے لازمی طور پر مسلمان صوفیوں نے عیسائی راہبوں سے تصوف سیکھا اور اس کو اپنایا ہم عرض کرتے ہیں کہ اسلام کی آمد سے پہلے کے بارے میں آپ کا یہ نظریہ درست ہے لیکن ہم اس زمانہ کی بات کر رہے ہیں جب کہ عرب کے ظلمت کدہ کو وحی الٰہی کے نور تاباں نے رشک صد طور بنا دیا تھا۔ اور ان ابجد ناشناسوں کو نہاں خانہ تقدیر کے اسرار و رموز سے آشنا کر دیا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے خود اپنے ماننے والوں کو دنیا کی لذتوں میں کھو جانے سے سختی سے روکا تھا۔ قرآن کریم کی صدہا آیات ہیں جو مسلمانوں کو زہد و تقویٰ کی تلقین کرتی ہیں اور دنیا کی بے ثباتی کا نقش لوحِ قلب پر ثبت کرتی ہیں۔ سورۃ الحدید کی ایک آیت ملاحظہ ہو:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا۔ وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ۔ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (۵۷۔الحدید:۲۰)

ترجمہ: تم خوب جان لو! کہ دنیوی زندگی محض لہو ولعب' زینت اور ایک دوسرے پر اترانے اور مال واولاد میں زیادتی پر فخر کرنے کا نام ہے۔ جیسے بارش اور اس کی پیداوار کاشت

کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے سو تو اُس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے۔ اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی بہت بہتر چیز ہے اور نہیں ہے دنیا مگر دھوکے کا سامان''۔

اور حضور ﷺ کی ایک حدیث بھی سماعت فرمائیے:

''اپنے بعد میں تم سے جس چیز کے بارے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا کی زینت اور کامیابی کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں گے''۔ (بخاری و مسلم)

خود سوچئے کہ جس قوم کے پاس ان کی کتاب مقدس میں زُہد و پرہیز گاری کے اتنے مؤثر مواعظ موجود ہوں انہیں ان پریشان حال راہبوں کی تقلید کی کیا ضرورت ہے جو خود بے یقینی کی موجوں کے تھپیڑے کھا رہے ہیں۔ اسی طرح عبادت الٰہی کی تلقین و ترغیب میں قرآن کریم کی بے شمار آیات موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے کسی اور واعظ کی ایک مومن کو کیوں ضرورت محسوس ہوگی۔ اشاد ربانی ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (۷۔الاعراف:۲۰۵)

ترجمہ: اپنے رب کو یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور غافلوں میں سے مت ہو جانا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (۳۳۔الاحزاب:۴۱۔۴۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہا کرو۔

قرآن کریم کی دوسری صورت کی یہ دل افروز اور روح افزاء آیت بھی پڑھ لیجئے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (۲۔البقرۃ:۱۵۲)

ترجمہ: ''تم مجھے کیا یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کیا کروں گا میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو''۔ جب ذکر الٰہی کیلئے ایسی آیات موجود ہوں تو ان کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کا کسی غیر کی طرف متوجہ ہونا کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

مستشرقین جن کے غول کے غول اسلامی تصوف کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے جنون میں جگہ جگہ ٹامک ٹویاں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں ان میں چند ایسی شخصیتیں بھی ہیں جنہوں نے پہلے تو اپنے پیشروؤں کی تقلید کرتے ہوئے اسلامی تصوف کو غیر اسلامی افکار کا نتیجہ کہا لیکن مزید تحقیق کے بعد جب حقیقت ان کے سامنے واشگاف ہوگئی تو انہوں نے بڑی جرأت سے اپنے سابق افکار ونظریات سے رجوع کیا۔ یہی نکلسن جو پہلے تصوف کو عیسائیت کا عطیہ کہتے رہے بعد میں ''انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھک'' میں تصوف کے عنوان پر اظہار خیال کرتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ آج تک اسلامی تصوف کے آغاز اور نشوونما کے بارے میں غلط انداز ے لگائے گئے ہیں۔ یہ کہنا کہ تصوف اسلام میں باہر سے آیا قطعاً قابل تسلیم نہیں بلکہ روز اوّل سے ہی مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ تھا جو تلاوت قرآن اور مطالعہ حدیث میں مشغول رہتا تھا اور ان کے تمام افکار ونظریات کا منبع قرآن وسنت کے بغیر کچھ بھی نہیں تھا۔

اکابر صوفیاء نے اپنی مستند کتب میں اس بات کو واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ صوفی کیلئے کتاب وسنت کے ارشادات پر عمل پیرا ہونا کامیابی کی شرط اوّل ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہر قسم کے شک وشبہ کے بطلان کیلئے کافی ہے فرماتے ہیں:

''ایں راہ کس یابد کہ کتاب بردست راست گرفتہ باشد وسنت مصطفی علیہ وسلم بردست چپ۔ ودر روشنائی ایں دو شمع میرود تانہ ورمغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت (تذکرۃ الاولیاء شیخ عطار ص ۸)

ترجمہ: یہ راہ تو وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک ہو اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفی علیہ وسلم اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں وہ قدم بڑھاتا جائے تاکہ نہ شبہات کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیروں میں پھنسے۔

شیخ ابوبکر طمستانیؒ فرماتے ہیں:

الطریق واضح والکتاب والسنّت قائم بین اظہر نا

(راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب وسنت ہمارے سامنے موجود ہے)۔

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمہ اللہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

اے برادر! در تفاوتِ مراتب فقراء اگر امروز خواہی کہ دریابی بجانب شریعت اونگاہ کن کہ شریعت معیار ست۔ معیار فقیر بر شریعت روشن میگردد۔

ترجمہ: اے بھائی اگر تم فقراء کے مراتب کا پتہ آج لگانا چاہو تو ان کے اتباع شریعت پر نظر کرو۔ شریعت معیار ہے اس کسوٹی پر فقیر کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔

صوفیاء کرام نے خود بھی کتاب وسنت پر عمل کیا اور اپنے حلقہ عقیدت میں داخل ہونے والوں کو بھی کتاب وسنت کی پیروی کی تاکید فرمائی مندرجہ بالا تصریحات کے علاوہ آپ قوت القلوب، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، عوارف المعارف، فوائد الفواد وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ آپ کو ان کے ہر ہر صفحہ پر کتاب وسنت پر عمل کرنے کی تلقین ملے گی۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص تصوف کو شریعت کے خلاف کہتا ہے تو اس کی اپنی مرضی!

دوسرا اعتراض:

معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ تصوف جاہلوں اور ناخواندہ لوگوں کا مسلک ہے۔ جو لوگ زیور علم سے آراستہ ہیں اور تحقیق وتدقیق کے میدان میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں وہ تصوف کے قریب بھی نہیں پھٹکتے یہ ایک ایسا الزام ہے جو الزام لگانے والے کی کم نظری اور لاعلمی پر دلالت کرتا ہے اکابر صوفیاء اپنے اپنے زمانہ میں علم وفضل میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے وہ اپنے ہمعصر علماء وفضلاء پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتے تھے بلکہ تصوف کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے وہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ حضرت غوث الاعظم، حضرت خواجہ معین الحق والدین اجمیری، حضرت شہاب الدین سہروردی، غوث العالمین شیخ الاسلام حضرت بہاء الحق والدین زکریا ملتانی، حضرت بہاؤ الدین نقشبند، حضرت مجدد الف ثانی وامثالہم قدس اللہ اسرارہم نہ صرف اقلیم فقر ودرویشی کے شہنشاہ تھے بلکہ کشور علم وفضل کے بھی تاجدار تھے۔ کون ہے جو ان حضرات اور ان کے جلیل القدر خلفاء پر جہالت کی تہمت لگا سکے ان کی تصانیف آج بھی اہلِ علم وتحقیق سے خراج تحسین وصول کر رہی ہیں۔ حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ فرمایا کرتے تھے کہ جاہل کبھی مسخر شیطان ہو جاتا ہے اس کی نگاہ حقیقت اور سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کر سکتا۔

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''پیر آں چناں باید کہ در احکام شریعت وطریقت وحقیقت عالم باشد وچوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نفرمائید''۔ (فوائد الفوائد)

ترجمہ: ''پیر ایسا ہونا چاہیے' جو شریعت' طریقت اور حقیقت کے احکام کا علم رکھتا ہو۔ اگر ایسا ہوگا تو وہ کسی ناجائز کیلئے نہ کہے گا''۔

حضرت محبوب الٰہی کا یہ احوال بھی تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو خلافت عطا نہیں فرماتے تھے جو عالم نہ ہو۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ کا قول ہے۔

''تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے اجتناب کیا کرو۔ ایسے عالموں سے جو جاہل ہوں' ایسے فقیروں سے جو دھوکے باز ہوں۔ اور ایسے صوفیوں سے جو جاہل ہوں''۔ (کشف المحجوب)

علامہ ابن جوزی' جو صوفیاء پر تنقید کرنے میں مشہور عالم ہیں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ:

''یعنی صوفیاء متقدمین علوم قرآن' فقہ' حدیث اور تفسیر میں امام ہوا کرتے تھے''۔

تیسرا اعتراض:

صوفیاء نے عیسائی راہبوں کی طرح دنیا سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو اس نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی تھیں ان سے وہ لطف اندوز ہونے سے دست کش ہو گئے تھے۔ حالانکہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ۔ لا رهبانية فى الاسلام۔ (اسلام میں رہبانیت کیلئے کوئی گنجائش نہیں)۔

بیشک صوفیاء کرام ابتداء میں ہر قسم کے علائق سے دست کش ہو کر خلوت گزیں ہو جاتے ہیں اور اچھے کھانے' اچھے پہننے' رات کو آرام کرنے وغیرہ راحتوں کو ترک کر دیتے ہیں لیکن یہ ان کا مقصد حیات نہیں ہوتا بلکہ وقتی طور پر وہ تزکیۂ قلب اور تربیت نفس کیلئے ان مجاہدات کو اختیار کرتے ہیں۔ اور جب وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نُورِ عشق سے ان کے سینے منور ہو جاتے ہیں۔ مذموم عادات سے ان کی طبیعت پوری طرح متنفر ہو جاتی ہے اور محاسن اخلاق ان کی فطرتِ ثانیہ بن جاتے ہیں تو پھر ستیزہ گاہ حیات میں اسلام کا پرچم تھامے ہوئے وہ قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ ان کے تربیت یافتہ نفوس کے راستہ میں آلام و مصائب کی کوئی چٹان حائل نہیں ہو سکتی۔ ابلیس کی کوئی فسوں کاری ان کو متاثر نہیں کر سکتی بلکہ وہ عزم و ثبات کا پیکر بن کر تسلیم و رضا کے پُر خار راستہ پر خراماں خراماں گزرتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ شخص جو اپنی زندگی اسلام کی سربلندی کیلئے وقف کرنا چاہتا ہو اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس پیغام حق کو پہنچانے کیلئے میدان میں نکلنا

چاہتا ہو اس کیلئے ناگزیر ہے کہ پہلے وہ تزکیہ قلب اور تربیت نفس کے کٹھن مرحلہ کو کامیابی سے طے کرلے۔ اگر اس میں ذرا بھی خامی باقی ہوگی تو اس کی ادنیٰ سی لغزش اسلام کے وقار کو سخت نقصان پہنچانے کا باعث بنے گی۔

آج جب کہ ہم تبلیغ اسلام کیلئے تحصیل علم کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ اور ریاضت ومجاہدہ کو غیر ضروری بلکہ خلافِ اسلام چیز قرار دیتے ہیں۔ تو ہماری تبلیغ کا رنگ ہی بدل گیا ہے۔ نہ کلام میں اثر ہے نہ وعظ ونصیحت کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اور ہماری اخلاقی کمزوریاں قدم قدم پر عیاں ہوتی ہیں اور اسلام کی تضحیک کا باعث بنتی ہیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ کفار کے ساتھ گھمسان کی لڑائی شروع ہے۔ آپ سپاہی بھرتی کرتے ہیں کیا آپ انہیں بھرتی کرنے کے بعد فوراً میدانِ جنگ کی طرف روانہ کریں گے یا پہلے میدان جنگ سے بہت دور ایک چھاؤنی میں بھیجیں گے جہاں وہ فوجی نظم و ضبط کے علاوہ اسلحہ کے استعمال کے ڈھنگ سیکھیں گے اور جب وہ تربیت کے اس مرحلہ کو مکمل کر لیں گے تب وہ اس قابل ہوں گے کہ انہیں میدان جنگ میں کسی محاذ پر متعین کیا جائے اگر آپ عجلت میں سپاہیوں کو فوراً جنگ میں جھونک دیں گے تو وہ دشمن کے بجائے اپنے دوستوں کو نقصان پہنچائیں گے اور کوئی بعید نہیں کہ وہ خود ہی اپنی گولی کا نشانہ بن جائیں۔

عیسائیوں کے نزدیک رہبانیہ مقصد حیات ہے۔ وہ ہمیشہ کیلئے دنیا سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنے میں ہی سلامتی اور نجات سمجھتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے ہاں اس قسم کا قطعاً کوئی تصور نہیں۔ صوفیہ کرام کے سوانح حیات کا مطالعہ کیا جائے تو روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے دنیا کو ترک کرنے کی تلقین نہیں کی بلکہ دنیا کے بے اعتدالانہ استعمال اور اس کی محبت میں کھو جانے سے منع کیا ہے۔ انہوں نے شادیاں کیں' ان کے اہل وعیال تھے۔ ان کے ذاتی مکانات اور مزروعہ اراضی تھیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں ان پر رہبانیہ کا الزام کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ اور یہ قرآن کریم کا حکم ہے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی ان الفاظ میں ثنا گستری فرماتا ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (۲۴۔النور:۳۷) یعنی یہ وہ مردانِ پاکباز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انہیں نہ تجارت غافل کرسکتی ہے اور نہ خرید وفروخت۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد بھی سماعت فرمایئے۔

ترجمہ: ''ترک دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوتہ بہ بندد وبنشیند۔ ترک

دنیا آں ست کہ لباس بپوشد' طعام بخورد و آنچہ می رسد روا بدارد و لجمع او میل نکند و خاطر را متعلق چیزے ندارد (فوائد الفوائد)

ترجمہ ترک دنیا کا یہ معنی نہیں کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو برہنہ کرے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ہمارے نزدیک ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے' کھانا بھی کھائے اور حلال کی جو چیز دستیاب ہو اسے استعمال بھی کرے لیکن دولت کو جمع کرنے کی طرف راغب نہ ہو اور دل میں اس کو جگہ نہ دے''۔

چوتھا اعتراض:

یہ اعتراض بڑے زور شور سے تصوف اور صوفیاء پر کیا جاتا ہے اور اس زمانہ میں تو اس اعتراض نے بڑی اہمیت اختیار کرلی ہے اور ہر شخص جو چند سطریں لکھنے کی صلاحیت کا مالک بن جاتا ہے۔ وہ اہلِ حق پر یہ اعتراض کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔ آیئے پہلے معترضین کی بات سنیں اور اس کے بعد حقیقت کی کسوٹی پر اسے پرکھیں۔

معترضین حضرات کہتے ہیں کہ تصوف ایک افیون ہے۔ اور صوفیاء نے ملت کے قوائے عمل کو مضحل بلکہ مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کو اس بات پر اصرار ہے کہ ملت کو چاہیئے کہ تصوف کی بنائی ہوئی ان روپہلی اور سنہری زنجیروں سے اپنے آپ کو رہا کرائیں اور تصوف کی پیدا کردہ خواب آلود فضا سے نکل کر حقائق کی تلخیوں سے دوچار ہونے کیلئے تیار ہو جائیں۔

ہم بڑی ذمہ داری اور وثوق کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ الزام سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان بزرگوں نے ملت کے عروق مردہ میں ہمیشہ نئی روح پھونکی ہے۔ ان کی فیضِ نگاہ سے حوصلوں میں بلندی' عزائم میں پختگی' ولولوں میں جولانی اور قوت عمل میں برق آسا سرعت اور چمک پیدا ہوتی ہے۔ آپ ذرا تعصب کی پٹی اتار دیجئے اور تبلیغِ اسلام کی تحریک کے جواں مرد' علمبرداروں کے نقوش پا کو دیکھتے ہوئے ان میدانوں تک پہنچنے کی کوشش کیجئے جہاں حق نے باطل پر ابدی فتح حاصل کی۔ برصغیر پاک و ہند پر ذرا سرسری نظر ڈالئے۔ سنجر کا ایک درویش' تبلیغ اسلام کے جذبہ سے سرشار ہو کر نے اپنے وطن کو چھوڑتا ہے' اپنے اقارب واحباب کو الوداع کہتا ہے۔ اپنی منقولہ اور غیر منقولہ املاک سے دست کش ہوتا ہے اور تنہا بتکدۂ ہند کا رخ کرتا ہے۔ یہاں بھی کئی ایسے گوشے تھے جہاں اسلام نے اپنے قدم جما لیے تھے

لیکن اس کے حوصلہ کی بلندی اور اس کے عزائم کی پختگی اور اس کے جوش کی جولانی اسے راجپوتانہ کے اس علاقہ میں لے جاتی ہے جہاں کفر کی کالی رات چھائی ہوتی ہے۔ ایک آمر مطلق راجہ وہاں کا حکمران ہے۔ اس ظالم راجہ کی اس ریاست کے کسی دور افتادہ گوشہ کو اپنا مسکن نہیں بناتا بلکہ اس کی راجدھانی میں جا کر اپنا مصلّٰی بچھا دیتا ہے۔ ساری آبادی بت پرست ہے اور اپنے ان مشرکانہ عقائد میں حد درجہ غلو رکھتی ہے۔ وہ اپنے ان معبودوں کے خلاف کوئی بات سننا گوارا تک نہیں کر سکتی جگہ جگہ مندر موجود ہیں بڑے بڑے برہمن ان لوگوں کے عقائد اور نظریات کی حفاظت کیلئے ہر قسم کے علوم وفنون سے مسلح ہیں۔ مسند حکومت پر پرتھی راج جیسا جابر، ظالم اور متعصب ہندو راجہ براجمان ہے۔ اس ناسازگار ماحول میں جو شخص حق کی دعوت دیتا ہے اور ہر قسم کے خطرات کے لیے سینہ سپر ہوتا ہے۔ اور پھر اسلام کے پرچم کو یوں لہراتا ہے کہ اسے صدیوں کے انقلابات بھی سرنگوں نہیں کر سکتے۔ وہ شخص کون ہے؟ وہ ایک صوفی ہے تصوف کے رنگ میں اس کا ظاہر اور باطن، اس کا ذہن، اس کا دل، اس کی سوچ اور اس کا نطق سب رنگے ہوئے ہیں۔ کیا ایسے شخص کے بارے میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تعلیمات، قوائے عمل کو مفلوج کر دینے والی ہیں؟ وہ رزمگاہِ حیات سے فرار کا راستہ بتاتا ہے؟ اگر آپ میں یہ جرأت ہے تو آپ کہئے اور کہتے رہیے۔ لیکن آپ کے یوں غل مچانے سے حقیقت مسخ نہیں ہو سکتی۔ اسی کی خانقاہ کے فیض یافتہ صوفی ہندوستان کے شرق وغرب میں پھیل جاتے ہیں اور کفر وشرک کا اندھیرا جو صدیوں سے یہاں خیمہ زن تھا اس کو اپنے نعرۂ قلندرانہ سے نیست و نابود کر کے رکھ دیتے ہیں۔ کاش اس قسم کے نفوس قدسیہ ملت کو ہمیشہ نصیب ہوتے!!!

شاید معترضین کے علم میں نہ ہو کہ جب چنگیزی طوفان نے دنیائے اسلام کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا تھا۔ ہزاروں آباد شہر ویران کر دیئے گئے تھے۔ لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کر دیا گیا تھا۔ عروس البلاد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی تھی۔ عقل و دانش کے پرستار اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو گئے تھے۔ معلوم ہے آپ کو کس نے ان سرکش طوفانوں کا رُخ موڑا تھا، کس نے اسلام کے دشمنوں کو اسلام کی شمع کا پروانہ بنا دیا تھا۔ وہ یہی صوفیاء کے گروہ کا ایک فرد تھا جس کی ایک نظر نے ساری فضا کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ ایک خراسانی بزرگ جو سلسلۂ عالیہ قادریہ سے نسبت رکھتے تھے اشارہ غیبی کے تحت ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کو دعوتِ اسلام دینے کیلئے تشریف لائے۔ وہ شکار سے واپس آ رہا تھا۔ اپنے محل کے دروازے پر ایک درویش کو دیکھ کر اس

نے ازراہِ تمسخر پوچھا۔اے درویش! تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم؟اس بیہودہ سوال پر آپ قطعاً برہم نہ ہوئے۔ بڑے تحمل سے فرمایا۔اگر میں اپنی جاں نثاری اور وفاداری سے اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرلوں تو میرے داڑھی کے بال اچھے ہیں ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔اور آپ کیلئے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔ تگودار خان اس غیر متوقع جواب سے بہت متاثر ہوا اور آپ کو مہمان کی حیثیت سے اپنے پاس ٹھہرایا اور آپ کی کوشش سے اُس نے درپردہ اسلام قبول کرلیا۔لیکن اپنی قوم کی مخالفت کے خوف سے اس کا اظہار نہ کیا۔ پھر انہیں یہ کہہ کر رخصت کیا کہ سرِدست آپ تشریف لے جائیں میں اپنی قوم کو ذہنی طور پر اسلام قبول کرنے پر آمادہ کروں گا۔ چنانچہ آپ وطن واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔وفات سے پہلے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ وہ تگودار خان کے پاس جائے اور اسے اپنا وعدہ یاد دلائے۔ کچھ عرصہ بعد وہ تگودار خان کے پاس پہنچے اس کو اپنا تعارف کرایا اور اپنے آنے کی وجہ بتائی۔ اس نے کہا کہ دوسرے تمام سردار اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں لیکن فلاں سردار ابھی اسلام قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اگر وہ راہِ راست پر آ جائے تو یہ مشکل آسان ہوسکتی ہے۔آپ نے اسے بلا بھیجا۔اور تبلیغ کی۔اس نے کہا میری ساری عمر میدان جنگ میں گزاری۔ میں علمی دلائل کو نہیں سمجھ سکتا۔میرا ایک ہی مطالبہ ہے کہ یہ درویش میرے پہلوان سے مقابلہ کرے اگر اسے پچھاڑ دے تو میں مسلمان ہوجاؤں گا۔تگودار خان نے آپ کا نحیف دلاغر جسم دیکھ کر اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا۔لیکن آپ نے اس کا چیلنج منظور کرلیا۔مقابلہ کیلئے تاریخ اور جگہ کا تعین ہو گیا۔ مقررہ دن بے شمار مخلوقات یہ عجیب وغریب دنگل دیکھنے کیلئے جمع ہوگئی۔ایک طرف نحیف و کمزور ''پیر فرتوت'' اور دوسری طرف ایک پیل تن گرانڈیل نوجوان' گتودار خان نے بڑی کوشش کی کہ یہ مقابلہ نہ ہو لیکن وہ درویش مقابلہ کرنے کیلئے مصر تھا۔ جب دونوں پہلوان اکھاڑے میں نکلے تو آپ نے اس زور سے اپنے حریف کو ایک طمانچہ مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا وہ غش کھا کر زمین پر آ گرا۔ وہ سردار حسبِ وعدہ میدان میں نکل آیا۔ آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔تگودار خان نے بھی اپنے ایمان کا اظہار کر کے اپنا نام احمد رکھا۔

ہلاکو خان کا ایک چچازاد بھائی تھا جس کا نام برکہ تھا اسے بھی حضرت شیخ شمس الدین باخوری نے مشرف باسلام کیا اس طرح ان پاک نہاد صوفیاء کی جرأت ایمانی اور دل آویز اسلوب تبلیغ کے طفیل پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے۔ فتح قسطنطنیہ' اسلامی فتوحات کی تاریخ کا ایک

لافانی واقعہ ہے۔آپ جانتے ہیں کہ بائیس سالہ سلطان محمد کو کس نے اس کٹھن مہم کو سر کرنے کیلئے برانگیختہ کیا وہ ایک صوفی تھے (حضرت شمس الدین' جو سلطان محمد کے مرشد طریقت تھے۔انہیں کی ترغیب اور بشارت سے سلطان نے یہ بے نظیر کارنامہ انجام دیا۔

جن صوفیاء کی مساعی جمیلہ کے صدقے دنیا میں اسلام پھیلا' قلعے اور شہر فتح ہوئے قوموں اور ملکوں کے مقدر سنور گئے ان کے بارے میں اسی ملت کے افراد اگر یہ کہیں کہ تصوف ایک افیون ہے یہ غور وفکر کی قوتوں کو شل کی دیتی ہے۔قوائے عمل کو اپاہج بنادیتی ہے۔تو اس زیادتی پر کس سے شکوہ کیا جائے؟

آیئے بیگانوں سے پوچھئے کہ وہ صوفیاء کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔پروفیسر خلیق احمد نظامی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

> ''یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی ان کے دینی نظام کو تباہ نہ کرسکا۔ بلکہ بقول پروفیسر ہٹی (Hitti) اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں ہالینڈ کے ایک فاضل لوکے گارد نے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا کہ گو اسلام کا سیاسی زوال ہمیشہ جاری رہا۔(تاریخ مشائخ چشت ص۔9)

پرورفیسر مذکور نے ایک مشہور مستشرق ایچ اے آر گب (Gibb) کی ایک تقریر کا حوالہ بھی دیا ہے جو انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کی مجلس کے سامنے کی تھی۔گب نے کہا:

> ''تاریخ اسلام میں بار ہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شِدت سے مقابلہ کیا گیا۔لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیاء کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا۔اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی۔''

اسلام کے مخالف اور بدخواہ تو اس طوفانی قوت کا اندازہ کر کے لرزہ براندام ہیں جو تصوف کے چشمہ شیریں سے ملت کو حاصل ہوتی ہے ادھر ہم ہیں کہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں اور شکوک وشبہات کے خس وخاشاک سے اس چشمۂ صافی کو گدلا کرنے کے درپے ہیں۔

تحریکِ پاکستان میں صوفیاء کرام نے جو شاندار کردار انجام دیا ہے یہ تو کل کی بات ہے۔اس کا کون انکار کرسکتا ہے۔

عصر حاضر مادیت گزیدہ ہے۔ ہر شخص مادی ثروت' مادی لذتوں اور مسرتوں اور مادی جاہ ومنصب کے حصول کیلئے دیوانہ وار مصروفِ عمل ہے۔اس دور میں اسے اس کی قطعاً کوئی پروا نہیں کہ پاکیزہ اخلاقی قدریں کس طرح پامال ہورہی ہیں۔روحانیت کا رُخِ زیبا کیونکر مسخ ہورہا ہے اور دل کی دنیا طمع وحرص اور حسد وبغض کی آلائشوں سے کس قدر متعفن ہورہی ہے اگر یہ دیوانگی ہمیں کسی اچھے انجام سے دوچار کردیتی تو ہم قطعاً اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرتے لیکن ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہم بڑی سرعت سے زوال وانحطاط کے گڑھے کے قریب ہوتے جارہے ہیں اور یہ ایسا گڑھا ہے جس میں جو قوم گری ہے پھر اسے ابھرنا نصیب نہیں ہوا۔ ملت کے بہی خواہوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جملہ علمی' روحانی اور عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنی ملت کو اس گڑھے میں گرنے سے بچائیں اس کا مؤثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ان پاکیزہ فطرت ہستیوں کی زندگی کا مرقع زیبا پیش کریں جہاں للّٰہیت' خلوص' قناعت' استغناء' عالی حوصلگی' جرأت' سخاوت اور ہر انسان سے بے پناہ ہمدردی کے انوار قلب ونظر کو روشنی بخش رہے ہوں۔اور یہ ساری خوبیاں اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ صوفیاء کرام کے سوانح حیات میں ہی دستیاب ہو سکتی ہیں۔

آخر میں ایک ادنیٰ گزارش پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔کسی ولی کامل کے سجادہ نشین کی ذمہ داریاں بڑی اہم اور متنوع قسم کی ہوتی ہیں۔عقیدت مندوں کی اپنے شیخ کے جانشین سے بڑی توقعات وابستہ ہوتی ہیں۔ وہ اپنے نجی اور اجتماعی' مقامی اور ملکی' دینی اور سیاسی جملہ معاملات میں اس سے رہنمائی کی توقع رکھتے ہیں۔اس لیے صاحب سجادہ کیلئے ضروری ہے کہ علم و فضل میں بھی بلند پایہ رکھتا ہو اور اخلاق وکردار میں بھی مثالی حیثیت کا مالک ہو۔اس لیے ان حضرات سے درخواست ہے کہ اپنی صوری یا معنوی اولاد میں سے جس فرزند کو وہ اپنی جانشینی کے لیے منتخب فرمادیں اس کی تعلیمی اور اخلاقی تربیت کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمادیں۔ وہ قدیم اور جدید علوم کا ماہر ہو۔مشہور عالم یونیورسٹیوں کا وہ فاضل ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا اخلاق اور کردار اتنا بلند ہو کہ کوئی بدخواہ بھی انگشت نمائی نہ کرسکے۔ایسے ہونہار سپوت ہی اس پرفتن دور میں فقر ودرویشی کی شمع کو روشن رکھ سکتے ہیں۔علامہ نے سچ فرمایا ہے۔

ہوا ہے گو تندوتیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

مخالفین اس سلسلہ کو باوجود بڑی کوشش کے نہ نقصان پہنچا سکے اور نہ آئندہ پہنچا سکیں گے۔ہمیں جونقصان پہنچایا ہے جاہل اور کمزور کردار کے مالک متصوفین نے پہنچایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے پیرومرشد حضرت شمس الحق والدین قدس سرہ' وعم فیضہ' کے آستانہ عالیہ کے سارے سجادہ نشین علم وفضل میں زہد وتقویٰ میں' خلوص وایثار میں یکتائے روزگار ہیں۔اور اپنے اپنے عہد میں سفینۂ ملت کی ناخدائی کا حق اس حسن وخوبی سے انجام دیا کہ تاریخ کے صفحات اس کے ذکر جمیل سے جگمگا رہے ہیں۔اللہ کرے تا قیامت یہ سلسلہ اس سے بھی زیادہ آب وتاب کے ساتھ جاری رہے آمین ثم آمین بحق طٰہٰ ویٰس صلی اللہ علیہ وسلم۔

.............O.............

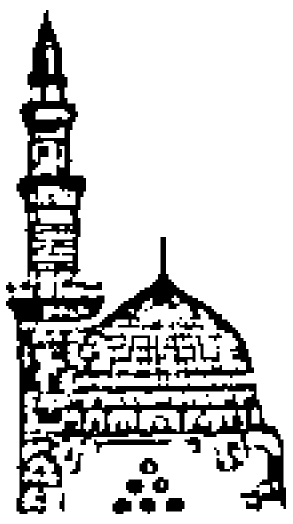
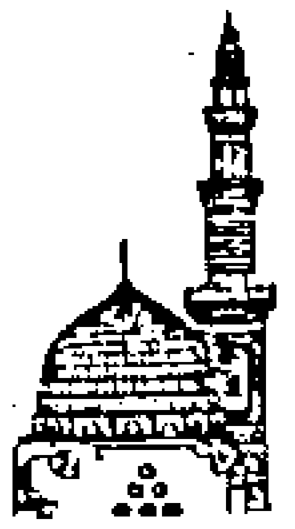
گلدستہ توصیف محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سیرتِ عظیم الشان

ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم

حسین ودلربا ..... گوتم بدھ کے متیا

جسے سینکڑوں غیر مسلم دانشوروں' مشاہیر' شعراء' تاریخ دانوں' مدبرین' ارباب فکرودانش' مستشرقین' سیاستدان' مذہبی شخصیات ماہرینِ علوم وفنون' شہنشاہان وقت اور حکمرانوں' مصلحین' کی فکر انگیز تحریروں، منظوم شہ پاروں اور انبیاءِ ماسبق کی شہادتوں اور آسمانی کتب کی بشارتوں کی روشنی میں مرتب ومدون کیا گیا

ابوناصر نبی احمد لودھی کی بیش قیمت
معرکتہ الآرا
ادبی' تاریخی' تبلیغی' معلوماتی
اور سیرت طیبہ پر بلند پایہ تالیفِ لطیف

جولائی 1995 میں پہلی بار شائع ہوئی

اہلِ علم' طالبعلموں' دینی افراد وجماعتوں کیلئے ایک نادر تحفہ
حوالہ جات کی ایسی کتاب جس کے بغیر کوئی لائبریری مکمل نہ ہوسکے گی

پونے نوسو صفحات پر مشتمل
پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ختم ہوجانے کے بعد اب

قارئین کرام کے شدید اصرار پر
نئے اضافوں کے ساتھ

نظرثانی شدہ جدید ایڈیشن
زیر ترتیب ہے

کمپیوٹر کی شاندار کتابت نہایت خوبصورت رنگین سرورق مضبوط ملکی جلد آفسٹ طباعت ہر صفحہ پر دلکش بارڈر

"آگے بڑھو یا وقت کی رفتار روک دو"

فانوس پبلی کیشنز 960/6-A، عابد مجید روڈ، راولپنڈی کینٹ کی تحریک

عصر حاضر کے عظیم صوفی مجاہد، عالم دین، محقق، مفسر قرآن، محدث، قانون دان منصف

ضیاالامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحؒ کی مختصر سوانح حیات

(تحریر: ابوناصر نبی احمد لودھی)

شیخ الحدیث والتفسیر ضیاالامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحؒ مفکر اسلام اور عصر حاضر میں ایک انقلاب آفریں شخصیت ہی نہیں عظیم مصنف و مبلغ و مصلح بھی تھے۔ آپ نسباً ہاشمی قریشی اور مسلکاً حنفی تھے۔ 21 رمضان المبارک 1336ھ بمطابق یکم جولائی 1918ء کو بھیرہ ضلع سرگودھا میں آپ کی ولادت با سعادت ہوئی۔ آپ کا سلسلۂ نسب سولہ (16) پشتوں سے شیخ الاسلام حضرت اقدس بہاؤ الدین ابو محمد ذکریا الہاشمی الاسدی سہروردی الملتانی قدس اللہ سرّہٗ العزیز سے جا ملتا ہے۔ آپ کے جد امجد امیر السالکین حضرت پیر امیر شاہ صاحب قدس سرہٗ میدانِ فقر میں سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے شمس العارفین حضرت خواجہ شیخ محمد شمس الدین سیال شریف قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ العزیز سے فضیلت بیعت و خلافت رکھتے تھے اور ''شمس سیال'' کی تجلیات سے اپنے دور میں تیرہ و تار ماحول کو نورِ اسلام سے منور فرماتے رہے ناچیز راقم الحروف کے پیر و مرشد محب الفقراء والغرباء حضرت خواجہ حافظ محمد صدیق چشتی آف سالم شریف قدس سرہٗ کے دادا مرشد سید السادات بخاری قطب الاولیاء حضرت پیر غلام حیدر علی شاہ قدس سرہ، جلالپور شریف کے پیر بھائی تھے۔ جب کہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑہ شریف بھی آپ ہی کے پیر بھائی تھے۔ ''قیاس کن زگلستان من بہارِ مرا''۔

حضرت ضیاالامت رحؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی قصبہ بھیرہ میں حاصل کی۔ 1936ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے والد گرامی حضرت پیر غازی محمد شاہ صاحب قدس سرہ کے 1925ء میں قائم کردہ ''دارالعلوم محمدیہ غوثیہ'' میں دینی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے اور ذوقِ اصلاحِ نفس سے آراستہ ہوئے۔ علوم متداولہ کی تکمیل کے بعد نگاہ فقر و بصیرت کے حامل والد گرامی نے آپ کو اجمیر شریف میں قائم دینی مدرسہ کے مہتمم اعلیٰ صدر الافاضل شیخ الحدیث مولانا نعیم الدین مرادآبادی قدس اللہ سرہ، العزیز کے سپرد کر دیا جو اپنے وقت میں عقل و عشق اور علوم شریعت و طریقت کا حسین امتزاج تھے۔ جس کا ثمر یہ ہوا کہ صدر الافاضل کی آغوشِ تربیت نے صدف کا کام کیا۔ چنانچہ جب گوہر شاہوار حضرت ضیاالامت رحؒ کی

تکمیل ہوئی تو استاد الاساتذہ نے خود ہی فرمایا: ''میں آج مطمئن ہوں کہ میرے پاس جو امانت تھی وہ میں نے موزوں فرد تک پہنچا دی ہے''۔ اور کرم بالائے کرم یہ فرمایا کہ دستارِ فضیلت خواجۂ بزرگ ہندالولی حضرت سید معین الدین حسن سنجری اجمیری قدس اللہ سرّہٗ العزیز کی درگارہِ عالیہ قدسیہ کے سجادہ نشین حضور قبلہ عالم نبیرۂ سلطان الہندؒ شیخ الشیوخ دیوان سید آلِ رسول علیخاں اجمیری قدس سرہٗ سے بندھوائی:۔

خودی ہے علم سے محکم تو غیرتِ جبریل　　اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیل

(علامہ اقبالؒ)

حضرت ضیاء الامتؒ نے 1945ء میں پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ والدِ مکرم ومعظم چونکہ اس عقاب کو علم شریعت و معرفت ربانی کی بلندیوں پر محوِ پرواز دیکھنے کے آرزومند تھے۔ اس لیے 1951ء میں آپ کو مزید تحصیل علم کیلئے جامعہ ازہر (مصر) بھیج دیا گیا۔ آپ کے ذوقِ سحر خیزی وشوق تفکر و تدبر اور مطالعہ کا یہ کرشمہ تھا کہ اکثر اوقات نمازِ عشاء کے بعد اسرار و رموز میں محویت ہی کے عالم میں مؤذن کی آواز رات کی تنگ دامانی کا احساس دلاتی۔ شوقِ مطالعہ اور جاں سوزی کے اس جذبہ کے نتیجہ میں جامعہ ازہر میں تخصیص (ایم فل) کا پورے چھ سال کا کورس صرف ساڑھے تین سال میں مکمل کر لیا۔ مزید برآں لطف بالائے لطف یہ کہ آپ نے جامعہ الازہر کیساتھ ساتھ جامعہ قاہرہ کے اساتذہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ طے کر رکھا تھا۔ آپ کا کردار عالمِ اسلام کی ہر دو عظیم قدیم جامعات کے اساتذہ وطلباء کی نظروں میں نہایت درجہ مقبول ومحترم تھا۔ حضرت ضیاء الامتؒ نے اپنی ذہانت وقابلیت سے جامعہ ازہر و جامعہ قاہرہ کے اساتذہ کے دلوں میں خاص مقام پیدا کر لیا تھا۔ چنانچہ ازراہ قدر دانی اساتذہ کرام نے جامعہ سے رخصت کے وقت 1954ء میں آپ کو تعریفی سندات سے نوازا۔ الاستاذ کلیۃ الشریعۃ محمد مصطفیٰ شلبی نے لکھا: ''استاذ محمد کرم شاہ پاکستانی علم اصول فقہ میں میرا شاگرد تھا۔ جونہی میری اس سے شناسائی ہوئی دل کی گہرائیوں سے اس کے ساتھ محبت کرنے لگا۔ قدرت نے اس کی فطرت کو خلقِ کریم اور ادبِ عظیم کی خوبیوں سے آراستہ فرمایا ہے۔ مجھے اس بات پر فخر وناز ہے کہ یہ میرا شاگرد ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے وجود سے اسلام اور ملتِ اسلامیہ کو نفع پہنچائے نہ صرف پاکستان میں بلکہ سارے عالم اسلام میں''۔

الاستاذ الشریعۃ محمد ابوزہرہ نے ایک طویل دستاویز میں لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے

: میرے روحانی دوست میرے زکی اور ذہین شاگرد والاستاذ محمد کرم شاہ! ہماری ملاقات اللہ رحمٰن کے روحانی دسترخوان پر ہوئی۔ میں نے تجھ میں بلند نگاہی، رفعتِ کردار، اعلیٰ مقاصد کی طرف میلان اور بے مقصد امور سے دوری کا احساس پایا۔ میرے بیٹے! بے شک تو نے مجھے یہ شعور دلایا کہ مشرق جس طرح مطلع آفتاب ہے اسی طرح روح کے طلوع کا افق بھی ہے اور مشرق جس طرح حرارت کا سرچشمہ ہے اسی طرح زندگی کے اجالے کا منبع بھی ہے۔ اے میرے فرزند ارجمند! تو نے مجھے اس شعور سے بہرہ ور کیا کہ اسلام ایک اُمت ہے اور اس کی وحدت کو ملکوں کی دوری اور شہروں کا اختلاف منقطع نہیں کر سکتا۔ میں تجھ میں وہ اسلام دیکھتا ہوں جو بکھرے دلوں کی شیرازہ بندی کرنے والا ہے۔ آج میں جب کہ تجھے الوداع کہہ رہا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ گویا میرے نفس کا ایک حصہ مجھ سے جدا ہو رہا ہے اور گویا میری روح کا ایک ٹکڑا الگ ہو رہا ہے پس میں تجھ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ عظمتوں والے اور قدرتوں والے مالک کے حضور عجز وانکساری سے التجا کرتا ہوں کہ تجھے اپنے دین کا مددگار اور شریعت کا معاون بنائے''۔

جامعہ قاہرہ کے الاستاذ الادب العربی وفلسفہ التربیۃ والاجتماع احمد ذکی نے بھی ایک طویل الوداعی تحسین و توصیف نامہ تحریر فرمایا جس کا خلاصہ ہے کہ: ''میرے پیارے دوست، میرے ممتاز شاگرد، الاستاذ الادیب! السید الحسیب النسیب! میرے فرزند دلبند محمد کرم شاہ! گوناگوں علوم کے گلستانوں میں جب میں تدریس کے وقت تیرے ساتھ بحث مباحثہ کیا کرتا تو مجھے یوں معلوم ہوتا کہ تو ایک پیدائشی ادیب کی اعلیٰ وارفع مثال ہے، تو فصاحت و بلاغت کے نکات کا غیر معمولی ذوق رکھتا ہے۔ خداداد صلاحیتوں کا امین، پاکباز نفس کا مالک اور بلند تربیت کا ایک نادر نمونہ ہے اور تمام اخلاق حسنہ پر اسلام کا لہرانے والا پرچم مجھے تجھ پر سایہ فگن نظر آتا۔ میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ تیری نگاہ حقیقت شناس، تیرا فکر صائب اور تیری رائے صحیح ہے۔ اپنے وطن جا کر مصر کو بھی یاد رکھنا جو اللہ کی زمین میں اللہ کا ترکش ہے''۔ (ماخوذ از دیباچہ ''مقالات'' پیر محمد کرم شاہ الازہری محررہ پروفیسر حافظ احمد بخش ایم اے)

علم کے آسمان پر پہنچ کر بھی آپ عجز وانکساری کا دلآویز پیکر جمیل تھے۔ علم اور صاحبان علم کا احترام وہ کسی بڑے سے بڑے حکمران سے بھی بڑھ کر کرتے۔ اپنے جدامجد کے قائم کردہ جامعہ محمدیہ غوثیہ کا انتظام انہوں نے 1957ء میں سنبھالا اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک اور بیرون ملک اس کی انہتر (69) شاخیں قائم کر دیں جبکہ صرف مرکزی جامعہ میں ہزاروں طلباء وطالبات نے

اذہان علم ونور سے منور ہو رہے تھے۔ پیر صاحبؒ کے قائم کردہ تمام مدارس میں طلباء وطالبات کیلئے الگ الگ تعلیم وتربیت کا اہتمام ہے جس میں 42 مدارس طلباء کیلئے اور 27 مدارس طالبات کیلئے ہیں۔

بریڈفورڈ (برطانیہ) میں ''جامعہ الکرم'' 131 ایکٹر پر مشتمل ادارۂ علم وآگہی سے مغربی دنیا کو منور کرنے اور کفر وشرک سے نئی نسلوں کو محفوظ رکھنے اور ان کے دلوں میں اسلام کی قندیل روشن کرنے کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ پاکستان کے نامور دینی سکالر پروفیسر ڈاکٹر محمد میاں صدیقی دینی مدارس اور عصری تعلیم کے اتحاد کی مساعی میں حضرت ضیاء الامتؒ کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: محترم پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے درسِ نظامی میں ایسی تبدیلیاں کیں جن کے سبب ایک طالب علم اپنی تعلیم کے ابتدائی مرحلے سے سیرتِ رسول ﷺ سے آشنا ہوا۔ امام نوویؒ کی مختصر اور انتہائی پسندیدہ کتاب ''الاربعین'' کو نصاب کے سالِ دوم میں شامل کیا۔ اول مرحلے سے قرآن حکیم کی تدریس اور حفظ وتجوید کو نصاب کا حصہ بنایا۔ تفسیر اور حدیث کی تدریس میں تسلسل کو ملحوظ رکھا۔ سال چہارم سے کتب درس نظامی کیساتھ عصری تعلیم (سوکس، اکنامکس، انگریزی وغیرہ) کو شامل کیا۔ پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے تاریخِ قرآن وحدیث پر اہم کتب کو بھی نصاب میں شامل کیا جب کہ قبل ازیں اکثر دینی مدارس میں یہ کتب شامل نہیں تھیں۔ علاوہ ازیں آپ نے تصوف کی چند ایک بنیادی کتب کو بھی نصاب کا حصہ بنادیا۔ کیونکہ اس امر سے انکار کی گنجائش نہیں کہ کردار سازی میں سیرت رسول ﷺ کے بعد سب سے مؤثر محاصل کتب تصوف ہیں۔

حضرت ضیاء الامتؒ کا تصنیفی گوشہ بہت زرخیز ہے۔ پانچ جلدوں میں تفسیر ضیاالقرآن ان کے کارناموں میں سے ایک ہے جس میں قرآن پاک کا ترجمہ وتفسیر ایسے شستہ وشگفتہ وجد آفرین انداز میں کی گئی ہے کہ ہر جملہ اعجاز قرآن، معرفت وعرفان اور عشقِ رسول ﷺ کا کرشمہ و گلدستہ معلوم ہوتا ہے۔ سیرت طیبہ پر آفاقی شہرت کی حامل ضخیم کتاب، ضیا النبی ﷺ بھی سات جلدوں میں منظر عام پر آکر ہر خاص وعام سے دادِ تحسین وآفرین وصول کر چکی ہے۔ '' سنتِ خیر الانامؐ '' آپ کے گوہر بار کلک کا ایک اور شاہکار ہے جس میں منکرین سنت کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب آپ نے جامعہ الازہر میں دورانِ تعلیم قلمبند فرمائی۔ ''مقالات'' کے عنوان سے آپ نے مختلف علمی روحانی اور معاشی موضوعات پر جامع

مضامین تحریر فرمائے جو دو جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں آپ کے متفرق مضامین کی تعداد سینکڑوں ہے۔ بہت سی دیگر تصانیف بھی ہیں جن کا تذکرہ اختصار کے خیال سے کیا جانا یہاں ممکن نہیں ہے، تاہم آپ نے ایک ماہنامہ بھی ''ضیائے حرم'' کے نام سے 1970ء میں شائع کیا جو ملک اور بیرون ملک تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سے سہ ماہی شاہین کا اجراء بھی آپ کی علمی وتحقیقی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ آپ کی تحریروں کا ادبی رنگ مضامین کی تفہیم کو اور بھی سہل بنا دیتا ہے۔ جابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنا آپ کا طرۂ امتیاز رہا جس کے نتیجہ میں بعض اوقات انہیں ''جیل یاترا'' بھی کرنا پڑی۔ تبلیغ اور فروغ تعلیم اسلامی کیلئے آپ نے امریکہ، برطانیہ، ناروے، چین، مصر، سعودی عرب، یونان، فرانس، اٹلی، جرمنی، کینیڈا، سوڈان، افغانستان، ایران، عراق اور بہت سے دوسرے ممالک کے دورے بھی کئے۔ مصر کے صدر حسنی مبارک نے آپ کی دینی خدمات کے اعتراف میں آپ کو ''نوط الاسلام'' ایوارڈ پیش کیا۔ سعودی عرب نے اپنے مالیاتی اداروں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق چلانے کیلئے آپ کے قیمتی مشوروں سے استفادہ کیا۔ جنرل ضیاء الحق نے آپ کو وفاقی شرعی عدالت کا جسٹس مقرر کیا۔ پاکستان کے نامور غیر تمند سابق چیف جسٹس محمد سعید الزمان صدیقی نے حضرت ضیاء الامت کے وصال پر سپریم کورٹ کی طرف سے 27 اپریل 1998 کو فل کورٹ ریفرنس میں آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا! پیر محمد کرم شاہ الازہری فیڈرل شریعت کورٹ کے قیام کے فوراً بعد اس مقتدر ادارہ سے منسلک ہوئے اور بعد میں شریعت اپیلٹ بینچ کے جج کی حیثیت سے سپریم کورٹ منتقل ہو گئے اور اپنی وفات تک ملک کی اس اعلیٰ ترین عدالت انصاف میں بحیثیت جج کام کرتے رہے۔ بے شمار مقدمات میں آپ نے قرآن وسنت کی روشنی میں اپنی ماہرانہ آراء کا اظہار کیا جو آئندہ آنے والوں کیلئے مشعل راہ ہوں گی۔ آپ کے مدبرانہ فیصلوں کا خاص طور پر تعلق قانون شفعہ، لعان، رجم، شناختی کارڈ پر تصویر لگانا، سرکاری ملازمین کے مسائل، قانون میعاد کی اسلامی حیثیت، پرائز بانڈ اور لاٹری کا موازنہ جیسے پیچیدہ مسائل سے ہے۔ یہ فیصلے حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب کی عالمانہ بصیرت اور اسلامی احکامات پر گہری تحقیق کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ انہی وجوہ سے حکومت پاکستان نے آپ کی خدمت میں ستارۂ امتیاز کا اعزاز بھی پیش کیا۔

حضرت ضیاء الامتؒ اہل تصوف کے نزدیک رموز واسرار علم شریعت و معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کے قافلہ سالاروں میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ ناچیز مؤلف کتاب ھذا

کو اپنے اس تعلق پر فخر ہے کہ اس کے پیرو مرشد، درویش العالم والاحضرت عارف ربانی و مصطفائی حضرت حافظ خواجہ محمد صدیق چشتی السالمی کا جب یکم ذیعقد 1398ھ بمطابق 2 اکتوبر 1978ء 114 سال کی عمر میں وصال ہوا تو ان کی نماز جنازہ حضرت ضیاء الامت نے پڑھائی۔ قبلہ حافظ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند اور سجادہ نشین اول سالم شریف صاحبزادہ حضرت خواجہ حافظ محمد اسلمؒ جن کا وصال یکم جولائی 1998ء کو ہوا اور موجودہ سجادہ نشین سالم شریف صاحبزادہ حافظ سرفراز احمد (فاضل درسِ نظامی، ایم اے پولیٹیکل سائنس) دامت برکاتہم بھی جامعہ بھیرہ میں حضرت ضیاء الامت کے شاگرد رہے۔ حضرت پیر صاحبؒ ولی کامل، عارفِ ربانی اور عظیم المرتبت پیر طریقت تھے۔ اسیر گیسوئے مصطفیٰ کریم ﷺ اور غلامی محبتِ رسول ﷺ کے داعی تھے۔

بین الاسلامی و عالمی شہرت کا حامل روحانیات اور علم و حکمت کا یہ نیر تاباں، اطاعتِ الٰہی و عرفان حق کا یہ مہتاب، عشق مصطفیٰ کا یہ آفتاب ہزاروں نور بداماں قندیلیں جلا کر 17 اپریل 1998ء کو وصال کی ابدی لذت سے ہمکنار ہونے کیلئے اسلام آباد میں اگلے روز غروب ہو گیا۔ 18 اپریل کو آپ کا جسد خاکی اپنے آبائی قصبے بھیرہ میں سپرد خاک کر دیا گیا آپ کے عظیم المرتبت صاحبزادے جناب محمد امین الحسنات شاہ مدظلہ العالی نے اپنے شہرۂ آفاق حقیقی مردحق آگاہ والد گرامی کے وصال پر ایک بیان میں فرمایا: ایک اللہ والا بُکل مار کے آیا اور کسی نمود و نمائش کے بغیر اسی طرح بُکل مارے دنیا سے چلا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

........O........

باب-1

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ

اور

خلیفۃ اللہ فی العالم

محمد رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

○ شکر ہے: اُس ذات سبحانہٗ وتعالیٰ کا جس نے پیدا کیا ہمیں اور اُن لوگوں کو جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ ہم اُسی پروردگار رب کریم کی عبادت کریں تاکہ کفار کیلئے تیار کئے گئے دوزخ سے ہم بچ سکیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ۔۔۔وہ پاک ذات ہے جس نے بنایا ہمارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی' پھر پردۂ عدم سے نکالا بذریعہ پانی کے پھلوں کی غذا کو' ہم لوگوں کے واسطے' اس لئے یہ سب کچھ جانتے بوجھتے روا نہیں کہ ہم اللہ کے مقابل کسی ذات کو حکم وفرمانروائی کا اہل تصور کریں۔ (مفہوم آیت: البقرہ:۲۱)۔

○ سب تعریفیں: اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو اور نور کو۔ اس لئے اسے نادانی کے سوا کیا کہا جاسکے گا کہ کوئی مخلوق محتاج چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھے۔۔۔۔ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا ہمیں مٹی سے پھر مقرر کی ایک میعاد تاکہ ہم اس مقررہ مدت کے اندر' اپنی صلاحیت کے مطابق' اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی آزمائش پر پورے اتر سکیں۔ (مفہوم آیت: الانعام:۲)۔

○ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ: کی وہ ذاتِ اقدس ہے کہ جس نے انسانوں کو اُن کی ماؤں کے پیٹ سے نکالا اس حالت میں کہ وہ اپنی ماؤں کو بھی پہچاننے کی صلاحیت سے عاری تھے حالانکہ ایک عرصہ وہ ماؤں کے پیٹ میں گزار آئے تھے۔ پھر اللہ بزرگ وبرتر نے انسانوں کو حواس ظاہری

سے سرفراز فرمایا' ان کو کان' آنکھیں اور دل عطا ہوئے جن کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ وہ ان نعمتوں پر اپنے اللہ کا شکر ادا کریں اور اُسی طرح اپنے خالق و مالک کے تابع فرمان بنے رہیں جس طرح کائنات کی ہر شے مطیع فرمان ہے کیا انسان نہیں دیکھتے کہ پرندے کس طرح اللہ کے بنائے ہوئے اصولوں اور قاعدوں کے مطابق فضاؤں میں محو پرواز ہیں حالانکہ فضائے آسمانی میں کوئی چیز انہیں تھامے ہوئے نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ (مفہوم آیات: النحل: ۷۸۔۷۹)۔

o **اللہ بزرگ و برتر:** ہی پروردگار عالم ہے کہ جس نے ہمارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور ہمارے فائدے کیلئے اس میں راستے بنا دیئے اور اتارا آسمان سے پانی' پھر اس پانی کے ذریعے سے زمین کے شکم سے نباتات کے جوڑے قسم قسم کے نکالے تاکہ ہم بھی انہیں کھائیں اور ہمارے مویشیوں کو بھی خوراک میسر آئے۔ کیا اللہ کی قدرت و حکمت کی یہ نشانیاں دانشوروں کیلئے کافی نہیں کہ وہ سمجھیں کہ صرف اللہ ہی کے بنائے ہوئے قوانین نسل انسانی کی خیر و فلاح کے ضامن ہو سکتے ہیں اور اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی دائمی خسران کا موجب اور شیطانِ لعین کے جال میں پھنسانے کی موجب ہے؟ (مفہوم آیات: طٰہٰ: ۵۳۔۵۴)۔

o **قادرِ مطلق اللہ:** ہی وہ ہستی ہے جس نے انسانوں کو پیدا کیا مٹی سے پھر نطفہ سے' پھر خون کے لوتھڑے سے' پھر گوشت کے ٹکڑے سے' پھر بعض کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور بعض نامکمل رہ جاتے ہیں تاکہ اللہ کی قدرت کا کمال ظاہر ہو' بہر حال اللہ ہی ماؤں کے اندھیرے پیٹوں میں انسانوں کو زندگی بخشتا ہے اور پھر بچہ بنا کر نکالتا ہے پھر ایک مقررہ مدت تک زمین پر آزمائش مکمل کر کے اُسے قیامت کے دن حساب کتاب کیلئے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ تو کیا انسان کو زیبا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب میں پڑ جائے؟ (مفہوم آیت: الحج: ۵۔ المؤمنون: ۱۲ تا ۱۴)

o **"اے لوگو یاد رکھو:** اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو اُس نے تم پر فرمائی (بھلا یہ تو بتاؤ) کیا اللہ کے بغیر کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے' آسمان اور زمین سے۔۔۔ جب خالق وہی ہے اور رازق بھی وہی تو پھر انصاف یہ ہے کہ عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔" (مفہوم آیت: فاطر: ۳)

o **"اے لوگو یاد رکھو:** یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے' بس دھوکہ میں نہ ڈال دے تمہیں یہ دنیاوی زندگی اور نہ فریب میں مبتلا کر دے تمہیں اللہ کے بارے میں وہ فریبی۔ یقیناً وہ شیطان تمہارا دشمن ہے' تم بھی اسے دشمن سمجھا کرو۔ وہ صرف اس لئے سرکشی کی دعوت دیتا ہے کہ اس کے گروہ جہنمی بن جائیں۔" (مفہوم آیات: :6-5)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری تفسیر ضیاء القرآن کی چوتھی جلد میں صفحہ 142 تا 143 پر سورۃ فاطر کی آیات مذکورہ بالا کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

یہ ''وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ زندگی کی ان ناپائیدار لذتوں میں اس حد تک نہ کھو جانا کہ تمہیں قیامت کا دن یاد ہی نہ رہے۔ نیز ہوشیار رہنا کہیں وہ فریبی اور دھوکہ باز تمہیں کوئی چکر دے کر راہ حق سے بہکا نہ دے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ نے پہلے جملے کا یہ مفہوم بیان کیا ہے: دنیوی زندگی کا دھوکہ یہ ہے کہ انسان اس کی نعمتوں اور لذتوں میں یوں مشغول ہو جائے کہ آخرت کے لئے کوئی عمل کرنے کی اس کے پاس فرصت ہی نہ رہے۔ اور دوسرے جملہ کا معنی سمجھنے کیلئے غرور کا مفہوم ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ اصمعی جو فقہ لغت اور ادب کے امام ہیں کہتے ہیں۔ غرور اسے کہتے ہیں جو تجھے دھوکہ اور فریب میں مبتلا کر دے' فریبی' مکّار' دھوکہ باز اور غرور اُن چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کی محبت اور چاہت کے باعث انسان دھوکہ کھا جاتا ہے اور فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اے لوگو' تمہیں کوئی فریبی' کوئی دھوکہ باز دھوکہ میں مبتلا نہ کر دے۔

کیونکہ سب سے بڑا دھوکہ باز شیطان ہے اس لیے بعض علماء نے لکھا ہے کہ آیت میں غرور سے مراد شیطان ہے۔ بے شک شیطان دھوکہ بازی کے فن میں بے نظیر ہے' وہ ہر شخص کو ایک قسم کے دام فریب میں پھانسنے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ ہر شخص کی نفسیات کو جانتا ہے' وہ ہر انسان کے کمزور پہلوؤں سے خوب واقف ہے اور ہر انسان پر اس کا حملہ اس کے کمزور پہلو سے ہوا کرتا ہے۔ عقل کے پجاریوں کو وہ ایسا چکر دیتا ہے کہ وہ کبھی تو سرے سے خدا کا انکار کر دیتے ہیں' کبھی اس کا شریک ٹھہرانے لگتے ہیں اور کبھی اس کائنات کے کارخانہ سے اس کو لاتعلق قرار دیتے ہیں اور کبھی نزولِ وحی اور وقوع قیامت کو عقل کے منافی ثابت کرتے ہیں اور جو لوگ علم و عقل سے اتنی دلچسپی نہیں رکھتے انہیں کبھی دولت کا لالچ دے کر کبھی اقتدار کے سہانے خواب دکھا کر' کبھی شہرت دوام کے چکر میں اسیر کر کے ان سے ایسی ایسی خسیس' سفاکانہ اور مروت سے گری ہوئی حرکتیں کراتا ہے کہ اسے دیکھنے والے بھنا کر رہ جاتے ہیں اور جو خدا پر اور قیامت پر ایمان محکم رکھتے ہیں' ان کی شمع ایمان اگر بجھا نہیں سکتا تو ان کے کانوں میں چپکے سے یہ فسوں پھونک دیتا ہے کہ تیرا رب غفور و رحیم ہے بے شک نماز نہ پڑھو۔ بے شک دادِ عیش دیتے رہو۔ اس کی مغفرت کے سامنے تیرے گناہوں کی کیا حقیقت ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس جملہ کی بہترین تشریح حضرت سعید

بن جبیرؒ نے فرمائی ہے:

''اللہ تعالیٰ کے ساتھ غرور کا مطلب یہ ہے کہ انسان دھڑا دھڑ گناہ کرتا رہے اور تمنا یہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے گا۔''

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

شیطان تمہاری خیر خواہی کے ہزار دعوے کرے، وہ تم سے دوستی کے عہد و پیمان کرتے ہوئے کتنی سخت قسمیں کھائے سُن لو! وہ جھوٹا ہے وہ تمہارا ازلی دشمن ہے۔ تمہاری وجہ سے جو چوٹ اس کو لگی ہے، اس کی ٹیسیں کم نہیں ہوئیں، تم اس کی میٹھی میٹھی باتوں میں آ جاتے ہو۔ وہ تو ہر لمحہ ایسے موقع کی تلاش میں ہے کہ فرصت ملے تو تمہیں ایسی لڑھکنی دے کہ تم اپنے بلند مقام سے منہ کے بل خاک مذلت پر پٹاخ سے آ گرو اور وہ زور سے قہقہہ لگائے اور تمہارا مذاق اڑائے، نادان نہ بنو، ایسے خطرناک دشمن سے ہمیشہ چوکنے رہو۔ جب وہ تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اس کو اپنا دشمن سمجھو، تب ہی تم اس کے فریب سے بچ سکتے ہو۔

''(اے حبیبؐ!) فرمایئے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی میرے رب کے کلمات (لکھنے) کیلئے تو ختم ہو جائے گا سمندر اس سے پیشتر کہ ختم ہو میرے رب کے کلمات اور اگر اتنی روشنائی اور لے آئیں۔ (109: الکہف: 18)

حافظ شیراز فرماتے ہیں:

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ... ما ہمچناں دراول وصف تو ماندہ ایم

اللہ کے خلیفۂ اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حکم باری تعالیٰ:

ہے کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرمؐ پر، ایمان والو! تم بھی آپؐ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کرو۔'' (33۔ احزاب: 56)۔

فرمایا نبیٔ مکرمؐ نے:

- جبرائیلؑ میرے پاس آئے اور انہوں نے آ کر یہ بتایا کہ جو اُمتی آپؐ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھے گا اللہ اُس کے دس درجے بلند کر دے گا (حضرت عمر بن الخطابؓ کی روایت۔ بحوالہ الترمذی)
- (فرمایا) ''میرے پاس فرشتہ آیا ہے اور اُس نے آ کر کہا، اے سراپا حُسن و خوبیؐ! کیا

آپؐ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپؐ کے رَبّ نے فرمایا ہے کہ آپ کا جو امتی آپؐ پر ایک بار سلام پڑھے گا' اللہ تعالیٰ اس پر دس بار سلام بھیجے گا۔ میں نے جواب دیا کہ میں اپنے مولا کریم کی اس نوازش پر ازحد خوش ہوں۔(حضرت عبداللہ بن ابی طلحہؓ کی روایت بحوالہ النسائی' الدارمی)

- (فرمایا کہ) ''جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اُس پر لازم ہے کہ وہ مجھ پر درود پڑھے اور جو ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اُس پر دس مرتبہ درود پڑھے گا اور دس خطائیں ساقط (معاف) کر دے گا اور دس درجے بلند کر دے گا'' (حضرت انسؓ کی روایت نمبر 2 بحوالہ بخاری' احمد' النسائی' حاکم)۔
- ابی بن کعبؓ (رواہ الترمذی) نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں حضورؐ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں' ارشاد فرمایئے میں کس قدر پڑھا کروں؟ فرمایا: جتنا دل چاہے۔ میں نے عرض کیا کیا وقت کا چوتھائی حصہ' فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھے تو تیرے لئے بہتر ہے۔ عرض کیا نصف وقت فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے اور اگر زیادہ کرے تو افضل ہے۔ میں نے عرض کیا۔ میں اپنا سارا وقت حضورؐ پر درود شریف پڑھتا رہوں۔ فرمایا: تب یہ درود تیرے رنج والم کو دور کرنے کیلئے کافی ہے اور تیرے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے''

(ظاہر ہے کہ ایسا شخص گناہ و معصیت سے یقیناً دور رہے گا)

- (فرمایا) ''جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ اس کے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں' قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لئے وبال ہوگی چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔(حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت)۔
- (فرمایا) جب لوگ بیٹھتے ہیں اور پھر کھڑے ہوتے ہیں اور حضورؐ پر درود نہیں پڑھتے تو قیامت کے دن وہ مجلس ان کیلئے باعثِ حسرت ہوگی اگر وہ جنت میں داخل بھی ہو جائیں تو ثواب سے محرومی کے باعث وہ ندامت میں مبتلا رہیں گے''۔(حضرت ابو سعیدؓ کی روایت)
- (فرمایا) ''جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ اس پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے۔(حضرت عبداللہؓ بن عمرو کی روایت بحوالہ احمد)۔
- حضرت عمر فاروقؓ مروی ہیں کہ ''دعا میں جب تک درود نہ پڑھا جائے وہ قبول نہیں ہوتی اور زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔''

سورہ الاحزاب کی آیت نمبر 56' جو احادیث سے قبل دی گئی ہے' کی تفسیر میں حضرت

علامۃ العصر جسٹس پیر کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں:

''اگرچہ صلوٰۃ بھیجنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے لیکن ہم نہ شانِ رسالت ؐ کو کما حقہٗ جانتے ہیں اور نہ اس کا حق ادا کر سکتے ہیں اس لئے اعترافِ عجز کرتے ہوئے ہم عرض کرتے ہیں: مولا کریم! تو ہی اپنے محبوبؐ کی شان کو اور قدر و منزلت کو صحیح طور پر جانتا ہے اس لئے تو ہماری طرف سے اپنے محبوبؐ پر درود بھیج جو اس کی شان کے شایاں ہو''۔

غالب ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گزاشتیم ۔۔۔ کآں مرتبہ دانِ محمدؐ است

رسول مکرمؐ ہادی اعظمؐ مرشد اکملؐ ختم المرسلینؐ امام الانبیاء رحمتِ عالمیان ﷺ کی ذاتِ بابرکات و ختمی المرتبت کے بارے میں قرآن حکیم کی معرفت ہمیں جو معلومات حاصل ہوتی ہیں اُن میں سے مشتے نمونہ از خروارے چند ایک یہ ہیں:

باعث تخلیق کائنات:

- ''نہیں کوئی شریک اس کا اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں (وانا اول المسلمین)'' (الانعام :163) (جامع ترمذی میں اس آیت اللہ کی تشریح میں حضور پاکؐ نے فرمایا: ''میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم ابھی روح و جسد کی درمیانی منزلیں طے کر تھے'' (روایت ابوہریرہؓ جامع ترمذی) کے موافق آپؐ اول الانبیاء ہیں تو اول المسلمینؐ ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

- حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا ارشاد ہے فرمایا: میری تخلیق تمام انبیاء سے پہلے ہوئی اور بعثت سب کے بعد (قرطبی)۔ حضرت عرباضؓ بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میں اُس وقت سے خاتم النبیین لکھا ہوا ہوں جب آدمؑ اپنی گندھی ہوئی مٹی میں پڑے تھے۔ (یعنی آدم کا پتلا بھی تیار نہیں ہوا تھا) اور میں تمہیں بتاؤں میرا پہلا اظہار (یعنی نبوت کا پہلا اظہار) حضرت ابراہیمؑ کی دعا تھی (جو قرآن میں مذکورہ ہے) اور پھر میری ماں کا خواب جو انہوں نے مجھے جننے کے وقت دیکھا تھا اور میری ماں کے سامنے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محل اُنہیں نظر آئے۔

- حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ رسول ﷺ تشریف لے آئے اور آپؐ نے انہیں یہ باتیں کرتے سنا۔ ایک شخص نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا۔ دوسرے نے کہا۔ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے

باتیں کیں تیسرے نے کہا حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کی روح تھے چوتھے نے کہا۔ آدمؑ کو خداوند تعالیٰ نے برگزیدہ فرمایا۔ رسول ﷺ نے سب کی باتیں سن کر فرمایا۔ میں نے تمہاری باتوں کو سنا اور تمہارے تعجب کو محسوس کیا کہ ابراہیم خلیل اللہ خدا تعالیٰ کے دوست ہیں۔ اور حقیقت میں وہ خدا تعالیٰ کے دوست ہی ہیں اور موسیٰ خدا تعالیٰ کے ہمراز و ہم کلام ہیں اور حقیقت میں وہ ایسے ہی ہیں اور عیسیٰ خدا تعالیٰ کی روح اور کلمہ ہیں اور حقیقت میں وہ ایسے ہی ہیں اور آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے انتخاب کیا ہے اور حقیقت میں وہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں۔ لیکن تم آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا تعالیٰ کا حبیب ہوں اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا اور قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں، جس کے نیچے آدم اور تمام دوسرے پیغمبر ہوں گے۔ اور اس پر مجھے فخر نہیں ہے اور قیامت کے دن سب سے پہلا شفاعت کرنے والا میں ہوں گا۔ اور سب سے پہلا شخص ہوں گا جو بہشت کے دروازے کو حرکت دوں گا۔ اور خداوند تعالیٰ جنت کا دروازہ میرے لیے کھول دے گا۔ اور اس پر مجھے فخر نہیں ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کے نزدیک میں اگلے اور پہلے تمام لوگوں میں بہتر و برتر ہوں گا۔ اور اس پر فخر نہیں۔ (ترمذی۔ دارمی)

- حضرت عمر بن قیسؓ کہتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا ہے ظہور کے اعتبار سے ہم آخر میں ہیں (یعنی پچھلے ہیں) لیکن قیادت میں ہم سابق و اول ہیں۔ اور میں تم سے ایک بات کہتا ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ابراہیمؑ خداوند تعالیٰ کے دوست ہیں۔ موسیٰ برگزید ہیں۔ اور میں خدا تعالیٰ کا حبیبؐ ہوں۔ اور قیامت کے دن میرے ساتھ حمد کا علم ہو گا۔ اور خداوند تعالیٰ نے مجھ سے میری امت کے لئے خیر کثیر کا وعدہ کیا ہے۔۔ اور میری امت کو خدا تعالیٰ نے تین چیزوں سے بچایا ہے! ایک تو یہ کہ وہ اس کو عام قحط میں ہلاک نہ کرے گا۔ دوسرے یہ کہ دشمن ان کا استیصال نہ کر سکے گا۔ یعنی دشمنان اسلام سارے مسلمانوں کو ہلاک نہ کر سکیں گے۔ تیسری یہ کہ ساری اسلامی دنیا گمراہ نہ ہو سکے گی۔ (دارمی)۔

- حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے میں رسولوں کا قائد و سردار ہوں گا (یعنی تمام رسولؐ قیامت میں جنت کے اندر داخل ہونے میں) میرے پیچھے پیچھے ہوں گے) اور اس پر مجھے فخر نہیں ہے۔ اور میں نبوت کا ختم کرنے والا ہوں (یعنی نبوت مجھ پر ختم ہو گئی ہے) اور اس پر مجھے فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلا شخص ہوں جو شفاعت کروں گا۔ اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائیگی اور مجھے اس پر فخر نہیں (ترمذی)

o حضرت انسؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ قیامت کے دن جب لوگوں کو قبر سے اٹھایا جائے گا۔ تو سب سے پہلے قبر کے اندر سے میں نکلوں گا اور جب لوگ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونے کیلئے روانہ ہوں گے۔ اُن کا قائد میں ہوں گا۔ اور جب لوگ خاموش ہوں گے میں کلام کروں گا (یعنی اُن کی شفاعت کروں گا) اور جب لوگ ناامید ہو جائیں گے، میں انہیں خوش خبری دوں گا۔ بزرگی کی کنجیاں اس وقت میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور حمد کا جھنڈا اس روز میرے قبضے میں ہوگا۔ اور آدمؑ کے بیٹوں میں خدا تعالیٰ کے نزدیک میں ہی بڑا بزرگ ہوں گا۔ میرے گرد اُس روز ہزار خادم پھرتے ہونگے گویا وہ خادم چھپے ہوئے انڈے ہیں (یعنی نہایت محفوظ اور صاف ستھرے موتی' (غلاموں اور خادموں کو سفید انڈوں اور بکھرے ہوئے موتیوں سے تشبیہ دی ہے یہ تشبیہ نفاست و صفائی کے اعتبار سے ہے (ترمذی۔ دارمی)

o حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا ہے میرے لیے خدا تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول ﷺ وسیلہ کیا؟ فرمایا' جنت میں بڑا درجہ ہے (یعنی مقام محمود) جو صرف ایک آدمی کو ملے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ آدمی میں ہوں (دارمی)

o حضرت اُبی بن کعبؓ کہتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا ہے قیامت کے دن میں نبیوں کا امام و خطیب ہوں گا۔ اور اُن کی سفارش کروں گا اور اس پر مجھے فخر نہیں ہے (ترمذی)

نیز دیکھیئے ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری جلد دوم حاشیہ 163:6 - 12:39 نیز ملاحظہ ہو تفہیم القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودی جلد اول صفحہ: 606)

o ''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں'' (اول المسلمین) (12:39)

(اوّل المسلمین ہونے کا جہاں یہ مفہوم ہے کہ جملہ تخلیقات میں حضورؐ کا نور مبارک تخلیق اولین ہے اسی طرح سے جملہ مخلوق جو اللہ کی مطیع فرمان ہے' حضورؐ اُن میں با اختیار ہونے کے ناطے از خود اللہ کے مطیع فرمان ہیں اسی طرح کائنات ارضی میں خلیفۂ اعظمؐ کی حیثیت سے بھی وہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ دوسرے کیا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ اعلان کردیں کہ انا اول المسلمین' اور کفار کو صاف صاف فرمادیں کہ اطاعت الٰہی میری فطرت ہے اور اسی کا مجھے اللہ کی جناب سے حکم ملا ہے۔۔۔ میں تو اپنی روش کسی قیمت پر چھوڑ نہیں سکتا اب جس میں ہمت ہو وہ میرا اسوۂ حسنہ اختیار کرے کہ یہی اللہ کا پسندیدہ راستہ ہے۔ (نیز دیکھیئے تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی جلد دوم 163:6 صفحہ

:587' جلد پنجم 12:39 صفحہ :571)

o حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: شبِ معراج مجھے دو برتن دیئے گئے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب اور مجھ سے کہا گیا کہ ان میں جو پسند ہو لے لو۔ میں نے دودھ کو لے لیا اور پی لیا' پھر مجھ سے کہا گیا کہ ان میں جو پسند ہو لے لو' میں نے دودھ کو لے لیا اور پی لیا۔ پھر مجھ سے کہا گیا تجھے فطرت کی راہ دکھائی گئی (یعنی خدا نے آپ کو دین اسلام کی ہدایت کی۔۔۔ اور اول المسلمین ہونے کا تقاضہ بھی یہی تھی) اگر تو شراب کو لے لیتا تو تیری امت گمراہ ہو جاتی۔ (بخاری و مسلم بحوالہ المشکوٰۃ)

حضورؐ خلیفۂ اعظم ہیں:

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا! اور یاد کرو (جب فرمایا تمہارے رب نے فرشتوں سے' میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب'' (30:2)۔

قرآن کے اس حصہ کی تفسیر میں علامۂ دوراں جسٹس پیر کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں: اس مقام پر رب مضاف ہے ''ک'' ضمیر کی طرف جس کا مرجع ذاتِ پاک مصطفیٰ علیہ السلام ہے۔ اس اضافت میں جو لطف ہے اس کا صحیح ادراک صرف اہل محبت و عرفان کا خاصہ ہے۔ علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں۔۔۔ حضورؐ کی ذاتِ مقدس ہی حقیقت میں خلیفۂ اعظمؐ ہے اور اگر یہ ذات گرامی نہ ہوتی تو آدم ہی پیدا نہ ہوتے بلکہ کچھ بھی نہ ہوتا۔ (ضیاء القرآن جلد اول صفحہ 45)۔

تمام انبیاء کا حضورؐ پر ایمان:

فرمایا اللہ بزرگ و برتر نے: ''اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ سے پختہ وعدہ کہ قسم ہے تمہیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسولؐ جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور بالضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور بالضرور مدد کرنا اس کی' اس کے بعد فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے گواہوں میں سے ہوں' پھر جو کوئی پھریں اس (پختہ عہد) کے بعد تو وہی فاسقوں (نافرمانوں) میں سے ہیں (3:81-82) (نیز دیکھیئے یہی مضمون عہد انبیاء-7:33)

حضورؐ کا مقام محمود:

o حضرت سیدنا علیؓ اور ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ پختہ وعدہ

لیا کہ اگر اس کی موجودگی میں سرورِ عالمیان محمد رسول ﷺ تشریف فرما ہوں تو اُس پر لازم ہے کہ وہ حضورؐ کے دین کی تائید و نصرت کرے اور تمام انبیاء نے یہی عہد اپنی اپنی امتوں سے لیا۔ محققین کے سردار علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں: اسی لئے عارفین نے فرمایا ہے کہ نبی مطلق، رسول حقیقی، مستقل شریعت کے لانے والے حضور نبی کریمؐ ہیں اور جملہ دیگر انبیاءؑ حضورؐ کے تابع ہیں (ضیاء القرآن جلد اول صفحہ۔ 248) جیسا کہ اوپر متعدد احادیث میں بیان ہوا ہے، حضورؐ کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کا اندازہ قیامت کے روز ہو گا جب ساری مخلوق خوف خدا سے لرزہ براندام ہو گی اور حمد وثنائے باری تعالیٰ کا پرچم لئے حضورؐ مقامِ محمود پر فائز ہوں گے۔

حضورؐ دعائے خلیلؑ اللہ ہیں:

فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ بقرۃ میں: اور یاد کرو جب عرض کی (جد انبیاء) ابراہیمؑ اور اُن کے فرزندار جمند حضرت اسمٰعیلؑ نے 'اے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے (تعمیر خانہ کعبہ کا عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے (آیت 127) اے ہمارے رب بنادے ہم کو فرماں بردار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتادے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے (آیت 128) اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسولؐ انہی میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کردے انہیں (تزکیہ نفوس دے) بے شک تو بہت زبردست اور حکمت والا ہے (آیت 129)

علامۂ دوراں جسٹس پیر کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن جلد اول میں (صفحہ 94-95 پر) فرماتے ہیں:

اپنے رب کریم سے مانگ رہے ہیں اور وہ دیئے چلا جارہا ہے۔ دامن طلب پھیلا ہوا ہے اور دست کرم مصروف جود و عطا ہے۔ اپنے لیے اور اپنی اولاد کیلئے اتنا ہی مانگا کہ لذت نیاز اور ملے۔ لطف عبادت میں اور اضافہ ہو۔ مسلمین لک اور امۃ مسلمۃ لک کہہ کر گویا سب کچھ ہی تو مانگ لیا۔

اپنے لیے اور اپنی اولاد کیلئے دعا مانگنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ایک ایسے جلیل القدر رسولؐ کی بعثت کیلئے التجا کی جارہی ہے جس کا دامنِ رحمت اتنا کشادہ اور خوانِ کرم اتنا وسیع ہو کہ

ہر خاص و عام اُس سے فائدہ اٹھا سکے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس دعا کا مصداق کون ہے۔ قرآن کے الفاظ پر غور کرنے سے حقیقت کھل جاتی ہے۔ وابعث فیھم اور رسولا منھم پر غور فرمایئے۔ ھم کی ضمیر کا مرجع یا امۃ مسلمۃ ہے یا ذریتنا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور لفظ نہیں جو کسی تاویل سے بھی ھم کا مرجع بنایا جا سکتا ہو۔ ان دونوں لفظوں میں سے کسی ایک کو آپ مرجع بنایئے تو پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ امتِ مسلمہ میں جو ہماری (ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کیونکہ یہی دونوں دعا کرنے والے ہیں تیسرا اور کوئی نہیں) اولاد میں سے ہو۔ رسول مبعوث فرما۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہوگا کہ ہماری اولاد میں سے ایک رسول مبعوث فرما۔ دونوں صورتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس دعا کا وہی مصداق ہے جو ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کی نسل سے ہو۔ اور جو حضرت ابرہیمؑ کی نسل سے تو ہیں لیکن اسمٰعیلؑ کی نسل سے نہیں (مثلاً اولاد اسحاق علیہ السلام) وہ اس دعا کا مصداق نہیں بن سکتے۔ اور لطف ایزدی ملاحظہ ہو کہ ان دو حضرات کی نسل سے حضور کریم محمد رسول ﷺ کے علاوہ کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا۔ بلکہ کسی کو جھوٹا دعوی نبوت کرنے کی توفیق بھی نہیں ہوئی۔ تا کہ یہ حقیقت ہر شک وشبہ سے بالاتر رہے کہ وہ ذاتِ مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والثنا تھی جس کیلئے خلیلؑ و ذبیحؑ دعائیں کرتے رہے۔ رسولاً مفرد اور نکرہ معنوں میں استعمال ہوا۔ جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہوگا بے مثال صاحبِ شانِ عظیم۔ الحمد للہ الذی جعلنا من امۃ حضور ﷺ نے خود بھی فرمایا کہ انا دعوۃ ابی ابراہیم یعنی میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔

اس رسولؐ کے تین فرائض گنوائے جا رہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائے۔ دوسرا یہ کہ کتاب وحکمت سکھائے۔ تیسرا یہ کہ اپنے تصرف روحانی سے دلوں کے آئینوں کو جلا دے اور روشن کرے تا کہ حقائق ومعارف ان میں جلوہ نما ہو سکیں۔

حکمت سے کیا مراد ہے؟ اس کے سمجھنے سے ایک بہت بڑے فتنے کا اصولی رد ہو جائے گا۔ حکمت کہتے ہیں وضع الاشیاءَ علیٰ مواضعھا۔ ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔ یہاں الحکمۃ کا لفظ جو مذکور ہے اس سے مراد احکامِ قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خدا کا منشاء ہے۔ اور نبی کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھا دے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھائے تا کہ قرآن پر اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق عمل ہو سکے۔ اور اسی حکمت یعنی بیانِ قرآن کو سنت نبویؐ کہا جاتا ہے۔ دوسری متعدد آیات میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ حکمت قرآن یعنی اس کا بیان نبی کا ذاتی اجتہاد نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی

طرف سے نازل کی جاتی ہے مثلاً ارشاد ہے وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اے نبیؐ) کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جیسے قرآن کی اطاعت فرض ہے اُسی طرح صاحب قران کی سنت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو گیا جو سنت کو نبی کریم ﷺ کی ذاتی رائے خیال کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنا ضروری یقین نہیں کرتے۔

حضورؐ کا بشر ہونا:

فرمایا اللہ بزرگ و برتر نے: (اے پیکر رعنائی و زیبائی) آپ فرمایئے کہ میں بشر ہوں تمہاری طرح۔ (فرق یہ ہے کہ وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہٗ ہے پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اُسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو **(18-110)**

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو تواضع کے ساتھ تعلیم دی تا کہ آپ مغرور نہ ہو جائیں اور حکم دیا کہ اپنے آدمی ہونے کا اقرار کریں لیکن اقرار بشریت کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیں کہ میرے اندر صاحب وحی ہونے کی خصوصیت بھی ہے۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری کی جلد ہفتم کے صفحہ **284** پر حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ اس حکم سے ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ بند ہو گیا جس میں نصاریٰ مبتلا ہو گئے تھے یعنی حضرت عیسیٰؑ کے معجزات دیکھ کر اُن کی امت نے انہیں خدا کا بیٹا اور بعض نے جزءِ الوہیت قرار دیدیا۔ حضورؐ کو معجزات حضرت عیسیٰؑ سے بھی زیادہ دیئے گئے اس لئے لوگوں کا فتنہ میں پڑ جانا غالب تھا اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ اپنی عبودیت اور اللہ کی توحید کا اعلان کر دیں۔

حضورؐ کی بعثت احسان عظیم ہے:

فرمایا: ''یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اُس نے بھیجا ان میں ایک رسولؐ انہیں میں سے' پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھاتا ہے انہیں قرآن اور حکمت اگر چہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (گویا کہ یہ حضرت خلیلؑ اللہ کی دعا کی قبولیت اور اس کے عملی شکل اختیار کرنے کی تصدیق ہے)' **(164:3)** یہاں یہ امر خصوصیت سے توجہ کے قابل ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی دعا میں نبی مکرم' خلیفۂ اعظم' حضرت محمد رسول اللہؐ کے فرائض منصبی میں تزکیۂ نفوس کو چوتھے درجہ پر رکھا گیا تھا جب کہ قبولیت

دعائے خلیلؑ میں اللہ بزرگ و برتر نے اپنی حکمت کاملہ سے تلاوت کتاب کے بعد دوسرے درجہ پر تزکیۂ نفوس کو حضرت خلیفۂ اعظمؐ کے فرائض منصبی کی شان قرار دیدیا۔ گویا کہ تزکیۂ نفوس کے بغیر نہ تو قرآن پاک سے کچھ سیکھنے کی صلاحیت جلا پاسکتی ہے اور نہ ہی انسان میں حکمت و دانائی کے جوہر کھل سکتے ہیں۔ اور تزکیۂ نفس موخرالذکر ہر دو صلاحیتوں کو نکھارنے کی ضمانت بھی ہے۔ اس طرح سے حضورؐ کی بعثت بنی آدم پر احسانِ عظیم ہے۔ حکمت سے مراد وہ علم صحیح ہے جو اتنا پختہ اور طاقت ور ہو کہ انسانی ارادہ کو امرِ حق کی طرف متوجہ کر دے۔ یہ بھی اللہ کا احسان عظیم ہے۔ ایک اور مقام پر قرآن میں فرمایا گیا: ''اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے دانائی (الحکمۃ) جسے چاہتا ہے اور جسے عطا کی گئی دانائی تو یقیناً اسے دیدی گئی بہت بھلائی اور نہیں نصیحت قبول کرتا مگر عقلمند (269:2) حقیقی عقل مند گویا کہ وہ ٹھہرا جس کے نفس کو تزکیہ کی سان پر چڑھا کر صیقل کیا جا چکا ہو۔

خلیلؑ اللہ کے جائز وارث:

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے: ''نہ تھے ابراہیمؑ یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے مسلمان تھے۔ اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے (67:3) بے شک نزدیک تر لوگ ابراہیمؑ سے وہ تھے جنہوں نے ان کی پیروی کی نیز نبی (محمد رسول ﷺ) اور جو اس نبی (محمدؐ) پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے مومنوں کا (68:3)۔

شان محمد مصطفیٰ ﷺ

حضورؐ کی بلندیٔ شان پر قرآن حکیم نے مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے روشنی ڈالی ہے:

- ''(لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام کی طرف۔'' (144:2)
- ''اے لوگو! آ چکی ہے تمہارے پاس ایک (روشن) دلیل (برھان) تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف نُورِ درخشاں (نوراً مُبِیناً)''۔
- جو نبیٔ امی ہے جس کے ذکر کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں''۔ (157:7)
- ''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے محبوب بندے پر یہ کتاب (1:18)

- (فرمادیجئے) میں بشر ہوں تمہاری طرح (لیکن میری عظمت شان یہ ہے کہ "وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ (110:18)
- "نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کیلئے" (107:21)
- "وہ (اللہ تعالیٰ) کافی ہے گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان" (9:46)
- قسم ہے اس تابندہ ستارے (مراد ذات مصطفیٰ) کی جب وہ نیچے اترا (۱) تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا (۲) اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش (الھویٰ سے) (۳) نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے (۴) انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے (۵) بڑے دانا نے پھر اُس نے بلندیوں کا قصد کیا (۶) اور وہ سب سے اونچے کنارے (الافق الاعلیٰ پر تھا) (۷) پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا (۸) یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا (قابَ قوسین اَو ادنیٰ) (۹) پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے (عبدہٗ) کی طرف جو وحی کی (۱۰) نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشمِ مصطفیٰ نے) (۱۱) کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا (۱۲) اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا (۱۳) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس (۱۴) اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے (۱۵) جب سدرۃ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا (۱۶) نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حدِ ادب سے) آگے بڑھی (۱۷) یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔" (53:1 تا 18)
- "نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا۔ (۳) اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کیلئے پہلی سے (بدر جہا) بہتر ہے (۴) اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے (۵) کیا آپ کو اس نے نہیں پایا یتیم اور پھر (اپنی) آغوش رحمت میں جگہ دی (۶) اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا (۷) اور اُس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا" (93:3 تا 8)
- "کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا (۱) اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ (۲) جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو (۳) اور ہم نے

بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو(۴)'' (4-1:94)

- '' بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد و حساب عطا کیا (۱) یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام ونشان ہوگا (۳)'' (3-1:108)

اطاعت واتباع

- '' آپ فرمایئے اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کی' پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو''۔ (32:3)
- '' (اے محبوب) فرمایئے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے گناہ۔ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے''۔ (31:3)
- '' اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول (کریم) کی تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔ (132:3)
- '' پس (اے مصطفیٰ!) تیرے رب کی قسم لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اُس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑے اُن کے درمیان پھر نہ پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کر لیں دل وجان سے''۔ (65:4)
- '' اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی''۔ (70'69:4)
- '' جس نے اطاعت کی رسولؐ کی تو یقیناً اُس نے اطاعت کی اللہ کی''۔ (80:4)
- '' اور اطاعت کرو رسول (کریم) کی اور محتاط رہو اور اگر تم نے روگردانی کی تو خوب جان لو کہ ہمارے رسول کا فرض تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر (ہمارے احکام کو)'' (95:5)
- '' آپ فرما دیجئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف' وہ اللہ جس کیلئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی' نہیں معبود سوائے اللہ کے' وہی زندہ کرتا ہے' وہی مارتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر جو نبی اُمی ہے جو خود ایمان لایا ہے اللہ پر اور اُس کے کلام پر اور تم پیروی کرو اُس کی تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ''۔ (158:7)
- '' یہ روشن دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہیں اس قوم کیلئے جو ایمان لاتی ہے''۔ (203:7)

- ''اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اگر تم ایماندار ہو'' (1:8)
- ''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور نہ روگردانی کرو اس سے حالانکہ تم سن رہے ہو۔'' (20:8)
- ''اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ رسول بلائے تمہیں اس امر کی طرف جو زندہ کرتا ہے تمہیں اور خوب جان لو کہ اللہ (کا حکم) حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان' بیشک اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے''۔ (24:8)
- ''اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا اور (ہر مصیبت میں) صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ (46:8)
- ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایمان لے آئے جو اتارا گیا (رسولِ معظم) محمدؐ پر اور وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے' اللہ تعالیٰ نے دور کر دیں ان سے ان کی برائیاں اور سنوار دیا ان کے حالات کو''۔ (47 محمدؐ: 24)
- ''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو''۔ (47 محمدؐ: 33)
- ''جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی' داخل فرمائے گا اسے باغات میں' رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا''۔ (48 الفتح: 17)
- ''یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ اُن مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اُس درخت کے نیچے پس جان لیا اُس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی''۔ (18:48)
- ''اور اگر تم (سچے دل سے) اطاعت کرو گے اللہ اور اُس کے رسول کی تو وہ ذرا کمی نہیں کرے گا تمہارے اعمال میں بے شک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے''۔ (49۔الحجرات: 14)
- ''اے ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسول (مکرم) سے تو سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کرو' یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے اور دلوں کو پاک کرنے والی ہے اور

اگر تم اس کی سکت نہ پاؤ تو بے شک اللہ غفور الرحیم ہے''۔(58۔المجادلۃ:12)

○ ''کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا چاہیے۔ پس جب تم ایسا نہیں کر سکے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی پس اب تم نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور فرمانبرداری کیا کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو''۔(13:58)

حضورؐ کا علم لدُنّی

○ ''پس اعلیٰ وارفع ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے، نہ عجلت کیجئے قرآن پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس کی وحی اور دعا مانگا کیجئے کہ میرے رب! (اور) زیادہ کر میرے علم کو''۔(20طٰہٰ:14)

(علامہ حافظ اسمٰعیل ابنِ کثیر القرشی الدمشقی اس آیت کے پہلے حصہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورؐ کو بتایا جا رہا ہے کہ وحی کا آپ کے سینے میں محفوظ کرنا اور آپ کی زبان سے بعد ازاں تلاوت کرانا اللہ کے ذمے ہے۔ اس لئے بھول جانے کی پریشانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں گویا کہ بقول جسٹس پیر کرم شاہ الازہری رب محمد ﷺ کے عطیات نرالے ہیں، وہ بغیر مشقت کوئی نعمت عطا فرماوے تو یہ اُس کا کرم ہے)۔

(آیت کے دوسرے حصہ کے بارے میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ کی تعلیم کردہ اس دعا کی برکت سے تا دمِ واپسیں حضورؐ کے علم میں مسلسل اضافہ اور فراوانی ہوتی رہی (روح المعانی) علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ اس میں علم لدُنّی کی طرف اشارہ ہے اور علم لدُنّی اسے کہا جاتا ہے کہ جو کسبی نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہو۔ علامہ اسمٰعیل حقیؒ فرماتے ہیں کہ لطائف قشیریؒ میں مذکورہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے علم کی زیادتی کا سوال کیا تو انہیں خضرؑ کے حوالے کر دیا گیا اور ہمارے نبی کریمؐ کو بن مانگے فراوانیٔ علم کی دعا سکھا دی اور اپنے سوا کسی کی طرف کسب علم کے لئے جانے کی اجازت نہ دی''۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

علم ہائے انبیاء و اولیاء — در دلش رخشندہ چوں شمس الضحیٰ
عالمے کآموز گارش حق بود — علم او بس کاملِ مطلق بود

ترجمہ: تمام انبیاء اور اولیاء کے علوم آپؐ کے قلب مبارک میں چاشت کے سورج کی طرح چمک رہے ہیں وہ عالم جس کا استاد حق تعالیٰ ہو اس کے علم کے کمال کا کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے۔

o ''رحمٰن نے (اپنے حبیبؐ کو) سکھایا ہے قرآن' پیدا فرمایا انسانِ (کامل) کو (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا۔'' (55۔الرحمٰن: 1 تا 4)

خلیفۃ اللہ فی العالم (خلیفہ اعظم) حضورؐ ہیں

گویا کہ حضورؐ کو قرآن کی تعلیم دی' حضورؐ کے سوا علوم قرآنیہ سے جتنا کچھ حصہ کسی کو ملا وہ سب حضورؐ کے واسطہ سے اور حضورؐ کے طفیل ملا ہے۔۔۔ جسٹس پیر کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں کہ خلیفۃ اللہ فی الارض آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا علم آدم الاسماء کلھا اور خلیفۃ اللہ فی العالم (خلیفہ اعظمؐ) کے بارے میں فرمایا علم القرآن۔۔۔ وہ قرآن جو سراپا رحمت' مجسم ہدایت اور نورا'' علیٰ نور ہے اور اللہ خود فرماتا ہے کہ کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جس کا ذکر اس کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

انبیاء' مرسلین اور علماء اولیاء اللہ کا تعلق باہمی

o ''آپ فرمائیے (اے محمدؐ کہ) میں (اپنی سوچ بچار سے) نہیں جانتا (اِن اَدرِی) کہ وہ دن قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یا مقرر کر دی ہے اس کیلئے میرے رب نے لمبی مدت (اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اُس نے پسند فرما لیا ہو (غیب کی تعلیم کیلئے)۔''

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ مجددی پانی پتی تفسیر مظہری (جلد بارہ صفحہ 139-140) میں فرماتے ہیں۔ رسول کا لفظ عام ہے انسان ہو یا فرشتہ دونوں اس میں داخل ہیں لفظ رسول انبیاء کو بھی شامل ہے۔ تمام انبیاء تبلیغ اسلام و احکام کیلئے خدا ہی کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔ صرف ایسے نبی کو رسول کہنا جس کو جدید شریعت اور کتاب دے کر بھیجا گیا ہو محض اصطلاح ہے۔ (باعتبار حقیقت ولغت ہر نبی رسول ہوتا ہے) بعض علماء کا قول ہے کہ بطور عموم مجاز اولیاء کو بھی شامل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علمائے انبیاء کے وارث ہیں' احمد' ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ دارمی بروائت کثیر بن قیس وابن البخاری بروائت انسؓ اور ابن عدیؒ بروائت علیؓ۔۔۔ موخر الذکر دونوں

راویوں کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ۔۔۔ابن عقیل نے بروائت انسؓ یہ الفاظ نقل کیے کہ علماء اُس وقت تک پیغمبروں کی طرف سے امین ہیں جب تک بادشاہ کے ساتھ نہ مل جائیں اور دنیا میں نہ گھس جائیں۔۔۔اہل السنّت والجماعت قائل ہیں کہ اولیاء کی کرامتیں درحقیقت ان کے پیغمبرؑ کا ہی معجزہ ہوتی ہیں۔ اللہ نے فرمایا: ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ: ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی زبان میں ہی پیام رساں بنا کر بھیجا ہے اور چونکہ حضورؐ خاتم النبیینؐ کو تمام انسانوں کی ہدایت کیلئے بھیجا گیا اور تمام انسان آپ کی قوم قرار پائے اس لئے جو علماء اولیاء آپ کے پیرو ہوئے اہل سنت کے نزدیک وہ آپ ہی کی زبان ہوئے تاکہ حصر درست ہو جائے اور لسان قومہ میں اضافت کا عموم صحیح ہو جائے (پس علماء امت اور اولیاء کرام کی کرامتیں حضورؐ کا معجزہ ہوئیں) اسی طرح اولیاء کا علم غیب، رسول مرتضیٰؐ کے ہی علم غیب کا فیضان ہوا۔ البتہ اولیاء کا الہام قطعی و یقینی نہیں ہوتا، اسی لئے صوفیہ کا قول ہے کہ صوفیہ کے مکاشفات کا کتاب وسنت سے مقابلہ کرنا ضروری ہے، یہ بھی صوفیہ کا قول ہے کہ جس چیز کو شریعت نے رد کر دیا وہ گمراہی ہے، اور اگر شریعت خاموش ہے تو اس کو قبول کر لیا جائے البتہ آیت میں علم غیب سے مراد وہ علم ہے جو قطعی اور یقینی ہو"۔۔۔ آگے چل کر علامہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ غیر انبیاء کو علم غیب سے آگاہی کی مثالیں خود قرآن میں موجود ہیں: فرمایا گیا: "ہم نے موسیٰؑ کی ماں کو الہام کیا کہ موسیٰؑ کو دودھ پلا، اگر اس کے متعلق تجھے خطرہ ہو تو اس کو دریا میں پھینک دینا اور کچھ اندیشہ اور رنج نہ کرنا۔ ہم ضروری اس کو دوبارہ تیرے پاس لوٹا دیں گے اور پیغمبروں میں سے بنائیں گے"۔ (20 طٰہٰ: 38-39) "فرشتہ نے نشیبی جانب سے مریم کو پکارا کہ کچھ رنجیدہ نہ ہو تیرے اللہ نے تیرے نیچے نہر جاری کر دی اور درخت کھجور کے تنہ کو ہلا (باوجود خشک ہونے کے) اس سے تازہ کھجوریں گریں گی۔ کھجوریں کھا، پی، بچہ سے آنکھیں ٹھنڈی کر۔ اب اگر تجھے کوئی آدمی دکھائی دے تو اس سے بات نہ کر اور اشارہ سے بتا دے کہ میں نے آج اللہ کی نذر کا روزہ رکھا ہے اس لئے کسی شخص سے آج بات نہیں کروں گی"۔ ۔۔ایک اور آیت میں ہے: "میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ" (5۔المائدہ: 111)۔۔۔علامہ پانی پتی مزید فرماتے ہیں:

اولیاء کا کشف والہام اور علم حضوری

تنبیہ: اولیاء کے جس علم کو ہم نے ظنی کہا ہے اس سے مراد علم حصولی ہے جو کبھی الہام سے حاصل ہوتا ہے خواہ بتوسطِ ملائکہ ہو یا براہِ راست اور کبھی درمیانی حجابات اٹھ جانے کی وجہ سے حاصل ہوتا

ہے جیسے ساریہ والی حدیث میں حضرت عمرؓ کا قول مشہور ہے۔ اسی قسم میں اس انکشاف کو داخل قرار دیا گیا ہے جو بعض اولیاء کو کسی کسی وقت لوح محفوظ کا مشاہدہ ہو جاتا ہے اور وہ قضاءِ مبرم و معلق کا مطالعہ کرتے ہیں اور کبھی کشفِ علمی خواب یا مراقبہ کی حالت میں عالمِ مثال کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: صالح خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے۔ بخاری و مسلم۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' سوائے مبشرات کے نبوت کا اور کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ صحابہؓ نے عرض کیا' حضورؐ! مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا صالح خواب (بخاری) علم کی ان تمام اقسام میں انبیاء کے علاوہ اوروں سے غلطی واقع ہو سکتی ہے' کیونکہ الہام میں شیطان گڑ بڑ کر سکتا ہے۔ آدمی کے دل کے دو خانے ہیں' ایک فرشتہ کا' دوسرا شیطان کا' کبھی کشفِ شیطانی ملکی چمکارے کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے کیونکہ وہم دخل انداز ہو جاتا ہے یا شیطان کشف اور عالم مثال کے مطالعہ میں دھوکہ دے دیتا ہے۔ حضرت ابو قتادہ کی روایت ہے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ نیک خواب اللہ کی طرف سے اور بد خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے (بخاری و مسلم)۔

محمد بن سیرینؒ کا قول ہے کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں۔ (۱) نفس کا تخیل (۲) شیطان کی طرف سے ڈراوا (۳) اللہ کی طرف سے بشارت (متفق'' علیہ) کبھی خواب کی تعبیر میں غلطی ہو جاتی ہے۔ کشفِ اولیاء میں اگرچہ غلطی کا امکان ہوتا ہے مگر غلطی کا وقوع بہت ہی نادر ہے کیونکہ اولیاء' انبیاء سے مشابہت رکھتے ہیں (فرق یہ ہے کہ) انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں اور اولیاء اکثر (خطاءِ علمی سے) محفوظ ہوتے ہیں۔

رہا اولیاء کا علم حضوری بلکہ حضوری سے بھی زیادہ کاشف۔ جس کو علم لدنی کہا جاتا ہے اور جس کا تعلق اللہ کی ذات وصفات سے ہوتا ہے تو اس میں خطا کا امکان نہیں ہوتا' وہ وجدانی اور قطعی ہوتا ہے بلکہ اس علم کا درجہ عام قطعی علوم سے اونچا ہوتا ہے ہر شخص کو اپنی ذات کا علم حضوری و وجدانی ہوتا ہے کیونکہ خود ہی عالم ہے اور خود ہی معلوم اپنی ذات کو جاننے کیلئے کسی تصور کی ضرورت نہیں پڑتی اور اللہ کی ذات سے تعلق رکھنے والے صوفی کا وجدانی علم اس سے بھی بالاتر ہوتا ہے' اللہ تو آدمی سے اتنا قریب ہے کہ وہ خود بھی اپنی ذات سے اتنا قرب نہیں رکھتا' اللہ نے فرمایا ہے نحن اقرب الیہ منکم ولکن لاتبصرون۔ یعنی ہم تم سے اتنا قرب رکھتے ہیں کہ تم خود اپنے سے اتنا قرب نہیں رکھتے' مگر اے عوامی نظر رکھنے والو! ہم تم کو نظر نہیں آتے۔ پس یہ لدنی علم اولیاء کو پیغمبروں کے

توسل سے حاصل ہوتا ہے اگر چہ پیغمبر تک پہنچنے کے درمیانی وسائل کتنے ہی زیادہ ہوں۔

ایک شبہ: آیت نحن اقرب الیہ منکم میں روئے خطاب سب آدمیوں کی طرف ہے اوراس عمومی خطاب کا تقاضا ہے کہ سب لوگوں کو اللہ کی ذات کا حضوری علم بلکہ حضوری سے بالاتر علم حاصل ہو جائے۔

ازالہ: علم زندگی کے تابع ہے بغیر حیات کے علم کا امکان نہیں اور سورہ ملک کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ زندگی کی چار قسمیں ہیں جن میں سے ایک قسم کی زندگی وہ ہے جو اپنے ساتھ معرفت کو لاتی ہے یہ زندگی ذاتی اور صفاتی تجلی سے وابستہ ہے اسی زندگی کو حاصل کرنے کیلئے کسی علم اور تصوف کی ضرورت ہوتی ہے (یعنی عوام کو حیاتِ معرفت آفریں حاصل نہیں)۔

سوال: اگر صوفیہ کا علم حضوری و وجدانی قطعی ہے اوراس میں غلطی کا امکان نہیں تو پھر اقوال صوفیہ میں تعارض کیوں ہوتا ہے۔ اور کیوں صوفیہ علمِ حضوری میں خطا کرتے ہیں۔ تعارضِ اقوال کیلئے تو مثبت و منفی دو علموں میں سے کسی ایک کا غلط ہونا لازم ہے' کوئی توحیدِ وجودی کا قائل ہے' اور کوئی توحیدِ شہودی کا (اور ظاہر ہے کہ یہ علم وجدانی اور قطعی ہے۔ پھر شہودی اور وجودی کا فرق کیوں ہے اور ایک غلط کیوں ہے؟

جواب: علمِ حضوری کو بیان کرنے کیلئے الفاظ وضع ہی نہیں کیے گئے اس لئے الفاظ کے ذریعے اس کی تصویر کشی میں اختلاف ہو جاتا ہے چیز ایک ہی ہے بیان مختلف ہیں' اختلاف علمِ حضوری میں نہیں بلکہ علمِ حضوری کو جاننے میں ہے اس لئے خطا اگر ہوتی ہے تو علم حضوری میں نہیں ہوتی بلکہ علم حضوری کے بیان میں ہوتی ہے۔ ایک فارسی شاعر کہتا ہے۔

گفتگوئے کفر و دیں آخر بیک جامی کشد   خواب یک خوابست باشد مختلف تعبیر ہا

ترجمہ: ''کفر و دین'' کی گفتگو بالآخر اسی ایک نکتے پر منتج ہوتی ہے کہ خواب تو ایک ہوتا ہے مگر اس کی تعبیریں مختلف کی جاتی ہیں''

اس شعر میں کفر سے مراد کفرِ طریقت' اور دین سے مراد ہے شریعت اور کفرِ طریقت کا نام ہے توحیدِ وجودی۔

خلاصۂ کلام: یہ ہے کہ خالق ومخلوق کا باہمی تعلق وہ ہے جو کسی دو چیزوں میں نہیں ہے' کیونکہ کوئی شے کسی شے کی خالق نہیں۔ خالق صرف اللہ ہے پس کسی چیز کی کسی چیز سے ایسی نسبت نہیں جو خالق کی مخلوق سے ہے۔ نقش کی نقاش سے اور لکڑی کے پیالہ کی صناع سے بھی نسبت ہے مگر ویسی نہیں جو مخلوق کی خالق سے ہے۔ نقش کا مادہ رنگ اور لکڑی کے پیالہ کا مادہ لکڑی ہے اور نقاش نہ رنگ کا

خالق ہے نا صناع لکڑی کا۔ بلکہ دونوں مادے اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں پھر فعل نقاش وصناع کے بعد صورتِ نقشیہ اور ہیئت قدحیہ بھی اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے کوئی نقاش وصناع اس ہیئت کا بھی خالق نہیں (بلکہ آلۂ تخلیق اور ایجاد ہیئت کی درمیانی کڑی ہے۔ خالق ہر صورت کا بھی اللہ ہی ہے) بلکہ صناع ونقاش کا عمل بھی اللہ ہی کا پیدا کردہ ہے خواہ معتزلہ اس کو تسلیم نہ کریں (اور انسانی اعمال کا خالق انسان کو قرار دیں) مگر حقیقت یہی ہے کہ ہر صناع (خالق نہیں بلکہ) بعض افعال کا سبب ہے اور دو خارجی یا ذہنی چیزوں میں نسبت عینیت کی ہوتی ہے یا غیریت کی یا ظلیت کی یا کچھ اور (مثلاً انسان اور حیوان ناطق دونوں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ حقیقت میں دونوں ایک ہیں اور انسان پتھر سے غیر ہے اور فوٹو کی نسبت انسان سے ظلیّت اور عکسیّت کی ہے) اور خالق ومخلوق کے درمیان جو نسبت ہے وہ ان سب سے الگ ہے۔ اس کو بیان کرنے سے لفظ قاصر ہیں کوئی لفظ اس کو ظاہر کرنے کیلئے کسی زبان میں بنا ہی نہیں۔ پس اگر ہم کہتے ہیں کہ خالق مخلوق کا عین نہیں تو خیال کیا جاتا ہے کہ جب عین نہیں تو ضرور غیر ہوگا۔ یا مخلوق کی اس سے نسبت ظلیت کی ہوگی۔ حالانکہ ایسا بھی نہیں ہے یا اگر ہم کہیں کہ مخلوق خالق سے غیر نہیں تو چونکہ سلب غیریت اور عینیت میں لزوم ہے اس لیے سمجھا جاتا ہے کہ جب مخلوق غیر خالق نہیں تو ضرور عین خالق ہوگی حالانکہ یہ بھی غلط ہے اسی طرح نفی عینیت سے وجودِ ظلیت پر استدلال کیا جاتا ہے حالانکہ مخلوق کی نسبت ظلیت کی بھی نہیں ہے مگر غیر نہ ہونا یعنی عین ہونا یا عین نہ ہونا یعنی غیر ہونا یا ظل ہونا صرف لفظی تعارض رکھتا ہے۔ علم حضوری میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ تعارض۔ مخلوق اور خالق کے درمیان جو نسبت ہے اس کو ظاہر کرنے سے ہر تعبیر اور ہر کلام قاصر ہے بس سب سے اعلیٰ تعبیر یہ ہے کہ یوں کہا جائے لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ" وَّ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ اور ہر علم حصولی ہے۔ علم حصولی اصل مقصود نہیں۔ یہ تو ظنی ہے اور ظن کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ظن سے واقعی قطعی علم حاصل نہیں ہوتا اس لیے بذاتِ خود علمِ حصولی مقصود نہیں۔

شبہ: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ علم اولیاء علم انبیاء میں داخل ہے یا ظنی ہونے کی وجہ سے آیت کا حکم اس کو شامل ہی نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کہانت، نجوم اور طب ایسے علوم ہیں جن کی بعض اوقات صداقت تجربہ سے ثابت ہوتی ہے (پھر کیا ان علوم کو قطعی علم غیب کہا جائے گا باوجودیکہ ان علوم کے جاننے والوں کو انبیاء نہیں کہا جاتا نہ وہ انبیاء ہوتے ہیں) بخاری نے بروایت ابوالغاطور حاکم ایلیا کی بیان کردہ حدیث نقل کی ہے۔ حاکم ایلیا مسلمان ہو چکا تھا اس کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں ہر

ہرقل ایلیا میں آیا تھا تو ایک روز صبح کو کچھ پریشان تھے۔ کسی سردار نے پوچھا' آج آپ کی حالت ہم غیر پاتے ہیں کیا وجہ ہے ہرقل نجومی تھا۔ سوال کے جواب میں بولا آج رات جب میں نے نجوم کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والی قوم کا بادشاہ برآمد ہو گیا۔ ہرقل نے اپنے اس مطالعہ کی اطلاع اپنے کسی دوسرے ساتھی کو بھی لکھ بھیجی جو ہرقل کی طرح ماہر نجوم تھا اس کے خط سے بھی ہرقل کی رائے کی تائید ہو گئی' اور اس نے لکھ دیا کہ نبیؐ مبعوث ہو گیا اور وہ واقعی نبیؐ ہے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ کاہنوں اور نجومیوں نے فرعون کو اطلاع دے دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہو گا اور فرعون کی حکومت کا زوال اسی کے ہاتھ سے ہو گا' یہی وجہ تھی کہ فرعون بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرا دیتا تھا اور لڑکیوں کو قتل نہ کراتا تھا۔ طبیب بھی مرض کی کیفیت اور مریض کو شفاء دینے والی دوا' اور جڑی بوٹیوں کے خواص سے واقف ہوتے ہیں اور ان کا یہ علم کبھی قطعی بھی ہوتا ہے۔

ازالہ: کاہن کی دی ہوئی خبر اگر صحیح نکلتی ہے تو وہی ہوتی ہے جو ملائکہ کی باہمی گفتگو سے چوری کے ساتھ جنات سن کر کاہن سے آ کر کہہ دیتے ہیں اور ملائکہ بہر حال اللہ کے رسول ہیں مگر کاہن اور شیطان اس ایک سچی بات میں بکثرت جھوٹ کی آمیزش کر دیتے ہیں اسی لیے شریعت نے کاہنوں کی تصدیق کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضور اقدسؐ کی بعثت کے بعد جنات کو چوری چھپے سننے ہی کی یا تو بالکل یا غالباً ممانعت ہو گئی۔ اس لیے اب کہانت بے حقیقت ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول ﷺ سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا گیا۔ فرمایا وہ کبھی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جو سچی ہوتی ہے اور وہ بات (خدا کی طرف سے) حق ہوتی ہے۔ جس کو کوئی جن لے جھپٹتا ہے اور مرغی کی ٹھونگ کی طرح اپنے دوست (کاہن) کے کان میں کٹ کٹ کر دیتا ہے۔ وہ سو سے زیادہ جھوٹ اس میں ملا دیتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

علم نجوم' طب' سحر' رمل وغیرہ کی شرعی حیثیت

رہا علم نجوم اور فنِ طب' تو ان کی بنیاد تجربہ پر ہے اور تجربہ علم غیب نہیں۔ علم شہادت ہے اور یہ امر زیادہ واضح ہے کہ دواؤں کی خاصیت و طبیعت کی شناخت اور ستاروں کے خواص یعنی سعادت و نحوست وغیرہ کی پہچان' غرض یہ کہ علم طب اور علم نجوم دونوں علوم انبیاء سے حاصل کردہ چمکارے ہیں نبوت کے چراغ کی کرنیں ہیں۔ روایت کا سلسلہ تو معدوم ہو گیا۔ کتابوں میں ان کا وجود باقی رہ گیا اور لوگوں نے تجربہ کی شہادت پر ان دونوں علموں میں اکتفا کر لیا' اللہ

نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے۔ **فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ٥ فَقَالَ إِنِّـى سَقِيمٌ ٥** (۳۷۔الصفت: ۸۸۔۸۹) ابرہیمؑ نے ستاروں پر غور کی نظر ڈالی اور کہا میں بیمار ہوں یعنی عنقریب بیمار ہونے والا ہوں۔

بغوی نے سورۂ سبا کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ بیت المقدس کی محراب میں جب حضرت سلیمانؑ ہوتے تھے تو روزانہ ایک درخت وہاں اُگتا تھا۔ آپ پوچھتے تھے تیرا کیا نام ہے' وہ اپنا نام بتاتا تھا' پھر آپ دریافت کرتے تھے تو کس کام کیلئے ہے وہ جواب دیتا تھا ایسے ایسے کام کیلئے' پھر آپ اس کو کاٹ دینے کا حکم دے دیتے تھے' اگر وہ بوئے جانے کے قابل ہوتا تو اس کا پودا بو دیا جاتا تھا اور اگر کوئی دوا ہوتی تھی تو اس کو (نام اور خاصیت کے ساتھ) لکھ لیا جاتا تھا' آخر خروبہ بوٹی پیدا ہوئی آپ نے اس کا نام پوچھا اس نے خروبہ بتایا' آپ نے پوچھا تو کس کام کیلئے ہے۔ اس نے جواب دیا آپ کی مسجد کی ویرانی کیلئے۔ یہ قصہ امام محمد غزالیؒ نے اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ علم طب اور نجوم یقینی علوم نہیں کیونکہ دواؤں اور ستاروں کی تاثیر (بذاتِ خود کچھ نہیں) ایک عادی امر ہے۔ اللہ کا معمول ہے کہ دواؤں کو استعمال کرنے' اور ستاروں کے طلوع ہونے کے بعد اللہ کچھ تاثیریں پیدا کر دیتا ہے لیکن بہت مرتبہ وہ تاثیریں نمودار نہیں بھی ہوتیں۔ یہ تو اللہ کی مشیت ہے جیسا چاہتا ہے کر دیتا ہے (دوا کا استعمال یا ستارہ کا طلوع بذاتِ خود یقینی طور پر اثر آفریں نہیں) اس بحث سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی نجوم کا قائل ہو' اور یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ کا معمول یہ ہے کہ اس ستارہ کے طلوع کے بعد اللہ یہ اثر پیدا کر دیتا ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر نہیں ہو جاتا۔ یہ بات تو ایسی ہی ہے جیسے کسی کا عقیدہ ہو کہ دواء پینے سے اللہ شفاء عطا کرتا اور زہر پینے سے موت مسلط کر دیتا ہے۔ ہاں جس شخص کا عقیدہ ہو کہ ستاروں کے طلوع و غروب سے براہ راست کسی اثر کی پیدائش وابستہ ہے (اور ستاروں کا طلوع و غروب واقعات کا موجد اور علتِ تامہ ہے) تو ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہو جائے گا۔ جیسے دواء کو شفاء کی علتِ تامہ سمجھنے والا کافر ہو جائے گا۔

حضرت زید بن خالدؓ جہنی نے فرمایا کہ ایک روز حدیبیہ میں رسول ﷺ نے فجر کی نماز ہم کو پڑھائی۔ رات کو بارش ہو چکی تھی' نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رُخ کر کے فرمایا' کیا تم واقف ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا: صحابہؓ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو ہی بخوبی علم ہے (حضورؐ نے فرمایا) اللہ نے ارشاد فرمایا' میرے بندوں میں سے کچھ لوگ مؤمن رہے اور

کچھ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا اللہ کے فضل و رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے اور ستاروں (کی تاثیر حقیقی) کے منکر ہوئے اور جنہوں نے کہا کہ فلاں فلاں ستاروں کے طلوع کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرے منکر اور ستاروں کے عقیدت مند ہوئے۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤخر الذکر عقیدہ والا کافر ہے اور اوّل عقیدہ والا کافر نہیں۔ مگر فنِ نجوم میں مشغول ہونا مطلقاً مکروہ ہے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے علم نجوم سے اقتباس کیا۔ اس نے سحر کی ایک شاخ سے اقتباس کیا اس نے (بظاہر علم میں) زیادتی کی اور (حقیقت میں) کچھ زیادتی نہیں کی۔ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے احمدؒ ابوداؤدؒ اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے۔

اسی طرح علم خطوط و نقط (علم رمل) بھی تعلیم انبیاء کا خوشہ چیں ہے مگر مفید ظن ہے قطعی نہیں ہے باقی بدشگونی بالکل بے حقیقت ہے۔ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم جاہلیت کے زمانہ میں کچھ کیا کرتے تھے (مثلاً) کاہنوں کے پاس جاتے تھے (اب کیا حکم ہے) فرمایا کاہنوں کے پاس نہ جاؤ۔ میں نے عرض کیا ہم بدشگونی لیتے تھے حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم جاہلیت کے زمانے میں کچھ کیا کرتے تھے۔ مثلاً کاہنوں کے پاس جاتے تھے (اب کیا حکم ہے؟) کاہنوں کے پاس نہ جاؤ۔ میں نے عرض کیا ہم بدشگونی لیتے تھے فرمایا یہ تمہارا ذاتی تاثر ہوتا ہے اب یہ (شگون) تم کو (کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے سے) نہ روکے۔ میں نے عرض کیا ہم میں سے کچھ لوگ لکیریں کھینچتے ہیں (اور اس طرح آئندہ کی خبر معلوم کرنا چاہتے ہیں فرمایا ایک پیغمبر خط کشی (فن رمل کا عمل) کیا کرتے تھے اب جس کی کھینچی ہوئی لکیر اس کے موافق ہو جاتی ہے تو وہی ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

اسی طرح علم سحر بھی آسمان سے اترا تھا لیکن (اس کو کرنا) کفر ہے اللہ نے فرمایا ہے

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ۔ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ۔ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ۔ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ۔ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ۔ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَالَه' فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِہٖٓ اَنْفُسَھُمْ۔ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ o (۲۔البقرۃ:۱۰۲)

ترجمہ: ''اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین (حضرت) سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمانؑ نے تو کفر نہ کیا تھا بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا' وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ اور بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا۔ وہ دونوں بھی کسی شخص کو اُس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں۔ تو کفر نہ کر۔ پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند اور بیوی میں جدائی ڈال دیں اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے اور وہ بایقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں۔ کاش کہ وہ جانتے ہوتے''۔

فراستِ مؤمن اور سادھوؤں کے علم میں کیا فرق ہے؟

سوال: کبھی ان کافروں کو بھی کیا غیب کی اطلاع ہو جاتی ہے جو سادھو بن کر بھوکے رہتے اور ریاضت کرتے ہیں۔

جواب: علم غیب کی اصل بنیاد کشفِ حجابات یا مطالعۂ عالمِ مثال ہے لیکن درمیانی حجابات کیسے ہٹتے ہیں یا عالمِ مثال کا مطالعہ کس طرح ہو جاتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) صوفی جب شریعت کا اتباع کرتا ہے اور سنت پر چلتا ہے تو اس کے ظاہری اور باطنی حواس روشن ہو جاتے ہیں' یہی روشنی اس کے لیے علم غیب کا ذریعہ ہوتی ہے' اسی کو فراستِ مؤمن کہا گیا ہے۔

(۲) بھوکا رہ کر ریاضت اور نفس کشی کر کے بھی بعض اوقات درمیانی حجابات اٹھ جاتے ہیں اور مثالی شکلیں (یعنی غیر مادی عالمِ بالا کی تصویریں) نظر کے سامنے آ جاتی ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ علم غیب نہیں ہوتا علم بالشہادۃ ہوتا ہے (جس چیز کا علم ہو جاتا ہے وہ یا اس کی مثالی صورت آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے) پھر یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ جب اولیاء کا علم کشفی و مثالی ظنی ہوتا ہے (یقینی نہیں ہوتا) اور اس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے تو پھر ان شیطانوں کے چیلوں کے علم کی کیا وقعت ہے جن کو بہکانے کیلئے شیطان پر فریب القا کرتا ہے' اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو وہ ایسا نہ کر سکتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

آیات مذکورہ بالا میں لفظ درایت (ان ادری) استعمال ہوا ہے اس کی تشریح علامہ راغب اصفہانی نے اس طرح سے کی ہے: درایت اس معرفت کو کہتے ہیں جو کسی حیلہ سے حاصل

ہو۔اسی طرح علامہ زبیدی کے نزدیک اس کے معنی کسی حیلہ سے کسی چیز کو جاننا ہوتا ہے۔لہٰذا یہاں اس امر کی نفی کی جارہی ہے کہ حضورؐ جو کچھ فرما رہے ہیں وہ کوئی کسبی علم نہیں ہے بلکہ وحیٔ الٰہی ہے لہٰذا قطعی ہے۔

o ''ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ (اسے) نہ بھولیں گے o بجز اس کے جو اللہ چاہے بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور جو چھپی ہوتی ہے o اور ہم سہل بنادیں گے آپ کیلئے اس آسان (شریعت) پر عمل o پس آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ مند ہو o سمجھ جائے گا جس کے دل میں (خدا کا) خوف ہوگا o اور دور رہے گا اس سے بدبخت o جو (بالآخر) بڑی آگ میں داخل ہوگا o پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جیئے گا o بے شک اُس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا (مَن تزکّٰی o اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز۔ پڑھتا رہا o البتہ تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو o حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے o یقیناً یہ (سب کچھ) اگلے صحیفوں میں (بھی) لکھا ہوا ہے o (یعنی) ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں o''۔(87۔الاعلیٰ:6 تا 19)

قرانِ حکیم کے مطابق منازل سلوک

(گویا کہ حضورؐ کو حفظِ قرآن کی نعمت بلا مشقت عطا کی گئی۔جسٹس پیر کرم شاہ الازہریؒ کے مطابق آخری آیات میں منازل سلوک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلی منزل: (مَن تزکّٰی) توبہ اور تزکیہ کی ہے کہ انسان صفاتِ قبیحہ سے توبہ کرے اور ان سے خود کو پاک کرے اور صفات حمیدہ کو اختیار کرے۔ دوسری منزل: (اسم ربہٖ) یہ ہے کہ زبانی، قلبی، روحی اور سرّی ذکر پر مداومت کرے۔ اس کے بعد (فصلّٰی): انوارِ الٰہی کے مشاہدہ کی منزل آتی ہے کیونکہ نماز کو مؤمن کی معراج فرمایا گیا ہے۔۔۔ سب سے آخری چار آیات میں انسان کی کوتاہ نظری پر تبصرہ کیا گیا ہے کہ انسان بجائے اس کے کہ دنیاوی زندگی میں اصلاح نفس پر توجہ رکھتے ہوئے فلاح آخرت اور اخروی زندگی کو ترجیح دیتا وہ دنیاوی مسرتوں کو سمیٹنے کے کارِلا حاصل میں ہمیشہ لگا رہتا ہے۔

o (فرمایا) ''کیا ہم نے آپؐ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا o اور ہم نے اتار دیا ہے آپؐ سے آپ کا بوجھ o جس نے بوجھل کر دیا تھا آپؐ کی پیٹھ کو o اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپؐ کی خاطر آپؐ کے ذکر کو o پس ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے o بے شک ہر مشکل کے ساتھ

آسانی ہے o پس جب آپ (فرائض نبوت سے) فارغ ہوں تو (حسبِ معمول) ریاضت میں لگ جائیں o اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں o''۔(94۔الانشراح:1 تا 8)

(جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ ضیاء القرآن جلد۔5 میں بحوالہ تحقیق علامہ راغب اصفہانی و دیگر علماء تفسیر لکھتے ہیں:

یعنی گوشت کاٹنے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو الشراح کہتے ہیں۔اسی سے شرحِ صدر ماخوذ ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ نورِ الٰہی سے سینہ کشادہ ہو جانا۔اللہ تعالیٰ کی جانب سے تسکین وطمانیت کا حاصل ہو جانا' اس کی طرف سے دل میں مسرت وراحت کا شعور پیدا ہو جانا۔

علامہ سیّد محمود آلوسیؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ الشرح اصل میں کشادگی اور فراخی کا مفہوم ادا کرتا ہے۔کسی الجھی ہوئی اور مشکل بات کی توضیح کو بھی شرح کہتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ شرح کے لفظ کا استعمال دلی مسرت اور قلبی خوشی کیلئے بھی ہوتا ہے۔یعنی شرحِ صدر کا یہ مفہوم بھی لیا جاتا ہے کہ نفس کو قوت قدسیہ اور انوارِ الٰہیہ سے اس طرح مؤید کرنا کہ وہ معلومات کے قافلوں کیلئے میدان بن جائے۔ملکات کے ستاروں کیلئے آسمان بن جائے اور گونا گوں تجلیات کیلئے عرش بن جائے۔جب کسی کی یہ کیفیت ہوتی ہے تو اُس کو ایک حالت' دوسری حالت سے مشغول نہیں کرسکتی۔اس کے نزدیک مستقبل' حال اور ماضی سب یکساں ہو جاتے ہیں۔یعنی آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ نہیں کر دیا کہ غیب وشہادت کے دونوں جہاں اس میں سما گئے ہیں۔استفادہ اور افادہ کی دونوں مملکتیں جمع ہو گئی ہیں۔علائقِ جسمانیہ کے ساتھ آپ کی وابستگی ملکاتِ رُوحانیہ کے انوار کے حصول میں رکاوٹ نہیں۔خلق کی بہبود کے ساتھ آپ کا تعلق' معرفتِ الٰہی میں استغراق سے رکاوٹ نہیں۔

علامہ ثناءاللہ پانی پتیؒ نے بھی اسی طرح کی تفسیر بیان کی ہے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''اس میں علوم ومعارف کے سمندر اتار دیئے اور لوازمِ نبوت اور فرائضِ رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو جو علوم ومعارف عطا فرمائے' امام بوصیریؒ نے قصیدۂ بردہ میں یوں بیان کیا ہے۔

فان من جودك الدنيا و ضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم

ترجمہ: یعنی دنیا اور آخرت دونوں آپ کی جود وکرم کے مظہر ہیں اور لوح وقلم کا علم

آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔ علامہ علی قاری حنفیؒ آخری مصرعہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کہ لوح وقلم کا علم آپ کے علم کے دفتر کی ایک سطر ہے اور آپ کے علم کے سمندوں کی ایک نہر ہے۔ (شرح قصیدۂ بردہ' ملا علی قاری قلمی کتب خانہ گڑھی افغاناں' ضلع اٹک)

علامہ اقبالؒ بھی یوں گویا ہوتے ہیں:۔

لوح بھی تُو' قلم بھی تُو' تیرا وجود الکتاب!
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی اس آیت کی آئینہ دار ہے۔ حضورؐ نے جس بلند حوصلگی اور اولوالعزمی سے فرائض نبوت کو ادا کیا' جس صبر اور شکر کے ساتھ اس راہ میں آنے والی مشکلات کو برداشت کیا' وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرح صدر کے بغیر ممکن نہ تھا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے علم کے نور سے منور کیا اس کو بھی شرح صدر کی برکت کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اگلی دو آیات کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "آں بار کہ گراں کردہ بود پشت ترا۔" یعنی وہ بوجھ جس نے آپ کی پشت کو بوجھل بنا دیا تھا۔ میں نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ ویسے لغت عرب میں جب اونٹ کی پشت پر زیادہ بوجھ لادا جائے تو اس کی پسلیوں سے ایک قسم کی "کڑکڑ" کی آواز نکلتی ہے اسے بھی انقض کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وہ بھاری بوجھ کیا تھا؟ جو پیٹھ گراں بار کر رہا تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ سے اٹھا لیا۔ علمائے تفسیر نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ ان میں سے دو قول ہی پسندیدہ ہیں:

(۱) اپنی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ کر خاطر عاطر کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ان کا بے جان بتوں کو پوجنا' فسق و فجور میں غرق رہنا' قمار بازی اور شراب نوشی میں اپنی صحت و دولت کو برباد کرنا' غریبوں پر ظلم ڈھانا' ان کے حقوق غصب کرنا' باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت' ان کی اخلاقی پستی' ان کی معاشی بدحالی اور ان کی سیاسی ابتری ان تمام چیزوں کو دیکھ کر حضور کو بہت دکھ ہوتا اور اس صورت حال کو یکسر بدل ڈالنے کیلئے دل ہر وقت مضطرب رہتا۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا اور قرآن کریم جیسا صحیفۂ رشد و ہدایت عطا فرمایا۔ دین اسلام جیسا جامع اور مکمل نظام حیات مرحمت فرمایا جس سے یہ بوجھ اتر گیا۔ منزل کا تعین بھی ہو گیا اور اس منزل کی طرف لے جانے والا راستہ بھی نورِ نبوت سے روشن ہو گیا۔

(۲) یا اس بوجھ سے بارِ نبوت و رسالت مراد ہے۔ ایسے لوگ جو صدہا سال سے معبودانِ باطل کی پوجا پاٹ میں مشغول تھے، جن کی کئی پشتیں اخلاقی آوارگی کی نذر ہو چکی تھیں، ظلم و ستم، لوٹ مار جن کے نزدیک فخر و مباہات کا باعث تھی، ان کو ان پستیوں سے نکال کر توحید، اخلاقِ حسنہ، نظم و ضبط کی بلندیوں پر لے جانا بڑا جان جوکھوں کا کام تھا۔ اس راستہ میں مشکلات کے فلک بوس پہاڑ سینہ تانے کھڑے تھے اور ناکامیوں کی عمیق غاریں منہ کھولے ہوئے نگل جانے کیلئے بے تاب تھیں اس فرض کی ادائیگی کا احساس دل کو ہر وقت بے چین رکھتا، ان کا تعصب وعناد باطل سے چمٹے رہنے پر ان کا احمقانہ اصرار اس بے چینی میں مزید اضافہ کر دیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کی دولت سے مالا مال فرما کر اس بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ طبیعت میں قلق و اضطراب کی جگہ، صبر و عزیمت نے لے لی۔ اپنی قوم کی بے اعتنائی اور دل آزاریوں پر دل گرفتہ ہونے کے بجائے ہمت و حوصلہ پیدا ہو گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح اپنے مخصوص انداز میں فرمائی ہے اور خوب فرمائی ہے:

''آپ کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات و مقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھی، قلبِ مبارک کو جسمانی ترکیب یا انسانی تشویشات کی وجہ سے ان پر فائز ہونا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا، وہ دشواریاں جاتی رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہو گیا۔'' اس سے اگلی آیت کے بارے میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یعنی حضرت جبرائیل میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا ربّ کریم پوچھتا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کیا؟ میں نے جواب دیا اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کے رفع ذکر کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں آپ کا بھی میرے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں: اور اس سے بڑھ کر رفعِ ذکر کیا ہو سکتا ہے کہ کلمۂ شہادت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب کا نام ملا دیا۔ حضورؐ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا، ملائکہ کے ساتھ آپ پر درود بھیجا اور مومنوں کو درود پاک پڑھنے کا حکم دیا اور جب بھی خطاب کیا معزز القاب سے مخاطب فرمایا جیسے یایہا المدثر، یایہا المزمل پہلے آسمانی صحیفوں میں بھی آپ کا ذکر خیر فرمایا۔ تمام انبیاء اور ان کی اُمتوں سے وعدہ لیا کہ وہ آپ پر ایمان لے آئیں۔ آج دنیا کا کوئی آباد ملک ایسا نہیں جہاں روز و شب میں پانچ بار حضور کی رسالت کا اعلان نہ ہو رہا ہو۔

حضورؐ کے سوانح پر اپنوں اور بیگانوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں دنیا کے کسی نبی، مصلح، فاتح اور سلطان کے بارے میں نہیں لکھی گئیں۔ بے شمار اعلیٰ پایہ کے لوگوں نے حضور کریم کے ذکر پاک کو بلند کرنے کیلئے جس طرح اپنی زندگیاں، اپنی علمی قوتیں، روحانی لطافتیں، اپنا مال اور اپنے وسائل وقف کئے ہیں، کسی دوسرے کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے عشاق نے نثر و نظم میں انسانیت کو جو پاکیزہ ادب عطا فرمایا ہے اس کی نظیر بھی نہیں ملتی۔ لادینیت کے اس دور میں بھی آپ کا ذکر خیر کر کے اور آپ کے محاسن سُن کر کروڑوں دلوں کو جو سرور و فرحت نصیب ہوتی ہے اس کا جواب نہیں اپنے تو رہے ایک طرف، بیگانوں اور متعصب مخالفوں کو بھی بارگاہِ رسالت میں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔

اگر آپ اُن حالات کو پیش نظر رکھیں جن حالات میں یہ آیت نازل ہوئی اور پھر اس آیت کو پڑھیں تو اس کے پڑھنے کا لطف دو چند ہو جائے گا۔ ساری دنیا مخالف ہے، مکہ کے نامور سردار اور عوام چراغِ مصطفوی ﷺ کو بجھانے کے درپے ہیں۔ جس گلی سے گزرتے ہیں وہاں غلاظت کے ڈھیر لگا دیئے جاتے ہیں اور کانٹے بچھا دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہوتے ہیں تو مرے ہوئے اونٹ کا بوجھ اٹھا کر گردن مبارک پر لاد دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کون یہ تصور کر سکتا تھا کہ ان کا ذکر پاک دنیا کے گوشہ گوشہ میں بلند ہو گا، ان کے دین کی روشنی سے مہذب دنیا کا بہت بڑا علاقہ منور ہو گا اور اربوں انسان ان کے نام پر جان دینے کو اپنے لیے باعث سعادت تصور کریں گے۔ لیکن جو وعدہ مولا کریم نے اپنے برگزیدہ بندے اور محبوب رسول کے ساتھ کیا وہ پورا ہو کر رہا اور قیامت تک ذکر محمدیؐ کا آفتاب ضوفشانیاں کرتا رہے گا۔ اعلیٰ حضرت بریلویؒ نے کیا خوب فرمایا۔

مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے ۔۔۔ نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

آخری دو آیات کے بارے میں سید کرم شاہ لکھتے ہیں: جب تم ایک عبادت سے فارغ ہو جاؤ تو اس عبادت کی توفیق پر شکر ادا کرنے کیلئے دوسری ریاضت اور عبادت شروع کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اپنے رسول کریم پر فرمائی تھیں ان کا شمار کیا گیا اور جن نعمتوں سے مستقبل میں سرفراز کرنا تھا ان کا وعدہ کیا گیا اور اس کے بعد حکم دیا گیا کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرو اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی عبادت میں مشغول رہا کرو۔

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابنِ عباسؓ سے اس کا یہ مفہوم نقل کیا ہے عن ابن

عباس انہ قال ای اذا فرغت من الصلوٰۃ فانصب فی الدعاء۔ یعنی جب آپ نماز ادا کرنے سے فارغ ہو جائیں تو بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگنا شروع کر دیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ بندہ مومن کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس کے سارے اوقات یا تو عبادت الٰہی میں مستغرق رہیں یا دنیا کے ضروری کاروبار سے جونہی فرصت ملے' خداوندِ کریم کے ذکر میں مشغول ہو جائے۔ بندۂ مومن کا بیکار بیٹھے رہنا یا فضول مشاغل میں کھوئے رہنا بڑی بے عقلی اور نادانی ہے۔ یہاں انہوں نے حضرت فاروقِ اعظمؓ کا ایک پُر از حکمت ارشاد نقل کیا ہے۔ اسے پیش خدمت کرتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ آپ اسے خوبصورت لکھ کر ایسی جگہ آویزاں کریں گے جہاں اکثر آپ کی نظر پڑتی ہے۔

انی لاکرہ ان اری احدکم فارغاسبھلَلاً لا فی عمل دنیأ ولا فی عمل آخرتہ (روح المعانی)

یعنی میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں کہ تمہیں نکما بیٹھے ہوئے دیکھوں۔ نہ تم دنیا کا کوئی کام کر رہے ہو اور نہ تم اپنی آخرت کو سنوار رہے ہو۔

آپ نے فارغ کے ساتھ **سبھلل** کا وزنی اور رعب دار لفظ استعمال فرمایا ہے اور خود ہی اس کی تشریح بھی فرما دی ہے۔ بیکار' نکما جسے نہ دنیا کی فکر نہ عاقبت کا اندیشہ' ہاتھ پر ہاتھ دھرے صبح سے شام تک وقت ضائع کرتا رہتا ہے۔ یہی فاروقی تربیت تھی جس کی برکت سے امت مسلمہ نے چند سالوں میں مشرقی اور مغربی عالمی طاقتوں پر فتح حاصل کی تھی اور اپنی عظمت کے پرچم گاڑ دیئے تھے۔ جس بے دردی سے آج ہم اپنے قیمتی وقت برباد کرتے ہیں' جس سنگدلی سے ہم اپنے شخصی اور ملی فرائض کی ادائیگی میں کاہلی اور بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتے ہیں انہیں دیکھ کر خون کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔

- ''آپ پڑھیئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے سب کو پیدا فرمایا اُسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' **(96۔العلق:51)**
- بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد وحساب عطا کیا۔ **(108۔الکوثر:1)**

علمائے تفسیر نے اس آیت کے مختلف ترجمے اور مختلف شرحیں کی ہیں:

مولانا امین احسن اصلاحی نے لکھا: ''ہم نے تم کو بخشا کوثر''۔۔۔کوثر مبالغہ ہے کُثر'' کا جس کے معنی ہیں دولت و ثروت کے' اس لئے کوثر کے معنی ہوں گے بڑی کثرت اور بڑی برکت و ثروت

والا نیز ہر وہ چیز جس میں خیر کثیر ہو۔ حضرت عائشہؓ ' حضرت ابن عباسؓ ' حضرت ابن عمرؓ ' حضرت انسؓ ' مجاہدؒ اور ابوالعالیہ نے کوثر سے مراد خیر کثیر لیا ہے (قرآن میں ایک اور جگہ حکمت کو خیر کثیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مؤلف)۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے لکھا: ''(اے نبیؐ) ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا''۔۔۔ کوثر کا لفظ یہاں جس طرح استعمال کیا گیا ہے اس کا پورا مفہوم ہماری زبان تو درکنار شائد دنیا کی کسی زبان میں بھی ایک لفظ سے ادا نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ معنی بے انتہا کثرت کے نہیں۔۔۔ لیکن یہاں محض کثرت نہیں بلکہ خیر اور بھلائی اور نعمتوں کی کثرت سے ہے۔۔۔ علاوہ ازیں اس سے مراد میدانِ حشر میں حضورؐ کی تحویل میں آنے والا حوضِ کوثر اور جنت میں عطا ہونے والی نہر کوثر بھی ہے۔

حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیرؒ نے لکھا: ''بیشک ہم نے آپ کو کوثر (اور ہر خیر کثیر) عطا فرمائی ہے'' حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ کوثر سے مراد وہ بھلائی اور خیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عطا فرمائی ہے۔ کوثر ماخوذ کثرت سے جس سے مراد خیر کثیر ہے۔ جس میں حوضِ جنت بھی شامل ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں نبوت' قرآن' ثواب' آخرت کوثر ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں: اہل لغت نے لکھا ہے کہ کوثر بروزن فوعل کثرت سے مشتق ہے' جو چیز تعداد میں زیادہ یا مرتبہ اور قدر میں بڑی ہو عرب اس کو کوثر کہتے ہیں اسی کی تائید کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول کہ کوثر سے مراد وہ چیز جو اللہ نے اپنے رسولؐ کو عطا فرمائی اور حوضِ کوثر' الکوثر (نعمت کثیرہ) کا ایک حصہ ہے۔ حوض کوثر کا تذکرہ کچھ اوپر پچاس صحابہ بشمول چاروں خلفائے راشدینؓ نے کیا ہے۔

تمام عزت و وقار اللہ' رسولؐ مومنین کیلئے ہے:

o ''حالانکہ (ساری) عزت تو صرف اللہ کیلئے' اس کے رسولؐ کیلئے اور مومنین کیلئے ہے مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں۔'' (63۔المنٰفقون:8)

(منافقین عزت کا معیار خوبصورت لباس' لذیذ کھانوں اور رہنے کیلئے محلات کو سمجھتے ہیں اور اسی بنیاد پر لوگوں کو محترم و مکرم شمار کرتے ہیں)

حضورؐ سے محبت اور اس کے تقاضے:

o (اے حبیبؐ!) ''آپ فرمایئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی

اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار' اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو' زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اُس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے"(9۔التوبہ:24)

حافظ ابن کثیرؒ 'اس آیت کی تشریح میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں: صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کا ہاتھ آپؐ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں بجز میری اپنی جان کے۔ حضورؐ نے فرمایا: اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے تم میں سے کوئی مومن نہ ہو گا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز نہ رکھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا' خدا کی قسم اب آپ کی محبت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ آپؐ نے فرمایا اب اے عمرؓ (تو مومن ہو گیا)۔ گویا معلم کاملؐ نے ایک نگاہ میں حضرت عمرؓ کی حالت بدل دی اُدھر حضرت عمرؓ فاروق جیسا مرید تھا تو مدارج کو طے کرنے میں دیر کیونکر ہوتی؟۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے۔۔۔ آپؐ فرماتے ہیں جب تم عین کی خرید و فروخت کرنے لگو گے اور گائے بیل کی دمیں تھام لو گے اور جہاد چھوڑ دو گے۔ اللہ تعالیٰ تم پر ذلت ڈال دے گا وہ دور نہ ہو گی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ۔"

سید مودودیؒ (تفہیم القرآن' جلد دوم صفحہ 185 پر) اس آیت کے آخری حصہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ" انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے (حَتّٰی یَاتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ) کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ہٹا کر سچی دینداری کی نعمت اور اس کی علمبرداری کا شرف اور رشد و ہدایت کی پیشوائی کا منصب کسی اور گروہ کو عطا کر دے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ تدبر قرآن جلد سوم کے صفحہ 142-143 پر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: انسان کی تمام محبوبات میں سے ایک ایک چیز گنا کر فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی کسی کو اللہ اور رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز و محبوب ہو تو وہ اللہ کے فیصلے کا انتظار کرے۔۔۔ گویا کہ دھمکی ہے اور سخت دھمکی۔

جسٹس سید کرم شاہ الازہریؒ ضیاء القرآن کی جلد دوم کے صفحات 190-191 پر اس اہم آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں ہر طرح کے بندھنوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن میں انسان اپنے

آپ کو اپنی فطرت اور ضرورت کے باعث بندھا ہوا پاتا ہے۔ ماں باپ کی محبت اپنی اولاد سے اور اولاد کی اپنے ماں باپ سے، بھائی بہنوں کی باہمی الفت میاں بیوی کا گہرا تعلق یہ سب انسانی فطرت کے تقاضے ہیں۔ مال، کاروبار اور مکانات وغیرہ سے انسان کا لگاؤ اس لیے ہے کہ وہ زندگی بسر کرنے اور اسے عزت و آرام سے گزارنے میں ان کا محتاج ہے۔ دین اسلام کیونکہ دینِ فطرت ہے وہ انسان کے طبعی تقاضوں اور اس کی ضروریات کا مناسب خیال رکھتا ہے اس لیے اس نے یہ حکم نہیں دیا کہ سرے سے یہ محبت کے رشتے توڑ ڈالے جائیں اور ان چیزوں کی طرف سے بالکل توجہ ہی ہٹالی جائے۔ لیکن کیونکہ انسانی زندگی کی غرض و غایت صرف انہی چیزوں تک محدود نہیں بلکہ ان سے بہت آگے اور بہت بلند ہے اس لیے انسان کو انہی تعلقات اور انہی اشیاء میں کھو جانے سے روکا ہے اور حکم دیا کہ بیشک ان اشیاء سے محبت و پیار کرو لیکن صرف اس حد تک جبکہ یہ چیزیں تمھاری روحانی ترقی میں حائل نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی محبت اور عشق سے نہ ٹکرائیں۔ ایثار و شہادت کے میدان میں جانے سے تمہارا راستہ نہ روکیں۔ اگر کبھی ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو پھر ان تعلقات کو اور ان چیزوں کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے آگے نکل جاؤ۔ تب تم اپنے آپ کو ایماندار کہلانے کے حقدار ہو۔ بعض علماء نے یہاں محبت طبعی اور اختیاری کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاں تک انسان کا اختیار ہے وہ اللہ اور رسولؐ سے زیادہ محبت کرے اور اگر بلا اختیار وہ کسی اور سے زیادہ محبت کرے تو ہرج نہیں۔ لیکن حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان ہی کیا ہے جس کی طبعیت شریعت اسلامی کی پابند نہ ہو۔ چنانچہ حدیثِ پاک میں بھی صراحۃً موجود ہے کہ جب تک اللہ کا رسولؐ ماں و باپ، اولاد اور ہر چیز سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہو اس وقت تک انسان مومن نہیں ہو سکتا۔ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احبّ الیہ من والدہٖ و ولدہٖ والناس اجمعین۔** اس کے بعد علامہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ یہ نعمت بجز اولیاء کاملین کی صحبت کے نصیب نہیں ہو سکتی۔ سچ تو یہ ہے کہ ایمان کا لطف ہی تب آتا ہے جب دل میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا عشق شعلہ زن ہو۔ اس وقت یہ ساری زنجیریں خود بخود پگھل جاتی ہیں اور سارے حجاب تار تار ہو جاتے ہیں۔ ماں باپ اپنے بچوں کے تڑپتے ہوئے لاشے دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں۔ عورتیں اپنے شوہروں کے سر بریدہ جسم دیکھ کر سجدۂ شکر ادا کرتی ہیں اور بہنیں دعائیں مانگتی ہیں کہ اے اللہ العٰلمین ہمارے ماں جائے کو شہادت نصیب فرمانا۔ اس وقت نہ رات

کو نیند ستاتی ہے اور نہ دن کو تھکن محسوس ہوتی ہے۔ حضرت رابعہ بصریہؒ کے یہ شعر پڑھیے اور اہل عشق ومحبت کی بے تابیاں ملاحظہ فرمایئے:۔

احبك حبين حب الهوى　　وحبا لانك اهل لذا کا
فـامـا الذى هو حب الهوى　　فشيئ شغلت به عن سوا کا
وامـا الـذى انـت اهل لـه　　فكشفك لى الحجب حتى ار کا

(المنار)

ترجمہ: (۱) اے مولا! میں تجھ سے دوہری محبت کرتی ہوں۔ ایک تو یہ کہ تو میرا محبوب ہے۔ دوسری یہ کہ تو اس قابل ہے کہ تجھ سے محبت کی جائے۔ (۲) پہلی محبت نے تو مجھے ماسوا سے بے خبر کر دیا ہے۔ (۳) دوسری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ حجاب سرک جائیں اور چشم شوق لذت دید حاصل کر لے۔

فتح کیلئے حضورؐ کے وسیلہ سے دعا:

o　''اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبیؐ کے وسیلہ سے) تو جب تشریف فرما ہوا اُن کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اُس کے ماننے سے۔ سو پھٹکار ہو اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر''۔ (2۔البقرۃ:89)

جسٹس پیر کرم شاہ الازہریؒ ضیاء القرآن کی جلد اول کے صفحہ 74 پر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہود کی ہٹ دھرمی اور دانستہ کفر کی ایک اور مثال بیان فرمائی جا رہی ہے حضور کریم ﷺ کی تشریف آوری سے پیشتر یہود کا شعار تھا کہ جب کبھی کفار ومشرکین سے ان کی جنگ ہوتی اور ان کی فتح کے ظاہری امکانات ختم ہو چکتے تو اُس وقت تورات کو سامنے رکھتے اور وہ مقام کھول کر جہاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صفات وکمالات کا ذکر ہوتا وہاں ہاتھ رکھتے اور ان الفاظ سے دعا کرتے۔ **اللهم انا نسئلك بحق نبيك الذى وعدتنا ان تبعثه فى آخر الزمان ان تنصر نا اليوم على عدونا فينصرون۔** (روح المعانی۔القرطبی وغیرہ)

اے اللہ ہم تجھے تیرے اُس نبی کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں جس کی بعثت کا تو نے

ہم سے وعدہ کیا ہے آج تک تم جس کا نام لے کر جیتے رہے اور جس کی برکت سے فتحیاب ہوتے رہے جب میرا وہ رسولؐ اور محبوبؐ اور تمہارا نجات دہندہ تشریف فرما ہوا تو اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ تف ہے ایسے تعصب پر۔ حیف ہے ایسی حب جاہ و مال پر!''

سیّد مودودی 'تفہیم القرآن جلد اوّل کے صفحہ 93 پر مذکورہ آیت کا ترجمہ اس طرح سے کرتے ہیں: ''اور اب ایک جو کتاب' اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے' اس کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے؟ باوجود یکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی' باوجود یکہ اس کی آمد سے پہلے (ظاہر ہے آمد نبی مکرمؐ مراد ہے) وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے مگر جب وہ نعمت و ہدایت آ گئی' جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اُسے ماننے سے انکار کر دیا۔ خدا کی لعنت ان منکرین پر''۔ سیّد مودودی اس آیت کی تفسیر یوں لکھتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے یہودی بے چینی کے ساتھ اُس نبیؐ کے منتظر تھے جس کی بعثت کی پیشین گوئیاں ان کے انبیاء نے کی تھیں۔ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ آئے تو کفار کا غلبہ مٹے اور پھر ہمارے عروج کا دور شروع ہو۔ خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثتِ محمدیؐ سے پہلے یہی ان کے ہمسایہ یہودی آنے والے نبی کی امید پر جیا کرتے تھے اور ان کا آئے دن کا تکیۂ کلام یہی تھی کہ ''اچھا' اب تو جس جس کا جی چاہے ہم پر ظلم کر لے' جب وہ نبی آئے گا تو ہم ان سب ظالموں کو دیکھ لیں گے''۔ اہل مدینہ یہ باتیں سنے ہوئے تھے' اسی لیے جب انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ دیکھنا' کہیں یہ یہودی تم سے بازی نہ لے جائیں۔ چلو' پہلے ہم ہی اس نبی پر ایمان لے آئیں۔ مگر ان کیلئے یہ عجیب ماجرا تھا کہ وہی یہودی' جو آنے والے نبی کے انتظار میں گھڑیاں گن رہے تھے' اس کے آنے پر سب سے بڑھ کر اس کے مخالف بن گئے۔

اور یہ جو فرمایا کہ ''وہ اس کو پہچان بھی گئے'' تو اس کے متعدد ثبوت اُسی زمانے میں مل گئے تھے۔ سب سے زیادہ معتبر شہادت اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ کی ہے' جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور ایک دوسرے عالم کی بھتیجی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے' تو میرے باپ اور چچا دونوں آپ سے ملنے گئے۔ بڑی دیر تک آپ سے گفتگو کی۔ پھر جب گھر آئے' تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے سنا:

چچا: کیا واقعی یہ وہی نبی ہے' جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟

والد: خدا کی قسم ہاں۔
چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے؟
والد: ہاں۔
چچا: پھر کیا ارادہ ہے؟
والد: جب تک جان میں جان ہے اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات نہ چلنے دوں گا۔(ابن ہشام جلد دوم صفحہ۔165۔طبع جدید)''

o اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔(5۔المائدہ:35)

صاحب ضیاء القرآن (جلد اول صفحہ۔466پر) اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:
ابن منظور لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **الوسیلة فی الاصل مایتوصل به الی الشیئ و یتقرب به الیه (لسان العرب)** یعنی جس چیز کے ذریعے کسی تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل ہو اُسے وسیلہ کہتے ہیں۔ **والوسیلة کل مایتقرب به (کشاف)**۔ ایمان' نیک اعمال' عبادات' پیروی سنت اور گناہوں سے بچنا یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں اور مرشد کامل جو اپنی روحانی توجہ سے اپنے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے۔ دل میں یادالٰہی کی تڑپ پیدا کر دے اس کے وسیلہ ہونے میں کون شبہ کرسکتا ہے۔ کاملینِ اُمت نے ایسے مرشد کی تلاش میں سینکڑوں' ہزاروں کوس کی مسافت کو پاپیادہ طے کیا ہے۔ اور ان کی رہنمائی اور دستگیری سے آسمانِ معرفت و حکمت پر مہر و ماہ بن کر چمکے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے (قول جمیل صفحہ 32) اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ اسمٰعیل صاحب دہلوی کو بھی لکھنا پڑا۔''اہل سلوک ایں آیت را اشارت بسلوک مے فہمند و وسیلہ مرشد را مے دانند پس تلاش مرشد بنا بر فلاح حقیقی و فوزِ تحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری ست و سنت اللہ برہمیں منوال جاریست لہٰذا بدون مرشد راہ یابی نادر است۔''(صراط مستقیم) یعنی سالکانِ راہ حقیقت نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے پس حقیقی کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کیلئے مجاہدہ و ریاضت سے پہلے تلاش مرشد ازبس ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے سالکانِ راہ حقیقت کے لئے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ اسی لیے مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ و نادر ہے۔

مولوی ہر گز نشد مولائے روم　　تا غلام شمس تبریزی نشد (رومیؒ)

دم عارف نسیم صبحدم ہے　　اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیبؑ آئے میسر　　شبانی سے کلیمی دو قدم ہے (اقبالؒ)

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے تقویٰ اختیار کرنے' وسیلہ تلاش کرنے کے علاوہ ہر دم مصروف جہاد رہنا بھی ضروری ہے جہادِ اصغر بھی اور جہاد اکبر بھی۔ کفار سے بھی اور نفس امارہ سے بھی۔ اور ان تمام نظریات اور افکار سے بھی جو کسی حیثیت سے اسلامی عقائد اور مسلمات سے ٹکراتے ہیں۔ تب جا کر فلاح و کامرانی نصیب ہو گی۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم　　کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را (اقبالؒ)

سید مودودی تفہیم القرآن جلد اوّل (صفحہ 466 پر) وسیلے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ہر اُس ذریعے کے طالب اور جویاں رہو جس سے تم اللہ کا تقرب حاصل کر سکو اور اس کی رضا کو پہنچ سکو"۔

مولانا امین احسن اصلاحی: (تدبر قرآن جلد دوم صفحہ 281, 282 پر) لکھتے ہیں: ترجمہ آیت: "اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور اسی کے تقرب کے طالب بنو اور اس کی راہ میں سرگرم رہنا ہی دراصل خدا کے ہاں کام آ سکتا ہے اور آخرت کی پکڑ سے بچا سکتا ہے۔

حضورؐ کی شفاعت کے حقدار

o　"وہ دن جب ہم اکٹھا کریں گے پرہیز گاروں (وفدِ) کو رحمٰن کے حضور میں (معزز و مکرم مہمان بنا کر) اور اُس روز ہانک کر لائیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح (86) انہیں کوئی اختیار نہیں ہو گا شفاعت کا بجز اُن کے جنہوں نے اللہ اور رحمٰن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے (87)" (19۔مریم)

(صاحب ضیاء القرآن جسٹس پیر کرم شاہ آیت مبارکہ کی تفسیر میں جلد سوم کے صفحات 97-98 پر رقمطراز ہیں:

قیامت کے دن اہل ایمان کو جس عزت و تکریم سے بارگاہِ الٰہی میں حاضری نصیب ہو گی اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ وفد جمع ہے اس کا واحد وافد ہے جیسے صحب" کا صاحب اور بعض اہلِ لغت کی رائے میں یہ وافدین کا اسم ہے (قرطبی) اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے وفداً ای رکباناً علی نجائب طاعتھم یعنی وہ اپنی طاعتوں کی سواریوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے عمرو بن القیس نے کہا کہ جب

مومن قبر سے اُٹھے گا تو اس کا عمل ایک خوبرو انسان کی شکل میں اس کا استقبال کرے گا۔ اور اس کا جسم خوشبو سے مہک رہا ہوگا۔ وہ اس مومن سے پوچھے گا کیا تم نے مجھے پہچانا۔ وہ کہے گا نہیں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری شکل دلآویز بنائی ہے اور تیری مہک عطر بیز ہے۔ وہ کہے گا میں تیرا عمل صالح ہوں۔ دنیا میں تجھ پر سوار رہا۔ آج میں تجھ کو کندھوں پر اٹھانے کیلئے آیا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میرے پروردگار نے مجھے میری امت سے ستر ہزار ایسے عطا فرمائے جو جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا اچھا ہوتا اگر آپ اس سے زیادہ کے متعلق سوال کرتے۔ رؤف ورحیم آقا نے فرمایا اے عمر میں نے زیادہ کیلئے درخواست کی اور مجھے میرے رب نے اس قدر عطا فرمایا۔ اس قدر کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کھول دیا اور اپنے دونوں بازوؤں کو کشادہ کر دیا اور کلاوہ بھرا۔ ہشام کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو اس نے اپنے محبوب کو دیا۔ اور اس کی تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔ (روح المعانی) عمر بن حزم انصاری سے مروی ہے کہ تین دن تک رسول کریمؐ کا یہ معمول رہا کہ صرف نماز پنجگانہ کیلئے تشریف لاتے اور پھر خلوت نشین ہو جاتے چوتھے دن حضورؐ حسبِ معمول تشریف لائے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ حضورؐ تین دن تک ہم سے الگ تھلگ رہے یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کوئی حادثہ وقوع پذیر ہو گیا۔ آقا ومولیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ''اے میرے صحابہ فکر واندیشہ کی کوئی بات نہیں۔ بڑا دل خوش کن واقعہ ہوا ہے۔ میرے رب نے میرے ساتھ یہ وعدہ فرمایا کہ میری امت سے ستر ہزار آدمی کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔ میں اپنے رب سے تین دن تک اس تعداد میں اضافے کی التجا کرتا رہا۔ پس میں نے اپنے پروردگار کو بڑا عظیم اور کریم پایا اور اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار کے علاوہ ان میں سے ہر ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار عطا فرمایا۔ (روح المعانی)۔

یا رب تو کریمی و رسولِ تو کریم   صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

العہد کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ قرطبی نے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریمؐ کو اپنے صحابہ سے کہتے سنا کہ کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ ہر صبح وشام اپنے رب کے پاس ایک عہد لو۔ صحابہؓ نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسولؐ وہ کس طرح؟ حضورؐ نے فرمایا کہ صبح وشام یہ کہے:

''اللهم فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة انى اعهد اليك فى هذه الحيوة بانى اشهدان لا اله الا انت وحدك لا

شریک لک وان محمداً عبدک الرسولک فلا تکلنی الٰی نفسی فانک ان تکلنی الٰی نفسی تباعدنی من الخیر وتقربنی الٰی الشر واتی لا اثق الابرحمتک فاجعل لی عندک عهدا توفینیه یوم القیامة انک لا تخلف المیعاد"۔

ترجمہ: اے اللہ تعالیٰ! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! اے غیب (پوشیدہ) اورشہادت (ظاہر) کو جاننے والے میں تیرے پاس اس زندگی میں ایک اپنا عہد رکھتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود بغیر تیرے۔ تو ایک ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں۔ (میرے آقا و مولیٰ) محمد مصطفےٰ ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسولؐ ہیں۔ مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر۔ کیونکہ اگر تو مجھے میرے نفس کے حوالے کردیگا تو وہ مجھے خیر سے دور اور شر کے قریب کردے گا۔ اور میں تیری رحمت کے بغیر کسی چیز پر بھروسہ نہیں کرتا۔ میرے اس اقرار کو بطور عہد نامہ محفوظ فرما اور قیامت کے دن مجھے وہ عطا کر۔ بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا"۔

جو شخص یہ کہے گا اللہ تعالیٰ اس پر مہر لگا کر عرش کے نیچے رکھ دیگا اور جب قیامت کا دن ہوگا تو منادی کرے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اللہ تعالیٰ کے پاس عہد ہے پس وہ آدمی کھڑے ہوں گے اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

حضورؐ سے مقام محمود پر فائز فرمانے کا وعدہ:

o "یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر" (17۔الاسراء:79)

صاحب ضیاء القرآن جلد دوم صفحات 678 تا 679 پر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مقام محمود کی وضاحت فرماتے ہوئے خود نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **هوالمقام الذی اشفع فیه الامتی** یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ امام مسلم نے حضرت ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ ایک روز غمگسارِ عاصیاں اور چارہ سازِ بیکساں ﷺ نے حضرت خلیلؑ کے اس قول کو پڑھا"۔ **رب انهن اضللن کثیر امن الناس فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی فانک غفور رحیم**۔ (اے رب ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے جنہوں نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہونگے۔ اور جنہوں نے میری نافرمانی کی تو تو غفور رحیم ہے پھر حضرت عیسیٰؑ کے اس جملہ کو دہرایا۔ "اگر تو اُن کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں بخش دے تو تو ہی عزیز وحکیم ہے"۔

پھر حضورؐ نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور عرض کی۔ ''اے میرے رب میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے''۔ پھر حضورؐ زاروقطار رونے لگے۔ اللہ نے فرمایا: **یا جبرئیل اذھب الی محمد فقل لہ انا سنرضیک فی امتک ولا نسوئک** ۔ اے جبریل میرے محبوب کے پاس جاؤ اور جا کر میرا پیغام دو۔ اے حبیب ہم تجھے تیری اُمت کے بارے میں راضی کریں گے۔ اور آپ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔

روزِ حشر جب ہر دل پر خوف و ہراس طاری ہوگا جلالِ خداوندی کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی۔ بڑے بڑے شجاع اور زورآور اور سرکش مارے خوف کے پانی پانی ہو رہے ہوں گے۔ ساری خلق خدا آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت کلیم تک کا دروازہ کھٹکھٹائے گی لیکن کہیں شنوائی نہ ہوگی۔ آخر کار حضرت عیسیٰؑ کے پاس پہنچے گی اور ان سے شفاعت کی ملتجی ہوگی۔ آپ جواب دینگے کہ میں خود تو آج لب کشائی کی جسارت نہیں کر سکتا۔ ہاں تمہیں ایک کریم کا آستاں بتاتا ہوں جس پر حاضر ہونے والا کبھی نامراد واپس نہیں لوٹا۔ جاؤ! اللہ تعالیٰ کے محبوب محمد مصطفےٰ ﷺ کے پاس اور وہاں جا کر عرض حال کرو۔ چنانچہ سب بارگاہِ محبوب کبریا ﷺ میں حاضر ہونگے اور اپنی داستانِ غم پیش کرینگے۔ حضورؐ سن کر فرمائیں گے۔ انالھا۔ انالھا۔ ہاں میں تمہاری دستگیری کے لئے تیار ہوں۔ حضور عرشِ عظیم کے قریب پہنچ کر سجدہ میں گر جائیں گے۔ اپنی پاک اور مطہر زبانِ نور سے سبّوح و قدوس رب کی حمد و ثناء کرینگے۔ ادھر سے آواز آئے گی۔ **یا محمد ارفع راسٔک قل تسمع اسٔل تعط اشفع تشفع** ۔ اے سراپا خوبی و زیبائی! اپنے سر مبارک کو اٹھاؤ۔ کہو تمہاری بات سنی جائے گی۔ تم مانگتے جاؤ ہم دیتے جائیں گے۔ تم شفاعت کرتے جاؤ۔ ہم شفاعت قبول فرماتے جائینگے۔ اس طرح شفاعت حبیب سے اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کا دروازہ کھلے گا۔

علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے قاضی ابوالفضل عیاض سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ پرنور سرورعالمیاں پانچ شفاعتیں فرمائینگے۔

۱۔ شفاعتِ عامہ جس سے مومن اور کافر اپنے بیگانے سب مستفیض ہوں گے۔

۲۔ بعض خوش نصیبوں کیلئے بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کی شفاعت فرمائیں گے۔

۳۔ وہ موحد جو اپنے گناہوں کے باعث عذابِ دوزخ کے مستحق قرار پا جائیں گے۔ حضورؐ کی شفاعت سے بخش دیئے جائیں گے۔

۴۔ وہ گنہگار جنہیں دوزخ میں پھینک دیا جائیگا حضور شفاعت فرما کر ان کو وہاں سے نکالیں گے۔

۵۔ اہلِ جنت کے مدارج میں ترقی کیلئے سفارش فرمائیں گے۔

خود سوچیئے جس کا دامنِ کرم سب کو ڈھانپے ہوگا۔ جس کی محبوبیت کا ڈنکہ ہر جگہ بج رہا ہوگا۔ جس کی جلالت شان اپنے بھی دیکھیں گے اور بیگانے بھی۔ ایسے میں کونسا دل ہوگا جو اس محبوب کی عظمت کا اعتراف نہ کرے گا اور کونسی زبان ہوگی جو اس کی تعریف وتوصیف میں زمزمہ سنج نہ ہوگی۔

یہاں بتایا جارہا ہے کہ اے مکہ کے باشندو! تم جس کی راہ میں کانٹے بچھانا اپنا مقدس فرض سمجھتے ہو جسے طرح طرح سے اذیت دے کر اپنی تفریح کا سامان کرتے ہو۔ طرح طرح کے شکوک وشبہات میں گرفتار ہو کر میرے برگزیدہ بندے کی جلالت شان کا انکار کرتے ہو۔ اس کی حقیقت سے پردہ تب اٹھے گا جب داورِ محشر عزت وجلال کے عرش پر متمکن ہو کر ہر چیز کو اپنے دربار میں جوابدہی کیلئے طلب فرمائے گا۔ چنانچہ حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ حضور پُر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا: **انا سیدولد آدم یوم القیامۃ ولافخر و بیدی لواء الحمد و لافخر وما من نبی یومئذٍ آدم ومن سواہ الاتحت لوائی**۔ (ترمذی شریف)

یعنی قیامت کے دن ساری اولادِ آدم کا سردار میں ہوں گا۔ حمد کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا۔ سارے نبی میرے پرچم کے نیچے جمع ہونگے۔ یہ ساری باتیں اظہارِ حقیقت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ فخر ومباہات مقصود نہیں۔ (ترمذی)

علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ نے ستائیس صحابہ سے حدیث شفاعت مروی ہونے کی تصدیق کی ہے۔ لیکن ان صریح احادیث صحیحہ کے باوجود معتزلہ اور خوارج نے شفاعت کا انکار کیا۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔ یہ حدیث متواتر ہے۔ پس بڑا بدبخت ہے وہ آدمی جو شفاعت کا منکر ہے۔ **قالَ السیوطی ھذاحدیث متواتر فتعس من انکر الشفاعۃ** ۔امام بخاری اور مسلم نے حضرت فاروقِ اعظم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا: **انہ سیکون فی ھذا الامۃ قوم یکذبون بعذاب القبر ویکذبون بالشفاعۃ** ۔کہ اس امت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو عذاب قبر کی بھی تکذیب کریں گے اور شفاعت کا بھی انکار کریں گے۔ آج سے پہلے بھی اس کا انکار معتزلہ اور خارجیوں نے کیا اور آج بھی ایک طبقہ بڑی شدومد سے اس کا منکر ہے اور جب دلائل صحیحہ کے باعث انکار نہیں کر سکتے تو شفاعت کا ایسا مفہوم

بیان کرتے ہیں جس میں شانِ مصطفےٰ کا انکار پایا جاتا ہے۔ لیکن انہیں یہ جسارت کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جو آج شفاعت کا انکار کرے گا وہ کل اس سے محروم کر دیا جائے گا۔

صاحب تفہیم القرآن جلد دوم کے صفحہ 637 پر لکھتے ہیں: قیامت کے روز نبی ﷺ کا مقام شفاعت پر کھڑا ہونا بھی اسی مرتبہ محمودیت کا ایک حصہ ہے۔

انبیاءؑ کا آپؐ کی طرف رجوع

مقامِ محمود اور احادیث شفاعت کی تفصیلات

حافظ ابن کثیر (جلد سوم 292 تا 295 پر) سورہ مریم کی شفاعت سے متعلق آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مقامِ محمود جس کا ذکر اللہ عزوجل نے اس آیت میں کیا ہے پس یہ مقام مقامِ شفاعت ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے زمین سے آپؐ باہر آئیں گے اور سب سے پہلے شفاعت آپؐ ہی کریں گے۔ اہل علم کہتے ہیں کہ یہی مقام محمود ہے۔ جس کا وعدہ اللہ کریم نے اپنے رسول مقبولؐ سے کیا ﷺ بے شک حضورؐ کی بہت سی بزرگیاں قیامت کے دن ایسی ہوں گی، جن میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں اور بہت سی بزرگیاں ایسی ملیں گی جن میں کوئی آپ کی برابری کا نہیں۔ لوگ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، اور حضرت عیسیٰؑ کے پاس ہو آئیں گے اور سب انکار کر دیں گے۔ پھر آپؐ کے پاس آئیں گے اور آپ اس کیلئے تیار ہوں گے۔ آپؐ ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جن کی بابت حکم ہو چکا ہوگا: انہیں جہنم کی طرف لے جائیں۔ پھر وہ آپؐ کی شفاعت سے واپس لوٹا دیئے جائیں گے۔ سب سے پہلے آپؐ کی اُمت کے فیصلے کئے جائیں گے آپؐ ہی اپنی امت سمیت سب سے پہلے پُل صراط سے پار ہوں گے۔ آپؐ ہی جنت میں لے جانے کیلئے پہلے سفارشی ہوں گے جیسے صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں لوگ قیامت کے دن گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی کہ اے فلاں ہماری شفاعت کیجئے یہاں تک کہ درخواست کی انتہاء محمد ﷺ کی طرف ہوگی پس یہی وہ لمحۂ نازک ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پر کھڑا کرے گا۔

بخاری میں ہے جو شخص اذان سن کر اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعوۃِ التَّامَّۃِ پڑھ لے اس کیلئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہے۔ مسند احمد میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں

قیامت کے دن میں نبیوں کا امام ان کا خطیب اور ان کا سفارشی ہوں گا۔ میں یہ کچھ بطور فخر کے نہیں کہتا۔ حضرت اُبی بن کعبؓ کہتے ہیں حضور فرماتے ہیں: ''میں نے کہا خدایا میری امت کو بخش' الٰہی میری امت کو بخش۔ تیسری دعا میں نے اس دن کیلئے اٹھا رکھی ہے۔ جس دن تمام مخلوق میری طرف رغبت کرے گی یہاں تک کہ ابراہیمؑ بھی۔ پس وہ سب میرے پاس آئیں گے میں کھڑا ہوں گا اپنے رب سے اجازت چاہوں گا جب اُسے دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا جب تک اللہ کو منظور ہوگا میں سجدے میں ہی رہوں گا۔ پھر فرمایا جائے گا۔ اے محمدؐ سر اٹھایئے کہیے سنا جائے گا۔ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔ مانگیئے دیا جائیگا۔ پس میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ تعریفیں کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں سفارش پیش کروں گا۔ میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں جنت میں پہنچا آؤں گا۔ پھر دوبارہ جناب باری میں حاضر ہو کر اپنے رب کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑوں گا جب تک وہ چاہے گا مجھے سجدے میں ہی رہنے دے گا۔ پھر کہا جائے گا کہ اے محمدؐ! سر اٹھاؤ' کہو سنا جائے گا' سوال کرو دیا جائے گا' شفاعت کروں گا تو میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انہیں بھی جنت میں پہنچا آؤں گا۔ پھر تیسری مرتبہ لوٹوں گا' اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک وہ چاہے گا اسی حالت میں پڑا رہوں گا۔ پھر فرمایا جائیگا کہ اے محمدؐ! سر اٹھا' بات کر سنی جائے گی' سوال کر عطا فرمایا جائے گا' سفارش کر قبول کی جائے گی چنانچہ میں سر اٹھا کر اور حمد بیان کر کے جو مجھے وہ سکھائے گا سفارش کروں گا۔ پس میرے لیے حد بندی کی جائے گی میں انہیں بھی جنت میں پہنچا آؤں گا پھر چوتھی بار واپس آؤں گا اور کہوں گا باری تعالیٰ اب تو صرف باقی وہی رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک لیا ہے۔ فرماتے ہیں جہنم میں سے ہر وہ شخص نکل آئے گا جس نے **لا الہ الا اللّٰہ** کہا ہو اور اُس کے دل میں ایک ذرے کے برابر ایمان ہو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے۔ آپ فرماتے ہیں میری اُمت پل صراط سے گزر رہی ہوگی میں وہیں کھڑا دیکھ رہا ہوں گا کہ میرے پاس حضرت عیسیٰؑ آئیں گے اور فرمائیں گے اے محمد ﷺ انبیاء کی جماعت آپ سے کچھ مانگتی ہے وہ سب آپ کیلئے جمع ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تمام اُمتوں کو جہاں بھی چاہے الگ الگ کر دے اس وقت وہ سخت غم میں ہیں تمام مخلوق پسینوں میں شرابور ہے' گویا لگام چڑھا دی گئی ہے مومن پر تو وہ مثل زکام کے ہے لیکن کافر پر تو موت کی صورت ہے۔ آپؐ فرمائیں گے کہ ٹھہریئے! وہیں آتا ہوں' پس آپؐ جائیں گے عرش تلے کھڑے رہیں گے اور وہ عزت و آبرو ملے گی کہ کسی

برگزیدہ فرشتے اور کسی بھیجے ہوئے نبی رسول کو نہ ملی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیلؑ کی طرف وحی کرے گا کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپؐ سر اٹھائیے، مانگیے ملے گا، سفارش کیجئے قبول ہوگی؛ پس مجھے اپنی امت کی شفاعت ملے گی کہ ہر ننانوے میں سے ایک نکال لاؤں میں بار بار اپنے رب عزوجل کی طرف آتا جاتا رہوں گا اور ہر بار سفارش کروں گا۔ یہاں تک کہ جناب باری مجھ سے ارشاد فرمائے گا کہ اے محمد ﷺ! جاؤ مخلوقِ خدا میں سے جس نے ایک دن بھی خلوص کے ساتھ لاالہ الااللہ کی گواہی دی ہو اور اس پر مرا ہو اسے بھی جنت میں پہنچا آؤ۔ حضرت بریدہؓ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں مجھے خدائے تعالیٰ سے امید ہے کہ زمین پر جتنے درخت اور کنکر ہیں اُن کی گنتی کے برابر لوگوں کی شفاعت میں کروں گا۔

ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ عزوجل شفاعت کی اجازت دیگا۔ پس روح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام کھڑے ہوں گے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہونگے پھر حضرت عیسیٰؑ یا حضرت موسیٰؑ کھڑے ہوں گے پھر تمہارے نبی حضرت محمد ﷺ کھڑے ہوں گے۔ آپؐ سے زیادہ کسی کی شفاعت نہ چلے گی۔ یہی مقامِ محمود ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ میں اپنی اُمت سمیت ایک ٹیلے پر کھڑا ہو جاؤں گا مجھے اللہ تعالیٰ سبز رنگ کا حُلّہ پہنائے گا۔ پھر مجھے اجازت دی جائے گی اور جو کچھ کہنا ہو گا کہوں گا۔ یہی مقامِ محمود ہے۔

مسند احمد میں ہے قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور مجھے ہی سب سے پہلے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی۔ میں اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھ کر اپنی امت کو اور امتوں میں سے پہچان لوں گا۔ کسی نے پوچھا۔ حضورؐ! اور ساری امتیں جو حضرت نوحؑ کے وقت تک کی ہوں گی ان سب میں سے آپؐ خاص اپنی اُمت کو کیسے پہچان لیں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا وضو کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں اور منہ چمک رہے ہوں گے ان کے سوا اور کوئی ایسا نہ ہوگا اور میں انہیں یوں پہچان لونگا کہ ان کے نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے اور نشان یہ ہے کہ ان کی اولاد ان کے آگے آگے چل پھر رہی ہوگی۔

حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم کے احکام:

- ''اے ایمان والو! (میرے حبیبؐ سے کلام کرتے وقت) مت کہا کرو ''راعنا'' بلکہ کہو ''انظرنا'' اور (ان کی بات پہلے ہی) غور سے سنا کرو''۔ (2۔البقرۃ:104)

(صاحب ضیاء القرآن جلد اوّل کے صفحہ 83'82 پر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رُاعنا' ذو معنی لفظ ہے۔اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہماری رعایت فرمایئے اور صحابہ کرامؓ بارگاہِ رسالتؐ میں جب حاضر ہوتے اور حضور کریم ﷺ کے کسی ارشاد گرامی کو اچھی طرح سمجھ نہ سکتے تو عرض کرتے راعنا اے حبیب اللہ! ہم پوری طرح سمجھ نہیں سکے۔ ہماری رعایت فرماتے ہوئے دوبارہ سمجھا دیجئے۔ لیکن یہود کی عبرانی زبان میں یہی لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہوتا جس میں گستاخی اور بے ادبی پائی جاتی۔اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی عزت و تعظیم کا یہاں تک پاس ہے کہ ایسے لفظ کا استعمال بھی ممنوع فرما دیا جس میں گستاخی کا شائبہ تک بھی ہو۔ چنانچہ علماء کرام نے تصریح کی ہے۔ **فیھا دلیل علی تجنب الالفاظ المحتملة التی فیھا التعریض للتنقیص والغض** (قرطبی) یعنی اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر ایسے لفظ کا استعمال بارگاہِ رسالت میں ممنوع ہے جس میں تنقیص اور بے ادبی کا احتمال تک ہو۔ امام مالکؒ نے تو ایسے شخص کو حدِ قذف لگانے کا حکم دیا ہے۔ (قرطبی)

راعنا کی جگہ انظرنا (یعنی ہماری طرف نگاہِ لطف فرمایئے) کہا کرو۔ کیونکہ یہ لفظ ہر طرح کے احتمالاتِ فاسدہ سے پاک ہے۔ واسمعوا کا حکم دے کر یہ تنبیہ فرما دی کہ جب میرا رسولؐ تمہیں کچھ سنا رہا ہو تو ہمہ تن گوش ہو کر سنو۔ تاکہ انظرنا کہنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ کیونکہ یہ بھی تو شانِ نبوت کے مناسب نہیں کہ ایک ایک بات تم بار بار پوچھتے رہو۔ یہ کمال ادب اور انتہائے تعظیم ہے جس کی تعلیم عرش و فرش کے مالک نے غلامانِ مصطفےٰ علیہ السلام کو دی۔ اب جو لوگ حضور کریم ﷺ کو صرف بڑے بھائی کی سی حیثیت دیتے ہیں یا اپنے جیسا بشر ثابت کرنے میں اپنی ساری قابلیتیں صرف کر دیتے ہیں وہ اپنے انجام پر خود ہی غور کر لیں۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر | نفس گم کردہ مے آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

o ''اور (کہتے ہیں) سنو تم نہ سنائے جاؤ اور (کہتے ہیں) ''راعنا'' بل دیتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں اور اگر وہ (یوں) کہتے ہم نے (آپ کا ارشاد سنا اور اسے) مان لیا (سمعنا واطعنا) اور (ہماری عرض) سنیئے اور نگاہِ کرم (اسمع وانظرنا) فرمایئے۔۔۔'' (4۔النسآء:46)

o ''اے ایمان والو! مت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر کر دی جائیں تمہارے لئے تو بری لگیں تمہیں'' (5۔المائدہ:101) لایعنی سوالات کرنے سے حضورؐ کی طبعیت مکدر ہوتی تھی

اس لئے ایسے سوالات سے منع کر دیا گیا اور بال کی کھال اتارنے سے روک دیا گیا۔

- ''پس جو ایمان لائے اُس (نبیِ اُمی) پر اور تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی اور پیروی کی اُس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ وہی (خوش نصیب) کامیاب و کامران ہیں۔(7۔الاعراف:157)

(جو مصطفٰے کریم پر دل سے ایمان لایا اور اُن کی تعظیم و تکریم کی اور خود دین حق پر عمل درآمد اور دوسروں کو اس پر عمل درآمد کی تلقین و تبلیغ کے ذریعے اُن کی مدد کرتے رہے وہی درحقیقت آخرت میں کامیاب و کامران ہوں گے)۔

- ''اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے''۔(8۔الانفال:13)

- ''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ پوچھو اپنے رسولؐ سے (ایسے سوال) جیسے پوچھے گئے موسیٰؑ سے اس سے پہلے اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے وہ (قسمت کا مارا) تو بھٹک گیا سیدھے راستے سے''(2:108)

- ''نہیں پرسش کی جا سکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان (تمام) سے باز پرس ہوگی''(21۔الانبیاء:23)

(صاحب ضیاء القرآن جلد 3 کے صفحات 159 تا 160 پر لکھتے ہیں:

آپ اطمینان خاطر کیلئے' کشفِ حقیقت کیلئے' معرفتِ حکمت کیلئے تو بارگاہِ الٰہی میں زبان سوال کھول سکتے ہیں لیکن اعتراض کا انجام وہی ہوتا ہے جو ابلیس لعین کا ہوا تھا اس نے بھی اعتراض کرتے ہوئے پوچھا تھا ءأسجد لمن خلقت طینا۔ اگر وہ اس کی حکمت کے متعلق سوال کرتا تو اس کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا۔ ہمیں بھی اپنا مقام پہچاننا چاہیے اور کوئی ایسی بات زبان پر نہ لانا چاہیے جو غیرت خداوندی کو گوارا نہ ہو۔

حضور ﷺ بھی چونکہ ہوائے نفس سے نہیں بلکہ وحی الٰہی سے گویا ہوتے ہیں اس لئے اسی اصول کا اطلاق اُن پر بھی ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے محبوب حبیب ﷺ پر اعتراض کرنا یا گستاخی کرنا غضب الٰہی کو بھڑکا دیتا ہے۔ علم و تقدس کے تمام محلات مسمار کر کے رکھ دیئے جاتے ہیں۔ علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک فاضلِ اجل سے مروی ہے کہ وہ ایک مجلس میں تھے تو ایک مجوب اور محروم ازلی نے کہا کہ ہوائے نفس سے کسی کو چھٹکارا نہیں خواہ وہ بھی ہو (وہ سے

اشارہ حضور علیہ السّلام کی طرف کیا) کیونکہ انہوں نے بھی کہا ہے "حُبّب الیّ من دنیاکم ثلاث الطّیب والنساء و قرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ یعنی تمہاری دنیا سے تین چیزیں میرے لیے مرغوب کی گئی ہیں۔ خوشبو' نساء اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ میں نے اس گستاخ کو کہا تمہیں خدا سے شرم نہیں آتی۔ حدیث میں (اَحبَبتُ یعنی میں پسند کرتا ہوں) کا لفظ نہیں) بلکہ (حُبّبَ میرے لئے مرغوب بنادی گئی ہیں) کا لفظ ہے۔ ہوائے نفس تو تب ہوتی کہ اَحبَبتُ کا لفظ ہوتا فرماتے ہیں اس گستاخ کا منہ تو میں نے بند کردیا لیکن میں اس کی بدزبانی پر بڑا غمگین ہوا کہ اپنے آپ کو امتی کہلانے والا شخص بھی ایسی بات اپنی زبان پر لاسکتا ہے۔ رات کو خواب میں حبیب مکرم ﷺ نے زیارت کا شرف بخشا اور فرمایا:

"لا تغتم فقد کفیناك امره" غمزدہ نہ ہو ہم نے اس کا کام تمام کردیا۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ قتل کردیا گیا ہے۔ (روح البیان)

علامہ مرحوم اگر آج ہوتے اور امتیوں کا حال دیکھتے جو اپنے آپ کو بشریت میں حضورؐ کا ہم پلہ ثابت کرنے کیلئے کس سوقیانہ انداز میں حضورؐ کی ازدواجی زندگی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا کلیجہ پھٹ جاتا۔

شب پرہ می طلبد بدرتمامت نقصان | اونداند کہ ابد نورِ تو ظاہر باشد
ہر کہ از روئے جدل بر تو سخن میراند | بمثل شدا گرش بو علی' کافر باشد

چمگادڑ یہ چاہتی ہے کہ آپ کے بدرِ کامل کے نور کو کم کردے۔ وہ بیوقوف یہ نہیں جانتی کہ آپ کا نور ابد تک درخشاں رہے گا۔ جو بدبخت آپ کی ذات پر زبانِ طعن دراز کرے' وہ عقل و فہم میں بوعلی سینا کی مانند بھی ہو تو وہ دولت ایمان سے محروم ہے" حقیقت تو یہ ہے کہ سرور کائنات علیہ التسلیمات والتحیات کی ذات پاک تو بڑی اعلیٰ وارفع ہے۔ اگر کوئی شخص اولیاء و مشائخ پر بھی بے جا اعتراض کرتا ہے تو وہ نعمت و برکت سے مرحوم کردیا جاتا ہے اور علم و عرفان کا دروازہ اس کیلئے بند ہوجاتا ہے۔

o "اے ایمان والو! آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اُس کے رسول سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے بیشک وہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے (۱) اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی (کریمؐ) کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہوجائیں تمہارے اعمال اور

تمہیں خبر تک نہ ہو (۲) بیشک جولوگ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا ہے اور اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کیلئے انہی کیلئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔ (۳) بے شک جولوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے اس میں سے اکثر ناسمجھ ہیں (۴) اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کیلئے بہت بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (۵) (9:الحجرات)

o ''بے شک جولوگ ایذ پہچاتے ہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کیلئے رسوا کن عذاب o اور جولوگ دل دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا بغیر اس کے انہوں نے کوئی (معیوب) کام کیا ہو تو انہوں نے اٹھا لیا (اپنے سر پر) بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ''۔ (33۔الاحزاب:55-58)

(اللہ اللہ کے رسولؐ اور اللہ کے نیک بندوں (اولیائے کرام) کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کرنے اور اُن کے دلوں کو اذیت پہنچانے پر یہ سخت وعید ہے)

o ''اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی (کریم) کے گھروں میں بجز اس کے کہ تم کو کھانے کیلئے آنے کی اجازت دی جائے اور نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ، پس جب تم کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کی باتیں شروع کر دیا کرو، تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبیؐ کیلئے تکلیف کا باعث بنتی ہیں، پس وہ تمہارا حیا کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کسی سے شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں، اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو پس پردہ ہو کر، یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کیلئے نیز ان کے دلوں کیلئے اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو، اور تمہیں یہ بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی، بیشک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔'' (33۔الاحزاب:53)

(دیکھیے حضورؐ سے تعلقات کے ضمن میں کس قدر احتیاط برتنے، تعظیم و تکریم کے تفصیلی احکام (پروٹوکول) بیان کئے گئے ہیں اور ان احکام کی خلاف ورزی کو گناہ عظیم قرار دیا گیا ہے)۔

o ''اے ایمان والو! نہ بن جانا ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ کو ستایا'' (69:33)۔

o (اے لوگو) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور تا کہ تم اُس کی مدد کرو اور دل

سے اُن کی تعظیم کرو''۔(48۔الفتح:9)

(علامہ راغب اصفہانی اور علامہ ابن منظور کے مطابق حضور کی نصرت و اعانت کے ساتھ اُن کی دل و جان سے تعظیم و تکریم کرنے کا حکم دینا اللہ تعالیٰ کی حضورؐ کے ساتھ خصوصی نسبت کا تقاضا ہے)

o ''یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں (15) اور میں بھی تدبیر فرما رہا ہوں (16) پس آپ کفار کو تھوڑی سی) مہلت اور دے دیں' کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں (17)''۔ (86۔الطارق)

(کفار حضور ﷺ کو ناکام بنانے کی جو سازشیں کرتے رہتے تھے' چھپ چھپ کر منصوبے تیار کرتے تھے۔۔۔ اللہ تعالیٰ خود اُن سے نمٹ لینے کی دھمکی دے رہا ہے۔ اور اپنے حبیبؐ کو دلاسہ دے رہا ہے بلکہ کفار کو تھوڑی سی مہلت دینے کا مشورہ دے رہا ہے جس سے بالکل واضح ہے کہ اگر حضورؐ بصورت دیگر فوری سزا کا مطالبہ کرتے تو وہ دیدی جاتی)۔

o ''بیشک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔''(58۔المجادلہ:20)

o ''نہ بنالو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے پکارتے ہو ایک دوسرے کو۔۔۔ پس چاہیے۔ انہیں جو خلاف ورزی کرتے ہیں رسولؐ کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آلے''۔(24۔النور:63)

(بارگاہِ رسالتؐ میں شور مچانے' بلند آواز یا روکھے پھیکے انداز سے ندا کی ممانعت ہے حضورؐ کی نافرمانی کی سزا کے طور پر دردناک عذاب بھی ہوسکتا ہے)

o تَبَّت یَدَآ اَبِی لَھَبٍ وَّتَبَّ ہ۔ ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا(۱) کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے جو کمایا اس نے (۲) عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں (۳) اور اس کی جورو بھی۔ بدبخت ایندھن اٹھانے والی (۴) اس کے گلے میں مونج کی رسی ہوگی (۵) (111۔ اللھب)

تب کا لفظ خسران نامرادی اور بربادی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ وَمعنی تبت خسرت و قیل خابت وقیل هلکت۔ (قرطبی)

جب حضور نبی کریم ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وانذر عشیر تک الاقربین کو اپنے

قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ اس ارشادِ الٰہی کی تعمیل کیلئے حضورؐ صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہوئے اور "**یاصباحا**" بلند آواز سے کہا۔ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی ناگہانی آفت آجاتی اور لوگوں کو امداد کیلئے بلانا مقصود ہوتا' تو "**یاصباحا**" کے الفاظ سے ندا کرتے۔ لوگوں نے جب یہ ندا سنی' تو بھاگتے ہوئے صفا کی پہاڑی کے دامن میں آپہنچے اور جو خود حاضر ہونے سے قاصر تھے' انہوں نے حقیقت حال دریافت کرنے کیلئے اپنے نمائندے بھیجے۔ جب سارے قریشی قبیلے جمع ہو گئے' تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے دشمنوں کا گھڑ سوار دستہ تم پر حملہ کرنے کے لئے آرہا ہے' تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے بیک زبان جواب دیا بے شک ہم آپ کی تصدیق کریں گے' کیونکہ ہم نے آج تک آپ کی زبان سے سچ ہی سنا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ اگر تم شرک سے باز نہ آئے' تو اللہ کا عذاب تمہیں نیست و نابود کر دے گا۔ ابولہب' جو حضورؐ کا چچا تھا' اس نے انگلی اٹھا کر اشارہ کیا اور گستاخی کرتے ہوئے بولا۔ اللہ تعالیٰ کو اس گستاخ کی گستاخی' اپنے حبیب کریم ﷺ کے بارے میں سخت ناگوار گزری اور انتہائی غضب اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں جن ہاتھوں کی ایک انگلی بے ادبی کیلئے اٹھی ہے' وہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ انہیں کبھی اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو۔ یہ بددعا ہے۔ وَتَبَّ فرمایا کہ وہ تباہ و برباد ہو گیا' وہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا' اس کا جسم ریزہ ریزہ کر دیا گیا اور جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا' اسے پورا ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ بزدلی کے باعث بدر کی جنگ میں یہ شریک نہ ہوا' لیکن بدر کی عبرت ناک شکست پر ابھی صرف ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ اس کے جسم پر ایک زہریلا چھالا (العدسہ) نمودار ہوا جو چند دنوں میں اس کے سارے جسم پر پھیل گیا۔ ہر جگہ سے بدبودار پیپ بہنے لگی۔ گوشت گل گل کر گرنے لگا۔ اس کے بیٹوں نے جب دیکھا کہ اسے ایک متعدی بیماری لگ گئی ہے' تو انہوں نے اس کو اپنے گھر سے باہر نکال دیا اور تڑپتے تڑپتے اس نے جان دے دی۔ اب بھی اس کی نعش کو ٹھکانے لگانے کیلئے کوئی عزیز اس کے قریب نہ گیا۔ تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی۔ جب اس کے تعفن اور بدبو سے لوگ تنگ آگئے اور اس کے بیٹوں کو لعنت ملامت شروع کی' تب انہوں نے چند حبشی غلاموں کو اس کی لاش ٹھکانے لگانے پر مقرر کیا۔ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے اس کی لاش کو دھکیل کر اس گڑھے میں پھینک دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔ اتنے بڑے قوم کے سردار اور مکہ کے چوٹی کے چار رئیسوں میں سے ایک کی لاش کو اس کی اولادیں گلتے سڑتے نہیں دیکھ سکی'

لیکن جب اللہ تعالیٰ کا غضب آتا ہے' تو اولاد کے دل میں محبت یا ظاہرداری کے جذبات بھی ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو اس گستاخِ بارگاہِ نبوت کا ہوا۔ سارے اہل مکہ نے دیکھا کہ مصطفیٰ کریمؐ نے اپنے رب کی طرف سے جو یہ پیشگوئی کی تھی' وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔

اس کی بیوی کا نام اردہ تھا اور کنیت ام جمیل تھی۔ یہ ابوسفیان کی بہن تھی اور بھینگی تھی اور اس کے دل میں حضورؐ کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسلام دشمنی میں یہ اپنے بدبخت خاوند سے کسی طرح پیچھے نہ تھی۔ اس کا مشغلہ یہ تھا کہ دن کے وقت جنگل میں نکل جاتی' خاردار لکڑیاں چنتی رہتی اور گٹھا باندھ کر اٹھا لاتی اور رات کے وقت اُس راستے میں ان کانٹوں کو بچھا دیتی جس سے گزر کر اللہ کا حبیبؐ اپنے پروردگار کی جانب میں سجدہ ریز ہونے کیلئے حرم کی طرف تشریف لے جاتا۔ جب یہ سورت نازل ہوئی' تو یہ سن کر آگ بگولا ہوگئی اور اپنی مٹھیوں میں سنگریزے بھر کر حضور کی تلاش میں نکلی کہ جہاں ملیں گے' ان پتھروں سے خبر لوں گی۔ حضورﷺ کعبہ کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق حاضر خدمت تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے جب اس کو آتے ہوئے دیکھا' تو عرض کی۔ یارسول اللہ! ام جمیل آرہی ہے اور یہ ضرور کوئی خباثت کرے گی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا وہ مجھے نہ دیکھ سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ قریب آکر حضورؐ کو نہ دیکھ سکی اور بڑبڑاتے ہوئے واپس چلی گئی۔ ارشاد فرمایا جس آگ میں اس کا گستاخ خاوند جلایا جائے گا' اسی آگ میں وہ بھی جھونکی جائے گی۔ (ماخوذ از ضیاء القرآن جلد۔5 صفحات 705 تا 707)

حضورﷺ کی عظمتِ رفیع الشان کے بارے میں مذکورہ آیات تبرکاً پیش کی گئیں' جن سے یہ نتیجہ اخذ کرنا اہل ہوش و خرد کیلئے چنداں بعید از قیاس نہ ہوگا کہ حضور والاﷺ کی ذات اقدس' اہل بیت منصب نبوت' مقام خلافت عظمیٰ' خلفاء راشدین' حضور کے خلفاء' تابعین تبع تابعین' حضورﷺ کے روحانی خلفاء' وورثاءِ نبوت یعنی اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی کیا معنی رکھتی ہے؟ اللہ تعالیٰ خصوصاً ہمیں اور عموماً جملہ نسلِ انسانی کو ان امور کی سمجھ عطا فرمائے (آمین)!۔

-----O-----

باب ـ 2

کائناتِ ارضی کے اولین حکمران

جِنّات

جنات کی کہانی بہت عجیب وغریب ہے اور قوم جنات بااختیار ہونے کے باعث مکلف بھی ہے اور حضور نبی مکرم ﷺ کے دائرہ نبوت میں بھی داخل ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کے پاس جنات خود بھی ایمان لانے کیلئے حاضر ہوتے رہے اور اہل کتاب جنات کے پاس حضور ﷺ بہ نفسِ نفیس تبلیغ دین کیلئے خود بھی تشریف لے جاتے رہے:

جِنّات کون ہیں اور اِن کے خصائل وخصائص کیا ہیں؟
خلافتِ آدم علیہ السلام پر فرشتوں کا اظہارِ تشویش
اور ابلیس کے سجدہ کرنے سے انکار کا پس منظر

یہ عناصر کا پرانا کھیل ! یہ دنیائے دوں
ساکنانِ عرش اعظم کی تمناؤں کا خوں
اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف ونوں

(ارمغانِ حجاز)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ و دیگر صحابہ مفسرینؒ سے روایت ہے اور حاکم نے اس کی تصدیق وتصحیح کی ہے کہ اس سے قبل کہ زمین میں خلافت کا علم حضرت آدم علیہ السلام نے بلند فرمایا اور جنتِ ارضی کو خلافت کے انعامات سے مرصع اور حکومت الٰہیہ کی نعمتوں کے شعور سے آراستہ فرمایا' کائنات ارضی کی حکمرانی جنات کے پاس تھی جو''جان'' کی اولاد میں سے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنِ اول کا اصلی نام''شوما'' اور لقب''جان'' تھا اگرچہ کچھ لوگوں کا خیال' (خصوصا کعب

احبار کے نزدیک) یہ ایسا گروہ تھا جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے شہوانی خواہشات اور سفلی جذبات عطا کر کے زمین پر بھیجا اور زمین کی سلطنت و حکومت کے منصب سے سرفراز فرمایا۔ ازاں بعد اسی گروہ سے توالد و تناسل جاری ہوا۔ یہ گروہِ جنات ابتداء میں اللہ بزرگ و برتر کی فرمانبرداری اور اطاعتِ ایزدی میں روز و شب مصروف رہتا اور منہیات سے بھی گریز کیا کرتا (یعنی اوامر و نواہی کی پابندی کرتا)۔ ان میں کا ہر شخص اللہ سے ڈرتا تھا۔ لیکن ایک مدتِ دراز کے بعد ایسا ہوا کہ ایک زاہد خشک اپنی عبادت گاہ (صومعہ) سے باہر ایک خودرو سرسبز و شاداب جنگل میں نکلا تو اس کی نظر ایک تروتازہ لہکتے ہوئے شاداب پودے پر پڑی جس سے اُس کے دل میں زبردست تازگی کا احساس اجاگر ہوا۔ اُس روز وہ جلوۂ جدید سے فرحاں اپنے صومعہ میں پلٹ آیا لیکن زہد و تقویٰ کی حلاوت جاتی رہی اور پودے کی کشش اُسے ایک بار پھر کشاں کشاں شاداب و خودرو باغ میں لے گئی۔ اُس روز اُس نے شجرِ میوہ دار کی ڈالیاں خوبصورت پھلوں کے گچھوں سے بھری ہوئی دیکھیں۔ ایک رس بھرا دانہ توڑ کر منہ میں رکھا تو نہایت خوش ذائقہ اور شریں پایا' ذوقِ حلاوت نے ذائقہ زبان کو زبردست چاشنی دی۔ دل میں مزید میوے کھانے کی خواہش موجزن ہوئی۔ خوب کھایا اور جی بھر کر لطف اندوز ہوا اور اس پھل کی مزید ماہیت و حقیقت معلوم کرنے کیلئے کئی خوش رنگ تروتازہ گچھے توڑے اور کسی برتن میں نچوڑنے کے بعد رنگین اور توت بخش مشروب تیار کیا اور وہیں پر چھپا کر اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد تھک تھکا کر واپس آیا تو حیرت زدہ رہ گیا کہ وہ مشروب بغیر کسی آگ و آنچ کے جوش میں آ چکا تھا۔ سخت حیران و پریشان ہوا۔ تاہم اس تبدیلی کو قدرتِ خداوندی کا مظہر خیال کیا اور اور وہیں چھوڑ کر پھر اِدھر اُدھر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد پلٹا تو مشروب کا جوش ختم ہو چکا تھا اور شفاف صورت اختیار کر گیا تھا۔ تازہ میوے کے ذائقہ کی حلاوت سے اُسے مشروب کے خوش ذائقہ ہونے کا اندازہ تھا اس لئے شدید اشتہا اور شوق سے بے تاب ہو کر جام ہاتھ میں لیا اور غٹا غٹ نوش کر گیا۔ اگلی ساعت میں مدہوش و بے ہوش ہو کر گر گیا۔ رات بھر از خود فراموش رہا۔ دوسرے روز ذوق و مستی کی اس کیفیت کا تذکرہ اپنے دوستوں سے کیا چنانچہ ایک جماعت اس بلا میں گرفتار ہوئی اور مے نوشی اس قوم میں وبائے ناگہاں کی طرح پھیل گئی۔ ام الخبائث کی تاثیر نے مزید گل کھلائے اور قوم زنا کاری و بدکاری اور مادر و خواہر پر دست درازی میں مبتلا ہوئی اور عبادات و ذکر و تسبیح سے گریزاں ہو کر قوم قعرِ مذلت میں گرتی چلی گئی یہاں تک کہ خبردار بے خبر ہوئے اور بے خبر بے خوف ہو گئے۔

اہل تحقیق علماء وفضلاء کہتے ہیں کہ اس ہنگامہ میں ''ابلیس'' جس کا نام'' حارث'' تھا' وہ بھی اس قوم کا ایک نوجوان فرد تھا۔ اُس نے اپنی قوم کو ضلالت و بدمستی اور شرک و بدعات اور خود پرستی میں مبتلا دیکھا تو وہ بے چین ہو گیا اور اُن سے دور چلا گیا اس ڈر سے کہ مبادا اُس کی قوم پر کوئی شدید عذاب نہ آ جائے اور وہ خود بھی اُس تباہی و بربادی سے ہمکنار ہو جائے۔ اُس نے اپنی قوم سے کنارہ کشی اختیار کر لی' اپنے ہم خیال دوستوں کو بھی ساتھ لے گیا اور گوشہ نشین ہو کر ذات باری کے حضور باجماعت گریہ زاری کرتے ہوئے کہا کہ یا رب! اس قوم ناہنجار و دیدہ دلیر و بے حیاء اور بیباک کو ہلاک کر دے۔ (اُس کے اس طرز عمل سے یہ معلوم ہوا کہ ابلیس ازل سے منفی سوچ کا حامل رہا ہے بجائے اس کے کہ قوم کی خیر و فلاح اور اصلاح کی دعا مانگتا اُس کی ہلاکت کی بددعا کرنے لگا) ذاتِ کبریائی سے ارشاد ہوا۔ اے زمین میں اپنے ہم جنسوں کیلئے منتقم! میں تو حلیم ہوں۔ عاصیوں کی عقوبت میں جلدی و تعجیل نہیں کرتا۔ جب تک قطع حجت بخوبی نہیں کر لیتا' سزا نہیں دیتا۔ اس لئے حارث کو فرمایا گیا کہ چندے تامل کر اور اپنے ہم خیالوں میں سے ایک شخص کو اپنی قوم کی طرف روانہ کر جو اسے وعدہ مغفرت و رحمت حق کی دعوت دے اور پروردگار کی عقوبت اور عذاب سے ڈرائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس تلقین سے وہ لوگ شر و فساد سے باز آ جائیں۔ حارث نے 'ملہوث ابن ملاہث' کو اپنی قوم کی طرف بھیجا۔ سردارانِ قوم کو جب وعظ و نصیحت کے اس عمل سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے بجائے دعوت قبول کرنے کے ایلچی کو فوراً قتل کر دیا۔ پھر حارث نے بحکم خدا دوسرا پیغام رساں بھیجا۔ اُسے بھی مار ڈالا گیا۔ اسی طرح نوسو ننانوے (999) انصار و رفقائے حارث مارے گئے۔ تب اُس نے یوسف ابن یاسف خواہ ہتربس کو بھیجا جس نے قوم کو سرکشی سے باز رہنے اور اطاعت گزار ہونے کی حتمی دعوت دی۔ لیکن قوم نے اُسے پکڑ کر ایک دیگ میں بند کر کے' اس میں تیل ڈال کر' آگ پر چڑھا دیا جس سے وہ خاکستر ہو گیا۔ تب زمین اس ظلم و زیادتی پر فریاد کناں ہوئی جس پر خداوند کبریا نے آسمان اول کے فرشتوں کو حارث کے مددگار بنا کر بھیجا تاکہ نافرمان جنات کا قلع قمع کر دیا جائے چنانچہ اکثر جنات مارے گئے۔ باقی گرفتار ہو گئے۔ اور کوہ قاف و جزائر بحر محیط میں قید کر دیئے گئے۔ اس کارگزاری میں عملاً حارث دنیا کی حکومت پر قابض ہو گیا لیکن اللہ نے اُسے فرشتوں کا سردار قرار نہیں دیا اور نہ ہی اُسے خلافت ارضی کے منصب سے سرفراز فرمایا گیا۔ کیونکہ یہ کمبخت کم عمری میں بھی بے حد و حساب' ہوشیار اور نہایت چالاک تھا جسے فرشتے بھی محسوس کر چکے تھے چنانچہ فرشتوں نے جب قوم جنات پر فتح پائی تو اس کو

پکڑ کر آسمان پر لے گئے اور اس کی مزید تعلیم و تربیت اور پرورش کرنے لگے تا کہ شاید اس کی منفی سوچ میں کمی آ جائے۔ ابلیس نے چارہ کار نہ دیکھا تو فرشتوں کے تاثرات کو تبدیل کرنے کیلئے چالاکی اور ہوشیاری سے عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گیا۔ حتیٰ کہ ملائکہ پر بھی سبقت لے گیا۔ اگرچہ دل میں اُس کے دنیا کی حکومت کی طمع موجزن تھی لیکن بظاہر جو کوئی حکم فرشتوں کو صادر ہوتا ابلیس اُس کی بجا آوری میں پیش پیش ہو جاتا۔ چنانچہ خدائے بزرگ و برتر کے روبرو اُس نے فرشتوں کی معرفت یہ عذر پیش کیا کہ اُس کی قوم سرکش تھی لیکن وہ تو اطاعت گزار تھا۔ لہٰذا اُسے بارگاہِ خداوندی سے اذن ہو گیا کہ وہ چاہے تو آسمان پر خدا کی تمجید بیان کرے اور چاہے تو دنیا پر اُس کے سامنے سجدہ ریز ہو۔ چنانچہ مشہور ہے کہ سات لاکھ برس روئے زمین پر عبادت کرتا رہا کوئی مقام اس نے نہیں چھوڑا جہاں سجدہ نہ کیا ہو۔ اپنی عبادت گزاری میں یکتا ہوا تو آسمانِ دنیا پر وہ ''عابد'' کہلایا اور اُسے دوسرے آسمان تک رسائی کی اجازت عطا ہوگئی جہاں وہ ''زاہد'' کے نام سے معروف ہوا۔ کچھ عرصہ کی عبادت گزاری کے بعد وہ تیسرے آسمان پر پہنچنے کی طاقت حاصل کر گیا اور وہاں ''آداب'' کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اسی طرح چوتھے آسمان پر وہ صالح' پانچویں آسمان پر ''خاشع'' چھٹے پر ''شاکر'' اور ساتویں آسمان پر ''مطیع'' کہلانے لگا۔ اس طرح سے اُس کی رسائی جنت تک ہو گئی جہاں وہ عزیز خدا بن کر ''عزازیل'' کے لقب سے سرفراز کر دیا گیا۔ روایات میں ہے کہ اللہ عزوجل نے اُسے آسمانوں' جنت اور زمین کے خزانوں پر دسترس عطا کر دی۔ کبھی وہ دنیائے زمین پر سجادۂ عبادت بچھاتا اور گاہے طاقہائے افلاک میں قنادیل طاعت روشن کرتا۔ اکثر عرش بریں کے پائیوں کے ساتھ تسبیح و تہلیل میں سرگرم رہتا۔ یہاں تک کہ تکبر و غرور اور عُجب و پندار نے اُسے اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ وہ نہایت درجہ عزت والا اور فرشتوں سے بھی افضل ہے۔

انہی دِنوں ایک دِن دروازۂ بہشت پر گزر ہوا' دیکھا کہ اوپر یہ لکھا ہے کہ مقربانِ دولتِ خداوندی و نواختگانِ حضراتِ سرمدی میں سے ایک بندۂ عزیز۔۔۔ جو عبادت و ریاضت سے سرفراز و بلند مرتبہ ہو کر اپنے ابنائے جنس میں ممتاز ہوا' افسوس کہ میری نافرمانی کا مرتکب ہو گا اور اپنی طاعت و عبادت پر تکبر اور گھمنڈ کرے گا۔ اور میں اُسے منصبِ عظمت و عزت و تمکنت سے معزول اور دربار خداوندی سے مردود کر دونگا اور پھر وہ کبھی مقبول نہ ہو سکے گا۔ یہ بات دیکھ کر عزازیل (ابلیس) نے درخواست کی کہ الٰہی! مجھے حکم ہو تو میں بھی اُس پر لعنت کروں۔ ارشاد ہوا' سب لعنت کریں گے تو بھی لعنت کر۔ چنانچہ ابلیس ہزار برس تک کامل لعنت کرتا رہا لیکن اپنے

گریبان میں جھانک کر بھی نہ دیکھا۔

دوسری طرف ایک انتہائی مقربِ بارگاہِ خداوندی فرشتے حضرت اسرافیل علیہ السّلام کو بھی لوحِ محفوظ کا یہ نکتہ دروازۂ بہشت پر لکھا ہوا نظر آیا تو وہ خشیت الٰہی اور خوف خدا سے دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ آسمان کے فرشتے اُن کے گرد جمع ہو گئے اور شدید اضطراب کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن سے وجہ گریہ دریافت کی۔ حقیقتِ حال معلوم ہونے کے بعد باہمی مشاورت سے یہ طے ہوا کہ عزازیل کے پاس جا کر دعا کی درخواست کی جائے تا کہ اس عذابِ آفتِ الٰہی سے وہ محفوظ رہیں جس کا اعلان وانتباہ، اللہ بزرگ و برتر کی طرف سے کیا گیا تھا۔۔۔ چنانچہ عزازیل نے فرشتوں کی درخواست سُن کر اُنہیں تسلی دی اور نہایت تکبر وغرور کے ساتھ یہ دعا کی:

''الٰہی یہ تیرے بندے ہیں' تو مالک و رحیم ہے ان کو اس بلا سے محفوظ فرما جو میں نے جنت کے دروازے پر آویزاں تختی پر لکھی ہوئی دیکھی تھی''۔

(الفاظ سے ظاہر ہے کہ اُس نے خود کو بندوں میں شمار نہیں کیا تھا)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہٗ کی روایت ہے کہ اس دعا والتجا و وارادت کو بارہ ہزار سال گزرے تھے کہ ابلیس ملعون ہوا۔ جناب خواجہ حسن بصریؒ سے تفسیر جواہر میں منقول ہے کہ ابلیس نے نولاکھ بہتر برس خدا کی بندگی کی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اُس کی کرسی عرشِ مُعلیٰ کے نیچے بچھی رہتی تھی اور فرشتے عبادت و ریاضت کے طور طریقے اُس سے سیکھتے تھے اور وہ عملاً تمام موجود مخلوق کا بادشاہ تھا۔

بعض روایات میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب قوم جنات نے دنیا میں فساد شروع کیا اور احکام الٰہی کی نافرمانی شروع کی تو وہ چونکہ جنات میں سے تھا اور مقربِ بارگاہِ ایزدی بھی تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُسے ستر علوم مزید عطا کئے اور ہزاروں فرشتے اُس کی عملداری میں دے کر قوم جنات کی سرکوبی کیلئے دنیا میں مقرر فرمایا۔ اُس نے فرشتوں کی طاقت سے مفسدین کو ہلاک اور نیست و نابود کیا۔ پھر حکم ہوا کہ اب زمین پر ہی قیام کرو اور سلطنتِ زمین بھی اُسے تفویض کر دی گئی۔ جب تین سو برس اس حال پر گزر چکے اور فرشتوں کو زمین کی آب و ہوا خوب راس آ چکی تھی۔ وہ نہایت خشوع و خضوع سے عبادت و طاعتِ خداوندی کا فریضہ انجام دیتے اور خوش و خرم تھے تو ارشاد ہوا کہ وقت رحلت و کوچ آن پہنچا۔ زمین سے رخصت اور اُٹھنے کی تیاری کرو کیونکہ ''انی جائل '' فی الارضِ خلیفه'' (سورہ: الحجر۔ 27) ''یعنی مجھے زمین میں ایک

نائب بنانا ہے' جو قوم جنات کی روئے زمین پر امارت کا بدل ہوگا۔ اُس کی حیثیت روئے زمین پر عبادت رب العالمین میں تمہارے خلیفہ کی اور اعانتِ حق و اہانتِ باطل میں میرے خلیفہ کی ہو گی۔ (مزید تفصیلات کیلئے دیکھیئے ایک قدیم کتاب ''احوال الانبیاء فی تفریح الازکیاء'' مؤلفہ مولینا ابوالحسن حسن کاکوروی۔ جلد اول طبع کردہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ (موجودہ بھارت): ۱۹۲۴: تفریح اوّل بہ احوال سیّد البشر حضرت آدم علیہ السّلام)۔

انسان کے مقابلہ میں جِنّات کی حقیقت

قرآن حکیم سے انسان کے مقابلہ میں جنات کی حقیقت اور ان کے اوصاف و خصائص کے بارے میں ہمیں جو رہنمائی ملتی ہے وہ درج ذیل آیات سے واضح ہے:

o 55۔الرحمن : خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ(١٤) وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ(١٥)

ترجمہ: پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی مانند **(14)** اور پیدا کیا جان کو آگ کے خالص شعلے سے **(15)**

تشریح: آیت **14** میں انسان سے مراد بالاتفاق آدم علیہ السّلام ہیں۔ کیونکہ آپ ہی کی تخلیق بلاواسطہ صلصال (بجنے والی مٹی) سے ہوئی۔ پہلے مٹی (تراب) لی گئی' پھر اس میں پانی ملا کر گارا تیار کیا گیا جسے طین کہا گیا۔ پھر وہ گارا کچھ عرصہ یونہی پڑا رہا' یہاں تک کہ اس میں چکناہٹ اور لیس پیدا ہوگئی۔ اسے طینِ لازب فرمایا گیا۔ اسی طرح کچھ عرصہ وہ گارا پڑا رہا تو اس میں بدبو پیدا ہوگئی اور اس کی رنگت سیاہی مائل ہوگئی۔ اسے ''حمامسنون'' کہا گیا۔ پھر وہ لیس دار اور بدبودار گارا خشک ہوگیا اور وہ یوں بجنے لگا جس طرح پکا ہوا ٹھیکرا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کو بشریت کی صورت عطا کی گئی۔ پھر اس میں اللہ بزرگ برتر نے اپنی خاص روح پھونکی۔ اب وہ آدم تھا جس کی عظمت و شان کے آگے ملائکہ کو سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا گیا' سب نے حکم کی تعمیل کی سوائے عزازیل کے جو بعد میں شیطان کہلایا۔ (مزید تفصیل کیلئے دیکھیئے ضیاء القرآن۔ جلد۔ **5**: صفحہ نمبر **70**)

آیت **15** میں جآن جنوں کے پہلے باپ کا نام ہے۔ جان کی تخلیق خالص آگ سے ہوئی۔ مارج کہتے ہیں خالص آگ کو' جس میں دھوئیں کا نام ونشان نہ ہو۔ قرآن کی دوسری آیات سے یہ بھی ثابت ہے کہ جس طرح انسان باشعور اور بااختیار ہونے کے باعث احکام شرعی کی بجا آوری کا مکلّف ہے۔ اسی طرح جنات بھی پابند ہیں۔ اسی لئے جنات میں بھی انسانوں کی

طرح انبیاء مبعوث ہوتے رہے ہیں تا آنکہ آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور انہیں خلیفۃ اللہ اور پہلے نبی کا درجہ و منصب جلیل القدر عطا کر دیا گیا اور بالآخر نبی آخر الزماں ختم المرسلین رسول الثقلین ﷺ جملہ کائنات بشمول ہر دو گروہ جن و انس (الثقلین) کیلئے مبعوث ہوئے (جن و انس کے مکلف ہونے کی تشریح کیلئے مزید دیکھیے سورہ الرحمٰن کی آیت 31 تا 78۔ ضیاء القرآن جلد پنجم صفحات 74 تا 87)۔

جنوں کے قرآن سننے کا سورۃ جن میں ذکر

o 72۔ الجن: قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا
اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا(١) يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ۔ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ
اَحَدًا(٢) وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا(٣) وَّاَنَّهٗ كَانَ
يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا(٤) وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (٥) وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ
الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا(٦) وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ
اَحَدًا(٧) وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا(٨)
وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ۔ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا
رَّصَدًا(٩) وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ
رَشَدًا(١٠) وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ۔ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا(١١)
وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِى الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا(١٢) وَّاَنَّا لَمَّا
سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ۔ فَمَنْ يُّؤْمِنْ م بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا
(١٣) وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ۔ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا
رَشَدًا(١٤) وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا(١٥) وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا
عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا (١٦) لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ۔ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ
ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا(١٧)

ترجمہ: (آپؐ فرمایئے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے پس انہوں نے (جا کر دوسرے جنات کو) بتایا کہ ہم نے ایک

عجیب قرآن سنا ہے (۱) راہ دکھاتا ہے ہدایت کی' پس ہم (دل سے) اس پر ایمان لے آئے۔ اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو اپنے رب کا (۲) اور بے شک ارفع و اعلیٰ ہے ہمارے ربّ کی شان' نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا اور نہ بیٹا (۳) اور (یہ راز بھی کھل گیا ہے کہ) ہمارے احمق (سفیہا) اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناروا باتیں کہتے رہے (۴) اور ہم تو یہ خیال کئے تھے کہ انسان اور جن' اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے (۵) اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ لینے لگے جنات میں سے چند مردوں کی' آپس میں انہوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو (۶) اور ان انسانوں نے بھی یہی گمان کیا جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا (۷) اور (سنو!) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا پایا (۸) اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کیلئے لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لئے شہاب کو انتظار میں (۹) اور ہم نہیں سمجھتے (اس کی وجہ کیا ہے) کیا کسی شّر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں' یا ان کے رب نے ان کو ہدایت (رشد) دینے کا ارادہ فرمایا ہے (۱۰) اور ہم میں بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے' ہم بھی تو کئی راستوں پر گامزن ہیں (۱۱) اور (اب) ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں (۱۲) اور (اے جن بھائیو!) ہم نے جب پیغامِ ہدایت سنا تو ہم اس پر ایمان لے لائے' پس جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے تو نہ اُسے کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا (۱۳) اور بے شک ہم میں سے کچھ تو فرمانبردار ہیں اور کچھ ظالم' تو جنہوں نے اسلام قبول کیا انہوں نے حق کی راہ تلاش کر لی (۱۴) اور جو حق سے منحرف ہوتے ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں (۱۵) اور اگر وہ ثابت قدم رہیں راہِ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے کثیر پانی سے (۱۶) تا کہ ہم ان کی آزمائش کریں اس فراوانی سے' اور جو منہ موڑے گا اپنے ربّ کے ذکر سے تو وہ داخل کرے گا اُسے سخت عذاب میں (۱۷)

رسول الثقلینؐ، جن و انس کے نبی

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ آیات درج بالا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رسول الثقلین' نبی الحرمین ﷺ جن و انس سب کے نبی تھے۔ جنات نے کئی مرتبہ بارگاہِ اقدس میں حاضری دی۔ علامہ پانی پتی' علامہ سیّد آلوسی' علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے اپنی

تفاسیر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ جنات نے حضورؐ سے چھ بار ملاقات کی۔ اس لیے احادیث میں تعارض نہیں جس طرح بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اور ان میں سے بعض نے گھبرا کر جنات کے وجود ہی کا انکار کر دیا ہے۔ بلکہ مختلف احادیث میں مختلف ملاقاتوں کے احوال مذکور ہیں۔ ان احادیث میں نہ تضاد ہے اور نہ تعارض اور نہ پریشان ہونے کی کوئی وجہ۔

پہلی حاضری وہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے صحیح روایات کے مطابق یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب حضور ﷺ اپنے چند صحابہ کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف جا رہے تھے۔ یہ جگہ مکہ سے دو رات کی مسافت پر ہے۔ یہاں زمانۂ جاہلیت میں میلے لگا کرتے' خرید و فروخت ہوتی اور ارد گرد کے سارے قبائل وہاں جمع ہوتے۔ نخلہ کے مقام پر صبح کا وقت ہو گیا۔ حضور صبح کی نماز ادا فرما رہے تھے اور سورۃ اقراء یا سورہ طٰہٰ کی تلاوت ہو رہی تھی کہ جنات کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی آواز جب انہوں نے سنی تو وہاں رُک گئے۔ بڑی خاموشی اور توجہ سے اس کو سنتے رہے۔ اس کلام پاک کے سننے سے ان کے دل کی دنیا بدل گئی' غفلت کے پردے چاک ہو گئے اور نورِ ایمان سے ان کے سینے روشن ہو گئے۔ دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر جب وہ اپنے قبیلہ میں پہنچے تو انہوں نے ان کو بھی بتایا کہ ہمارے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ ہم نے کفر و شرک سے توبہ کر لی ہے۔ تمہارے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ تم جن گمراہیوں میں مبتلا ہو ان سے برأت کا اظہار کرو اور اس رسول مکرم کی دعوت کو قبول کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان جنات کی آمد' قرآنِ کریم کو غور سے سننے اور پھر اپنے قبیلہ میں جا کر تمام ماجرا بیان کرنے کے سارے حالات بذریعہ وحی اپنے نبی کریم ﷺ کو بتا دیئے اور حکم دیا کہ آپ سب لوگوں میں اس کا اعلان کریں۔

جنات جب واپس اپنے قبیلہ میں پہنچے تو انہیں جا کر بتایا کہ ہم نے ایک عجیب و غریب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہم تو اس سے اتنے متاثر ہوئے ہیں کہ سنتے ہی اس پر ایمان لے آئے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم عمر بھر کبھی اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

پہلی آیت کا آخری لفظ **عجبا** مصدر ہے معنی عجیب۔ اس میں مبالغہ ہے یعنی یہ کلام اتنا عجیب و غریب ہے کہ ہم نے آج تک نہ ایسی فصاحت و بلاغت دیکھی ہے' نہ تبلیغ حق کا کہیں ایسا بانکپن نظر آتا ہے۔ الفاظ ہیں تو جیسے سچے موتیوں کی لڑیاں ہوں اور معانی ہیں تو اتنے ارفع' اتنے بلند کہ طائرِ فکر بھی وہاں دم نہیں مار سکتا اور اثر ہے تو ایسا کہ خود بخود دل کھنچے چلے آتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنات' پہلے مشرک تھے مشرک قوموں کی طرح انہوں نے بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کی جورو اور کسی کو اس کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ قرآن سننے سے جب نورِ ایمان' ان کے دلوں میں چمکا تو انہوں نے ان تمام خرافات کو پرے پھینک دیا۔

سورۃ الاحقاف میں جن جنات کا ذکر ہے وہ حضرت موسیٰ کے پیرو تھے اور اہلِ کتاب تھے۔ اس لیے واقعہ اس واقعہ سے جدا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات میں بعض مومن ہوتے ہیں اور بعض کافر۔۔۔ اور انسانوں کی طرح یہ بھی مُکلّف ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں' اپنے زمانے کے نبی کی اطاعت کریں اور اس کے لائے ہوئے دین کی پوری پوری اطاعت کریں۔ نیز یہ کہ (تخلیق آدمؑ کے بعد) ان میں سے نبی معبوث نہیں کیے جاتے بلکہ وہ انسانوں کے نبیوں کے ہی پیروکار ہوتے ہیں۔

اپنی گزشتہ گمراہی پر معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہیں کہ جن کو آج تک ہم نے اپنا پیشوا بنائے رکھا اور آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے رہے' ہمیں ان کے بارے میں قطعاً یہ خیال نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں بھی منسوب کرتے ہیں۔ اس حسنِ ظن کے باعث آج تک ہم بھٹکتے رہے۔ اگر ہمیں یہ پتہ چل جاتا کہ انسانوں اور جنوں میں ایسے رذیل اور گستاخ افراد بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں تو ہم ہرگز اتنے عرصہ تک ان لوگوں کی پیروی نہ کرتے اور اپنی گزشتہ عمر برباد نہ کرتے۔

عہد جاہلیت میں اہلِ عرب میں یہ رواج تھا کہ جب کسی ویران اور اُجاڑ' وادی میں انہیں رات بسر کرنا پڑتی اور انہیں یہ خوف ہوتا کہ کوئی چیز انہیں گزند پہنچائے گی تو سونے سے پہلے بلند آواز سے وہ یہ کہتے۔ **"یاعزیز الوادی اعوذبك من السفهاء الذين في طاعتك"** اے اس وادی کے سردار! میں تجھ سے ان احمقوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے تابعدار ہیں۔ جنات جب یہ سنتے تو ان کے غرور کی کوئی حد نہ رہتی اور کہتے **"سدنا الجن والانس"** کہ ہم جنوں اور انسانوں سب کے سردار بن گئے ہیں۔ آیت نمبر ۶ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ پانی پتی نے اسی آیت کے ضمن میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے۔ آپ بھی سُن لیجیے:

بنی تمیم کا ایک شخص جس کا نام رافع بن عُمیر تھا' وہ اپنے اسلام لانے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں عالج کے ریگستان میں سفر کر رہا تھا۔ مجھے نیند آ گئی' میں نے اونٹنی بٹھائی اور سونے سے پہلے جاہلیت کے دستور کے مطابق میں نے بلند آواز سے کہا۔ **"اعوذ بعظيم**

هذالوادی من الجن" جنات کے شر سے میں اس وادی کے سردار کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر میں سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں نیزہ ہے اور وہ اس سے میری اونٹنی کو ذبح کرنا چاہتا ہے۔ میں گھبرا کو اُٹھ بیٹھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا کوئی آدمی نہ تھا۔ پھر سو گیا۔ دوسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار جب سویا اور اسی منظر سے گھبرا کر اُٹھ بیٹھا تو اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری اونٹنی تھر تھر کانپ رہی ہے کوئی آدمی ہاتھ میں نیزہ لیے کھڑا ہے۔ ایک بوڑھے آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے۔ اسی اثناء میں تین جنگلی بیل دوڑتے ہوئے ادھر آ نکلے۔ اس بوڑھے نے کہا کہ میری پناہ لینے والے اس انسان کی ناقہ کے عوض ایک وحشی بیل پکڑ لو۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ جب کبھی ایسی وادی میں رات گزارنے کا اتفاق ہو تو کسی جن کی پناہ نہ لیا کرو۔ بلکہ یہ کہا کرو کہ "**اعوذبالله رب محمد من هول هذا الوادی**" کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو محمد ﷺ کا پروردگار ہے' اس وادی کے خوف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں نے پوچھا محمد ﷺ کون ہیں؟ شیخ نے کہا "**محمدنبی**" **عربی لاشرقی ولا غربی** " کہ محمد ﷺ نبی عربی ہیں۔ نہ ان کا شرق سے کوئی تعلق ہے' نہ غرب سے۔ میں نے پوچھا وہ کہاں رہتے ہیں۔ اس نے بتایا یثرب میں' جہاں کھجوروں کے بکثرت نخلستان ہیں۔ صبح ہوئی تو اونٹنی پر سوار ہو کر میں نے مدینہ طیبہ کی راہ لی حضور ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو میرے کچھ عرض کرنے سے پہلے جو گذشتہ رات مجھ پر بیتی تھی' سب کا ذکر فرما دیا اور مجھے اسلام کی دعوت دی چنانچہ میں نے اسلام قبول کیا۔ (مظہری)

آیت نمبر ۸ کی تفسیر میں بتایا گیا: صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آسمانوں پر پہرہ سخت کر دیا گیا اور جنات پہلے تو کوئی نہ کوئی ایسی جگہ تلاش کر لیتے تھے جہاں بیٹھ کر وہ آسمان پر ہونے والی گفتگو سن سکتے لیکن اب ان کیلئے ایسا ممکن نہ رہا۔ اب جونہی وہ آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتے تو شہابوں کا مینہ ان پر برسنے لگتا جس کے باعث ان کا اوپر جانا بالکل ناممکن ہو گیا۔ اس اچانک تبدیلی سے وہ بہت حیرت زدہ ہوئے اور اس کی وجہ معلوم کرنے کیلئے متعدد دستے تشکیل دیئے گئے کہ روئے زمین پر گشت لگائیں اور اُس کی وجہ معلوم کریں۔ انہیں میں سے ایک گروہ جو تہامہ کے علاقہ کی چھان بین کیلئے مقرر ہوا تھا' نخلہ کے پاس سے اس وقت گزرا جب سرورِ عالم ﷺ نمازِ صبح میں قرآنِ کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ وہاں ہی استماعِ قرآن کا واقعہ پیش آیا۔

اسی کا ذکر اب آیات میں کیا جا رہا ہے۔ جن کہتے ہیں کہ جب ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو ہم

نے دیکھا جگہ جگہ پہرے دار کھڑے ہیں اور شہابوں کے آتشیں گولے ان کا تعاقب کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اب اگر کسی جن نے کوئی بات سننے کی کوشش کی تو آتشیں شہاب اس کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ شہابوں کے ٹوٹنے کا سلسلہ تو بعثِ نبوی سے پہلے بھی تھا۔ بعثت کے بعد کون سا ایسا نیا حادثہ پیش آیا کہ جس کی وجہ سے جنات کا آسمان کی طرف جانا ناممکن ہو گیا۔ اس کا یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ پہلے بھی شہاب تھے لیکن اتنے کثرت سے نہ تھے۔ جنات بچ بچا کر کہیں نہ کہیں بیٹھ کر کوئی نہ کوئی بات سن لیا کرتے' لیکن اب انتظامات سخت کر دیئے گئے اور اب قطعی طور پر جنات کا اوپر جانا بند ہو گیا۔ صحیح یہ ہے کہ اس امر کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ جو اس نے فرمایا وہ حق ہے۔ ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن وہ کون سے شہاب ہیں' جن کے ذریعے جنات کی سرکوبی کی جاتی ہے؟ اس کی حقیقت سے ہم آگاہ نہیں۔ ہو سکتا ہے مستقبل قریب میں کوئی علمی تحقیق اس راز کو بھی آشکار کر دے جس طرح کئی تکوینی اسرار بے نقاب ہو چکے ہیں۔

آیت نمبر **10** میں اس امر کا اظہار ہے کہ یہ جدید انتظامات دیکھ کر جنات اس کی وجہ معلوم کرنے کے درپے ہوئے اور کہنے لگے کہ یا تو اہلِ زمین پر عذاب نازل کرنے کے انتظام ہو رہے ہیں اور اس پروگرام کو صیغہ راز میں رکھنے کیلئے سارے انتظامات کیے گئے ہیں' یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی نبی مبعوث فرمانے والا ہے تاکہ ان خفتہ بخت (جنوں) اور انسانوں کو بیدار کر کے انہیں راہ ہدایت پر گامزن کرے۔ ان اسباب میں سے کوئی سبب ہے۔

وہ کہتے ہیں ہم سب جن ایک عقیدے پر نہیں اور نہ ہی سیرت و اخلاق میں یکساں ہیں۔ بعض ہم میں سے صالح اور نیک ہیں۔ جو کسی کو اذیت نہیں پہنچاتے' کسی کا نقصان نہیں کرتے اور بعض فتنہ پرور شرارتی اور فسادی ہیں۔ پھر ہمارے مذہب بھی الگ الگ میں بعض اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے انبیاء اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض گمراہ ہیں۔

پہلے ہم اپنے سُفہا کے فریب میں آ کر گمراہ ہو گئے تھے۔ لیکن قرآن سننے کے بعد اب ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں اور ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم زمین میں اللہ تعالیٰ کو ہرا کر بچ سکتے ہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہم یہاں سے کہیں بھاگ جائیں اور اس طرح اس کے قابو سے نکل جائیں اسے عاجز نہیں کر سکتے اور شاید اسی عقیدہ کی برکت سے ہم نے آسانی سے ہدایت قبول کر لی ہے اور جب ہم نے قرآن کا حقیقت افروز پیغام سنا تو شک وشبہ کے سارے بادل چھٹ گئے۔

جسٹس الازہری کے سورہ الجن اور جنات کی حقیقت کے عنوان پر تعارفی کلمات ہیں:

جنات کی حضورؐ کی خدمت میں حاضری

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تبلیغ کی غرض سے اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا جب جنات کا آسمان کی طرف پرواز کرنا بند ہو گیا تھا۔ وہ آسمان کے قریب جانے کی کوشش کرتے تو شہابِ ثاقب اُن کا تعاقب کرتے۔ انہوں نے اس کا ذکر اپنی قوم کے سرداروں سے کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ ماجرا ابلیس سے آ کر کہا۔ وہ بولا ضرور کوئی ایسا حادثہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمان کی طرف تمہارا عروج روک دیا گیا۔ اس لیے زمین کے شرق و غرب میں پھیل جاؤ۔ زمین کا گوشہ گوشہ چھان ڈالو اور اس حادثہ کا سراغ لگاؤ۔ جنات کا وہ گروہ جو تہامہ کے علاقہ میں چکر لگانے کیلئے آیا تھا۔ اُنہوں نے نخلہ کے مقام پر حضور ﷺ کو صبح کی نماز ادا کرتے پایا۔ حضور ﷺ اس وقت قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے جب کلامِ الٰہی سنا تو کہنے لگے بخدا یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ہمیں روک دیا گیا ہے۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف گئے اور جو سنا تھا انہیں جا کر بتایا اور اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور اپنے حبیب ﷺ کو جنات کی آمد اور اُن کے دیگر احوال کے بارے میں آگاہ کیا۔ اس روایت میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مکی دور کی ابتداء میں ہی یہ واقعہ رونپذیر ہوا ہوگا کیونکہ جنات کی آسمان کی طرف پرواز نزولِ وحی کے ساتھ ہی بند کر دی گئی تھی۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت بھی ہے جس میں طائف سے واپسی کے وقت نخلہ میں قیام اور جنات کی حاضری کا بیان ہے۔ طائف کا سفر 10 نبوی میں پیش آیا۔ اس سفر میں حضور ﷺ کے ہمراہ صرف زید ابن حارثہؓ تھے۔ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ آیاتِ قرآنی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں جن جنات کا ذکر ہے وہ مشرک اور بے دین تھے اور جن کا ذکر سورۂ احقاف میں ہے وہ انبیاء اور آسمانی کتب پر ایمان رکھنے والے تھے۔

حضورؐ جنات کو تبلیغ کے لئے خود تشریف لے جاتے

کتب احادیث میں جنات کی حاضری کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ جنات چھ مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک کا

تذکرہ حضرت ابن مسعودؓ نے کیا ہے فرماتے ہیں: ''ایک روز نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز ادا کی۔ مسجد سے باہر تشریف لے آئے' پھر میرا ہاتھ پکڑا اور چل پڑے' یہاں تک کہ ہم ایک مقام پر پہنچے تو حضور ﷺ نے مجھے ایک جگہ پر بیٹھایا اور میرے اردگرد ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ تو اس سے باہر ہرگز نہ نکلنا۔ چنانچہ میں وہاں بیٹھ گیا۔ کئی لوگ میرے پاس سے گزرتے رہے۔ حضورؐ سحری کے وقت تک واپس تشریف نہ لائے۔ پھر مجھے طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ پہنچ گئے۔ میں نے عرض کیا: ''میرے آقا رات بھر آپ کہاں تشریف فرما رہے ہیں''۔ فرمایا: مجھے آج جنات کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے بھیجا گیا تھا میں نے دریافت کیا یہ آوازیں کیسی تھیں؟ فرمایا' یہ اُن جنوں کی آوازیں تھیں۔ وہ مجھے الوداع کہہ رہے تھے اور سلام عرض کررہے تھے''۔

جنات کی حقیقت:

جن جمع ہے اس کا واحد ''جِنّی'' ہے۔ جس طرح روم' کا واحد ''رومی'' ہے۔ اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: **اصل الجن ستر الشیء عن الحاسۃ** (کسی چیز کے حواس سے پوشیدہ ہونے کو جن کہتے ہیں) اُنہوں نے اس مادہ سے کئی مشتقات کا بھی ذکر کیا ہے ان سب میں یہ معنی موجود ہے۔ ماں کے شکم میں جو حمل ہوتا ہے۔ اُس کو ''جنین'' کہتے ہیں۔ دل کو' جنان'' کہتے ہیں جو سینے میں پوشیدہ ہوتا ہے ''مَجَنَّۃ'' ڈھال کو کہتے ہیں جو انسان کو دشمن کے وار سے چھپا لیتی ہے۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد علامہ مذکور لکھتے ہیں:

''روحانی مخلوق کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو سراپا خیر ہی خیر ہیں۔ وہ فرشتے ہیں۔ دوسری قسم اُن کی ہے جو سراسر شر ہی شر ہیں' وہ شیاطین ہیں تیسری قسم وہ ہے جس میں کچھ نیک اور کچھ شریر ہوتے ہیں وہ جن ہیں''۔

(ناچیز مؤلف عرض گزار ہے کہ فرشتوں کو تو بلاشبہ روحانی مخلوق کہا جاتا ہے دیگر ہر دو مخلوقات کو روحانی نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ جنات کو ابناء نار یا انواع نار' انسانوں کی ابناءِ ارض یا انواع ارض اور فرشتوں کو ابناءِ نور یا انواع نور کہنا مناسب ہوگا۔ مؤلف)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے جنات کی حقیقت کے بارے میں اہل سنت کی تحقیقات کا خلاصہ بایں الفاظ رقم فرمایا: ''جن اجسام ہیں' ان میں ارواح ہیں جس طرح حیوان' یہ انسان کی طرح عقلمند ہوتے ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اسی لیے انہیں جن کہا جاتا ہے۔

ان کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے جیسے آدم کی مٹی سے۔ ان میں نر مادہ بھی ہیں۔ ان کے اولاد بھی پیدا ہوتی ہے' لیکن فرشتے نر مادہ نہیں ہوتے۔ جنات' شیاطین اور ملائکہ کا وجود شریعت سے ثابت ہے' لیکن فلاسفہ ان کا انکار کرتے ہیں''۔

متجددین کا جنات کے وجود سے انکار

ہمارے متجددین جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ جنات کے بارے میں جو قصے اور واقعات زبان زد عوام ہیں۔ یہ سب توہمات کی گلکاری ہے۔ قرآن کریم میں جن کا لفظ جو مذکور ہے ان کے نزدیک اُس سے مراد کوئی علیحدہ مخلوق نہیں بلکہ انسانوں کے اُن گروہوں کو جن کہا گیا ہے جو جنگلوں' صحراؤں اور پہاڑوں میں آباد ہیں۔ دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ ویرانوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں کیونکہ عام آبادیوں میں وہ دکھائی نہیں دیتے اور نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ اس لیے انہیں جن کہا گیا ہے اور یہی جن کا لغوی مفہوم ہے یا جنات سے وہ انسان مراد ہیں جو کھل کر قرآن کریم سننے کی جرأت نہیں کرتے تھے بلکہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر قرآنِ کریم سننے کی سعادت حاصل کیا کرتے تھے۔

بہتر ہے کہ ہم اس نزاع کے تصفیہ کیلئے قرآنِ کریم کو ہی اپنا حکم تسلیم کریں۔ اگر قرآنِ کریم کی متعدد آیات اُن کے علیحدہ مخلوق ہونے کی شہادت دیں تو پھر ہمیں انکار کی جرأت نہیں کرنی چاہیئے۔ قرآنِ کریم میں جنات کا ذکر ایک بار نہیں' بار بار آیا ہے۔ اُن مقامات کا آپ مطالعہ فرمائیں حقیقت خود بخود کھل کر سامنے آجائے گی۔ سب سے پہلے سورۂ الرحمٰن کی آیتیں ہیں جن میں کہا گیا ہے:

''انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے''۔

اگر جن نوعِ انسانی کے بعض افراد ہی ہوتے تو اُن کی تخلیق بھی مٹی سے ہوئی ہوتی۔ حالانکہ قرآن بتا رہا ہے کہ جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی۔ جب دونوں کا مادہ تخلیق جُدا جُدا ہے تو پھر جنات کو نوعِ انسانی کے افراد کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ اس چیز کو قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ جن وانس کی تخلیق کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

''ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا''۔ اگر جن انسانوں کے ہی کسی مخصوص گروہ کا نام ہوتا تو پھر ان کا یہاں الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ انسانوں کے متعدد

گروہ ہیں۔ اُن میں سے اور کسی کا ذکر نہ کرنا صرف جنگلوں اور پہاڑوں میں بسنے والوں کا علیحدہ ذکر کرنا' کسی طرح بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ آیاتِ قرآن سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنات کی تخلیق انسان سے بہت پہلے ہوئی تھی۔ شیطان جنوں کا ہی ایک فرد تھا جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت موجود تھا۔ اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے باعث راندۂ درگاہ بن گیا تھا۔ اُس کے بارے میں ارشاد ہے: ''شیطان جنوں میں سے تھا' پھر اُس نے اپنے رب کی نافرمانی اختیار کر لی'' تو جن جو نوعِ انسانی کے باپ آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے' انہیں ان کی اولاد کیسے شمار کیا جا سکتا ہے؟ جنات کی ایک اور خصوصیت بیان کی گئی ہے جو انسانوں میں نہیں پائی جاتی۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جنات نوعِ انسانی کے افراد نہیں بلکہ جُدا مخلوق ہیں۔ ارشاد ہے: ''شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے''۔

کثیر التعداد آیات میں سے صرف چند پیش کی گئی ہیں۔ اگر آپ غیر جانبداری سے ان کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسانوں کی طرح جن بھی ایک علیحدہ مخلوق ہیں۔ صرف اس لیے ان کا انکار کہ یہ ہمیں نظر نہیں آتے' اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ کیا ہم اپنے حواس کو اتنا ہمہ گیر خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لے لیا ہے اور جو چیز ان حواس سے ثابت نہ ہو' وہ موجود ہی نہیں۔ اس طرح تو ہمیں پھر بہت سی چیزوں کا انکار کرنا پڑے گا۔ روح فرشتے' نزولِ وحی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں ہمارے حواس سے ماورئی ہیں اور کون ایسا مسلمان ہے جو ان کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کرے۔

سورہ الحجر میں جنات کی تخلیق کا ذکر

جیسا کہ اوپر بیان ہوا انسان اور جان کی پیدائش کے بارے میں قرآن حکیم میں دیگر مقامات پر بھی کچھ اس طرح سے رہنمائی ملتی ہے:۔

○ ۱۵۔الحجر: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ(٢٦) وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ(٢٧)

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے پیدا کیا انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی (۲۶) اور جان (الْجَانَّ) کو ہم نے پیدا فرمایا' اس سے پہلے ایسی آگ سے جس میں دھواں نہیں (۲۷)

جنات کے مقاصدِ زیست

جن و انس کے مقصدِ تخلیق کے بارے میں قرآن حکیم ہمیں جو رہنمائی عطا فرماتا ہے وہ یہ ہے:

○ ۵۱۔الذٰریات: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ(٥٦) مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ(٥٧) اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ(٥٨)۔

ترجمہ: اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن و انس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں (۵۶) نہ طلب کرتا ہوں میں ان سے رزق اور نہ یہ طلب کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں (۵۷) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا' قوت والا (اور) زور والا ہے (۵۸)۔

سورہ الرحمٰن میں جنات کا ذکر

لہٰذا انسانوں اور جنوں میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کو اپنا نصب العین قرار دیتے ہوئے زندگی بسر کریں گے اُن کیلئے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں کامیابیوں اور کامرانیوں کے لامحدود خزائن کا وعدہ فرمایا' اس کے علاوہ جنت کی بشارت بھی دی۔ اور جنت میں موجود ہر طرح کے عیش و آرام کے ساتھ اس امر کی بھی نشاندہی کی گئی کہ یہ وہ جنت ہے جس میں:

○ ۵۵۔الرحمٰن: فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ(٥٦) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ(٥٧) كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ(٥٨) ترجمہ: ''ان میں نیچی نگاہوں والی (عفت مآب خواتین) ہوں گی جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے'' (۵۶) پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (۵۷) یہ تو گویا یاقوت اور مرجان ہیں (۵۸)۔

نیز یہ بھی کہ:

○ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ(٧٢) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ(٧٣) لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ(٧٤)

ترجمہ: یہ حوریں پردہ دار خیموں میں (۷۲) پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (۷۳) ان کو بھی اب تک نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے (۷۴)۔ انسانوں اور جنات میں سے جو احکام الٰہی کے پابند رہے ہوں گے اُن کے لئے جنت جیسے انعام کے باوصف قبل ازیں یہ ذکر بھی قرآن حکیم میں آ چکا تھا کہ انسانوں اور جنوں سے حشر کے میدان میں کس قسم کا سلوک روا رکھا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

○ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّ (۳۹)

ترجمہ: "تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ کو سب کچھ پہلے سے معلوم ہوگا)۔ اس لئے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ ہر شخص کا نامہ اعمال لکھا ہوا اس کے ہاتھ میں ہوگا"۔(۳۹)

جنات سراسر گھاٹے میں

جنوں اور انسانوں میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے ان کیلئے قرآن حکیم میں یہ انتباہ موجود ہے:

○ ۴۶۔الاحقاف: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ (۱۸)

ترجمہ: "یہی وہ (بدبخت) ہیں جن پر ثابت ہو چکا ہے عذاب کا فرمان ان گروہوں میں سے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں جنوں اور انسانوں میں سے۔ بے شک وہ سراسر گھاٹے میں تھے"(۱۹)۔

بعض جنات اہل کتاب سے تعلق رکھتے تھے

جیسا کہ اوپر سورۃ الجن کے تعارف کے ضمن میں بیان کیا گیا قوم جنات میں سے جس جماعت کو حضور ﷺ پر ایمان لانے کی توفیق ارزانی ہوئی اس کا بیان قرآن حکیم کی سورۃ الاحقاف (۴۶) کی آیات ۲۹ تا ۳۲ میں پوری وضاحت کے ساتھ اس طرح سے کیا گیا:

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ (۲۹) قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ (۳۰) يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۱) وَمَن لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءُ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (۳۲)

ترجمہ: "اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ قرآن سنیں تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے کہ خاموش ہو کر سنو۔ پھر جب تلاوت ہو چکی لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے (۲۹) انہوں نے (جا کر) کہا اے ہماری قوم! ہم

(آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی، رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہ راست کی طرف (۳۰) اے ہماری قوم! قبول کرلو اللہ کی طرف سے بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ بخش دے گا تمہارے تمام گناہ اور بچالے گا تمہیں دردناک عذاب سے (۳۱) اور جو قبول نہیں کرتا اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں (کہ اس سے بچ کر نکل بھاگے) اور نہیں اس کیلئے اللہ کے سوا کوئی مددگار یہ (منکر لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں (۳۲)۔

تشریح: جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ ان آیات مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آیت نمبر ۳۰ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنات حضرت موسیٰ کے امتی تھے۔

نیز یہ کہ جنات بھی حضور کی امت دعوت میں شامل ہیں۔ ان آیات میں بارگاہِ رسالت میں جنات کی پہلی حاضری کا ذکر کیا جارہا ہے۔ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ واقعہ وادی نخلہ میں پیش آیا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز یا صبح کی نماز میں تلاوت فرمارہے تھے۔ جنوں کے ایک گروہ کا گزر اس وادی سے ہوا۔ اثر انگیز کلام سن کر وہ رک گئے اور ایک دوسرے کو تاکید کی کہ خاموشی سے سنیں۔ جب انہوں نے قرآنِ کریم کی آیات کو سنا تو ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ خود اسلام قبول کیا اور اسلام کے داعی اور مبلغ بن کر اپنی قوم کے پاس پہنچ کر انہیں بتایا کہ کس طرح انہیں کلام الٰہی سننے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ وہ ایسا کلام ہے جو گزشتہ انبیاء اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، راہِ حق کو واضح کرتا ہے۔ ان جنوں نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس پر ایمان لائیں۔ ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ انہیں عذاب الٰہی سے نجات مل جائے گی۔ اس کے علاوہ ہجرت سے پہلے ہجرت کے بعد جنات کی حاضری کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے کلام الٰہی سنتے، شریعت کے مسائل دریافت کرتے اور اپنی قوم میں جا کر ان کی تبلیغ کرتے۔ علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہجرت سے پہلے چھ بار جنات حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ اس طرح وہ احادیث جن میں اس واقعہ کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے ان میں بھی تطبیق ہو جائے گی۔

حضرت عمرؓ کے خطبہ میں جنات کا ذکر

جنات کی تبلیغ کا ایک عجیب واقعہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے: ''حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت فاروق اعظمؓ خطبہ ارشاد فرما

رہتے تھے۔ آپ نے پوچھا تم میں سواد بن قارب ہے؟ خاموشی طاری رہی۔ آئندہ سال پھر آپ نے یہی سوال دہرایا۔ میں نے عرض کی یہ سواد کون صاحب ہیں؟ فرمایا ان کے ایمان لانے کا واقعہ بڑا عجیب وغریب ہے۔ اسی اثناء میں حضرت سوادؓ بھی آ پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے سواد! اپنے ایمان لانے کا واقعہ بیان کرو سواد بولے: ''اے امیر المومنین! میں ہند میں تھا اور ایک جن میرا تابع تھا۔ ایک شب میں سویا ہوا تھا اور اس نے آ کر مجھے خواب میں کہا اٹھو اور میری بات غور سے سنو اللہ تعالیٰ نے قبیلہ لوئی بن غالب سے ایک نبی مبعوث فرمایا۔ دوڑو اور اس پر ایمان لاؤ۔ تین رات یوں ہی ہوتا رہا۔ اس کے بار بار کہنے سے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوگئی۔ میں اونٹنی پر سوار ہوا اور مکہ مکرمہ پہنچا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ حضورؐ کے آس پاس حلقہ بنائے بیٹھے ہیں۔ جب حضورﷺ کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمایا **مرحبا بك يا سواد بن قارب! قد علمنا ماجاء بك**۔ اے سواد! خوش آمدید۔ جو تجھے لے آیا ہے ہم اس کو بھی جانتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے چند شعر عرض کیے ہیں۔ اجازت ہو تو پیش کروں۔ حضورﷺ نے اجازت دی۔ انہوں نے قصیدہ پیش کیا۔ ابتداء میں اپنے خواب کا واقعہ بیان کیا۔ پھر بڑے محبت بھرے انداز میں اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ چند شعر آپ بھی سنیے: (اشعار کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے: مؤلف)

ترجمہ:

(۱) میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی رب نہیں ہے اور آپﷺ کو ہر قسم کے غیبوں کا امین بنایا گیا ہے۔

(۲) اے بزرگوں اور پاکبازوں کے فرزند تمام رسولوں سے آپﷺ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت قریب ہے۔

(۳) جو وحی آپﷺ کے پاس آتی ہے آپﷺ ہمیں اس کا حکم دیجئے ہم حضورﷺ کے ارشاد کی تعمیل کریں گے خواہ تعمیل حکم میں ہمارے بال ہی سفید ہو جائیں۔

(۴) یا رسول اللہﷺ اس روز سواد بن قارب کی شفاعت فرمایئے جبکہ حضورﷺ کے بغیر کسی کی شفاعت کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی۔

عشق ومحبت ایمان ویقین سے لبریز یہ اشعار سن کر حضورﷺ ہنس دیئے' یہاں تک کہ دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے اور مجھے فرمایا **افلحت يا سواد!** اے سواد! تو دونوں جہانوں میں

کامیاب ہو گیا۔

امیر المومنین نے پوچھا کیا وہ جن اب بھی تمہارے پاس آتا ہے؟ عرض کی جب سے میں نے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا پھر نہیں آیا۔ میں خوش ہوں کہ اس جن کے عوض مجھے قرآن کریم جیسا تحفہ ہدایت مل گیا۔

الاحقاف کی درج بالا آیات سے یہ امر بھی واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ جنات میں سے جس جماعت کو حضور ﷺ پر ایمان لانے کی توفیق حاصل ہوئی انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے واپس جا کر جو شہادت دی اس میں جہاں قرآن حکیم کی تعلیمات کی اثر انگیزی کا خصوصیت سے ذکر تھا وہاں انبیاء و رسل علیہم السلام پر اتاری گئی دیگر کتب آسمانی کا تذکرہ بھی موجود تھا خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے چونکہ سابقہ کتب آسمانی کا ذکر کیا گیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ قوم جنات توریت، زبور، انجیل اور سابقہ انبیاء پر اتارے گئے دیگر صحیفوں سے بھی بخوبی واقف تھی جب کہ آخری کتاب قرآن حکیم کے سابقہ کتب کی تصدیق کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ جنات یہ بھی جانتے تھے کہ تمام کتب سماوی دراصل ایک ہی دین کی کڑیاں اور اسی دین کی دعوت دیتے چلے آ رہی تھیں جس کی تکمیل اب قرآن حکیم اور نبی آخر الزمان پر ایمان لانے سے ہی ممکن ہے۔ جیسا کہ ابتدائی پیرا میں مذکورہ جنوں کی متعدد آیات میں اس امر کا تذکرہ بھی موجود ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد قوم جنات کے پاس اب وہ موقع بھی باقی نہیں رہا تھا کہ جس طرح وہ پہلے آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کے حلقوں میں سے کچھ باتیں سن آتے تھے اور آئندہ واقعات سے متعلق خبریں جمع کر لایا کرتے تھے اور کاہنوں کو ان اطلاعات کے ذریعے بعض بیوقوف انسانوں پر اپنی برتری جتانے اور اپنے پیچھے لگائے رکھا کرتے تھے جس سے جنات اس گھمنڈ میں بھی مبتلا تھے کہ وہ انسانوں سے زیادہ برتر و افضل ہیں۔ چنانچہ فرمایا سورۃ نمبر ۶ (الانعام) آیت نمبر ۱۰۱:

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۱۰۱)

ترجمہ: "اور بنا لیا انہوں نے (مشرکین نے) اللہ کا شریک جنوں کو، حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے انہیں اور گھڑ لیے ہیں انہوں نے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں محض جہالت سے، پاک ہے وہ اور برتر ہے ان سے جو وہ بیان کرتے ہیں" (۱۰۱)۔

اس مضمون کو ایک اور جگہ قرآن حکیم میں یوں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

سورۃ الصافات اور سورۃ الکہف میں جنات کا تذکرہ

○ ۳۷۔الصافات وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ (۱۵۸) سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ (۱۵۹) إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ (۱۶۰)

ترجمہ: اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان بھی [illegible] ہے [illegible] (۱۵۸) [illegible] (۱۵۹) [illegible]

[illegible]

○ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ۗ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا (۵۰)

ترجمہ: [illegible] (الکہف: ۵۰)

[illegible] (الانعام: ۱۳۰ تا ۱۳۲) [illegible]

جنوں میں سے بھی انبیاء مبعوث ہوئے

○ ذٰلِكَ أَنْ لَمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا

غٰفِلُوْنَ(۱۳۱)وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا۔ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ(۱۳۲) ترجمہ:"اے جنوں اور انسانوں کے گروہو! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر میری آیتیں پڑھتے اور تمہیں یہ دن دیکھنے سے ڈراتے تھے؟' وہ کہیں گے ہم نے اپنی جانوں پر گواہی دی اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا' اور وہ خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔(۱۳۱) یہ اس لئے ہے کہ آپ ﷺ کا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ بستی کے لوگ بے خبر ہوں۔(۱۳۲)۔

درج بالا آیات کے معانی میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے کہ جنوں اور انسانوں کیلئے علیحدہ علیحدہ انبیاء ورسل آتے رہے۔عصر حاضر کے مفسرین قرآن میں سے صاحب تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحیؒ' صاحب ضیاء القرآن جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اور سابقون میں سے صاحب تفسیر مظہری علامہ قاضی محمد ثناءاللہ عثمانی پانی پتی مجددیؒ اس معاملے میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ عموماً ایسے اختلافی روحانی و باطنی امور میں خاموشی اختیار کرنا ہی مناسب سمجھتے ہیں۔البتہ مولانا محمد جونا گڑھی و مولانا صلاح الدین یوسف (مترجم وحواشی نگار قرآن حکیم تقسیم کردہ سعودی عرب کے الملک فہد بن عبدالعزیز) نے اس امکان کا اظہار کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کے وجود کے بعد ہوسکتا ہے کہ وہ (یعنی جنات) انسانی نبیوں کے تابع کردیئے گئے ہوں۔تاہم عمومیت کے ساتھ یہ حضرات بھی یہی خیال رکھتے ہیں کہ جنات کا وجود چونکہ انسان کے پہلے ہی سے ہے تو ان کی ہدایت کیلئے انہیں میں سے انبیاء مبعوث ہوتے رہے ہوں۔

درج بالا نقطۂ نگاہ کے علی الرغم دورِ حاضر کے جو مفسرین اس کے برعکس خیال رکھتے ہیں اُن میں قابل ذکر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ہیں جنہوں نے مولانا محمود الحسن دیوبندی کے ترجمہ قرآن پر حواشی قلمبند کئے ہیں۔قبل ازیں حافظ اسمٰعیل ابن کثیرؒ کا بھی یہی خیال تھا کہ جنات میں انبیاء مبعوث نہیں ہوئے۔

مناسب ہوگا کہ اب اول الذکر گروہ کے مفسرین کرام کے دلائل کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لے لیا جائے:

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ' سورۃ الانعام کی آیت ۱۳۱ کا ترجمہ اس طرح سے کرتے ہیں:"اے گروہ جنوں اور انسانوں کے! کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے سناتے تھے تمہیں آیتیں اور ڈراتے تھے تمہیں تمہاری اس دن کی ملاقات سے"..... ..... اور آیت ۱۳۲ کا ترجمہ کرتے ہیں کہ:"نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو ظلم سے اس حال

میں کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں۔ "شاہ صاحب فرماتے ہیں: سنت الٰہی یہ ہے کہ پہلے ان کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے والے بھیجے جاتے ہیں جو ان کو سمجھاتے ہیں اور اس گمراہی اور بدکاری سے باز آ جانے کی نصیحت کرتے ہیں۔ اگر پھر بھی وہ گمراہی اور کجروی پر بضد رہیں تو عذاب نازل ہوتا ہے جو انہیں نیست و نابود کر دیتا ہے"..... اور قوم جنات بھی راندۂ درگاہ قوم ہے۔ جنات کی تخلیق انسان سے بہت پہلے ہوئی تھی' شیطان ان میں ایک فرد تھا جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت موجود تھا اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے باعث راندۂ درگاہ بن گیا تھا۔ لہٰذا اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ "جنات بھی انسانوں میں آنے والے انبیاء و رسل کے تابع ہیں"۔ تو انسان کی تخلیق سے قبل اُن کی رہنمائی و رشد و ھدایت کیونکر ہو سکتی تھی؟ جب کہ سنت الٰہی تو یہ ہے کہ پہلے ان کی طرف اللہ کا پیغام سنانے والے بھیجے جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ عقیدہ نصوص اور عقل سلیم سے بعید ہے کہ ایک مکلف قوم جو اوامر و نواہی پر جواب دہ تھی اُسے انبیاء و رسل کی رہنمائی سے محروم رکھا گیا ہوگا!

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں اس موضوع پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ کیا جنات میں بھی پیغمبر ہوئے یا نہیں۔ ضحاک سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا ضرور ہوئے تھے۔ دیکھو اللہ نے فرمایا ہے: انسانوں میں سے (انسان) اور جنوں میں سے (جن) پیغمبر بنا کر کیا نہیں بھیجے گئے" (۶:۱۳۰)۔ کلبی کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے جن و انس سب کی طرف پیغمبر بھیجے جاتے تھے یعنی مختلف پیغمبر مختلف اقوام و اطراف کیلئے۔ تمام جن و انس کی طرف تو صرف رسول اللہ ﷺ کو بھیجا گیا (آپ سے پہلے کسی پیغمبر کی بعثت نہ تمام انسانوں کیلئے ہوئی نہ تمام جنات کیلئے)..... مولانا پانی پتی فرماتے ہیں: آیت سے یہ بات یقیناً معلوم ہو رہی ہے کہ جن ہوں یا انسان' ہر فریق کی ہدایت کیلئے پیغمبروں کو بھیجا گیا' پیغمبر بنا کر بھیجا گیا' یہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں' دیکھو اللہ نے فرمایا ہے: اگر زمین پر فرشتوں کی بستی ہوتی تو آسمان سے ان کیلئے فرشتہ کو پیغمبر کر بھیجا جاتا".....اس آیت کے مفہوم کا تقاضا ہے کہ جنات کی ہدایت کیلئے جنات کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا گیا کیونکہ مرسل اور مرسل الیہ کے درمیان کامل مناسبت اور ربط طبعی ہونا چاہئے (اور یہ صرف اتحاد نوعی کی صورت میں ہو سکتا ہے) پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جنات اہل فہم و عقل ہیں۔ آدم سے پہلے ان کی تخلیق ہوئی تھی اور ذی عقل ہونے کی وجہ سے ہی یہ اوامر و نواہی کے مکلف تھے اسی لئے فرمایا گیا: "اب اگر ان میں سے کسی کو پیغمبر نہ بنایا گیا ہوتا تو ان کو عذاب بھی نہ دیا جاتا" کیونکہ اللہ نے خود فرمایا' پس اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم سے پہلے جنات میں سے کچھ افراد اپنی قوم کے پیغمبر تھے"۔

مولانا صلاح الدین یوسف دونوں امکانات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جنات

کا وجود انسان کے پہلے ہی سے ہے تو ان کی ہدایت کیلئے انہیں میں سے کوئی نبی آیا ہوگا پھر آدم علیہ السلام کے وجود کے بعد ہوسکتا ہے وہ انسانی نبیوں کے تابع رہے ہیں۔ البتہ نبی کریم ﷺ کی رسالت بہر حال تمام جن وانس کیلئے ہے اس میں کوئی شبہ نہیں...... آگے چل کر آیت کا مفصل ترجمہ لکھ کر وہ اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے سنت اللہ کے ضمن میں کہتے ہیں: ''رسولوں کے ذریعے سے (اللہ تعالیٰ) جب تک اپنی حجت قائم نہیں کر دیتا (کسی بستی کے رہنے والوں کو) ہلاک نہیں کرتا' یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۱۳۱ کے علاوہ سورۃ فاطر آیت مبارکہ ۲۴' سورۃ نحل آیت ۲۶' بنی اسرائیل ۱۵ اور سورۃ ملک ۸۔۹ وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: (ترجمہ آیات ۱۳۱۔۱۳۲): اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تمہیں میری آیتیں سناتے اور تمہارے اس دن کی ملاقات سے تم کو ہوشیار کرتے ہوئے تم میں سے رسول نہیں آئے؟ وہ بولیں گے ہم خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کافر ہے یہ اس وجہ سے کہ تیرا رب بستیوں کو ان کے ظلم کی پاداش میں اس حال میں ہلاک کرنے والا نہیں ہے کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں) یہ سوال اُن سے بطور قطع عذر کے ہوگا مطلب یہ ہے کہ شامت زدو! کیا تمہارے پاس تمہی میں سے میری آیتیں سنانے اور دن کی آمد سے ہوشیار کرتے ہوئے رسول نہیں آئے؟ پھر تم نے آخر اپنی یہ شامت کیوں بلائی؟ رسول نہ آئے ہوتے تو تم یہ عذر پیش کر سکتے تھے۔ اب کیا عذر پیش کر سکتے ہو؟ تم نے تو سب کچھ سن اور سمجھ کر اپنی آنکھیں اور کان بند کئے رکھے۔

''رُسُلٌ'' مِنْكُمْ'' سے بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر انسانوں ہی میں سے رسول بھیجے' اسی طرح جنات کے اندر جنوں میں رسول بھیجے۔ انبیاء ورسل کے باب میں اللہ تعالیٰ کی جو سنت ہے اور جو تفصیل سے قرآن میں بیان ہوئی ہے اس کا لازمی اقتضا بھی یہی ہے کہ جنوں کے اندر انہی کے اندر سے رسول آئیں جو ان کی بولی میں' اُن کی ضروریات وحالات کے مطابق ان پر اللہ کی حجت تمام کریں۔ اتمام حجت انبیاء ورسل کی بعثت کا اصل مقصد ہوتا ہے جو بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ہر گروہ کے اندر ان کی فطرت کے مطابق رسول آئیں۔ انسان اور جن دو مختلف نوعیں ہیں' دونوں کے مسائل اگر کل نہیں تو بیشتر الگ الگ ہیں۔ اشتراک ہوسکتا ہے تو عقائد واخلاق کے بعض اصولوں میں ہوسکتا ہے' شریعت' قانون' معاشرت کے مسائل تو لازماً الگ ہوں گے۔ پھر رسول جو اسوہ اور نمونہ بن کر آتے ہیں اگر ان کے اندر سے ہوئے تو وہ اُن کیلئے اسوہ اور نمونہ کیسے بن سکتے ہیں؟ جب ہم انسانوں کیلئے جنات میں سے کوئی رسول اسوہ نہیں بن سکتا تو انسانوں میں سے کوئی رسول جنوں کیلئے اسوہ کیسے بن سکتا

ہے؟ ہر قوم میں رسول ان کے اندر کا ہونے کا خاص پہلو اتمام حجت کے نقطہ نظر سے یہی ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ گویا اس قوم پر خود اس کی زبان خود اس کے ضمیر خود اس کے ایک بھائی اور خود اسی کے ایک فرد کامل کے ذریعے سے اس پر حجت قائم کر دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جنات (جو تسلیم شدہ شرارتی قوم ہے اور جس کا ایک نمایاں فرد شیطان لعین ہے) قیامت کے روز اس سوال پر جواب میں یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ اے رب! ہم جنات کیلئے کسی غیر جن کا قول کس طرح حجت ہو سکتا تھا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ جس طرح سے جنوں کے اشرار و شیاطین اور انسانوں کے اشرار و شیاطین میں حق کی مخالفت کیلئے سنگھٹن ہو جایا کرتا ہے جیسا کہ اوپر کی آیات میں بیان ہوا اسی طرح بعض مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ جنوں کے اندر جو ابرار و صالحین ہیں ان کی طرف سے اس حق کی بھی تائید ہوتی ہے جو انسانوں کے انبیاء و صالحین کے ذریعے سے ہوا ہے۔ اس لئے کہ حق اصولی حیثیت سے نہ صرف انسانوں اور جنوں کے مابین ایک متاع مشترک ہے بلکہ پوری کائنات کی متاع مشترک ہے''۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مذکورہ آراء میں علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی نقشبندی مجددی کی رائے سب سے صائب نصوص و عقل و خرد کے زیادہ قریب اور منطقی (logical) ہے۔ اہل فکر و نظر کو البتہ مجاہد اور ابن کثیر کی رائے بھی موازنہ کیلئے دیکھ لینی چاہیئے۔

جنوں اور انسانوں کے مابین باہمی تعلقات کے ضمن میں اس امر کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے کہ انسان بحیثیت اشرف المخلوقات جنات پر ہر اعتبار سے فوقیت رکھتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اپنے من میں ڈوب کر اس سراغ زندگی کو پا جائیں۔ حضرت اقبالؒ نے کیا ہی خوب فرمایا:

وہ حرف راز کہ مجکو سکھا گیا ہے جنوں — خدا مجھے نفسِ جبرئیل دے تو کہوں!
ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا — وہ خود فراخیٔ افلاک میں ہے خوار و زبوں
سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیؐ سے مجھے — کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اسی حقیقت کے پیش نظر حضرتِ علامہؒ کی نظر میں روحِ ارضی نے جنت سے کائنات ارضی پر پہلی آمد کے موقع پر آدم علیہ السّلام کا یہ کہتے ہوئے استقبال کیا تھا:۔

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ! — مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں — یہ گنبدِ افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں — تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں — آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں — جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں

اے پیکرِ گل کوشش پیہم کی جزا دیکھ!

انسانوں میں سے شعبدہ باز عاملین کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے چلّے کھینچ کر بعض جنات کو قابو میں کر رکھا ہے اور وہ ان سے ناقابلِ یقین حد تک ایسے کام لے سکتے ہیں جو انسانی تصور میں بھی نہیں آسکتے بلکہ اس کے برعکس انسانی عظمتوں اور سرفرازیوں سے محروم صرف کم ہمت بد بخت لوگ ہی ایسے دعاوی پر یقین کر سکتے ہیں جب کہ صاحبانِ عظمت ایسے دعاوی کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت دینے کیلئے تیار نہیں ہو سکتے۔ ماضی میں صلحائے امت اور غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی جیسے اولیائے کرام نے ایسے عاملین اور جادوگروں پر اپنی روحانی طاقت وعظمت کا لوہا جس انداز سے منوایا' تاریخ اس پر گواہ ہے۔ قرآن حکیم میں فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے تصادم میں جب ہزاروں جادوگر فرعون کی پشت پناہی اور طاغوتی طاقتوں کی برتری ثابت کرنے کیلئے جمع ہوئے اور انہوں نے اپنی جادوگری کے زور سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے مقابلے میں خوفناک سانپ میدان میں چھوڑ دیئے تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنا عصا جونہی زمین پر پھینکا وہ اژدھا بن کر سب سانپوں کو نگل گیا جس کے نتیجے میں تمام جادوگر فوری طور پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر ایمان لے آئے کیونکہ انہوں نے جان لیا تھا کہ اُن کے جادو کا توڑ کسی جادو سے نہیں بلکہ صرف اور صرف روحانی قوت ہی سے ممکن ہوسکتا تھا۔ اُدھر قرآن حکیم ہی میں حضرت سلیمان علیہ السّلام کے زیرِ فرمان جنات نے جس انداز میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں حصہ لیا اور اسی دوران میں ہزاروں میل کے فاصلہ سے ملکہ بلقیس کا بھاری بھرکم نہایت قیمتی تخت اُٹھا کر لانے کی خواہش کا اظہار جب حضرت سلیمان علیہ السّلام کی طرف سے کیا گیا تو اس مہم کو سر کرنے میں بھی حضرت سلیمانؑ کا ایک حواری (انسان) جنات پر بازی لے گیا۔ سلمان علیہ السّلام کے واقعات نہ صرف یہ کہ عجیب وغریب' حیرت انگیز' عقل وفکر کو عاجز کردینے والے ہیں بلکہ جنات پر انسانوں کی برتری ثابت کرنے کیلئے ناقابلِ تردید دلائل و براہین کے شاہد وامین ہیں۔۔۔ ملاحظہ کیجئے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

سورہ النمل میں جنات کے لشکروں کا ذکر

o ۲۷۔ سورہ النمل: وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ(۱۷) ترجمہ: ''اور جمع ہوئے سلیمان کے پاس اُن کے لشکر جنوں' انسانوں اور پرندوں کے' پس وہ نظم وضبط کے پابند تھے''۔

o ۲۷۔ سورہ النمل: قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ(۳۸) قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ(۳۹) قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ

مِنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ۔ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ۔ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ(٤٠) ترجمہ: ''آپ (سلیمان علیہ السلام) نے فرمایا: اے (میرے) درباریو! کون تم میں سے لے آئے گا میرے پاس اس تخت کو اس سے پہلے کہ وہ (ملکہ بلقیس) حاضر ہو جائے میرے حضور مطیع ہو کر (۳۸) ایک بڑا خبیث (عفریت) جن بولا کہ (حکم ہو تو) میں وہ تخت آپ کے سامنے حاضر کر دوں گا قبل اس سے کہ حضور اجلاس برخاست کریں اور یقیناً میں اس کی قوت بھی رکھتا ہوں اور امین بھی ہوں (۳۹) عرض کی اُس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا (اجازت ہو تو) میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے، پھر جب (سلیمان نے) اسے (یعنی تخت کو) اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے رب کا فضل وکرم ہے تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کیلئے اور جو ناشکری کرتا ہے (وہ اپنا نقصان کرتا ہے) بلاشبہ میرا رب غنی بھی ہے اور کریم بھی''۔ (۴۰)

انسانی اور جناتی قوتوں کا تقابل

○ ۳۴۔ سبا: وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ۔ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ۔ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ(١٢) فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ۔ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ (١٤)

ترجمہ: ''اور ہم نے مسخر کر دی سلیمان کیلئے ہوا اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی اور ہم نے جاری کر دیا اُن کیلئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ اور کئی جن (ان کے تابع فرمان کر دیئے) جو کام میں جتے رہتے ان کے سامنے ان کے رب کے اذن سے اور جو سرتابی کرتا ان میں سے ہمارے حکم (کی تعمیل) سے تو ہم اسے چکھاتے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب''۔ (۱۲) ''پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا، نہ پتہ بتایا جنات کو آپ کی موت کا مگر زمین کی دیمک نے جو کھاتی رہی آپ کے عصا کو، پس جب آپ زمین پر آ رہے، تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو (اتنا عرصہ) نہ رہتے اس رسواکن عذاب میں''۔ (۱۴)

تشریح: حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا کو اس طرح سے مسخر کر دیا گیا کہ جب آپ اپنی وسیع وعریض سلطنت کے دورے پر جاتے تو آپ کے تخت کو ہوا اپنے کندھوں پر اُٹھا کر بڑی سرعت سے روانہ ہو جاتی اور وہ بڑی تیز رفتاری سے اپنی منزل پر پہنچ جاتے۔ صبح کے وقت وہ

اتنا سفر کر لیتے جتنا ایک نہایت برق رفتار گھوڑے پر ایک ماہ میں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ شام کے وقت اُسی برق رفتاری سے واپس چلے آتے۔۔۔ اسی طرح جنات کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان کیا گیا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنی ڈیوٹی میں غفلت یا پہلو تہی کرتا۔ سرتابی کرنے والوں کو آگ سے داغا جاتا۔۔۔ جنات غیب دانی کے بھی دعویدار تھے اور اس وجہ سے وہ انسانوں پر اپنا رعب بٹھاتے اور انہیں طرح طرح کے غیب دانی جھانسے دے کر بیوقوف بناتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اُن کی غیب دانی کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت سے اُنہیں بے خبر رکھا گیا۔ حضرت سلیمانؑ کو اُس وقت موت سے ہمکنار کیا جب وہ اپنے عصا پر ٹیک لگائے مصروف عبادت تھے (یا مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی نگرانی فرما رہے تھے) آپ کی روح پرواز کر گئی لیکن آپ کا جسم مبارک عصا کے سہارے جوں کا توں کھڑا رہا۔ جب کہ جنات جو آپ کے حکم سے بڑے کٹھن اور مشقت طلب کاموں میں جُتے ہوئے تھے۔ اسی طرح پورا سال گزر گیا۔ اس دوران میں حکم الٰہی سے دیمک نے عصا کو اندر سے چاٹ کھایا۔ جب وہ آپ کا بوجھ نہ سہار سکا تو ٹوٹ گیا اور آپ نیچے زمین پر آ رہے۔ تب جنات کو پتہ چلا کہ جس کے خوف سے وہ دن رات مصروف مشقت رہے وہ تو عرصہ سے وفات پا چکا ہے۔ لہٰذا اُن کی غیب دانی کی حقیقت اس طرح سے فاش ہوگئی۔

کہا جاتا ہے کہ جنات کی بود و باش عموماً ویران گھروں، جنگلوں اور دور افتادہ بے آباد علاقوں میں ہوتی ہے۔ وہ اپنے ملکوں اور علاقوں میں بسنے والے انسانوں جیسے ہی نام رکھتے ہیں۔ اُن کے ہاں زندگی گزارنے کے طور طریقے بھی انسانوں جیسے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے حکمرانوں اور بادشاہوں کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہونے باعث بہت بہتر عقل و فکر، تحقیق و تجسس، علوم و فنون کے ماہر ہوتے ہیں۔ اس لئے جنات حصول علم و فن کیلئے انسانوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ خصوصاً مسلمان جنات دینی علوم (قرآن و سنت) کی تحصیل کیلئے علماءِ اسلام اور تزکیۂ نفس کیلئے صوفیہ عظام سے فیض یاب ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسی مثالیں مشاہدے میں آئی ہیں کہ وہ انسانی صورت میں علماء و صوفیہ کی محافل میں اکتساب فیض کیلئے حاضر ہوئے لیکن کم عقل ہونے کے باعث بعض اوقات وہ اپنی انسانی صورتوں میں ہوتے ہوئے جناتی حرکات پر اتر آنے سے انسانوں کیلئے وحشت و دہشت کا سبب ہوئے۔ علمائے اسلام اور صوفیہ کی وعظ و نصیحت سننے کیلئے عموماً مساجد میں اُن کی موجودگی کے مشاہدات بھی زبانِ زدِ خاص و عام ہیں۔ تاہم مسلمان جنات چونکہ شریف النفس ہوتے ہیں اس لئے وہ حتی الوسع کسی شخص کو وحشت زدہ نہیں کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی پسندیدہ مادی صورت سانپ کی ہے اس لئے سانپ کو مارنے سے قبل عقلاً نصیحت کرتے ہیں کہ اعلان کرنا چاہیے کہ اگر وہ سانپ کی بجائے جن ہے اور ہے تو اپنی اصل صورت اختیار کرلے ورنہ اُسے مار ڈالا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

باب-3

انسان کی اُخروی فلاح کا واحد ذریعہ اور

............(مقصدِ تخلیق)............

عبادتِ الٰہی

اسلام اللہ تعالیٰ کا واحد پسندیدہ دین ہے اسلام کے لغوی معنی ہیں: ''سرِتسلیم خم کر دینا''۔ اسی لئے تمام ذی روح اور عقل و اختیار رکھنے والی مخلوق (جن و انس) کی دو ہی قسمیں ہیں۔۔۔ ایک وہ جو اللہ اور اُس کے پسندیدہ دین اسلام پر ایمان لانے والے یعنی مسلمان و مومن ہیں اور دوسرے کفار جو بے ایمان اور انکار کے مرتکب۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

(۱) فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ؕ (۲۔ البقرۃ:۲۵۶)

''پس جو طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اُس نے ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں''۔

نیز ارشاد ہوا:

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ (۹۸۔ البینۃ:۷)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، یہی خلق اللہ میں سب سے بہتر لوگ ہیں''۔

پھر یہ بھی ارشاد ہوا:

(۳) اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۝ (۲۔ البقرۃ : ۲۵۷)

''جو لوگ ایمان لائے' اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے اور وہ اُن کو تاریکیوں میں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے۔''

ایمان ہی میدان حشر میں کامیابی وکامرانی کی ضمانت ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

(٤) يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (۵۷۔ الحدید:۱۲)

''اُس دن تم ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھو گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے ضوفشانی کر رہا ہوگا اور اُن کے داہنے ہاتھ میں بھی (ان سے کہا جائے گا) تمہارے لئے آج خوشخبری ہے (کہ) تمہارے لئے جنتیں ہیں' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' ہمیشہ تم ان میں (خوش وخرم) رہو گے اور یہی عظیم الشان کامیابی (فوز العظیم) ہے''۔

مومنین کی پہچان قرآن حکیم میں اس طرح سے بیان ہوئی ہے:

(٥) وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ۔ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا

''جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول ﷺ پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ وہ بول اُٹھتے ہیں کہ ''پروردگارا! ہم ایمان لائے' ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے اور وہ (کہتے ہیں کہ) آخر

رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَo
(٥۔ المائدہ: ٨٣۔ ٨٤)

کیوں نہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور جو حق ہمارے پاس آیا ہے اسے کیوں نہ مان لیں جب کہ ہم اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالح لوگوں میں شامل کر دے''۔

انسانوں کو قرآن حکیم کی اصل اور بنیادی دعوت یہ کہ وہ عبادت کریں اور بندگی رب پر جمے رہیں چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

(٦) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (٢١) الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo (٢۔ البقرۃ: ٢٢)

''انسانو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان کو جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ (اس پروردگار کی عبادت کرو) جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش کی طرح بچھایا اور آسمان کو چھت کی طرح اونچا کیا' پھر اوپر سے پانی برسایا اور اس کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک اور ہمسر نہ بناؤ اور تم جانتے ہو (کہ اس کا کوئی ہمسر نہیں)''۔

نیز فرمایا کہ عبادت کا حکم صرف انسانوں کیلئے ہی نہیں بلکہ اس میں اختیار وارادہ رکھنے والی دوسری مخلوق جنات بھی شامل ہے بلکہ ان دونوں کی تخلیق کا مقصد ہی عبادت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

(٧) وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِo
(٥١۔ الذاریات: ٥٦)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

دوسری جانب انبیاء کی بعثت کا مقصود اور اصل غرض و غایت بھی یہی بیان کی گئی کہ وہ اپنی اپنی امتوں کو بندگی رب کی طرف رجوع کرنے اور اپنے مقصد وجود کو پورا کرنے پر توجہ کریں۔

چنانچہ فرمایا گیا:

(۸) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ٥
(١٦۔النحل):٣٦)

''اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔''

ہر نبی کی شریعت میں بندوں کو عبادت کے کچھ طریقے بتائے گئے جن میں سب سے اہم درجہ نماز کو ہی حاصل رہا۔ گویا کہ نماز ہی اصل دین ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۹) فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ٥ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٥ (٣٠۔الروم: ٣٠۔٣١)

''پس تم یکسو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی سمت جما دو۔ جمے رہو اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی سیدھا سچا دین ہے مگر بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ اسی اللہ کی طرف رجوع کئے رہو اور ڈرتے رہو اس سے اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ جاؤ''۔

مطلب یہ کہ دین فطرت کی اسی روح کو ذہن وقلب میں جمانے کیلئے نماز فرض کی گئی ہے۔ نماز قائم کرنا دراصل خود کو دین فطرت پر قائم رہنے اور تمام اطراف سے منہ موڑ کر اللہ کی بارگاہ میں حضوری کا نام ہے۔ اسی لئے ایمان لانے کے بعد ایک مسلمان سے اولین مطالبہ نماز کا ہی کیا جاتا ہے۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :

اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کی خلافت کے منصب جلیلہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جو صلاحیتیں اور استعدادیں اس کو ودیعت کی گئی ہیں ان کی صحیح نشوونما کا اہتمام صرف یہی دین (اسلام) کرتا ہے۔ " لاتبدیل لخلق اللہ " سے مراد ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ بنا کر پیدا فرمایا ہے تم لاکھ چاہو کہ اس کی بندگی سے نکل جاؤ، ناممکن ہے۔ تم لاکھ چاہو کہ اس کے علاوہ کسی اور کو اپنا خدا بنالو، قطعاً محال ہے۔ مطلب یہ کہ دین اسلام نے جو نظام حیات دیا ہے وہ ہماری فطرت کے

عین مطابق ہے۔اگر تم چاہو کہ اسے چھوڑ کر کوئی دوسرا نظام تجویز کرلو تو وہ تمہارے لئے فائدہ مند نہ ہوگا نہ آسودگی کا باعث ہوگا۔

(۱۰) قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَالْهُدٰى۔ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ o

(٦۔الانعام:٧١۔٧٢)

''کہہ دیجئے حقیقت میں صحیح رہنمائی تو بس اللہ تعالیٰ کی رہنمائی ہے اور اس کی طرف سے ہمیں حکم ملا ہے کہ ربّ کائنات کے آگے سرِتسلیم خم کر دو۔نماز قائم کرو اُس کا تقویٰ اختیار کرو اور وہی ہے جس کی طرف تم سب سمیٹے جاؤ گے''۔

نماز ہی اصلِ زندگی ہے اور مومن کی ہر حرکت رب العالمین ہی کیلئے ہے۔چنانچہ ارشاد ہے:

(۱۱) قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o لَا شَرِيْكَ لَهٗ o

(٦۔الانعام: ١٦٣)

''کہہ دیجئے کہ بے شک میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ رب العالمین کیلئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں''

آیت مبارکہ میں چار چیزوں کا ذکر ہے نماز' قربانی' زندگی' موت' ترتیب میں نماز کو فوقیت حاصل ہے لہٰذا یہی اصل زندگی ہے مومنین کو جب کسی ملک میں اقتدار اور حکومت حاصل ہوتی ہے تو وہ حکومتی وانتظامی طاقت کو بھی سب سے پہلے نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرنے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔چنانچہ ارشاد ہے:

(۱۲) اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ o

(۲۲۔الحج:٤١)

''یہ (مومنین) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار اور حکومت عطا فرمائیں تو یہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں گے''۔

اللہ تعالیٰ نے امتوں کی نصرت وکامرانی کیلئے ایک ہی طریقہ مقرر کر رکھا ہے کہ صرف اور صرف نماز قائم کرنے کی صورت میں اللہ کی نصرت اُن کا مقدر ٹھہر سکے گی اور حقیقی بندگی کی یہی ظاہری علامت ہے کہ جس کی اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ و چنیدہ بندوں کے ذریعے تلقین ونگرانی بھی فرماتا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے:

(۱۳) وَلَقَدْ اَخَذَاللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِيْبًا۔ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ۔ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ٥

(۵۔المائدہ:۱۲)

''اور اللہ نے بنی اسرائیل سے (بندگی کا) پختہ عہد لیا تھا اور ان میں بارہ نقیب مقرر فرمائے تھے اور اللہ نے ان سے کہہ رکھا تھا' میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے رہے''۔

طوالت کے خوف سے ہم نے موضوع کے تعارف کیلئے محض اشارات پر اکتفا کیا ہے۔ ہمارا مقصود واحد اس نکتہ پر زور دینا تھا کہ مقصد تخلیق انسان بھی عبادت ہے' انسان کی دنیاوی زندگی میں نصرتِ باری تعالیٰ کی ضمانت بھی عبادت' ذکر الٰہی بدرجہ اولیٰ نماز ہے اور اخروی کامیابیوں اور کامرانیوں کا واحد ذریعہ بھی عبادت رب العالمین ہے۔ جب کہ پیغمبروں کی بعثت اور اولیاء اللہ کے تسلسل و تواتر کا مقصود بھی اللہ بزرگ برتر کا یہ فضل و کرم ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو رجوع الی اللہ کی یاددہانی کا مستحکم و قابل اعتماد انتظام کر رکھا ہے۔ چنانچہ مناسب ہوگا کہ اب اسی نکتے کا دو پہلوؤں سے تفصیلی جائزہ لے لیا جائے۔ سب سے پہلے ہم مقصدِ تخلیقِ انسان اور پھر پیغمبروں کی بعثت کا مقصود بیان کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

مقصدِ تخلیق انسان

مولانا امین احسن اصلاحی تفسیر تدبر قرآن کی جلد چھ میں سورۃ الذاریات کی آیات 56 تا 58 کا ترجمہ و تفسیر اس طرح سے کرتے ہیں:

٥ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں نہ میں ان سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ رزق کا سامان کریں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ ہی روزی رساں' زور آور' قوت والا ہے''۔

''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِ نْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔اس آیت میں لفظ عبادت' اپنے وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے یعنی رب کی بندگی اور اس کے احکام کی اطاعت۔ مقصود اس حقیقت کا پتہ بتا دینے سے زندگی کے اصل نصب العین کو سامنے رکھ دینا ہے تاکہ ہر

انسان واضح طور پر جان لے کہ اسے کس مقصد کیلئے جینا اور کس مقصد کیلئے مرنا ہے۔ یہ امر واضح رہے کہ خدا کی بندگی اس لیے مطلوب نہیں ہے کہ خدا کسی کی بندگی کا محتاج ہے بلکہ قرآن میں جا بجا یہ تصریح ہے کہ بندے ہی اس کی بندگی کے محتاج ہیں اس لئے کہ اس کی رفعت و بلندی کا زینہ یہ بندگی ہی ہے۔ اگر اس بندگی سے وہ منحرف ہو جائیں تو پھر ان کی حیثیت حیوانات سے زیادہ نہیں رہ جاتی بلکہ وہ ان سے بھی فروتر درجے میں گر جاتے ہیں۔ یہاں جنوں اور انسانوں دونوں کا ذکر ایک درجہ کی مخلوق کی حیثیت سے کیا ہے' اس لیے کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اختیار کے شرف سے مشرف فرمایا ہے اور دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاں مساوی درجے میں مسؤل اور بندگی رب کا حق ادا کرنے کی صورت میں یکساں اجر وشرف کے حق دار ہیں''۔

لفظ ''عبادت'' کے اس وسیع مفہوم سے یہ نتیجہ نکالنا خام خیالی ہوگی کہ انسان اپنے خالق و مالک سے براہ راست رابطہ و تعلق تو قائم نہ کرے اور بس زندگی کے دیگر بکھیڑوں میں وقت ضائع کرتا پھرے۔ اپنی انا کی تسکین کیلئے معاشرے میں اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کو بھی اللہ کی عبادت کا نام دینے لگے۔ براہ راست اللہ کی بندگی و عبادت تو بلاشبہ نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' ذکر اللہ' نوافل' تسبیحات کو ہی سمجھا جائے گا کیونکہ یہی وہ کام ہیں کہ جن میں خلوص اور تعلق باللہ کا امتحان ہوتا ہے۔ بظاہر انسان کو کوئی دنیاوی منفعت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ بعض اوقات دنیاوی مفادات کو ترک کر کے اللہ سے رجوع کرتا ہے اور نماز' روزہ اور نوافل و تسبیحات و ذکر اللہ میں مشغول ہوتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی 'تفہیم القرآن کی جلد پانچ میں اس آیت 56' کا ترجمہ و تفسیر اس طرح سے کرتے ہیں:

''میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کیلئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں''۔

''یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف جنوں اور انسانوں ہی کا خالق تو نہیں ہے بلکہ سارے جہان اور اس کی ہر چیز کا خالق ہے' پھر یہاں صرف جنوں اور انسانوں ہی کے متعلق کیوں فرمایا گیا کہ میں نے ان کو اپنے سوا کسی کی بندگی کے لیے پیدا نہیں کیا ہے؟ حالانکہ مخلوقات کا ذرّہ ذرّہ اللہ ہی کی بندگی کیلئے ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زمین پر صرف جن اور انسان ایسی مخلوق ہیں جن کو یہ آزادی بخشی گئی ہے کہ اپنے دائرۂ اختیار میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا چاہیں تو کریں' ورنہ وہ بندگی سے منہ بھی موڑ سکتے ہیں' اور اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی بھی کر سکتے ہیں۔

دوسری جتنی مخلوقات بھی اس دنیا میں ہیں وہ اس نوعیت کی کوئی آزادی نہیں رکھتیں۔ اُن کیلئے سرے سے کوئی دائرۂ اختیار ہے ہی نہیں کہ وہ اس میں اللہ کی بندگی نہ کریں یا کسی اور کی بندگی کر سکیں۔

• عبادت کا لفظ اس آیت میں محض نماز روزے اور اسی نوعیت کی دوسری عبادات کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا ہے کہ کوئی شخص اس کا مطلب یہ لے لے کہ جن اور انسان صرف نماز پڑھنے اور روزے رکھنے اور تسبیح وتہلیل کرنے کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ یہ مفہوم بھی اگرچہ اس میں شامل ہے، مگر یہ اس کا پورا مفہوم نہیں ہے۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' ضیاء القرآن کی جلد چہارم میں آیت 56 تا 58 کا ترجمہ وتفسیر اس طرح کرتے ہیں:

''اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ طلب کرتا ہوں میں ان سے رزق اور نہ یہ طلب کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا قوت والا (اور) زور والا ہے''۔

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت کی تشریح یوں بیان فرمائی ہے۔ وما خلقتُ الجن والانس الالآ مرھم بالعبادۃ۔ یعنی میں نے جن وانس کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میں انہیں حکم دوں کہ وہ میری عبادت کریں۔ انسان کو عقل وفہم' اعتبار واختیار کی جو نعمتیں ارزانی کی گئی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی جبین نیاز اسی ذات کے سامنے جھکائے جس نے اسے پیدا فرمایا اور اپنے گوناگوں احسانات سے اسے مالا مال فرمایا۔ اب اگر وہ کسی اور کی عبادت کرنے لگے جو نہ اس کا خالق ہے اور نہ اس کا پروردگار ہے یا بالکل الحاد و دہریت کا راستہ اختیار کرلے تو گویا وہ اپنی فطرت سے جنگ آزما ہے اور اپنی طبعِ سلیم کو مسخ کرنے کی کوششیں کر رہا ہے۔ اسی لئے اللہ فرماتا ہے کہ: میں ان سے رزق کا طلب گار نہیں اور نہ اس لیے ان کو اپنی عبادت کا حکم دے رہا ہوں کہ مجھے ان کے سجدوں اور ان کی طاعتوں کی حاجت ہے۔ نہیں' ہرگز نہیں! اس میں انہی کا فائدہ ہے۔ میرے حضور میں جب وہ سرِ نیاز جھکائیں گے تو ان کی خفتہ صلاحیتیں بیدار ہو جائیں گی۔ حیوانی اور شیطانی ہتھکنڈوں سے ان کو چھٹکارا مل جائے گا۔ ان کا عقابِ ہمت ایسی بلندیوں پر پرکشا ہوگا جہاں فرشتوں کی رسائی بھی نہیں ہوسکتی۔ جو (لوگ) اللہ تعالیٰ کی عبادت سے محروم رہتے ہیں ساری عمر اُن کا قدم حیوانی زندگی کے دائرہ سے ہی باہر نہیں نکلتا۔ انہیں انسانی عظمتوں اور اس کی صلاحیتوں کی بیکرانیوں کا علم ہی نہیں

ہوتا۔ حیوانی زندگی کی لذتوں میں ہی وہ مگن رہتے ہیں اور اپنی اصلاح کے زریں مواقع کو ضائع کر دیتے ہیں۔ رزق دینے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی قوت والا اور مضبوط ہے۔ وہ کسی کا دستِ نگر نہیں۔ ہر چیز اپنے وجود اور اپنی بقا میں اس کے جُود و کرم کی محتاج ہے''۔

حافظ عمادالدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر اپنی تفسیر کی جلد پانچ میں آیت نمبر 56 مذکورہ بالا کا ترجمہ وتشریح یوں کرتے ہیں۔ ''اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں''۔

''اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا فرمان ہے کہ میں نے انسانوں اور جنوں کو کسی اپنی ضرورت کیلئے پیدا نہیں کیا بلکہ صرف اس لئے کہ میں انہیں ان کے نفع کیلئے اپنی عبادت کا حکم دوں۔ وہ طوعاً وکرہاً میرے معبود برحق ہونے کا اقرار کریں۔ مجھے پہچانیں حضرت اسدی فرماتے ہیں بعض عبادتیں نفع دیتی ہیں اور بعض بالکل نفع نہیں دیتیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' مجھے رسول ﷺ نے یوں پڑھایا ہے **اِنِّی اَنَا الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِیْن** یہ حدیث ابوداؤد' ترمذی اور نسائی میں بھی ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عبادت کیلئے پیدا کیا ہے۔ اب اس کی عبادت اخلاص کے ساتھ جو بجالائے گا' کسی کو اس کا شریک نہ کرے گا۔ تو وہ مومن ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرے گا۔ تو وہ بدترین سزائیں بھگتے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں۔ بلکہ کل مخلوق ہر حال اور ہر وقت میں اس کی پوری محتاج ہے بلکہ محض بے سروپا اور سراسر فقیر ہے۔ خالق رازق صرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ مسند احمد میں حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم عبادت کیلئے فارغ ہو جا۔ تیرا سینہ تونگری اور بے نیازی سے پُر کر دوں گا۔ اور تیری فقیری روک دوں گا۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو اشغال سے بھر دوں گا۔ اور تیری فقیری کو ہرگز بند نہ کروں گا۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث شریف ہے۔ خالدؓ کے دونوں لڑکے حضرت حبہؓ اور حضرت سواۃؓ فرماتے ہیں' ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے یا غالباً کوئی دیوار تعمیر فرما رہے تھے یا کسی چیز کو درست فرما رہے تھے۔ ہم بھی اسی کام میں لگ گئے۔ جب کام ختم ہوا تو آپ نے ہمیں دعاء دی اور فرمایا' سر ہل جانے تک روزی سے مایوس نہ ہونا۔ دیکھو انسان جب پیدا ہوتا ہے ایک سرخ بوٹی ہوتا ہے۔ بدن پر ایک چھلکا بھی نہیں ہوتا۔ پھر خدا تعالیٰ اسے سب کچھ دیتا ہے (مسند احمد) بعض آسمانی کتابوں میں ہے اے ابن آدم' میں نے

تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس تو اس سے غفلت نہ کر۔ تیرے رزق کا میں ضامن ہوں' تو اس میں بے جا تکلیف نہ کر۔ مجھے ڈھونڈ تا کہ مجھے پالے تو یقین جان کہ تو نے سب کچھ پالیا۔ اور اگر میں تجھے نہ ملا تو سمجھ لے کہ تمام بھلائیاں تو کھو چکا۔

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ 'تفسیر مظہری جلد گیارہ (11) میں آیت 56 کا ترجمہ و تشریح اس طرح سے لکھتے ہیں:

''اور میں نے جن اور انسان اس لئے پیدا کئے کہ میری عبادت کریں''۔

ظاہر آیت کا اقتضا ہے کہ اللہ کی مراد یہی ہے کہ جن وانس اس کی اطاعت کریں اور فرمانبردار ہوں اور مراد خداوندی کے خلاف کچھ ہو نہیں سکتا۔ پھر بہت سے جن وانس کیوں کفر و شرک کرتے ہیں اور کیسے نافرمان ہو سکتے؟

اس شبہ کو دور کرنے کیلئے حضرت علیؓ نے آیت کا تفسیری ترجمہ اس طرح کیا' میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا' مگر صرف اس لئے کہ ان کو اپنی عبادت کا حکم دوں یعنی اپنے احکام کا مکلف بناؤں اسی مفہوم کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے یعنی ان کو صرف ایک معبود کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مجاہد نے ''لیعبد ون'' کا ترجمہ کیا ہے ''لیعر فون'' مجھے پہنچانیں اور کافر بھی اللہ کے وجود کو تو پہنچانتے ہی ہیں' اللہ نے فرمایا ہے۔ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ۔ اگر آپ ان (مشرکوں) سے دریافت کریں کہ تم کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے۔

بعض علماء نے ''لیعبد ون'' کا ترجمہ کیا میرے سامنے عاجزی کریں۔ منقاد مطیع بن جائیں عبادت کا لغوی معنیٰ ہے عاجز ہونا اور حضوری کرنا۔ یہی معنیٰ یہاں مراد ہے کہ کافر ہو یا مومن ہر مخلوق فیصلہٴ خداوندی کے سامنے عاجز ہے جس مقصد کے لئے جس کو پیدا کیا گیا ہے کوئی بھی اس سے سرتابی نہیں کر سکتا یہاں تک کہ خود بھی اپنی تخلیق کے مقصد سے خارج نہیں ہو سکتا۔

بعض اہلِ تفسیر نے کہا کہ عبادت سے مراد ہے اقرار توحید یعنی اپنی توحید کے لئے تمام جن و انس کو پیدا کیا۔ مومن تو ہر دکھ سکھ اور تکلیف و راحت میں تنہا اللہ کو پکارتا ہی ہے لیکن کافر پر بھی جب ناقابلِ تدبیر دکھ آتا ہے۔ تو اللہ ہی کو پکارتا ہے۔

علامہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح قول حضرت علیؓ کا ہے باقی دوسرے اقوال کمزور ہیں' معترضین نے اپنے شبہ کو قوت پہنچانے کیلئے ایک آیت اور ایک حدیث بھی نقل کی ہے' اللہ نے فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ۔ ہم نے جہنم کیلئے بہت سے

جن وانس کو پیدا کیا ہے۔

حدیث مبارک ہے رسول ﷺ نے فرمایا: **کُلٌ "مُیَسَّر" لِمَا خُلِقَ لَه**۔ ہر ایک کے لئے وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے (یعنی اسی کام کی توفیق دی جاتی ہے) جس کیلئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔

کلبی، ضحاک اور سفیان ثوریؒ نے اعتراض مذکور سے بچنے کیلئے کہا کہ آیت مذکورہ میں خاص افراد یعنی کامل طاعت والے جن وانس مراد ہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ کی قرأت سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ کی قرات اس طرح ہے۔ **مَاخَلَقتُ الجِنَّ وَالِانسَ مِنَ المُومِنِینَ اِلَّا لِیَعبُدُونِ**۔

علامہ پانی پتیؒ کہتے ہیں: آیت کا تفسیری صحیح مطلب اس طرح ہے، میں نے جن وانس کو (یعنی تمام جن وانس کو) عبادت کرنے کے قابل پیدا کیا یعنی ہر شخص میں اداءِ عبادت کی صلاحیت اور استعداد پیدا کر دی۔ اس تفسیر کی تائید صحیحین کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے جانور کا بچہ صحیح وسالم پیدا ہوتا ہے کیا تم کسی چوپائے کو ناک' کان کٹا (پیدا ہوتا) دیکھتے ہو؟

پیغمبروں کی بعثت کا مقصود

علمائے اسلام اور مفسرین قرآنِ عظیم کی درج بالا تصریحات کے مطابق انسان کی تخلیق کا مقصود متفقہ طور پر یہ قرار پایا کہ انسان اپنی آزاد مرضی اور ارادے کے ساتھ اپنی پوری زندگی احکام الٰہی کے مطابق استوار کرے چنانچہ اللہ رحیم وکریم نے اپنے کمال فضل وکرم کی بدولت اپنے انتہائی پسندیدہ و برگزیدہ بندوں یعنی پیغمبروںؑ کی بعثت کا مقصود بھی اسی امر کو ٹھہرایا کہ وہ اپنی امتوں کو خصوصاً اور نسل انسانی کو عموماً اسی مقصد یعنی عبادت الٰہی کے لئے آمادہ کریں۔ چنانچہ ان پیغمبروں نے نہ صرف یہ کہ خود اپنی زندگیوں کو احکامِ الٰہی کی پابندی میں بسر کر کے یہ دکھایا کہ یہ کام (یعنی عبادت) ایسا نہیں کہ انسان کی طاقت سے باہر ہو اور صرف فرشتے ہی ایسا کرنے پر قادر ہوں بلکہ اگر انسان انفس وآفاق پر غور کرے تو وہ بہ آسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ کائنات کی ہر

شے بلا تخصیص اپنے خالق و مالک اللہ کی تابع فرمان ہے اور ایک پتا بھی اُس کی مرضی کے بغیر نہیں ہلتا تو انسان جسے اشرف المخلوقات کا مقام عطا کیا گیا ہے، کیوں اپنے آقا و مولا کی نافرمانی کو شعار بنا کر خود کو مغضوب ٹھہرائے۔ چنانچہ پیغمبروں نے انسان کو جو بنیادی پیغام اور سبق دیا وہ عبادت الٰہی کے گرد گھومتا ہے اور اس کا مقصد و محور اللہ کی عبادت ہے مناسب ہوگا کہ انبیاء کرام کی دعوت کا فرداً فرداً جائزہ لے کر دیکھا جائے کہ ہمارا مؤقف کہاں تک درست ہے:

حضرت آدم علیہ السّلام

عالم ربانی مولوی ابوالحسن حسن کاکوروی اپنی بلند پایہ تحقیقی تصنیفِ لطیف' تفریح الاذکیاء فی احوال الانبیاء شائع کردہ مطبع منشی نولکشور (لکھنؤ۔ 1924) جلد اوّل کے صفحہ 115 پر لکھتے ہیں: ''شریعت آدم علیہ السّلام میں پچاس وقت کی نماز اور روزے ایام بیض (ہر ماہ قمری کے 16,15,14 تاریخ) فرض تھے' غسلِ جنابت لازم تھا خون وخوک مردار اور شراب ممنوع تھے' حضرت آدمؑ (بحیثیت خلیفۃ اللہ) اپنی اولاد کو شریعت پر عمل کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ انہوں نے وفات کے قریب اپنی اولاد کو جمع کر کے اطاعتِ شیطان سے منع فرمایا۔ اور حضرت شیث علیہ السلام کو امیر و وصی گردانا اور فرمایا:

(۱) دنیا میں آرام سے نہ رہنا (۲) عورت کے کہنے پر عمل نہ کرنا (۳) ہر کام کا انجام سوچ لینا (۴) جس کام میں تردد ہو اُسے چھوڑ دینا (۵) عظیم امور میں اپنے دوستوں سے مشورہ کرنا (۶) نورِ محمد ﷺ کی باحسن وجوہ حفاظت کرنا۔ (وفات کے قریب حضرت آدمؑ نے ایک صندوق میں سے ایک صحیفہ نکالا جس میں صفات و علامات و معجزاتِ انبیاء لکھے تھے اور تمام زمانوں' بلاؤں و عطاؤں کا ذکر تھا۔ یہاں تک کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک اور بعد ازاں خلفاء راشدین اور حسن و حسین علیہما السّلام کے اوصاف لکھے تھے' فرمایا کہ اے جانِ پدر! قصرِ خلافت کو تقویٰ اور پرہیزگاری سے زینت دینا اور میری شریعت پر عمل کرنا۔)

حضرت شیث علیہ السّلام

حضرت آدمؑ کی عمر مبارک ابھی دو سو تیس برس کی تھی جب حضرتِ شیثؑ تنہا تولد ہوئے۔ جب آپ حضرتِ حواؑ کے پیٹ میں تھے تو بسبب صفائی چہرۂ مبارک کے نور کے اُن کی زیارت کر لیا کرتی تھیں۔ پیدا ہوئے تو ملائکہ اٹھا کر لے گئے اور چالیس روز اپنے پاس رکھ کر تمام زبانیں سکھائیں۔ ازاں بعد اُن پر چالیس صحیفے نازل ہوئے۔ وہ مردوں میں پہلے انسان ہیں جن کا چہرۂ انور

داڑھی سے مرصع ہوا۔ ان کے مقالات میں ہے کہ مومن بندوں میں سولہ خصلتیں ہونی چاہیں:

(۱) معرفت حق حاصل کرنا (۲) حُسن و قبح اشیاء کا پہچاننا (۳) بادشاہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا (۴) ماں باپ سے احسان و نیکی کرنا (۵) تمام خلق سے برسرِ خیر رہنا (۶) محتاجوں اور مسکینوں کی دلجوئی کرنا (۷) مسافروں کی عزت و خاطرداری کرنا (۸) خالق کبریا کی عبادت میں کوشش و سعی کرنا (۹) اپنے نفس کو شرور و قبائح سے دور رکھنا (۱۰) مصیبتوں اور آفتوں میں صبر کرنا (۱۱) ہمیشہ سچ بولنا (۱۲) عدل و انصاف سے کام کرنا (۱۳) شکر و نعماء الٰہی میں نذر و قربانی کرنا (۱۴) قناعت کی عادت اختیار کرنا (۱۵) حلم و بردباری اختیار کرنا (۱۶) ہر دم شکر الٰہی بجالانا (ماخوذ از احوال الانبیاء)

ادریس علیہ السّلام

قرآن حکیم میں حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ''وہ صدیق و نبی تھے (56:19)' اللہ تعالیٰ نے انہیں مقام رفیع عطا کیا تھا (57:19)' وہ اللہ تعالیٰ کے منعم علیہ انبیاء میں سے تھے (58:19)' وہ ہدایت یافتہ اور اللہ کے برگزیدہ تھے۔ (58:19)' وہ صابرین میں سے تھے (85:21) وہ نکوکار تھے اور اللہ کی خاص رحمت اُن کے شامل حال تھی (86:21)۔

اخبار الدول اور دیگر کتب معتبرہ میں ہے کہ اولادِ قابیل کو انہوں نے شریعتِ آدمؑ و شیثؑ کی مخالفت سے منع کیا' چونکہ حضرت شیثؑ کے دور میں پانچ صالح و متقی اصحاب کی وفات پر اُن کے بت بنا لئے گئے تھے اس لئے انہوں نے سب سے پہلے خدا پرستی کی دعوت دی اور نماز روزے کا حکم دیا۔ زکوٰۃ و اعانتِ ضعفاء کا فرمان جاری کیا وہ خود بھی صائم النہار و قائم اللیل تھے اور کتابت و خیاطی سے روزی کماتے تھے اور اُس میں سے فقراء و مسکینوں کو صدقہ کرتے تھے۔ جب کپڑے سیتے تو ہر سوزن پر اللہ کی تسبیح فرماتے تھے۔ پرانی تواریخ میں ہے کہ حضرت ادریسؑ کی عبادت ہر روز آسمان پر وزن ہوتی تھی اور یہ عبادات جمیع اہل ارض کے برابر پڑتی تھیں' اُن کے کلیات نصائح میں ہے: (۱) شریروں سے صحبت نہ رکھو (۲) بدخواہوں سے پرہیز کرو (۳) حلف و دروغ گوئی سے بچو (۴) دوستی پر اعتماد کرو (۵) مغروری و خودنمائی سے دور رہو (۶) حتی المقدور لفظ ''نہیں'' زبان پر نہ لاؤ (۷) ادب اختیار کرو (۸) جھوٹی قسم نہ لو (۹) شرع و حکمت کے دوست

بنو(۱۰)نفس کو آداب پسندیدہ سے آراستہ رکھو(۱۱) کاموں میں جلدی نہ کرو(۱۲)حیاء و خدا پرستی وتوبہ کو اپنا وتیرہ بنالو (۱۳)اپنی خواہش کو نیک کاموں کی خوگر بناؤ (۱۴) سب لوگوں کے ساتھ احسان کے ساتھ پیش آؤ۔ (۱۵) حیات کو تحصیل علم و ہنر میں صرف کرو (۱۶)وضع منافقانہ نہ رکھو (۱۷)قول وفعل میں مطابقت رکھو(۱۸) بزرگوں کی اطاعت اختیار کرو بشرطیکہ خلاف دین وایمان نہ ہو(۱۹) سلطانِ عہد کے فرمانبردار و مطیع رہو(۲۰) دانشمندوں سے مشورہ کیا کرو(۲۱) عبادت کا صلہ رضائے الٰہی چاہو وغیرہ وغیرہ۔۔۔مزید فرمایا: بادشاہ نیک وہ ہے جس کے عہد میں سلطنت میں شریروں کو نیکی کی ھدایت کی جائے۔ بدتر وہ ہے جس کے عہد میں شر وفساد کا رواج ہو۔جس شخص نے نفس کو مطیع وفرمانبردار کرلیا پھر وہ محتاج اور کسی کی اطاعت کا خوگر نہیں رہا۔اور فرمایا: جس مقام میں کہ حاکم عادل وطبیب حاذق و بازار معمور و آب رواں نہ ہو اس میں سکونت اختیار نہیں کرنی چاہیے۔آپ نے نصیحت کی: خالقِ لایزال کی پرستش کرو اور اپنے نفس کو پاکیزہ رکھو۔

حضرت نوح علیہ السّلام

حضرت نوح علیہ السّلام کا شجرۂ نسب تورات میں اس طرح سے بیان کیا گیا: نوحؑ بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ (ادریسؑ) بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیثؑ بن آدم۔وہب کہتے ہیں کہ یہ تمام کے تمام مؤمن تھے۔تورات میں حضرت آدم کے دواور بیٹوں کا نام بھی ملتا ہے جن کی کہانی تو قرآن نے سورۃ مائدہ میں بیان کی ہے لیکن نام نہیں بتایا۔احادیث میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات ملتی ہیں ایک بیٹا ہابیل تھا جو اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ تھا جب کہ دوسرا بیٹا قابیل بارگاہِ الٰہی کا راندہ ہوا (قصص القرآن مرتبہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی) قرآن حکیم میں حضرت نوحؑ کے واقعہ کا اجمالی اور تفصیلی ذکر تینتالیس (43) جگہ کیا گیا ہے جو یہ ہیں:

سورت	آیت	سورت	آیت	سورت	آیت
آلِ عمران:	21	مریم:	58	غافر:	31-5
النساء:	163	الانبیاء:	76	الشوریٰ:	13
انعام:	84	الحج:	42	ق:	12
اعراف:	69-59	المومنون:	23	الذاریات:	46
التوبہ:	7	الفرقان:	37	النجم:	52

یونس:	71	الشعراء:	116,105	القمر:	9
ھود:	36,32,25,	العنکبوت:	14	الحدید:	26
	46,45,42	الاحزاب:	70	التحریم:	10
	89,48				
ابراہیم:	9	الصافات:	79,75	نوح:	21,1
الاسراء:	17,3	ص:	12		26

لیکن اس واقعہ کی اہم تفصیلات صرف سورہ اعراف، ہود، مومنون، شعراء، قمر اور نوح میں بیان ہوئی ہیں۔ حضرت نوحؑ نے جب اپنی قوم کو راہ حق کی طرف پکارا تو قوم کے رؤساء و امراء نے نفرت و حقارت کے ساتھ یہ دعوت حق ٹھکرا دی کیونکہ حضرت نوحؑ کے پیروزیادہ تر غریب اور کمزور لوگ تھے۔ حضرت نوحؑ کی دعوت کیا تھی؟ اس سلسلے میں قرآن حکیم کی درج ذیل آیات قابلِ ذکر ہیں۔

- ''بولا اے میری قوم! میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اُس سے ڈرو اور میرا کہا مانو کہ بخشے وہ تم کو کچھ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک مقررہ وعدے تک، وہ جو وعدہ کیا ہے اللہ نے جب آ پہنچے گا، اس کو ڈھیل نہ ہو گی۔ کاش تم حقیقت کو جان لیتے۔'' (71۔نوح:2 تا 4)
- ''بیشک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کی طرف تو انہوں نے کہا! اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی۔ نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اللہ کے سوا۔ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے''۔ (7۔الاعراف:59)
- اور بیشک ہم نے بھیجا نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف (انہوں نے کہا اے قوم!) میں کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں کہ تم نہ عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ تعالیٰ کے بیشک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا دردناک دن نہ آ جائے (11۔ہود:26)

حضرت ہود علیہ السّلام

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اپنی تالیف قصص القرآن میں لکھتے ہیں کہ قرآنِ حکیم میں حضرت ہود علیہ السّلام کا ذکر سات جگہ آیا ہے: اعراف:65، ہود:89,60,58,53,50

شعراء 124۔اسی طرح قوم عاد کا ذکر نو سورتوں میں کیا گیا ہے: اعراف ہود المومنون شعراء فصلت احقاف الذاریات القمر اور الحاقہ ۔قوم عاد عربوں کا ایک قدیم قبیلہ تھی جنہوں نے شام مصر اور بابل میں زبردست حکومتیں قائم کیں ۔عاد کا زمانہ تقریباً دو ہزار قبل مسیح مانا جاتا ہے۔قرآن حکیم نے ہمیں خبر دی ہے کہ یہ قوم نوح کے خلفاء میں سے تھے۔ یہ مذہباً بُت پرست تھے اور صنم تراشی میں ماہر تھے۔جن کا فخر وغرور سطوت و جبروت حکمران ہونے کے باعث حد سے گزر گیا تو اللہ تعالیٰ نے توحید اور اپنی عبادت کی دعوت کیلئے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا چنانچہ انہوں نے فرمایا:

- اے قوم! اپنی مادی وجسمانی طاقت اور حکومت کے جبروت پر گھمنڈ نہ کر بلکہ خدا کا شکر ادا کر کہ اُس نے تجھ کو یہ دولت (وحکومت) بخشی قوم نوحؑ کی تباہی کے بعد تجھ کو زمین کا مالک بنایا (زمین کی خلافت عطا فرمائی)۔۔۔۔(حضرت ہودؑ کی تعلیمات کا مجموعی تاثر)
- یہ کتاب ہے محفوظ و مستحکم بنادی گئی ہیں جس کی آیتیں پھر ان کی وضاحت کر دی گئی ہے بڑے دانا اور ہر چیز سے باخبر (اللہ) کی طرف سے کہ تم عبادت کرو مگر صرف اللہ کی بیشک میں (ہودؑ) تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔'' (11۔ھود:2)
- ''اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو ہم نے بھیجا' اُس نے کہا: اے میری قوم والو! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں''۔ (11ھود:50)
- ''یہ کہ تم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کی عبادت نہ کرو۔ بیشک تم پر بڑے دن کے عذاب کا خوف کھاتا ہوں''۔(46۔احقاف:21)
- ''یہ کہ تم سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' تم کیوں نہیں ڈرتے''۔(23۔المومنون:32)
- ''اور (قوم) عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا' آپ نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا' کیا تم نہیں ڈرتے'' (7۔الاعراف:65)
- '' کہنے لگے (اے ہود!) کیا تم اس لئے آئے ہو ہمارے پاس کہ ہم عبادت کریں ایک اللہ کی اور چھوڑ دیں ان (معبودوں) کو جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا''۔(االاعراف:70)

حضرت صالح علیہ السّلام

قرآن حکیم میں حضرت صالحؑ علیہ السّلام کا ذکر آٹھ جگہ آیا ہے جو یہ ہیں: اعراف: 77,75,73 ہود: 89,66,62,61 شعرا: 142۔ حضرت صالحؑ قوم ثمود میں پیدا ہوئے جس کا ذکر ان سورتوں میں ہے: اعراف ہود الحجر النمل فصلت النجم القمر الحاقہ اور الشمس۔ قوم ثمود دراصل سامی اقوام کی ایک شاخ تھی۔ عرب کا مشہور مورخ مسعودی کہتا ہے: جو شخص شام سے حجاز کو آتا ہے اُس کی راہ میں ثمود کی بستیوں کے مٹے نشان اور بوسیدہ کھنڈرات پڑتے ہیں (قوم ثمود کا شجرۂ نسب حضرت امام رازی اور قرطبی کی تحقیق کے مطابق اس طرح سے بیان کیا گیا ہے: ثمود بن عامر (عاد) بن ارم بن سام بن نوحؑ یہ (ثمود) قوم عاد کی ایک شاخ تھی۔ حضرت صالحؑ کا شجرۂ نسب اس طرح سے بیان ہوا ہے: صالحؑ بن عبید بن اسف بن ماشح بن عبید بن خاذر بن ثمود۔ آپ کا زمانہ حضرت موسیٰ سے قبل تھا)۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

- ''اور تم اُس وقت کو یاد کرو کہ تم کو اللہ نے عاد کے بعد اُن کا قائم مقام (خلیفہ) بنایا اور تم کو زمین پر جگہ دی کہ تم اس کی سطح اور نرم حصوں پر محلات بناتے اور سنگ تراشی کر کے پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو'' (7۔الاعراف:74)۔ حضرت صالحؑ کا زمانہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کا زمانہ ہے۔ ثمود اپنے بت پرست پیشروؤں کی طرح بت پرست تھے۔
- اور قوم ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح (علیہ السّلام) کو بھیجا' آپ نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی۔ ''نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا' بے شک آ چکی ہے تمہارے پاس دلیل روشن تمہارے رب کی طرف سے'' (7۔الاعراف:73)
- اور قوم ثمود کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی صالح کو بھیجا' آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی' نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا''۔۔۔(11۔ھود:61)
- انہوں نے کہا اے صالح! تم ہی ہم میں (ایک شخص) تھے جس سے امیدیں وابستہ تھیں اس سے پہلے' کیا تم روکتے ہو ہمیں اس سے کہ ہم عبادت کریں ان (بتوں) کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا''۔ (11۔ھود:62)

حضرت ابراہیم علیہ السّلام

ابراہیم علیہ السّلام کا نسب توراۃ میں اس طرح سے مذکور ہے: ابراہیم (خلیل اللہ)

تارخ‘ بن ناخور‘ بن سروج‘ بن دعو‘ بن فالح‘ بن عابر‘ بن شالح‘ بن ارفکشاذ‘ بن سام بن نوحؑ ۔ تاہم قرآن حکیم نے والد کا نام آزر بیان فرمایا چنانچہ فرمایا: ’’اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا ’’کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟‘‘ صاحب قصص القرآن لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ سے حضرت نوحؑ تک آٹھ سو نوے سال (890) کا عرصہ گزرا تھا۔ حضرت نوحؑ کی عمر قرآن حکیم کے مطابق نو سو پچاس سال (950) تھی۔ اس طرح حضرت ابراہیمؑ نے حضرت نوحؑ کی عمر کے بھی ساٹھ سال پائے اور وہ دونوں اس مدت میں معاصر تھے۔ اگرچہ یہ سب کہانیاں اور قصے ہیں اور زیادہ قابل اعتماد نہیں ہیں‘ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر قرآن میں 25 سورتوں کی 63 آیات میں آیا ہے۔ قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات کے بارے میں ارشاد ہوا۔:

o ’’بلاشبہ تمہارے لئے خوبصورت نمونہ ہے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی) میں جب انہوں نے (برملا کہہ دیا اپنی قوم سے۔ بیزار ہیں تم سے اور ان معبودوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے مابین ہمیشہ کیلئے عداوت اور بغض پیدا ہوگیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر‘‘۔ (60۔ الممتحنہ: 4)

o ’’اور ابراہیمؑ کو یاد کرو جب آپ نے فرمایا اپنی قوم کو کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اُس سے ڈرتے رہا کرو‘ یہی بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ تم تو پوجا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گھڑا کرتے ہو نرا جھوٹ‘ بیشک جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے‘ پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق کو اور اس کی عبادت کیا کرو اور اس کا شکر ادا کیا کرو‘ اسی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔‘‘ (29۔ العنکبوت: 17,16)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

حضرت ابراہیمؑ‘ حضرت اسمٰعیل و اسحٰق کے والد ہیں چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اپنی اولاد کیلئے ملت حنفی کے خصوصی شعار ’’صلوٰۃ‘‘ کی اقامت کی دعا فرماتے ہیں:

o ’’سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے مجھ کو بڑھاپے میں اسمٰعیل و اسحٰق بخشے‘ بلاشبہ میرا پروردگار ضرور دعا کا سننے والا ہے۔ اے پروردگار مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دے اے پروردگار ہماری دعا سن۔ اے پروردگار! تو مجھ کو میرے والدین کو اور کل مومنوں کو قیام حساب کے روز بخش دے (آمین!)‘‘ (14۔ ابراہیم: 39 تا 41)

o ''اے ہم سب کے پروردگار! (تو دیکھ رہا ہے کہ) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام ونشان نہیں میں نے (ابراہیمؑ نے) اپنی بعض اولاد کو تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسا دیا ہے تا کہ نماز قائم رکھیں پس تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل اُن کی طرف مائل ہو جائیں اور اُن کیلئے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے تا کہ تیرے شکر گزار ہوں''۔
(14۔ابراھیم:37)

o ''اور یاد کیجئے کتاب میں اسمٰعیلؑ کا ذکر تھا بیشک وہ وعدے کے سچے تھے اور رسول اور نبی تھے اور حکم دیا کرتے تھے اپنے اہل کو نماز کا اور زکوٰۃ کا اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے''۔(19۔مریم:55,54)

حضرت لوط علیہ السّلام

o اور بھیجا (ہم نے) لُوطؑ کو جب انہوں نے کہا اپنی قوم سے کہ کیا تم کیا کرتے ہو ایسی بے حیائی جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کی ساری دنیا میں''۔(7۔الاعراف:80)

حضرت اسحاق علیہ السّلام

o ''اور ہم نے بنا دیا انہیں پیشوا (اَئِمَّة) (لوگوں کیلئے) وہ راہ دکھاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ وہ نیک کام کریں اور نماز قائم کریں اور ایتائے زکوٰۃ کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے''۔

حضرت یعقوب علیہ السّلام

o ''بھلا کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب آ پہنچی یعقوبؑ کو موت' جب کہ پوچھا اُس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی عبادت کرو گے میرے (انتقال کر جانے کے) بعد' انہوں نے عرض کی ہم عبادت کریں گے آپؑ کے خدا کی۔اور آپ کے بزرگوں' ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کے خدا کی جو خدائے وحدہٗ لاشریک ہے اور ہم اُسی کے فرمانبردار (مسلمون) رہیں گے''۔
(2۔البقرۃ:133)

حضرت شعیب علیہ السّلام

o ''اور ہم نے بھیجا مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیبؑ کو' انہوں نے کہا کہ اے میری

قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی' نہیں ہے تمہارا کوئی الٰہ اس کے بغیر' بے شک آ گئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے تو پورا کرو ناپ اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ فساد برپا کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد' یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لانے والے ہو"۔(7۔الاعراف:85)

- اور اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا' آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی' نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے بغیر۔۔۔(آگے پھر ناپ تول میں کمی نہ کرنے جو فساد فی الارض کے مترادف ہے' کا ذکر ہے)(11۔ھود:85)
- "قوم نے کہا اے شعیبؑ! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں انہیں جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا یا نہ تصرف کریں اور مالوں میں جیسے ہم چاہیں (از راہِ تمسخر بولے) پس تم ہی ایک دانا (اور) نیک چلن رہ گئے ہو؟"(11۔ھود:87)

حضرت یوسف علیہ السّلام

- "اے قید خانہ میں میرے رفیقو! (یہ تو بتاؤ) کیا بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے (39) تم نہیں پوجتے اس کے علاوہ مگر چند ناموں کو جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے۔نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے کوئی دلیل' نہیں ہے حکم (کا اختیار کسی کو) سوائے اللہ کے (اِن الحکم الا لِلہ) اُسی نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو بجز اُس کے' یہی دینِ قیم ہے' لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔" (12۔یوسف:40)

حضرت موسیٰ علیہ السّلام

- "اور نہیں ظلم کیا ہم نے اُن پر بلکہ انہوں نے خود زیادتی کی تھی اپنی جانوں پر' پس نہ فائدہ پہنچایا انہیں ان کے (جھوٹے) خداؤں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اور وہ ان کے کچھ کام نہ آئے جب آ گیا حکم آپ کے رب کا۔ان دیوتاؤں نے تو فقط ان کی بربادی میں ہی اضافہ کیا۔(11۔ھود:101)
- تو (اے سننے والے!) نہ ہو جا تو شک میں ان کے متعلق جن کی یہ عبادت (پوجا) کرتے ہیں' وہ نہیں پوجتے (یعبدون) مگر ایسے ہی جیسے پوجتے تھے ان کے باپ دادا اس سے پہلے۔(11۔ھود:109)

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السّلام

o یقیناً میں ہی اللہ ہوں، نہیں ہے کوئی معبود میرے سوا، پس تو میری عبادت کیا کر اور ادا کیا کر نماز مجھے یاد کرنے کیلئے"۔(20۔طٰہٰ:14)

حضرت یوشعؑ بن نون علیہ السّلام

حضرت یوشعؑ بنی اسرائیل میں سے حضرت یوسفؑ کے نواسے بیان کئے جاتے ہیں، قرآن حکیم میں ان کا نام نہیں آیا۔ البتہ سورۂ کہف میں دو جگہ حضرت موسیٰ کے ایک نوجوان رفیق سفر کا تذکرہ موجود ہے ایک صحیح حدیث پاک میں حضرت ابی بن کعب سے منقول ہے کہ یہ رفیق سفر حضرت یوشع بن نون بن فراہیم بن یوسف بن یعقوب بن ابراہیم علیما السّلام تھے جب حضرت موسیٰ کا انتقال ہو گیا تو بمطابق توراۃ "ایسا ہوا کہ خداوند نے اس کے خادم نون کے بیٹے یشوع سے کہا کہ اب تو اُٹھ اور ان سب لوگوں کو ساتھ لے کر اس یردن کے پار اس ملک میں جا جسے میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں (یشوع کی کتاب باب (5-1)۔

حضرت لوشاقوس علیہ السّلام

احوال الانبیاء (مولفہ مولانا ابوالحسن حسن کاکروری) کے مطابق حضرت یوشعؑ، حضرت موسیٰ کے بعد سات سال تک صرف خلیفہ رہے پھر نبی بھی ہوئے اور ستائیس برس تک اس منصب نبوت و خلیفۃ اللہ پر قائم رہے۔ انتقال کے وقت لوشاقوس کو خلیفہ مقرر فرمایا جو حضرت یوسفؑ کی طرح خوبصورت اور حسن و جمال میں منفرد و یکتا تھے اس لئے انہوں نے بہ خوف فتنہ دعا مانگی جو قبول ہوئی اور اُن کی صورت متغیر ہو گئی۔ یہ ایک ہزار سال تک بنی اسرائیل میں خلیفہ رہے۔

حضرت حزقیل علیہ السّلام

بنی اسرائیل میں حضرت لوشاقوس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت عطا فرمائی۔ ان کی قوم نے جہاد سے منہ موڑا تو گرفتار بلا (طاعون میں مبتلا) ہوئی۔ ہزاروں آدمی مارے گئے۔ حضرت حزقیل کی دعا سے پھر زندہ ہوئے اور اُن کے جسموں سے مردوں جیسی بو آتی تھی۔ سورۃ البقرۃ میں اس قوم کا تذکرہ موجود ہے۔ بعض اہلِ تفسیر حضرت حزقیلؑ کو حضرت موسیٰ کا تیسرا خلیفہ

شمار کرتے ہیں' انہی کا نام ذوالکفل تھا۔ بعض انہیں حضرت ایوبؑ کے بیٹے شمار کرتے ہیں اور لقب ان کا ذوالکفل تھا جن کا تذکرہ سورۂ انبیاء میں کیا گیا ہے۔ جب انتقال کا وقت قریب آیا تو وحی ہوئی کہ دیکھ کہ قوم میں کون شخص پرہیزگار' قائم اللیل وصائم النہار' حلیم الطبع اور متین الوضع ہے اُس کو سپرد کر کہ وہ اس قوم کا کفیل ہو۔ (21۔انبیاء:38۔85۔ص:49,48)

حضرت داؤد علیہ السلام

ابن کثیر نے حضرت داؤدؑ کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے: داؤد بن ایشا بن عوبد بن عابر بن سلمون بن نخشون بن عونیا ذب بن ارم (یارام) بن حصرون بن فارص بن یہودا ابن یعقوبؑ بن اسحٰقؑ بن ابراہیم علیہ السلام۔

قرآن حکیم میں حضرت داؤدؑ کا ذکر سورۃ البقرۃ: 151' النساء: 163' مائدہ: 78' انعام 84 تا 90' اسراء: 55' انبیاء 78 تا 82' نمل 15 تا 44' سباء 10-14 اور ص 17 تا 26-30' کل 67 آیات میں آیا ہے۔ قصص الانبیاء کے مطابق حضرت داؤدؑ سے قبل بنی اسرائیل میں حکومت ایک سبط یعنی پوتے (خاندانِ افراہیم) سے وابستہ تھی اور نبوت ورسالت دوسرے سبط یعنی یہودا کے گھرانے سے۔ حضرت داؤد پہلے پیغمبر تھے جنہیں حکومت سے بھی نوازا گیا چنانچہ ارشاد ہوا:

- ''اللہ نے اُن کو حکومت بھی عطا کی اور حکمت ونبوت بھی اور اپنی مرضی سے جو چاہا سکھایا۔2:۔بقرۃ:251
- ''اور ہم نے داؤدؑ علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی''۔ 4النساء:163
- ''اے داؤدؑ بیشک ہم نے تمہیں زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔38۔ص:26
- ''اور ہم نے ہر ایک (داؤدؑ سلیمانؑ) کو حکومت بخشی اور علم عطا کیا''۔ 21الانبیاء:79
- ''اور ہم نے اُس کی حکومت کو مضبوط کیا اور اُس کو حکمت عطا کی اور فیصلے کی صحیح قوت بخشی''۔38ص:20
- ''بیشک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ کہہ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔21الانبیاء:105

(قصص القرآن جلد دوم مؤلفہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے صفحہ 63-64 پر لکھا ہے:

حضرت داؤد علیہ السلام خدائے تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں بہت زیادہ مصروف رہتے تھے اور اس قدر خوش الحان تھے کہ جب زبور پڑھتے یا خدا کی تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے تو اُن کے وجد آفریں نغموں سے نہ صرف انسان بلکہ وحوش وطیور وجد میں آ جاتے اور آپ کے ارد گرد جمع ہو کر حمدِ خدا کے ترانے گاتے اور سُریلی اور پُر کیف آوازوں سے تقدیس و تسبیح میں حضرت داؤد علیہ السلام کی اس فضیلت کا قرآن عزیز نے سورۂ انبیاء سبا اور ص میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے:۔

o وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۔ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَo (21۔ انبیاء:79)

''اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو تابع کر دیا ہے کہ وہ داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ہم ہی میں ایسا کرنے کی قدرت ہے۔

فَضْلًا ۔ يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَo (34۔ سبا:10)

''اور بیشک ہم نے داؤد کو اپنی جانب سے فضیلت بخشی ہے (وہ یہ کہ ہم نے حکم دیا!) اے پہاڑو اور پرندو تم داؤد کے ساتھ مل کر تسبیح اور پاکی بیان کرو''۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ(۱۸) وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۔ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌo (38۔ ص:18-19)

''بیشک ہم نے داؤد کیلئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا کہ اس کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کرتے ہیں اور پرندوں کے پرے کے پرے جمع ہوتے اور سب مل کر حمد خدا کرتے ہیں''۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۔ وَاِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْo (17۔ بنی اسرائیل :44)

''ساتوں آسمان اور زمین اُس (اللہ) کی تسبیح کرتے ہیں اور کائنات کی کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اُس کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کا فہم وادارک نہیں رکھتے''۔

مؤلف قصص القرآن مولانا سیوہاروی صفحہ 57-58 میں لکھتے ہیں کہ ''انبیاء ورسل میں سے حضرت آدمؑ کے بعد صرف حضرت داؤد ہی وہ پیغمبر ہیں جن کو قرآن حکیم نے خلیفۃ اللہ فی الارض کے لقب سے پکارا ہے''۔

حضرت الیاس علیہ السّلام

o ''اور (یاد کرو) جب انہوں (حضرت الیاس علیہ السّلام) نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟ کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑے ہوئے ہو احسن الخالقین کو (یعنی) اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے''۔ (37۔الصّٰفّٰت:124 تا 126)

(حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل مختلف قبیلوں میں بٹ گئے اور علیٰحدہ علیٰحدہ سلطنتیں قائم کر لیں۔ایک قبیلہ نے لبنان کے علاقہ میں رہائش اختیار کر لی مشہور تاریخی شہر بعلبک کے کھنڈرات آج بھی وہاں موجود ہیں۔اس قبیلے کے بڑے بت کا نام بعل تھا' یہ بیس گز لمبا سونے کا مجسمہ تھا جس کے چار منہ تھے' اس کے مندر کے پروہتوں کی تعداد چار سو تھی۔ چنانچہ اس قوم کو راہ راست دکھانے کیلئے حضرت الیاسؑ کو معبوث فرمایا گیا۔معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت الیاسؑ برادرِ عم زاد (چچازاد) حضرت الیسعؑ ہیں۔بعض روایات میں ہے کہ حضرت الیاسؑ کو بھی آسمان پر اُٹھالیا گیا اور وہ جاتے ہوئے حضرت الیسعؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے۔ کہتے ہیں حضرت الیاسؑ مؤکل ہیں جنگلوں پر اور خضر علیہ السّلام پانی پر اور دونوں صلحائے امتِ مصطفویہؐ سے ملاقات کرتے ہیں (بحوالہ احوال الانبیاء جلد اول صفحہ 578) حضرت الیسعؑ کے بعد سات سو برس تک بنی اسرائیل بغیر پیغمبر کے رہے' صلحائے قوم وعظ و نصیحت کرتے رہے مگر اُن کا کہنا کوئی نہیں مانتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اشموئیلؑ کو پیدا فرمایا۔ جب چالیس برس کے ہوئے تو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا چنانچہ انہوں نے قوم کو بتوں کی پرستش سے منع فرمایا اور دعوت الی الحق دی۔ بعد ازاں انہوں نے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر فرمایا (حضرت الیسعؑ کا ذکر قرآن کی سورۃ الانعام) میں ہے۔چنانچہ فرمایا گیا:

o وَمِنْ اٰبَآءِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ۔ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo (21۔انبیاء:79)

''اور اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو ہم نے ہر ایک کو اس کے زمانۂ نبوت میں سب پر فضیلت دی''۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام

حضرت سلیمانؑ' حضرت داؤدؑ کے صاحبزادے ہونے کے ناطے بنی اسرائیل میں

یہودا سے تعلق رکھتے تھے اور اس طرح سے حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی سورۃ الانعام آیت: 85 میں مرکوز ہے: ''اور ہم نے اس (ابراہیمؑ) کو بخشے اسحٰق و یعقوبؑ' ہم نے ہر ایک کو ہدایت دی اور نوحؑ کو ہدایت دی اس ابراہیمؑ سے پہلے اور اس ابراہیمؑ کی اولاد میں سے داوٗدؑ و سلیمانؑ کو ہدایت دی'' قرآن میں سولہ آیات میں سلیمان علیہ السّلام کا ذکر آیا ہے۔۔۔سورۃ بقرۃ: 102' نساء: 163' الانعام: 85' انبیاء: 78' 79' 81' نمل: 15 تا 20' 36' 44' سباء: 163' ص 30' 34۔ مورخین کے مطابق اللہ نے اُن کو نبوت وحکومت دونوں میں حضرت داوٗدؑ کا جانشین بنا دیا جسے قرآن وراثت داوٗد سے تعبیر کرتا ہے (سورہ نمل)۔ آپؑ کو منطق الطیر' تسخیر جن وحیوانات' تیز وتند ہواؤں کی تسخیر جیسی نعمتوں سے بھی نوازا گیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

o اور ہم نے داوٗدؑ کو سلیمانؑ عطا کیا' وہ اچھا بندہ تھا' بیشک وہ اللہ کی طرف بہت رجوع ہونے والا تھا۔ جب اُس کے سامنے شام کے وقت اصیل تیز رفتار گھوڑے لائے گئے تو وہ کہنے لگا بیشک میری محبتِ مال' پروردگار کے ذکر ہی میں سے ہے' یہاں تک کہ وہ گھوڑے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ (حضرت نے فرمایا) ان کو واپس لاؤ' پھر وہ ان کی گردنیں اور پنڈلیاں چھونے اور تھپتھپانے لگا۔ (38:ص:30 تا 33)

(حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تفسیر کے مطابق ان گھوڑوں کی نگہداشت میں حضرت سلیمانؑ کی نماز عصر قضا ہوگئی جس کا حضرت سلیمانؑ کو سخت افسوس ہوا اور انہوں نے اعتراف کیا کہ مال کی محبت اللہ کی یاد پر غالب آ گئی' چنانچہ انہوں نے ان گھوڑوں کو واپس منگوا کر ذبح کر ڈالا کہ وہی یاد اللہ میں غفلت کا باعث ہوئے تھے۔ ابن کثیر کے مطابق اس امر کے انعام کے طور اللہ نے حضرت سلیمانؑ کیلئے ہوا کو مسخر کر دیا۔ (قصص القرآن جلد دوم صفحہ۔ 111) حضرت حسن بصریؒ کے مطابق حضرت سلیمانؑ نے گھوڑوں کی گردنوں اور پنڈلیوں کو ہلکے ہلکے مارا تھا نہ کہ اُنہیں ذبح کر دیا تھا۔

o اور کہا اے پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ میں تیرا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام کیا اور یہ کہ میں نیک کام کروں جو تجھ کو پسند آئے اور مجھ کو اپنی رحمت سے نیک بندوں (عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ) میں داخل فرما''۔ (27 النمل: 19)

حضرت ایوبؑ علیہ السّلام

o اور یاد کرو ایوبؑ کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو

ارحم الرّٰحمین ہے۔تو ہم نے قبول فرمائی اس کی فریاد اور ہم نے دور فرما دی جو تکلیف انہیں پہنچ رہی تھی اور ہم نے عطا کیے اُسے اُس کے گھر والے نیز اتنے اور ان کے ساتھ اپنی رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کیلئے۔(21۔الانبیاء:83-84)

صاحب ضیاء القرآن ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی آزمائش کے کئی انداز ہیں کبھی وہ انعامات واحسانات کا مینہ برسا کر آزماتا ہے اور کبھی آلام ومصائب میں مبتلا کر کے امتحان لیتا ہے پہلے حضرت داؤد وسلیمان کا ذکر فرمایا جنہیں عزت وشاہی جاہ وجلال سے نوازا۔ پہاڑ اور پرندے ہوا اور جنات کو ان کا حلقہ بگوش بنایا اس کے باوجود وہ شکر وذکر سے کبھی غافل نہ رہے اب اپنے ایک اور بندے کا ذکر ہو رہا ہے جس پر تکالیف وشدائد کی انتہا ہو گئی لیکن اس کے ہاتھ سے صبر کا دامن نہ چھوٹا۔ ہر حال میں اپنے رب کی حمد وثناء میں سرگرم رہے تا کہ ہر انسان اپنے حالات کے مطابق انبیاء کے اسوہ حسنہ سے روشنی حاصل کر سکے۔ حضرت ایوب کے نسب' قوم اور زمانہ کے متعلق بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اگرچہ وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی لیکن بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا زمانہ نویں صدی قبل مسیح یا اس سے پہلے کا ہے آپ حضرت اسحٰق کے دوسرے بیٹے عیسو کی نسل سے تھے آپ بڑے دولتمند تھے زرعی زمین کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ آپ کے پاس کھیتی باڑی کے لیے بیلوں کی پانچسو جوڑیاں تھیں ہزاروں کی تعداد میں بھیڑ بکریاں تھیں سات بچے اور سات بچیاں تھیں۔ زوجہ محترمہ کا نام رحمت بتایا گیا ہے جو حضرت یوسف کے فرزند افرائین کی لختِ جگر تھیں بڑی حسین وجمیل اور صحت مند تھیں ان گوناگوں انعامات کے باوجود آپ اپنے خالق کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت میں ہر طرح سرگرم رہا کرتے۔ مشیتِ الٰہی نے جب آزمانا چاہا کھیتیاں جل کر راکھ ہو گئیں مال مویشی میں ایسی وبا پھوٹی کہ ایک بھی زندہ نہ رہا آپ کے سارے بیٹے اور بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے ہاں مدعو تھے مکان گرا اور سب لقمۂ اجل بن گئے۔ آپ کے جسم میں آبلے نمودار ہوتے گئے خارش کی وجہ سے انہیں کھجلایا تو انہوں نے ناسور ونکی شکل اختیار کر لی۔ ان میں چھوٹے چھوٹے کیڑے رینگنے لگے جسم سے پیپ بہنے لگی سب نیاز مند اپنا سلسلۂ نیاز وعقیدت توڑ کر الگ ہو گئے سب دوستوں نے نفرت سے آنکھیں پھیر لیں شہر والوں نے بستی سے نکال دیا کہ اس سے لوگوں میں بیماری پھیلنے کا خطرہ ہے۔ آزمائش کی ان ہوشربا گھڑیوں میں نہ زبان پر حرف شکایت آیا اور نہ دل میں کبھی اپنے مالک کا شکوہ کیا۔ کافی عرصہ اسی حالت میں گزر گیا بعض نے

سات سال اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھے ہیں زبان پھر بھی اپنے خالق و مالک کی حمد وثنا میں مصروف رہی آخر یہ التجاء زبان پر آ ہی گئی "**انی مسنی الضر الھی**" مجھے مصیبتوں اور بیماریوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اس کے بعد یہ عرض نہیں کی کہ میری تکلیفوں اور بیماریوں کو دور فرما دے اور مجھے ان مصیبتوں سے رہائی بخش صرف اتنا ہی عرض کیا "**انت ارحم الرحمین** تو بڑا رحم" کرنے والا ہے۔ گویا یہ کہہ کر سب کچھ ہی کہہ دیا۔

حضرت ایوب علیہ السّلام کے اس قصہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں اور اس کی رضا کے طلبگاروں کیلئے بڑی روشن اور واضح نصیحت ہے وہ یاد رکھیں کہ اگر آزمائش کی کسی ایسی وادی میں سے ان کا بھی گزر ہو تو وہ اپنے رب کریم کا شکر ادا کریں اور صبر کریں۔ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو جائیں بلکہ سیرتِ ایوبؑ کو سامنے رکھیں اور صبر واستقامت کا دامن تھامے ہوئے قدم آگے بڑھاتے جائیں۔ "**فاستجبناله فكشفنا**" کی نوید انہیں بھی سنائی جائے گی۔

حضرت یونس علیہ السّلام

حضرت یونس علیہ السّلام کا ذکر قرآن حکیم کی چھ سورتوں میں اٹھارہ جگہ آیا ہے۔

سورۃ نساء: 163 ' انعام: 87 ' یونس 98 ' الانبیاء: 87 ' 88 ' الصافات: 139 ' 148 ' القلم: 48 تا 50۔ حضرت یونسؑ کی عمر 28 سال تھی جب اُنہیں منصب نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور اہل نینوا (عراق) کی رشد و ہدایت پر مامور کیا گیا۔

قصص القرآن جلد دوم صفحہ 197 تا 199 پر تفسیر روح المعانی کے حوالے سے لکھا گیا ہے:

یونس علیہ السّلام ایک عرصہ تک اہل نینویٰ کو تبلیغ فرماتے اور توحید کی دعوت دیتے رہے مگر اُنہوں نے اعلان حق پر کان نہ دھرا اور تمرد و سرکشی کے ساتھ شرک و کفر پر اصرار کئے رہے اور گزشتہ نافرمان قوموں کی طرح خدا کے سچے پیغمبر کی دعوتِ حق کا ٹھٹھا کرتے اور مذاق اُڑاتے رہے' تب مسلسل اور پیہم مخالفت و معاندت سے متاثر ہو کر یونس علیہ السّلام قوم سے خفا ہو گئے اور اُن کو عذابِ الٰہی کی بددعا کر کے اُن کے درمیان سے غضبناک حالت میں روانہ ہو گئے۔

فرات کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی کو مسافروں سے بھرا ہوا تیار پایا' حضرت یونس علیہ السّلام کشتی میں سوار ہوئے اور کشتی نے لنگر اُٹھا دیا۔ راہ میں طوفانی ہواؤں نے کشتی کو آ گھیرا' جب

کشتی ڈگمگانے لگی اور اہل کشتی کو غرق ہونے کا یقین ہونے لگا تو اپنے عقیدہ کے مطابق کہنے لگے ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے جب تک اس کو کشتی سے جدا نہ کیا جائیگا نجات مشکل ہے'' یونس علیہ السّلام نے سنا تو اُن کو تنبہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو میرا نینویٰ سے وحی کا انتظار کیے بغیر اس طرح چلا آنا پسند نہیں آیا اور یہ میری آزمائش کے آثار ہیں۔ یہ سوچ کر اُنہوں نے اہل کشتی سے فرمایا: وہ غلام میں ہوں جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے مجھ کو کشتی سے باہر پھینک دو مگر ملاح اور اہلِ کشتی ان کی پاکبازی سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور آپس میں یہ طے کیا کہ قرعہ اندازی کی جائے۔ چنانچہ تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی اور ہر مرتبہ یونس علیہ السّلام کے نام پر قرعہ نکلا' تب مجبور ہو کر انہوں نے یونس علیہ السّلام کو دریا میں ڈال دیا یا وہ خود دریا میں کود گئے۔ اسی وقت خدائے تعالیٰ کے حکم سے اُن کو مچھلی نے نگل لیا' مچھلی کو حکم تھا کہ صرف نگل لینے کی اجازت ہے' یونس تیری غذا نہیں ہے اس لیے اس کے جسم کو مطلق گزند نہ پہنچے (فتح الباری جلد 6 ص 351) یونس علیہ السّلام نے جب مچھلی کے پیٹ میں خود کو زندہ پایا تو درگاہ الٰہی میں اپنی اس ندامت کا اظہار کیا کہ کیوں وہ وحی الٰہی کا انتظار کیے اور اللہ تعالیٰ سے اجازت لئے بغیر امت سے ناراض ہو کر نینویٰ سے نکل آئے اور عفو تقصیر کیلئے اس طرح دعا گو ہوئے ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْـتَ سُبْحٰـنَكَ اِنِّـىْ كُـنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (21۔الانبیا۔87) الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی یکتا ہے۔ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں بے شبہ میں اپنے نفس پر خود ہی ظلم کرنے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السّلام کی درد بھری آواز کو سنا اور قبول فرمایا' مچھلی کو حکم ہوا کہ وہ یونس کو ''جو تیرے پاس ہماری امانت ہے'' اُگل دے۔ چنانچہ مچھلی نے ساحل پر یونس علیہ السّلام کو اُگل دیا' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے اُن کا جسم ایسا ہو گیا تھا جیسا کہ کسی پرندہ کا پیدا شدہ بچہ کہ جس کا جسم بیحد نرم ہوتا ہے اور جسم پر بال تک نہیں ہوتے' غرض یونس علیہ السّلام بہت نحیف و ناتواں حالت میں خشکی پر ڈال دیئے گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کیلئے ایک بیلدار درخت اُگایا۔ جس کے سایہ میں وہ ایک جھونپڑی بنا کر رہنے لگے۔ چند دن کے بعد ایسا ہوا کہ حکم خدا سے اس بیل کی جڑ کو کیڑا لگ گیا اور اس نے جڑ کو کاٹ ڈالا' جب بیل سوکھنے لگی تو یونس علیہ السّلام کو بہت غم ہوا' تب اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اُن کو مخاطب کیا اور فرمایا: یونس! تم کو اس بیل کے سوکھنے کا بہت رنج ہوا جو ایک حقیری چیز ہے مگر تم

نے یہ نہ سوچا کہ نینوی کی ایک لاکھ سے زیادہ آبادی جس میں انسان بس رہے ہیں اور ان کے علاوہ جاندار بھی آباد ہیں اس کو برباد اور ہلاک کر دینے میں ہم کو کوئی ناگواری نہیں ہوگی اور کیا ہم اُن کیلئے اس سے زیادہ شفیق و مہربان نہیں ہیں جتنا کہ تجھ کو اس بیل کے ساتھ اُنس ہے جو تم وحی کا انتظار کئے بغیر قوم کو بددعا کر کے اُن کے درمیان سے نکل آئے ایک نبی کی شان کے یہ نامناسب تھا کہ وہ قوم کے حق میں عذاب کی بددعا کرنے اور اُن سے نفرت کر کے جُدا ہو جانے میں عجلت کرے اور وحی کا بھی انتظار نہ کرے۔

ہوا یہ کہ ادھر یونس علیہ السّلام بددعا کر کے اہلِ نینوی سے جُدا ہوئے اور اُدھر اُنہوں نے بددعا کے کچھ آثار محسوس کئے نیز یونس علیہ السّلام کے بستی چھوڑ دینے پر اُن کو یقین ہو گیا کہ وہ ضرور اللہ کے سچے پیغمبر تھے اور اب ہلاکت یقینی ہے تب ہی تو یونسؑ ہم سے جدا ہو گئے یہ سوچ کر فوراً بادشاہ سے لے کر رعایا تک سب کے دل خوف و دہشت سے کانپ اٹھے اور یونس علیہ السّلام کو تلاش کرنے لگے کہ اُن کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کریں اور ساتھ ہی سب اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ و استغفار کرنے لگے اور ہر قسم کے گناہوں سے کنارہ کش ہو کر آبادی سے باہر میدان میں نکل آئے حتیٰ کہ چوپاؤں کو بھی ساتھ لے آئے اور بچوں کو ماؤں سے جدا کر دیا اور اس طرح دنیوی علائق سے کٹ کر درگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری کرتے اور متفقہ آواز سے اقرار کرتے رہے: ربنا امنا بما جاء به یونس (پروردگار! یونس علیہ السّلام تیرا جو پیغام ہمارے پاس لے کر آئے تھے ہم اس کی تصدیق کرتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں) آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' ان کو دولتِ ایمان سے نوازا اور ان کو عذاب سے محفوظ کر دیا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد 4 ص 32)

بہرحال حضرت یونس علیہ السّلام کو اب دوبارہ حکم ہوا کہ نینوی جائیں اور قوم میں رہ کر ان کی رہنمائی فرمائیں تا کہ خدا کی اس قدر کثیر مخلوق اُن کے فیض سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ یونس علیہ السّلام نے اس حکم کا امتثال کیا اور نینوی میں واپس تشریف لے آئے۔ قوم نے جب اُن کو دیکھا تو بے حد مسرت و خوشی کا اظہار کیا اور ان کی راہنمائی میں دین و دنیا کی کامرانی حاصل کرتی رہی''۔ (یہ واقعہ قوموں اور اُن کے روحانی پیشواؤں کیلئے عبرت انگیز ہے۔ دونوں کو اپنے اپنے طرزِ عمل پر غور و فکر کرنا چاہیے اور اصلاحِ اعمال پر توجہ دینی چاہیے۔ مؤلف)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت یونسؑ کے زمانہ کا تعین مشکل ہے۔ تاہم اُن کا کہنا

ہے کہ اُن کا عہد 372 ق م سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے درمیان ہو سکتا ہے۔

حضرت عزیز علیہ السلام

حضرت عزیز علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں صرف سورۃ توبہ میں آیا ہے۔ اُن کی قوم اُنہیں خدا کا بیٹا قرار دینے لگی کیونکہ بابل کے مطلق العنان بادشاہ بخت نصر نے فلسطین پر پے در پے حملے کر کے یروشلم کو برباد کر دیا اور بنی اسرائیل کو قید کر کے بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر لے گیا۔ توراۃ کے تمام نسخے بھی خاکستر ہو گئے۔ تاہم بخت نصر کی ہلاکت کے عرصہ دراز کے بعد تقریباً 539 ق م میں فارس کے بادشاہ سائرس (کیخسرو) نے بابل کے بادشاہِ وقت کو شکست دی تو بنی اسرائیل آزاد ہو کر واپس یروشلم پہنچے اور یروشلم میں ہیکل کی تعمیر کی لیکن اُنہیں صدمہ یہ تھا کہ توراۃ کا کوئی بھی نسخہ اُن کی رہنمائی کیلئے موجود نہ تھا۔ دریں اثنا حضرت عزیز علیہ السلام بحکم اللہ تعالیٰ یروشلم میں رشد و ہدایت کیلئے مبعوث کئے گئے تو وہ ابھی کھنڈرات کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اُن کے دل میں یہ خیال وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو دوبارہ زندگی کیسے دیگا۔ چنانچہ اُسی جگہ اُن پر سو برس تک کیلئے موت طاری کر دی گئی جب وہ اس طویل مدت کے بعد دوبارہ اٹھائے گئے تو یروشلم آباد ہو چکا تھا۔ (یہ واقعہ سورۃ بقرہ میں بیان کیا گیا ہے) بعض اسرائیلی روایات کے مطابق بنی اسرائیل اس مقصد کے تحت جمع ہوئے کہ توراۃ پھر سے حاصل کرنے کی کوئی تدبیر کی جائے۔ سب کی موجودگی میں آسمان سے چمکتے ہوئے شہاب اترے اور حضرت عزیز علیہ السلام کے سینہ میں سما گئے تب آپؑ نے بنی اسرائیل کو از سرِ نو توراۃ مرتب کر کے عطا فرمائی۔ بنی اسرائیل اس معجزہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا لہٰذا توراۃ کی تعلیمات کے علی الرغم بنی اسرائیل شرکِ صریح کی گمراہی کا شکار ہو گئے۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کو سورۃ توبہ میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

o "یہود کہتے ہیں عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے' یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے ہیں' اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار و رُہبا کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو' حالانکہ انہیں صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ پاک ہے۔ ان کے شریک مقرر کرنے سے"۔ (9۔التوبہ:30-31)

حضرت عزیز علیہ السلام حضرت ہارونؑ بن عمران کی نسل سے تھے۔ ابن کثیر کے مطابق بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی آخری آرامگاہ دمشق میں ہے اور وہ تو صرف اللہ واحد کی عبادت ہی کی دعوت کیلئے مبعوث ہوئے تھے جیسا کہ اوپر دی گئیں آیات سے ظاہر ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام

قرآن حکیم کی چار سورتوں میں 18 جگہ پر حضرت زکریاؑ کا ذکر موجود ہے۔ آل عمران: 37-41' انعام: 85' مریم: 2-11' انبیاء: 89-90' وہ حضرت سلیمانؑ و داؤدؑ کی نسل سے تھے۔ وہ بنی اسرائیل میں نبی کے علاوہ معزز کاہن بھی تھے۔ پیشہ اُن کا نجاری (بڑھئی) تھا۔ حضرت مریمؑ کی کفالت بھی اُن کے ذمہ تھی۔ عمر مبارک بقول ابن کثر 77 سال اور بقول ثعلبی نوے بانوے سال تھی۔ آپ کی تعلیمات سے متعلق قرآن میں ارشاد ہے:

o ''پھر آپ نکل کر آئے (یعنی زکریا علیہ السلام نکل کر آئے) اپنی قوم کے پاس عبادت گاہ سے تو اشارہ سے انہیں سمجھایا کہ تم پاکی بیان کرو (اپنے رب کی) صبح و شام''۔ (19۔مریم: 11)

حضرت یحییٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰؑ کا ذکر قرآن حکیم میں سورہ آل عمران' انعام' مریم اور الانبیاء میں آیا ہے۔ آپ حضرت زکریاؑ کے بیٹے اور والد کی دعاؤں کا حاصل تھے کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ سے چھ ماہ قبل تولد ہوئے۔

(قصص القرآن جلد دوم کے صفحات 267 تا 269 پر مرقوم ہے:

مسند احمد' ترمذی' ابن ماجہ (وغیرہ) میں حارث اشعریؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو پانچ باتوں کا خصوصیت کے ساتھ حکم فرمایا کہ وہ خود بھی ان پر عامل ہوں اور بنی اسرائیل کو بھی ان کی تلقین فرمائیں۔ وہ پانچ احکام یہ ہیں:

(۱) پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور نہ کسی کو اس کا شریک و سہیم ٹھہراؤ۔

(۲) دوسرا حکم یہ ہے کہ تم خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرو' کیونکہ جب تک تم نماز میں

کسی دوسری جانب متوجہ نہ ہو گے خدائے تعالیٰ برابر تمہاری جانب رضا و رحمت کے ساتھ متوجہ رہیگا۔

(۳) تیسرا حکم یہ ہے کہ روزہ رکھو اس لئے کہ روزہ دار کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو ایک جماعت میں بیٹھا ہو اور اس کے پاس مشک کی تھیلی ہو' چنانچہ مشک اس کو بھی اور اس کے رفقاء کو بھی اپنی خوشبو سے مست کرتا رہیگا۔

(۴) چوتھا حکم یہ ہے کہ مال میں سے صدقہ نکالا کرو کیونکہ صدقہ کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کو اس کے دشمنوں نے اچانک آ پکڑا ہو اور اُس کے ہاتھوں کو گردن سے باندھ کر مقتل کی جانب لے چلے ہوں اور اس ناامیدی کی حالت میں وہ یہ کہے: کیا یہ ممکن ہے کہ میں مال دے کر اپنی جان چھڑا لوں؟ اور اثبات میں جواب پا کر اپنی جان کے بدلے سب دھن دولت قربان کر دے۔

(۵) اور پانچواں حکم یہ ہے کہ دن رات میں کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہا کرو کیونکہ ایسے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دشمن سے بھاگ رہا ہو اور دشمن تیزی کے ساتھ اس کا تعاقب کر رہا ہو اور بھاگ کر وہ کسی مضبوط قلعہ میں پناہ گزین ہو کر دشمن سے محفوظ ہو جائے۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ کی جانب متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: میں بھی تم کو ایسی پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا اللہ نے مجھ کو حکم کیا ہے یعنی ''لزومِ جماعت'' ''سمع'' اور ''طاعت'' ''ہجرت'' اور ''جہاد فی سبیل اللہ''۔ پس جو شخص ''جماعت'' سے ایک بالشت باہر نکل گیا اُس نے بلاشبہ اپنی گردن سے اسلام کی رسّی کو نکال دیا مگر یہ کہ جماعت کا لزوم اختیار کرے اور جس شخص نے جاہلیت کے دور کی باتوں کی طرف دعوت دی تو اُس نے جہنم کو ٹھکانا بنایا' حارث اشعری کہتے ہیں کہنے والے نے کہا! یارسول اللہ اگر چہ وہ شخص نماز اور روزہ کا پابند ہی ہو' تب بھی جہنم کا سزاوار ہے؟ فرمایا: ہاں' اگر چہ وہ نماز اور روزہ کا پابند بھی ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ میں مسلمان ہوں تب بھی سزاوار جہنم ہے۔

o ''اے یحییٰؑ! پکڑ لو کتاب کو مضبوطی کے ساتھ اور ہم نے عطا کی اُن کو دانائی جب کہ وہ بچے تھے (12) نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے اور نفس کی پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔'' (19۔مریم:13)

(حضرت زکریاؑ، حضرت ہارون علیہ السّلام کی اولاد سے تھے؛ آپ حضرت مریمؑ کی خالہ ایشیع (ELIZABETH) کے شوہر تھے۔ آپ کی عمر ایک سو بیس سال اور آپ کی اہلیہ کی عمر اٹھانوے سال ہوگئی تھی تو آپ نے دعا کی "اے میرے رب میری حالت یہ ہے کہ کمزور و بوسیدہ ہوگئی ہیں میری ہڈیاں اور بالکل سفید ہوگیا ہے (میرا) سر بڑھاپے کی وجہ سے اور اب تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو میرے رب اور میں نامراد رہا ہوں اور میں ڈرتا ہوں (اپنے بے دین رشتہ داروں سے) کہ وہ میرے بعد (دین ضائع کر دیں) اور میری بیوی بانجھ ہے پس بخش دے مجھے اپنے پاس سے ایک وارث؛ جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب علیہ السّلام کے خاندان کا اور بنادے اسے اے رب! پسندیدہ سیرت والا! اے زکریاؑ ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے کی ولادت کا اس کا نام یحییٰؑ ہوگا" (19 مریم:2 تا 7)۔

حضرت عیسیٰؑ علیہ السّلام

قرآن حکیم کی تیرہ (13) سورتوں میں 55 مقامات پر حضرت عیسیٰؑ کا ذکر چار ناموں سے آیا ہے: عیسیٰؑ، مسیحؑ، عبداللہ اور ابن مریمؑ۔ جن تیرہ سورتوں میں ذکر ہے وہ یہ ہیں: البقرۃ، آلِ عمران: النساء، المائدہ، الانعام، التوبہ، مریم، المومنون، الاحزاب، الشوریٰ، الزخرف، الحدید اور الصّف۔

o "اور جب آئے عیسیٰؑ روشن نشانیاں لے کر تو فرمایا: میں آیا ہوں تمہارے پاس حکمت لے کر اور میں بیان کروں گا تم سے کچھ وہ بات جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔ پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور میری فرمانبرداری کیا کرو (63) یقیناً اللہ تعالیٰ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اس کی عبادت کیا کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ (43۔الزخرف:64)۔

حضرت محمد رسول ﷺ

حضور ﷺ کی تعلیمات اگرچہ وہی ہیں جو اُن سے قبل آنے والے کم وبیش ایک لاکھ 24 ہزار پیغمبرانِ عظامؑ کی تھیں۔ تاہم اہل کتاب کو حضورؐ نے خصوصیت سے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر ایمان لانے کی طرف توجہ دلائی اور مسلمانوں کو عمومیت کے ساتھ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اللہ کی یاد کو ہر آن جاری وساری رکھنے کیلئے تسبیحات اور ذکر وفکر پر توجہ قائم رکھنے کی تلقین فرماتے رہے۔ پورا قرآن ہی حضور ﷺ کی تعلیمات کا عکس جمیل اور حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ کا بیان ہے؛ چ

ایک آیات خیر و برکت کیلئے درج ذیل ہیں۔

- آپ کو تمام اہل عالم کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔(4:79 ‘7:158)
- آپ کا کام آیاتِ الٰہی سنانا (تلاوت)‘ تمہیں پاک کرنا (تزکیہ)‘ کتاب وحکمت کی تعلیم دینا اور وہ چیزیں سکھانا ہے جن سے تم بے علم تھے۔(2:151)
- آپ نیک باتوں کا حکم فرماتے‘ بُری باتوں سے منع کرتے‘ پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے اور گندی چیزوں کو حرام فرماتے اور لوگوں کے بوجھ اور طوق دور کرتے ہیں‘ سو جو لوگ اس نبیؐ پر ایمان لاتے اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور اُس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا‘ ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔(7:157)۔
- بیشک اللہ نے تمہارے لئے ذکر کو نازل کیا یعنی وہ رسولؐ جو تم پر اللہ کی روشن آیات پڑھتا ہے تا کہ انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لے جائے۔(65:10-11)
- اللہ کی طرف بھاگو‘ میں تمہیں ڈرانے آیا ہوں‘ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ (51:50-51)
- (اپنے اللہ کے سامنے) سجدے کرو اور اُس کے قریب ہو جاؤ۔(96:79)
- نصیحت کرتے جایئے‘ آپؐ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔(88:21)
- نماز وزکوٰۃ کی پابندی کرو اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (24:56)
- اپنے گھر والوں کو نماز کی تلقین کریں‘ اور خود اس پر ثابت قدم رہیں‘ ہم تم سے رزق نہیں چاہتے‘ رازق ہم خود ہیں۔اور انجام پرہیزگاروں کا ہی اچھا ہے۔(20:132)
- دن رات اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے رہیں۔(20:130)
- اگر کوئی شخص اخلاص واحسان کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرتا ہے تو وہ ایک مضبوط رسی کو تھامتا ہے اور اگر کفر اختیار کرتا ہے تو آپ کو اس پر رنج نہیں ہونا چاہیے۔ (31:22-23)
- ’’اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو میری زمین بڑی کشادہ ہے میری ہی تم عبادت کیا کرو‘‘۔(29۔العنکبوت:56)

- ''اے نبیُ(مکرم)! ہم نے بھیجا ہے آپ کو(سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوش خبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف (داعِیاً اِلَی اللّٰہِ) اُس کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا''۔(33۔الاحزاب:46)
- ''ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کیلئے اطاعت کو''۔(39۔الزمر:2)
- ''فرمایئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اُس کیلئے اطاعت کو اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں''۔ (12) فرمایئے! میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اُس کیلئے اپنے دین کو پس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا''۔(39۔الزمر:14'15)

دنیاوی زندگی میں کامیابی کا زینہ۔۔۔آزمائش

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔۔۔ انسان کی اخروی فلاح کا واحد ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اسی پر تمام انبیاء کرام خود عمل کرتے رہے اور اپنی امتوں کو بھی اُسی واحدلاشریک کی عبادت پر قائم رہنے کی تلقین کرتے رہے۔۔۔اس ضمن میں دوسرا اہم ترین نکتہ قرآن حکیم ہی کے مطالعہ سے جو ہمارے سامنے آیا ہے وہ دنیا میں زندگی گزارنے کے دوران مختلف پہلوؤں سے انسان کی آزمائش ہے اور اسے کامیاب زندگی کیلئے ایک زینہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ آزمائش کی کٹھالی میں پڑے بغیر انسان کندن نہیں بن سکتا۔

لہٰذا انسانی زندگی میں ہر چیز کو اُس کیلئے آزمائش وامتحان سے تعبیر کیا گیا ہے۔حتیٰ کہ انفس وآفاق اور تخلیق کائنات کا مقصد بھی انسان کی آزمائش قرار دیا گیا۔چنانچہ فرمایا گیا:

- ''اور وہی اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں اور (اس سے پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا(زمین اور آسمان پیدا کئے۔تاکہ آزمائے تمہیں کہ تم میں سے کون اچھا ہے عمل کے لحاظ سے''۔(11۔ھود:7)

جسٹس پیر محمد کرم شاہؒ کی رائے

اس آیت کی تفسیر میں جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن جلد دوم صفحات 342 تا 343 پر فرماتے ہیں:

قرآن مجید میں کائنات کی تخلیق کی مدت کو ستہ ایام (چھ دن) کے لفظوں سے تعبیر کیا

گیا ہے۔ یوم کا لفظ جس طرح طلوعِ آفتاب سے لیکر غروبِ آفتاب تک کی مدت کیلئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح اہلِ زبان مطلق وقت کے معنی میں بھی اسے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یوم بمعنی دن کا آغاز تو سورج کی تخلیق کے بعد ہوا اور یہ جس زمانہ کا ذکر ہے اس وقت نہ سورج تھا اور نہ اس کا طلوع و غروب' نہ دن تھا اور نہ رات تھی۔ اس لیے یہاں اس کا یہ معنی تو ہرگز نہیں لیا جاسکتا۔ بلکہ مطلق وقت کے معنی میں ہی یہ مستعمل ہوا ہے۔ یعنی آسمان و زمین کی تخلیق چھ دوروں میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ ہر دور کی مقدار کتنی تھی۔ اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس کی وضاحت نہ قرآن کریم نے کی ہے اور نہ سنتِ نبوی میں اس کا ذکر ہے اور نہ ہی تخلیق کائنات کی تفصیل اس کے دوروں کا تعین کہیں مذکور ہے۔ ہر دور میں رو پذیر ہونے والے تغیرات کا بیان قرآن کے اغراض و مقاصد میں داخل ہے۔ تاہم آزمائش کے بارے میں قرآن حکیم کی درج ذیل آیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

o "بیشک ہم نے بنایا ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں اس کیلئے باعث زینت و آرائش تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے"۔ **(18۔ الکہف:7)**

مولانا امین احسن اصلاحی تدبر قرآن جلد چہارم کے صفحات **15 تا 16** پر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرمایا کہ یہ دنیا دار الامتحان ہے۔ اس میں ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ کون اپنی عقل و تمیز سے کام لے کر آخرت کا طالب بنتا ہے۔ اور کون اپنی خواہشوں کے پیچھے لگ کر اسی دنیا کا پرستار بن کر رہ جاتا ہے۔ اس امتحان کے تقاضے سے ہم نے اس دنیا کے چہرے پر حسن و زیبائی کا ایک پرفریب غازہ مل دیا ہے۔ اس کے مال و اولاد' اس کے کھیتوں کھلیانوں' اس کے باغوں اور چمنوں' س کی کاروں اور کوٹھیوں' اس کے محلوں اور ایوانوں' اس کی صدارتوں اور وزارتوں میں بڑی کشش اور دل فریبی ہے۔ اس کی لذتیں نقد اور عاجل اور اس کی تلخیاں پس پردہ ہیں۔ اس کے مقابل میں آخرت کی تمام کامرانیاں نسیہ اگرچہ ہیں اور اس کے طالبوں کو اس کی خاطر بے شمار جانکاہ مصیبتیں نقد نقد اسی دنیا میں جھیلنی پڑتی ہیں۔ یہ امتحان ایک سخت امتحان ہے۔ اس میں پورا اترنا ہر بوالہوس کا کام نہیں ہے۔ اس میں پورے وہی اتریں گے جن کی بصیرت اتنی گہری ہو کہ خواہ یہ دنیا ان کے سامنے کتنی ہی عشوہ گری کرے لیکن وہ اس عجوزۂ بڑھیا ہزار داماد کو اس کے ہر بھیس میں تاڑ جائیں اور کبھی اس کے عشق میں پھنس کر آخرت کے ابدی انعام کو قربان کرنے پر تیار نہ ہوں گے وہ لوگ

جنہوں نے اپنی عقل و دل کی آنکھیں اندھی کر لی ہیں اور اپنی خواہشوں کے پرستار بن کے رہ گئے ہیں وہ اس نقد کو آخرت کے نسیہ کے لیے قربان کرنے پر تیار نہیں ہو سکتے اگر چہ اس کے حق ہونے پر اس کائنات کا ذرّہ ذرّہ گواہ ہے۔

o ''نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی ہے''۔
(67۔الملک:1-2)

صاحب تفہیم القرآن سیّد ابوالاعلیٰ مودودی ان آیات کی تفسیر میں جلد چھ کے (صفحات 41 تا 42 پر) لکھتے ہیں:

''دنیا میں انسانوں کے مرنے اور جینے کا یہ سلسلہ اُس نے اس لیے شروع کیا ہے کہ اُن کا امتحان لے اور یہ دیکھے کہ کس انسان کا عمل زیادہ بہتر ہے۔ اس مختصر سے فقرے میں بہت سی حقیقتوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اوّل یہ کہ موت اور حیات اُسی کی طرف سے ہے، کوئی دوسرا نہ زندگی بخشنے والا ہے نہ موت دینے والا۔ دوسرے یہ کہ انسان جیسی ایک مخلوق، جسے نیکی اور بدی کرنے کی قدرت عطا کی گئی ہے، اُس کی نہ زندگی بے مقصد ہے نہ موت۔ خالق نے اُسے یہاں امتحان کیلئے پیدا کیا ہے۔ زندگی اُس کیلئے امتحان کی مہلت ہے اور موت کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے امتحان کا وقت ختم ہو گیا۔ تیسرے یہ کہ اسی امتحان کی غرض سے خالق نے ہر ایک کو عمل کا موقع دیا ہے تا کہ وہ دنیا میں کام کر کے اپنی اچھائی یا برائی کا اظہار کر سکے اور عملاً یہ دکھا دے کہ وہ کیسا انسان ہے۔ چوتھے یہ کہ خالق ہی دراصل اس بات کا فیصلہ کرنے والا ہے کہ کس کا عمل اچھا ہے اور کس کا برا۔ اعمال کی اچھائی اور بُرائی کا معیار تجویز کرنا امتحان دینے والوں کا کام نہیں ہے بلکہ امتحان لینے والے کا کام ہے۔ لہٰذا جو بھی امتحان میں کامیاب ہونا چاہے اسے یہ معلوم کرنا ہو گا کہ ممتحن کے نزدیک حسن عمل کیا ہے۔ پانچواں نکتہ خود امتحان کے مفہوم میں پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ جس شخص کا جیسا عمل ہو گا اس کے مطابق اس کو جزا دی جائے گی، کیونکہ اگر جزاء نہ ہو تو سرے سے امتحان لینے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے''۔

صاحبِ تفہیم القرآن سید مودودی سورہ الانعام کی آیات 161 تا 165 کا ترجمہ اور تفسیر اس طرح سے کرتے ہیں:

اے محمدؐ! کہو میرے ربّ نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے' بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں' ابراہیمؑ کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اُس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہو' میری نماز' میرے تمام مراسم عبودیت' میرا جینا اور میرا مرنا' سب کچھ اللہ ربّ العالمین کیلئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔ کہو' کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے؟ ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے' کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا' پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے' اُس وقت وہ تمہارے اختلافات کی حقیقت تم پر کھول دے گا۔ وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا' اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیئے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک تمہارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے اور بہت درگزر کرنے اور رحم فرمانے والا ہے''۔

''ابراہیمؑ کا طریقہ'' یہ اس راستے کی نشان دہی کیلئے مزید ایک تعریف ہے۔ اگرچہ اس کو موسیٰؑ کا طریقہ یا عیسیٰؑ کا طریقہ بھی کہا جا سکتا تھا' مگر حضرت موسیٰؑ کی طرف دنیا نے یہودیت کو اور حضرت عیسیٰؑ کی طرف مسیحیت کو منسوب کر رکھا ہے' اس لیے ''ابراہیمؑ کا طریقہ'' فرمایا۔ حضرت ابراہیمؑ کو یہودی اور عیسائی' دونوں گروہ برحق تسلیم کرتے ہیں' اور دونوں یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ یہودیت اور عیسائیت کی پیدائش سے بہت پہلے گزر چکے تھے۔ نیز مشرکینِ عرب بھی ان کو راست رو مانتے تھے اور اپنی جہالت کے باوجود کم از کم اتنی بات انہیں بھی تسلیم تھی کہ کعبہ کی بنا رکھنے والا پاکیزہ انسان خالص خدا پرست تھا نہ کہ بُت پرست۔

اصل میں لفظ ''نُسُک'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی قربانی کے بھی ہیں اور اس کا اطلاق عمومیت کے ساتھ بندگی و پرستش کی دوسری تمام صورتوں پر بھی ہوتا ہے۔

یعنی کائنات کی ساری چیزوں کا رب اللہ ہے' میرا رب کوئی اور کیسے ہو سکتا ہے؟ کس طرح یہ بات معقول ہو سکتی ہے کہ ساری کائنات تو اللہ کی اطاعت کے نظام پر چل رہی ہو' اور کائنات کا ایک جزء ہونے کی حیثیت سے میرا اپنا وجود بھی اُسی نظام پر عامل ہو' مگر میں اپنی شعوری و اختیاری زندگی کیلئے اور رب تلاش کروں؟ کیا پوری کائنات کے خلاف میں اکیلا ایک

دوسرے رخ پر چل پڑوں؟

گویا کہ ہر شخص خود ہی اپنے عمل کا ذمہ دار ہے' ایک کے عمل کی ذمہ داری دوسرے پر نہیں ہے۔

آزمائش والے جملے میں تین حقیقتیں بیان کی گئی ہیں:

ایک یہ کہ تمام انسان زمین میں خدا کے خلیفہ ہیں اس معنی میں کہ خدا نے اپنی مملوکات میں سے بہت سی چیزیں ان کی امانت میں دی ہیں اور ان پر تصرف کے اختیارات بخشے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ان خلیفوں میں مراتب کا فرق بھی خدا ہی نے رکھا ہے' کسی کی امانت کا دائرہ وسیع ہے اور کسی کا محدود' کسی کو زیادہ چیزوں پر تصرف کے اختیارات دیئے ہیں اور کسی کو کم چیزوں پر' کسی کو زیادہ قوت کارکردگی دی ہے اور کسی کو کم' اور بعض انسان بھی بعض انسانوں کی امانت میں ہیں۔

تیسرے یہ کہ یہ سب کچھ امتحان کا سامان ہے' پوری زندگی ایک امتحان گاہ ہے' اور جس کو جو کچھ بھی خدا نے دیا ہے اسی میں اس کا امتحان ہے کہ اس نے کس طرح خدا کی امانت میں تصرف کیا' کہاں تک امانت کی ذمہ داری سمجھا اور اس کا حق ادا کیا' اور کس حد تک اپنی قابلیت کا ثبوت دیا۔ اسی امتحان کے نتیجہ پر زندگی کے دوسرے مرحلے میں انسان کے درجے کا تعین منحصر ہے"۔

درج بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ عطائے خلافت خواہ وہ انسان کی انفرادی حیثیت میں اُس کے دائرہ اختیار کی حد تک اپنے جسم پر ہو یا اُن تمام وسائل اور انسانوں کی صورت میں ہو جو اُس کے زیر اختیار دیے گئے ہوں' یا اجتماعی طور پر عطائے خلافت ہو' یہ سب کچھ انسان کی آزمائش کیلئے ہے۔ ایک اور جگہ قرآن میں فرمایا گیا:

o پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں پہلوں کا جانشین (خلیفہ) بنایا تا کہ (ظاہری طور پر) ہم دیکھ لیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو"۔ (10۔یونس:14)

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر کی جلد دوم (صفحہ 519 تا 620) پر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہلاک شدہ قومیں:

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ سابقہ رسل جب ان کافروں کے پاس بین دلائل اور واضح

براہین لے کر آئے تھے۔ اور انہوں نے تکذیب کی تھی تو کیسے ہلاک کر دیئے گئے۔ پھر اللہ پاک نے ان کے بعد اس قوم کو پیدا کیا ہے اور ان کے پاس اپنا ایک رسول بھیجا اور دیکھنا چاہا کہ یہ بھی اپنے رسولِ وقت کی بات سنتے ہیں یا نہیں۔

حضور علیہ وسلم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا بڑی شیریں اور بڑی سرسبز ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تم کو سابقہ قوموں کا جانشین بنایا ہے۔ تاکہ دیکھے تم کیسا عمل کرتے ہو۔ چاہیے کہ دنیا کی ناجائز خواہشات سے الگ تھلگ ہی رہو اور بڑی بات یہ ہے کہ عورتوں سے بہت محتاط رہو۔ کیونکہ پہلا فتنہ جو بنی اسرائیل پر آیا وہ عورتوں کا فتنہ تھا۔ (عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اور اچھا معاملہ اور چیز ہیں اور ان کو اپنے دینی اور دنیاوی کاموں میں امام بنالینا اور چیز ہے۔ دنیا میں یا عورت کے ساتھ افراط سے کام لیا گیا ہے یا پھر تفریط سے۔ بعض قوموں نے اسے ایک گندی اور نجس چیز قرار دے کر ہر طرح کا ظلم ان پر روا رکھا ہے اور بعض نے ملک کی باگ ڈور تک ان کے سپرد کر دی ہے۔ اسلام اپنے معتدل مزاج کے پیش نظر عورت کو اس کا صحیح مقام دینے کی سفارش کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ آنکھ کی ٹھنڈک بھی ہے اور شیطان کا جال بھی۔ تم ان سے ان حدود میں فائدہ اٹھاؤ جس کیلئے ان کو پیدا کیا گیا اور ان حدود میں اس سے بچو جو حدود ان کیلئے قطعاً مناسب نہیں)۔

ایک دفعہ عوف بن مالکؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اپنا خواب بیان کیا کہ گویا ایک رسّی آسمان سے لٹکی ہوئی ہے۔ رسول ﷺ نے اس کو کھینچ لیا۔ پھر وہ آسمان سے متعلق ہوگئی تو اب اس کو ابوبکرؓ نے کھینچ لیا۔ پھر لوگ منبر کے اطراف اس کو ناپنے لگے۔ اور حضرت عمرؓ کے ناپ میں وہ منبر سے تین ہاتھ لمبی نکل آئی۔ وہاں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ انہوں نے سن کر کہا اپنا خواب چھوڑ دبھی' کہاں کا خواب اور ہمیں اس سے کیا واسطہ۔ لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو عوفؓ سے کہنے لگے' عوفؓ! آپ اپنا خواب تو سنائیں۔ عوفؓ نے کہا' اب خواب کی کیا پڑی ہے۔ آپؓ نے مجھے اس کے سنانے پر جھڑک دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا آپ کا بھلا کرے۔ میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ آپ ہمیں حضرت صدیقؓ خلیفہ رسولؐ کی خبرِ مرگ سنائیں۔ پھر عوفؓ نے خواب بیان کیا۔ حتیٰ کہ جب یہاں پہنچے کہ لوگ منبر تک تین تین ہاتھ اُسے ناپنے لگے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو ان تین میں سے خلیفہ تھے۔ یعنی ابوبکرؓ اور دوسرا وہ جو خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت و ناراضی کی پروا نہیں کرتا۔ اور تیسرے ہاتھ پر اختتام کا مطلب یہ ہے کہ وہ شہید ہوگا۔ حضرت عمرؓ

نے کہا۔قولہٗ تعالیٰ " ثُمَّ جَعَلنٰکُم خَلٰئِفَ فِی الاَرضِ مِن بَعدِ هِم لِنَنظُرَ کَیفَ تَعمَلُونَ " ۔اب ہم آپ کو خلیفہ بناتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آپؓ کیسا عمل کرتے ہیں۔چنانچہ اے عمرؓ! آپ خلیفہ بنے ہیں اور امور حکومت انجام دیتے وقت سوچیں کہ کیا کر رہے ہیں۔لومتہ لائم سے نہ ڈرنے کا جو ذکر حضرت عمرؓ نے کیا وہ احکامِ خداوندی کے بارے میں تھا اور لفظ شہید سے حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ میرے لئے شہادت مقدر ہے اور اس کا وقت ہوگا جب سارے لوگ میرے فرمانبردار ہوں گے۔

اسی مضمون پر مزید معلومات کیلئے دیکھئے۔ 75۔القیامہ: 37' 23۔

المؤمنون:115' 35۔فاطر:39' 33۔الاحزاب:72-73' 21۔الانبیاء:35

آزمائش کیلئے تیاری کا پس منظر

دنیا کا یہ جانا پہچانا دستور ہے کہ کسی بھی شخص کو حصول مقصد کیلئے جب کسی امتحان سے گزرنا ہوتا ہے تو اُسے تیاری کیلئے ایک خاص مہلت یا مدت دی جاتی ہے۔جب کسی انسان کو سرکاری ملازمت میں لیا جاتا ہے تو اُسے مستقل کرنے کیلئے بھی ایک مدت مقرر کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کر کے خود کو مطلوبہ منصب کا واقعتاً اہل ثابت کر سکے۔لیکن انسان کے مقصد تخلیق کے اعتبار سے اس معاملے پر غور کیا جائے تو قرآن کا یہ فیصلہ ہمارے لئے حرفِ آخر ہے کہ جنوں اور انسانوں کو صرف اور صرف اسلئے پیدا کیا گیا کہ وہ اپنے خالق و مالک و پالن ہار کی عبادت کریں جیسا کہ سورۃ الذریت کی آیات 56-58 میں واضح کیا گیا' اس سلسلے میں جملہ مفسرین قرآن کا اجماع ہے۔البتہ عبادت کے لفظ کی تشریح و توضیح مختلف اہل علم نے مختلف کی ہے۔۔۔تاہم اس امر میں ان کا قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ اگر انسان کی زندگی کی ایک ایک حرکت صرف رضائے الٰہی کے مقصود کے پیش نظر ہوگی تو براہ راست اس کا عمل عبادت الٰہی ہی شمار ہوگا اگرچہ فرائضِ عبادت یعنی نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ معروف و لازم عبادات ہیں اور براہ راست ہستیِ باری تعالیٰ کی بندگی کیلئے مخصوص ہیں۔اُن پر تو کسی شخص کو اعتراض کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔۔۔علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے اور کن لوگوں کو ناپسند کرتا ہے' جس کا تفصیلی بیان کتاب میں کسی دوسری جگہ آپ کو ملے گا دراصل وہ حقیقی پیمانے ہیں جو اخروی خیر و فلاح کے ضامن ہیں۔

عہد الست اور اُس میں انسان کے لئے سبق

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کا اظہار ایک اور صورت میں اس طرح سے کیا ہے کہ اُس نے انسان کو سیدھا راستہ دکھانے اور راہ راست کی جانب اُس کی راہنمائی کیلئے اپنے برگزیدہ انسانوں یعنی قدوسیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا حالانکہ وہ اس امر کے لئے مکلف نہ تھا کیونکہ انسانوں کو جسمانی قالب عطا کرنے سے قبل ان کی روحوں کو جمع کر کے اُن سے عہد لے لیا گیا تھا کہ وہ جب دنیا میں جائیں گے تو صرف اپنے خالق و مالک کی ہی عبادت کریں گے چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

o اور یاد کرو جب نکالا آپ کے ربّ نے بنی آدم سے۔۔۔ ان کی پیٹھوں سے۔۔۔ ان کی ذرّیت کو اور ان کو گواہ ٹھہرایا' خود ان کے اوپر' پوچھا! کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ بولے! ہاں تو ہمارا رب ہے' ہم اس کے گواہ ہیں' یہ ہم نے اس لئے کیا کہ مبادا قیامت کو تم عذر کرو کہ ہم تو اس سے بے خبر ہی رہے۔ یا عذر کرو کہ ہمارے باپ دادا نے پہلے سے شرک کیا اور ہم ان کے بعد ان کے خلف ہوئے تو کیا باطل پرستوں کے عمل کی پاداش میں تو ہم کو ہلاک کرے گا؟ اور ہم اسی طرح اپنی آیات کی تفصیل کرتے ہیں تا کہ ان پر حجت قائم ہو اور تا کہ وہ رجوع کریں''۔
(7۔الاعراف:172-174)

صاحب تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی ان آیات کی تفسیر میں جلد دوم صفحات 768 تا 771 پر لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا ہے اور وہ اس طرح کہ اس نے ان سے یہ سوال کیا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں' اس کے جواب میں سب نے یہ اقرار کیا ہے کہ ہاں بے شک تو ہمارا ربّ ہے اور ہم اس کے گواہ ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ الفاظ سے یہ بات واضح ہے یہ اقرار اللہ تعالیٰ نے صرف اس بات کا نہیں لیا کہ وہ اللہ ہے بلکہ اس بات کا لیا کہ وہی ربّ بھی ہے۔ یہ ملحوظ رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ اہل عرب کو اللہ کے اللہ ہونے سے انکار نہیں تھا لیکن ربّ انہوں نے اللہ کے سوا اور بھی بنا لیے تھے حالانکہ عہد فطرت میں اقرار صرف اللہ ہی کی ربوبیت کا ہے۔

اس عہد کا ذکر قرآن نے ایک امر واقعہ کی حیثیت سے کیا ہے اور اس کی اہمیت یہ بتائی

ہے کہ جہاں تک خدا کی ربوبیت کا تعلق ہے ہر شخص مجرد اسی عہد کی بنا پر عنداللہ مسئول ہوگا۔ اس کی اس اہمیت کی بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عالم غیب کے کسی ایسے ماجرے کی یادداشت انسان کے ذہن میں محفوظ ہے جس کا یہاں ذکر ہوا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ کس طرح باور کیا جائے کہ فی الواقع انسان نے اس طرح کا کوئی اقرار کیا ہے اور اس کی بنیاد پر وہ توحید کے معاملے میں عنداللہ مسئول ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک اس اقرار کا تعلق ہے تو ہر انسان کی فطرت کے اندر موجود ہے' رہا اس کا موقع و محل اور اس کی تاریخ تو وہ اگر یاد نہیں رہی تو اس سے نفس اقرار کی صحت و صداقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' زیادہ سے زیادہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اقرار تو مجھے یاد ہے البتہ اس کا موقع و محل یاد نہیں ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس کا موقع و محل بتا دیا کہ یہ اقرار انسان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی عالم غیب میں خدا نے اس سے لیا ہے اور یہ بات خدا ہی بتا سکتا تھا۔ اس لیے کہ غیب کا علم صرف اسی کے پاس ہے۔ انسان پر حجت قائم ہونے کیلئے یہ امر کافی ہے کہ اس اقرار کی یادداشت اس کے اندر موجود ہے۔

لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسان کے اندر ابتدا ہی سے یہ اقرار موجود ہے تو اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان وجود میں آنے کے بعد دین کا آغاز خالص خدا پرستی اور توحید سے کرتا لیکن ہمارے نئے فلسفی تو یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان نے دین کا آغاز شرک سے کیا ہے۔ دنیا میں گوناگوں حوادث کے ظہور نے اس کے اندر مختلف ان دیکھی طاقتوں کا خوف پیدا کیا' اس خوف نے اس کے اندر ان دیکھی طاقتوں کی پرستش کا خیال پیدا کیا' چنانچہ اس نے ان کی پرستش شروع کی' پھر آہستہ آہستہ اس کے علم میں جتنی ترقی ہوتی گئی ان وہمی معبودوں سے چھوٹ کر وہ اقرار توحید کی منزل تک پہنچا۔ ہم نے نئے فلسفیوں کے اس واہمہ کی تردید میں واضح کیا ہے کہ خوف نام ہے کسی ایسی چیز کے زائل ہونے یا چھن جانے کے اندیشہ کا جو انسان کو حاصل بھی ہو اور جو عزیز و محبوب بھی ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ نعمت' منعم اور اس کی شکر گزاری کا شعور اور جذبہ' خوف کے جذبہ اور اس کے عوامل پر مقدم ہے اس وجہ سے انسان نے خوف سے دین کا آغاز نہیں کیا بلکہ اپنے منعم پروردگار کی شکر گزاری اور اس کی عبادت سے دین کا آغاز کیا لیکن پھر مختلف اسباب کے تحت' وہ اس جادۂ مستقیم سے ہٹ کر مختلف پگڈنڈیوں پر نکل گیا ہے۔

قرآن کا سارا فلسفہ درحقیقت انسان کی فطرت پر مبنی ہے۔ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ جن

عقائد و اعمال اور جن اچھائیوں اور نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور جن برائیوں سے روکتا ہے' اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے خارج سے اس پر لادی نہیں جارہی ہے بلکہ اس کو انہی باتوں کی یاددہانی کی جارہی ہے جو اس کی اپنی فطرت کے اندر ودیعت ہیں لیکن اس نے اپنی لذات عاجلہ کے پیچھے پڑ جانے کے سبب سے ان کو نظر انداز کر رکھا ہے۔ قرآن نے اس وجہ سے اپنے آپ کو 'ذکر' اور 'ذکریٰ' کہا ہے جن کے معنی یاددہانی کے ہیں اور اپنی تعلیم و دعوت کو تذکیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی فراموش کردہ یا نظر انداز کردہ حقائق کے یاددلانے کے ہیں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر میں ان آیات کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابی بن کعب کا بیان ہے اللہ نے سب اولاد آدمؑ کو جمع کیا پھر ان کی قسمیں جدا جدا چھانٹیں پھر ان کو صورتیں عطا کیں پھر ان کو گویا کیا چنانچہ سب سے کلام کیا پھر ان سے عہد و میثاق لیا اور ان سے خود انہیں پر اقرار طلب کیا اور فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں (سب نے کہا کیوں نہیں) اللہ نے فرمایا میں (تمہارے اس اقرار پر) ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو شاہد بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدمؑ کو بھی گواہ بناتا ہوں تا کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس (توحید) کا علم ہی نہ تھا خوب سمجھ لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میرا کسی کو شریک نہ بنانا میں تمہارے پاس اپنے پیغمبر بھیجوں گا جو تم کو میرے اس عہد و میثاق کی یاددہانی کریں گے اور میں تم پر اپنی کتابیں اتاروں گا۔ سب نے جواب دیا ہم شہادت دیتے ہیں کہ تو ہی بلاشک ہمارا رب ہے ہمارا معبود ہے تیرے سوا نہ ہمارا کوئی رب ہے نہ کوئی معبود اس کے بعد ان کو حضرت آدمؑ کے سامنے لایا گیا حضرت آدمؑ نے اوپر سے ان کا معائنہ کیا۔ مالدار' نادار' خوبصورت' بدصورت سب ہی دکھائی دیئے عرض کیا پروردگار تو نے اپنے بندوں کو یکساں کیوں نہیں کر دیا۔ اللہ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر یہ ادا کیا جائے (امیر فقیر کو دیکھ کر شکر ادا کرے اور خوبصورت بدصورت کو دیکھ کر) حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد میں انبیاء کو چراغوں کی طرح نورانی دیکھا انبیاء سے خاص طور پر رسالت و نبوت کے متعلق ایک میثاق علیحدہ لیا گیا اسی میثاق کی بابت اللہ نے فرمایا ہے عیسیٰ مریم تک انہی ارواح میں شامل تھے جن کو اللہ نے مریمؑ کی طرف بھیجا تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ کا قول روایت میں آیا ہے کہ عیسیٰ' مریمؑ کے منہ سے ان کے اندر داخل ہوئے۔ رواہ احمد۔

بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا قول ہے کہ اہل سعادت نے تو برضائے قلبی ربوبیت کا اقرار کیا تھا اور اہل شقاوت نے بکراہت خاطر منافقت کے ساتھ۔ (تفسیر مظہری' جلد چہارم ص

419-417' شائع کردہ سعید کمپنی کراچی)

سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں ان واقعات کی تشریح و توضیح اس طرح سے کرتے ہیں۔(جلد دوم' صفحہ 96 تا 102۔حاشیہ 134):

''جیسا کہ متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے یہ معاملہ تخلیق آدم کے موقع پر پیش آیا تھا اس وقت جس طرح فرشتوں کو جمع کر کے انسان اوّل کو سجدہ کرایا گیا تھا اور زمین پر انسان کی خلافت کا اعلان کیا گیا تھا' اسی طرح پوری نسل آدم کو بھی' جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی' اللہ نے بیک وقت وجود اور شعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا تھا اور ان سے اپنی ربوبیت کی شہادت لی تھی۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابی بن کعب نے غالباً نبی ﷺ سے استفادہ کر کے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس مضمون کی بہترین شرح ہے وہ فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے سب کو جمع کیا اور (ایک ایک قسم یا ایک ایک دور کے) لوگوں کو الگ الگ گروہوں کی شکل میں مرتب کر کے انہیں انسانی صورت اور گویائی کی طاقت عطا کی' پھر ان سے عہد و میثاق لیا اور انہیں آپ اپنے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے عرض کیا ضرور آپ ہمارے ربّ ہیں۔تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم پر زمین و آسمان سب کو اور خود تمہارے باپ آدم کو گواہ ٹھہراتا ہوں تاکہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔خوب جان لو کہ میرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اور میرے سوا کوئی ربّ نہیں ہے۔تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔میں تمہارے پاس اپنے پیغمبر بھیجوں گا جو تم کو یہ عہد و میثاق جو تم میرے ساتھ باندھ رہے ہو' یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا اس پر سب انسانوں نے کہا کہ ہم گواہ ہوئے' آپ ہی ہمارے ربّ اور آپ ہی ہمارے معبود ہیں' آپ کے سوا نہ کوئی ہمارا ربّ ہے نہ کوئی معبود''۔

اس معاملہ کو بعض لوگ محض تمثیلی انداز بیان پر محمول کرتے ہیں۔ان کا خیال یہ ہے کہ دراصل یہاں قرآن مجید صرف یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتا ہے کہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار انسانی فطرت میں پیوست ہے' اور اس بات کو یہاں ایسے انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ گویا یہ ایک

واقعہ تھا جو عالم خارجی میں پیش آیا لیکن ہم اس تاویل کو صحیح نہیں سمجھتے۔قرآن اور حدیث دونوں میں اسے بالکل ایک واقعہ کے طور بیان کیا گیا ہے اور صرف بیان واقعہ پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے روز بھی آدم پر حجت قائم کرتے ہوئے اس ازلی عہد واقرار کو سند میں پیش کیا جائے گا۔لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے محض ایک تمثیلی بیان قرار دیں۔ ہمارے نزدیک یہ واقعہ بالکل اسی طرح پیش آیا تھا جس طرح عالم خارجی میں واقعات پیش آیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فی الواقع ان تمام انسانوں کو جنہیں وہ قیامت تک پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا بیک وقت زندگی اور شعور اور گویائی عطا کر کے اپنے سامنے حاضر کیا تھا۔اور فی الواقع انہیں اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا کہ ان کا کوئی ربّ اور کوئی الہ اس کی ذات اقدس واعلیٰ کے سوا نہیں ہے۔اوران کیلئے کوئی صحیح طریق زندگی اس کی بندگی وفرماں برداری (اسلام) کے سوا نہیں ہے۔ اس اجتماع کو اگر کوئی شخص بعید از امکان سمجھتا ہے تو یہ محض اس کے دائرہ فکر کی تنگی کا نتیجہ ہے ورنہ حقیقت میں تو نسل انسانی کی موجودہ تدریجی پیدائش جتنی قریب از امکان ہے۔اتنا ہی ازل میں ان کا مجموعی ظہور،اور ابد میں ان کا مجموعی حشر ونشر بھی قریب از امکان ہے۔ پھر یہ بات نہایت معقول معلوم ہوتی ہے کہ انسان جیسی صاحب عقل وشعور اور صاحب تصرف واختیارات مخلوق کو زمین پر بحیثیت خلیفہ مامور کرتے وقت اللہ تعالیٰ اسے حقیقت سے آگاہی بخشے اور اس سے اپنی وفاداری کا اقرار (Oath of allegiance) لے۔اس معاملہ کا پیش آنا قابل تعجب نہیں البتہ اگر یہ پیش نہ آتا تو ضرور قابل تعجب ہوتا۔

آیت 173 میں وہ غرض بیان کی گئی ہے جس کیلئے ازل میں پوری نسل آدم سے اقرار لیا گیا تھا۔اور وہ یہ ہے کہ انسانوں میں سے جو لوگ اپنے خدا سے بغاوت اختیار کریں وہ اپنے اس جرم کے پوری طرح ذمہ دار قرار پائیں۔انہیں اپنی صفائی مین نہ تو لاعلمی کا عذر پیش کرنے کا موقع ملے اور نہ وہ سابق نسلوں پر اپنی گمراہی کی ذمہ داری ڈال کر خود بری الذمہ ہوسکیں گویا بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ اس ازلی عہد و میثاق کو اس بات پر دلیل قرار دیتا ہے کہ نوع انسانی میں سے ہر شخص انفرادی طور پر اللہ کے الہ واحد اور رب واحد ہونے کی شہادت اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور اس بناء پر یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی شخص کامل بے خبری کے سبب سے، یا ایک گمراہ ماحول میں پرورش پانے کے سبب سے اپنی گمراہی کی ذمہ داری سے بالکل بری ہوسکتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ ازلی میثاق فی الواقع عمل میں آیا بھی تھا تو کیا اس کی

یاد ہمارے شعور اور حافظہ میں محفوظ ہے؟ کیا ہم میں سے کوئی شخص بھی یہ جانتا ہے کہ آغاز آفرینش میں وہ اپنے خدا کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور اس سے الست بربکم کا سوال ہوا تھا اور اس نے بلیٰ کہا تھا؟ اگر نہیں تو اس اقرار کو جس کی یاد ہمارے شعور و حافظہ سے محو ہو چکی ہے ہمارے خلاف حجت کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس میثاق کا نقش انسان کے شعور اور حافظہ میں تازہ رہنے دیا جاتا تو انسان کا دنیا کی موجودہ امتحان گاہ میں بھیجا جانا سرے سے فضول ہو جاتا کیونکہ اس کے بعد تو اس آزمائش وامتحان کے کوئی معنی ہی باقی نہ رہ جاتے۔ لہٰذا اس نقش کو شعور و حافظہ میں تو تازہ نہیں رکھا گیا' لیکن وہ تحت الشعور (Sub-conscious mind) اور وجدان (Intuition) میں یقیناً محفوظ ہے۔ اس کا حال وہی ہے جو ہمارے تمام دوسرے تحت الشعوری اور وجدانی علوم کا حال ہے۔ تہذیب وتمدن اور اخلاق و معاملات کے تمام شعبوں میں انسان سے آج تک جو کچھ بھی ظہور میں آیا ہے وہ سب درحقیقت انسان کے اندر بالقوۃ موجود تھا۔ خارجی محرکات اور داخلی تحریکات نے مل جل کر اگر کچھ کیا ہے تو صرف اتنا کہ جو کچھ بالقوۃ تھا اسے بالفعل کر دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی تعلیم' کوئی تربیت' کوئی ماحولی تاثیر اور کوئی داخلی تحریک انسان کے اندر کوئی چیز بھی جوان کے اندر بالقوۃ موجود نہ ہو' ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور اسی طرح یہ سب موثرات اگر اپنا تمام تر زور بھی صرف کر دیں تو ان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ان چیزوں میں سے جو انسان کے اندر بالقوۃ موجود ہیں کسی چیز کو قطعی محو کر دیں۔ لیکن وہ چیز تمام تحریفات و تمسیخات کے باوجود اندر موجود رہے گی۔ ظہور میں آنے کیلئے زور لگاتی رہے گی اور خارجی اپیل کا جواب دینے کیلئے مستعد رہے گی یہ معاملہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا' ہمارے تمام تحت الشعوری اور وجدانی علوم کے ساتھ عام ہے: وہ سب ہمارے اندر بالقوۃ موجود ہیں' اور ان کے موجود ہونے کا یقینی ثبوت ان چیزوں سے ہمیں ملتا ہے جو بالفعل ہم سے ظاہر ہوتی ہیں۔

ان سب کے ظہور میں آنے کیلئے خارجی تذکیر (یاد دہانی) تعلیم' تربیت' اور تشکیل کی ضرورت ہوتی ہے اور جو کچھ ہم سے ظاہر ہوتا ہے وہ گویا درحقیقت خارجی اپیل کا وہ جواب ہے جو ہمارے اندر کی بالقوۃ موجودات کی طرف سے ملتا ہے۔

ان سب کو اندر کی غلط خواہشات اور باہر کی غلط تاثیرات دبا کر پردہ ڈال کر' منحرف اور مسخ کر کے کالعدم کر سکتی ہیں بالکل معدوم نہیں کر سکتیں۔ اور اسی لئے اندرونی احساس اور بیرونی

سعی دونوں سے اصلاح اور تبدیلی (Conversion) ممکن ہوتی ہے۔

ٹھیک ٹھیک یہی کیفیت اس وجدانی علم کی بھی ہے جو ہمیں کائنات میں اپنی حقیقی حیثیت اور خالق کائنات کے ساتھ اپنے تعلق کے بارے میں حاصل ہے:

اس کے موجود ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ہر دور میں زمین کے ہر خطہ میں، ہر بستی میں، ہر پشت اور ہر نسل میں ابھرتا رہا ہے اور کبھی دنیا کی کوئی طاقت اسے محو کر دینے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔

اس کے مطابق حقیقت ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب کبھی وہ ابھر کر بالفعل ہماری زندگی میں کارفرما ہوا ہے اس نے صالح اور مفید نتائج ہی پیدا کیے ہیں۔

اس کو ابھرنے اور ظہور میں آنے اور عملی صورت اختیار کرنے کیلئے ایک خارجی اپیل کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام اور کتب آسمانی اور ان کی پیروی کرنے والے داعیان حق سب کے سب یہی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ اسی لئے ان کو قرآن میں مذکر (یاد دلانے والے) ذکر (یاد) تذکرہ (یادداشت) اور ان کے کام کو تذکیر (یاددہانی) کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء اور کتابیں اور داعیان حق انسان کے اندر کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتے بلکہ اسی چیز کو ابھارتے اور تازہ کرتے ہیں جو ان کے اندر پہلے سے موجود تھی۔

نفس انسانی کی طرف سے ہر زمانہ میں اس تذکیر کا جواب بصورت لبیک ملنا اس بات کا مزید ایک ثبوت ہے کہ اندر فی الواقع کوئی علم چھپا ہوا تھا، جو اپنے پکارنے والے کی آواز پہچان کر جواب دینے کیلئے ابھر آیا۔

پھر اسے جہالت اور جاہلیت اور خواہشات نفس تعصبات اور شیاطین جن وانس کی گمراہ کن تعلیمات وترغیبات نے ہمیشہ دبانے اور چھپانے اور منحرف اور مسخ کرنے کی کوشش کی ہے جس کے نتیجے میں شرک، دہریت، الحاد، زندقہ اور اخلاقی و عملی فساد رونما ہوتا رہا ہے۔ لیکن ضلالت کی ان ساری طاقتوں کے متحدہ عمل کے باوجود اس علم کا پیدائشی نقش انسان کی لوح دل پر کسی نہ کسی حد تک موجود رہا ہے۔ اور اسی لئے تذکیر وتجدید کی کوشش اسے ابھارنے میں کامیاب ہوتی رہی ہیں۔

بلاشبہ دنیا کی موجودہ زندگی میں جو لوگ حق اور حقیقت کے انکار پر مصر ہیں وہ اپنی حجت بازیوں سے اس پیدائشی نقش کے وجود کا انکار نہیں کر سکتے ہیں یا کم از کم اسے مشتبہ ثابت کر سکتے

ہیں۔لیکن جس روز یوم الحساب برپا ہوگا اس روز ان کا خالق ان کے شعور و حافظہ میں روز اوّل کے اس اجتماع کی یاد تازہ کردے گا جبکہ انہوں نے اس کو اپنا واحد معبود اور واحد رب تسلیم کیا تھا۔ پھر وہ اس بات کا ثبوت بھی ان کے اپنے نفس ہی سے فراہم کردے گا کہ اس میثاق کا نقش ان کے نفس میں برابر موجود رہا اور یہ بھی وہ ان کی اپنی زندگی ہی کے ریکارڈ سے علیٰ رؤس الاشہاد دکھادے گا کہ انہوں نے کس کس طرح اس نقش کو دبایا' کب کب اور کن کن مواقع پر ان کے قلب سے تصدیق کی آوازیں اٹھیں اپنی اور اپنے گردوپیش کی گمراہیوں پر ان کے وجدان نے کہاں کہاں اور کس کس وقت صدائے انکار بلند کی' داعیان حق کی دعوت کا جواب دینے کیلئے ان کے اندر کا چھپا ہوا علم کتنی کتنی مرتبہ اور کس کس جگہ ابھرنے پر آمادہ ہوا اور پھر وہ اپنے تعصبات اور اپنی خواہشات نفس کی بنا پر کیسے کیسے حیلوں اور بہانوں سے اس کو فریب دیتے اور خاموش کردیتے رہے۔ وہ وقت جبکہ یہ سارے راز فاش ہوں گے حجت بازیوں کا وقت نہ ہوگا بلکہ صاف صاف اقرار جرم کا ہوگا۔ اسی لئے قرآن مجید کہتا ہے کہ اس وقت نہ ہوگا بلکہ صاف صاف اقرار جرم کا ہوگا۔ اسی لئے قرآن مجید کہتا ہے کہ اس وقت مجرمین یہ نہیں کہیں گے کہ ہم جاہل تھے یا غافل تھے' بلکہ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ہم کافر تھے۔ یعنی ہم نے جان بوجھ کر حق کا انکار کیا تھا'' (الانعام: 130)

اعتراف فطرت انسانی اور جبلت

علامہ حافظ عماد الدین ابوالفدا اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی اپنی تفسیر میں ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عہد الست ہی اعتراف فطرت انسانی ہے اور یہی ان کی جبلت ہے' اللہ نے اسی فطرت پر انسان کی فطرت بنائی ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مولود اور ہر مخلوق اپنی فطرت پر پیدا ہوتی ہے ایک اور روایت ہے کہ ہر مولود دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اس کو یہودی نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں اس کو دین سریع کہتے ہیں ایک دفعہ مجاہدین نے کافروں کو قتل کر کے ان کے بچوں کو پکڑ لیا اس کی خبر جب حضور ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ کو بہت حرکت بہ ناگوار گزری۔ فرمانے لگے لوگو! کیا ہوا؟ بچوں کو پکڑ لیا۔۔۔کوئی جان ایسی نہیں جو اسلام پر پیدا نہ ہوئی ہو۔ (تفصیلات کیلئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر جلد دوم شائع کردہ ناشران قرآن لاہور۔ صفحات 393۔397)۔ معلوم ہوا کہ کوئی انکار کرنے والا یا شرک کرنے والا صرف یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہوسکتا کہ موجودہ مسلمانوں کی اکثریت راہ عمل سے بھٹکی ہوئی تھی۔ اس لئے ہم

دین اسلام قبول کرنے سے گریزاں رہے۔ ہر شخص کی فطرت اور جبلت میں نیکی اور برائی کی تمیز روز اوّل سے ودیعت کر دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے وہ روشنی کو روشنی کہنے پر تو مجبور ہے لیکن محض ڈھیٹ بن کر وہ عملاً اسے قبول نہیں کرتا۔ اقبالؒ نے شاید ایسے ہی موقع کیلئے کہا تھا۔

ہے تجھ میں مکر جانے کی جرأت تو مکر جا!　　توڑا نہیں جادو مری تکبیر نے تیرا؟

پیغمبروں کی بعثت ایک احسان عظیم

اللہ بزرگ و برتر نے عام روحوں سے ''عہد الست'' کا اہتمام کیا اور روحوں کے جواب کو ان کی فطرت میں پیوست کیا تا کہ انہیں حق کو پہچاننے اور اپنے اپنے دور کے مرسلینؑ پر ایمان لانے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہو لہٰذا اس عہد و پیمان کے اور نسل انسانی کی طرف سے حق سے انحراف کا کوئی بہانہ اور عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا تھا۔ حالانکہ بقول حضرت سلطان باہوؒ

الست بربکم سنیا جند' نت قالو بلیٰ گوکیندی ہو
حب وطن دی غالب ہوئی' ہک پل سوون نہ دیندی ہو
قہر پوے تینوں رہزن دنیا' توں تاں حق دا راہ مریندی ہو
عاشقاں مول قبول نہ کیتی' باہو زاریاں کرکر رویندی ہو

نسل انسانی کی اس خوفناک بھول کے علی الرغم' مولائے کریم کی رحمت بے پایاں ہے کہ اس نے بنی آدم پر اپنے فضل و کرم کے مظہر کم وبیش ایک لاکھ 24 ہزار (یا چوالیس ہزار) پیغمبر مبعوث فرمائے تا کہ ''عہد الست'' کی یاد دہانی کرائی جاتی رہے اور یہ کہ نسل انسانی کو حق و انصاف اور راہ راست پر گامزن ہوتے ہوئے عذاب الٰہی سے محفوظ رکھنے کا اہتمام ہو۔

پیغمبروں سے عہد اور اس کے مقاصد

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبروںؑ اور قدوسیوں کی روحوں سے علیحدہ میثاق کا اہتمام کیا جس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ کوئی پیغمبر اپنے ربّ کا راستہ نسل انسانی کو بتانے میں کوتاہی کا مرتکب نہ ہو اور دوسرا عظیم الشان مقصد یہ تھا کہ جملہ پیغمبر' انبیاء' مرسلین' نسل انسانی کو نہ صرف یہ کہ حضور گرامی قدر' ختمی المرتبت ﷺ کی مقدس آمد سے آگاہ و خبردار رکھیں مبادا کہ کوئی بد بخت انہیںؐ پا کر بھولے سے بھی ان کا انکاری ہو کر جہنمی ہو جائے' اور سعادت ابدی سے محروم ہو جائے۔ پھر

حضور ﷺ کے مقام محمود کی سعادتوں سے حصہ پانے کیلئے ہر نبی و مقرب بارگاہ ایزدی چونکہ ان کی شفاعت کا طلب گار ہوگا اس لئے تمام قدوسیوں اور انبیاء و مرسلین سے بھی یہ عہد لیا گیا کہ حضور ﷺ کی مدد فرمائیں۔ چنانچہ قرآن عظیم میں فرمایا گیا:

''یاد کرو! اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج ہم نے تمہیں کتاب و حکمت و دانش سے نوازا ہے' کل اگر کوئی دوسرا رسولؑ تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ (یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا) کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں'' اللہ نے فرمایا اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق (بے حکمی کرنے والا) ہے''۔

(تفہیم القرآن' جلد اوّل صفحہ 268 'ترجمہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی)

حافظ ابن کثیر ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کے تمام انبیاء کرام سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ جب بھی ان میں سے کسی کو بھی خدائے تبارک و تعالیٰ کتاب و حکمت دے اور وہ بڑے مرتبے تک پہنچ جائے پھر اس کے بعد اسی کے زمانے میں رسولؑ آجائے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت و امداد کرنا اس کا فرض ہوگا یہ نہیں کہ اپنے علم و نبوت پر نظر ڈال کر اپنے بعد والے نبی کی اتباع اور امداد سے رک جائے' ان سے کہا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو اور مجھ سے مضبوط وعدہ کر رہے ہو؟ سب نے کہا ہاں اقرار ہے۔ تو فرمایا گواہ رہو اور میں خود بھی گواہ ہوں۔ اب اس عہد و میثاق سے جو پھر جائے وہ قطعی فاسق' سرکش اور بدکار ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو بھیجے تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ کی امداد کرے اور اپنی امت کو بھی یہی تلقین کر دے کہ وہ بھی حضور ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی فرمانبرداری کرے اور آپ کی امداد کرے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا یا رسول اللہؐ میں نے ایک دوست قرلیظی یہودی سے کہا تھا کہ وہ تورات کی جامع باتیں مجھے لکھ دے۔ تو اگر

فرمائیں تو انہیں پیش کروں۔ حضور ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن ثابتؓ نے کہا کہ تم نہیں دیکھتے کہ آپ کے چہرے کا کیا حال ہے؟ تو حضرت عمرؓ کہنے لگے میں اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، محمد ﷺ کے رسول ہونے پر خوش ہوں۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر حضرت موسیٰ تم میں آ جائیں تو تم ان کی تابع فرمانی میں لگ جاؤ، مجھے چھوڑ دو تو یہ بھی تمہاری گمراہی ہی متصور ہو گی۔ تمام امتوں میں سے میرے حصے کی امت تم ہو۔ اور تمام نبیوں میں سے تمہارے حصے کا نبی میں ہوں۔ مسند ابو لعیلی میں ہے اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو وہ خود گمراہ ہیں، تمہیں راہ راست کیسے دکھائیں گے، بلکہ ممکن ہے تم کسی باطل کی تصدیق کر لو یا کسی حق کی تکذیب کر بیٹھو۔ خدا کی قسم اگر موسیٰ بھی تم میں موجود ہوتے تو ان کیلئے بجز میری تابعداری کے اور کوئی راہ نہ تھی۔ بعض حدیثوں میں ہے کہ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔ پاس ثابت ہوا کہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء اور سیّد الانبیاء ہیں۔ جس زمانے میں بھی آپ کی نبوت ہوتی، آپ واجب الاطاعت تھے اور تمام انبیاء کی تابع فرمانی پر جو اُس وقت ہوتے آپ کی فرمانبرداری مقدم رہتی یہی وجہ ہے کہ معراج کے وقت بیت المقدس میں تمام انبیاء کے امام آپ ہی بنائے گئے۔ اسی طرح میدان حشر میں بھی شفیع آپ ہی ہونگے۔ یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں۔ تمام انبیاء اور کل رسول اس دن اس کام سے منہ پھیر لیں گے۔ بالآخر آپ ہی خصوصیت کے ساتھ اس مقام پر کھڑے ہوں گے خدا تعالیٰ اپنے درود و سلام آپ پر ہمیشہ بھیجتا رہے قیامت تک۔ آمین۔

(تفسیر ابن کثیر حصہ اوّل، صفحات 484 تا 485)

حضورؐ پر ایمان لانے کے تمام پیغمبروں کو خصوصی احکام

صاحب ضیاء القرآن حضرت علامۃ العصر جسٹس پیر کرم شاہ الازہریؒ ان آیات کی تشریح و توضیح فرماتے ہوئے کہتے ہیں: ''حضرت سیدنا علیؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ پختہ عہد لیا کہ اگر اس کی موجودگی میں سرور عالم و عالمیان محمد رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوں تو اس نبی پر لازم ہے کہ وہ حضور کی رسالت پر ایمان لا کر آپ کی امت میں شمولیت کا شرف حاصل کرے اور ہر طرح حضورؐ کے دین کی نصرت و تائید کرے اور تمام انبیاءؑ نے یہی عہد اپنی اپنی امتوں سے لیا۔ السید المحقق محمود آلوسی، صاحب روح المعانی، تحریر فرماتے

ہیں۔۔۔یعنی اسی لئے عارفین نے فرمایا کہ نبی مطلق رسول حقیقی یعنی مستقل شریعت کے لانے والے حضور نبی کریم محمد ﷺ ہیں اور جملہ دیگر انبیاءؑ حضور علیہ السلام کے تابع فرمان ہیں۔

(ضیاء القرآن' سورۃ آلِ عمران آیت 81' جلد اوّل صفحہ 248)

انسانوں کو راہِ راست پر رکھنے کیلئے قرآن کا انتباہ

قرآن مجید کے ذریعے اللہ بزرگ و برتر کی طرف سے ہر اہتمام ہوا کہ نسل انسانی اپنی کسی نادانی' خود فراموشی' ہٹ دھرمی' جھوٹی انا' بزعم خود عقلمندی یا دانائی کے فریب میں آ کر شیطان کی پیروی اختیار کرنے سے باز رہے اور آخرت میں جہنم کا ایندھن نہ بنے لیکن پھر بھی جو لوگ بدبختی قبول کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہوں انہیں قرآن نے سینکڑوں آیات کے ذریعے یوں خبردار اور متنبہ کیا۔

- اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے اور نہ ہی وہ اپنے بندوں کے کفر کو پسند کرتا ہے اور اگر شکر بجالاؤ تو وہ اسے پسند کرتا ہے: (سورۃ نمبر ۳۹' آیت ۷)
- خدا کی پکڑ بڑی سخت ہے: (۴:۸۴' ۱۱:۱۰۲' ۵۸:۱۲)
- وہ بڑی سخت مار دینے والا ہے: (۲:۱۶۵' ۱۹۶' ۲۱۱)
- اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے: (۹:۲)
- وہ جسے چاہتا ہے سناتا' سنوارتا ہے (طالب حق کو حق سننے اور قبول کرنے کی توفیق دیتا ہے: (۳۵:۸' ۲۲)
- اگر اللہ چاہے تو سب کو لے جائے اور ان کی جگہ دوسرے لے آئے اور کوئی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور یہ اس کیلئے کچھ مشکل نہیں: (۴:۱۳۳' ۱۴:۱۹' ۳۵:۱۶۔۱۷' ۴۷:۳۸' ۵۶:۶۱' ۷۶:۲۸)
- جس پر وہ لعنت کر دے اس کو کوئی مددگار نہیں مل سکے گا: (۴:۵۲)
- اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف جھکے: (۱۳:۲۷)
- اللہ تعالیٰ ظالموں اور فاسقوں کو گمراہ کرتا ہے اور زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے: (۱۰:۷۴' ۱۴:۲۷)
- جسے وہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا: (۲۲:۱۸)

- اللہ تعالیٰ کافروں اور مشرکوں سے بیزار ہے: (۹:۳)
- اللہ تعالیٰ گمراہوں کو سرکشی میں بھٹکتے چھوڑ دیتا اور مہلت دیتا ہے: (۷:۱۸۳'۱۸۶)
- مکذبین و مستہزءین پر گرفت اور اہل ایمان کی نصرت اللہ کی قدیم سنت ہے جو نہ بدل سکتی ہے نہ ٹل سکتی ہے اور نہ اس میں فرق آ سکتا ہے: (۳۳:۶۲'۳۵:۴۳'۴۰:۸۵' ۴۸:۲۳)
- اللہ حق کے ذریعے باطل کا سر پھوڑتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے: (۲۱:۱۸)
- اللہ تعالیٰ اپنی باتوں کو مجرموں کی ناپسند کے باوجود سچا ثابت کرتا ہے: (۱۰:۸۲)
- اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں: (۱۸:۲۷'۷۲:۲۲)
- اگر تم اور تمام اہل زمین کفر اختیار کر لیں تو بھی اللہ کو کچھ پروا نہیں: (۱۴:۸)
- مخالفین کو اس کے ناگہانی عذاب۔۔۔زمین میں دھنسا دینے والے پتھراؤ والی آندھی ۔۔۔سے بے خوف نہیں رہنا چاہیے: (۶۷:۱۶۔۱۷۔۱۸)
- لوگوں نے اللہ کو کما حقہٗ سمجھا نہیں: (۳۹:۶۷)
- اگر پہلے سے ایک طے شدہ بات اور مقررہ مدت نہ ہوتی تو عذاب لازماً آ چکا ہوتا: (۲۰:۱۲۹'۴۲:۱۴'۵۳:۲۹)
- اللہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ بخشے اور ایک مقرر مدت تک مہلت دے (۱۴:۱۰'۷۱:۴)
- کتنی ہی ایسی بستیوں کو ہم نے پیس کر رکھ دیا۔ جنہوں نے ظلم کیا اور ان کی جگہ ایک نئی قوم کھڑی کر دی' جب یہ ہلاک ہونے والی قوم ایڑیاں رگڑنے لگی' تو ہم نے کہا کہ اب ایڑیاں مت رگڑو' اپنی آسائشوں اور اپنے محلات میں لوٹ کر دکھاؤ' انہوں نے بڑی حسرت سے اپنے ظلم کا اعتراف کیا یہاں تک کہ ہم نے انہیں بے نام و نشان کٹی ہوئی فصل کی طرح بنا کر رکھ دیا: (۲۱:۱۱۔۱۵)
- اہل کتاب انہیں (یعنی نبی ﷺ کو) اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں مگر جانتے ہوئے بھی ان کی اکثریت حق کو چھپاتی ہے۔ (۲:۱۴۶)
- جو اہل کتاب' اللہ کی کتاب کو' متاع قلیل کے بدلے' چھپا جاتے ہیں حالانکہ ان سے اس کے بیان کرنے کا وعدہ لیا گیا تھا وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں' اللہ تعالیٰ

قیامت کے روز نہ ان سے کلام کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا۔ ان کیلئے دردناک عذاب ہے: (۲:۱۷۴، ۳:۱۸۷)

- ان میں سے کچھ اپنی خود نوشت تحریروں کو اس طرح پڑھتے ہیں گویا وہ اللہ کی کتاب ہو اور اس طرح خدا کے خلاف جھوٹ بولتے ہیں: (۳:۷۸)
- اہل کتاب، قرآن مجید پر ایمان لے آئیں، جو ان کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے، ورنہ ان کے چہرے مسخ کر کے پچھلی جانب لگا دیئے جائیں گے اور اصحاب سبت کی طرح ان پر لعنت پڑے گی: (۴:۴۷)
- نصاریٰ سے بھی ہم نے عہد لیا تھا مگر وہ بھول گئے: (۵:۱۴)
- اہل کتاب کو تو آیات الٰہی کا انکار نہیں کرنا چاہیئے: (۳:۹۸)
- وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا: (۵:۷۷)
- اہل کتاب سے کہہ دیا جائے کہ آؤ صرف اللہ کی عبادت کرنے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے، ایک دوسرے کو رب نہ بنانے پر متفق ہو جائیں: (۳:۶۴)

درج بالا بحث سے جو اصولی باتیں کھل کر سامنے آئیں وہ یہ ہیں:

اول: یہ کہ انسان عہد الست (روحوں سے لئے گئے عہد) کے باعث مکلف ہے کہ وہ صرف اللہ کو اپنا رب یعنی خالق، مالک، آقا و مولا، پالن ہار و روزی دینے والا تسلیم کرے۔

دوم: یہ کہ انسان صرف اللہ ہی کو اپنا الٰہ یا اپنی عبادت و بندگی کے لائق تسلیم کرے۔

سوم: یہ کہ انسان پر اللہ کا یہ احسان عظیم ہے کہ اُس نے اپنے قدوسیوں، انبیاء اور رسولوں کو اُس کی رہنمائی کے لئے ایک حیرت انگیز تسلسل کے ساتھ بھیجا تاکہ اگر وہ اپنے عہد الست کو بھول چکا ہو تو اُسے اس کی یاد دہانی بھی کرائیں اور خود احکام الٰہی کی پابندی کرتے ہوئے یہ ثابت کریں کہ ان احکام پر عمل درآمد انسان کیلئے مشکل کام نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر وہ اللہ کا شکر گزار بھی ہو کہ اُس نے انسان کی رہنمائی کا اس قدر معتبر انتظام فرمایا۔

چہارم: یہ کہ ہر انسان کو جو اس دنیا میں پیدا ہوگا، ایک مہلت عطا کی جاتی ہے۔ یعنی متعلقہ انسان کی موت یا پھر جملہ انسانوں کی آمد کے اختتام تک یعنی قیامت برپا ہونے تک کی مدت عطا فرمائی جائے گی تاکہ انسان کی اپنی نیکی و بدی جاریہ کے اثرات و نتائج کے اجر و سزا کا تعین بھی ہو جائے اور ایک مجموعی نتیجہ سامنے آ جائے)۔

انسانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی میں مدت عمل کا تعین

جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر تخلیق کیلئے دنیا میں زندگی گزارنے کی ایک مدت مقرر فرمائی جس کا مقصد اس مدت کے درمیان اس کے اعمال کا جائزہ لے کر اُس کی کامرانی وناکامی کا تعین کرنا تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں متعدد آیات میں نسل انسانی کے امتحان کیلئے اس بنیادی اصول کو بیان کیا گیا ہے:

o ''اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے' پھر مقرر کی ایک میعاد اور ایک (اور) میعاد مقرر ہے اللہ کے نزدیک پھر بھی تم شک کر رہے ہو''۔(6۔الانعام:2)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر میں (ضیاء القرآن جلد اوّل کے صفحہ 534 پر) لکھتے ہیں:

جس کی قدرت نے ان خاک کے ذرّوں کو زندہ کیا اس کی حکمت جب متقاضی ہو گی تو عناصر کی یہ ہم آہنگی ختم ہو جائے گی اور یہ اعتدال درہم برہم ہو جائے گا اور موت کی بادِ سموم اس چراغِ زیست کو بجھا دے گی۔ اور اس کے علم ازلی میں یہ وقت مقرر ہو چکا ہے۔

موت کا وقت مقرر کرنے کے علاوہ اس نے ایک اور میعاد بھی متعین فرما دی ہے یعنی قیامت کا دن۔ اور اس کا یقینی علم اسی کے پاس ہے کوئی دوسرا اس کے بتائے بغیر اپنی عقل وفراست سے یا قیاس آرائیوں سے اس کو نہیں جان سکتا۔ لفظ ''ثم'' یہاں بھی بعینہ اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے جو پہلی آیت میں ادا کیا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بے شمار دلائل دیکھنے کے بعد بھی تمہیں قیامت کا یقین نہیں۔ انسان اپنی غذا ہی کو دیکھے کس طرح وہ زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ کس طرح وہ معدہ میں پہنچ کر ہضم کی مختلف کیفیات سے گزر کر جزوِ بدن بنتی ہے۔ اسی کا ایک حصہ آنکھ کا نور' کانوں کی سماعت' زبان کی گویائی اور ایک حصہ ہڈیوں کی سختی' اعصاب کی نرمی' دماغ کا ادراک' ہاتھوں کی گرفت وغیرہ بن جاتا ہے۔ جو ہستی اس باریک نظام کو چلا رہی ہے اس کیلئے خاک کے منتشر ذرّوں کو جمع کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس کی قدرت کے بے شمار دلائل کا مشاہدہ کرنے کے بعد پھر قیامت کا انکار کرنا کتنی نادانی اور کتنی حماقت ہے۔

o ''اور وہی ہے جو تمہیں رات میں وفات دیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا ہے' پھر تمہیں دن میں اُٹھاتا ہے تاکہ مدت معین پوری کی جائے''۔(6:60)

اس آیت میں موت کے بعد زندگی اور زندگی کے بعد حساب کتاب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اوپر دی گئیں چند آیات کے مطابق جس طرح سے ہر متنفس کیلئے ایک مدت مقرر ہے اسی طرح ہر امت کیلئے بھی ایک مدت مقرر ہے جس سے وہ پل بھر کیلئے بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ ارشاد ہوا:

- اور ہر امت کیلئے ایک وقت مقرر ہے سو جب آجائے ان کا مقررہ وقت تو نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں ایک لمحہ اور نہ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں'' (7الاعراف:34)
- ہر قوم کیلئے میعاد مقرر ہے جب آئے گی اُن کی مقرر میعاد تو نہ وہ پیچھے رہ سکیں گے ایک لمحہ اور نہ آگے بڑھ سکیں گے''۔(10۔یونس:49)
- ''نہ آگے بڑھ سکتی ہے کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے''۔(15۔الحجر:5)
- آگے نہیں بڑھ سکتی کوئی قوم اپنی مقررہ میعاد سے اور نہ وہ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں''۔ (23۔المومنون:43)
- مزید دیکھیے۔ 129:20, 14:42, 45:35, 58:18, 61:16, 11:10, 38:13, 104:11, 4:71, 3:11, 36:2, 10:14, 5:29, 53:29

سیّد مودودی نے تفہیم القرآن میں مختلف مقامات پر اوپر دی گئیں آیات میں استعمال کیئے گئے لفظ مہلت کی مدت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا: ''مہلت کی مدت مقرر کیئے جانے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ہر قوم کیلئے برسوں اور مہینوں اور دنوں کے لحاظ سے ایک عمر مقرر کی جاتی ہو اور اس عمر کے تمام ہوتے ہی اس قوم کو لازماً ختم کر دیا جاتا ہو بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قوم کو دنیا میں کام کرنے کا جو موقع دیا جاتا ہے اس کی ایک اخلاقی حد مقرر کر دی جاتی ہے بایں معنی کہ اس کے اعمال میں خیر و شر کا کم سے کم کتنا تناسب برداشت کیا جا سکتا ہے۔ جب تک ایک قوم کی بری صفات اس کی اچھی صفات کے مقابلہ میں تناسب کی اُس آخری حد سے فروتر رہتی ہیں اُس وقت تک اسے اس کی تمام برائیوں کے باوجود مہلت دی جاتی ہے۔ اور جب وہ اس حد سے گزر جاتی ہیں تو پھر اس بدکار و بدصفات قوم کو مزید کوئی مہلت نہیں دی جاتی (حاشیہ نمبر 27۔صفحہ 24 جلد دوم)

ایک اور جگہ سید مودودی لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ جلد باز نہیں ہے۔اس کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جس وقت رسول کی دعوت کسی شخص یا گروہ کو پہنچی اُسی وقت جو ایمان لے آیا بس وہ تو رحمت کا مستحق قرار پایا اور جس کسی نے اس کو ماننے سے انکار کیا یا ماننے میں تامل کیا اُس پر فوراً عذاب کا فیصلہ نافذ کر دیا گیا۔نہیں اللہ کا قاعدہ یہ ہے کہ اپنا پیغام پہنچانے کے بعد وہ ہر فرد کو اس کی انفرادی حیثیت کے مطابق' اور ہر گروہ اور قوم کو اس کی اجتماعی حیثیت کے مطابق' سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کیلئے کافی وقت دیتا ہے۔ یہ مہلت کا زمانہ بسا اوقات صدیوں تک دراز ہوتا ہے اور اس بات کو اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس کو کتنی مہلت ملنی چاہیئے۔ پھر جب وہ مہلت' جو سراسر انصاف کے ساتھ اس کیلئے رکھی گئی تھی' پوری ہو جاتی ہے اور وہ شخص یا گروہ اپنی باغیانہ روش سے باز نہیں آتا' تب اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فیصلہ نافذ کرتا ہے۔ یہ فیصلے کا وقت اللہ کی مقرر کی ہوئی مدت سے نہ ایک گھڑی پہلے آ سکتا ہے اور نہ وقت آ جانے کے بعد ایک لمحہ کیلئے ٹل سکتا ہے۔(تفہیم جلد دوم صفحات 290-291)۔

ایک اور مقام پر سیّد مودودی لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہے کہ کفر کرتے ہی فوراً تو ہم نے کبھی کسی قوم کو بھی نہیں پکڑ لیا ہے' پھر یہ نادان لوگ کیوں اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ نبی کے ساتھ تکذیب واستہزاء کی جو روش انہوں نے اختیار کر رکھی ہے اُس پر چونکہ ابھی تک انہیں سزا نہیں دی گئی' اس لیے یہ نبی سرے سے نبی ہی نہیں ہے۔ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہم ہر قوم کیلئے پہلے سے طے کر لیتے ہیں کہ اس کو سننے' سمجھنے اور سنبھلنے کیلئے اتنی مہلت دی جائے گی' اور اس حد تک اُس کی شرارتوں اور خباثتوں کے باوجود پورے تحمل کے ساتھ اسے اپنی من مانی کرنے کا موقع دیا جاتا رہے گا۔ یہ مہلت جب تک باقی رہتی ہے۔ اور ہماری مقرر کی ہوئی حد جس وقت تک آ نہیں جاتی' ہم ڈھیل دیتے رہتے ہیں (تفہیم جلد دوم صفحہ 497)(مہلت عمل کی مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورہ ابراہیم تفہیم میں حاشیہ نمبر 18)

سورہ ابراہیم کی آیت: 10 کی تشریح کرتے ہوئے سیّد مودودی لکھتے ہیں:

''مدتِ مقرر سے مراد افراد کی موت کا وقت بھی ہو سکتا ہے اور قیامت بھی۔ جہاں تک قوموں کا تعلق ہے ان کے اُٹھنے اور گرنے کیلئے اللہ کے ہاں مدت کا تعین اُن کے اوصاف کی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ایک اچھی قوم اگر اپنے اندر بگاڑ پیدا کر لے تو اس کی مہلت عمل گھٹا دی جاتی ہے اور اسے تباہ کر دیا جاتا ہے۔اور ایک بگڑی ہوئی قوم اگر اپنے برے اوصاف کو اچھے اوصاف

سے بدل لے تو اس کی مہلت عمل بڑھا دی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ قیامت تک بھی دراز ہو سکتی ہے۔ اسی مضمون کی طرف سورۂ رعد کی آیت نمبر 11 اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے اوصاف کو نہ بدل دے۔ (تفہیم جلد دوم صفحہ 476)

سورہ نوح کی پہلی چار آیات پر متعدد حاشیہ جات میں سیّد مودودی لکھتے ہیں:

حضرت نوحؑ سے کہا گیا کہ وہ اپنی قوم کو اس بات سے آگاہ کر دیں کہ جن گمراہیوں اور اخلاقی خرابیوں میں وہ مبتلا ہیں وہ اُن کو خدا کے عذاب کا مستحق بنا دیں گی اگر وہ اُن سے باز نہ آئے' اور اُن کو بتا دیں کہ اُس عذاب سے بچنے کیلئے انہیں کونسا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

یہ تین باتیں تھیں جو حضرت نوحؑ نے اپنی رسالت کا آغاز کرتے ہوئے اپنی قوم کے سامنے پیش کیں۔ ایک' اللہ کی بندگی' دوسرے' تقویٰ' تیسرے رسول کی اطاعت' اللہ کی بندگی کا مطلب یہ تھا کہ دوسروں کی بندگی و عبادت چھوڑ کر اور صرف اللہ ہی کو اپنا معبود تسلیم کر کے اُسی کی پرستش کرو اور اُسی کے احکام بجالاؤ۔ تقویٰ کا مطلب یہ تھا کہ اُن کاموں سے پرہیز کرو جو اللہ کی ناراضی اور اس کے غضب کے موجب ہیں' اور اپنی زندگی میں وہ روش اختیار کرو جو خدا ترس لوگوں کو اختیار کرنی چاہیئے۔ رہی تیسری بات کہ ''میری اطاعت کرو''۔ تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اُن احکام کی اطاعت کرو جو اللہ کا رسول ہونے کی حیثیت سے میں تمہیں دیتا ہوں۔

اگر تو نے یہ تین باتیں مان لیں تو تمہیں دنیا میں اُس وقت تک جینے کی مہلت دے دی جائے گی جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طبعی موت کیلئے مقرر کیا ہے۔

اس دوسرے وقت سے مراد وہ وقت ہے جو اللہ نے کسی قوم پر عذاب نازل کرنے کیلئے مقرر کر دیا ہو۔ اس کے متعلق متعدد مقامات پر قرآن مجید میں یہ بات بصراحت بیان کی گئی ہے کہ جب کسی قوم کے حق میں نزول عذاب کا فیصلہ صادر ہو جاتا ہے اُس کے بعد وہ ایمان بھی لے آئے تو اسے معاف نہیں کیا جاتا۔ آگے حضرت نوحؑ سے کہلوایا گیا کہ اگر اُن کی قوم کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اُن کے ذریعہ سے اللہ کا پیغام پہنچ جانے کے بعد اب جو وقت گزر رہا تھا وہ دراصل ایک مہلت تھی جو قوم کے ایمان لانے کیلئے دی جا رہی ہے' اور اس مہلت کی مدت ختم ہو جانے کے بعد پھر خدا کے عذاب سے بچنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ (تفہیم جلد دوم صفحات: 98-99)

----o-----

باب۔4

انسان کا مقصدِ وجود

اور

خلافت آدمؑ پر ابلیس کا انکار

انسان کے مقصد وجود' اُس کے اعزاز و اکرام' اس کی عظمت کی اساس اور انسانی شرف کے بارے میں ہم کہانیوں اور کہاوتوں پر اعتماد نہیں کرتے اور نہ ہی لوگوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ سنی سنائی باتوں پر یقین کریں۔ خود اللہ بزرگ و برتر قرآن حکیم میں تخلیقِ آدمؑ اور ان کے مقصدِ وجود اور عز و شرف کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرماتا ہے وہ ہی ہمارے لئے کافی ہے اور درحقیقت وہی درست اور قابل اعتماد ہے۔ اور یہی بات ایسی ہے جو کسی اختلاف اور قیاس سے بلند و بالا سمجھی جاسکتی ہے۔ تاکہ لوگ کسی جھگڑے میں پڑے بغیر اس پر ایمان لائیں اور اپنی زندگیوں کو اپنے مقصدِ تخلیق کے مطابق ڈھالنے اور اور استوار کرنے کا اہتمام کریں اور اپنے عز و شرف و اکرام و عظمت کو تا قیامت شرِ شیطان اور اپنے نفس ناطقہ سے محفوظ رکھنے کے لئے بتمام و کمال جہد و اہتمام کریں۔ قرآن مجید و فرقان حمید کی درج ذیل دس آیات اہل علم اور غور و فکر میں یقین رکھنے والوں کیلئے پیش ہیں تاکہ وہ تدبر کریں اور غور و فکر کے ساتھ صرف وہی راستہ اختیار کریں جو صراط مستقیم کہلانے کا مستحق ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۔

قَالُوٓا اَتَجعَلُ فِیهَا مَن یُّفسِدُ فِیهَا وَیَسفِكُ الدِّمَآءَ ۔ وَنَحنُ نُسَبِّحُ بِحَمدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ۔ قَالَ اِنِّیٓ اَعلَمُ مَا لَاتَعلَمُونَ(۳۰)وَعَلَّمَ اٰدَمَ الاَسمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُم عَلَی المَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنبِئُونِی بِاَسمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِن كُنتُم صٰدِقِینَ(۳۱) قَالُوا سُبحٰنَكَ لَاعِلمَ لَنَآ اِلَّامَا عَلَّمتَنَا اِنَّكَ اَنتَ العَلِیمُ الحَكِیمُ (۳۲) قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنبِئهُم بِاَسمَآءِ هِم۔ فَلَمَّآ اَنبَاَهُم بِاَسمَآءِ هِم قَالَ اَلَم اَقُل لَّكُم اِنِّیٓ اَعلَمُ غَیبَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَاَعلَمُ مَا تُبدُونَ وَمَا كُنتُم تَكتُمُونَ (۳۳)وَاِذقُلنَا لِلمَلٰٓئِكَةِ اسجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوٓا اِلَّآ اِبلِیسَ۔ اَبٰی وَاستَكبَرَ وَكَانَ مِنَ الكٰفِرِینَ(۳۴)وَ قُلنَا یٰٓاٰدَمُ اسكُن اَنتَ وَ زَوجُكَ الجَنَّةَ وَكُلَا مِنهَا رَغَدًا حَیثُ شِئتُمَا وَلَا تَقرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِینَ(۳۵) فَاَزَلَّهُمَا الشَّیطٰنُ عَنهَا فَاَخرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیهِ وَقُلنَا اهبِطُوا بَعضُكُم لِبَعضٍ عَدُوٌّ ۔وَلَكُم فِی الاَرضِ مُستَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِینٍ(۳۶) فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِن رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیهِ ۔ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیمُ (۳۷)قُلنَا اهبِطُوا مِنهَا جَمِیعًا فَاِمَّا یَاتِیَنَّكُم مِنِّی هُدًی فَمَن تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوفٌ عَلَیهِم وَ لَا هُم یَحزَنُونَ (۳۸) وَالَّذِینَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصحٰبُ النَّارِ۔ هُم فِیهَا خٰلِدُونَ(۳۹)۔

''اور (اے پیغمبرؐ) وہ وقت یاد کرو! جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں ایک خلیفہ (یعنی نائب) بنانے والا ہوں ۔ وہ بولے' کیا تو ایسے شخص کو نائب بناوے گا جو زمین میں فساد کرے اور خون بہاوے اور ہم (فرشتے) تو تعریف کے ساتھ تیری پاکیزگی اور خوبی بیان کررہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جو جانتا ہوں تم نہیں جانتےo اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو سارے نام (اَلاسمَآءَ كُلَّهَا) بتادیئے ۔ پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے رکھا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤo فرشتوں نے عرض کیا تو پاک ہے ہم کیا جانیں ۔ ہم کو تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہم کو سکھلایا ۔ بیشک تو ہی بڑے علم والا ہے اور حکمت والاo (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا! آدمؑ! فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتلادے ۔ تب اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں سے) فرمایا: کیوں' میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی غیب کی باتیں جانتا ہوں اور جو تم کھولتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو میں سب جانتا ہوںo اور جب ہم نے فرشتوں

سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے۔ اُس نے نہ مانا اور شیخی میں آ گیا' وہ منکروں میں تھا o اور ہم نے فرمایا آدم! تو اپنی بی بی سمیت جنت میں رہ اور دونوں فراغت کے ساتھ جہاں چاہو اس میں کھاؤ (پیؤ) مگر اس درخت کے پاس مت پھٹکو۔ ایسا کرو گے تو گناہگاروں میں شریک ہو گے o پھر ان دونوں کو شیطان نے پھسلا کر وہاں سے ہٹا دیا اور جس مزے میں تھے اس سے نکلوا کر چھوڑا۔ اور ہم نے حکم دیا تم سب اُتر جاؤ ایک دوسرے کے دشمن اور تم کو ایک مدت تک زمین میں رہنا اور وہاں کے مزے اُٹھانا ہے o پھر آدمؑ نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کا قصور معاف کر دیا۔ بیشک وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے o ہم نے حکم دیا تم سب کے سب یہاں سے اترو۔ اب اگر میری ہدایت تم تک آئے تو اس پر چلنا۔ جو میری ہدایت پر چلیں گے ان کو نہ ڈر ہو گا نہ غم o اور جو لوگ نافرمانی کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی دوزخی ہیں ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے'' o (2۔ البقرۃ :30 تا 39)

قرآن حکیم و فرقانِ حمید کی درج بالا دس آیات میں انسان کے مقصد و مقصودِ تخلیق، علم و فضل میں اُس کے اشرف المخلوقات اور مسجود ملائک ہونے کے مقامِ رفیع الشان' اُسے خلافت و شرف و عظمت و سربلندی کے منصب جلیلہ پر فائز کیے جانے اور اُس کی دنیاوی زندگی کیلئے وحیٔ الٰہی کے ذریعے متعین کردہ اصولی لائحہ عمل و نزولی ضوابط کار کی پابندی کی صورت میں اخروی خیر و فلاح و سرخروئی کا مکمل نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ ان دس آیات میں انسان کے دس ہی مراحلِ زیست کا پورے اہتمام کے ساتھ تذکرہ ہوا جو یہ ہیں:

انسان کی سرگذشت کا مرکزی نکتہ، خلیفہ کا تقرر

انسان کی سرگذشت کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبیٔ آخر الزمان محمد رسول ﷺ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ' وہ زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہے'۔۔۔ مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خلیفہ کے معنی جانشین' قائم مقام اور نائب کے ہیں' بعض مفسرین نے اس کے معنی بعد میں آنے والے کے بھی لئے ہیں۔ لیکن یہاں یہ لفظ نائب ہی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ جانشین اس کا ہوتا ہے جو اس دنیا سے رخصت ہو جائے اور قائم مقام اس کی جگہ بنایا جاتا ہے جو عارضی طور پر کسی اور جگہ جا رہا ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان دونوں کیفیتوں سے منزہ و پاک ہے اور وہ ہر وقت ہر جگہ اپنے فضل و کرم خاص سے کچھ اختیارات انسان کو تفویض کر دیتا ہے اور ساتھ ہی اپنی کائنات میں کچھ تصرفات عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انہی معنوں میں

دنیا میں نائب مقرر کیا اور تمام کائنات کو اس کیلئے مسخر کر کے اُس کی خدمت میں لگا دیا۔ اس کے ساتھ ہی کچھ فرائض بھی عائد کر دیئے تاکہ اُس کی کائنات کو اُس کے بندوں کی بہتری کیلئے استعمال کرتے ہوئے اسے اپنے لئے توشۂ آخرت بنائے تاکہ وہ حیات ابدی کی نعمت سے سرفراز و شادکام ہو۔ صاحب تفسیر رفائی (سیّد محمد رفائی عرب) نے خلیفہ کے یہی معنی لئے ہیں۔

صاحب مفردات القرآن امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں ''اَلْــخِلَافَةُ'' کے معنی دوسرے کا نائب بننے کے ہیں خواہ وہ نیابت اس کی غیر حاضری کی وجہ سے ہو یا موت کے سبب ہو اور اس کے عجز کے سبب ہو اور یا محض نائب کو شرف بخشنے کی غرض سے ہو اس آخری معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو زمین میں خلافت بخشی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰئِفَ الْأَرْضِ (6۔الانعام:165) ''اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا'' بعض تصرفات و اختیارات تفویض کر کے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔

صاحبِ تفسیر مظہری علامہ قاضی محمد ثناء اللہ صدیقی مجددی پانی پتی فرماتے ہیں: خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ السّلام ہیں کیونکہ وہ احکام الٰہیہ اور ضوابط کے اجراء اور بندوں کی ہدایت اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دینے اور مراتبِ قرب پر فائز کرانے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ تھے۔ ان کے خلیفہ بنانے کی کچھ یہ وجہ نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی حاجت تھی، وہ تو غنی اور بے نیاز ہے، اُسے کسی شے کی بھی حاجت نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام جن لوگوں میں خلیفۃ اللہ بنائے گئے وہ حق تعالیٰ سے بلاواسطہ مستفیض نہیں ہو سکتے تھے اور نہ اُس کے اوامر کو بلاوسیلہ اخذ کر سکتے تھے۔ پھر حضرت آدم علیہ السّلام کے بعد ہر نبی اللہ کا خلیفہ ہوا''۔

عام انسانی خلافت، حضورؐ کی جانشینی و نیابت

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون اپنی مشہور زمانہ تاریخ کے ''مقدمہ'' میں انسان کے پیدا کئے جانے کی اصل غرض و غایت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ انسان کے پیدا کرنے کی غرض محض دنیاوی نہیں کیونکہ دنیا تو سراسر باطل و عبث ہے اور ناپائیدار ہے، کیونکہ دنیا کی انتہا موت و فنا ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ فرماتا ہے کہ کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تمہیں محض بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر آنے والے نہیں؟ لہٰذا لوگوں کے پیدا کرنے کا اصل مقصود صرف دینی سعادت حاصل کرنا ہے جس سے اُسے اخروی زندگی کی فلاح و کامرانی نصیب ہو۔ یہ اس اللہ کی راہ ہے جس کی بادشاہت کائنات کے ذرہ ذرہ پر ہے اس لئے شریعت لوگوں کو زندگی کے تمام گوشوں میں دین پر ابھارتی ہے، خواہ اعتقادات کی زندگی ہو یا عبادات کی یا معاملات کی، حتیٰ کہ وہ

سیاست کو بھی جو انسانی معاشرے کیلئے ایک طبعی چیز ہے' دینی سانچوں میں ڈھالتی ہے' لہٰذا دین نہ صرف اعتقادات' عبادات اور معاملات ہی سے تعرض کرتا ہے بلکہ سیاست بھی سکھاتا ہے"۔۔۔

آگے چل کر انبیاء کرام اور خلفاء کے فرائض منصبی' خلافت و امامت وغیرہ کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے ابنِ خلدون لکھتے ہیں: "سیاسی احکام محض دنیوی مصالح پر موقوف ہوتے ہیں اور لوگوں کی نگاہ ظاہری دنیوی زندگی سے آگے نہیں بڑھتی لیکن شارع علیہ السّلام کا مقصد لوگوں کی آخرت کی اصلاح ہے۔ اس لئے شرعی تقاضوں کے بموجب عوام کو شرعی احکام پر ابھارنا ضروری ہے خواہ ان کا تعلق دنیوی حالات سے ہو یا اخروی حالات سے یہ کام ارباب شریعت کا ہے جن کو انبیاء کہا جاتا ہے یا اُن کا جو انبیاء کے جانشین ہوں جن کو خلفاء کہا جاتا ہے۔۔۔ اس لئے خلافت حقیقت میں شارع علیہ السّلام کی جانشینی و نیابت کا نام ہے۔ تاکہ خلیفہ دین کی حفاظت کرے اور دنیوی حکومت شرع کے مطابق قائم کرے"۔

ہم سمجھتے ہیں کہ دینوی حکومت قائم کئے بغیر یا اس پر قبضہ جمائے بغیر بھی خلیفہ یا امام تمام دنیاوی امور میں اپنے متبعین کو شرع کے مطابق عمل پیرا ہونے کا حکم دے سکتا ہے' جیسا کہ گذشتہ چودہ سو سال سے زائد عرصہ میں انہی نفوس قدسیہ کی بدولت دین اسلام میں فکر و عمل کی سعی و کاوش بتمام و کمال جاری و ساری ہے۔ اسی لئے ابن خلدون کہتے ہیں کہ خلیفہ کو امام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسے امام نماز کے مشابہ قرار دیا گیا ہے کہ جیسے مقتدی کو اپنے امام کی پیروی لازم ہے اسی طرح تمام رعایا کو اپنے خلیفہ کی پیروی لازم ہے اس لئے خلافت کو امامتِ کبریٰ بھی کہا جاتا ہے (بشرطیکہ یہ قائم ہو سکے) اور خلیفہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ امت میں پیغمبر ﷺ کی جانشینی کے فرائض انجام دیتا ہے۔ خلیفہ کو کبھی خلیفہ رسول اللہ کہتے ہیں اور کبھی اضافت کے بغیر صرف خلیفہ ہی کہا جاتا ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک تقرر امام فرض کفایہ ہے' فرض عین نہیں۔ تاہم ہم اس موضوع پر تالیف میں کسی دوسرے مناسب مقام پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

علامہ ابن خلدون کے عمرانی افکار و نظریات کی روشنی میں دیکھا جائے یا قرآن حکیم میں بیان کردہ فلسفہ حیاتِ انسانی پر غور و تدبر کیا جائے۔۔۔ تو خلافتِ ختم الرسل ﷺ کی دو جہتیں روز روشن کی طرح نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ ایک جہت کو ہم روحانی کہہ سکتے ہیں اور دوسری کو ہم مادی جہت کا نام دے سکتے ہیں۔ پہلی جہت کا تعلق انسان کی روحانی بالیدگی و سرفرازی سے ہے اور دوسری جہت کا تعلق انسان کی جسمانی و نفسانی یعنی مادی ضروریات کی تشفی سے ہے۔

روح کی غذا ذکر اللہ ہے جبکہ جسم کی غذا کھانے پینے کی اشیاء ہیں۔

لیکن حقیقی اور ابدی زندگی چونکہ روح سے متعلق ہے جب کہ جسم فانی ہے' مٹی سے بنا ہے اور بالآخر مٹی میں دفن ہو کر فنا ہو جانے والا ہے اس لئے کامیابی و کامرانی اسی نکتہ میں مرکوز ہے کہ انسان روحانی سربلندی پر اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرے تا کہ ابدی زندگی میں سرفرازی اُس کا مقدر ٹھہرے۔ نسل انسانی کو اپنے جدِ امجد آدم علیہ السلام کی پشت میں رہتے ہوئے اسی تجربہ سے گزارا گیا کہ اُسے جنت کے ایک درخت کے قریب جانے اور اس کا پھل کھانے سے منع کیا گیا اور جب انسان اوّل (گویا کہ تمام انسانوں کے پیکر) نے وہ پھل کھالیا تو وہ اُس کی نعمتِ ازلی کے چھن جانے کا باعث بن گیا۔ اگرچہ انسانِ اوّل کو اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوئی جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ انسان کے اس مرحلۂ زیست کو بہت ہی پر اثر انداز میں اس طرح سے بیان فرماتے ہیں:

''آدم علیہ السلام بھولے سے یہ خطا تو کر بیٹھے لیکن پھر فرطِ ندامت سے روئے اور اتنا روئے کہ آنسوؤں کے دریا بہادیئے۔ ان کے دردانگیز نالوں سے پتھروں کے دل پھٹ جاتے تھے دن رات آہ و فغاں سے کام تھا۔ ہر وقت بارگاہِ الٰہی میں اس کی رحمت کیلئے ملتجی رہتے۔ سالہا سال اسی طرح بیت گئے لیکن مغفرت کی خوش خبری نہ ملی۔ آخر کار ایک روز ایسے کلمات زبان سے نکلے کہ رحمتِ خداوندی کو ترس آ گیا اور چشم عنایت مائل بہ کرم ہوگئی۔ وہ کون سے کلمات تھے۔ اس کے متعلق شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کی تفسیر ''فتح العزیز'' کی عبارت نقل کی جاتی ہے تا کہ ہر خوش نصیب کی طمانیت قلب کا باعث ہو۔ اور طبرانی نے معجم صغیر میں اور حاکم اور ابونعیم اور بیہقی نے حضرت امیر المؤمنین عمرؓ بن خطاب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے یہ تقصیر ہوگئی اور اُن پر عتاب الٰہی کا خدشہ ہوا۔ توبہ قبول ہونے میں تاخیر پر حیران تھے کہ اتنے میں ان کو یاد آیا کہ مجھ کو جس وقت خدائے تعالیٰ نے پیدا کیا تھا اور روح خاص میرے اندر پھونکی تھی اُس وقت میں نے اپنے سر کو عرش کی طرف اُٹھایا تھا۔ اس جگہ لکھا دیکھا: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قدر کسی شخص کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر اُس شخص کے نہیں کہ نام اس کا اپنے نام کے برابر لکھا ہے۔ تدبیر یہ ہے کہ بحق اسی شخص کے سوالِ مغفرت کروں۔ پس دعا میں کہا: ''اے مولا تعالیٰ! میں تجھ سے محمد مصطفی ﷺ کے صدقے سے التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے''۔ حق تعالیٰ نے ان کی بخشش کی اور وحی بھیجی کہ محمد ﷺ کو کہاں سے جانا تو نے۔ انہوں نے تمام ماجرا عرض کیا۔ حکم پہنچا کہ اے آدمؑ! محمد ﷺ سب پیغمبروں سے پچھلا پیغمبر ہے۔ اولاد تیری میں

ہے۔ اور اگر وہ نہ ہوتا' تجھ کو نہ پیدا کرتا''۔ (تفسیر عزیزی۔ ترجمہ اردو مطبوعہ علیمی پریس دہلی 1932ء)

یہاں اس امر کی وضاحت بھی مناسب نظر آتی ہے کہ خلافت کی اس بحث میں یہ بھی طے ہو جائے کہ البقرۃ کی آیت 30 کے پہلے ٹکڑے **''وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّی جَاعِلٌ'' فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً** ط'' میں ''خلیفہ'' کا اشارہ کس ہستی عظیمہ کی طرف ہے۔ بظاہر تو اُس وقت انسانِ اوّل حضرت آدم علیہ السّلام کی بحث چل رہی تھی۔ چنانچہ جسٹس پیر کرم شاہ الازہری اس منصبِ جلیلہ کی تشریح اس طرح سے فرماتے ہیں:

''اس مقام پر رب مضاف ہے ک ضمیر کی طرف' جس کا مرجع ذاتِ پاک محمد ﷺ ہے۔ اس وضاحت میں جو لطف ہے۔ اس کا صحیح ادراک صرف اہل محبت و عرفان کا خاصہ ہے۔ علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں: حضور کریم کی ذات مقدس ہی حقیقت میں خلیفہ اعظم ہے اور اگر یہ ذات گرامی نہ ہوتی تو آدم ہی پیدا نہ ہوتے' بلکہ کچھ بھی نہ ہوتا''۔

منصبِ خلافت کا اہل انسان ہی کیوں؟

''خلیفہ کسے کہتے ہیں اور انسان کو منصبِ خلافت کیوں تفویض کیا گیا؟۔۔۔ ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے صاحبِ ضیاء القرآن فرماتے ہیں:

خلیفہ وہ ہے جو کسی کے ملک میں اس کے نائب کی حیثیت سے اس کے احکام کے مطابق عمل کرائے۔ اس منصب کے لیے انسان کے انتخاب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے علاوہ جتنی مخلوق ہے اُس کی استعداد' علم اور اس کا دائرہ عمل محدود ہے۔ اور جس کی محدودیت کا یہ عالم ہو وہ اس ذات پاک کا خلیفہ نہیں بن سکتا جس کا علم' ارادہ' احکام اور تصرف غیر محدود ہے۔ لیکن انسان جو ابتداء میں ضعیف بھی ہے اور جہول بھی اس میں وہ پایاں ناپذیر استعداد رکھ دی گئی ہے۔ اور عقل و فہم کی وہ قوتیں ودیعت فرما دی گئی ہیں جن کے تصرفات کی حد نہیں۔ اس لیے جملہ مخلوقات سے صرف یہی ایک مخلوق ہے جو منصب خلافت کی اہلیت رکھتی ہے۔ علماء ربانیین نے اس مشتِ خاک میں پنہاں توانائیوں سے جیسے پردہ اُٹھایا ہے اس کی گردِ راہ کو بھی نفسیاتِ انسانی کے ماہرین نہیں پہنچ سکے۔ عارفِ کامل اسمٰعیل حقی کے الفاظ مُلاحظہ فرمائیے:

انسان مختلف عناصر سے مرکب ہے۔ اس کی صورت کا تعلق عالم محسوس سے ہے اور اس کی روح کا تعلق عالم غیب ملکوتی سے ہے۔ صورت و روح کے علاوہ اس میں ایک پوشیدہ قوت ہے

جو انوارِ ربانی کے فیض کو قبول کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔ اچھی تربیت سے وہ عالمِ محسوس سے ترقی کر کے عالم غیب تک رسائی حاصل کرتا ہے اور رسالتمآب ﷺ کی سچی پیروی سے اس پر عالم جبروت و عظموت کی راہیں کھلتی ہیں۔ وہ الٰہی نور جو اس اطاعت و پیروی کی برکت سے اسے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے وہ جمال و جلال کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ **فسبحان اللّٰہ احسن الخالقین**۔ انسان کو جو صرف خاک کا پتلا سمجھتے ہیں کاش اس کی حقیقت پر غور کریں تاکہ ان میں اپنے مقام پر پہنچنے کی تڑپ پیدا ہو۔ یہ وہ ذرہ ہے جس کے سامنے آسمان کی رفعتیں سرنگوں ہیں اور یہ وہ قطرہ ہے جس میں سمندوں کی گہرائیاں ہیں۔

آدم علیہ السلام کو جس عزت و احترام سے سرفراز فرمایا گیا اس کا سبب علمِ تکوینی یعنی اشیاء اور اُن کی خاصیات اور ان کے اثرات کا علم ہے۔۔۔ جسٹس پیر کرم شاہ الازہری آج کے دور میں امتِ مسلمہ کی علم و حکمت سے محرومی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''وہ اُمت جس کی آسمانی کتاب میں آدم کی برتری اور فضلیت کا راز یہ بتایا گیا ہو کہ وہ کائنات کے اسرارِ سربستہ سے آگاہ کیا گیا تھا وہ اُمت اگر علم سے محروم ہو۔ سائنس اور حکمت سے نا آشنا ہو تو یہ اُس کی اپنی بدبختی ہے۔ اس کے دین نے تو اس کے سمندِ شوق کو مہمیز لگانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ دنیا میں جتنے مذہبی صحائف موجود ہیں کسی میں اتنی وضاحت اور اتنے اہتمام سے مقامِ آدم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ اب ہم اپنی شورہ بختی کے علاوہ کس کو ملامت کریں کہ ہماری غالب اکثریت تو ابجد خواں بھی نہیں۔ اور جو علم سے آشنا ہیں وہ علم کو تن پروری کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ دن کب طلوع ہوگا جب مومن اپنے مقام کو پہچانے گا۔ پھر کب اس آسودۂ خوابِ راحت کو رُومیؒ کا سوز اور رازیؒ کا پیچ و تاب نصیب ہوگا۔ ہمارے مطالعہ کی میز پر تو تہ در تہ گرد جمی ہوئی ہے اور ہمارے عشرت کدوں میں نور و نکہت کا سیلاب اُمڈا چلا آ رہا ہے۔ ہماری رصدگاہیں اَب اُن تھک تیز نگاہوں سے محروم ہیں جو ستاروں کی معمولی سی جنبش کا تعاقب کیا کرتی تھیں۔ ہماری تجربہ گاہیں اب ایسے علماء کو ترس گئی ہیں جو دنیا کی لذات سے کنارہ کش ہو کر نشترِ تحقیق سے کائنات کی ہر چیز کا دل چیرا کرتے اور ان میں پوشیدہ اثرات اور قوتوں کا کھوج لگایا کرتے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر قابل حیرت بلکہ لائق نفرت وہ آواز ہے جو بعض حلقوں سے توحید کے نام پر اُٹھائی جا رہی ہے کہ نبی کو تشریعی علم دیا جاتا ہے تکوینی علم سے اُسے کیا سروکار؟ اور اس طرح اس ذاتِ اقدس ﷺ کے علم کی بیکراں وسعتوں کو تنگ سے تنگ کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا سارا زور صرف کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم

فرمادے ہمارے حال زار پر اور بخشے ہماری کوتاہ اندیشیوں کو۔ انہ' ھوالتواب الرحیم۔
(تفصیلات کیلئے دیکھئے ضیاء القرآن جلد اوّل: ص۔ 49)

قرآن میں پچیس مقامات پر آدمؑ کا ذکر

قرآن حکیم کی نو (۹) سورتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کا نام پچیس (25) مرتبہ آیا ہے۔ جو ذیل کی تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے:

نمبر شمار و نام سورۃ	آیت نمبر	مضمون آیات
2/1۔ البقرۃ	31	''اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو دنیا کی تمام اشیاء کے حقائق (رموز و اسرار) سکھا دیئے۔ پھر سب اشیاء کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا: ان کے نام تو بتاؤ اگر تم سچے ہو''۔
	33	''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدمؑ بتا دے انہیں سب اشیاء کے نام' پس جب آدمؑ نے انہیں سب نام بتا دیئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو''۔
	34	''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے' منکر ہوا اور غرور کیا اور کافروں میں سے ہو گیا''۔
	35	''اور ہم نے فرمایا اے آدمؑ تو اور تیری بیوی اس باغ میں رہو اور اس میں سے جو تمہارا جی چاہے کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے''۔
	37	''پس سیکھ لئے آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کی' بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے''۔
2/3۔ آلِ عمران	33	''بے شک اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا آدمؑ کو اور نوحؑ اور آلِ ابراھیمؑ اور آلِ عمران کو سارے جہانوں کے

انسانوں سے''۔

59 ''عیسیٰؑ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدمؑ کی سی ہے کہ اسے مٹی سے بنایا اور پھر فرمایا گیا ''ہو جا'' پس وہ فوراً ہو جاتا ہے''۔

5/3 _المائدہ

27 ''اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدمؑ کے دو بیٹوں کا واقعہ جب کہ دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی' وہ بولا قسم ہے کہ میں تجھے قتل کر دوں گا تو اس نے کہا کہ اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جو پرہیز گاروں (متقین) میں سے ہو''۔

4/7_الاعراف

11 ''اور ہم نے تمہیں پیدا کیا' پھر تمہاری صورتیں بنائیں' پھر ہم نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر گئے سوائے ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں نہ ہوا''۔

19 ''اور اے آدمؑ تو اور تیری بیوی باغ میں رہو اور جو پھل چاہو کھاؤ اور اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ یہ تمہارے لئے زیادتی کی بات ہوگی''۔

26 ''اے اولادِ آدم! ہم نے تمہاری طرف ایک لباس اتارا کہ تمہارا جسم چھپائے رکھے اور تمہاری آرائش کو بھی اور پرہیز گاری کا لباس (لباس التقویٰ) سب سے بہتر ہے' یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں''۔

27 ''اے اولادِ آدم! خبردار تمہیں شیطان فتنے میں نہ ڈال دے جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو باغ سے نکلوا دیا' اس نے ان کے نورانی لباس اتروا دیئے جو ان کو سر سے پیر تک ڈھانپے ہوئے تھے اور وہ اور اس کے ساتھی (شیاطین) تمہیں دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے او وہم نے شیطانوں کو

ان کے دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے''۔

31 ''اے اولادِ آدم! مسجد میں (نماز کیلئے) جانے کے وقت اپنے آپ کو مزین کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا''۔

35 ''اے اولادِ آدم! اگر تمہیں میں سے تمہارے پاس رسولؐ آئیں اور تم پر میری آیتیں پڑھیں تو جو پرہیز گاری کرے اور اپنی اصلاح کرے(**فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ**) تو اس کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ کوئی غم''۔

172 ''اور جب آپؐ کے رب نے اولادِ آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا (الست بربکم) کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا' کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں' تا کہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے'' ''یا یہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کی اولاد ہوئے ہیں تو کیا تو ہمیں اس فعل پر ہلاک فرمائے گا جو اہلِ باطل نے کیا''۔ (آیات 173-172)

5/17۔ الاسراء(بنی اسرائیل) 61 ''اور جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے' اس نے کہا'' کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا''۔ ''اس نے کہا میں تجھے دکھا دوں گا اسے جسے تو نے مجھ پر بزرگی عطا کی ہے' اگر تو نے مجھے قیامت کے روز تک مہلت دی' میں اس کی اولاد کی بیخ کنی کر دوں گا سوائے تھوڑوں کے''۔(آیات 62-61)

6/18۔ الکہف 50 ''اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو

		سب نے سجدہ کیا' سوائے ابلیس کے کہ وہ قوم جن سے تھا تو اس نے اپنے رب کے حکم سے نافرمانی کی' تو کیا تم اسے اس کی اولاد کو میرے سوا اپنا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے صریح دشمن ہیں اور ظالموں کیلئے کیا ہی برا بدلہ ہے"۔
7/19۔مریم	58	"یہ ہیں وہ (انبیاءؑ) جن پر اللہ نے انعام کیا جو آدمؑ کی اولاد میں سے اور ان میں جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی اولاد سے اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا' جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں"۔ "تو ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوا دیں اور اپنی خواہشات کے پیرو ہوئے کہ دوزخ میں غیّ کا جنگل پائیں گے (مطلب' ہلاکت اور انجام بد پائیں گے۔ غیّا جہنم کی ایک وادی کا نام ہے)۔ (آیات 58-59)
8/20۔طٰہٰ	115	"اور بیشک ہم نے آدمؑ کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد (عزم) نہ پایا"۔
	116	"اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر گئے سوائے ابلیس کے' اُس نے صاف انکار کر دیا"۔
	117	"تو ہم نے فرمایا اے آدمؑ! یقیناً یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے' تو ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو جنت سے نکلوا دے تو پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ"۔
	120	"تو شیطان نے ان میں وسوسہ ڈالا' بولا: اے آدمؑ کیا میں تمہیں بتا دوں ہمیشہ زندہ رہنے والا درخت اور

ایسی سلطنت جس میں کبھی تبدیلی نہ ہو''۔

121 ''تو ان دونوں نے اس میں سے کھالیا اور بول و براز کے باعث ان کی شرم گاہیں ظاہر ہوئیں اور باغ کے پتوں سے اپنا بدن ڈھانپ لیا اور آدمؑ سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی''۔

9/36۔یٰسین 60 ''اے بنی آدمؑ ! کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا' یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے''۔''اور میری ہی عبادت کرنا' یہی سیدھی راہ ہے''۔ (آیات 60-61)

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اپنی تالیف "قصص القرآن" میں ان آیات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآنِ عزیز ان تاریخی واقعات کو محض اس لئے نہیں بیان کرتا کہ یہ وہ واقعات ہیں جن کا ایک تاریخ میں درج ہونا ضروری ہے بلکہ اس کا مقصدِ وحید یہ ہے کہ وہ ان واقعات سے پیدا شدہ نتائج کو انسانی رشد و ہدایت کے لئے موعظت و عبرت بنائے اور انسانی عقل و جذبات سے اپیل کرے کہ وہ نوامیس و قوانینِ فطرت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ان تاریخی نتائج سے سبق حاصل کریں اور ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے اور اس کا یدِ قدرت ہی اس تمام ہست و بود پر کارفرما ہے، اور اسی مذہب (دین) کے احکام کی پیروی میں فلاح اور ہر قسم کی ترقی کا راز مضمر ہے جس کا نام مذہبِ (دینِ) فطرت یا اسلام ہے۔

انسانی تخلیق کے مراحل

انسانی تخلیق کے مراحل سے پردہ اٹھاتے ہوئے قرآنِ عزیز میں فرمایا گیا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ	''اور بلاشبہ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو
مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ	خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا، جو سوکھ
خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ	کر بجنے لگتا ہے اور ہم ''جن'' کو اس سے

السَّمُوْمِ ۝ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ۝

(15۔الحجر:26تا31)

پہلے جلتی ہوئی ہوا کی گرمی سے پیدا کر چکے تھے۔ اور (اے پیغمبر! جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا "میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے، ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں) تو جب ایسا ہو کہ میں اسے درست کر دوں (یعنی وہ وجود تکمیل کو پہنچ جائے) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو چاہئے کہ تم سب اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔ چنانچہ جتنے فرشتے تھے سب اس کے آگے سربسجود ہو گئے، مگر ایک ابلیس، اس نے انکار کیا کہ سجدہ کرنے والوں میں سے ہو"۔

تخلیق آدمؑ کی حکمتیں

تخلیقِ آدمؑ کی حکمتیں بیان کرنے اور نسلِ انسانی کی پیدائش کی خبر دینے کے بعد فرشتوں اور دیگر موجوداتِ عالم پر لازم قرار دیا گیا کہ وہ ان کے مطیع فرمان ہو جائیں۔ لہٰذا تمام سربسجود ہو گئے لیکن ابلیس سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔ جس پر کسی تادیب سے قبل اللہ تعالیٰ نے اسے حکم عدولی کی وجہ بیان کرنے کا موقع دیا کہ یہی عقل و انصاف کا تقاضا تھا۔ چنانچہ اس سے باقاعدہ جواب طلبی کی گئی۔ لیکن غلطی تسلیم کرنے کی بجائے شیطان نے تکبر و غرور کا مظاہرہ کرتے ہوئے خلافتِ آدمؑ کو چیلنج کیا جس کا تذکرہ سورۃ اعراف (آیات 12 تا 18) اور سورۃ حجر (آیات 32 تا 43) اور سورۃ صٓ (آیات 75 تا 85) میں اس طرح سے کیا گیا ہے۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا

"حق تعالیٰ نے فرمایا: کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جبکہ میں نے حکم دیا تھا؟ کہا "اس بات نے کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اُسے مٹی سے

يَكُونُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ○ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ○ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ○ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (اعراف:12تا18)

''فرمایا'' جنت سے نکل جا: تیری یہ ہستی نہیں کہ یہاں رہ کر سرکشی کرے۔ یہاں سے نکل دور ہو یقیناً تو ان میں سے ہوا جو ذلیل و خوار ہیں!'' ابلیس نے کہا'' مجھے اس وقت تک کے لئے مہلت دے جب لوگ مرنے کے بعد اٹھائے جائیں گے''۔ تجھے مہلت ہے''اس پر ابلیس نے کہا'' چونکہ تو نے مجھ پر راہ بند کر دی، تو اب میں بھی ایسا ضرور کروں گا' تیری سیدھی راہ سے بھٹکانے کیلئے بنی آدم کی تاک میں بیٹھوں، پھر سامنے سے پیچھے سے، داہنے سے، بائیں سے (غرضیکہ ہر طرف سے) ان پر آؤں اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا'' یہاں سے نکل جا، ذلیل اور ٹھکرایا ہوا، بنی آدم میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو (وہ) تیرا ساتھی ہوگا اور میں البتہ ایسا کروں گا کہ (پاداش عمل میں) تم سب سے جہنم بھر دوں گا!

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَالَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ'' ○ وَّ اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ

اللہ نے فرمایا:'' اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنیوالوں میں شامل نہ ہوا؟'' کہا مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا ہے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے۔'' حکم ہوا'' اگر ایسا ہے تو یہاں سے نکل جا، کہ تو راندہ ہوا

الدِّيْنِ o قَالَ رَبِّ فَاَنظِرنِی اِلٰی
یومِ یُبعَثُونَ o قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ
المُنظَرِینَ o اِلٰی یَومِ الوَقتِ
المَعلُومِ o قَالَ رَبِّ بِمَا اَغوَیتَنِی
لَاُزَیِّنَنَّ لَهُم فِی الاَرضِ
وَلَاُغوِیَنَّهُم اَجمَعِینَ o اِلَّا
عِبَادَکَ مِنهُمُ المُخلَصِینَ o قَالَ
هٰذَا صِرَاط" عَلَیَّ مُستَقِیمٌ o اِنَّ
عِبَادِی لَیسَ لَکَ عَلَیهِم
سُلطٰن" اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ
الغٰوِینَ o وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوعِدُهُم
اَجمَعِینَ o (15۔الحجر:32 تا43)

اور جزا کے دن تک تجھ پر لعنت ہوئی'' اس نے کہا'' ''اے میرے ربّ! مجھے اس دن تک مہلت دے جب انسان (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے''۔ فرمایا''اس مقررہ وقت کے دن تک تجھے مہلت دی گئی'' اس نے کہا'' خدایا! چونکہ تو نے مجھ پر (نجات و سعادت) کی راہ بند کردی: تواب میں ضرور ایسا کروں گا کہ زمین میں ان کے لئے جھوٹی خوشنمائیاں بنادوں اور (راہِ حق سے) گمراہ کر دوں، ہاں اُن میں جو تیرے مخلص بندے ہوں گے (میں جانتا ہوں) میرے بہکانے میں آنے والے نہیں''۔فرمایا''بس یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے، جو میرے (مخلص) بندے ہیں اُن پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا۔صرف انہی پر چلے گا جو (بندگی کی) راہ سے بھٹک گئے اور اُن سب کے لئے جہنّم کے عذاب کا وعدہ ہے (جو کبھی ٹلنے والا نہیں)''۔

قَالَ یٰۤاِبلِیسُ مَا مَنَعَکَ اَن
تَسجُدَ لِمَا خَلَقتُ بِیَدَیَّ ط
اَستَکبَرتَ اَم کُنتَ مِنَ
العَالِینَ o قَالَ اَنَا خَیر" مِّنهُ ط
خَلَقتَنِی مِن نَّارٍ وَّ خَلَقتَهٗ مِن
طِینٍ o قَالَ فَاخرُج مِنهَا فَاِنَّکَ
رَجِیم" o وَّاِنَّ عَلَیکَ لَعنَتِیۤ اِلٰی

''فرمایا: اے ابلیس: کس چیز نے روک دیا تجھ کو سجدہ کرنے اُس کو جس کو میں نے بنایا اپنے (قدرت کے) ہاتھوں سے، یہ تو نے غرور کیا یا تو بڑا تھا درجہ میں؟ بولا:''میں بہتر ہوں اس سے مجھ کو بنایا آگ سے اور اُس کو بنایا مٹی سے، ارشاد ہوا: تو نکل یہاں سے کہ تو مردود ہوا۔اور تجھ پر میری لعنت اور پھٹکار

يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝ قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِيۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ۝ اِلٰى يَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ۝ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ۝ قَالَ فَالۡحَقُّ وَالۡحَقَّ اَقُوۡلُ ۝ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝
(38۔ ص:75تا85)

ہے۔ اُس جزا کے دن تک، بولا، اے میرے رب! مجھ کو ڈھیل دے جس دن تک مُردے جی اُٹھیں۔ فرمایا تو تجھ کو ڈھیل ہے۔ اُسی وقت کے دن تک جو معلوم ہے۔ بولا قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا ان سب کو، مگر جو بندے ہیں تیرے اُن میں چنیدہ اور پسندیدہ' فرمایا، سچ تو یہ اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں۔ کہ تجھ سے اور تیرے ماننے والوں سے میں (بھی) جہنم کو بھر دوں گا''۔

شیطان کی حقیقت اور انسان سے دشمنی کی وجوہ

شیطان کیا ہے اور اس نے کیوں انسان کی خلافت کو چیلنج کیا۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر درج بالا آیات کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے شیطان لعین کا حسب نسب اور سرگذشت کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

شیطان کیا ہے؟

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلہ میں سے تھا۔ جنہیں جن کہتے ہیں۔ جو آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے۔ اس کا نام حارث تھا۔ اور جنت کا خازن تھا۔ اس قبیلے کے سوا اور فرشتے سب کے سب نوری تھے۔ قرآن نے بھی ان جنوں کی پیدائش کا بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ آگ کے شعلے کی جو تیزی بلند ہوتی ہے اُسے مارج کہتے ہیں۔ جس سے جن پیدا کئے گئے تھے اور انسان مٹی سے پیدا کیا گیا۔ زمین میں پہلے جن بستے تھے۔ انہوں نے فساد اور خونریزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس جو اُس وقت حارث تھا' کو فرشتوں کا لشکر دے کر بھیجا۔ ابلیس نے لڑ بھڑ کر مارتے اور قتل کرتے ہوئے انہیں سمندروں کے جزیروں اور پہاڑ کے دامنوں میں پہنچا دیا۔ ابلیس کے دل میں تکبر سما گیا کہ میں نے وہ کام کیا جو کسی اور سے نہ ہو سکا۔ چونکہ اُس کے دل کی اس ابدی اور پوشیدہ خودی کا علم اللہ

تعالیٰ ہی کو تھا۔ جب پروردگار نے فرمایا کہ زمین میں خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ تو ان فرشتوں نے عرض کیا کہ پھر ایسوں کو کیوں پیدا کرتا ہے جو اگلی قوم کی طرح فساد و خونریزی کریں؟ تو انہیں جواب دیا گیا کہ میں جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔ یعنی ابلیس کے دل میں جو تکبر و غرور ہے اس کا مجھی کو علم ہے۔ تمہیں خبر نہیں۔ پھر آدم کی مٹی اٹھائی گئی، جو چکنی اور اچھی تھی۔ جب اس کا خمیر اُٹھا، تب اس سے حضرت آدم علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور چالیس (40) دن تک وہ یونہی پتلے کی شکل میں رہے۔ ابلیس آتا تھا اور پتلے کو لات مار کر دیکھتا تھا کہ وہ بجتی مٹی تھی۔ جیسے کوئی کھوکھلی چیز ہو۔ پھر منہ کے سوراخ سے گھس کر کہتا رہا کہ درحقیقت یہ کوئی چیز نہیں اور اگر میں اس پر مسلط کیا گیا تو اسے برباد کر کے چھوڑوں گا اور اگر اسے مجھ پر مسلط کیا گیا تو ہرگز تسلیم نہ کروں گا۔ پھر جب اللہ نے ان میں روح پھونکی اور وہ سر کی طرف سے نیچے کی طرف آئی تو جہاں جہاں تک پہنچتی رہی، خون گوشت بنتا گیا۔ جب ناف تک روح پہنچی تو اپنے جسم کو دیکھ کر خوش ہوئے اور جھٹ سے اُٹھنا چاہا لیکن نیچے کے دھڑ میں رُوح نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے اُٹھ نہ سکے۔ اسی جلدی کا بیان اس آیت میں ہے **وَخُلِقَ الاِنسانُ عَجُولاً** یعنی انسان بے صبر اور جلد باز ہے نہ تو خوشی میں نہ رنج میں صبر کر سکتا ہے۔ جب رُوح جسم میں پہنچی اور چھینک آئی تو کہا **اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ o** اللہ تعالیٰ نے جواب دیا **یَرحَمُکَ اللّٰہُ** ۔ پھر اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو ان سب نے سجدہ کیا۔ لیکن ابلیس کا غرور و تکبر ظاہر ہو گیا۔ اس نے نہ مانا اور سجدہ سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگا، کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ اس سے بڑی عمر والا ہوں۔ اور اس سے قوی اور مضبوط ہوں۔ یہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں اور آگ مٹی سے قوی ہے۔ اس انکار پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے ناامید کر دیا۔ اور اسی لئے اسے ابلیس کہا جاتا ہے۔ اس کی نافرمانی کی سزا میں اسے راندۂ درگاہ شیطان قرار دے دیا گیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السّلام کو انسان، جانور، زمین، سمندر، پہاڑ وغیرہ کے نام بتا کر ان پر پیش کیا۔ جو ابلیس کے ساتھ اور آگ سے پیدا شدہ تھے اور ان سے فرمایا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ میں زمین میں خلیفہ نہ بناؤں، تو ذرا مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب فرشتوں نے دیکھا کہ ہماری اگلی بات سے خداوند عالم ناراض ہے۔ وہ کہنے لگے کہ خدایا تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے سوا کوئی دوسرا غیب کو جانے۔ ہماری توبہ اور اقرار ہے کہ ہم غیب داں نہیں۔ ہم تو صرف وہی جان سکتے ہیں کہ جو تو ہمیں معلوم کرا دے جیسے تو نے ان کے نام صرف آدم علیہ السّلام کو سکھائے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے

حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتاؤ۔ چنانچہ انہوں نے بتا دیئے۔ابن عباسؓ کہتے ہیں' نافرمانی سے پہلے شیطان کا نام عزازیل تھا زمین پر اس کی رہائش تھی۔ اجتہاد اور علم میں بہت بڑا تھا اور اسی وجہ سے دماغ میں رعونت تھی۔ اور اس کی جماعت کا اور اس کا تعلق جنوں سے تھا۔اس کے چار پر تھے۔ جنت کا خازن تھا۔ زمین اور آسمان دنیا کا سلطان تھا۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ابلیس کبھی فرشتہ نہ تھا۔اس کی اصل جنات سے ہے۔ جیسے کہ آدمؑ کی اصل مٹی ہے۔ابلیس کی ابتداء آفرینش ہی کفر وضلالت پر تھی۔ کچھ دن ٹھیک ٹھاک رہا۔ لیکن پھر اپنی اصلیت پر آ گیا۔ سجدہ کرنے کا حکم بجالانا خداوند تعالیٰ کی اطاعت اور آدم علیہ السلام کا اکرام تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ سجدہ سلام عزت واکرام کا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کیلئے تھا۔ حضرت آدمؑ بطور قبلہ تھے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا گناہ یہی تکبر کا یہ جو ابلیس سے سرزد ہوا۔ صحیح حدیث میں ہے۔جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا۔ وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اسی تکبر کفر وعناد کی وجہ سے ابلیس کے گلے میں طوق لعنت پڑا۔ رحمت سے مایوس ہو کر جناب باری سے دھتکارا گیا۔

حضرت انسان کی عظمتیں اور سرفرازیاں

گویا کہ قرآن حکیم کی رو سے شیطان لعین کو اعتراض صرف آدمؑ کو خلافت ارضی عطا ہونے پر تھا نہ کہ ان کے منصب نبوت پر فائز ہونے سے۔ چنانچہ اُس نے اپنا موقف ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کی مہلت مانگی۔ یہاں پہنچ کر یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ حضرت انسان کی عظمتوں اور سرفرازیوں کا تعین کر لیا جائے جو ہمارے خیال میں یہ ہیں۔

(1) انسان کا مقصد وجود۔۔۔۔۔۔۔بذریعہ قیام وانصرام خلافت ارضی اور خود کو اس کا اہل ثابت کرنا۔ یعنی اللہ کی خوشنودی کا حصول بذریعہ کامل اطاعت الٰہی۔

(2) انسان کا اعزاز۔۔۔۔۔۔۔۔علم وحکمت' جس سے وہ باقی جملہ مخلوق میں ممتاز کیا گیا۔

(3) انسان کی عظمت کی اساس۔۔۔عبادت' تقویٰ اور پرہیزگاری۔ جس میں وہ جملہ مخلوق میں بازی لے جانے والا ہے۔

(4) انسان کا شرف۔۔۔۔۔۔۔عبودیت' اس میں سب سے اعلیٰ حضور نبی اکرمؐ کی

ذات اقدس ہے جنہیں اللہ نے عبدہٗ کہہ کر پکارا۔ عبدیت یہ ہے کہ انسان خود بھی ہر حکم کی تعمیل کرے اور دوسروں سے بھی احکامِ الٰہی کی تعمیل کرائے۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے فرمایا: ''تم وہ بہترین امت ہو جسے دنیا والوں کی بھلائی کے لئے اٹھایا گیا ہے تم نیکی کا حکم کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو''۔ یعنی صوفیہ کی اصطلاحی زبان میں نفی اثبات کا حکم۔۔۔۔نفی: لا الہ۔ اثبات: الا اللہ۔ تقاضائے اثبات: محمد رسول اللہ (یعنی اتباعِ رسولؐ) مقصد: تعمیل احکامِ ربی۔ مطلب: عبدیت۔ تقاضائے نفی: باطل ربوبیتوں، باطل نظاموں کی نفی گویا کہ یہی انقلابی تصور اسلام ہے۔۔۔۔انسانوں میں اللہ کی حاکمیت کا اجراء اور یہی مقامِ خلیفۃ اللہ فی الارض۔ مطلب، خلافت الٰہیہ مقصود کا ذریعہ ٹھہرا۔

درج بالا معروضات کی روشنی میں دیکھا جائے تو عطائے خلافتِ ارضی نہ صرف یہ کہ دنیا میں بہت بڑا اعزاز وانعام تھا جو نسل آدم کو ورثہ میں ملا، بلکہ جہادِ زندگی میں اسی کامیابی اور کامرانی پر آخرت میں وہ سرخرو ہو کر اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات اور انعامات کا حقدار بن سکتا تھا۔

کیا شیطان نظامِ خلافت منہدم کرنے میں کامیاب ہوسکا؟

شیطان جِنّات میں سے تھا۔ اور ایک دور میں خلافتِ ارضی جِنّات کے پاس تھی۔ (مزید تفصیلات دیکھیئے ''احوال الانبیاء فی تفریح الازکیاء مؤلفہ مولینا ابوالحسن حسن کاکوروی: جلد اوّل طبع کردہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ (موجودہ بھارت): ۱۹۲۴ء: تفریح اوّل بہ احوال سیّد البشر حضرت آدم علیہ السّلام: اس شاندار کتاب کی دونوں جلدوں کی عکسی اشاعت نفیس اکیڈمی کراچی نے کی۔ بڑی تقطیع پر کتاب کی دونوں جلدیں سولہ سو صفحات پر مشتمل ہیں)۔ اس لئے وہ کیونکر برداشت کرسکتا تھا کہ یہ اعزاز انسان کو منتقل ہو جائے۔ لہٰذا اس نے چیلنج کر دیا۔ اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کیلئے اس نے اللہ سے مہلت مانگی جو اسے عطا کر دی گئی۔ چنانچہ سب کو زمین پر اتار دیا گیا تاکہ حق و باطل کا معرکہ برپا ہو۔ بات چلتے چلتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، نبی آخرالزمان تک پہنچی۔ پھر خلافتِ راشدہ کے ذریعے نسل آدم کی یہ خلافت قائم ودائم رہی۔ ازاں بعد۔۔۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ معرکۂ حق و باطل کیا ہوا؟۔۔کیا شیطان زمین پر سے اس خلافتِ بنی آدم کو ختم کرنے میں کامیاب ہوا؟ یا ابھی تک ناکام چلا آرہا ہے؟ اگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خلافت ختم ہو چکی تو خلافتِ راشدہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مختصر دور کو نکال کر بقیہ تقریباً پونے چودہ سو

سال کا عرصہ کس کھاتے میں جائے گا؟ لیکن نہیں، شیطان اپنی جملہ ریشہ دوانیوں اور کارستانیوں کے باوجود خلافت کا نظام منہدم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ صوفیہ کرام کا یہ کمال تسلیم کئے بغیر چارۂ کار نہیں کہ یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے شیطان کو قدم قدم پر شکست دی اور نظامِ خلافت کو جاری و ساری رکھنے کا کارنامہ انجام دیا۔ انہوں نے گھر گھر، محلے محلے، گاؤں گاؤں، شہروں شہروں، ملکوں ملکوں اپنی متوازی حکومتیں (Parallel Govts) قائم کئے رکھیں۔ اُدھر ملکی حکومتوں پر بھی کسی فوج اور اسلحہ کے بغیر ایسے اثرات ڈالے اور اخلاقی دباؤ بڑھائے رکھا کہ ملکوں کے بادشاہ اور مملکتوں کے حکمران، علاقوں کے رؤسا، ان بے تاج گوشہ نشین، گدڑی پوش فقراء کے اشارہ ہائے ابرو پر کٹ مرنے کیلئے تیار رہے۔ سیاسی حکومتوں کے قیام کی تھیوریاں (Theories) پیش کرنے اور احیائے خلافت کے نعرے لگانے والوں کو غور کرنا چاہئے کہ بعض حکمران ان بوریا نشینوں سے خائف کیوں رہے؟ اور ان گدڑی پوشوں کے حضور، دست بستہ کھڑے رہنے کو کیوں سعادتِ دارین تصور کرتے رہے؟۔ آپ اگر اسلام کے سیاسی نظام کے نفاذ کے ذریعے اسلام کے عملاً جاری و ساری کرنے کی بات کرتے ہیں یا اسلامی انقلاب کی برآمد کی جدید ایرانی اصطلاح کا تصور پیش کرتے ہیں، تو ماضی کے آئینے میں جھانک کر دیکھئے، آپ کو حیرت ہو گی کہ یہ بوریا نشین بغیر کسی سیاسی تنظیم اور بغیر کسی سیاسی فلسفۂ حیات کی تشریح و توضیح کرنے والی کتب اور لٹریچر کے، بغیر کسی سیاسی ایجی ٹیشن کے، بغیر کسی منظم احتجاجی تحریک کے، صرف ذاتی سطح پر جس قریہ، جس بستی، جس شہر یا جس ملک میں بھی جا نکلے وہاں لاکھوں کی تعداد میں خلق خدا حلقہ بگوش اسلام ہوتی چلی گئی۔ ان فقیروں نے جابر و قاہر اسلام دشمن حکومتوں کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور مضبوط سیاسی استبدادی نظاموں کی بساط کو ایسے لپیٹ کر رکھ دیا کہ عقل دنگ اور سوچ ششدر رہ جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم اپنی ناک کے نیچے کی مثال اگر پیش کریں تو ہندالولی خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا نام نامی اسم گرامی سرفہرست ہے۔ ''کرامت'' وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ البتہ ان بوریا نشینوں نے حکومتوں پر قبضہ جمانے کی سعی کبھی نہیں کی۔ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی اس بارے میں روشن مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان فقیروں نے جُبے قُبے پہن کر عالمانہ تمتنے کے ساتھ لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش نہیں کی سلطان الفقرا حضرت سلطان باہوؒ فنافی الہٰو کی پاکیزہ زندگی اس امر کا ثبوت ہے۔

آپ اپنے صوفیانہ کلام میں فرماتے ہے:

پڑھ پڑھ علم لوک رِجھاون' کیا ہویا اس پڑھیاں ہُو

ہرگز مکھن مول نہ آوے پھٹے دودھ دے کڑھیاں ہُو

آکھ چنڈورا ہتھ کی آیا ایس ڈنگوری پھڑیاں ہُو

اک دل خستہ باھُو راضی رکھیں تے لئی عبادت ورھیاں ہُو

(ان علماء کو کیا ہو گیا ہے کہ علم پڑھ پڑھ کر بجائے رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لوگوں کو اپنا فریفتہ بنا رہے ہیں اور ان سے خدمتیں کراتے اور ان کی کمائیاں کھاتے ہیں۔ ایسے علماء کے علم کی مثال ایسی ہے جیسے خراب ہو کر پھٹا ہوا دودھ۔ جس کو بلونے سے مکھن نہیں نکلا کرتا۔ یا اس کی مثال اس چنڈوری کی (چڑیا سی) ہے' جس نے کوئی ننھا سا پودہ اُکھاڑ کر چونچ میں پکڑ رکھا ہو جس میں نہ رس ہو نہ پھول نہ پھل' ایسے علماء کو معلوم ہونا چاہیے کہ علم کی شہ پا کر سب کو ستانے اور دکھ دینے (ایک دوسرے کے خلاف فتوے جاری کرنے) کی بجائے کسی ایک دل کو خوش کر دینا (خدمت خلق) کئی سال کی عبادت سے بہتر اور برتر ہوتا ہے)۔

اسلامی نظام کے قیام کے داعین کو ان نفوس قدسیہ کے سپاس گزار ہونا چاہئے تھا کہ خلافتِ راشدہ کے نظام کے درہم برہم ہونے کے بعد انہی بزرگوں اور صلحائے امت نے نہایت ہی فراست وحکمت کے ساتھ روحانی سلاسل کے قیام کے ذریعے نہ صرف یہ کہ خلافت کے نظام کو برقرار رکھا بلکہ یہ مواقع بھی فراہم کیے کہ انیسویں صدی عیسوی میں ایک بار پھر اجتماعی سطحوں پر اسلام کے سیاسی نظام کے احیاء کی بات کرنا ممکن ہو سکا۔

نظام کائنات میں گہری حکمت

یہاں پہنچ کر ہم چند عجیب وغریب نکات ذیل پر غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں کہ

(۱) تسلسل خلافت کے ضمن میں چار خلفائے راشدینؓ

(۲) اہلِ سنت والجماعت کے چار فقہی مذاہب وائمہ (امام ابوحنیفہؒ' امام شافعیؒ' امام مالکؒ' امام احمد بن حنبلؒ)

(۳) چار اہم ترین سلاسلِ صوفیہ (چشتیہ' قادریہ' نقشبندیہ' سہروردیہ)۔

کے باہم دگر مربوط ومنضبط طریقِ عمل اور ایک حسین وجمیل تواتر وتعدادی کثرت سے کیا کچھ سبق حاصل ہو سکتا ہے؟

سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ محض حسنِ اتفاق ہے؟ یا ایک طے شدہ امر کہ۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

اور یقیناً یہ امرِ حق ہے، تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ کائنات کا نظام گہری حکمت کے ساتھ چل رہا ہے اور یہ سب کچھ خدائے قدوس کی حکمت ہی کا کرشمہ ہے اور اس کے اسرار میں سے بہت بڑا سرّ اور راز ہے۔

احیائے خلافت کے لئے تیاری کا معیار

حضور ختم المرسلین، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی اگر ہمارے لئے نمونہ ہے اور ہمیں حکم ہے کہ ہم انہیؐ کی اقتدا ءاور انہی کو ماڈل قرار دیتے ہوئے اپنی زندگیوں کو قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھالیں تو یہ امر لازم ہوگا کہ ہمارا بچپن، ہماری نوعمری، ہماری جوانی اور ہماری ازدواجی، معاشرتی اور اجتماعی زندگیوں کا نظام حضور ﷺ کی پاک وشفاف اور مقدس و منزہ زندگی کے مختلف مراحل کی مشعلِ اقتداء کی روشنی میں پروان چڑھے۔ اب ذرا غور فرمائیے کہ حضور ﷺ نبی مکرم علیہ السلام جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہمارے لئے نمونہ ہے وہ تو اپنی زندگی کے اس دور میں جہاں سے آگے اعلانِ نبوت ہونا تھا، سخت مجاہدات، ریاضت، تعقل وتفکر اور تدبر کیلئے غارحرا کا گوشۂ تنہائی اختیار فرمائیں اور اس نصاب اور کورس کی تکمیل کے بعد محیر العقول واقعات کا ظہور ہو، جبریل امین علیہ السلام آئیں، حضورؐ کا سینۂ مبارک شق فرمائیں اور نورِ ذات سے قلب پاک و منور کو مکرر و مزید منزہ و مرصع فرمائیں تاکہ نبوت و خلافتِ ارضی کے بارگراں کے اعلان کی جملہ ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ لیکن حضور ﷺ کی اقتداء کا دعویٰ رکھنے والے ظاہر بین افرادِ امت کیسی نادانی و ڈھٹائی سے یہ کہہ دیں کہ حضور ﷺ کی نبوت سے قبل کی زندگی ہمارے لئے نمونہ نہیں۔ حیرت واستعجاب کے سوا ان عقل کے اندھوں کی بے بصیرتی پر کیا تبصرہ کیا جائے۔

خرد کی تنگ دامانی سے فریاد
نگہ کی نامسلمانی سے فریاد (اقبالؒ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا یا حکم دیا وہ ہمیں کر کے دکھایا۔۔۔۔۔ درحقیقت ہمارے لئے نمونۂ زندگی پیش فرمایا۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کرام اور صلحائے امت جس شخص کو

خلافت رسول مقبولؐ کے کٹھن راستے پر ڈالنا چاہیں اسے وہ پہلے شدید مجاہدات، ریاضت، عبادات اور غور وفکر کی خارداروادیوں کا مسافر بننے کی تلقین فرماتے ہیں کیونکہ عطائے خلافت اوراعلان خلافت کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں انسانی شخصیت کواس کُٹھالی میں ڈالے بغیر (یعنی Stage set کئے بغیر) چارہ کارنہیں۔ جولوگ اس کاروائی کودنیا سے فرار یا راہبوں، کاہنوں، پاپاؤں یاپروہتوں کی ترکِ دنیا سے تشبیہہ دیتے ہیں وہ درحقیقت خود یا تو بزدل ہیں کہ بارِخلافت اٹھانے سے گریزاں اوراس کے لئے کسی تیاری کوغیرضروری خیال کرتے ہیں یاوہ دانستہ یانادانستہ شیطان کے ایجنٹ ہیں کہ دراصل شیطان لعین نہیں چاہتا کہ انسان خودکوخلیفہء ختم المرسلینؐ ثابت کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہوسکے۔اس طرح سے قیامت تک کے لئے اسے جومہلت دی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خودکوسچا اوراس کا اہل ثابت کرسکے۔ ہمارے یہ نادان دوست تھوڑا ساغور کرتے تو یہ بات ان پرعیاں ہوجاتی کہ ہمارے صوفیہ نے جہادزندگانی کوایک لمحہ کے لئے بھی ترک نہیں کیا کجا یہ کہ ان پر تارکِ دنیا ہونے کا الزام لگا کر اپنے لئے جواز پیدا کرلیا جائے کہ بارِخلافت اٹھانے کے لئے اپنی شخصیت کی تعمیروتکمیل کی خاطر سنتِ نبویؐ ہی کے طریقے پر کچھ عرصہ کے لئے دنیا سے علیحدگی اختیار کرنا چنداں ضروری نہیں۔کاش! کہ یہ معترضین سوچتے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِحراء میں مجاہدات وریاضت اور تعقل وتفکر اور تدبّر کے لئے علیحدگی اختیار کرناضروری خیال فرمایا توعام انسان کے لئے ایسا کرنا کتناضروری ہوسکتا ہے؟

اصحابِ صفہؓ کی روشن مثال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کے بعد کی زندگی میں بھی اپنے اصحابؓ کی تعلیم وتربیت میں ایسی ہی مثالیں قائم کیں۔اصحاب صفہؓ کی مثال برہانِ قاطع کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔حالانکہ حضورؐ کی تو ایک نگاہ ہی زندگیوں کوضروری معیار پرلانے اوراُن میں مطلوبہ انقلاب پیدا کرنے کے لئے کافی تھی لیکن آنے والے ادوار میں امتیوں کی کوتاہ بینی کوجلا بخشنے کیلئے بہت سے اہتمام کئے گئے جن میں سے ایک یہ تھا کہ بعدازاں جب حضورؐ کی براہ راست نگاہ یا اُن کے بلاواسطہ تربیت یافتہ اصحابؓ موجود نہ رہے تو خلافت کے بارگراں کواٹھانے کے لئے انسان کی ظاہری اور باطنی اصلاح وتطہیر کے لئے زیادہ بڑی ریاضت، محنت ومشقت اور مجاہدات ومشاہدات کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ صوفیائے کرام نے بھی اس کے لئے مربوط ومنضبط پروگرام

اور انصاب مرتب فرمائے جو ان کے اپنے اپنے ادوار کے تقاضوں سے ہم آہنگ اور پیش نظر مسائل کی روشنی میں انسانی تعلیم و تربیت کے لئے ناگزیر سمجھے گئے۔ (مثال کے طور دیکھیئے ایک نصابِ سلوک بعنوانات "(۱) مرقع کلیمی"۔ "(۲) مالابدہ کلیمی" "(۳) عشرۃ الکاملہ" "(۴) کشکول کلیمی" مرتبہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ شائع کردہ مکتبہ خورشیدیہ کشمیری بازار لاہور اور صاحبزادہ مستحسن فاروقی درگاہ شیخ کلیم اللہؒ جامع مسجد دہلی۔

امت مسلمہ کی فکری و نظری بھول

فکر و نظر کے اس مرحلہ پر پہنچ کر ہم قارئین کرام کی توجہ ایک اور نہایت اہم اور بنیادی نکتے کی طرف مبذول کرانا چاہیں گے۔ اور وہ یہ ہے کہ روحوں سے عہد الست' جیسا کہ دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے، اللہ بزرگ و برتر کے الہٰ ہونے کا نہیں بلکہ اس کی ربوبیت کا لیا گیا۔ گویا کہ اللہ ہی انسانوں اور اپنی جملہ مخلوق کا پالنہار ہے اور زبردست روزی دینے والا ہے۔ پھر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حواؑ کو جنت میں ایک تجربہ بھی کرا دیا گیا کہ وہی اللہ ہے کہ جس نے جنت میں آدمؑ و حواؑ کیلئے کھانے پینے کی تمام اشیأ حلال قرار دیدیں سوائے ایک شے کے جو جنت کے ایک مخصوص درخت یا شجر کا پھل تھا۔ پھر جب آدمؑ و حواؑ کو شیطان نے اسی پھل کو بلا تکلف کھا جانے کی تحریص' یہ کہہ کر دلائی کہ درحقیقت اسی کے کھانے سے انہیں دائمی' یعنی ہمیشگی کی زندگی حاصل ہو سکتی ہے تو نتیجہ کیا ہوا کہ آدمؑ و حواؑ پر نسیان طاری ہوا اور اپنے اللہ کی ہدایت بھول گئے اور ممنوعہ پھل کھالیا۔ جس سے ان کے ستر عیاں ہو گئے۔ تاہم آدم علیہ السلام کو اپنی کوتاہی پر ندامت ہوئی اور اللہ سے معافی کے خواستگار ہوئے جو انہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے مل گئی۔ چنانچہ عہد الست کے بعد جنت کے اندر اس تجربہ کو سعید روحوں نے خوب یاد رکھا اور جیسے ہی وہ دنیا میں اپنی پیدائش کے بعد شعور کو پہنچیں تو وہ اپنے رب کی ہدایت پر شکرگزار ہوئیں اور پکار اٹھیں کہ اس اللہ کا شکر ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ یعنی " **الحمد لله رب العالمين** " (قرآن حکیم میں بسم اللہ کے بعد سورہ فاتحہ کی پہلی آیت)۔ معلوم ہوا کہ دنیا میں انسان کی آزمائش کا بنیادی نکتہ اس کا پیٹ بھرنے کا طور طریقہ' کام و دہن کی تسکین اور خواہشات نفسانی کی تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور یہ وہ خطرے کا نشان ہے جسے دیکھتے ہوئے بھی انسان نے

وہ رہتے ہیں جب تک خواہشیں ختم نہیں ہوتی ہیں۔ جبکہ شیطان انسان کو اسی چکر میں مبتلا رکھنے میں بہت حد تک کامیاب بھی رہا ہے کہ جسم کی پرورش ہی انسان کی وقت و قوت کا اصل مرکز بن چکی ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ روحانی سربلندی ہی انسان کی دنیاوی زندگی کا اصل مقصود و محور ہے کیونکہ جسم تو فانی ہے روح ہی نے تو اس جسم کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ جونہی روح اس میں سے پرواز کر جائے گی جسم کی موت واقع ہو جائے گی۔ اسی لیے دانشمندی کا تقاضا ہے کہ انسان روح کی پرورش پر زور دے کیونکہ یہی "سرمایہ" ہے جس نے بارگاہ میں قیمتی ہونا ہے" اور پاک ذات قدس اور اپنے سچے ساتھیوں کے لیے فقر کو اپنا فخر قرار دیا (الفقر فخری)۔ بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ نے کیا خوب فرما گئے:

کنڈیاں، چوگندیاں، کھنبھ دیندیاں ست
جو شیطان ونجایا اے کت مچھیرے چت

(اے فرید! ہم چیخ چیخ کر پکار پکار کر تجھ کو نصیحت کرتے رہے لیکن جس کو اس کے اپنے نفس اور شیطان نے گمراہ کر دیا ہو اسے نفسانی خواہشات سے ہٹا کر کیسے سیدھے راستے پر لایا جائے؟)

حضور بابا فریدؒ ایک اور شعر میں فرماتے ہیں:

میں بھلاوا پگ دا مت میلی ہو جاء
گہلا روح نہ جانئی سر بھی مٹی کھاء

(میں اسی پریشانی میں ہوں کہ میری پگڑی میلی نہ ہو جائے۔ دنیاوی ساکھ قائم رہے مگر روح نہیں جانتی کہ پگڑی تو کیا مٹی تیرے سر کو بھی کھا جائے گی جس پر تیری یہ عارضی عزت بندھی ہوئی ہے)

حضور بابا فریدؒ مزید فرماتے ہیں:

اٹھ فریدا ستیا جھاڑو دے مسیت
تو ستا رب جاگدا تیری ڈاڈھے نال پریت

(اے فرید! اٹھ اور اپنے بندے کی مسیت یعنی دل کی مسجد میں جھاڑو دے کر اسے نفسانی خواہشات سے پاک صاف کر۔ تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو جبکہ تمہارا رب ہر وقت جاگ رہا ہے اور تو اس بے نیاز ہستی اور طاقتوں والے رب کے ساتھ پریت یعنی محبت جوڑ رہا ہے)۔

امت کے ایک طبقہ کی گمراہی کا نکتہء آغاز

انسان آیا تو تھا اپنے رب کو راضی کرنے لیکن ؎

جے رب نہاتیاں دھوتیاں ملدا، تاں ملدا ڈڈواں مچھیاں ہُو
جے رب لمیاں والاں ملدا، تاں ملدا بھیڈاں سسیاں ہُو
جے رب راتیں جاگیاں ملدا، تاں ملدا کال کڑچھیاں ہُو
جے رب جتیاں ستیاں ملدا، تاں ملدا دانداں خصیاں ہُو
انہاں گلاں رب حاصل ناہیں باہو، رب ملدا دلدیاں ہچھیاں ہُو

(حضرت سلطان باہو کا درج بالا کلام بہت عام فہم ہے جس کا مطلب مختصراً یہ ہے کہ اگر رب نہانے دھونے سے ملتا تو وہ مینڈکوں اور مچھلیوں کو ملتا۔ اگر رب لمبے بال اور دراز زلفیں رکھنے والوں کو ملتا تو بھیڑوں سسیوں کو ملتا۔ اگر رات رات بھر جاگنے سے رب ملتا وغیرہ۔۔۔ رب ملنے کا واحد راستہ اور طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل کو بغض، کینے، حسد، لالچ اور کدورتوں سے پاک صاف کر لے)۔

قرآن کی غرض وغایت قیام حکومت نہیں

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی تالیف ''تاریخ تصوف'' میں لکھتے ہیں کہ قرآن کی غرض و غایت قیام حکومت نہیں ہے بلکہ بنی آدم میں تعلق باللہ کی اہمیت کا شعور پیدا کرنا اور اس حقیقت کو جاگزیں کرنا ہے کہ اگر اللہ کے ساتھ تعلق نہ ہو تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ گویا کہ مسلمان کا مقصد حیات، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ رہی حکومت تو یہ ایک انعام ہے جو بعض شرائط پوری کرنے پر اللہ اپنے نیک بندوں کو عطا کرتا ہے، اسے مقصود و مطلوبِ حیات بنانا بہت بڑی بھول اور گمراہی ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جسے سمجھنے میں امت کی اکثریت سے بھول ہوئی یا دنیا کی ہوس نے چھپ چھپ کر اکثریت کے دلوں میں گھر کر لیا۔ نتیجتاً خلافت راشدہ ختم ہونے کے ساتھ دین و دنیا میں تفریق پیدا ہوگئی۔ پھر کیا ہوا، حضرت اقبالؒ نے درج ذیل شعر میں اس کی تصویر کشی کی ہے:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ہائے افسوس! کہ امت کی اکثریت نے نظام چنگیزی یعنی شکم کو دل کی آزادی، من کی دنیا کے حقیقی سوز و مستی اور جذب و شوق پر ترجیح دینے کا فیصلہ کیا، حالانکہ دل کی آزادی شہنشاہی اور شکم سامان موت تھا۔ تاہم اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت ایک قابلِ ذکر تعداد میں اللہ کے بندے (عباد الرحمن) ایسے بھی موجود ہے جنہوں نے پکار پکار کر امت کو موت کا یہ رستہ اختیار کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ۔

عشقِ بتاں سے ہاتھ اٹھا، اپنی خودی میں ڈوب جا ؛ نقش و نگارِ دیر میں خونِ جگر نہ کر تلف !
کھول کے کیا بیاں کروں سرِ مقامِ مرگِ عشق ؛ عشق ہے مرگِ باشرف، مرگِ حیاتِ بے شرف!

بندۂ خدا اور بندۂ زمانہ کے مابین کشمکش

علماء اور صلحاء و اولیائے امت میں شدید کشمکش ہوئی۔ اور علماء کی اکثریت نے بھی بندۂ خدا کی بجائے نہ صرف بندۂ زمانہ رہنے کو ترجیح دی بلکہ الٹا اصفیائے امت کو معتوب کرنا شروع کر دیا اور انہیں ترک دنیا کے طعنے دینے شروع کر دیئے۔

حضرت سلطان العارفین فنافی الہٰو فرماتے ہیں۔

پڑھ پڑھ علم ہزار کتاباں عالم ہوئے سارے ہو ؛ اک حرف عشق دا پڑھ نہ جانن بھلے پھرن بچارے ہو
اک نگاہ جے عاشق ویکھے لکھ ہزاراں تارے ہو ؛ لکھ نگاہ جے عالم ویکھے کسے نہ کدھی چاہڑے ہو
عشق عقل وچ منزلت بھاری سئیاں کوہاں دے پاڑے ہو ؛ عشق نہ جنہاں خرید یا باہو دوہیں جہانیں مارے ہو

(کئی آدمی ہزاروں کتابیں پڑھ پڑھ کر عالم فاضل تو بن جاتے ہیں لیکن محبت خداوندی اور عشق محبوب کی طرف مطلق مائل نہ ہونے کے باعث خود بھی گمراہی میں پڑے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ ان کے مقابلے میں عاشق کی یہ شان ہوتی ہے اور اسے یہ کمال حاصل ہوتا ہے کہ اپنی نگاہ کرم (توجہ) سے ایک کا ہی نہیں بلکہ لاکھوں کا بیڑا پار کر دیتے ہیں لیکن علمائے ظاہر کی کئی دفعہ کی توجہ سے بھی ایک شخص کو کامیابی اور نجات حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم اور عشق میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اے باہو! جنہوں نے عشق الہٰی حاصل نہیں کیا وہ اس سے کورے رہنے کے سبب دونوں جہانوں میں ناکام اور نامراد ہے۔

بابا بلھے شاہ قادری شطاری" خرد کی تنگ دامانی سے کچھ اس طرح سے فریاد کناں ہیں۔

پڑھ پڑھ علم لگادیں ڈھیر ؛ قرآن کتاباں چار چوفیر

گھردے چانن وچ انھیر باہجوں راہبر خبر نہ سار
علموں بس کریں او یار

(علم پڑھ پڑھ کر عالم فاضل، (ڈاکٹر پی ایچ ڈی) ہوگیا ہے، قرآن تفاسیر فقہ و دیگر علوم وفنون کی کتابوں کے یوں تو چاروں طرف ڈھیر لگا رکھے ہیں۔ اگر چہ ان تمام علوم وفنون کی روشنی نے علماء وفضلاء کے چہار اطراف کو بقۂ نور بنا رکھا ہے لیکن ان کے قلب ونظر اور فکر وعمل میں اللہ ورسولؐ سے لاتعلقی اور بے حضوری کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں (دور حاضر کی سب سے بڑی محرومی یہ ہے کہ وہ جوتا مرمت کرانے کیلئے تو موچی تلاش کرتا ہے لیکن روحانی سربلندی و سرفرازی حاصل کرنے کیلئے مرشد کی ضرورت سے خود کو بے نیاز سمجھنے پر بضد ہے) تاہم بغیر رہبر و مرشد اندھیرے اس کا مقدر رہیں گے اور صراط مستقیم کی اسے پہچان نہ ہو سکے گی)۔

پنجاب کے ایک اور فقیر خدا مست شاہ حسینؒ کیا خوب فرما گئے۔

کدی سمجھ نداناں، گھر کتھے ای، سمجھ ندانا آپ کمینہ تیری عقل کمینی کون کہے تو دانا
اے نہیں راہیں ڈھٹرے جاندے، میر، ملک، سلطانا!

(اے نادان! کبھی تو سمجھنے کی کوشش کر، تو کس لئے دنیا میں آیا اور کہاں تیرا حقیقی گھر ہے؟ تو عجب کمینہ ہے اور تیری عقل بھی کمینی ہے، تجھے کون کہہ سکتا ہے کہ تو دانا ہے! تیرے سامنے بڑے بڑے میر، ملک اور سلطان چلتے بنے۔ تو پھر بھی اسی دنیا کی رنگینیوں اور بھول بھلیوں کو حقیقی زندگی سمجھ کر اپنا وقت برباد کر رہا ہے، کون کہے تو دانا ہے؟

لہٰذا ان اللہ کے فقیروں نے نسل انسانی کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً دنیا کے حریص کتے بننے کی بجائے اللہ بزرگ و برتر کے سامنے جھکنے کی تعلیم دی۔ اپنی زندگیوں کو مولا کریم کی واحدانیت کے سامنے صفر کر کے دکھایا اور عظمت و رفعتِ خلافت ارضی کی حقیقت کو غیر اللہ کے سامنے پائمال ہونے سے بچایا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ شیطان اپنی تمام تر چالاکیوں کے باوجود رحمٰن ورحیم کے نام لیواؤں اور اللہ کے ان بندوں (عباد الرحمٰن) کو زیر کرنے میں نہ کبھی کامیاب ہو سکا اور نہ ہی کامیاب ہو سکے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

ظاہری اور حقیقی علوم کے مابین خطِ امتیاز

اوپر دی گئی بحث کا مطلب غلط انداز میں ہرگز ہرگز یہ نہ لیا جائے کہ صوفیہ علم کے مخالف

ہیں۔ نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے بلکہ وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ علم کے بغیر عمل اور عمل کے بغیر علم سراسر جہالت و نادانی ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں۔

علمے باجھ کوئی فقر کماوے، کافر مرے دیوانہ ہُو سے ورہیاندی کرے عبادت رب اللہ کنوں بیگانہ ہُو

غفلت کنوں نہ کھل سن پردے دل جاہل بت خانہ ہُو میں قربان تنہاں دے باہو جنہاں ملیا یار یگانہ ہُو

(اگر اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، توحید، قدرت اور احکام کے) علم کے بغیر کوئی شخص وصال باری تعالےٰ حاصل کرنا چاہے تو یہ سمجھے کہ وہ دیوانہ اور پاگل ہے اور وہ کفر کی حالت میں ہی مرے گا۔ ایسا شخص (اس علم کے بغیر) کئی صدیاں عبادت کرتا رہے تو بھی وہ عارف باللہ نہیں ہو سکتا) ایسے جاہل کا دل ایک بت خانہ سمجھئے جس پر پڑے ہوئے غفلت کے پردے کبھی بھی کھلنے نہ پائیں گے۔ (اسی لئے اسے حق اور باطل میں تمیز نہیں ہو سکتی)۔ اے باہو! میں ان لوگوں کے قربان جاؤں جنہیں وصال باری تعالےٰ کی دولت ارزانی ہوئی۔

ظاہری علوم اور حقیقی علوم یعنی ہر دو علوم کی تحصیل سے انکار تو ممکن نہیں لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ ظاہری یعنی مادی علوم کا مقصد جہاں دنیا داری اور صرف دنیا ہے وہاں حقیقی علوم کا مقصود تعلق باللہ اور معرفت ذات باری ہے جسے عشق سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے اس گنجلک بحث و تمحیص کو علم و عشق کے عنوان سے ایک نظم میں اس طرح سے بیان کیا ہے۔

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن! کرم کتابی نہ بن
عشق سراپا حضورؑ ، علم سراپا حجاب

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات
علم مقام صفات ، عشق تماشائے ذات
عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات
علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب

عشق کے ہیں معجزات، سلطنت و فقر و دیں!
عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج و نگیں!
عشق مکان و مکیں! عشق زمان و زمیں!

عشق سراپا یقیں، اور یقیں فتح باب !

شرحِ محبت میں عشرتِ منزل حرام
شورشِ طوفاں حلال، لذتِ ساحل حرام
عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب

خلافت کبریٰ کا تسلسل

یہاں البتہ کچھ اور سوالات پیدا ہوتے ہیں جن میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ صوفیہ موجودہ دور میں اس معیار کے نہیں رہے جیسا کہ اقبالؒ نے کہا 'رہا صوفی گئی روشن ضمیری' تو عرض ہے کہ خلافت کے تسلسل میں کمزور یا مضبوط، مختصر یا وسیع، زیادہ مؤثر و کم مؤثر حلقہ ہائے اثر رکھنے کا جہاں تک تعلق ہے، وہ یہاں پر چنداں اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ درحقیقت وہ سب کڑی در کڑی ایک ہی تسلسل اور ایک ہی کل کے جزو ہیں۔ پوری نسل آدم کے بہترین انسانوں کی جزوی خلافتوں کے پس پردہ ایک ہی اجتماعی خلافت کبریٰ کا حسن انہیں ڈھانپے ہوئے ہے جس کے ابتدائی مظہر آدم علیہ السلام تھے، جن کے سراپا میں اس حُسن کی تابانیاں و توانائیاں دیکھ کر ابلیس جل گیا تھا اور انہیں چیلنج کرنے پر کمربستہ ہو گیا تھا۔ دراصل اس حسن کا سزاوار وہ اپنی ذات کو سمجھتا تھا چنانچہ اس نے پہلے آدم علیہ السلام کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے مہلت بھی مانگی تا کہ یہ ثابت کر سکے کہ وہ اپنے دعوے میں حق بجانب ہے چنانچہ اسے مہلت عطا کر دی گئی۔ معلوم ہوا کہ اصل جھگڑا خلافت کا ہے اور آدمؑ یا نسل آدم میں سے خلافت کے حقدار ہر اس انسان کا ابلیس دشمن ہے جسے خلافت کبریٰ میں سے کسی بھی جزو یا کل کا سزاوار ٹھہرایا گیا ہو۔

..............O..............

باب-5

خلافت کی رُوحانی اور مادی جہتیں

یعنی

خلافتِ کُبریٰ

و

خلافتِ صُغریٰ

خلافتِ الٰہیہ' خلافتِ نبوی' خلافت راشدہ' خلیفۃ اللہ' خلیفۃ الرسول' خلافت و وراثت جیسی اصطلاحات کے ضمن میں موقعہ کی مناسبت سے کتاب میں متعدد دوسرے مقامات پر بھی ہم نے اپنے نقطۂ نگاہ کا اظہا کیا ہے مجرد ''خلافت'' عربی کا ایک مصدر ہے اور اس کا مادہ ''خلف'' ہے اور اسی سے ہے خلیفہ' جس کے لغوی معنی نیابت اور قائم مقامی کے ہیں۔ مفردات القرآن امام راغب اصفہانی میں ہے کہ یہ لفظ قرآن حکیم کے اختیارات لغویہ میں سے ہے یعنی ان لفظوں میں سے جن کو لغت میں عام معانی کیلئے استعمال کیا جاتا تھا مگر قرآنِ حکیم نے اپنے خاص مصطلحہ شرعی معنی کیلئے اختیار کیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تالیف ''مسئلہ خلافت'' میں اس خیال کا اظہار کیا ہے

کہ سب سے پہلے جو قوم اور قوم کا جو فرد خلیفہ ہوا' وہ زمین پر اللہ کی عدالت قائم رکھنے میں اللہ کی نیابت اور قائم مقامی رکھتا تھا۔ اس کے بعد والی قوم اپنے سابق کی نائب تھی اور ہر خلیفہ' سابق کا قائم مقام ٹھہرا۔ ظہور اسلام کے بعد جب ارضی خلافت کے وارث مسلمان ہوئے تو اس کے پہلے خلیفۃ اللہ صاحب وشارع اسلام تھے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور پھر ان کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ اسلام کی مرکزی حکومت آئی وہ اس خلیفۃ اللہ کے نائب اور قائم مقام ہوئے۔

الخلافۃ اوالامامۃ العظمٰی

ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے لئے مولانا ابوالکلام کے درج بالا فکری ونظری نتائج سے اتفاق ممکن نہیں' اس لئے کہ خلافت کی مسلمہ طور پر دو جہتیں ہیں' ایک روحانی اور دوسری مادی' ابوالکلام خود امام فخر الدین رازی کے اس نقطۂ نگاہ کا اپنی تالیف میں حوالہ دیتے ہیں کہ ''دینی اور دنیاوی امور میں اشخاص میں سے شخصِ واحد کی عام سرداری کا نام خلافت ہے''۔ اسی طرح مصر کے مشہور ومعروف مفتی محمد عبدہٗ کے شاگردِ خاص علامہ سیّد رشید رضا مدیر المنار قاہرہ' جن کا انتقال 22 اگست 1935ء میں ہو گیا تھا' نے اپنی تالیف ''الخلافۃ اوالامامۃ العظمٰی'' میں اگرچہ مولانا آزاد جیسے نظریات کا ہی اظہار کیا لیکن پھر بھی وہ اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ''اسلام ایک روحانی ہدایت اور اجتماعی و مدنی سیاست کا نام ہے''۔ لہٰذا ایسی حکومت یا سلطنت کو خلافت قرار نہیں دیا جا سکتا جو اپنے مسلمان شہریوں کی روحانی و دینی رہنمائی کی اہل نہ ہو یا اپنی اس بنیادی ذمہ داری سے گریز کی پالیسی اپنائے ہوئے ہو یا روحانی تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کے انتظامات کو اپنے فرائضِ منصبی کا بنیادی و لازمی جزو ہی شمار کرنے سے انکاری ہو۔ اور نہ ہی ایسے حکمران یا صاحب امر کو خلیفہ یا امیر المومنین کہا جا سکتا ہے کہ جو مذکورہ لادینی حکومت یا سلطنت کے سربراہ کے فرائض انجام دینے پر مامور ہو۔ اس زاویۂ نگاہ سے اگر مسئلہ زیرِ بحث کا جائزہ لیا جائے تو مسلمانوں کی گذشتہ چودہ سو سالہ تاریخ میں خلافت راشدہ کو چھوڑ کر کسی بھی سلطنت کو خلافت اور نہ ہی کسی حکمران کو خلیفہ کہا جا سکتا ہے۔ احادیثِ ثابتہ میں بھی خلافتِ راشدہ کے بعد کی حکومتوں کو کاٹ کھانے والی ملوکیتوں یا استبدادی بادشاہوں کا نام دیا گیا ہے۔ اندریں حالات و معانی یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ ایک حکومت کے بعد آنے والی دوسری حکومت کو خلافت یا محض امیر المسلمین ہونے کے دعویدار کسی حکمران کو اپنے سے پہلے آنے والے اپنے ہی جیسے استبدادی حکمران کے قائم مقام یا جانشین ہونے کے استحقاق کی بنا پر خلیفہ تسلیم کیا جائے؟ اسی طرح مولانا ابوالکلام کا یہ

کہنا بھی من وعن درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ ''ظہور اسلام'' کے بعد جب ارضی خلافت کے وارث مسلمان ہوئے تو اس کے پہلے خلیفۃ اللہ' محمد ﷺ ہوئے کیونکہ خلیفۃ اللہ کا منصب سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السّلام کو عطا ہوا' ازاں بعد یکے بعد دیگرے یہ منصب کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رُسل کو عطا ہوتے ہوئے ایک مربوط تواتر و تسلسل کے ساتھ سیّد المرسلین محمد رسول ﷺ تک پہنچا۔ حضور ﷺ اگرچہ جملہ انبیاء و رسل کے بعد تشریف لائے لیکن اپنے عظیم الشان اور عدیم النظیر مقام و مرتبہ کے اعتبار سے اور علاقائی کی بجائے عالمی منصب رسالت و نبوت پر فائز المرام ہونے کے باعث اور چونکہ اُن پر دین کی تکمیل ہوئی آپ ﷺ کو خلیفۃ اللہ فی العالم قرار دیا گیا۔

<u>حضور ﷺ جملہ انبیاءؑ میں خلیفۂ اعظم</u>: صاحب ''روح المعانی'' علامہ آلوسی سورۃ بقرہ کی آیت۔30 (**وَاِذقَالَ رَبُّكَ لِلمَلٰٓئِكَةِ اِنِّی جَاعِلٌ'' فِی الاَرضِ خَلِیفَة ہ** یعنی ''اور یاد کرو جب فرمایا تمہارے رب نے فرشتوں سے' میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب'') کی تفسیر کرتے ہوئے یہی استدلال فرماتے ہیں کہ ''حضور کریم ﷺ کی ذاتِ مقدس ہی حقیقت میں خلیفۂ اعظم ہے اور اگر یہ ذاتِ گرامی نہ ہوتی تو آدمؑ ہی پیدا نہ ہوتے بلکہ کچھ بھی نہ ہوتا''۔۔۔صاحب ضیا القرآن جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' ''**وَاِذقَالَ رَبُّكَ**'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس مقام پر ربّ مضاف ہے **كَ** ضمیر کی طرف جس کا مرجع ذاتِ پاک مصطفیٰ ﷺ ہے' اس اضافت میں جو لطف ہے اس کا صحیح ادراک صرف اہل محبت و عرفان کا خاصہ ہے''۔۔۔۔۔۔

حکومتوں اور سلطنتوں کی غرض و غایت

حکومت و فرمانروائی کسبی نہیں وہبی منصب ہے

قرآنِ حکیم کی جن آیاتِ کریمہ سے مولانا ابوالکلام اپنے نقطۂ نگاہ کو اخذ کرتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) ''اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا خلیفہ بنایا۔''(٦۔الانعام:١٦٥)

(۲) ''پس اگر تم نے روگردانی کی اور اپنا فرض ادا نہ کیا تو) میرا رب تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو دے دے گا۔''(اا۔ھود:٥٧)

(۳) ''پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو جانشین کیا تا کہ دیکھیں تم کس طرح کام کرتے ہو۔'' (۱۰۔یونس:۱۴)

(۴) ''اور یاد کرو اللہ نے تم کو قوم نوحؑ کا جانشین بنایا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا۔'' (۷:الاعراف:۶۹)

(۵) ''اے داوٗدؑ! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔'' (۳۸۔ص:۲۶)

درج بالا آیات پر غور وفکر کیا جائے تو سب سے پہلی بات جو روز روشن کی طرح عیاں نظر آتی ہے یہ ہے کہ اللہ بزرگ و برتر ہی وہ مالک کل اور حاکم مطلق (The Al-Mighty) ہے جو انسانوں کو بحیثیت قوم یا امت زمین پر حکومت و سلطنت عطا فرماتا ہے۔ گویا کہ حکومت و فرمانروائی کسبی یعنی کوشش سے حاصل کرنے والی چیز نہیں بلکہ وہبی یعنی عطائی منصب ہے۔

دوسری بات یہ واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ''خلیفۃ اللہ'' ہونا یعنی اللہ تعالیٰ کا براہ راست نائب یا قائم مقام مقرر ہونا۔ کلیتًا ایک الگ مقدس منصب اور ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔ جس کا لازمی تعلق دنیاوی نظم و انصرام، حکومت یا سلطنت سے ہرگز ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ نقلی و عقلی دلائل سے ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل میں سے صرف چند ایک پیغمبر ایسے ہیں جو بادشاہ بھی تھے اور ایسے اصحابِ عظمت کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ سوائے حضرت داوٗد علیہ السلام کے کسی دوسرے پیغمبر کا نام نامی بطور خلیفہ بمعنی بادشاہِ وقت لیا ہی نہیں گیا۔

تیسرا نکتہ جو اظہر من الشمس اور خصوصیت سے غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ مختلف قوموں کی بحیثیت مجموعی، حکومت و فرمانروائی کلیتًا مختلف مقاصد و معانی کی حیثیت رکھتی ہے جس کیلئے کائنات کے خالق نے الگ جو قواعد و ضوابط اور قوانین قدرت مقرر کر رکھے ہیں، انہیں کے مطابق وہ حکومت و سلطنت مختلف قوموں کو عطا فرماتا ہے۔

فلسفہ و تاریخ کا سرتاج علامہ ابن خلدون اپنی مؤلفہ تاریخ کے مقدمہ میں رقمطراز ہے کہ انسانی بقا کیلئے اجتماع ضروری ہے اور معاشرے کیلئے پنچ کا ہونا لازمی ہے، لہٰذا انسان کیلئے بادشاہ کا ہونا، اس کے طبعی خواص میں داخل ہے حتیٰ کہ اکثر جانوروں میں بھی رئیس ہوتے ہیں۔ حکومت کے قیام کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے ابن خلدون لکھتے ہیں کہ شہریوں کو حکومت باہمی ظلم و زیادتی اور کشت و خون سے روکتی ہے۔ خانہ بدوشوں کے سردار بھی اور قبیلوں کے چوہدری

بھی ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی سے منع کرتے ہیں علاوہ ازیں معاشرتی ضرورت یہ ہے کہ حکومت اسی قبیلے میں رہتی ہے جو سب سے زیادہ طاقتور ہو۔ اسی لئے خونی رشتے والے طاقتور خاندان پر غیر خاندان والا شخص حکمران نہیں بن سکتا۔ باہر کے شخص کو قبیلے میں عصبیت حاصل نہیں ہوتی اور عصبیت کی غرض و غایت ہی دراصل حکومت و سلطنت پر قبضہ کرنا یا رکھنا ہوتا ہے۔ پھر مختلف عصبیتوں میں طاقتور عصبیت ہی غالب رہتی ہے۔

حکومت کی غرض و غایت' اس کے قیام کی ضرورت اور اس کے استحکام وغیرہ سے متعلق ابواب میں طویل بحث و تمحیص کے بعد ابن خلدون استحقاقِ حکومت اور زوال حکومت کے قدرتی قواعد و اصول بیان کرتا ہے جن کا تعلق اسلام یا غیر اسلام یا مسلمان یا غیر مسلم ہونے سے نہیں بلکہ ایسے عام ضوابط پر ہوتا ہے جن پر عمل درآمد سے کسی بھی قوم کو برسر اقتدار آنے کا موقع حاصل ہو جائے جن میں سے ایک اصول یہ ہے کہ جب تک کسی قوم میں عصبیت ہے اس سے حکومت نہیں نکلتی ہاں اُسی خاندان میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ البتہ حادثات قدرت کے باعث بعض اوقات طاقتور حکومتیں بھی تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح رعایا کی کامرانی اور اُس کا مفاد بادشاہ کی ذات یا جسم یا اُس کی خوبصورت شکل و جسم و رُخ یا اُس کے علم کی وسعت یا اُس کے ذہن کی جدت سے متعلق نہیں ہوا کرتا بلکہ اُس کی بہبودی تو اس اضافت سے وابستہ ہوتی ہے جو بادشاہ کو رعایا سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ مملکت اور سلطنت ایک اضافی چیز ہے اور اس نسبت سے عبارت ہے جو نسبت والے دو شخصوں میں پائی جاتی ہے۔ نرمی اور خوش اخلاقی حکومت کی عمدگی کی جڑ ہے اسی لئے حضور ﷺ نے حکمرانوں کیلئے یہ سنہری اصول عطا فرمایا کہ اپنے میں سب سے کمزور کی رفتار پر چلو کیونکہ یہ بھی اصول ہے کہ بیدار مغز اور ذہین سلاطین میں نرمی نہیں ہوتی وہ رعایا پر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے رعایا مرتی ہے۔ غرض یہ کہ جہانبانی اور فرمانروائی کے جو عمومی اصول ہیں اُن کی پاسداری سے کوئی بھی شخص کامیاب حکمران بن سکتا ہے۔

علامہ ابن خلدون رقمطراز ہے کہ حکومت عصبیت کی ایک طبعی غرض و غایت ہے اور اسی سے حکومت وجود میں آتی ہے تاہم عصبیت میں اختیار کو ذرا بھی دخل حاصل نہیں۔ اسی لئے شارع علیہ السلام نے دینی محبت قائم کرنے پر ابھارا ہے اور اختلافات اور فرقہ بندی سے ڈرایا ہے کیونکہ شرعی اور مذہبی تحریکات (بلکہ ہر قسم کی جمہوری تحریکات) کی کامیابی کا دار و مدار عصبیت پر ہوتا ہے۔ البتہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کیلئے ہو تو اُس کی ہجرت اُسی طرف ہے ج

طرف اُس نے ہجرت کی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے محض حکمران بننے کی جدوجہد کی تو وہ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے شمار نہ ہوگی۔

مولانا ابوالکلام کے نزدیک عہد اجتماع و وائتلاف

مولانا ابوالکلام آزاد نے خلافت راشدہ کو عہد اجتماع و ائتلاف (یعنی عہدِ نبوت و خلافت) کے عام حکومت یا ملوکیت میں تبدیل ہونے کے عمل کو دور اشتات و انتشار (یعنی بادشاہی وملوکیت) سے تعبیر کیا ہے۔ اُن کا بجا طور پر یہ تجزیہ ہے کہ مسلمانوں میں اجتماع و وائتلاف کی کیفیت حضرت علی علیہ السلام پر کلیتاً ختم ہوگئی تو اس کے بعد سے اَشتات و انتشار کا دور شروع ہو گیا۔ جس سے فی الحقیقت امت کا تمام نظام شرعی واصلی درہم برہم ہوگیا۔ خلافت خاصہ (یعنی خلافتِ راشدہ کے بعد نبوت کا مقام جو تعلیم و تربیت امت کی مختلف قوتوں سے مرکب تھا وہ مختلف وجودوں میں تقسیم ہوگیا۔ قرآن کی رو سے فرائض نبوت میں تلاوت آیات، تزکیۂ نفوس، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت جیسے مناصب شامل تھے۔ خلفاءِ راشدین ان سب منصبوں میں وجود نبوت کے نائب تھے۔ گویا کہ جسموں کا نظام بھی انہی کے ہاتھوں میں تھا اور دلوں کی حکمرانی بھی انہی کے قبضہ میں تھی، یہی حقیقی اور کامل معنی منصب نبوت کی نیابت کے ہیں۔ اسی لئے ان کا وجود اور ان کے اعمال بھی اکمال نبوت کا ایک آخری جز و تھے کہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین اور اسی لئے وعضو اعلیھا بالنواجد کے حکم میں نہ صرف سنتِ عہد نبوت بلکہ خلافت راشدہ و خاصہ کی سنت بھی داخل ہوئی اور شرح اس سرّ الٰہی کی بہت طولانی ہے۔ مولانا آزاد آگے چل کر لکھتے ہیں کہ پہلے خلافت کی ایک ہی بیعت تمام مقاصد کی کفیل تھی لیکن خلافت ختم ہونے پر تزکیۂ نفوس اور ارشادِ قلوب کیلئے ایک دوسری بیعت مستقلاً قائم ہوئی جو بیعت توبہ وارشاد ہوئی۔ اس طرح اصحاب طریقت وتصوّف کی بنیاد پڑی۔

خلفاءِ راشدینؓ کے بعد حضور ﷺ کے وارث علماء وصلحاء

مولانا ابوالکلام آزاد کے نزدیک اسلام میں اولی الامر کی شان یہ ہے ٥ کہ اس کی معیت ٥ اس کی رفاقت ٥ اس کی اطاعت ٥ اس کی حرکت ٥ اُس کے سکون پر سکون ٥ اُس کی طلب پر لبیک ٥ اس کی دعوت پر انفاق جان و مال، ہو۔ اسلام کی اصطلاح میں اسی قومی مرکز کا نام

خلیفہ اور امام ہے۔۔۔۔۔ہم سمجھتے ہیں خلفاءِ راشدینؓ کے بعد رسول ﷺ کے وارث علماء وصلحاء ہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے فرائض نبوت کو پورا کر کے دکھایا اور اولی الامر کی حیثیت سے اپنا لوہا منوایا ان کے ہاں التزام جماعت بھی ہے اور اطاعت امیر بھی۔ کیا یہ حیرت انگیز امر نہیں کہ جہاں جہاں یہ لوگ نبوت کی نیابت کے فرائض انجام دیتے رہے یا دے رہے ہیں ان میں باہمی طور پر ہمیشہ تعاون واتحاد یعنی اجتماع وائتلاف کا ماحول قائم ہے نسل انسانی ہر جگہ ان سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ قرآن حکیم کی ترتیل' تزکیۂ نفوس' تعلیم کتاب وحکمت کے ذریعے خلافتِ ارضی کے مقاصد اس شان سے پورے ہو رہے ہیں کہ غیر مسلم بھی انہی صوفیہ وصلحاء کا احترام کرتے ہیں اور دنیائے اسلام کی آبرو وبھرم ان کے دم قدم سے قائم ودائم ہے۔ امت میں اتفاق واتحاد کا یہ عالم ہے کہ اہل تشیع بھی صوفیہ کی محافل میں بیٹھتے اور ان سے فیض یاب ہونے کو سرمایۂ آخرت تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں فرقہ بندیوں کے مفاسد موجود نہیں۔

اولی الامر کی حیثیت سے اولیاء اللہ کا مقام اور خلافت کا تسلسل

درج بالا بحث وتمحیص سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح (Crystalclear) ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ خلافت ارضی سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی ہدایت وسعادت کیلئے ایک منضبط نظام وجود میں لایا جائے' ایک ذمہ دار قوم یا حکومت قائم ہو' جو اللہ کے احکام پر نوع انسانی کو چلانے کا اہتمام وانتظام کرے۔ نسلِ انسانی کو ظلم وجور اور ظلالت وطغیان سے باز رہنے پر آمادہ کرے یا حکومت کی صورت میں وہ ان کو انسان پر ظلم وزیادتی سے باز رکھے۔ تاکہ ایک عام امن وسکون اور راحت وطمانیت دنیا میں پھیل جائے اور زمین کا گوشہ گوشہ سعادت وامن وسکون کی ایک بہشت زار بن جائے۔۔۔۔۔ یہ سب کچھ اگرچہ قیام حکومت وسلطنت سے بھی ہو سکتا ہے' جسے علمائے دین نے فرض کفایہ قرار دیا ہے چنانچہ ابن خلدون کا کہنا ہے کہ امام کا تقرر واجب ہے اور اس پر اجماع ہے لیکن یہ فرض' فرض کفایہ ہے اور ارباب حل وعقد ہی پر فرض ہے اور انہیں کیلئے متعین ہے اور تمام باقی مخلوق پر امام کی اطاعت واجب ہے۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو' اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے ارباب امر کی اطاعت کرو۔ لیکن دوسری جانب حضور ﷺ کی پیش گوئی بھی ہے جس کے مطابق عہد نبوت ورحمت کے بعد خلافت ورحمت (خلافتِ راشدہ) کا دور ہے جو بقول ابوالکلام حضرت امیر علیہ السلام پر ختم

ہو گیا۔ ازاں بعد تیسرا دور مسلمانوں کی بادشاہت یا ملوکیت کا شروع ہوا' پھر غیر مسلموں کا استبدادی دور اسی سے مخلوط ہوا۔ آخری دور پھر سے خلافت علیٰ منہاج النبوت کا دور ہوگا۔ اس موضوع پر ہم کتاب میں کسی دوسرے مناسب موقع پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضور ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق خلافت کا دور تو 30 سال تک جاری رہنا تھا۔ اس کے بعد ملوکیت کا دور آنا ہی تھا' جو آیا' تو خلافت کے تسلسل و تواتر کو روحانی سطح پر اولی الامر اولیاء اللہ کی قیادت میں جاری و ساری رکھنے کا خلفائے راشدین کی طرف سے خصوصاً اور صحابہ کرام کی طرف سے عموماً اہتمام ہوا۔

خلافت کی روحانی جہت کو ہمیشگی حاصل ہے

جیسا کہ اوپر بیان ہوا خلافت کی دو جہتیں ہیں روحانی اور مادی' انسان کا مقصد وجود اگر اخروی کامیابی ہے اور دنیا اگر آخرت کی کھیتی ہے تو اصل حقیقت تو یہ ہوئی کہ انسان اپنی روحانی' اخروی اور ابدی زندگی کو سنوارے رکھنے پر توجہ دے' مادی زندگی تو فانی ہے اس لئے اس پر زیادہ توجہ دینا یا مادی کامیابیوں کو روحانی بالیدگی پر ترجیح دینا احمقانہ فکر و عمل کے مترادف ہوگا۔ انسان کا اپنا جسم اور کائنات کی ہر شے انسان کے تصرف و اختیار میں تو صرف اور صرف اسلئے دی گئی تھی کہ وہ انہیں اخروی فلاح و کامرانی کیلئے استعمال کرے نہ یہ کہ مادی ترقی اور کامیابیوں کیلئے وہ اپنی روحانی و ابدی زندگی کو تباہ برباد کرے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت و سلطنت بھی خلافت کی ایک مادی و فانی جہت ہے' روحانی و ابدی کامیابی و کامرانی کی قیمت پر اس کا حصول نادانی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کی پیش گوئی کے عین مطابق جب 30 سال کی مدت میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ختم ہوا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور ہی سے دین و ایمان کو برباد کرنے والے فتنوں کا ظہور شروع ہو گیا' اور یہ سب کچھ بھی خود مخبر صادق علیہ السلام کی پیشین گوئیوں کے عین مطابق ہوا' تو اہل اللہ نے حکومتی بکھیڑوں کو دنیاداروں کیلئے چھوڑ کر خود کو رجوع الی اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ رکھنے میں ہی اپنے دین ایمان کی خیر سمجھی اور یہ بھی انہوں نے حضور ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق کیا۔ ذخیرہ احادیث میں کتاب الفتن کے اندر صلحائے امت کیلئے یہ لائحہ عمل خود حضور ﷺ کا اپنا تجویز کردہ تفصیل سے موجود ہے (دیکھے مشکواۃ المصابیح' جلد دوم۔ ہم اس باب کی احادیث زیر نظر تالیف میں مناسب مقام پر پیش کریں گے)۔

اولیاء اللہ خلافت کی مادی جہت سے کیوں گریزاں رہے؟

تاریخ کے اس مرحلہ پر صلحائے امت اولیاء اللہ نے خلافت کی مادی جہت سے گریز کرنے اور حکومت و سلطنت کے حصول کیلئے شر و فساد برپا کیے رکھنے پر اپنے دین و ایمان کو بچالیجانے کا فیصلہ کیوں کیا' اس کیلئے اُن کے پاس قوی دلائل موجود تھے۔ اس ضمن میں بھی حضور ﷺ کے ارشادات میں اُن کیلئے رہنمائی موجود تھی' حکومت و سلطنت کے شیدائی اور اس کی حرص و ہوس رکھنے والے لوگوں کی آنکھیں نبی ﷺ کی طرف سے مہیا کردہ رہنمائی سے کیوں بند رہیں' اس سے ہمیں سروکار نہیں۔ اہم احادیث مُشتے نمونہ از خروارے پیش ہیں

احادیثِ مبارکہ میں دنیا پرستی کی تکذیب

- حضرت مستور بن شدادؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: واللہ! آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دریا میں انگلی ڈالے اور پھر دیکھے کہ انگلی کیا چیز لے کر واپس آئی ہے۔" (مسلم)
- حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ بکری کے ایک مردہ بچے کے قریب سے گزرے جس کے چھوٹے چھوٹے کان تھے۔ آپ نے پوچھا: یہ میمنا کوئی ایک درہم میں لینا پسند کرتا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا' ہم کسی چیز کے بدلے نہیں لینا چاہیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی یہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جتنا تمہاری نظر میں یہ میمنا ذلیل ہے"۔ (مسلم)۔
- حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں' رسول ﷺ نے فرمایا کہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت" (مسلم)۔
- حضرت عمر بن عوفؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اللہ تعالیٰ کی میں تمہارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا' بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ کی جائے گی' جس طرح اُن لوگوں پر کشادہ کی گئی تھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ پھر تم دنیا کی طرف رغبت کرو گے اور یہ تم کو ہلاک کردے گی" (بخاری و مسلم)۔
- حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! تو محمد ﷺ کی آل کو صرف اتنا رزق عطا فرما جو ان کی جان بچائے اور بدن کی قوت قائم رکھے"۔ (بخاری و مسلم)۔

- حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غنا' اسباب وسامان کی زیادتی پر نہیں بلکہ غنا' دل کی دولت مندی پر ہے''۔ (مسلم و بخاری)۔
- حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آدم کے بیٹے تو اپنے دل کو اچھی طرح مطمئن اور فارغ کر لے میری عبادت کیلئے۔ میں تیرے دل میں غنا بھر دونگا اور فقر واحتیاج کے سوراخوں کو بند کر دوں گا''۔ (احمد۔ ابن ماجہ)۔
- حضرت جابرؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے عبادت اور اطاعت الٰہی میں کوشش کا ذکر کیا گیا اور ایک اور شخص نے پرہیز گاری کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: تو اسے پرہیز گاری کے برابر نہ ٹھہرا۔ (ترمذی)۔
- حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار' دنیا ملعون ہے اور جو چیز دنیا کے اندر ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے ذکر الٰہی اور اُس چیز کے جسے اللہ پسند کرتا ہے اور عالم اور طالب علم'' (ترمذی۔ ابن ماجہ)
- حضرت سہیلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دنیا' اللہ کی نظر میں مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت رکھتی تو وہ اس میں سے کافر کو ذرا بھی نہ دیتا۔ (احمد' ترمذی' ابن ماجہ)
- حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اپنے پیشے میں اتنے نہ پھنسو کہ دنیا کی طرف رغبت کا سبب بن جاؤ۔'' (ترمذی۔ بیہقی)
- حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا تم اُس چیز کو اختیار کرلو جو باقی رہنے والی ہے اور فنا ہونے والی چیز کو چھوڑ دو۔ (احمد' بیہقی)
- حضرت کعب بن مالکؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو بھوکے بھیڑیئے جنہیں بکریوں میں چھوڑ دیا جائے اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا انسان کی حرص جاہ و دولت' حرص دین کو نقصان پہنچاتی ہے''۔ (ترمذی' دارمی)
- حضرت عثمانؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان چیزوں کے سوا آدم کے بیٹے کا کسی چیز پر کوئی حق نہیں (۱) رہنے کیلئے گھر (۲) تن ڈھانپنے کیلئے کپڑا (۳) خشک روٹی (۴) اور پانی۔ (ترمذی)
- حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ بوریئے پر سوئے' سو کر اُٹھے تو آپؐ کے بدن

پر بوریئے کے نشان تھے۔ ابن مسعودؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ! اگر آپؐ حکم دیتے تو ہم آپ کیلئے فرش بچھا دیتے اور کپڑے بنا دیتے۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا مطلب! میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوار کسی درخت کے نیچے کھڑا ہو کر سائے سے فائدہ اُٹھالے اور پھر چل دے اور درخت کو وہیں چھوڑ دے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)۔

- حضرت مقدام بن معدیکربؓ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: آدمی کیلئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں۔ اگر پیٹ بھرنا ہی ضروری ہو تو پیٹ کے تین حصے کرے، ایک حصے میں کھانا، دوسرے میں پانی اور تیسرا حصہ سانس کے لئے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)
- حضرت کعب بن عیاضؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ہر قوم اور امت کیلئے ایک فتنہ (آزمائش) ہے، میری امت کا فتنہ مال ہے۔ (ترمذی)
- حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا جس بندے نے دنیا میں زہد اختیار کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں حکمت پیدا کی اور زبان کو گویا کیا۔ اسے دنیا کے عیوب اور بیماریاں اور اُن کا علاج اسے سمجھایا اور پھر اسے دنیا کی سلامتی کے ساتھ دارالسلام کی طرف لے گیا'' (بیہقی)
- حضرت اُم درداؓ کہتی ہیں میں نے ابودرداؓ سے کہا، تمہیں کیا ہوا کہ تم مال و منصب، رسول اللہ ﷺ سے طلب نہیں کرتے، جیسے فلاں فلاں مانگتا ہے، ابودرداؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تمہارے لئے ایک دشوار گزار گھاٹی ہے اس سے وہ لوگ نہیں گزر سکتے جو گراں بار ہیں، اس لئے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اس گھاٹی پر چڑھنے کیلئے ہلکا رہوں۔ (بیہقی)
- حضرت جبیر بن نفیرؓ مرسلاً روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے وحی کے ذریعے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں مال جمع کروں یا تجارت کروں بلکہ یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کر، سجدہ کرنے والوں میں سے ہو اور اپنے پروردگار کی

عبادت کر۔ یہاں تک کہ تجھے موت آئے۔ (مشکواۃ)۔

o حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ دنیا پشت ادھر کیے کوچ کر رہی ہے اور آخرت مُنہ ادھر کیے ہوئے چلی آ رہی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں۔ تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹوں میں سے نہ بنو۔ آج عمل کا دن ہے اور کوئی حساب نہیں اور کل حساب کا دن ہے عمل کا نہیں۔ (بخاری)۔

بادشاہ نہ ہونے کے باوجود بادشاہوں کے آقا

خلافت کی روحانی اور مادی جہتوں کے بیان میں ہم نے اس امر کی وضاحت کرنے کی کوشش کی کہ صلحاء امت نے دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھتے ہوئے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کو اپنا شعار بنائے رکھا جو اگرچہ بہت ہی مشکل کام تھا لیکن اپنے نفس اور شیطانی تحریصات کو اپنے قریب نہ آنے دیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ فکری و نظری اعتبار سے قرآن و سنت کا منشاء و مقصود ہی اسی طرزِ عمل کو سمجھتے تھے اور اس امر پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ قرآن حکیم کے مطابق زمین کی تمکین یعنی طاقت و عظمت کا جماؤ اور قیام حکومت و سلطنت کے براہ راست حصول کے بغیر بھی ممکن ہے۔ اُن کے پیشِ نظر سرزمین فراعنہ میں کنعان کے ایک اسرائیلی نوجوان کا اسوہ بھی روز روشن کی طرح عیاں تھا کہ جب وہ غلامی کی حالت میں وہاں فروخت کیا گیا لیکن اپنے عملِ صالح اور حق و انصاف کی قوت سے بادشاہ نہ ہوتے ہوئے بھی حکمرانِ وقت سے عدل و انصاف پر مبنی احکام جاری کراتا رہا، پھر ایک دن آیا کہ مصر کے تاج و تخت کا مالک ہو گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو قرآنِ عظیم میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ۔ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ۔ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۲۔ یوسف: ۵٦)	(اسی طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ملک کا قبضہ دے دیا کہ وہ جہاں کہیں چاہے رہے سہے۔ ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں۔ ہم نیکو کاروں کا ثواب ضائع نہیں کرتے)۔

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں ایسی قدرت و طاقت عطا کی کہ بادشاہ وہی کچھ کرتا جس کا حکم حضرت یوسف علیہ السلام کرتے اور

سرزمین مصر میں اس طرح تصرف کرتے جس طرح انسان اپنے گھر میں کرتا ہے اور جہاں چاہے جاتے اور جہاں چاہے رہتے۔ پورا مصر اُن کے زیرِ نگیں تھا۔ گویا کہ ریان بن الولید برائے نام بادشاہ تھا حقیقت میں یوسفؑ ہی بادشاہی کر رہے تھے اور عزیز کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ بادشاہ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ گویا اجر تھا اُن کے صبر کا جو بھائیوں کے ظلم و ستم پر انہوں نے کیا اور ثابت قدمی کا جو زلیخا کی دعوت گناہ کے مقابلے میں انہوں نے اختیار کی اور اُس اولوالعزمی کا جو قید خانے کی زندگی میں اپنائے رکھی۔ صوفیۂ عظام اسی فکر و نظر کے مؤید مبلغ اور اسی اصول پر مبنی لائحہ عمل کے پیروکار ہیں تا آنکہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور اور حضرت مسیح موعود عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا ورود ثانی نہیں ہوتا جن کے ذریعے پھر سے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا قیام و انصرام میں آنا مشیت ایزدی ہے اور جس کی واضح پیش گوئیاں احادیثِ مبارکہ میں موجود ہیں۔

حکومت نہ ہونے کے باوجود زمین کے وارث

صلحاءِ امت، اولیاء اللہ اور صوفیۂ عظام کو قرآنِ عظیم کی رو سے اس امر پر بھی بھرپور اعتماد، پختہ ایمان و ایقان اور شعور و آگہی حاصل رہی کہ اللہ علیم و خبیر کی رحمتِ بے پایاں کے صدقے انشاء اللہ تعالیٰ زمین کے وارث بالآخر وہی ٹھہریں گے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ م بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ ٥ إِنَّ فِي هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِينَ ٥
(۲۱۔الانبیاء:۱۰۵۔۱۰۶)

(اور یقیناً ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا ہے کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ یقیناً اس میں نصیحت ہے عبادت کرنے والوں کیلئے)

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مال و منالِ دنیا اور حکومت و سلطنت و بادشاہت فانی چیزیں ہیں۔ بڑے بڑے فرعون، نمرود، شداد اور دنیاوی جاہ و شوکت والے لوگ یہاں آئے اور چل دیئے۔ اس لئے ان چیزوں کا حصول یا ایسی آسائشوں اور قدرتوں کی عطا تو کوئی قابل فخر بات نہ ہوئی۔ چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات۔ اس لئے اصل نعمت و انعام یہ ہے کہ انسان کو دائمی حکومت و سلطنت و بادشاہت حاصل ہو۔ یہی وہ عطا ہے کہ جس کو دنیا کی وراثت سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی دنیا

سے اُٹھ جانے کے بعد جو راحت و آرام اور قدرت اللہ کے صالح بندوں کو حاصل ہو گی۔ ان آیات مبارکہ کی تشریح و تفسیر کرتے ہوئے صاحب ضیاء القرآن جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں:

''زبور اس آسمانی صحیفہ کا نام ہے جو حضرت داؤد پر نازل ہوا۔ الذکر سے مراد توراۃ ہے یعنی ہم نے اس حقیقت کو جس کا بیان ابھی آتا ہے زبور میں بھی لکھا اور اس سے پہلے تورات میں بھی۔ بعض حضرات نے زبور سے سارے آسمانی صحیفے مراد لیے ہیں اور الذکر کا معنی لوح محفوظ کیا ہے یعنی قدرت کا فیصلہ سب آسمانی کتابوں میں بھی مذکور ہے اور اس سے پہلے لوح محفوظ میں بھی یہ لکھا جا چکا ہے۔ بعض نے الذکر سے مراد قرآن پاک لیا ہے۔

جس زمین کی وراثت کا وعدہ صالحین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس سے مراد جنت کی سرزمین ہے جس طرح دوسری آیات میں اس کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ **قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ۔ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ** ۔ (39۔الزمر:74) کہ جب متقی لوگ گروہ در گروہ جنت میں داخل ہوں گے تو کہیں گے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا اور ہمیں زمین کا وارث بنایا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔ پس نیک کام کرنے والوں کیلئے بہترین اجر ہے۔

باقی رہی دُنیوی بادشاہی و حکومت تو وہ کبھی صالحین اور کبھی فاسقین کو دے دی جاتی ہے جس کا ذکر سورہ الاعراف کی آیت (۱۲۸) میں ہے۔ **ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ** ۔ زیر بحث آیت کو سامنے رکھ کر بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ فلاح و تقویٰ کا قرآنی معیار حکومت کا ہونا اور نہ ہونا ہے۔ ان کا یہ قول قرآن کریم کی صدہا تصریحات کے خلاف ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے ظالم، خونخوار اور نااہل لوگ تختِ شاہی پر متمکن رہے جن کے مظالم اور نااہلی سے ان کی اپنی قوم نالاں رہی۔ حصولِ حکومت کو صلاحیت کا معیار قرار دینے والے کیا ایسے فرمانرواؤں کو بھی صالح ہونے کی سند دیں گے؟ کیا ہٹلر کا نام اس کے اپنے ہم وطنوں میں آج ایک گالی بن کر نہیں رہ گیا۔ زندگی میں سٹالن کی پوجا کرنے والوں نے اس کے مرنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے اس کی ہڈیاں کریملن کے مقبرہ سے نکال کر باہر نہیں پھینک دیں؟

صحاح میں ہے البلاغ: **الکفایۃ** یعنی اس فرقان حمید میں جو احکام اور

ارشادات ہیں وہ انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کیلئے کافی ہیں۔ان پر عمل کرنے والا دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔اس پر ایمان لانے کے بعد مومن کو کسی دوسرے نظامِ حیات سے دریوزہ گری کی شرمندگی اٹھانی نہیں پڑتی یعنی من اتعظ بہابلغ مایر جومن الثواب۔(مظہری)''۔

دنیاوی حکومتیں اور سلطنتیں عارضی وفانی

سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۰۵ کی تشریح کرتے ہوئے صاحب تدبرِ قرآن مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:۔

''وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِي الزَّبُورِ مِنۡ بَعۡدِ الذِّكۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ (۱۰۵)''

زبور کے حوالہ کی وضاحت: اس آیت میں زبور کا حوالہ ہے۔زبور میں یہ بات یوں تو جگہ جگہ بیان ہوئی ہے کہ زمین کے وارث خدا کے نیک بندے ہی ہوں گے لیکن باب۔۳۷ تو پورے کا پورا گویا صرف اسی ایک حقیقت کی وضاحت کے لئے مخصوص ہے اس وجہ سے ہم یہ پورا باب یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ قرآن کے حوالہ کی صحت وصداقت بھی واضح ہو جائے۔یہ بھی معلوم ہو جائے کہ زمین کی وراثت سے یہاں کس زمین کی وراثت مراد ہے'نیز ''مِنۡ بَعۡدِ الذِّكۡرِ'' کا صحیح مفہوم بھی متعین ہو سکے کہ ''ذکر'' سے یہاں کس چیز کی طرف اشارہ ہے۔پہلے ہم زبور سے حضرت داوٗدؑ کا مزمور نقل کرتے ہیں۔اس کے بعد اس کی ان باتوں کی طرف اشارہ کریں گے جو آیت زیرِ بحث کی وضاحت کیلئے خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔

''تو بدکرداروں کے سبب سے بیزار نہ ہو۔اور بدی کرنے والوں پر رشک نہ کر۔کیونکہ وہ گھاس کی طرح جلد کاٹ ڈالے جائیں گے۔اور سبزہ کی طرح مرجھا جائیں گے۔خداوند پر توکل کر اور نیکی کر۔ملک میں آباد رہ اور اس کی وفاداری سے پرورش پا۔خداوند میں مسرور رہ۔اور وہ تیرے دل کی مرادیں پوری کرے گا۔اپنی راہ خداوند پر چھوڑ دے۔اور اس پر توکل کر۔وہی سب کچھ کرے گا۔وہ تیری راست بازی کو نور کی طرح۔اور تیرے حق کو دوپہر کی طرح روشن کرے گا۔خداوند میں مطمئن رہ اور صبر سے اس کی آس رکھ۔اُس آدمی کے سبب سے جو اپنی راہ میں کامیاب ہوتا۔اور برے منصوبوں کو انجام دیتا ہے بیزار نہ ہو۔قہر سے باز آ اور غضب کو چھوڑ

دے۔ بیزار نہ ہو۔ اس سے برائی ہی نکلتی ہے۔ کیوں کہ بدکردار کاٹ ڈالے جائیں گے۔ لیکن جن کو خداوند کی آس ہے ملک کے وارث ہوں گے۔ کیونکہ تھوڑی دیر میں شریر نابود ہو جائے گا۔ تو اس کی جگہ کو غور سے دیکھے گا پر وہ نہ ہو گا۔ لیکن حلیم ملک کے وارث ہوں گے۔ اور سلامتی کی فراوانی سے شادماں رہیں گے۔ شریر راست باز کے خلاف بندشیں باندھتا ہے۔ اور اس پر دانت پیستا ہے۔ خداوند اس پر ہنسے گا۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اس کا دن آتا ہے۔ شریروں نے تلوار نکالی اور کمان کھینچی ہے۔ تاکہ غریب اور محتاج کو گرا دیں۔ اور راست رو کو قتل کریں۔ ان کی تلوار ان ہی کے دل کو چھیدے گی۔ اور ان کی کمانیں توڑی جائیں گی۔ صادق کا تھوڑا سا مال۔ بہت سے شریروں کی دولت سے بہتر ہے۔ کیونکہ شریروں کے بازو توڑے جائیں گے۔ لیکن خداوند صادقوں کو سنبھالتا ہے۔ کامل لوگوں کے ایام کو خدا جانتا ہے۔ ان کی میراث ہمیشہ کیلئے ہو گی۔ وہ آفت کے وقت شرمندہ نہ ہوں گے۔ اور کال کے دنوں میں آسودہ رہیں گے۔ لیکن شریر ہلاک ہوں گے۔ خداوند کے دشمن چراگاہوں کی سرسبزی کی مانند ہوں گے۔ وہ فنا ہو جائیں گے۔ وہ دھوئیں کی طرح جاتے رہیں گے۔ شریر قرض لیتا ہے اور ادا نہیں کرتا۔ لیکن صادق رحم کرتا ہے اور دیتا ہے۔ کیونکہ جن کو وہ برکت دیتا ہے وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ انسان کی روشیں خداوند کریم کی طرف سے قائم ہیں۔ اور وہ اس کی راہ سے خوش ہے۔ اگر وہ گر بھی جائے تو پڑا نہ رہے گا۔ کیونکہ خداوند اسے اپنے ہاتھ سے سنبھالتا ہے۔ میں جوان تھا اور اب بوڑھا ہوں۔ تو بھی میں نے صادق کو بے کس۔ اور اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا۔ وہ دن بھر رحم کرتا ہے اور قرض دیتا ہے۔ اور اس کی اولاد کو برکت ملتی ہے۔ بدی کو چھوڑ دے اور نیکی کر۔ اور ہمیشہ تک آباد رہ۔ کیونکہ خداوند انصاف کو پسند کرتا ہے۔ اور اپنے مقدسوں کو ترک نہیں کرتا۔ وہ ہمیشہ کیلئے محفوظ ہیں۔ پر شریروں کی نسل کاٹ ڈالی جائے گی صادق زمین کے وارث ہوں گے۔ اور اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے۔ صادق کے منہ سے دانائی نکلتی ہے۔ اور اس کی زبان سے انصاف کی باتیں۔ اس کے خدا کی شریعت اس کے دل میں ہے۔ وہ اپنی روش میں پھسلے گا نہیں۔ شریر صادق کی تاک میں رہتا ہے۔ اور اسے قتل کرنا چاہتا ہے۔ خداوند اسے اس کے ہاتھ میں نہیں چھوڑے گا۔ اور جب اس کی عدالت ہو تو اسے مجرم نہ ٹھہرائے گا۔ خداوند کی آس رکھ اور اسی کی راہ پر چلتا رہ۔ اور وہ تجھے سرفراز کر کے زمین کا وارث بنائے گا۔''

ہمارے نزدیک زبور کے اسی مزمور کا قرآن نے یہاں حوالہ دیا ہے۔ اس مزمور پر غور

کیجئے تو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ اس کی نوعیت ایک ترکیب بندکی ہے جس میں پہلے موعظت و نصیحت کی باتیں آتی ہیں پھر بار بار ایک ترجیع یا ٹیپ کے بند کی طرح یہ بات آتی ہے کہ زمین اور ملک کے وارث خدا کے نیک اور متقی بندے ہوں گے' یہ اسلوب کلام قرآن کی سورۂ رحمٰن کے اسلوب سے مشابہ ہے جس میں "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" کی ترجیع ہے۔ خط کشیدہ فقروں پر نگاہ ڈالیے تو یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ یہاں صالحین و متقین کیلئے زمین کی جس وراثت کا ذکر ہے اس کے ساتھ یہ بشارت بھی ہے کہ یہ وراثت ابدی ہوگی۔ مثلاً فرمایا ہے۔ "ان کی میراث ہمیشہ کیلئے ہوگی" دوسری جگہ ہے "اور ہمیشہ تک آبادرہ" تیسری جگہ ہے "وہ ہمیشہ کیلئے محفوظ ہیں" چوتھی جگہ نہایت واضح الفاظ میں ہے۔ "اور صادق زمین کے وارث ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے"۔ ظاہر ہے کہ یہ ابدی وراثت کی بشارت اس زمین سے متعلق نہیں ہے جس پر ہم اور آپ آباد ہیں۔ اس کی نہ تو کوئی چیز ابدی ہے اور نہ اس کی وراثت صالحین و متقین کیلئے مخصوص ہے بلکہ یہ زمین اور اس کی ہر چیز فانی ہے اور اس میں نیکوں اور بدوں دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک مدت تک کیلئے یکساں مہلت بخشی ہے۔ جس کے بعد یہ آسمان و زمین میں دونوں فنا ہو جائیں گے۔ اور نئے نوامیس و قوانین کے ساتھ ایک جہانِ نو پیدا ہو جس کی ابدی وراثت صالحین و متقین کو حاصل ہوگی اور اہل باطل جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

بعینہ یہی بات قرآن سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ اسی سورہ کی آیت ۱۰۴ میں صاف تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دن اس آسمان کی بساط لپیٹ کر رکھ دے گا۔ سورۂ ابراہیم آیت ۴۸ میں آسمان و زمین دونوں سے متعلق یہ تصریح ہے کہ "یَومَ تُبَدَّلُ الاَرضُ غَیرَ الاَرضِ وَالسَّمٰوٰتُ" (اس دن کو نگاہ میں رکھو جس دن زمین دوسری زمین سے اور آسمان دوسرے آسمان سے بدل دیئے جائیں گے) اس بدلے ہوئے آسمان و زمین کے اندر بلاشبہ یہ قانون ہوگا کہ ان کی ابدی وراثت و بادشاہی صرف صالحین کو حاصل ہوگی۔ نافرمانوں کیلئے اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ یہ بات صرف زبور اور قرآن ہی سے نہیں بلکہ آسمانی صحیفوں اور تمام نبیوں اور رسولوں کی تعلیم سے ثابت ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن نے آیت زیر بحث میں زبور کے حوالہ سے واضح فرمایا ہے۔ زبو[ر] حضرت داؤد علیہ السلام پر اترے ہوئے نغمات الٰہی کا مجموعہ ہے۔ حضرت داؤدؑ' جیسا کہ ا[س] سورہ میں بیان ہوا ہے' نبی بھی تھے اور اس زمین کے ایک جلیل القدر بادشاہ بھی۔ ایک بادشاہ

زبان ہی سے یہ اعلان سب سے زیادہ موزوں ہوسکتا تھا کہ زمین کے حقیقی اور آخری وارث صرف اللہ کے نیک بندے ہی ہوں گے۔ جب ایک صاحبِ جبروت بادشاہ اس حقیقت کی منادی کر گیا ہے تو کسی دوسرے کیلئے اس میں مجالِ سخن کہاں باقی رہی۔"

اس وضاحت کے بعد اب آیت زیر بحث کے اجزاء پر غور کیجئے۔

"وَلَقَد كَتَبنَا فِی الزُّبُورِمِن بَعدِ الذِّكرِ" اوپر زبور کے باب ۳۷ کے حوالہ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ قرآن نے یہاں زبور کی جس تعلیم کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اس کے ایک مستقل باب میں نہایت تفصیل کے ساتھ، نہایت مؤثر انداز میں بیان ہوئی ہے اور یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ اسلوبِ بیان یہ اختیار فرمایا گیا ہے کہ اصل بات ترجیح و تکرار کے ساتھ اس طرح کہی گئی ہے کہ ہر بار اصل بات سے پہلے حکمت و موعظت کی نہایت اعلیٰ باتوں کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اس چیز کی طرف قرآن نے "مِن" بَعدِ الذِّكرِ" کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے۔ اس اشارے کی اہمیت یہ ہے کہ درحقیقت یہی نصیحتیں ہیں جن پر عمل زمین کی ابدی بادشاہی کا ضامن ہے۔

"اَنَّ الاَرضَ يَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُونَ"۔ یہ وہ اصل بات ہے جس کے لئے قرآن نے زبور کا حوالہ دیا ہے۔ زبور کے حوالوں سے یہ بات ثابت ہے کہ یہاں زمین سے مراد اس جہانِ نو کی زمین ہے جو قیامت کے بعد وجود میں آئے گی اور جس کے مالک و وارث بلا شرکت غیرے صرف اللہ کے نیکوکار بندے ہوں گے۔

"اِنَّ فِی هٰذَا البَلٰغًا لِقَومٍ عٰبِدِينَ (21۔الانبیاء:106)

لفظ "بَلَاغ" یہاں منادی عام اور بشارتِ عام دونوں کے مضمون کا حامل ہے اور لفظ کی تنکیر تفخیم شان کیلئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کا یہ فیصلہ کہ زمین کے وارث صرف خدا کے نیکو کار بندے ہی ہوں گے اس کے عبادت گزار بندوں کیلئے ایک عظیم اعلانِ بشارت ہے تو جس کو بازی کھیلنی ہو اس کیلئے بازی کھیلے، اس حیاتِ چند روزہ کے پیچھے اپنی ابدی بادشاہی کو کیوں ضائع کرے!

یہاں یہ بات بھی خاص طور پر نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی فکری و نظری اعتبار سے اُس گروہِ علماء و سیاسیین سے تعلق رکھتے ہیں جو حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی جدوجہد کو فرض عین خیال کرتے ہیں۔ اس گروہ کے ایک مسلمہ عالم دین کا یہ تسلیم

کرنا اور دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کرنا کہ دنیاوی حکومتیں اور سلطنتیں عارضی اور فانی ہیں اور اصل انعام تو دنیا کی وہ دائمی وابدی وراثت ہے جو مؤمنین وصالحین کا ہی حق ہے ایک بڑی بات ہے۔

سیّد مودودی کے نزدیک وراثتِ زمین کا حقیقی مفہوم

عصرِ حاضر میں علمائے سیاسیئین کے ایک اور سرگروہ سید ابوالاعلیٰ مودودی ہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ وہ بھی مولانا اصلاحی کی طرح تسلیم کرتے ہیں کہ حقیقی بادشاہت تو اخروی ہے۔ موصوف مذکورہ آیات کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اِس آیت کا مطلب سمجھنے میں بعض لوگوں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے اور اس سے ایک ایسا مطلب نکال لیا ہے جو پورے قرآن کی تردید اور پورے نظامِ دین کی بیخ کنی کر دیتا ہے۔ وہ آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ دنیا کی موجودہ زندگی میں زمین کی وراثت (یعنی حکومت وفرمانروائی اور زمین کے وسائل پر تصرف) صرف صالحین کو ملا کرتی ہے اور انہی کو اللہ تعالیٰ اس نعمت سے نوازتا ہے۔ پھر اس قاعدہ کلیہ سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ صالح اور غیر صالح کے فرق وامتیاز کا معیار یہی وراثت زمین ہے' جس کو یہ وراثت ملے وہ صالح ہے اور جس کو نہ ملے وہ غیر صالح۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھ کر اُن قوموں پر نگاہ ڈالتے ہیں جو دنیا میں پہلے وارث زمین رہی ہیں اور آج اس وراثت کی مالک بنی ہوئی ہیں۔ یہاں وہ دیکھتے ہیں کہ کافر' مشرک' دہریئے' فاسق' فاجر' سب یہ وراثت پہلے بھی پاتے رہے ہیں اور آج بھی پا رہے ہیں جن قوموں میں وہ تمام اوصاف پائے گئے ہیں اور آج پائے جاتے ہیں جنہیں قرآن صاف الفاظ میں کفر' فسق' فجور' معصیت اور بدی سے تعبیر کرتا ہے' وہ اس وراثت سے محروم نہیں ہوئیں بلکہ نوازی گئیں اور آج بھی نوازی جا رہی ہیں۔ فرعون ونمرود سے لے کر اس زمانے کے کمیونسٹ فرمانرواؤں تک کتنے ہی ہیں جو کھلم کھلا خدا کے منکر' مخالف' بلکہ مدِ مقابل بنے ہیں اور پھر بھی وارثِ زمین ہوئے ہیں۔ اِس منظر کو دیکھ کر وہ یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ قرآن کا بیان کردہ وہ قاعدۂ کلیہ تو غلط نہیں ہو سکتا' اب لامحالہ غلطی جو کچھ ہے وہ ''صالح'' کے اُس مفہوم میں ہے جو اب تک مسلمان سمجھتے رہے ہیں۔ چنانچہ وہ صلاح کا ایک نیا تصور تلاش کرتے ہیں جس کے مطابق زمین کے وارث ہونے والے سب لوگ یکساں ''صالح'' قرار پا سکیں' قطع نظر اس سے کہ وہ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ ہوں یا چنگیز اور ہلاکو۔

اس نئے تصور کی تلاش میں ڈارون کا نظریۂ ارتقاء ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور وہ قرآن کے تصورِ ''صلاح'' کو ڈاروینی تصورِ ''صلاحیت'' (Fitness) سے لے جا کر ملا دیتے ہیں۔

اس نئی تفسیر کی رو سے آیت زیر بحث کے معنی یہ قرار پاتے ہیں کہ جو شخص اور گروہ بھی ممالک کو فتح کرنے اور اُن پر زور و قوت کے ساتھ اپنی حکومت چلانے اور زمین کے وسائل کو کامیابی کے ساتھ استعمال کرنے کی قابلیت رکھتا ہو وہی ''خدا کا صالح بندہ'' ہے اور اس کا یہ فعل تمام ''عابد'' انسانوں کے لئے ایک پیغام ہے کہ ''عبادت'' اِس چیز کا نام ہے جو یہ شخص اور گروہ کر رہا ہے' اگر یہ عبادت تم نہیں کرتے اور نتیجہ میں وراثتِ زمین سے محروم رہ جاتے ہو تو نہ تمہارا شمار صالحین میں ہو سکتا ہے اور نہ تم کو خدا کا عبادت گزار بندہ کہا جا سکتا ہے۔

یہ معنی اختیار کرنے کے بعد ان حضرات کے سامنے یہ سوال آیا کہ اگر ''صلاح'' اور ''عبادت'' کا تصور یہ ہے تو پھر وہ ایمان (ایمان باللہ' بالیوم الآخر' ایمان بالرُّسل اور ایمان بالکتب) کیا ہے جس کے بغیر' خود اس قرآن کی رُو سے' خدا کے ہاں کوئی عملِ صالح مقبول نہیں؟ اور پھر قرآن کی اس دعوت کے کیا معنی ہیں کہ اُس نظامِ اخلاق اور قانونِ زندگی کی پیروی کرو جو خدا نے اپنے رسول کے ذریعہ بھیجا ہے؟ اور پھر قرآن کا بار بار یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ جو رسول کو نہ مانے اور خدا کے نازل کردہ احکام کا اتباع نہ کرے وہ کافر' فاسق' عذاب کا مستحق اور مغضوبِ بار گاہِ خداوندی ہے؟ یہ سوالات ایسے تھے کہ اگر یہ لوگ ان پر ایمانداری کے ساتھ غور کرتے تو محسوس کر لیتے کہ ان سے اس آیت کا مطلب سمجھنے اور صلاح کا ایک نیا تصور قائم کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ لیکن انہوں نے اپنی غلطی محسوس کرنے کے بجائے پوری جسارت کے ساتھ ایمان' اسلام' توحید' آخرت' رسالت' ہر چیز کے معنی بدل ڈالے تاکہ وہ سب اُن کی اس ایک آیت کی تفسیر کے مطابق ہو جائیں۔ اور اس چیز کو ٹھیک بٹھانے کی خاطر انہوں نے قرآن کی ساری تعلیمات کو اُلٹ پلٹ کر ڈالا۔ اس پر لطیفہ یہ ہے کہ جو لوگ ان کی اس مرمتِ دین سے اختلاف کرتے ہیں اُن کو یہ اُلٹا الزام دیتے ہیں کہ ''خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔'' یہ دراصل مادّی ترقی کی خواہش کا ہیضہ ہے جو لوگوں کو اس بُری طرح لاحق ہو گیا ہے کہ وہ قرآن کی معنوی تحریف کرنے میں بھی تامل نہیں کرتے۔

ان کی اس تفسیر میں پہلی بنیادی غلطی یہ ہے کہ لوگ ایک آیت کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جو قرآن کی مجموعی تعلیمات کے خلاف پڑتی ہے' حالانکہ اصولاً قرآن کی ہر آیت کی وہی تفسیر صحیح ہو

سکتی ہے جو اس کے دوسرے بیانات اور اس کے مجموعی نظامِ فکر سے مطابقت رکھتی ہو۔ کوئی شخص جس نے کبھی قرآن کو ایک دفعہ بھی سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کی ہے' اس بات سے ناواقف نہیں ہیں' اور ''صالح'' کو اگر ''صاحبِ صلاحیت'' کے معنی میں لے لیا جائے تو یہ ایک آیت پورے قرآن سے ٹکرا جاتی ہے۔

دوسرا سبب' جو اس غلطی کا موجب ہُوا ہے' یہ ہے کہ یہ لوگ ایک آیت کو اس کی سیاق و سباق سے الگ کر کے بے تکلف جو معنی چاہتے ہیں اس کے الفاظ سے نکال لیتے ہیں' حالانکہ ہر آیت کے صحیح معنی صرف وہی ہو سکتے ہیں جو سیاق و سباق سے مناسبت رکھتے ہوں۔ اگر یہ غلطی نہ کی جاتی تو آسانی کے ساتھ دیکھا جا سکتا تھا کہ اوپر سے جو مضمون مسلسل چلا آ رہا ہے' وہ عالمِ آخرت میں مومنین صالحین اور کفار و مشرکین کے انجام سے بحث کرتا ہے۔ اس مضمون میں یکا یک اس مضمون کے بیان کرنے کا آخر کونسا موقع تھا کہ دنیا میں وراثت زمین کا انتظام کس قاعدے پر ہو رہا ہے۔

تفسیر کے صحیح اصولوں کو ملحوظ رکھ کر دیکھا جائے تو آیت کا مطلب صاف ہے کہ دوسری تخلیق میں جس کا ذکر اس سے پہلے کی آیت میں ہوا ہے' زمین کے وارث صرف صالح لوگ ہوں گے اور اُس ابدی زندگی کے نظام میں موجودہ عارضی نظامِ زندگی کی سی کیفیت برقرار نہ رہے گی کہ زمین پر فاسقوں اور ظالموں کو بھی تسلط حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون سورۂ مومنوں آیات ۴۔۱۱ میں بھی ارشاد ہوا ہے۔ اور اس سے زیادہ صریح الفاظ میں سورہ زمر کے خاتمہ پر بیان کیا گیا جہاں اللہ تعالیٰ قیامت اور نفخ صورِ اوّل و ثانی کا ذکر کرنے کے بعد اپنی عدالت کا ذکر فرماتا ہے' پھر کفر کا انجام بیان کر کے نیک لوگوں کا انجام یہ بتاتا ہے کہ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۔ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ٥ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۔ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ٥ (39۔الزمر:73۔74) ''اور جن لوگوں نے اپنے رب کے خوف سے تقویٰ اختیار کیا تھا وہ جنت کی طرف گروہ در گروہ لے جائے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کیلئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائینگے اور اس کے منتظم ان سے کہیں گے کہ سلام ہو تم کو' تم بہت اچھے رہے' آؤ اب اس میں ہمیشہ رہنے کیلئے داخل ہو جاؤ۔ اور کہیں گے کہ حمد ہے اُس خدا کی جس

نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہم کو زمین کا وارث کر دیا' اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں پس بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کیلئے۔'' دیکھیے' یہ دونوں آیتیں ایک ہی مضمون بیان کر رہی ہیں اور دونوں جگہ وراثتِ زمین کا تعلق عالمِ آخرت سے ہے نہ کہ اس دنیا سے۔ سیّد مودودی زبور کے حوالے سے بھی وہی دلائل دیتے ہیں جو مولانا اصلاحی نے دیئے ہیں۔ تاہم آگے چل کر سیّد مودودی لکھتے ہیں: دنیا میں زمین کی عارضی وراثت جس قاعدے پر تقسیم ہوتی ہے اسے سورۂ اعراف میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ '' **اِنَّ الاَرضَ لِلّٰہِ یُورِثُھَامَن یَّشَآءُ مِن عِبَادِہٖ**''۔ (آیت ۱۲۸) ''زمین اللہ کی ہے' اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے' مشیّت الٰہی کے تحت یہ وراثت مومن اور کافر' صالح اور فاسق' فرماں بردار اور نافرمان' سب کو ملتی ہے' مگر جزائے اعمال کے طور پر نہیں بلکہ امتحان کے طور پر' جیسا کہ اسی آیت کے بعد دوسری آیت میں فرمایا'' **وَیَستَخلِفَکُم فِی الاَرضِ فَیَنظُرَ کَیفَ تَعمَلُونَ o** (آیت ۱۲۹)'''' اور وہ تم کو زمین میں خلیفہ بنائے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔'' اس وراثت میں دوام اور ہمیشگی نہیں ہے۔ یہ مستقل اور دائمی بندوبست نہیں ہے۔ یہ محض ایک امتحان کا موقع ہے جو خدا کے ایک ضابطے کے مطابق دنیا میں مختلف قوموں کو باری باری دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس آخرت میں اسی زمین کا دوامی بندوبست ہوگا۔ اور قرآن کے متعدد واضح ارشادات کی روشنی میں وہ اس قاعدے پر ہوگا کہ ''زمین اللہ کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے صرف مومنین صالحین کو اس کا وارث بنائے گا۔ امتحان کے طور پر نہیں' بلکہ اُس نیک رویے کی ابدی جزاء کے طور پر جو انہوں نے دنیا میں اختیار کیا۔

زمین اللہ کی' جسے چاہتا ہے وارث بناتا ہے: ابن کثیر

دیگر مفسرین قرآن کی بھی یہی متفقہ رائے ہے کہ اصل اور حقیقی دنیا چونکہ آخرت ہے اسلئے زمین کے وارث ہونے سے مراد اُس دنیا میں حتمی اختیار و قدرت ہے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جس طرح آخرت میں دیتا ہے اسی طرح دنیا میں بھی انہیں ملک و مال عطا فرماتا ہے اور یہ اللہ کا حتمی وعدہ اور سچا فیصلہ ہے جیسے فرمایا گیا: زمین اللہ کی ہے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے' انجام کار یہ پرہیزگاروں کا حصہ ہے دوسری جانب قرآن حکیم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ۝ (22۔الحج:41)

(یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے قدم جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوٰتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور بُرے کاموں سے منع کریں، تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے)

تمکین فی الارض کا اصل مقصد اللہ کی عبادت: ابوالکلام

مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ سے صاف طور پر یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ تمکین فی الارض یعنی حکومت کا مقصد اصلی قرآن کریم کے نزدیک کیا ہے؟ معلوم ہو گیا کہ صرف یہ مقصد ہے کہ اللہ کی عبادت دنیا میں قائم کی جائے۔ نیکی اور راستی کا اعلان وظہور ہو، برائی سے نوع انسانی کے دلوں اور ہاتھوں کو روک دیا جائے۔ قرآن میں (دوسری آیت میں اس کو خلافت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۪ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمۡ دِیۡنَهُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَهُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا ؕ وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝ (۲۴۔النور:۵۵)

(وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کئے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کیلئے ان کے دین کو جسے اُس نے پسند فرمایا ہے ان کے امن سے۔ وہ ضرور بدل دے گا ان کی حالتِ خوف کو امن سے وہ میری عبادت کرتے ہیں، کسی کو میرا شریک نہیں بناتے جس نے ناشکری کی اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں)۔

اگرچہ یہ آیت اللہ بزرگ و برتر کے ایک اصولی فیصلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ

اقبالؒ نے کچھ ایسی ہی کیفیت کا اظہار اس شعر میں کیا تھا کہ ؎

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

حضورؐ سے تمکین فی الارض کا وعدہ پورا ہو چکا: پیر کرم شاہ

لیکن درحقیقت مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں کیا گیا وعدہ خلافت راشدہ اور صحابہؓ کے دور میں پورا ہو چکا جیسا کہ جسٹس پیر کرم شاہ الازہری نے فرمایا کہ تاریخ کی ایک ناقابل تردید شہادت اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول مکرم ﷺ نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔ عہد رسالت میں ہی مکہ مکرمہ، حجاز، خیبر، بحرین اور جزیرہ عرب نے بارگاہ رسالت میں تحائف اور نذرانے ارسال کیے۔ حضور کریمؐ کی رحلت کے بعد عہد صدیقی میں فتنۂ ارتداد اور دیگر جھوٹے نبیوں کی لگائی ہوئی آگ بجھی اور ہر طرف امن وامان ہو گیا۔۔۔۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے بابرکت دور میں تو فتوحات کی انتہا ہو گئی۔ قیصر اپنی ایشیائی سلطنت سے دست بردار ہو کر قسطنطنیہ میں جا کر مقیم ہوا اور رومی مملکت کے ایشیائی حصہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ مصر بھی فتح ہوا۔ کسریٰ کی چار ہزار سالہ شان وشوکت خاک میں مل گئی۔۔۔۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں شمالی افریقہ کے ممالک فتح ہوئے۔ بحیرہ روم میں جزیرہ قبرص فتح ہوا۔ مشرق میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ چین کی سرحدوں تک پھیل گیا۔ (تفصیلات کیلئے دیکھیے ضیاء القرآن جلد سوم صفحات ۳۳۸ تا ۳۴۱)۔

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور اور امام مہدیؑ

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ درج بالا آیت اللہ بزرگ و برتر کے ایک اصولی فیصلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ خلافت راشدہ کی مدت جیسا کہ حضور ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق 30 سال طے تھی، ازاں بعد ملوکیت کا دور آنا تھا اور صدیاں بیت جانے کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی نشاۃ ثانیہ کی بھی حضورؐ ہی کی جانب سے پیشین گوئی موجود ہے جو حضرت امام مہدیؑ کے ذریعے اپنی تکمیل کو پہنچے گی (انشاءاللہ تعالیٰ) ہم قبل ازیں عرض چکے ہیں کہ ہمیں ابوالکلام کے اس نکتۂ نگاہ سے اتفاق نہیں ہے کہ سلسلۂ خلافت کا آغاز، ظہور اسلام سے ہوا۔ کیونکہ یہ نصِ صریح کے خلاف ہے۔ قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ہی اس سلسلہ خلافت کا آغاز ہو گیا تھا۔

شیطان نے نسلِ آدم کی اس فضیلت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور قیامت تک مہلت مانگی تا کہ وہ ثابت کر سکے کہ انسان اس قدر و منزلت اور منصب عالیہ و عظیمہ کا اہل نہیں ہے۔ اب اگر ہم ایک لمحہ کیلئے بھی یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ تسلسل و تواتر خلافت میں کوئی خلاء (Break) پیدا ہوا تو شیطان کو اُسی لمحے اس کے دعوے میں سچا تسلیم کرنا پڑے گا۔ لہٰذا اگر ہم خلافت سے مراد لازمی طور پر حکومت و سلطنت فی الارض لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ زمین کی حکومت و تسلط کے بغیر اسلام کا خلیفہ ہو نہیں سکتا جیسا کہ ابوالکلام آزاد اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے پیروکار ایسا ہی ثابت کرنے پر زور صرف کرتے رہے ہیں تو متعدد نصوص کی نفی لازم آتی ہے۔ قرآن حکیم میں تو جن و انسان کی تخلیق کا مقصد ہی عبادت بتایا گیا ہے۔ حکومت تو عارضی شے ہے' اس کے حصول کی جدوجہد میں عمر عزیز کو صرف کرنا تو محض نادانی ہے جبکہ یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت اور نصِ قرآنی ہے کہ اللہ اگر چاہے گا تو وہ حکومت و سلطنت خود ہی عطا فرما دے گا جو کہ اللہ کا وعدہ ہے علاوہ ازیں حکومت و تسلط فی الارض اگر حاصل ہو جائے تو اُس کا مقصد ابوالکلام کے نزدیک بھی صرف اور صرف یہی ہے کہ اللہ کی عبادت دنیا میں قائم کی جائے' نیکی اور سلامتی کا اعلان و ظہور ہو' برائی سے نوع انسان کے دلوں اور ہاتھوں کو روکا جائے۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہمارے مذکورہ مفکرین اور دانشوروں کو سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ خلافت کے اصل مقصود کو ہمیں پیش نظر رکھ کر اس کے معانی و مطالب کو متعین کرنا چاہیے چنانچہ جس طرح اسلام میں تزکیۂ نفوس و قلوب کو جہادِ اکبر اور قتال فی سبیل اللہ کو جہاد اصغر سے تعبیر کیا گیا ہے' اسی طرح ہم خلافت کی روحانی جہت کو جس کا آغاز آدم علیہ السلام سے ہوا اور جس کی تکمیل امام مہدی علیہ السلام پر ہوگی اپنے دائمی تسلسل و تواتر کے باعث خلافتِ کبریٰ سے تعبیر کریں گے' جب کہ زمین پر تسلط و حکومت اللہ کی مشیت کے مطابق عطا ہوتی ہے اور عارضی شے ہے وہ چاہے تو عطا فرمائے' چاہے فاسق و فاجر حکمرانوں کو ہمارے اوپر مسلط کئے رکھے۔ لہٰذا حکومت کو ہم خلافتِ صغریٰ کہہ کر پکاریں تو فکر و نظر عقلیہ و نقلیہ سے وہ ابہام دور ہو جائے گا کہ آیا ایسا بھی ہوا کہ شیطان اپنے دعوے میں سچا ثابت ہو سکا! جیسا کہ ہم اوپر دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ خلیفۂ اعظم ہیں جب کہ ہر نبیؑ اور رسولؑ خلیفۃ اللہ ہے۔ ختم نبوت کے بعد خلفاء راشدینؓ کا دور اور بعد ازاں صلحاء امت' اولیاء اللہ یعنی صوفیہ عظام کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے حضرت امام مہدیؑ کے ظہور تک تسلسل و تواترِ خلافت کے اس نظام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔

''ظہور اسلام'' کے بعد اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ آپ ﷺ پہلے خلیفۃ اللہ تھے تو لامحالہ ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ اُن کے بعد بھی انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری رہنے کا امکان ہو سکتا ہے حالانکہ اجماع امت اور نصوصِ قطعی موجود ہیں کہ سلسلۂ انبیاء و رسل اپنی تکمیل کو پہنچ کر ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ یہ بھی واضح ہوا کہ جس طرح حضور ﷺ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں اسی طرح اُن کے بعد اب کوئی بھی شخص خلیفۃ اللہ کہلانے کا مجاز نہیں اس لئے خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے جب پوچھا گیا کہ آپ خلیفۃ اللہ ہیں تو آپ نے فرمایا کہ نہیں' بلکہ آپ مجھے خلیفۂ رسول یا امیر المؤمنین کہہ سکتے ہیں۔

خلافت کبریٰ کے تسلسل میں شمولیت کی اہلیت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلافت کبریٰ کے تسلسل میں شمولیت کا اہل بننے کا پیمانہ کیا ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔ اسے سمجھنے کیلئے پہلے ہمیں انسان اور اس کے خالق کے مابین تعلق کا کھوج لگانا ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت کے منصب کا اہل قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے نائب کو انہی اوصاف جلیلہ کا پرتو ہونا چاہئے جو اوصاف عالیہ خود اللہ بزرگ و برتر کے ہیں اسی لئے کہا گیا ہے کہ **تخلقو به اخلاق الله۔**

مذکورہ اوصاف و اخلاق اللہ' ان جملہ اسموں سے ظاہر ہیں جن کا علم آدم و ذریت آدم میں ودیعت کر کے اول روز ہی سے فرشتوں کے روبرو اس کا امتحان لے کر ثابت کر دیا گیا تھا کہ وہ اس امتحان میں پورا اترنے کی صلاحیت رکھتا ہے چنانچہ فرشتوں کو یہ کہنا پڑا تھا کہ اے اللہ تیری ذات پاک ہے اور یقیناً تو سب کچھ جانتا ہے جو ہم نہیں جانتے۔ ان اسموں کی تفصیل کیا ہے؟ یہی کہ اللہ رحیم ہے' کریم ہے' نصیر ہے' خبیر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب انسان کی دوڑ کیا ہے؟ کہ انہی اوصاف حمیدہ کا خود کو مظہر بن کر دکھائے تا کہ وہ خلافت کا اہل قرار پائے۔ جب کہ ابلیس کا کام (جو خود اس نے تا قیامت اپنے ذمہ لے رکھا ہے) یہ ہے کہ وہ ان اوصاف کو انسان میں جڑ پکڑنے کا موقع نہ دے۔ لیکن جو انسان جملہ اوصاف کا رنگ اپنے اوپر چڑھانے میں کامیاب ہو جاتا ہے' وہ گویا کہ صبغۃ اللہ میں رنگا جاتا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا'' کہہ دو کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا ہے'' (2۔البقرہ:138) آیت مبارکہ میں اس عقل و شعور اور فطرت انسانیہ کی طرف اشارہ ہے' کہ جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر پیدا کر رکھی ہے اور اس کے

ذریعے وہ بہا نم سے ممتاز ہوتا ہے۔ نصاریٰ کے ہاں دستور تھا کہ جب بچہ پیدا ہوتا تو وہ ساتویں روز اسے ''عمودیہ'' یعنی زرد رنگ کے پانی میں غوطہ دیتے اور اس کا نام ''صبغتہ'' یعنی ''دین'' رکھتے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے دین کو ''**صبغته الله**'' کہا اور فرمایا'' **ومن احسن من الله صبغته** (138:2) اور اللہ تعالیٰ سے بہتر رنگ یعنی دین کس کا ہوسکتا ہے'') پھر یہی انسان کامیاب قرار پاتا ہے اور کامیاب قرار دیئے گئے گروہ کا حصہ بن جاتا ہے۔ چونکہ کامیاب انسانوں کے سر سلسلہ آدم علیہ السلام ہیں اس لئے نسل آدم کی جملہ کامیابیاں جمع ہوکر ایک ہی خلافت کبریٰ کا حصہ قرار پائیں گی۔

اس گفتگو کی ابتدا میں ہم نے کمزور اور مضبوط، مختصر یا وسیع اور موثر یا کم موثر حلقہ ہائے اثر کا جو تذکرہ کیا تھا اب اگر آپ اس پر غور فرمائیے گا تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ ہر انسان کی کوشش چونکہ ایک ہی کل کا جزو سمجھی جاتی ہے اسلئے اس کا حصہ اپنی جگہ بہت اہم یا کم اہم سہی لیکن کل کے جزو کے طور پر اس کی اپنی ایک حیثیت ہر حال میں بن جاتی ہے بلکہ اقبالؒ نے تو کہا ہے: ''قطرے کی آبرو ہے فنا'' اور یہ بھی کہ ۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ' موج ہے دریا میں' اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

دورِ حاضر کے صوفی منش شاعر احمد ندیم قاسمی نے کیا خوب کہا:

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا

اس کیفیت کی مثال یوں سمجھیں' لکڑی کے ساتھ لوہا بھی پانی میں تیرنے کی صلاحیت حاصل کرلیتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ موجودہ انسان کی حیثیت یقیناً یہ ہے کہ جملہ احکام کا نفاذ اور خلافت کو جاری وساری رکھنے کا اہتمام وانصرام اسی کے ذریعے ہوتا ہے۔ لیکن روحانی سلاسل کی کڑیاں قرار پائے ہوئے اولیائے کرام اور بزرگ بھی جو ظاہری زندگی سے پردہ فرما چکے ہوں اپنے روحانی فیضان سے نسلِ انسانی کے اذہان وقلوب کو جلا بخشنے کا وسیلہ بنے رہتے ہیں۔ (قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے: ''اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ' اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ سورہ المائدہ کی اس آیت نمبر 35 کی تشریح میں جسٹس پیر کرم شاہ الازہری، ضیاالقرآن میں لکھتے ہیں:

''ابن منظور لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **الوسيلة فى الاصل مايتوصل به الى الشيىء و يتقرب به اليه** (لسان العرب) یعنی جس چیز کے ذریعہ

کسی تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل ہو اسے وسیلہ کہتے ہیں و **الوسیلة کل ما یتقرب بہ** (کشاف)۔ ایمان، نیک اعمال، عبادت، پیروی سنت اور گناہوں سے بچنا' یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں اور مرشد کامل جو اپنی روحانی توجہ سے اپنے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے۔ دل میں یاد الٰہی کی تڑپ پیدا کردے' اس کے وسیلہ ہونے میں کون شبہ کرسکتا ہے؟ کاملین امت نے ایسے مرشد کی تلاش میں سینکڑوں، ہزاروں کوس کی مسافت کو پاپیادہ طے کیا ہے۔ اور ان کی رہنمائی اور دستگیری سے آسمانِ معرفت و حکمت پر مہر و ماہ بن کر چمکے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے (قول جمیل صفحہ 32) اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ اسمٰعیل صاحب دہلوی کو بھی لکھنا پڑا: اہل سلوک ایں آیت را اشارت بسلوک مے فہمند و وسیلہ مرشد را مے دانند۔ پس تلاش مرشد بنا بر فلاح حقیقی و فوز تحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری ست و سنت اللہ برہمیں منوال جاری ست لہذا بدون مرشد راہ یابی نادر است (صراط مستقیم) یعنی سالکان راہ حقیقت نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے پس حقیقی کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لئے مجاہدہ و ریاضت سے پہلے تلاش مرشد ازبس ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے سالکان راہ حقیقت کے لئے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ اسی لئے مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ و نادر ہے۔

مولوی ہرگز نشد مولائے روم ۔۔۔ تا غلام شمس تبریزی نہ شد (رومیؒ)

دم عارف نسیم صبحدم ہے ۔۔۔ اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیب آئے میسر ۔۔۔ شبانی سے کلیمی دو قدم ہے (اقبالؒ)

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے تقویٰ اختیار کرنے، وسیلہ تلاش کرنے کے علاوہ ہر دم مصروف جہاد رہنا بھی ضروری ہے جہاد اصغر بھی اور جہاد اکبر بھی۔ کفار سے بھی اور نفس امارہ سے بھی۔ اور ان تمام نظریات اور افکار سے بھی جو کسی حیثیت سے اسلامی عقائد اور مسلمات سے ٹکراتے ہیں۔ تب جا کر فلاح و کامرانی نصیب ہوگی۔

چوں گویم مسلمانم بلرزم ۔۔۔ کہ دانم مشکلات لا الہ را

(اقبالؒ)

مشہور ہے کہ خواجہ غریب نواز ہند الولی، عالی جناب خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے آفتاب ہجویر المعرف حضور داتا گنج بخشؒ کے آستانہ عالیہ سے رخصت ہوتے اسی حقیقت کی

ترجمانی میں ارشاد فرمایا۔

گنج بخشؒ فیض عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

وِچے کعبہ وِچے قبلہ وِچے الا اللہ پکاراں ہو
کامل مرشد ملیا باہو اوہ آپے لیسی ساراں ہو

چنانچہ اگر دورِ حاضر کے مجاز اصحاب سلسلہ میں کوئی کمزوری موجود بھی ہو تو پردہ فرمائے ہوئے بزرگوں کے فیضان سے لوگ راہ ہدایت کی طرف رجوع ہوتے رہتے ہیں۔ ان حضرات کے ملفوضات و افادات، اقوال اور تحریریں بھی نسل انسانی کی خیر و فلاح کا ذریعہ بنتی ہیں وہ روشن الاؤ جو کبھی خواجۂ ہندالولی اجمیریؒ کی دل آویز اور پرکشش شخصیت کی صورت میں ہندوستان کے بت کدہ کے لاکھوں گھرانوں میں توحید و رسالت کی شمعیں روشن کرنے کا سبب بنا، وہی خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، خواجہ علی احمد صابر کلیریؒ اور سرتاج مستاناں غوثیہ، فنافی الہو، حضرت سلطان باہوؒ جیسی بلند و بالا شخصیات کی صورتوں میں برصغیر پاک و ہند کے گوشہ گوشہ میں اسلام کے پرچم کو ابدالآباد تک تابندہ و روشن رکھنے کا سبب ہوا۔ مقاصد فطرت کے ان ترجمانوں کے جلائے ہوئے روشن الاؤ کی آنچ میں جونہی ذرا کمی آئی تو امام ربانی حضرت مجدد الف الثانیؒ اور عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصومؒ جیسے بزرگ تازہ کمک کے ساتھ میدان کارزار میں اتر آئے اور ایک جہان کو گرویدۂ اسلام بنادیا۔

آج اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ویسی قد آور شخصیات موجود نہیں تو پھر بھی یہ تسلیم کئے بغیر چارہ ءکار نہیں کہ اگر ہم پھر سے کوئی روشن الاؤ دیکھنے کے تمنائی ہیں تو یقیناً ایسا ہوسکتا ہے لیکن اس کیلئے واحد صورت یہ ہے (اور یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے) کہ اسی خاکستر میں چھپی ہوئی کوئی چنگاری تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ اور یاد رکھئے اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ۔

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

اور اقبالؒ نے اسی عزم و عمل کی تحریک پیدا کرنے کیلئے یہ بھی کہا تھا۔

اُٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں

سلاسل صوفیاء کا یہی تو کمال ہے کہ انہوں نے آج تک اس چنگاری نورِ حضور کو بجھنے

نہیں دیا جو خلافتِ ختم المرسلینؐ کے تسلسل کی شاہد آئینہ دار وامین ہے اور بقول اقبالؒ ۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

دن کے بعد رات کا آجانا یقیناً اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دن پھر طلوع ہوگا لیکن جو لوگ چمگادڑ کی طرح دن کی روشنی میں درخت کے ساتھ الٹے لٹکے رہنے میں ہی عافیت خیال کرتے ہوں وہ دن کی روشنی سے کبھی فیضیاب نہیں ہو سکتے۔ ناچیز راقم کے پیر ومرشد حضرت خواجہ حافظ محمد صدیقؒ السالمی چشتیؒ نظامیؒ فرمایا کرتے تھے کہ عموماً تصوف کے منکر جو یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ بابا فریدؒ کہاں ہیں داتا صاحبؒ کہاں، خواجہ معین الدین چشتیؒ کہاں ہیں؟ ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ خواجہ نظام الدین اولیاؒ بن کے آؤ تو تمہیں بابا فریدؒ نظر آئیں۔ قطب الدین بختیار کاکیؒ بن کے آؤ تو ہندالولیؒ نظر آئیں۔

خلافت کا تسلسل کیوں ضروری تھا؟

خلافت کے اس تسلسل کو مستحکم کرنے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے ان کی بعثت اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے ورنہ امر واقعہ تو یہ ہے کہ تمام روحوں نے تخلیق کائنات کے وقت ہی اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و پیمان کر لیا تھا: ''اور اے نبیؐ لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا'' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں'' یہ ہم نے اس لئے پوچھا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ''ہم تو اس بات سے بے خبر تھے'' یا یہ نہ کہنے لگو کہ "شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کی تھی اور ہم بعد کو ان کی نسل سے پیدا ہوئے پھر کیا آپ ہمیں اس قصور میں پکڑتے ہیں جو غلط کار لوگوں نے کیا تھا"۔ دیکھو اس طرح ہم نشانیاں واضح طور پر پیش کرتے ہیں اور اس لئے کرتے ہیں کہ یہ لوگ پلٹ آئیں''۔ (سورہ الاعراف آیت 172)

حضرت سلطان باہو فنافی الہو اسی فرمان رب ذوالجلال کی تشریح فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

الست بربکم سنیا دل میرے، جند قالو بلیٰ کوکیندی ہُو
حب وطن دی غالب ہوئی اک پل سوون نہ دیندی ہُو

پھر پوے تینوں راہزن دنیا جو توں حق دا راہ مریندی ہُو
عاشقاں مول قبول نہ باہو کر کر زاریاں روئیندی ہُو
الف ایہو نفس اساڈا بیلی جے نال اساڈے سدھا ہُو
جو کوئی اس دی کرے تباہی اس نام اللہ دا لدھا ہُو

روز ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو پیدا کر کے ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے اقرار کیا کہ واقعی تو ہی ہمارا رب ہے۔ جب میری روح نے الست بربکم سنا تو اس نے پکار کر کہا بلیٰ، واقعی تو ہی میرا رب ہے، میرے اندر وطن (آخرت) کی کامیابی کی آرزو غالب ہو رہی ہے جو رات دن، مجھے ایک پل بھر، چین نہیں لینے دیتی۔ اے رہزن (ڈاکو) دنیا! تو جو راہ حق سے ہمیں بھٹکاتی ہے، اللہ تجھے غارت کرے۔ اے باہو! عاشقان الٰہی نے اسے کبھی منہ نہیں لگایا تھا اس لئے دھاڑیں مار مار کر روتی تھی۔ الف ایہو نفس یعنی اگر ہمارا نفس ہمارا ہمدرد و خیر خواہ و غم خوار بن جائے تو یہی ہمارا دوست اور مددگار بن جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ ہمارا مخالف ہو تو جو شخص اس نفس امارہ کو مار دے اسے معرفت الٰہی حاصل ہو جاتی ہے (وہی اللہ کا پیارا کہلاتا ہے)۔

اس میثاق کی روشنی میں دیکھا جائے تو انسان، اللہ بزرگ و برتر کے حکم کی تعمیل کرنے اور کرانے کا پابند ہے۔ کیونکہ خلافت کا مطلب اپنی ذات پر اللہ کے احکام کا نفاذ اور اس کی بنائی ہوئی دنیا میں اسی کے حکم کا پرچم بلند کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور میثاق میں جملہ عہد و پیان موجود تھے انسان کے اندر نیکی و بدی، حق و انصاف اور ظلم و جور، اچھے اور برے، صحیح و غلط کی تمیز بھی ودیعت کر دی گئی تھی تاکہ وہ خود اپنی رہنمائی کر سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل بے پایاں کے طفیل انسان کی رہنمائی کیلئے انبیاءؑ کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ کیونکہ انسان کی ذاتی رہنمائی کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ:

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی شبستان وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں (اقبالؒ)

اللہ کی جانب سے رہنمائی چونکہ حتمی، دوٹوک، یقینی ہونی چاہیے تھی اسی لئے انبیاء و رسل کو معصوم ٹھہرایا گیا اور ان کی بات کو من جانب اللہ قرار دیا گیا۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی شخصیت میں چونکہ نبوت کی روشنی بھی موجود تھی اس لئے انہوں نے فوری طور پر اپنی لغزش وکوتاہی کو

بھانپ لیا اور اپنی تقصیر پر شدید بے چین ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے معذرت چاہی۔ جبکہ نسل انسانی کی ذاتی کاوشوں سے خود کو رسول مقبولؐ کی خلافت کا اہل قرار دینے کی جدوجہد میں حاصل کئے گئے مقامات رکھنے والے برگزیدہ انسانوں یا خلافت کبریٰ کی کڑیوں کی حیثیت رکھنے والے اولیاء اپنی بزرگی تصرفات، کمالات اور جملہ اوصاف حمیدہ کے باوصف معصوم نہیں ہوتے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے حوالے سے یہ حتمی کلیہ نہ بھی ہو تاہم مجموعی طور پر جاری وساری قاعدہ وکلیہ یہی ہے۔

خلافت کا تسلسل اور صوفیہ کے سلاسل

چونکہ ہر نبی قاعدہ کی رو سے خلیفۃ اللہ بھی ہوتا تھا اسلئے جب تک انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ جاری رہا اس وقت بھی دو نبیوں کے درمیانی عرصہ میں انہی اولیاء کرام اور بزرگانِ دین نے' جو اگرچہ نبی نہیں تھے لیکن اپنے اپنے دور کے خلیفۃ الرسول ضرور تھے' خلافت کبریٰ کے تسلسل کو جاری رکھا اور پھر حضور محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر سلسلہ نبوت تکمیل پا جانے کے بعد سب سے پہلے خلفائے راشدینؓ اور پھر انہی اولیائے امت' بزرگان سلف صالحین، ابرار و خواص نے خود کو پورے تدبر و فراست کے ساتھ منظم کر کے خلافت کبریٰ کے نظام کو ابدالآباد تک جاری وساری رکھنے کا کارنامہ انجام دیا۔ یہی وہ کارنامہ ہے جو مختلف سلاسلِ صوفیہ کی صورت میں آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے اور صرف یہی وہ سلاسل ہیں جو اپنے وجود میں اس امر کی واحد شہادت ہیں کہ انہوں نے خلافت کے نظام کو قائم رکھا۔ اگر کوئی کوتاہ اندیش نادان یہ تسلیم کرتا ہے کہ اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ یا کسی دوسری صورت میں خلافت راشدہ کے بعد (الا ماشاءاللہ) خلافت موجود رہی ہے (واضح رہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی حکومت کو صلحاء امت خلافت راشدہ ہی کا حصہ تصور کرتے ہیں۔ اور یہی حال حضرت امام حسنؓ کے مختصر دورِ خلافت کا بھی ہے) تو وہ بہت بڑے فریب عقل وخرد میں مبتلا ہے البتہ حضرت امام حسینؓ نے احیائے خلافتِ ظاہری کیلئے جان کی بازی لگائی' اپنے بچے تک راہ خدا میں قربان کئے' اپنا پورا خانوادہ مع پردہ دار بیبیوں کے میدان میں ڈال دیا" تا خلافت کی بنا پھر سے ہو استوار" لیکن ؂

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

حضرت امام حسینؓ نے ایسا کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی لاڈلی بیٹی خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرہؓ کی آغوش محبت وشفقت میں پلے ہوئے حسین عظیمؓ اور خود نبی مکرم فخر دو عالم رہبر ازلی وابدی ﷺ کی زیر نگرانی تربیت پائے ہوئے علی المرتضیٰؓ کے چہیتے ولاڈلے فرزند جمیل سے زیادہ اور کون اس امر کا حق رکھتا تھا کہ پوری توانائیوں کے ساتھ وہ نظام باطل کے منہ زور' بگٹٹ گھوڑے کی باگ ملوکیت کی گمراہی سے خلافت راشدہ کے شرف ومنصب جلیلہ کی طرف موڑنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کرتا اور پھر بھی ایک شان دل آویزی سے یہ کہتا کہ ۔

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت امام عالی مقامؓ کا وہ آخری خطبہ پڑھیے تاکہ اُس پاکیزہ جذبہ وجوش' اور بے لوث قربانی کی آرزو کی ایک جھلک چشم تصور میں تازہ ہو جائے کہ انتہائی نامساعد حالات اور پرخطر اور منافقانہ ماحول میں خلافت راشدہ کے احیاء کی جدوجہد کیوں اور کیسے کی گئی؟ حضرت امام عالی مقام کے اس تاریخی خطبہ سے ذیل میں ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

اقتدارِ باطل: امام حُسینؓ کی نظر میں!

''لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے' خدا کی قائم کی ہوئی حدوں کو پھلانگتا ہے' عہدِ الٰہی کو توڑتا ہے' اور دیکھنے والا دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے عمل سے اس کی مخالفت کرتا ہے اور نہ اپنے قول سے' سو خدا ایسے لوگوں کو اچھا ٹھکانا نہیں بخشے گا۔

دیکھو! یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں۔ رحمٰن سے سرکش ہو گئے ہیں۔ فساد ظاہر ہے۔ حدودِ الٰہی معطل ہیں۔ مالِ غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے۔ خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرایا جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں میرا فرض ہے کہ ان کی سرکشی کو حق وعدل سے بدل دینے کی کوشش کروں۔

حالات تمہارے سامنے ہیں۔ دنیا کیا سے کیا ہو گئی۔ افسوس تم دیکھتے نہیں' حق پسِ پُشت ڈال دیا گیا ہے۔ باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں جان قربان کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔ میں شہادت ہی کی موت

چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود ایک جرم ہے''۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

تھوڑا سا غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ امام عالی مقام کی اس جرأت مندانہ کوشش اور نظام باطل پر ضرب کاری کے دو نتائج نکلے۔

o ایک یہ کہ خلافت راشدہ کو فوری طور پر بحال نہ کیا جا سکا۔ دوسرے یہ کہ صلحائے امت نے جان لیا کہ جس کام کو نواسۂ رسول ﷺ پورے خانوادہ ء نبوت کو خاک و خون میں لوٹا کر، اپنی اور اپنے خورد و کلاں جانثاروں کی جانیں قربان کر کے بھی خلافت ظاہری بحال کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے وہ جدوجہد اب صدیوں کی چمن بندی کا تقاضا کرتی ہے۔ اور وہ بھی ایسی مہارت، چابکدستی، فہم وفراست اور تدبر و تعقل کے ساتھ کہ سانپ تو مر جائے مگر لاٹھی نہ ٹوٹے۔ چنانچہ اس دور کے نفوس قدسیہ نے دنیا کی دولت کو دنیا داروں کے لئے چھوڑ کر اصل مقصد پر اپنی پوری توجہات مرکوز کر دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ یوں تو جملہ خلفائے راشدینؓ بلکہ جملہ صحابۂ کرامؓ کا ہی کیا ہوا تھا جسے بعد میں تابعین، تبع تابعین اور صلحائے امت نے ایسی خوبصورتی سے نبھایا کہ عقل دنگ اور فکر خیرہ رہ جاتی ہی۔ اسی فیصلے کو ان بزرگوں نے تصوف کے سلاسل کی شکل دی اور اس طرح سے کڑی در کڑی، نسلاً بعد نسلاً خلافت کے نظام کو جدید سیاسی و سائنسی فکر و نظر (Modern Political Science) کی اصطلاح میں متوازی حکومت (Parallel Government) کہا جا سکتا ہے' کی صورت میں جاری و ساری کیا جس کی عملی صورت یہ بنی کہ جسموں پر اگرچہ بزعم خود' خلفائے'' مسلمین، امراء المومنین اور ظل سبحانی کہلانے والے بادشاہوں اور شہنشاہوں نے حکومت کی لیکن روحوں پر قبضہ ہمیشہ انہی بوریہ نشینوں اور گدڑی پوش فقیروں کا رہا جنہوں نے حقیقی خلافت یعنی خلافت کبریٰ کے نظام کو پورے تزک و احتشام سے بہ باطن قائم کئے رکھا حتیٰ کہ یہ بادشاہ، شہنشاہ اور بزعم خود خلفاء مسلمین بھی ان بوریہ نشینوں کے پاس دست بستہ حاضری دیتے رہے گویا کہ اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی کے علی الرغم گروہ صوفیہ کی کیفیت کا نقشہ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں کچھ اس طرح سے کھینچا جا سکتا ہے کہ:

قمریاں شاخ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں
پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں

وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں
ایک بلبل ہے کہ ہے محو ترنم اب تک
اُس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

اگرچہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ بزعم خود بادشاہ بنے ہوئے ان عقل مندوں کو شبہ ہوا کہ اصل بادشاہ تو وہ نہیں بلکہ ان کے دور کے فلاں گدڑی پوش یا بوریا نشین ہیں۔ چنانچہ ان گدڑی پوشوں کے ساتھ ان کا ٹکراؤ بھی ہوا لیکن کامیابی ہمیشہ انہی فقراء کا مقدر ٹھہری۔ ماضی قریب میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی مثال سورج کی طرح چندھیا دینے والی روشنی کے ساتھ مفکرین کی آنکھیں خیرہ کرنے کیلئے موجود ہے۔ اقبالؒ نے اسی واقعہ یا امر واقعہ کے اعتراف کے طور پر یہ کہا تھا۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں

ایسی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں تاہم طوالت کے خوف سے اب ہم بات کو مختصر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے ایک فاضل ہم عصر سید خورشید گیلانی مرحوم نے ''روح تصوف'' کے عنوان سے جو کتاب لکھی۔ (جسے فرید بک سٹال لاہور نے **1981**ء میں شائع کیا) اس میں باب ''تاج شہی فقر کے قدموں پر'' پڑھنے کے قابل ہے موضوع کی مناسبت سے ذیل میں ہم باب مذکورہ کے مؤلف کیلئے بلندیٔ درجاتِ اخروی کی دُعاء کے ساتھ اسے یہاں نقل کئے دے رہے ہیں تاکہ ہمارے مؤقف کی تاریخی حوالوں سے تائید ہو۔ خورشید گیلانی مرحوم نے لکھا:

''خادم بن کر رہنے سے خدا مخدوم بنا دیتا ہے''

ہم ''فقر غیور'' کے عنوان میں وضاحت سے لکھ آئے ہیں کہ صوفیۂ کرام کی عظمت و جلالت کا راز ان کے فقر غیور میں پوشیدہ تھا، جب فقر آدابِ خود آگاہی کا معلم بنتا ہے تو انسان کو اپنی منزل آسمانوں سے بھی پرے نظر آتی ہے فقر بجائے خود فخر ہے۔ فقر کے حسین چہرے کو مزید کسی غازے کی ضرورت نہیں ہوتی، فقر کے روئے دلآرام کو مشاطۂ فطرت خود سنوارتی نکھارتی ہے۔

تاریخ تصوف کا جہاں ہر باب بصیرت افروز ہے وہاں دلچسپ بھی ہے، ایسی ایسی

باتیں سامنے آتی ہیں کہ عقل ورطہء حیرت میں ڈوب ڈوب جاتی ہے، یہ تو بار ہا ہوا کہ قصر مرمر سے نگاہیں کٹیا کی طرف اٹھیں مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ جھونپڑی کی درز سے کبھی نظروں نے فلک بوس محلوں کا طواف کیا ہو، یہ نظارہ تو ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ مرمریں محل سے اکتا کر شاہان وقت گھانس پھونس کی جھوپڑی میں آ کر عافیت کے طالب ہوئے مگر اس کا ایک بھی گواہ نہیں کہ بوریا نشین نے شاہوں کی چوکھٹ پر سر نیاز جھکایا ہو، وارثان کے وجم تو تاج وتخت سے اکتا گئے مگر بوذرؓ وسلمانؓ کے مسند نشین کبھی دل برداشتہ نہ ہوئے، تاریخ نے شاہوں کو آتے دیکھا لیکن گداؤں کو جاتے نہیں دیکھا امیروں کو کھدر کے چیتھڑے راس آ گئے لیکن فقیروں کو حریر و پرنیاں، کانوں کا اوڑھنا والے لگے"۔

سلاطین عصر' فقراء کے قدموں میں

تاج زر اور خرقہ فقر کی داستان بڑی ہی عجیب وغریب ہے، تخت کے موتی اور ہیرے وہ کچھ نہ دے سکے جو بیابان کے ذروں نے دیا، کلاہ خسروی اس قدر دماغ کو اونچا نہ کرسکی جتنا کہ دونی کی ٹوپی نے کر دیا، سکندر گھڑی گھڑی بدلتے رہے مگر قلندر جہاں تھے وہیں رہے۔ کیوں کہ یہی انسانیت کی معراج کبریٰ ہے، اور اسی کا عنوان خلافتِ کبریٰ ہے۔ مؤلف سکندر کو تخت وتاج سیر چشمی نہ دے سکے مگر قلندر کو فقر نے تونگر بنا دیا، اب آیئے تاریخ کے دامن پر بکھرے موتی چنیے، سید اشرف جہانگیر، شیراز کے حاکم اعلیٰ ، ۸۰۸ء میں وفات پائی، آپ کے بارے میں آتا ہے۔

"آپ نے اپنی والدہ کی اجازت سے سمنان (شیراز) کے تختِ سلطنت کو چھوڑ کر فقرو درویشی اختیار کی" حاکم شاہ، کیچ مکران کے گورنر تھے، ۱۳۶۸ء میں وفات پائی، آپ کی کایا کلپ کا حال ملاحظہ ہو، ڈاکٹر شیخ اکرام لکھتے ہیں:

> "شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے مرید بنے، گورنری چھوڑ کر ارشاد وہدایت اور تبلیغ اسلام میں مصروف ہو گئے، اوچ اور سکھر کا درمیانی علاقہ آپ کا مرکز بنا"

وقت کے صاحبِ جلالت وہیبت بادشاہ فقیروں سے ملنے کا شوق دل میں پیدا کیے رہے مگر اللہ والوں کے دل میں کبھی شاہ کی ملاقات نے چٹکی نہیں لی، ان کے نزدیک لوگوں کے دین کے لئے دنیا اور دنیاداروں کا قرب بکریوں کے لئے بھیڑیئے کی نسبت زیادہ نقصان دہ تھا، بادشاہ کے کرّوفر نے فقیر کے دل کو نہیں لبھایا لیکن ارباب تخت وتاج ان کے ہاں حاضری کو دنیا و آخرت کی سعادت سمجھتے رہے،

حضرت شیخ برہان الدین مرغینانیؒ صاحب الہدایہ کے شاگرد، شیخ برہان الدین بلخیؒ کے

بارے میں شیخ مرغینانیؒ کی پیشین گوئی تھی،

''یہ بچہ اس قدر عظیم وجلیل ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازے پر حاضری کو سعادت سمجھیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا، سلطان غیاث الدین بلبن ہمیشہ جمعہ کی نماز کے بعد شیخ برہان الدین بلخیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا''۔

حضرت شیخ قطب الدین کاشانیؒ جہاں ایک طرف مرجع عوام تھے وہاں وہ مرجع خواص بھی تھے، حلقہء ارادت میں ممتاز مشائخ سے لے کر جلیل القدر بادشاہ تک شامل تھے، ہزاروں لاکھوں لوگوں کے مرشد ورہنما خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ بھی ان میں سے تھے جن کے دل شیخ کاشانیؒ کی عقیدت اور محبت سے لبریز تھے، یہی وجہ ہے کہ شیخ کاشانیؒ ایک دوسرے موقع پر جب تک ملتان ٹھہرے رہے، خواجہ بہاؤالدین زکریاؒ روزانہ صبح کی نماز ان کے پیچھے جاکر پڑھتے اور نیاز حاصل کرتے، شیخ کاشانیؒ جب ملتان کے راستے دہلی تشریف لے گئے تو سلطان شمس الدین التمش شہنشاہ ہند نے بنفس نفیس باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا اور دعائیں حاصل کیں۔

انہی سلطان شمس الدین کا بیٹا شہزادہ ناصر الدین بھی اپنے والد کی طرح اللہ والوں کا عقیدتمند تھا جب وہ ملتان اور اوچ کے دورہ پر گیا تو اجودھن (پاک پتن) میں شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی قدمبوسی کی۔

سلطان شمس الدین التمش باوجود شہنشاہ ہونے کے خود بھی متقی اور متشرع انسان تھا اگر وہ خلعت شاہی کے بجائے صوف کا خرقہ اور کلاہ خسروی کی جگہ کلاہ فقر اوڑھ لیتا تو وقت کا صوفی اور شیخ ہوتا تاہم اس کے صالح، پرہیزگار اور متدین ہونے پر ایک زمانہ متفق ہے، سلطان کو منجملہ دیگر بزرگوں کے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ خلیفہ اول خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ سے خصوصی عقیدت تھی، دارالحکومت دہلی میں جب شیخ ملتان سے آئے تو سلطان نے خدا کا شکر ادا کیا اور شہر سے باہر نکل کر آپ کا خیر مقدم کیا خواجہ حامد بن فضل اللہ جمالیؒ شیخ اور سلطان کے باہمی روابط اور سلطان کی مخلصانہ عقیدت کے متعلق تحریر کرتے ہیں:۔

''سلطان ہفتے میں دوبار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ سے فیض حاصل کرتا، چونکہ آپ کی قیامگاہ شہر سے باہر اور ذرا فاصلے پر تھی، سلطان نے عاجزی سے درخواست کی کہ اگر براہ کرم وعنایت آپ شہر کے نزدیک قیام پذیر ہوں تو بہت بہتر اور نہایت خوب ہو آپ نے سلطان کی

درخواست منظور کر لی"۔

آپ ان واقعات سے اندازہ فرماتے جایئے، شان فقر، عظمت فقیر اور تاج شہی فقر کے قدموں پر کی جھلکیاں ملاحظہ کرتے جایئے۔

شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ جنہیں دو بادشاہوں کا زمانہ ملا۔ بایں ہمہ فقیر نے کبھی شاہوں کی جانب التفات نہ کیا مگر شاہ "باب فقیر" سے مستغنی نہ رہ سکے دراصل وہ خوب جانتے تھے کہ نعم الامیر علیٰ باب الفقیر ----------- میں دونوں کی عزت ہے، صاحب سیر العارفین شیخ ابوالفتح کی دہلی آمد کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"شیخ دو مرتبہ سلطان علاؤالدین اور تین بار سلطان قطب الدین کے زمانے میں دہلی تشریف لائے سلطان علاؤالدین باوجودیکہ آشوب چشم میں مبتلا تھا مگر آپ کے استقبال کے لئے سوار ہو کر گیا اور نہایت اعزاز کے ساتھ آپ کو شہر میں لایا"۔

سیر العارفین کے مصنف، شیخ ابوالفتح کی بادشاہوں سے ملاقات، اسکی غرض اور شاہوں کے طرز عمل کی روئیداد کا نقشہ ایسے الفاظ میں کھینچتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ صوفیہ اگر کبھی شاہوں کے دربار میں گئے تو دو مقاصد کے علاوہ تیسرا کوئی مقصد نہ تھا، ایک تبلیغ حق اور وعظ و نصیحت دوسرے حاجتمندوں کی حاجت برآری کے لئے ورنہ صوفیۂ کرام کو نہ کبھی شاہی دربار سے دلچسپی رہی اور نہ شاہوں سے ملاقات کا شوق۔ تاریخ کی گواہی دیکھئے:

"شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ سلطان قطب الدین سے ملنے شاہی محل جاتے تو لوگوں کی ڈھیروں عرضیاں ہمراہ رکھتے، تیسری دہلیز پر سلطان آپ کا استقبال کرتا اور اندر لے جاتا، دو زانو ہو کر باادب آپ کے سامنے بیٹھ جاتا اور آپ کی تشریف آوری کو بہت بڑی عنایت اور نعمت تصور کرتا، آپ اپنے خادم کو حکم دیتے کہ وہ لوگوں کی عرضیاں لائے، سلطان تمام عرضیوں کو پڑھاتا، مناسب حکم دیتا اور آپ اس وقت تک واپس نہ جاتے جب تک مخلوق کے تمام معاملات طے نہ ہو جاتے"۔

اسی مصنف نے شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ سلطان شمس الدین التمش کے حسن عقیدت کی منظر کشی ان الفاظ میں کی ہے:۔

''شیخ تبریزیؒ بغداد سے دارالخلافہ دہلی آئے تو سلطان شمس الدین التمش نے
دہلی سے باہر آ کر آپ کو خوش آمدید کہا جب آپ ابھی دور ہی تھے، سلطان
کی نظر پڑی تو احتراماً گھوڑے سے اتر پڑا اور والہانہ انداز میں مصافحہ کیا''۔

تاریخ کے صفحات میں ہمیں ایسے واقعات جا بجا ملتے ہیں جو اس امر کی مستند گواہی کی حیثیت رکھتے ہیں کہ بیسیوں شہنشاہ ان بندگان خدا کی خدمت اور ارادت کو اپنا قیمتی اثاثہ تصور کرتے اور ان سے تعلق کو عزت سمجھتے تھے، سچ ہے جو خدا کا ہو گیا دنیا اسی کی بن گئی، جو اس سے پھرا دنیا بھی پھر گئی، ان حقائق کا انکار کیوں کر ممکن ہے کہ وقت کے باجبروت سلاطین نے صوفیہ و اولیاء کی عقیدت کا قلاوہ اپنے گلے میں ڈالا اور اسے موتیوں کا ہار سمجھا، ہر چھا جانے والی رات اور نکلنے والا دن ان کی عقیدت و ارادت میں برابر اضافہ کرتا جاتا، شہنشاہ ہند فیروز تغلق کو شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ سے بے حد عقیدت تھی، سلطان علاؤالدین خلجی، خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا مرید تھا، جلال الدین خلجی بھی آپ سے نیاز مندی کا شرف رکھتا تھا، سلطان احمد خان بہمنی، سید محمد گیسودرازؒ کا ارادت مند تھا، والیء ہرات شاہ حسین خواجہ عبیداللہ احرارؒ کا معتقد اور باقاعدہ آپ کے سلسلے سے منسلک تھا۔ حاکم بیجاپور ابراہیم عادل شاہ ثانی پیر ہاشم گجراتی کا ارادت کیش تھا، سلطان نصیر الدین ہمایوں، شیخ حامد بن فضل اللہ جمالیؒ کے عقیدتمندوں میں سے تھا، یہ اور ایسی سینکڑوں مثالیں ہمارے مدعا کو واضح کرتی ہیں کہ بوریہ نشینی میں عرش نشینی کا مزہ صوفیہ نے لوٹا ہے اور یوں فقر کی لاج رکھی۔

سلطان محمد جلال الدین اکبر جسے منتظم، مدبر، صاحب کروفر اور شان و شکوہ کے لحاظ سے ''مغل اعظم'' کہا جاتا ہے، اپنی تمام تر سطوت و وجاہت کے ساتھ فقراء کی جھگیوں کا طواف کرتا اور اس طرح تاریخ کا ایک نیا اور زریں باب رقم ہوتا، وقت کا شہنشاہ جو پچاس برس تک پورے دبدبے سے حکومت کرتا رہا، فقیروں کے ہاں یوں نظر آتا کہ وہ خادموں میں سے ایک ہے جب آتا تو ذہن سے سکندری نکال کر آتا اور دل میں بجز ارادت و جذبہء خدمت کے اور کچھ نہ ہوتا،

صدر الصدور شیخ عبدالنبیؒ کے ساتھ اکبر کی ارادت و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ:

''ایک دفعہ پہنانے کیلئے جوتے ان کے سامنے اٹھا کر رکھے''

ولی الہند خواجہ اجمیریؒ کے ساتھ عقیدت و ارادت ذیل کے الفاظ سے ملاحظہ کی جا سکتی ہے:

''اکبر سال بسال اجمیر جاتا کوئی مہم ہو یا اس کے علاوہ بھی، ایک منزل
سے پیادہ پا جاتا اور بعض منتیں (خصوصاً جہانگیر کے تولد سے پہلے) تو ایسی

بھی ہوئیں کہ فتح پور یا آگرے سے اجمیر تک پا پیادہ گیا''۔

اکبر بادشاہ شیخ سلیم چشتی کا بھی بے حد معتقد تھا، شیخ سلیمؒ ہی کے نام پر اپنے بیٹے کا نام سلیم رکھا جو بعد میں شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر کے نام سے مشہور ہوا، شیخ سلیم بابا فرید شکر گنجؒ کی اولاد سے ہیں، حجاز، روم، بغداد اور نجف کی سیاحت فرمائی بعد ازاں فتح پور سیکری میں اقامت پذیر ہوئے۔ اکبر نے سلیم کی پیدائش کے دو برس بعد شیخ سلیم چشتیؒ سے اپنی عقیدت کا اظہار اس طریقے پر کیا:

''خانقاہ شیخ کو روحانی وعرفانی چشمہ جان کر وہاں ایک شہر تعمیر کروایا، چنانچہ ۱۵۷۱ء میں فتح پور کی شاندار عمارتیں بننی شروع ہوئیں اور یہ معمولی گاؤں شہنشاہ ہند کا پایہ تخت ہو گیا''۔

خواجہ محمد زبیر سرہندیؒ المتوفی ۱۱۵۱ھ سے امراء اور اعیانِ سلطنت کی عقیدت و ارادت کی یہ کیفیت تھی:

''جب شیخؒ مکان سے مسجد تشریف لے جاتے تو امراء راستہ میں دوشالہ اور رومال بچھا دیتے کہ آپ کا پاؤں زمین پر نہ پڑے''۔

حجۃ اللہ فی الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنے بزرگوں کا ذکر کرتے ہوئے مختلف مشائخ کرام سے بڑے بڑوں کی ارادت کا حال بیان فرماتے ہیں، شاہ ولی اللہ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم کا کہنا ہے:

''جب شیخ آدم بنوریؒ کی شہرت عام ہوئی تو دھوم شاہجہان تک پہنچی۔ شاہ نے وزیر سعد اللہ خان اور مُلاّ عبدالحکیم سیالکوٹی کو بھیجا تا کہ حقیقت حال کا علم ہو، دونوں شیخؒ کی خدمت میں پہنچے، شیخ مراقبہ میں تھے کافی دیر دروازے پر بیٹھے رہے، جب شیخ حالت مراقبہ سے باہر نکلے تو دونوں آپ کے حجرے میں داخل ہوئے، شیخؒ ان کی تعظیم بجانہ لائے یہ دیکھ کر دونوں بگڑ گئے، سعد اللہ خان نے کہا میں تو اہل دنیا میں سے ہوں مگر ملا عبدالحکیم تو عالم دین ہیں ان کی تعظیم ضروری ہے۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا حدیث میں وارد ہے:۔

العلماء آمناء الدين ملم يخالطوا الملوك ماذا خالطو هم فهم اللصوص

(علماء دین متین کے پہریدار اور محافظ ہیں جب تک صحبت امراء سے دور رہیں، جب انہیں صحبت امراء راس آ جائے تو وہ چور ہیں،''

''ایک دن بہمن یار خان لباس فاخرہ زیب تن کر کے حضرت خواجہ پیر خوردؒ (صاحب سیر الاولیاء) کی خدمت میں آیا۔ اس وقت آپ کے گھر میں کوئی فرش نہیں تھا لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے، بہمن یار خان بھی زمین پر بیٹھ گیا۔ حاضرین میں سے کوئی شخص اٹھا اور خواجہؒ کے کان میں کہا'' یہ بہمن یار خان ہے اس کی تعظیم کرنی چاہیے'' خواجہ صاحب نے بآواز بلند فرمایا اگر یار ہے تو محتاج تعظیم نہیں اگر غیر ہے تو لائق تعظیم نہیں''۔

حضرت میاں میر قادری لاہوریؒ کے دروازے پر بھی کئی بادشاہوں نے دستک دی اور نیاز بجالائے، آپ کے عقیدتمندوں میں سرفہرست شاہجہان کا نام ہے آپ کے ساتھ شاہجہان اور شہزادہ بلند اقبال کی عقیدت کس قدر تھی، تاریخ میں اس کا متعدد جگہوں پر ذکر ملتا ہے، تذکرہ مشائخ قادریہ کے مؤلف لکھتے ہیں:۔

''جب شاہجہان لاہور آیا تو شہزادہ بلند اقبال بھی اس کے ساتھ حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، دوسری بار دس مہینے بعد جب شاہ جہان، حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت بھی شہزادہ ہمراہ تھا اس وقت شہزادہ کی ارادتمندی کا یہ عالم تھا کہ وہ آپ کے مکان کی دوسری منزل میں جہاں آپ کا قیام تھا برہنہ پا گیا اور جو لونگ وہ چبا کر پھینکتے جاتے تھے انہیں اٹھا کر کھاتا رہا''۔

حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ جو اس صدی کی بڑی با اثر روحانی شخصیت گذری ہیں اپنی درویش منشی، سادگی، غیرت فقر اور للّٰہیت کے باعث خاصی مشہور ہیں، آپ کے در دولت کو نجانے کتنے امیروں، رئیسوں، نوابوں اور منصب داروں نے چوما، کتنے کج کلاہ سلامی دینے آئے اور کتنے سریر آراء جاروب کش بنے، آپ کی کشش کا یہ عالم تھا کہ ایک زمانہ امنڈا چلا آتا، مسلمان امراء کا تو کیا کہنا غیر مسلم ارکان سلطنت کو بھی آپ سے ملنے کا اشتیاق رہا اور دل میں جذبۂ عقیدت موجزن رہا، برصغیر پاک و ہند کے نامور مصنف اور عالم دین مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کے لیفٹیننٹ گورنر نے آپ سے

ملنے کی اجازت چاہی آپ نے لوگوں سے فرمایا میں تو ایک فقیر آدمی ہوں ان کے بیٹھنے کا کیا انتظام ہوگا؟ اچھا ایک کرسی منگا لینا، لیفٹیننٹ گورنر کی طرف سے تاریخ اور وقت بھی مقرر ہو گیا اور آپ لوگوں سے یہ کہہ کر بھول بھی گئے، یہاں تک کہ لیفٹیننٹ گورنر معہ چند حکام اعلےٰ آموجود ہوئے سب کھڑے تھے۔ایک میم بھی کھڑی تھی شیخ ؒ نے الٹے گھڑے کی طرف اشارہ فرمایا کہ ''بی تو اس پر بیٹھ جا'' لیفٹیننٹ گورنر نے کچھ تبرک مانگا۔آپ نے ایک خادم سے فرمایا کہ بھائی دیکھو میری ہنڈیا میں کچھ ہو تو ان کو دے دو، اس میں سے کچھ چورا مٹھیائی کا نکلا بس سب کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا، سب نے ادب اور خوشی سے قبول کیا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر اجازت چاہی اور رخصت ہوئے۔ چلتے وقت نصیحت کی درخواست کی فرمایا ''ظلم مت کرنا''۔

ان تمام تاریخی، مستند اور مضبوط حوالوں سے یہی ثابت ہوتا ہے، کہ من تواضع للہ رفعہ اللہ، جو خدا کے ہاں سرنگوں ہو، خدا اسے سر بلند کر دیتا ہے، خادم بن کر رہنے سے خدا مخدوم بنا دیتا ہے، صوفیہ نے بلاشبہ یہی طریقہ اختیار کیا تو اللہ نے انہیں عزیز جہاں بنا دیا''۔

چنانچہ یہ کاروان خلافت کبریٰ اسی کرّ وفر سے چلتا رہا' ملت کو اسی دوران میں کہیں غزالیؒ ملے اور کہیں شاہ ولی اللہؒ ' کہیں رومیؒ ملے اور کہیں شیخ الشیوخ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، کہیں ہندالولی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ملے اور کہیں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ۔

کاش دورِ حاضر میں فرنگی دانش کے متوالے مسلمان' ان مردانِ صفا کیش اور درویشانِ خدا مست کی زندگیوں اور اُن کے ملکوتی کارناموں پر غور کرنے کیلئے کچھ وقت نکال سکتے تو اُنہیں تسخیر مقام رنگ و بو کے ایسے ایسے نسخے ہاتھ آتے کہ اُن کے دیرینہ مرضِ کورنگاہی کا علاج ممکن ہو جاتا۔اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

مجھے فطرت نوا پر پے بہ پے مجبور کرتی ہے
ابھی محفل میں ہے شاید کوئی درد آشنا باقی!

وہ آتش آج بھی تیرا نشیمن پھونک سکتی ہے
طلب صادق نہ ہو تیری تو پھر کیا شکوہ ساقی!

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اُٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہوا اندازِ آفاقی!

............o............

خلافتِ ختم المرسلین ﷺ کی روحانی و مادی جہتیں

(امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ کے فکر ونظر کی روشنی میں)

خلافتِ ختم المرسلین ﷺ اپنی روحانی اور مادی جہتوں کے اعتبار سے زیر مطالعہ تالیف میں اہم ترین بحث وتمحیص پر مشتمل باب ہے۔ اس لئے سب سے پہلے خلافت کے لغوی و اصطلاحی معانی کا سرسری سا تذکرہ کیا گیا ہے۔تاہم یہ بحث چونکہ کلیدی حیثیت کی حامل ہے اس لئے اس موضوع پر ہم امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی معرکتہ الآراء تصانیف ''ازالۃ الخفاء'' اور ''البدور البازغہ'' کا حوالہ دینا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ معنیٔ خلافت اور اس کے لوازمات پر روشنی ڈالی جاسکے۔حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک لغت میں نیابت و جانشینی کو خلافت کہتے ہیں۔قائم مقامی کے الفاظ بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔اگر کسی ملک کا حکمران شریعتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الف الف صلاۃ والف الف تحیہ کو ملکی قانون کے طور پر نافذ کرے تو ایسے حکمرانوں کو خلیفۃ الرسولؐ کہلانے کا حق ہوتا ہے اور جو شخص نائبِ نبویؐ ہونے کی حیثیت سے دین قائم اور مستحکم رکھنے کا انتظام واہتمام کرے، وہ خلیفہ ہے۔تاہم انبیاءؑ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے دین اسلام قائم کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اس لئے اُنھیں خلیفۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ البتہ جو خلافت نمونۂ نبوت (یعنی منہج نبویؐ) کے مطابق ملک وسلطنت میں جاری وساری ہو اُسے خلافتِ خاصہ کہتے ہیں اور یہی خلافتِ راشدہ کہلاتی ہے۔

خلافت اللہ: اللہ بزرگ و برتر کے نائب کی حیثیت سے نبی میں چار مناصب جمع ہوتے ہیں

(1) حکمرانِ عادل: پہلا منصب یہ ہے کہ اُس کے نفسِ ناطقہ پر ملاءِ اعلیٰ سے سیاستِ ملکیہ کے عُلومِ کُلیہ کا القاء ہوتا ہے۔حکمرانی اور عدلِ عمرانی کے اصول وفروع کا دمبدم القاء ہوتا ہے۔ حکمت، شجاعت، سخاوت، اور معدلت (انصاف وعدل) اُس کی عظیم المرتبت شخصیت میں بطور جبلت ودیعت ہوتی ہے۔لہٰذا اُس کے فیضانِ نگاہ سے دشمنیاں مبدل بہ محبت واخوت ہوجاتی ہیں۔

(2) وہ حکیم کامل ہوتا ہے اُس کے قلب سے، اُس کی زبان پر علم وحکمت کے چشمے جاری ہوتے ہیں۔لوگوں کو حکمت واخلاقِ فاضلہ کی تلقین وتعلیم میں مصروف ہوتا ہے۔قرآن میں جیسا کہ ارشاد ہے! ''اللہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی، اُسے خیر کثیر عطا کی

گئی'' (2۔البقرۃ:269)

(3) وہ انسان کامل، عارفِ کامل، صوفیٔ کامل اور مرشد کامل ہوتا ہے: وہ تہذیبِ نفس اور تزکیۂ قلوب کے طریقوں سے بہ تمام وکمال واقف ہوتا ہے۔ صاحبِ مقام، صاحبِ حال، صاحبِ کشف والہام ووحی ہوتا ہے۔ منبع انوار و برکات اور مصدرِ کرامات ومعجزات ہوتا ہے۔ یوں جیسے مریدین وسالکین میں بیٹھا، اُن کو مجاہدہ اور ریاضتِ نفس کے طریقے تلقین کر رہا ہو اور فیضِ صحبت سے تربیت کر رہا ہو۔

(4) وہ خداوندِ ذوالجلال کے نبی اور رسولؐ کی حیثیت سے ملاءِ اعلیٰ اور بندوں کے مابین ایک سفیر اور واسطہ ہوتا ہے: جس طرح جبریلِ امین سمٰوات میں مطاع اور مکین (صاحبِ مرتبہ) اور خداوندِ ذوالجلال اور اُس کے انبیاء ورُسل کے درمیان سفیر اور واسطہ ہے۔ وہ تدبیرِ الٰہی کا ایک جارحہ ہے۔

ارشاد باری ہے! ''وہی ہے زبردست حکمت والا جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اُن کو پاک کرتا ہے اور اُنہیں کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھاتا ہے'' (62۔الجمعہ:2)

خلیفۃ اللہ دنیا میں ربوبیت تشریعیہ کے اجراء اور تنفیذ کے لئے بمنزلہ جارحہ الٰہیہ۔ جیسا کہ فرمایا گیا! ''اور آپؐ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی، جس وقت کہ پھینکی، مگر وہ اللہ نے پھینکی'' (8۔انفال:17)

یا فرمایا: ''جو لوگ آپؐ سے بیعت کر رہے ہیں وہ حقیقت میں اللہ سے بیعت کر رہے ہیں' اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر ہے'' (48۔الفتح:10) گویا کہ خلیفۃ اللہ (معاذ اللہ) خدا نہیں ہوتا لیکن صفاتِ خداوندی کا ایک ظِل اور عکس ضرور ہوتا ہے۔ خلیفۃ اللہ ایسا کہ سلیم الطبع لوگ اُس کے نفسِ قدسیہ کے عکس اور انوار وتجلیات سے ظلمت سے نکل کر نور کی طرف آنے لگیں' جیسا کہ فرمایا گیا۔ ''تاکہ نکالے اُن کو تاریکیوں سے نور کی طرف'' (2۔البقرۃ:257)۔

قارئین کرام نوٹ فرمائیں' جیسا کہ بیان کیا گیا' کہ خلیفۃ اللہ میں اللہ بزرگ و برتر کے نائب کی حیثیت سے جو چار مناصب جمع ہوتے ہیں یعنی (1) حکمران عادل (2) حکیم کامل (3) عارفِ کامل یا مرشد کامل (4) اللہ اور بندوں کے مابین سفیر کامل ومعتمد' ان سب کا اصل منبع قوت تعلق باللہ یا اللہ تعالیٰ سے روحانی رابطہ ہے۔ حکمران عادل کی حیثیت سے بھی خلیفۃ اللہ کے نفسِ ناطقہ پر ملاءِ اعلیٰ سے سیاستِ ملکیہ کے علُوم کُلّیہ کا القاء ہوتا ہے۔ اور اس کے فیضانِ نگاہ

سے دشمنیاں، محبت واخوت میں بدل جاتی ہیں۔۔۔گویا سیاستِ ملکیہ پر بھی روحانی جہت کا ہی غلبہ ہے۔ ازالۃ الخفاء کے خلاصہ بعنوان "خلافتِ راشدہ" کے مؤلف حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (م۔1974) لکھتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ یا خلافتِ خاصہ نمونۂ نبوت اور تشبہ بہ نبوت کا نام ہے۔ جس طرح خلیفۂ خداوندی خدا نہیں ہوتا اسی طرح خلیفۂ نبی نبی اور رسول نہیں ہوتا مگر نبی کی صفات کا نمونہ، ظل اور عکس ہوتا ہے۔ خلافتِ خاصہ مراتبِ ولایت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے جو مقامِ نبوت سے اقرب اور اشبہ ہے۔

امام الہند شاہ ولی اللہؒ نے انسانوں کی عمرانی، معاشرتی، معاشی اور تمدنی وسیاسی زندگی کی فکری وعملی وعلمی مشکلات پر بہ آسانی عبور حاصل کرنے کے طور طریقوں اور الہامی تدابیر نافعہ، جو قرآن واسلام کے اُصولوں اور مبادیات پر مبنی ہو ایک نہایت ہی مفید کتاب لکھی جس کا نام "البُدُورُ البازغہ" رکھا۔ یعنی وہ تدابیر نافعہ جو چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کتاب کے خطبۂ افتتاحیہ میں اپنی تالیف کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں "یہ کتاب ان تفہیماتِ الٰہیہ پر مشتمل ہے جو خدائے مہربان کے فیضانِ عنایت سے پہلے میرے دل پر القاء ہوئیں پھر وہاں سے زبان پر اور پھر سرِ انگشت (پوروں) پر ظاہر ہوئیں (یعنی قلم وقرطاس پر منتقل ہوئیں)۔۔۔۔ میں نے اس کا نام "البدور البازغہ" رکھا ہے جو ایک مقدمہ اور تین مقالوں پر مشتمل ہے۔ مقدمہ کا عنوان ہے: حکمت کے چند اہم مسائل: اس مقدمہ کی تیسری فصل میں خلاصہ کلام کے طور پر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔: انسان کا ایک وجود وہ ہے جس کا فیصلہ عالمِ جبروت میں ہوا۔ اور دوسرا وجود وہ ہے جس کا فیصلہ عالمِ ارواح میں ہوا۔ پھر تیسرا وجود وہ جس کا فیصلہ عالمِ مثال میں ہوا۔ اور سب سے آخری وجود وہ ہے جو عالمِ اجسام میں ظاہر ہوا۔ (عوالم اربعہ میں مختلف صورتوں میں انسانی وجود کے اس نظریہ کو) اچھی طرح جان لو۔

کتاب کے پہلے مقالہ میں دوسری انواع کے مقابلہ میں انسان کی تین امتیازی خصوصیات کا ذکر ہے۔ (1) پہلی خصوصیت یہ ہے کہ حیوانوں کے برخلاف انسان شہریت اور تمدن اور تہذیبِ انسانی برقرار رکھنے کے لئے کسی کامل قانون اور ضابطہ ونظام کی تشکیل کی خاطر قصد وعمل کرتا ہے۔ جس کے لئے کوئی جسمانی خواہش اور جسدی محرک نہیں ہوتا بلکہ اس کی سعی وجہد اس لئے ہوتی ہے یا آخرت (کی نجات وسعادت) کا مقصد یا دنیا میں ارتفاقات واداروں

کی تشکیل کا مقصد پیش نظر ہوتا ہے۔(2) انسان کی دوسری امتیازی خصوصیت اس کی ظرافت (سلیقہ) ہے۔حیوانات کے مقابلے میں انسان اپنے ماکولات ومشروبات اور رہائش ومسکن میں صرف رفع ضرورت پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اپنے جمالیاتی ذوق کی تسکین کو بھی پیش نظر رکھتا ہے۔ (3) تیسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ تحصیل علم کو تکمیل ذات کے لازمی اور صفتِ ایجاد وتقلید الہامی کے مؤید اکتسابی علوم وفنون کے ذریعے زندگی کو ترقی کے عروج پر پہنچانے میں کوشاں رہتا ہے۔

انسان کی متذکرہ صدر خصوصیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ جو قصد وعمل کرتا ہے اُس کے لئے بڑا ہتھیار عقل ہے۔شاہ صاحبؒ کے نزدیک انسان میں عقل دو طرح کی ہوتی ہے۔ایک عقل معاش: جو ہر انسان میں جبلی طور پر ودیعت کی گئی ہے لیکن دوسرے حیوانات کے مقابلے میں یہ بھی ممتاز ہے اس لئے کہ اس میں رائے کلی، ظرافت وغیرہ زائد اوصاف پائے جاتے ہیں۔ دوسری عقل اس کو ربِّ رحمان کی طرف سے اُس وقت عنایت ہوتی ہے جب کہ وہ اس حیاتِ فانیہ کی ظلمت اور تعلقات کو پس پشت ڈال کر اپنے مثالی وجود کے ذریعے مثالی حیات کے ساتھ وابستہ و پیوستہ ہوتا ہے کچھ عرصے بعد وہ بارگاہِ اقدس کا قصد کرتا ہے۔اس کے بعد اس کا ذریعہ قرب اس کا وجود روحانی ہوتا ہے۔جو اس کی حیاتِ مثالی کے ساتھ پیوستہ ہوتا ہے۔ازاں بعد اس کے قرب وارتقاء کا ذریعہ وجود عینی ہوتا ہے جو اس کی حیاتِ روحانی کے ساتھ مخروج ہوتا ہے۔ یہ تینوں مراتب اس کی حیاتِ حیوانیہ کے مراتب یا احکام میں شامل نہیں بلکہ ان کا حصول مشارٌ الیہ غیر حیوانی نشاء کے آثار میں سے ہے جو بارگاہِ خُداوندی میں انسان کے لئے مخصوص ہے۔شاہ صاحبؒ ان نکات پر خصوصی زور دیتے ہیں کہ اُن کی کتاب سے فائدہ اُٹھانے کی یہی کلید ہیں۔

درج بالا بحث سے شاہ صاحبؒ کے مقصود کا جاننا چنداں مشکل نہیں۔اُن کے نزدیک عقل معاش (یعنی انسان کے مادی قصد وعمل کا ہتھیار) پر بہرصورت دوسری عقل کو فوقیت حاصل ہے جس کے ذریعے انسان اپنی حیات فانیہ (دنیاوی زندگی) کی ظلمت اور تعلقات کو پسِ پشت ڈال کر اپنے مثالی وجود کے ذریعے مثالی حیات کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے بارگاہِ اقدس کا قصد کرتا ہے اور یوں اس کی مثالی حیات اپنے قرب وارتقاء کے ذریعے وجود عینی کا شرف پانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

پہلے مقالہ کی چوتھی فصل میں شاہ صاحب ارتفاقات چہارگانہ کے حقائق پر مجمل بحث فرماتے ہیں۔ سادہ سے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلا ارتفاق انسان کی گھریلو زندگی کے لوازمات و ضروریات، فطری خواہشات اوران کی تکمیل کی تدابیر سے متعلق ہے یعنی اس کا کھانا پینا، لباس، رہنا سہنا، ازدواجی تعلقات، تعلیم وتربیت، اکتسابی علوم واخلاق فاضلہ، تہذیبی روابط کار اور معاشی مصروفیات کی تدابیر نافعہ۔ ظاہر ہے کہ ان سب فطری وجبلی خواہشات وضروریات کی تکمیل اپنے نوعی تقاضوں کے مطابق کئے بغیر انسان دوسری ترقی یافتہ منزل میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ارتفاق ثانی: اس کے پانچ علوم ہیں (1) حکمتِ معاشیہ (فن معاش) (2) حکمتِ اکتسابیہ (صنعت وحرفت) (3) حکمتِ منزلیہ (ازدواج، ولادت، ملکیت، قرابتداری، آدابِ صحبت (4) حکمتِ تعاملیہ، (لین دین کے قواعد ومسائل وآداب) (5) حکمتِ تعاونیہ (کفالت، مضاربت، شرکت، وکالت، اجرت، اجارہ طلبی کے معاملات) یہ ارتفاق انسان کی وسیع تر شہری زندگی سے متعلق سمجھا جاسکتا ہے۔ ارتفاق ثالث: تمدن کوشائستہ بنانے کے بعد انسان کے لئے شہریت واجب ہوتی ہے، شہریت صرف فصیل، بازار، محلات، سربفلک عمارتوں کا نام نہیں بلکہ اس باہمی ربط وضبط وتعلق کا نام ہے جو انسانوں کے مختلف گروہوں اور جماعتوں کے درمیان پایا جاتا ہے اس تمدن کی صحت برقرار رکھنے کے لئے عدل وعدالت اور امام وحکمران، اولی الامر یا خلیفۃ المسلمین کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ گویا ملکی زندگی پر محیط ہے۔ ارتفاق رابع: بڑے پیمانے پر اقوام ملت کے جھگڑے اور تنازعات نمٹانے کے لئے چھوٹی وحدتوں (ملکوں) کو تمدنی کنفیڈریشن میں منسلک کرنے کی ضرورت اُبھر کر سامنے آجاتی ہے جسے پورا کرنے کے لئے خلیفۂ اعظم یا خلیفۂ خلفاء کی ضرورت پڑسکتی ہے۔

حضرات کرام! آپ نے نوٹ فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ ایک حکیم الامت کی شان سے کس طرح مستقبل میں اُمہ کے مسائلِ ملکیہ ومدنیہ وانفرادیہ حل کرنے کا ایک مکمل لائحہ عمل تجویز فرمارہے ہیں۔ بلکہ ''اسلامی دولتِ مشترکہ'' کا تصور کس خوبصورتی سے بیان کر رہے ہیں۔ لیکن آپ کے نزدیک اسلام ان چہارگانہ ارتفاقات میں نیک اور صالح طور طریقے اختیار کرنے اور شریعت کے احکام پیشِ نظر رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے نزدیک یہ

سب دنیاوی بکھیرے فی نفسہٖ مقصود نہیں بلکہ معرفتِ الٰہیہ اور ربِّ رحمان تک رسائی کے ذریعے ہیں۔ جیسا کے اگلے مقالہ میں وہ کھل کر انسان کے اصل مقصود پر طویل بحث فرماتے ہیں۔

دوسرا مقالہ اس مقالہ میں امام الانسان کے اُن احکام سے بحث کی گئی ہے جو ابنائے آدمؑ کی فطرت وسرشت میں اس لئے ودیعت کئے گئے ہیں کہ وہ ان کی بدولت علم وعمل کے شعبوں میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اپنے آپ کو ہر قسم کے شرور، فتنۂ قبر، عذابُ النار اور دیگر تکلیفات آخرت سے بچانے کی صلاحیت واستعداد اپنے اندر پیدا کریں۔

پہلی فصل: معرفتِ باری تعالیٰ سے متعلق ہے جس کے لئے استعدادِ خداشناسی انسانی فطرت میں پہلے سے ودیعت شدہ ہے۔ دینِ حنفی یہ ہے کہ انسان اپنے رب کو عقل معاشی کے ذریعے پہچان سکے۔

دوسری فصل: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا اجمالی اثبات

تیسری فصل: اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حسنہ کی تفصیلی تشریح۔

چوتھی فصل: اسمائے حُسنیٰ کی مزید مختصر تشریح۔

پانچویں فصل: آیات' قدرتِ الٰہیہ کی اُن کھلی نشانیوں کو کہتے ہیں جن کو دیکھ کر انسان کی طبیعت وفطرت' دل ودماغ' مغلوب ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ اطاعت خم کرنے پر مجبور ہو جائے۔

چھٹی فصل: ایمان بالقدر کے ثبوت۔ اثباتِ تقدیر کی فطری اور عقلی دلیلیں۔

ساتویں فصل: حقیقت انسان کی تحقیق یا ایمان واحسان کا فرق ـــــــ درجۂ احسان پر فائض ہونے کا طریقہ' احسان کے مراتبِ ثلاثہ' فطرتِ انسانی کا مفہوم

آٹھویں فصل: معرفتِ الٰہی اور فطرتِ انسانی کی راہ میں حجاباتِ ثلاثہ (1) حجابِ طبیعت (2) حجابِ رسم (3) حجابِ جہل حجتِ ثلاثہ کا ازالہ: روزے رکھے، کم خوابی، کم خوری، کم گوئی کے ذریعے نفسانی خواہشات کی شدت وسرکشی کو توڑا جائے۔ بیہودہ اور گندی باتیں سننے سے گریز کیا جائے۔ سوء معرفت کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور تکرارِ ذکر وفکر کے ذریعے اپنے ذہن کا تزکیہ کرے اور اس پر دوام اختیار کرے کیونکہ ذکرِ الٰہی سے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے اور وہ عالم جبروت کی طرف پیش رفت کرتا ہے۔ اور اُس پر لاہوت کا رنگ چڑھنے لگتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت، آیاتِ قدرت میں غور وخوض، پند ونصیحت سننا بھی سوءِ معرفت کی

بیخ کنی میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

نویں فصل: احسان سے عبادات کے پیدا ہونے کا مجمل بیان۔

دسویں فصل :احسان سے عبادات کے پیدا ہونے کا تفصیلی بیان۔

گیارہویں فصل: شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام۔

بارھویں فصل: رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کی تاویل (حدیثِ پاک: ''تم پہلی قوموں کے نقش قدم پر چلو گے اور ہر شعبۂ زندگی میں قدم بہ قدم، دست در دست اور بالشت بر بالشت پوری تقلید کرو گے یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں تو تم بھی اُس میں داخل ہو گے'' صحابہؓ نے عرض کیا'' پہلی قوموں سے مراد کیا یہود و نصاریٰ ہیں؟'' حضورؐ نے فرمایا'' تو اور کون؟'' شاہ صاحب نے اس حدیث پاک کی روشنی میں علماء و مشائخ کے طرز عمل پر کڑی گرفت کی ہے جن کے فرائض میں تھا کہ اُمہ کی رہنمائی درست سمت میں کرتے اور اُسے گمراہ ہونے سے بچاتے۔ تیرھویں فصل: قیامت سے پہلے آنے والے فتنوں کی کیفیت اور قیامت کا اثبات

چودھویں فصل :اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس جو خیر محض ہے، کس طرح شر کا مصدر ہو سکتی ہے؟

تیسرا مقالہ پہلی فصل : ملتوں اور شریعتوں کا بیان: ملت کی حقیقت اور اس کے ظہور میں آنے کے اسباب، ارتفاقِ ثانی و ارتفاقِ ثالث اور وہ اقترابات (نزدیک ہونے کے طریقے) جن پر انسان کی اجتماعی و انفرادی زندگی قائم ہے۔

دوسری فصل :ملتِ عالیہ کا بیان: الٰہیات کے بیان کرنے میں ملت کا طریقہ۔ ملت کا بانی کون ہو؟

تیسری فصل : واجب الاتباع ملت اور ماھیاتِ ثلاثہ کا بیان۔ وہ روزن جس سے جھانک کر ملتِ حنیفیہ یا ملتِ خاصہ کا مشاہدہ کر سکتا ہے جو امام مبین میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رنگ میں کس طرح رنگا جا سکتا ہے اور اپنے نفس سے فنا ہو کر بقا باللہ کا مقام کیسے حاصل کیا سکتا ہے۔ مختلف ملتوں کا ظہور خصوصاً ملتِ محمدیؐ کا ظہور کیونکر ہوا؟

چوتھی فصل :ملتِ حنیفیہ کی حقیقت اور اس کی تعلیمات کا ملخص

پانچویں فصل : علم تشریع اور اس کے قوانین

چھٹی فصل: خاتم النبیّن حضرت محمد ﷺ کی شریعت مطہرہ کے مقاصد۔

(1) اُن بڑے مقاصد میں سے ایک ارتفاق ثانی کی اصلاح ہے اس کی کجی جور وظلم اور بدعنوانیوں کو درست کیا جائے چنانچہ اس ارتفاق کی بنیاد انسانی خواص اور علوم تجربیہ پر رکھی اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی تعظیم کو اس کے ساتھ ملا دیا اور یہ معجون مرکب اصلاح تہذیب وتمدن کے لئے نہایت نافع ثابت ہوا۔

(2) دوسرا مقصدِ شریعت' رسوم کی اصلاح ہے۔(3) تیسرا مقصد ارتفاق ثالث کا قیام۔ شعائرِ الہیہ اور دین اسلام کے اظہار اور نشر واشاعت کا اہتمام کیا جائے۔ کفر وشرک اور فسق وفجور کی اہانت کی جائے اور ملکِ خدا کو ان سے پاک وصاف کر دیا جائے۔ تبلیغ دین' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کیا جائے اور لوگوں کے وعظ وارشاد اور پند ونصیحت کا انتظام کیا جائے۔ اور علوم وفنون کی اشاعت وترویج کی جائے۔

(4) چوتھا مقصد : دین اسلام کو ارتفاق رابع کے مطابق غالب ونافذ کیا جائے تاکہ روئے زمین پر کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے جو دین حق سے مغلوب نہ ہو۔

(5) پانچواں مقصد : حجب ثلاثہ کو توڑ کر لوگوں کو مقام احسان پر فائز کرنا۔

(6) چھٹا مقصد: شرِ ثانی کے آفات سے لوگوں کو بچانا ہے۔

ساتویں فصل : ''دین اسلام کے اُصول: اجزائے ایمان وشرائط، دخول اسلام، علاماتِ نفاق۔

آٹھویں فصل: نظافت (جسم ولباس اور مکان کی صفائی کی) تشریح

قارئین کرام! حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے احوال واصلاح امت میں جس دردمندی اور جانفشانی سے یہ کتاب مرتب فرمائی ہے وہ اس کے مضامین عالیہ کے سرسری سے تذکرے سے بخوبی جانی جاسکتی ہے۔ کاش کہ ہمارے علماءِ ومشائخ کو حضرت شاہ صاحبؒ کے تجویز کردہ لائحہ عمل پر غور وفکر کر کے اپنے مخاطبین ومتوسلین کو اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی توفیق ارزانی ہو جاتی تو آج امتِ مسلمہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جس بھنور میں پھنسی ہوئی ہے' اُسے اس سے نجات مل چکی ہوتی۔

-------O-------

باب-6

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ختم ہونے پر تصوّف کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

صوفیہ نے کارِ نبوت کو اولی العزمی سے پورا کرنے کا بیڑا اُٹھایا

امت مسلمہ ہی نہیں بلکہ تمام اقوام عالم کی موت وحیات' ترقی وتنزل اور سعادت و شقاوت کے جو اصولی اسباب ومراتب قرآن حکیم نے بیان کئے ہیں اُن میں دو اہم ترین حقیقتیں ''اجتماع وائتلاف'' اور اَشتات وانتشار ہیں۔ مفردات امام راغب اصفہانی کے مطابق ''اجتماع'' کا مطلب ہے: باہم اکٹھے ہو جانا'' اور ائتلاف کے معنی ہیں مختلف چیزوں کا مطلوبہ پیمانوں کے تناسب وترتیب سے متعین ہو جانا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰیo وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰیo

ترجمہ: ''جس نے پیدا کیا (ہر چیز کو) پھر ظاہری اور باطنی قوتیں دے کر راست کیا' اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا' پھر اسے راہ دکھائی''۔ (الاعلیٰ۔87:2-3)

صاحب تفسیر ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ ان رفیع الشان آیات پر گفتگو کرتے

ہوئے کہتے ہیں کہ (اللہ بزرگ و برتر) کی تخلیق بے ہنگم نہیں جہاں سلیقہ اور نظم کا نام ونشان نہ ہو۔ ہر تخلیق میں نظم و نسق، ترتیب یکسانیت کارفرما ہے۔ ہر نوع کے کروڑہا افراد ہیں۔ کسی کی وضع و ترتیب میں آپ کو کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ کہیں بھی تو آپ نہیں دکھا سکتے ہیں کہ بلی کا جسم بڑھ کر شیر جتنا ہو گیا ہو۔ یا بیل کی طرح گھوڑے کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔ (اسی طرح رب الاعلیٰ نے) ہر چیز کا مقصد بھی متعین کر دیا ہے۔ اس کی افادیت کا دائرہ بھی مقرر کر دیا ہے، جو فرائض اُس نے انجام دینے ہیں اور جس جس مقصد کیلئے اسے استعمال کیا جانا ہے، سب کا پوری طرح اندازہ کر دیا ہے۔ غرضیکہ جملہ کلیات و جزیات کے تمام احوال و کوائف بڑی تفصیل سے قبل از وقت طے کر دیئے گئے ہیں۔۔۔ اس فطری ہدایت کے جلوے نباتات اور حیوانات میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔۔۔۔ حضرت انسان تو ایک طور ہے، اس کا ذرہ ذرہ حکمت الٰہی کی جلوہ گاہ ہے۔

اجتماع وائتلاف کی ضد: موت وفنا

گویا کہ زندگی اور وجود ہے مگر اجتماع وائتلاف سے موت اور فنا نہیں ہے مگر اس کی ضد۔ چنانچہ اشتات ''تشتت'' سے ہے جس کے لغوی معنی ہیں ''تفریق'' اور الگ الگ ہو جانا۔ اس پر قرآن کی شہادت ہے: ''تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل ''متفرق'' ہیں (59الحشر:4) گویا کہ یہ کیفیت انتشار پر دلالت کرتی ہے۔ مذکورہ ہر دو کیفیات پر ایک اور آیت صادق آتی ہے۔ فرمایا گیا:

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ۝

ترجمہ: ''اور مضبوطی سے پکڑلو اللہ کی رسی سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اُس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم (آپس میں) دشمن تھے۔ پس اُس نے اُلفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے کنارے پر اُس نے بچا لیا تمہیں اس (میں گرنے) سے۔ یونہی بیان

کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت (قدم) رہو"۔(3۔آل عمران:103)

ابوالکلام آزاد امت اسلامیہ میں عہدِ اجتماع و ائتلاف اور دورِ اشتات و انتشار کا تجزیہ کرتے ہوئے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ انتہائی غور طلب اور سبق آموز ہے مسئلہ خلافت پر اپنے رشحاتِ فکر و نظر بکھیرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس قانون کے مطابق مسلمانون کی زندگی و عروج کا اصلی دور وہی تھا جب ان کی قومی و انفرادی، مادی و معنوی، اعتقادی و عملی زندگی پر اجتماع و ائتلاف کی رحمت طاری تھی اور ان کے تنزل و ادبار کی اصلی بنیاد اسی دن پڑی جب اجتماع و ائتلاف کی جگہ اشتات کی نحوست چھانی شروع ہوگئی۔ابتداء میں ہر مادہ مجتمع تھا، ہر طاقت سمٹی ہوئی تھی، ہر چیز بندھی ہوئی تھی لیکن بتدریج تفرقہ و انتشار کی ایسی ہوا چلی کہ ہر بندھن کھلا، ہر جماؤ پھیلا، ہر ملی جلی اور اکٹھی طاقت الگ الگ ہو کر منتشر اور تتر بتر ہوگئی۔قرآن حکیم کے بتلائے ہوئے قانون تنزل اقوام کے مطابق یہ حالت ہر چیز اور ہر گوشۂ وجود و عمل پر طاری ہوئی اور ایک ہزار برس پر تین صدیاں گزر چکی ہیں (اب تو چار صدیاں بیت گئیں: مؤلف) کہ تنزل و ادبار کی حالت برابر طاری ہو رہی اور بڑھتی جا رہی ہے۔لوگ اسبابِ تنزلِ امت پر بحث کرتے اور پھر طرح طرح کی علتیں ٹھہراتے اور طرح طرح کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں حالانکہ قرآن و سنت اور عقلیات صادقہ کے نزدیک تنزل کے تمام فسادات و نتائج صرف اسی ایک چیز (یعنی اشتات و انتشار) کا نتیجہ ہیں"۔آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

حضورؐ کے بعد خلفاء راشدینؓ کی خلافتِ خاصہ یا امامتِ کبریٰ

"آنحضرت ﷺ کا وجود اسلامی طاقت کی اصلی شخصیت تھی۔آپؐ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو صرف ایک داعی شریعت یا حامل وحی ہی کی جگہ خالی نہیں ہوئی بلکہ اُن ساری قوتوں، سارے منصوبوں، ساری حیثیتوں اور ہر طرح کے نظری و عملی اختیارات و قویٰ کی، جو آپ کی شخصیتِ مقدسہ میں اکٹھی تھیں اور جن کا آپ ﷺ کے تنہا وجود مقدس میں جمع ہونا اسلام کی شرعی و دینی خصوصیات میں سے تھا۔اسلام کا داعی مسیحیت کے مقدس پہاڑی واعظ کی طرح صرف ایک اخلاقی معلم ہی نہ تھا اور نہ دنیا کے فاتح حکمرانوں کی طرح محض ایک جہانگیر اور عالم ستاں شہنشاہ جب آپؐ دنیا سے تشریف لے گئے تو خلفاء راشدینؓ کی خلافت خاصہ اسی اجتماع و قویٰ اور انہی

مناصب پر قائم ہوئی' اسی لئے اسے ''منہاج نبوت'' سے تعبیر کیا گیا۔۔۔پس خلفاء راشدینؓ کو جو نیابت پہنچی اس میں وحی و تشریع کی قائمقامی تو نہیں ہو سکتی تھی لیکن اور تمام اجزاء و خصائصِ نبوت کی نیابت داخل تھی۔۔۔لہٰذا وہ ایک ہی وجود کے اندر صاحبِ امامت و خلافت بھی تھے' صاحب اجتہاد و قضا بھی تھے اور صاحب سیاست و نظمِ احکامِ بلاد بھی۔ اصلاً ''امامت کبریٰ'' کا مقام' اجتہادِ دینی اور سیاستِ ملکی دونوں سے مرکب ہے۔۔۔

کارِ نبوت یا امامتِ کبریٰ کے خصائص

اسی طرح نبوت کا مقام' تعلیم و تربیت امت کی مختلف قوتوں سے مرکب تھا قرآن حکیم نے اس کو تین اصولی قسموں (اگرچہ یہ ہیں پانچ جن کی نشاندہی تشریح و توضیح ہم آگے چل کر کریں گے: مؤلف) میں بانٹ دیا ہے: **یتلو علیھم ایٰتہٖ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ**: یعنی تلاوت آیات! تزکیہ نفوس' تعلیم کتاب و حکمت۔ خلفاء راشدینؓ ان تینوں شعبوں میں وجود نبوتؐ کے نائب تھے۔ وہ منصب اجتہاد و قضاء شرع کے ساتھ قوتِ ارشاد و تزکیہ و تربیت بھی رکھتے تھے۔ وہ ایک صاحب وحی کی طرح خدا کے کلام کی منادی کرتے' ایک نبی کی طرح دلوں اور روحوں کو پاکی بخشنے اور ایک رسول کی طرح تعلیمِ کتاب اور حکمت و سنت سے امت کی تربیت و پرورش کرنے والے تھے۔ وہ ایک ہی وجود میں ابوحنیفہؒ و شافعیؒ بھی تھے اور جنیدؒ اور شبلیؒ بھی' نخعیؒ و حماد بھی تھے۔ ابن معینؒ اور ابن راہویہ بھی۔ جسموں کا نظام بھی انہی کے ہاتھوں میں تھا۔ دلوں کی حکمرانی بھی انہی کے قبضہ میں تھی۔ یہی حقیقی اور کامل معنی' منصبِ نبوت کی نیابت کے ہیں۔۔۔لیکن جیسا کہ پہلے سے خبر دے دی گئی تھی' اجتماع و ائتلاف کی یہ حالت حضرت علی علیہ السلام پر ختم ہو گئی۔ اس کے بعد اشتات و انتشار کا دور شروع ہوا جو ان جملہ مرکزی قوتوں اور منصوبوں کا انتشار و اشتات تھا جس سے فی الحقیقت امت کا تمام نظام شرعی اصلی درہم برہم ہو گیا''۔۔۔

خلفاءِ راشدین کے بعد خلافتِ خاصہ کے فرائض کی انجام دہی کیلئے اصحاب تصوف میدان میں اترے

اپنے دلائل کو سمیٹتے ہوئے آگے چل کر مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''خلافت خاصہ کے بعد یہ ساری یکجا قوتیں الگ الگ ہو گئیں۔ ایک وجود کی جگہ

مختلف وجودوں میں ان کا ظہور اور نشو و نما ہوا۔ حکومت و فرمانروائی کا ٹکڑا الگ ہو کر مجرد پادشاہی کی شکل میں آ گیا۔ اسی کی طرف (حضورؐ کا) اشارہ تھا "**الخلافة بعدی ثلثون سنة ثم ملك**"، سو واقعی اس کے بعد صرف پادشاہی رہ گئی۔ اجتہاد اور قضاء شرعی کا جز خلافت سے الگ ہوا تو مجتہدین و فقہاء کی ایک الگ جماعت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے یہ کام سنبھالا۔ اسی طرح تعلیم و تربیتِ روحانی کا سلسلہ بھی حکومت سے الگ ہو گیا۔ پہلے خلافت کی ایک ہی بیعت تمام مقاصد کی کفیل تھی۔ اب خلیفہ کا وجود پادشاہی کیلئے اور فقہا کا مجرد استنباطِ احکام و مسائل کیلئے رہ گیا' تو تزکیۂ نفوس اور ارشادِ قلوب کیلئے ایک دوسری بیعت مستقلاً قائم ہوئی جو بیعتِ توبہ و ارشاد ہوئی اور اس طرح اصحابِ طریقت و تصوّف کی بنیاد پڑی"۔ (دیکھیے ابوالکلام آزاد کی تصنیف "مسئلہ خلافت" ص 16 تا 32)

واضح رہے کہ حکومت کی بیعت اور توبہ و ارشاد کی بیعت میں اوّل اوّل یہ فرق قائم رہا کہ بادشاہوں یا بزعم خود خلفاء کی بیعت تلوار کے ڈر یا خوف سے کی جاتی رہی جب کہ توبہ و ارشاد کی بیعت کا نظام اجازتِ مرشد کے اصول پر قائم تھا اور یہ اسی طرح حسب سابق جاری و ساری رہا اور آج تک ایک مضبوط تسلسل کے ساتھ قائم ہے۔

خلافت راشدہ کے بعد منصبِ اولی الامر کی تین حصوں میں تقسیم

ابوالکلام آزاد نے ملتِ اسلامیہ کی تاریخ کے مرحلۂ تشتت و انتشار کی نشان دہی کرتے ہوئے اس امر کی بھی وضاحت کر دی تھی کہ حضور نبیٔ رحمت ﷺ کے دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد خلفاء راشدین کی خلافت خاصہ جس اجتماع و قویٰ و مناصب پر قائم ہوئی' اسے منہاجِ نبوت سے تعبیر کیا گیا تاہم خلفاءِ راشدین کو جو نیابت پہنچی اس میں وحی و تشریع کی قائم مقامی' کو چھوڑ کر تمام اجزاء و خصائصِ نبوت داخل تھے۔ لیکن یہ دور بھی جب رسالت مآب ﷺ کی پیش گوئی (اس سلسلہ سے متعلق مکمل حدیثِ نبویؐ کا حوالہ کتاب میں مناسب جگہ دیا جائے گا) کے عین مطابق تیس سال کے اندر اختتام کو پہنچا تو مقام و مرتبۂ اولی الامر تین حصوں میں بٹ گیا۔

(1) نظم و انصرام و احکام بلادِ اسلامیہ پر بادشاہت چھا گئی۔

(2) قرآن و سنت سے احکام کا استنباط' یعنی قضاۃ اور مسائل حاضرہ پر اجتہاد کا فریضہ فقہا کی ذمہ داری ٹھہرا۔

(3) تزکیۂ نفوس اور توبہ وارشادِ قلوب کی بھاری ذمہ داری صلحائے امت نے سنبھال لی۔

یہاں یہ امر خصوصیت سے قابل غور اور اہمیتِ خاصہ کا حامل ہے' آیا کہ تاریخ کے جس مرحلہ کی نشاندہی مولانا ابوالکلام نے کی ہے اُس مرحلہ پر کیا محولہ بالا پہلے منصب کو چھوڑ کر بقیہ دو مناصب الگ الگ ہو گئے تھے یا نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اُس وقت تک اجتہادِ دینی وقضا اور منصب تزکیۂ نفوس اور توبہ وارشادِ قلوب باہم دگر مربوط و یکجا تھے کیونکہ حالات ابھی اُس مقام پر نہیں پہنچے تھے جس کی نشان دہی مولانا آزاد نے کی ہے۔ اس بارے میں اہل علم عموماً جس حدیث مبارکہ کا حوالہ دیتے ہیں وہ یہ ہے:

حضرت ابوہُریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان میں ہیں اور بہت کم ہیں ایسے لوگ جن کی عمر اس سے زیادہ ہو (رواہ' مشکواۃ بحوالہ ترمذی ابن ماجہ)۔ اس حدیث کی رَو سے اگر تین قرنوں کا اندازہ لگایا جائے تو کل مدت دو اڑھائی سو ہجری سال بنتی ہے۔

''حضرت عمران بن حُصینؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کے بہترین لوگ میرے قرن کے لوگ ہیں' پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان سے متصل و پیوستہ ہیں' پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان سے متصل ہیں۔ پھر ان تین قرنوں کے بعد لوگوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جو بغیر طلب وخواہش کے گواہی دے گی۔ اور ایسے لوگ ہوں گے جو خیانت کریں گے اور اپنی نذر کو پورا نہ کریں گے اور ان میں موٹاپا یعنی فربہی پیدا ہوگی (یعنی لوگ عیش وعشرت کے دلدادہ ہو جائیں گے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری زوال پذیر ہونے لگے گی۔ (متفق'' علیہ)'' (یعنی لوگ عیش وعشرت کے دلدادہ ہو جائیں گے۔ تقویٰ و پرہیزگاری زوال پذیر ہونے لگے گی)۔

محدثین کے مطابق قرن ایک عہد ہے جو بعض کے نزدیک چالیس سال پر محیط ہوتا ہے اور بعض اسے اسی (80) سال اور بعض سو سال پر محیط قرار دیتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ قرن سے مراد ایسا دور ہے جس میں ایک عمر کے لوگ زیادہ تعداد میں موجود ہوں۔ ایک اور حدیث پاک میں رسول ﷺ نے فرمایا:

''حضرت عمرؓ فرماتے ہیں' رسول ﷺ نے فرمایا کہ میرے اصحابؓ کی تعظیم

وتکریم کرو اس لئے کہ وہ تمہارے بزرگ ترین آدمی ہیں۔ پھر وہ لوگ بہتر اور قابل عزت ہیں جو اُن کے قریب ہیں اور پھر وہ لوگ بہتر اور لائق تکریم ہیں جو ان سے متصل اور پیوستہ ہیں‘ اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا یہاں تک کہ ایک شخص قسم کھائے گا اور اُس سے قسم کا مطالبہ نہ ہوگا۔ اور گواہی دے گا اور اُس سے گواہی کی خواہش نہ کی جائے گی‘ آ گاہ رہو کہ جو شخص جنت میں بالکل درمیان میں رہنے کی خواہش رکھتا ہو اُس کو چاہیے کہ وہ جماعت کو لازم پکڑے‘ اس لئے کہ شیطان اس شخص کے ساتھ ہے جو جماعت سے علیحدہ اور تنہا ہو۔ اور شیطان دو شخصوں سے بھی دور رہتا ہے (جو متحد ہوں)۔ اور مرد غیر عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے‘ اس لئے کہ اُن کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ اور جو شخص اپنی نیکی سے خوش ہو اور بدی سے رنجیدہ و غمگین ہو وہ مومن ہے۔‘‘

احادیث میں خیر وفلاح کے ادوار کی نشاندہی

محولہ بالا احادیثِ مبارکہ سے اُن ادوار کا تعین کوئی مشکل کام نہیں رہ جاتا کہ جو خیر و فلاح‘ تقویٰ و پرہیزگاری کی فضا قائم رکھنے اور اصلاح نفس کے مواقع فراہم کرنے میں ممد و مددگار تھے اور یہ ادوار درجہ بدرجہ صحابہ کرامؓ ‘ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے تعلق رکھتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ‘ سن ۱۰ ہجری میں مسند آرائے خلافت ہوئے اور سوا دو برس تک اس منصب جلیلہ پر رونق افروز رہے۔ اور اُن کے بعد حضرت عمرؓ بن خطاب مسند نشین خلافت ہوئے اور یکم محرم سن 24ھ کو واصل بحق ہوئے۔ آپ کے بعد بزرگ صحابی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ‘ منصب خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اور اُن کی شہادت کے بعد 21 ذی الحجہ 35ھ کو جناب علی المرتضیٰؓ کے دست اقدس پر بیعت ہوئی اور 20 رمضان سن 40ھ کو فضل و کمال اور رشد و ہدایت کا یہ آفتاب بھی غروب ہو گیا۔ چنانچہ ایک حدیث مبارکہ ہے:

’’حضرت عمرؓ بن خطاب کہتے ہیں‘ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنی وفات کے بعد صحابہؓ کے درمیان اختلاف کی بابت دریافت کیا (یعنی اس کی مصلحت دریافت کی) خداوند

تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعے آگاہ کیا کہ اے محمدؐ! تیرے اصحابؓ میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان پر ستارے۔ بعض ان میں قوی ہیں (یعنی ان میں زیادہ روشنی ہے) بعض ایسے (کہ کم روشنی والے) لیکن بہر حال سب روشن ہیں پس جس شخص نے ان کے اختلاف میں سے کچھ لیا میرے نزدیک وہ ہدایت پر ہے۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے تم جس کی اقتدا کرے کروگے ہدایت پاؤ گے۔ (رَوَاہُ زرین")۔"

قرن کی توجیہہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا' مختلف مدتوں پر محیط خیال کی جاتی رہی ہے۔ تاہم مورخین تصوف نے عمومیت کے ساتھ صلحائے امت کے قرن اوّل کو 40 ہجری تک کا دور قرار دیتے ہوئے اس کی تقسیم کچھ اس طرح سے کی ہے:

قرن اوّل ۱۱۰ھ تک

(1) عہد رسالت مآب ﷺ: 10ھ تک (2) عہد خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ: 10ھ تا 13ھ (دوسال چار ماہ) (3) عہد خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ: 13ھ تا 24ھ (دس سال چھ ماہ) (4) عہد خلافت راشدہ حضرت عثمان غنیؓ" 24ھ تا 35ھ (بارہ سال سے چند روز کم) (5) عہد خلافت راشدہ حضرت علیؓ: 35ھ تا 40ھ (تقریباً پانچ سال) (6) عہد خلافتِ امام حسنؓ: 40ھ (تقریباً چھ ماہ) کل مدتِ خلافت راشدہ 30 سال جیسا کہ حضور رسالت مآب ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی۔

قیام وانصرام تسلسل خلافت

معرکۂ حق و باطل میں صلحائے امت کا کردار

درحقیقت معرکۂ حق و باطل کا یہ پہلو خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ عطائے خلافتِ ارضی دنیا ہی میں بہت بڑا اعزاز وانعام نہیں جو نسل آدم کو ورثہ میں ملا' بلکہ اسی جہادِ زندگانی میں کامیابی و کامرانی پر انسان آخرت میں سرخرو ہو کر اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات وانعامات کا حقدار بن سکتا تھا۔ چنانچہ شیطان لعین کو یہ کیونکر گوارا ہو سکتا تھا؟ لہٰذا معرکۂ حق و باطل برپا ہوا اور کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار

پیغمبروں کی قیادت میں اس شرفِ انسانی کی حفاظت کی جدو جہد نبیِ آخرالزمان محمد رسول اللہ ﷺ تک پہنچی۔ پھر خلافتِ راشدہ کے ذریعے نسل آدم کی یہ خلافت قائم ودائم رہی۔ ازاں بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ معرکہٗ حق و باطل کیا ہوا؟ کیا شیطانِ لعین اس خلافتِ الٰہیہ کو ختم کرنے میں کامیاب ہوا؟ ظاہر ہے کہ اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہوتا تو دنیا اپنی تکمیل تک پہنچ کر ختم ہو گئی ہوتی۔۔۔۔ لہٰذا ہم بار ہا یہ عرض کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ تسلیم کئے بغیر چارہ کار نہیں کہ شیطان اپنی جملہ ریشہ دوانیوں اور کارستانیوں کے باوجود خلافت کا نظام منہدم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ صلحاء واصفیاء واتقیاء وصوفیۂ عظام کا یہ کمال ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ نے شیطان کو قدم قدم پر شکست دی اور نظام خلافت کو جاری وساری رکھنے کا کارنامہ بحسن وخوبی انجام دیا۔

قرآن حکیم سے اہل حق کی ولایت (یعنی بظاہر خلافت) کے تسلسل وتواتر کے بارے میں جو نشانیاں' دلائل اور ثبوت فراہم ہوتے ہیں اُن میں دو آیات خصوصیت سے ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں وہ (آل عمران:110) اور دوسری آل عمران کی آیت 104 ہے۔

وائے ناکامی! کہ آغازِ انسانیت ہی میں اسی تسلسل ولایت وخلافت سے انکار پر معلم الملکوت عزازیل راندۂ درگاہ ایزدی ہوکر شیطان مردود کہلایا اور اول روز سے تاحال بنی آدم کو اسی خلافت کے قیام' انصرام وتسلسل کی اہمیت سے جاہل و بے نیاز رکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور قیامت تک وہ اپنا مردود سر اسی خلافتِ ختم الرسل علیہ ﷺ کی سنگلاخ جہتوں سے ٹکرا ٹکرا کر پھوڑتا اور لہولہان ہوتا رہے گا لیکن کامیاب نہ ہو سکے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) لہٰذا جس اللہ کے بندے کو قیام وتسلسل و انصرام خلافت کا مقصد و مدعا سمجھ میں آ گیا اور اُس نے خود کو اس تسلسل سے منسلک کر لیا وہ کامیاب وکامران وسرخرو ہوا اور جسے اس کی سمجھ یا توفیق ارزانی نہ ہوسکی وہ اپنے استاد شیطان کی طرح مردود ونامراد قرار پائے گا۔

خلافت کے اس تسلسل کو مستحکم کرنے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ ان کی بعثت اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے ورنہ امر واقعہ تو یہ ہے کہ روحوں نے تخلیق کائنات کے بعد اپنے سفر کا آغاز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و پیمان کر لیا تھا کہ جونہی اُنہیں جسمانی خلعت سے نوازا گیا تو وہ اللہ ہی کو اپنا خالق و مالک اور پالنہار تسلیم کریں گے اور اُسی کی عبادت کریں گے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ' چنیدہ اور مخلص بندوں نے دنیا میں آ کر اپنے عہد کو خُوب خُوب یاد رکھا اور نبھایا چنانچہ حضرت سلطان باہو فنافی الہو اسی عہد کے حوالے سے فرماتے ہیں:

الف الست بربکم سُنیا دِل میرے جند قالُو بلیٰ کوکیندی ہُو

حُب وطن دی غالب ہوئی اک پل سوّن نہ دیندی ہُو

قہر پوے تینوں راہزن دُنیا جوتوں حق دا راہ مریندی ہُو

عاشقاں مُول قبول نہ باھُو کر کرزاریاں رویندی ہُو

الف ایہونفس اساڈا بیلی جے نال اساڈے سِدھا ہُو

جو کوئی اس دی کرے تباہی' اس نام اللہ دا لدھا ہُو

ترجمہ: (جب میری رُوح نے ''الستُ بربکم' سنا تو اُس نے پکار کر کہا بلیٰ (واقعی) تو ہی میرا رب ہے۔ میرے اندر وطن (آخرت) کی کامیابی کی آرزو غالب ہوئی جو رات دن میں مجھے ایک پل بھی چین نہیں لینے دیتی۔ اے رہزن (ڈاکو) دنیا! تو جو ہمیں راہِ حق سے بھٹکاتی ہے' اللہ تجھے غارت کرے۔ اے باھُو! عاشقانِ خدامست نے تو اسے کبھی منہ نہیں لگایا تھا' اسلئے دھاڑیں مار مار کر روتی تھی۔ اگر ہمارا نفس ہمدرد و خیر خواہ ہو جائے تو یہی ہمارا دوست اور مددگار بن جاتا ہے لیکن اگر یہ ہمارا مخالف ہو تو جو شخص اس نفسِ امارہ کو مار دے اسے معرفت الٰہی حاصل ہو جاتی ہے (وہی اللہ کا پیارا کہلاتا ہے)۔ اس میثاق کی روشنی میں دیکھا جائے تو انسان' اللہ بزرگ و برتر کے حکم کی تعمیل کرنے اور کرانے کا پابند ہے کیونکہ خلافت کا مطلب اپنی ذات پر اللہ کے احکام کا نفاذ اور اُس کی تخلیق کردہ دنیا میں اسی کے حکم کا پرچم بلند کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

خلیفۃ اللہ اور خلیفۃ الرسولؐ میں فرق

چونکہ ہر نبی قاعدہ کی رو سے خلیفۃ اللہ بھی ہوتا تھا اسلئے جب تک انبیاءؑ کا سلسلہ جاری رہا' دو نبیوں کے درمیانی عرصہ میں اولیاء کرام اور بزرگانِ دین نے' جو اگرچہ نبی نہ ہوتے تھے' لیکن اپنے اپنے دور کے انبیاء کے خلیفہ ضرور ہوتے تھے۔ اسلئے انہوں نے اس نظام کو قائم رکھا۔ حضور ﷺ چونکہ اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں اور امام الانبیاء کی حیثیت میں خلافت کبریٰ کا مقام رکھتے ہیں اسلئے آپ ﷺ پر نبوت تکمیل پا جانے کے بعد سب سے پہلے خلفائے راشدینؓ اور پھر اولیائے امت' بزرگان سلف صالحین' ابرار و خواص نے خود کو پورے تدبر و فراست کے ساتھ منظم کر کے حضورؐ کی خلافتِ کبریٰ کے نظام کو ابدالآباد تک جاری و ساری رکھنے کا کارنامہ انجام دیا۔ یہی وہ کارنامہ ہے جو مختلف سلاسلِ صوفیہ کی صورت میں آج ہمارے سامنے موجود ہے اور صرف

یہی وہ سلاسل ہیں جو اس امر کی واحد شہادت ہیں کہ خلافت کے نظام کو قائم و دائم رکھا گیا۔

حقیقی اولی الامر۔۔۔ صلحاء و علماء

اسلام میں اولی الامر کی شان یہ ہے جیسا کہ محقق عقلاء نے کہا کہ ان کی معیت ان کی رفاقت، اس کی اطاعت، اُن کی حرکت پر حرکت، اُن کے سکون پر سکون، ان کی طلب پر لبیک اور ان کی دعوت پر انفاقِ جان و مال ہو۔ چنانچہ اسلام کی اصطلاح میں اسی قومی مرکز کا نام خلیفہ اور امام ہے۔ لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ خلفاءِ راشدینؓ کے بعد رسول ﷺ کے وارث علماء و صلحاء ہیں اور یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے فرائضِ نبوت کو پورا کر کے دکھایا، اولی الامر کی حیثیت سے اپنا لوہا منوایا اور خلافت کے تسلسل کو ایک لحظہ کیلئے بھی ٹوٹنے نہیں دیا۔ ان کے ہاں التزامِ جماعت بھی ہے، اطاعتِ امیر بھی ہے۔ اسلئے کیا یہ حیرت انگیز امر نہیں کہ جہاں جہاں یہ لوگ نبوت کی نیابت کے فرائض انجام دیتے آ رہے ہیں، ان میں باہمی طور پر ہمیشہ تعاون و اتحاد یعنی اجتماع و ائتلاف کا ماحول قائم ہے اور نسلِ انسانی ان سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ قرآن کی ترتیل، تزکیۂ نفوس، تعلیمِ کتاب و حکمت کے ذریعے خلافت ارضی کے مقاصد اس شان سے پورے ہو رہے ہیں کہ غیر مسلم بھی انہی صوفیہ و صلحاء کا احترام کرتے ہیں اور دینِ اسلام کی آبرو اور اس کا بھرم دھرم انہی کے دم قدم سے دائم و قائم ہے۔ امتِ مسلمہ میں صلحاء کا یہی گروہ ہے کہ جس کے ہاں فرقہ بندیوں کے مفاسد موجود نہیں اسی لئے بقول حافظ شیراز:

ماقصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم   از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

تصوف کی اساس۔۔۔ قرآن و سنت

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس گروہِ صلحاءِ امت کا اصل مقصود انسان کو اُس کے خالق و مالک کا مطیع فرمان بنانا ہے جس کیلئے ان کے علوم و اعمال کو اصطلاحی زبان میں تصوف کا عنوان دیا جاتا ہے۔ تصوف کی لغوی بحث یہاں مقصود نہیں (اس سلسلے میں تفصیلی بحث ہم کسی دوسرے باب میں کریں گے)۔ تاہم یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ سیرت و کردار کے زور سے پھیلا اور صنم کدۂ ہندوستان میں اسلام کی اول اول تبلیغ و پھیلاؤ کا سہرا مردِ متقی اور پابندِ شریعت عالم باعمل، ولی کامل حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے سر ہے۔ سیرت و کردار کا زور قرآن و سنت پر حرف بحرف عمل کے بغیر پیدا نہیں ہو

سکتا اسی لئے تصوف کی اساس ہمیشہ سے کتاب وسنت کو تسلیم کیا جاتا ہے چنانچہ شیخ سعدی شیرازیؒ کا ایک خوبصورت شعر ہے:

خلافِ پیمبرؐ کسے رہ گزید — کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

سیدھے ہاتھ میں قرآن' بائیں میں سنتِ مصطفےٰؐ

خواجہ جنید بغدادیؒ کہا کرتے تھے: ''یہ راہ تو وہی پا سکتا ہے جس کے سیدھے ہاتھ میں قرآن پاک ہو اور بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ ﷺ اور ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ تو شبہات کے گڑھوں میں گرے نہ بدعات کے اندھیروں میں بھٹکے۔'' (تذکرۃ الاولیاء) شیخ ابوالحسن علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ اپنی تالیفِ لطیف کشف المحجوب میں رقمطراز ہیں: ''پہلا رکن شریعت میں کتاب اللہ ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قرآن مجید میں آیاتِ محکمات ہیں کہ وہ اصل کتاب ہیں۔ دوسرا رکن سنت ہے جیسا کہ فرمایا گیا: جو کچھ رسول ﷺ فرمائیں اُس پر عمل کرو اور جس بات سے منع کریں' اُس سے بچو۔ اور تیسرا رکن اجماع امت ہے جیسا کہ رسول ﷺ نے فرمایا: میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی ہے اسلیئے سوادِ اعظم کو اختیار کرو۔'' حضرت بابا فرید گنج شکرؒ فرمایا کرتے تھے کہ جاہل پیر مسخر شیطان ہو جاتا ہے اس کی نگاہ حقیقت اور سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کر سکتا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں: ''پیر ایسا ہونا چاہیئے کہ احکامِ شریعت' طریقت اور حقیقت کا علم رکھتا ہو۔ اگر ایسا ہوگا تو خود کسی نامشروع چیز کیلئے نہ کہے گا۔'' (فوائد الفوائد) حضرت محبوب الٰہی کا یہ اصول تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو جو عالم نہ ہو خلافت عطا نہیں فرماتے تھے (سیر الاولیاء)۔ صوفیۂ عظام کے ترکِ دنیا کے اصول یعنی تزکیۂ نفس کو عموماً علمائے ظاہر اور جاہل بہانہ جو بزعم خویش ''دانشورانِ دین'' رہبانیت قرار دینے میں ذرا دیر نہیں لگاتے حالانکہ ترک دنیا سے صوفیہ صرف یہ مراد لیتے ہیں کہ اُن تمام خواہشات سے دست کش ہو جاؤ جن سے اللہ اور رسول ﷺ منع فرماتے ہیں اور دنیا کی محبت میں دل کو آلودہ نہ کرو کہ اس سے ذکر اللہ میں غفلت پیدا ہوتی ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء کے یہ الفاظ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں: ''ترک دنیا کے معنی یہ نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا کرے اور لنگوٹ باندھ کر بیٹھ جائے۔ بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے' کھائے بھی اور حلال کی جو چیز پہنچے اُسے رکھے لیکن اس کے جمع کرنے کی طرف رغبت نہ کرے اور نہ دل کو اس سے لگائے۔ ترک دنیا اس کے سوا نہیں۔'' (فوائد الفوائد)

سلاسلِ طریقت قرونِ اولیٰ تا حال

حضورﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں تم جس کا بھی اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے'' چنانچہ ظاہری اور باطنی فیوض و برکات اور رشد و ہدایت کے فرائض کی انجام دہی میں ہر صحابیؓ حضور رسالتمآبﷺ کا خلیفہ تھا۔ چار خلفاء راشدین' حضرت ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ و عثمان غنی و علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ اور علیؓ کے ذریعے حضرت اویس قرنیؒ کو بھی براہِ راست خرقۂ خلافت سے نوازا گیا تھا۔ حضورؐ کی خلافت دو طرح پر ہے: ایک خلافتِ صغریٰ ہے جس سے مراد خلافتِ ظاہری ہے اور دوسری خلافت کبریٰ ہے جس سے مراد خلافتِ روحانی و باطنی ہے۔ تاریخ تصوف کے مصنف عبدالصمد الازہری کہتے ہیں کہ شہزادہ محمد اختر چشتی' رسول اکرمﷺ کے متعلق تذکرۃ الفقراء میں لکھتے ہیں کہ: دس صحابہؓ کے بارے میں فرمایا کہ ان سے راہِ عرفان جاری ہوگا' جو یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق خلیفۂ راشدؓ (۲) حضرت عمر فاروق خلیفۂ راشدؓ (۳) حضرت عثمانِ غنی خلیفۂ راشدؓ (۴) حضرت علی المرتضیٰ خلیفۂ راشدؓ (۵) حضرت طلحہؓ صحابی (۶) حضرت زبیرؓ صحابی (۷) بوعیسؓ صحابی (۸) حضرت سعد بن حضرت ابی وقاصؓ صحابی (۹) حضرت سعید بن مسیّب صحابی (۱۰) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ صحابی۔

بعض نے کئی سو اصحابؓ کی تعداد لکھی ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحات مکیہ کے باب ۹۳ میں حضرت ابوبکرؓ کو امام الاولیاء قرار دیا ہے۔ شیخ فریدالدین عطارؒ نے بھی تذکرۃ الاولیاء میں خلفائے راشدینؓ کے حالات کو سب سے پہلے بیان کیا ہے۔ چنانچہ اگر یہ حضرات صاحبانِ طریقت نہ ہوتے تو مشہور بزرگ تو ایسا لکھتے اور نہ ہی تسلسلِ خلافت کا جواز پیدا ہوسکتا۔

سلاسلِ صحابہؓ

○ خواجہ جنید بغدادیؒ عن شیخ ابی سعید الخرازؒ عن خواجہ بشر حافیؒ عن شیخ ابی رجاء العطاءؒ عن خواجہ فضل بن عباسؒ عن شیخ منصور السلمیؒ عن شیخ محمد بن مسلم الزاہدؒ عن شیخ محمد جبیر لوفلیؒ عن شیخ محمد مطعمؒ عن حضرت ابی بکر الصدیقؓ۔

- شیخ بدیع الدین شاہ مدارؒ عن طیفو رشامیؒ عن امین الدین شامیؒ عن عبداللہ علم بردارؒ عن حضرت ابی بکر الصدیقؓ۔
- شیخ ابی سعید الخرازؒ عن شیخ عبداللہ وجی عن ابی تراب عسکر نخشویؒ عن خواجہ بایزید بسطامیؒ عن شیخ امین الدین شامیؒ عن حضرت عبداللہ علم بردارؒ عن حضرت عمر فاروقؓ۔
- شیخ ابی تراب عسکر نخشویؒ عن حاتم اصمؒ عن شیخ عبدالرحمٰن خواصؒ عن شیخ شفیق بلخیؒ عن شیخ ابراہیم ادہمؒ عن شیخ کمیلؒ بن زیادؒ عن حضرت عثمان غنیؓ۔
- عبداللہ علم بردارؒ اور کمیل بن زیادؒ نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے بھی فیض پایا۔ اس لئے ان کا سلسلہ حضرت علیؓ سے بھی ہے۔
- شیخ کمیلؒ بن زیاد عن حضرت ابی ہریرہؓ۔
- امام الطریقت شیخ احمد کبیر رفاعی (۵۷۲ھ) عن شیخ منصور بسطامیؒ عن امام سہیلؒ بن عبداللہ تستریؒ عن خواجہ ذوالنون مصریؒ عن شیخ اسرافیلؒ عن شیخ ابوعبداللہ محمد حبشیہؒ تابعی عن حضرت جابر انصاریؓ صحابی۔۔۔ یہ سلسلہ رفاعیہ مشہور ہے۔
- خواجہ بایزید بسطامیؒ عن شیخ حبیب عجمیؒ عن امام محمد بن سیرینؒ عن حضرت انس بن مالک صحابیؓ۔
- امام الطریقت ابوالعباس سید احمد بدویؒ (۶۷۵ھ) عن شیخ عبدالجلیل نیشاپوریؒ عن شیخ عبدالحمیدؒ عن شیخ عبدالمجیدؒ عن شیخ علی بن ابی الحسنؒ عن شیخ احمد شفائی عن شیخ محمد شیرازیؒ عن شیخ عبدالرزاقؒ عن شیخ ابی الطاہرؒ عن شیخ عبدالقدوسؒ عن شیخ احمد بن محمد توریزیؒ عن شیخ حبیب عجمیؒ عن امام حسن بصریؒ عن شیخ عمران بن حصینؒ عن حضرت انس صحابیؓ۔ یہ سلسلہ بدویہ مشہور ہے۔ محمد توریزیؒ نے فضیل بن عیاضؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔
- شیخ عطاءؒ بن رباح عن امام قاسمؒ بن محمد عن امام عروہ بن زبیر عن حضرت سلمان فارسیؓ صحابی۔
- شیخ داؤد طائیؒ عن امام ابی حنیفہؒ عن شیخ عطاءؒ بن رباح عن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ صحابی وحضرت زبیر بن عوام صحابی وحواریٔ رسول ﷺ۔
- شیخ داؤد طائیؒ و شیخ ابراہیم بن ادھمؒ عن امام سفیان ثوریؒ عن امام ابراہیم نخعیؒ بن امام علقمہ بن قیسؒ عن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابی۔

- امام احمد بن حنبلؒ عن امام سفیان ثوریؒ عن امام ابو محمد عمرو بن دینا فہمی عن حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابی۔
- شیخ ابراہیم ادھمؒ عن امام مالکؒ عن نافعؒ عن حضرت عبداللہ بن عمرؓ صحابی۔
- امام حسن بصریؒ عن حسنؓ صحابی بن علیؓ صحابی۔
- امام حسن بصریؒ عن امام حسینؓ صحابی بن حضرت علیؓ صحابی۔

سلاسل تابعین

- شیخ ابراہیم ادھمؒ عن شیخ موسیٰؒ بن یزید راعیؒ عن خواجہ اویس قرنیؒ تابعی۔
- حضرت اویس قرنیؒ نے حضرت عمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ تینوں سے بیعت کی اور یہ قول زیادہ معتبر ہے۔تاہم بعض نے لکھا ہے کہ صرف حضرت علیؓ سے بیعت کی)۔
- امام ابوحنیفہؒ تابعی عن شیخ ہرمؒ بن حیان عن خواجہ اویس قرنیؒ تابعی۔

سلاسلِ ائمہ مجتہدین

صاحب فوز المرام نے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ابدال واوتاد ونجباء میں سے تھے سلاسل طریقت میں جو سلسلہ سب سے پہلے خاص نام سے متعارف ہوا وہ حنفیہ ہے جو امام اعظم سے منسوب ہے اور یہ قرنِ ثلاثہ کے اندر ہے۔علماء اہل سُنت اس بات پر بھی متفق ہیں کہ امام شافعیؒ بھی اوتاد سے ہیں اور ان کے بعض تابعین فقہاء مثلاً امام نوویؒ بھی اُن کی مثل تھے۔فوز المرام میں امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں بھی یہی لکھا ہے۔اور ان سب متقدمین ائمہ مجتہدین کو حقیقت وشریعت کے جامع قرار دیا گیا ہے۔ان جلیل القدر ائمہ طریقت کے سلاسل یہ ہیں:

- خواجہ بشر حافی صوفیؒ عن امام احمد بن حنبلؒ عن امام شافعیؒ عن امام جعفر صادقؒ۔
- امام شافعیؒ عن امام محمدؒ عن امام ابی یوسفؒ عن امام ابی حنیفہؒ۔
- خواجہ ابراہیم ادھمؒ عن امام سفیان ثوریؒ عن امام ابی حنیفہؒ۔
- خواجہ داؤد طائی ؒ عن امام ابی حنیفہؒ۔
- خواجہ فضیل ابن عیاضؒ عن امام ابی حنیفہؒ۔
- خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ عن امام ابی حنیفہؒ۔
- امام الطریقت شیخ محمد بن علی حکیم الترمذیؒ (۲۰۰ھ) عن امام ابی حنیفہؒ۔یہ سلسلہ حکیمیہ مشہور ہے۔

o خواجہ ذوالنون مصریؒ عن امام مالکؒ۔

(ائمہ مجتہدین کے بعض سلاسل میں صحابہ و تابعین کے سلاسل بھی آ گئے ہیں۔ علاوہ ازیں سینکڑوں دوسرے سلاسلِ طریقت بھی ہیں)

تصوف کے چودہ خانوادے

تصوف کے 14 خانوادوں کے تعین میں اگرچہ اختلاف رائے پایا جاتا ہے، تاہم اپنے اپنے بزرگوں کی نسبت سے لوگ متعدد سلاسل بیان کرتے ہیں لیکن زیادہ معروف و متفق علیہ درج ذیل تقسیم ہے:

(۱) سید الکاملین خواجہ عبدالواحدؒ بن زید کا سلسلہ زیدیہ (۲) قدوۃ الاولیاء خواجہ فضیل بن عیاضؒ کا سلسلہ عیاضیہ (۳) سلطان الاولیاء خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ کا سلسلہ ادھمیہ (۴) افتخار الابرار خواجہ امین الدین ابوہبیرۃ البصریؒ کا سلسلہ ہبیریہ (۵) منہاج العارفین سرِ سلسلۂ چشتیہ خواجہ ابواسحاق شامی چشتیؒ کا سلسلہ عالیہ چشتیہ (۶) خواجہ حبیب عجمیؒ کا سلسلہ عجمیہ (۷) خواجہ بایزیدؒ بسطامی عرف طیفور کا سلسلہ طیفوریہ (۸) شیخ معروف کرخیؒ کا سلسلہ کرخیہ (۹) شیخ سری سقطیؒ کا سلسلہ سقطیہ (۱۰) خواجہ جنید بغدادیؒ کا سلسلہ جنیدیہ (حضرت شیخ علی ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخشؒ اسی سلسلۂ عالیہ سے تعلق ہیں (۱۱) خواجہ ابواسحاق گازرونیؒ کا سلسلہ گازرونیہ۔ (۱۲) خواجہ علاؤالدین طوسیؒ کا سلسلۂ طوسیہ (۱۳) شیخ نجم الدین کبریٰؒ کا سلسلہ فردوسیہ (۱۴) شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا سلسلہ سہروردیہ۔

بعض نے سلسلہ چشتیہ کو زبدۃ السالکین خواجہ ممشاد علو دینوریؒ سے منسوب کیا ہے اور باقی تقسیم وہی رکھی ہے۔ تاہم ان چودہ خانوادوں کی ایک اور تقسیم سلاسل درج ذیل ہے:

(۱) غوث الاعظم قطبِ ربانی محبوبِ سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے سلسلۂ قادریہ (۲) شیخ احمد یسویؒ سے سلسلہ یسویہ (۳) خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ سے نقشبندیہ (۴) شیخ ابوالحسن نوریؒ سے نوریہ (۵) شیخ احمد خضرؒ سے خضرویہ (۶) شیخ عبداللہ شطاریؒ سے شطاریہ عشقیہ (۷) مخدوم جہانیاں بخاریؒ سے چشتیہ بخاریہ (۸) شیخ بدرالدین زاہدؒ سے زاہدیہ (۹) شیخ الاسلام عبداللہ انصاریؒ سے انصاریہ (۱۰) شیخ صفی الدینؒ سے صفویہ (۱۱) شیخ عبداللہ عیدروسؒ سے عیدروسیہ (۱۲) شیخ بدیع الدین شاہ مدارؒ سے مداریہ (۱۳) شیخ محمد بن علی حکیم الترمذیؒ سے حکیمیہ

(۱۴) امام محمد غزالیؒ سے غزالیہ۔

سلاسلِ طریقت کی مزید تفاصیل

چند ایک دیگر مشہور سلاسل اور اوپر دیئے گئے سلاسل کی مزید تفاصیل یہ ہیں۔ امام الطریقہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (۶۳۸ھ) سے اکبریہ جو شیخ جمال الدین یوسف سے حضرت غوث الاعظمؒ تک پہنچتا ہے۔ ٥ امام الطریقہ امام عبدالوہاب شعرانی (۹۷۳ھ) سے شعرانیہ جو امام جلال الدین سیوطیؒ، شیخ کمال الدینؒ، شیخ شمس الدین حریریؒ، شیخ عمر بن الحسینؒ، شیخ احمد بن ابراہیمؒ سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ تک پہنچتا ہے۔ ٥ امام الطریقہ سید قمیص الاعظمؒ (۹۹۲ھ) سے قمیصیہ، جو سید الیاس مغربیؒ سید عبدالحقؒ مغربی، سید احمد قدسیؒ، سید عبدالقادر اویسیؒ، سید عبدالوہابؒ، سید موسیٰؒ، سید یحییٰ زاہدؒ زین الدینؒ سید عبدالرزاقؒ سے ہوتا ہوا غوث الاعظمؒ تک پہنچتا ہے۔ ٥ امام الطریقہ سید نجم الدین کبریٰؒ (۶۱۸ھ) سے کبرویہ جو شیخ ابوبکر نساجؒ، خواجہ ابی القاسم گورگانیؒ، شیخ ابی عثمان مغربیؒ شیخ علی کاتبؒ شیخ علی رودباریؒ سے ہوتا ہوا خواجہ جنید بغدادیؒ تک پہنچتا ہے۔ ٥ امام الطریقہ مولینا جلال الدین رومیؒ (۶۷۳ھ) جو شیخ بہاؤالدینؒ سے ہوتا ہوا سید نجم الدین کبریٰ تک پہنچتا ہے جسے سلسلہ فارسیہ بھی کہتے ہیں ٥ امام الطریقہ شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتیؒ (۷۲۴ھ) سے مولویہ قلندریہ، جس کی نسبت مولینا رومؒ قلندرؒ سے بھی ہے اور یہ شیخ شہاب الدینؒ شیخ امام الدین ابدالؒ شیخ سید الدین غزنویؒ سے ہو کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتیؒ تک پہنچتا ہے۔ امام الطریقہ شیخ رکن الدین فردوسیؒ (۶۹۳ھ) سے فردوسیہ، جو شیخ بدرالدین سمرقندیؒ سے ہو کر نجم الدین کبریٰؒ تک پہنچتا ہے۔ ٥ امام الطریقہ امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ (۷۸۶ھ) سے ہمدانیہ، جو شیخ شرف الدین خرقانیؒ، شیخ نورالدین عبدالرحمٰن سفرائینیؒ، شیخ جمال الدین احمد جوزقانیؒ، شیخ رضی الدین علیؒ سے ہو کر سید نجم الدین کبریٰ تک پہنچتا ہے ٥ امام الطریقہ شیخ عبداللہ شطاریؒ (۶۳۳ھ) سے شطاریہ، جو شیخ محمد عارفؒ شیخ محمد عاشقؒ شیخ خدا قلیؒ ماوراء النہری سے ہوتا ہوا خواجہ بایزید بسطامیؒ تک پہنچتا ہے۔ ٥ امام الطریقہ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ (۴۰۵ھ) سے شاذلیہ، جو عبدالسلام ابن مشیشؒ، عبدالرحمٰن بن زیارت مدنیؒ، شیخ تقی الدینؒ، شیخ فخرالدینؒ، شیخ ابی الحسن علیؒ، شیخ تاج الدینؒ، شیخ شمس الدینؒ سے ہوتا ہوا خواجہ جنید بغدادیؒ تک پہنچتا ہے۔ امام الطریقہ سید احمد الشریف السنوسیؒ (۱۳۵۶ھ) سے سنوسیہ، سید اعصریؒ، سید احمد افریقیؒ، سید

ابن السنوسؒ ' سید احمد بن ادریسؒ ' سید عبدالوہاب التازیؒ سید عبدالعزیز الدباغ مغربیؒ' احمد الخضرؒ سے ہوکر بایزید بسطامیؒ تک پہنچتا ہے۔اس سلسلہ میں مشائخ کی کم تعداد سلسلۂ اویسی سے نسبت کے باعث ہے ٥ امام الطریقہ شیخ حمدون قصارؒ (۲۷۱ھ) سے ملامتیہ' جو شیخ ابی الحفصؒ سے ہوتا خواجہ جنید بغدادیؒ تک پہنچتا ہے۔امام الطریقہ امام محمد غزالیؒ (۵۰۵ھ) سے غزالیہ' جو شیخ ابی المعالیؒ ابی القاسم قشیریؒ' علی دقاقؒ شیخ ابی القاسمؒ استرآبادی' خواجہ ابوبکر شبلیؒ سے ہوتا ہوا خواجہ جنید بغدادیؒ تک پہنچتا ہے۔٥ امام الطریقہ سید عبداللہ عیدروس (۸۵۵ھ) سے عیدروسیہ جو کہ غزالیہ کی ایک شاخ ہے۔یہ سلسلہ شیخ عمر محھارؒ سید عبدالرحمنؒ ' محمد بن علی بن علویؒ شیخ علوی بن محمدؒ ' محمد بن علیؒ شیخ ابومدین مفرحیؒ شیخ ابی الغمراءؒ ' علی ابن خریمؒ قاضی ابوبکرؒ بن العربی اندلسی الاشبلیؒ سے ہوکر امام محمد غزالیؒ تک پہنچتا ہے۔٥ امام الطریقہ سید بدیع الدین شاہ مدارؒ (۸۴۰ھ) سے مداریہ' جو شیخ ابوربیع مقدسؒ شیخ عبداللہ مکیؒ شیخ عین الدین شامیؒ سے ہوکر خواجہ جنید بغدادیؒ تک پہنچتا ہے۔

مؤلف چونکہ سلسلۂ چشتیہ سے متعلق ہے اس لئے غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور آپ کی اولاد امجاد کے واقعات ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کی ابتداء کا ذکر اور خواجہ غریب نوازؒ کی اولاد امجاد کا تذکرہ و تعارف پیش کریں گے۔اس سے اصل مقصود اگرچہ یہ ہے کہ تسلسل خلافتِ ختم المرسلین ﷺ پر مزید روشنی ڈالی جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ صلحائے امت نے کس عظمتِ شان اور رفعتِ درویشانہ سے اہل حق کی ولایت وخلافت کو قائم ودائم رکھا اور امت مسلمہ کی رہنمائی کے فرائض انجام دیئے۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ کی ابتداء اور وجہ تسمیہ

تاریخی شہادتوں کے مطابق منہاج العارفین حضرت خواجہ ابواسحٰق شامیؒ (م ۳۲۹ھ بمطابق ۹۴۰ء) جب اپنے مرشد زبدۃ السالکین حضور خواجہ ممشاد دینوریؒ (م ۲۹۸ھ بمطابق ۹۱۰ء) کی خانقاہ (واقع دینور نزد بغداد شریف) میں حاضر ہوئے اور انہیں اعزازِ خلافت سے سرفراز فرمایا گیا تو مرشد نے ارشاد فرمایا: ''آج سے لوگ آپ کو ابواسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے اور چشت کے لوگ آپ سے ہدایت پائیں گے اور ہر وہ شخص جو آپ کے سلسلہ ارادت میں داخل ہوگا اس کو قیامت تک لوگ چشتی پکاریں گے''۔ازاں بعد حضرت ابواسحٰقؒ قدس سرہ' نے ابواحمد ابدال چشتیؒ (م ۳۵۵ھ) کو بیعت کے بعد خلافت سے نوازا۔جن سے حضرت ناصح

الدین ابو محمد محترم چشتیؒ (م ۴۱۱ھ) نے خلافت پائی۔ آپ وہ تاریخ ساز بزرگ ہیں جو سومنات کی فتح کے وقت سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ تھے۔ آپ سے حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ (م ۴۵۹ھ) نے خلافت پائی جن سے حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ (م ۵۲۷ھ) فیضیاب ہوئے۔ اس طرح سے یکے بعد دیگرے چار بزرگانِ چشت نے شہرت پائی۔ قصبہ چشت پہاڑی درہ میں ہے جو ہرات خراسان سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔ آج کل اسے شافلان کہا جاتا ہے۔) ازاں بعد سلسلۂ چشتیہ سے ژندنہ (بخارا) کے دو بزرگ فیضیاب ہوئے۔ حضرت خواجہ حاجی شریف ژندانی (م ۶۱۲ھ) اور حضرت خواجہ حافظ عثمان ہرونی (ہروَن نزد بخارا) (م ۶۱۷ھ) سرفراز ہوئے جو حضور خواجہ بزرگ غریب نوازؒ معین الدین حسن چشتی اجمیری (م ۶۳۳ھ) کے مرشد گرامی ہیں۔

............(سلطان الھندؒ کی اولاد امجاد کا)............

سلسلۂ طریقت

خاندانِ چشت اہلِ بہشت

سید الکونین، رسول الثقلین حضرت محمد المصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۱) امیر المومنین وامام الا شجعین علی ابنِ ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہٗ (۲) حضرت خواجہ ابی النصر الحسن البصریؒ (۳) حضرت خواجہ ابی الفضل عبد الواحد ابن زیدؒ (۴) حضرت خواجہ ابی الفیض فضیل ابن عیاضؒ (۵) حضرت خواجہ سلطان ابراھیم ادھم البلخیؒ (۶) حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ۔ (۷) حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصریؒ۔ (۸) حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ (۹) سر سلسلۂ چشتیاں حضرت خواجہ ابی اسحٰق شامی چشتیؒ (۱۰) حضرت خواجہ ابی احمد ابن فرسانۃ الچشتیؒ (۱۱) حضرت خواجہ ابی محمد ابن احمد چشتیؒ (۱۲) حضرت خواجہ ابی یوسف چشتیؒ (۱۳) حضرت خواجہ قطب الحق والدین مودود چشتیؒ (۱۴) حضرت خواجہ مخدوم حاجی شریف ژندنیؒ (۱۵) مقتداء اہل عرفان حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ (۱۶) حضرت خواجہ بزرگ معین الحق والدین حسن سنجری چشتی ثم اجمیریؒ (۱۷) حضرت خواجہ بختیار اوشی کاکیؒ (۱۸) حضرت خواجہ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر الاجودھنیؒ (۱۹) حضرت خواجہ نظام الحق والدین محمد بن احمد بدایونی بخاریؒ (۲۰) حضرت خواجہ نصیر الحق والدین محمود چراغ دہلوی اودھی چشتیؒ

(۲۱) حضرت خواجہ شیخ کمال الحق والدین محمود چراغ دہلوی اودھی چشتیؒ (۲۲) حضرت خواجہ سراج الحق والدینؒ (۲۳) حضرت خواجہ علم الحق والدینؒ (۲۴) حضرت خواجہ شیخ محمود بعرف شیخ راجنؒ (۲۵) حضرت خواجہ جمال الحق والدین بعرف شیخ جمنؒ (۲۶) حضرت خواجہ شیخ حسن محمدؒ (۲۷) حضرت خواجہ شیخ محمدؒ (۲۸) حضرت خواجہ یحیٰ المدنیؒ (۲۹) حضرت خواجہ شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ (۳۰) حضرت خواجہ نظام الحق والدین اورنگ آبادیؒ (۳۱) حضرت خواجہ شیخ فخر الحق والدین محمدؒ

سلسلۂ فخریہ مہارویہ سلیمانیہ تونسویہ	سلسلۂ فخریہ العلویہ علویہ
(۳۲) شمس العارفین حضرت خواجہ نورمحمد مہارویؒ	(۳۲) حضرت خواجہ مولانا حاجی لعل محمد دہلوی اجمیریؒ
(۳۳) غوث زماں حضرت خواجہ محمد سلیماں تونسویؒ	(۳۳) حضرت خواجہ مرزا بخش اللہ بیگ ولیؒ
(۳۴) حضرت خواجہ حافظ محمد علی خیرآبادی دکنیؒ	(۳۴) خواجہ شہ محب اللہ امیر و دوسراؒ
(۳۵) حضرت خواجہ حسن الزماں محدث حیدر آبادیؒ	(۳۵) حضرت خواجہ شہ محمد شاہ المعروف خواجہ میاں محمد بسی شریفؒ
(۳۶) اہل بیت خواجۂ اجمیر حضرت سید خورسند علی خاں فتح آبادیؒ	(۳۶) حضرت خواجہ شاہ علی محمد خان بسی شریفؒ
(۳۷) چشمۂ فیض ہندالولی حضرت دیوان سید آلِ رسول علی خاںؒ	(۳۷) چشمۂ فیض ہندالولی حضرت دیوان سید آل رسول علی خاںؒ
(۳۸) آفتابِ ولایت الہند حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علی خاںؒ	آفتابِ ولایت الہند حضرت دیوان سید آلِ مجتبیٰ علی خاںؒ
(۳۹) زیب سجادۂ اجمیر حضرت دیوان سید آل حبیب علی خاں مدظلہ العالی	(۳۹) زیب سجادہ، اجمیر حضرت دیوان سید آلِ حبیب علی خاں مدظلہ العالی

اَدامَ اللّٰہ بَرَکاتِہم الیٰ یوم الدین اَجمعین
آمین یا رب العالمین۔ عاقبت بخیر گرداں۔

..........O..........

شجرۂ نسبی زیب سجادۂ اجمیر شریف
دیوان سید آلِ حبیب علی خاں (مدظلہ العالی)

(۱) زیب سجادہ اجمیر شریف دیوان سید آلِ حبیب علی خاں (مدظلہ العالی) (۲) خلف دیوان سید آل مجتبیٰ علی خاںؒ (۳) خلف دیوان سید آل رسول علی خاںؒ (۴) خلف پیرزادہ سید خورسند علی خاںؒ (۵) بن سید کرامت علیؒ (۶) بن سید فضل علیؒ (۷) بن سید مسیح اللہؒ (۸) بن سید حفیظ اللہؒ (۹) بن سید ہدایت اللہؒ (۱۰) بن سید عطا اللہؒ (۱۱) بن سید ابوالفتحؒ (۱۲) بن دیوان سید علم الدینؒ (۱۳) بن سید ابوالخیرؒ (۱۴) بن سید معین الدین ثالثؒ (۱۵) بن سید رفیع الدینؒ (بایزید خورد) (۱۶) بن سید نور الدینؒ (المشہور بالطاہر) (۱۷) بن سید تاج الدینؒ (بایزید بزرگ) (۱۸) بن سید شہاب الدینؒ (۱۹) بن سید کمال الدین حسن احمدؒ (۲۰) بن سید نجم الدین خالدؒ (۲۱) بن سید قیام الدین بابر بالؒ (۲۲) بن سید حسام الدینؒ سوختہ (۲۳) بن سید خواجہ فخر الدینؒ (۲۴) بن خواجہ خواجگان سلطان الہند غریب نواز معین الدین حسن اجمیریؒ (۲۵) بن سیدنا حضرت خواجہ غیاث الدین حسنؒ (۲۶) بن سیدنا خواجہ کمال الدین حسنؒ (۲۷) بن سیدنا خواجہ احمد حسینؒ (۲۸) بن سیدنا خواجہ نجم الدین طاہرؒ (۲۹) بن سیدنا خواجہ عبدالعزیزؒ (۳۰) بن سیدنا خواجہ ابراہیمؒ (۳۱) بن سیدنا خواجہ ادلیںؒ (ادریسؒ) (۳۲) بن سیدنا حضرت امام موسیٰ کاظمؒ (۳۳) بن سیدنا حضرت امام جعفر صادقؒ (۳۴) بن سیدنا حضرت امام باقرؒ (۳۵) بن سیدنا حضرت امام زین العابدینؒ (۳۶) بن سیدنا حضرت امام حسین شہید کربلا (سید الشباب اہل جنت) (۳۷) بن امام الائمہ زوج بتولؓ خلیفۂ راشد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ و رضوان اللہ علیہم اجمعین وعلینا معہم آمین ثم آمین یارب العالمین!

کون سی وادی میں ہے، کون سی منزل میں ہے
عشق بلاخیز کا قافلۂ سخت جاں!

حضرت خواجۂ خواجگان سلطان الہند غریب نواز اجمیریؒ کی صلبی اولاد بر بناء ارث اس اصول کے ماتحت منصب سجادگی پر فائز ہوتی رہی کہ خاندان میں جو شخص حضرت خواجۂ بزرگؒ کی مستند صحیح النسب نجیب الطرفین اولاد ہوتا تھا اور سابق سجادہ نشین اگر لاولد ہوتا تو رشتہ میں اُس کے

قریب تر کو سجادگی کا مستحق سمجھا جاتا۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت دیوان سید شرف الدین علی خاں قدس سرہٗ کے 1920ء میں لاولد ہونے کے باعث حضرت دیوان سید آلِ رسول علی خاں قدس سرہٗ العزیز ان کے جائز وارث قرار دیئے گئے اور سجادگی کے سترہ اٹھارہ دعویداروں کی نالش انگریز کمشنری سی وانسن نے محکمہ مال کی دستاویزات کی روشنی میں مکمل تحقیقات کے بعد 1923ء میں مسترد کرتے ہوئے آپ کو درگاہِ عالیہ اجمیر شریف کے سجادہ نشین کے طور پر تسلیم کرلیا۔ تمام مشائخ عظام، معززین برعظیم اور اہل خاندان پہلے سے آپ ہی کو سجادۂ اعظم قبول کر چکے تھے۔ آپ نے درگاہ معلّیٰ کے معاملات وانتظامات کی اصلاح کیلئے 1938ء میں درگاہ ایکٹ منظور کرایا جس کی رو سے مشاہیر ہند اور مشائخ عظام پر مشتمل ایک کمیٹی وجود میں آئی جو تقسیم برِعظیم تک برقرار رہی لیکن قبلہ دیوان صاحبؒ کے تحریکِ پاکستان میں فعال کردار کے نتیجہ اور بھارتی حکومت کی معاندانہ دھمکیوں کے باعث جہاں ایک طرف حضور خواجہ غریب نوازؒ کے پورے خاندان کو ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا وہاں متعصب بھارتی حکومت نے درگاہ ایکٹ کو بھی منسوخ کرتے ہوئے اس کی جگہ نام نہاد ممبران پر مشتمل بورڈ قائم کردیا اور ایک ایسے کٹھ پتلی شخص کو سجادہ نشین مقرر کردیا جس کا دعویٰ انگریز کمشنر نے بھی رد کردیا تھا۔ یوں حضور خواجہؒ کی اولاد امجاد ستمبر 1947ء میں ہجرت کر کے پاکستان پہنچی۔ 1960ء تک شیخ الاسلام مولانا حافظ محمد قمر الدین سیال شریفؒ آپ کے میزبان رہے۔ پھر عشق بلاخیز کا یہ قافلہ سخت جان پشاور منتقل ہوا جہاں 1973ء میں دیوان سید آل رسول علی خاں قدس سرہٗ کے وصال کے بعد آپ کے ولی عہد و جانشین دیوان سید آل مجتبیٰ علی خاں قدس سرہٗ کی بحیثیت سجادہ نشین اجمیر شریف دستار بندی ہوئی۔ آپ بھی اپنے عظیم والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دین کے احیاء کی تحریکوں میں ملکی و بین الاقوامی سطح پر صف اول کے مجاہد تسلیم کئے جاتے رہے۔ پشاور میں دارالعلوم جامع غوثیہ معینیہ کی بنیاد رکھی۔ 1992ء میں آستانہ عالیہ معینیہ چشتیہ کے مستقل قیام وانصرام کیلئے پنڈی فتح جنگ روڈ پر گلشن سلطان الہند اجمیری کمپلیکس کی بنیاد رکھی جو آج پوری آب وتاب کے ساتھ تشنگانِ روحانیت کی پیاس بجھا رہا ہے۔ بالآخر خاندانِ رسالت کا یہ چشم وچراغ، سلطان الہند اجمیریؒ کا یہ مہکتا پھول بھی 13 اپریل 2001ء کو قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے 81 برس کی عمر میں اس دارفانی سے دارالبقا کا راہی ہوا۔ آپ تقویٰ وپرہیزگاری میں اسلاف کا نمونہ اور صاحب نظر ولی اللہ تھے۔ ختم قل شریف کے بعد آپ کے جانشین دیوان سید آل حبیب علی خاں مدظلہ العالی کی بحیثیت سجادہ

نشین اجمیر شریف دستار بندی کی گئی آپ دینی و دنیاوی تعلیم کے روشن خیال سرخیلِ چشت ہیں۔ پشاور یونیورسٹی سے ایم اے عربی (گولڈ میڈلسٹ) ہیں۔ نسبی اعتبار سے حضور ﷺ کے 37 ویں پشت میں وارث اور سلسلۂ طریقت میں 39 ویں خلیفۃ الرسولؐ ہیں۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

سلسلۂ عالیہ طریقت چشتی نظامی السالمی اجمیری

اخوندزادہ ابوناصر نبی احمد خان لودھی عفی عنہٗ

نمبر شمار	اسمائے گرامی	ولادت : وصال	تدفین
(1)	امیر المؤمنین خاتم الخلفاء حضرت علی المرتضیٰؓ	ولادت: 13 رجب عام الفیل شہادت: 17 رمضان المبارک 40ھ	نجفِ اشرف (عراق)
(2)	نائب المرتضیٰ حضرت خواجہ ابومحمد حسن بصریؒ	ولادت: 5 رجب 21ھ وصال: 110ھ (4 محرم 111ھ)	بصرہ (عراق)
(3)	سیّد الکاملین حضرت خواجہ عبدالواحد ابن زیدؒ	وصال: 27 صفر 177ھ	بصرہ (عراق)
(4)	قدوۃ الاولیاء حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ	وصال: 3 ربیع الاوّل 187ھ	جنت المعلیٰ (مکہ معظمہ)
(5)	سلطان الاولیاء حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم بلخیؒ	وصال: 16 جمادی الاوّل 262ھ	کوہ شام
(6)	برہان الکاملین حضرت خواجہ سدیدالدین حذیفۃ المرعشیؒ (حضرت امام شافعیؒ بھی آپ کے خلیفہ تھے)	وصال: 24 شوال 276ھ	مرعش۔ (شام)

(7)	افتخار الابرار حضرت خواجہ امین الدین ابوہبیرۃ البصریؒ	وصال: 7 شوال 287ھ	بصرہ (عراق)
(8)	زبدۃ السالکین حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ	وصال: 14 محرم 298ھ	دینور (نزد بغداد شریف)

(خواجہ ابو اسحاق شامیؒ جب حضور خواجہ دینوریؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''آج سے لوگ تجھے ابو اسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے اور چشت (خراسان) کے لوگ تجھ سے ہدایت پائیں گے اور ہر وہ شخص جو تیرے سلسلۂ ارادت میں داخل ہوگا اس کو قیامت تک لوگ چشتی کہہ کر پکاریں گے''۔ یہ ہے ''چشتی'' کی وجہ تسمیہ)

(9)	منہاج العارفین سرِ سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیؒ	وصال: 14 ربیع الاوّل 329ھ 940ء	عکہ (شام)

(آپ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے' ایک دن خواجہ اسحٰق چشتیؒ فرمانے لگے ''اے ابو احمد! درویشی عرب و عجم کی پادشاہی سے بھی بڑھ کر ہے' اگر ابو اسحٰق کو ملک سلیمان بھی دیں تو واللہ! وہ قبول نہیں کرے گا''۔)

(10)	قدوۃ الدین حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ	وصال: کیم جمادی الثانی 355ھ	چشت
(11)	سراج السالکین حضرت خواجہ ناصح الدین ابو محمد محترم چشتیؒ (سلطان محمود غزنوی آپ کا معتقد تھا۔ کہتے ہیں سومنات کی فتح کے وقت سلطان کے ہمراہ تھے۔	وصال: 4 ربیع الاوّل 411ھ	چشت (قصبہ چشت، پہاڑی درے میں ہے جو ہرات سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے آج کل اسے شافلان کہتے ہیں)
(12)	شیخ المشائخ ناصر الحق والدین حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ (حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی آپ کے نانا تھے)	وصال: 3 رجب 459ھ	چشت
(13)	زبدۃ الاصفیاء حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ بن ابو یوسف چشتیؒ	وصال: 13 رجب 527ھ	چشت

(14) سلطان الکاملین حضرت خواجہ حاجی شریف ژندنیؒ — وصال: 10 رجب 612ھ — ژندنہ (بخارا)

(15) مقتداء اہل عرفان ابوالنور حضرت خواجہ عثمان ہروَنیؒ — وصال: 5 شوال 617ھ — ہروَن (بخارا)

(16) معین الحق والدین خواجہ بزرگ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ — وصال: 6 رجب 633ھ — اجمیر شریف (انڈیا)

(سلطان شہاب الدین غوری فاتح ہند آپ کا مرید تھا)

(ملک المشائخ واولیاء غریب نوازؒ کی ولادت 534ھ میں ہوئی۔ آپ بیعت 558ھ میں ہوئے۔ شاہ جیلاں غوث الثقلین الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں پہلی بار 561ھ (1166ء) میں آئے اور 57 روز قیام فرما رہے۔)

(17) قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ — 14 ربیع الاوّل 635ھ، 4 نومبر 1237ء — پرانی دہلی (انڈیا)

(سلطان شمس الدین التمش آپ کا مرید تھا)

(18) شیخ الشیوخ العالم شہباز طریقت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ (سلطان غیاث الدین بلبن آپ کا مرید تھا) — وصال: 5 محرم الحرام 668ھ، 1270ء — پاک پتن شریف (پاکستان)

(19) سلطان العاشقین محبوبِ الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ — وصال: 18 ربیع الثانی 725ء، 13 اپریل 1325ء — غیاث پور (نظام الدین) پرانی دلی (انڈیا)

(20) نصیر الحق والدین مرد فرد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ اودھی چشتیؒ — وصال: 18 رمضان المبارک 757ھ، 14 ستمبر 1356ء — شاہجہان آباد پرانی دلی (انڈیا)

(21) جامع العلوم حضرت خواجہ شیخ کمال الدین علامہؒ — وصال: 27 ذیقعد 756ھ، 3 دسمبر 355ء — پرانی دلی (انڈیا)

(22)	سراج الحق والدین حضرت خواجہ شیخ سراج الدینؒ	وصال: 21 جمادی الاوّل 817ھ 8 اگست 1414ء	پیران پٹن نہر والہ محلّہ برکات پورہ
(23)	علم الحق الدین حضرت خواجہ علم الدینؒ	وصال: 26 صفر 901ھ 1495ء	پیران پٹن نہر والہ محلّہ برکات پورہ
(24)	شیخ الشیوخ العالم حضرت خواجہ محمود بعرف شیخ راجنؒ	وصال: 22 صفر 900ھ 2 دسمبر 1494ء	پیران پٹن نہر والہ محلّہ مبارک پورہ

(آپ متعدد سلاسل چشتیہ، سہروردیہ، شطاریہ اور مغربیہ کے شیخ تھے)

(25)	جمال الحق والدین حضرت خواجہ جمال الدین بعرف شیخ جمن شہیدؒ	وصال: 20 ذی الحجہ 940ھ 2 جولائی 1524	نور پور شاہ پورا (گجرات) دریائے سابھر کے کنارے
(26)	فخر العلماء والاتقیاء حضرت خواجہ شیخ حسن محمد چشتی قادری	وصال: 28 ذیقعد 982ھ 11 مارچ 1575ء	احمد آباد محلّہ شاہ پور (گجرات انڈیا)

(آپ نے شیخ محمد بخش قادری سے بیعت ہو کر خرقۂ قادریہ گازرونیہ، فردوسیہ، کبرویہ، نوربخشیہ اور ہمدانیہ بھی حاصل کیا)

(27)	مظہر اللہ التام الصمد حضرت شیخ محمدؒ بن شیخ حسن محمدؒ	وصال: 29 ربیع الاوّل 1040ھ 5 نومبر 1630ء	احمد آباد (گجرات انڈیا)

(28) امام المتقین حضرت خواجہ ابو یوسف وصال:		جنت البقیع
محی الدین یحییٰ المدنیؒ	28 صفر 1122ھ	مدینہ منورہ
	28 اپریل 1710ء	حضرت عثمانِ غنیؓ کے قریب

(ولادت 20 رمضان المبارک 1010ھ بمطابق 14 مارچ 1602ء)

(29) فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت خواجہ شیخ کلیم وصال:		شاہجہان آباد دہلی
اللہ جہاں آبادیؒ	24 ربیع الاوّل	لال قلعہ سے
	1142ھ	متصل شاہی
	17 اکتوبر 1729ء	مسجد کے قریب

(آپ ابوالفتاح قادریؒ اور خاندان نقشبند میں امیر محترمؒ سے بھی خلافت یافتہ تھے مدینہ منورہ میں سیّد محمد کبرویؒ سے بھی قادریہ خلافت حاصل کی۔ آپ نے تفسیر قرآن بھی (جلالین) حنفی فقہ کے مطابق لکھی ان کی تصانیف کی تعداد 32 ہے، جن میں کشکول، مرقع، رقعات وغیرہ شامل ہیں)

(30) سراج الواصلین حضرت شیخ نظام الحق وصال:		اورنگ آباد
والدین اورنگ آبادیؒ	12 ذیقعد 1142ھ	دکن (انڈیا)
	29 مئی 1730ء	

(صاحب تصانیف تھے جن میں رسالہ نظام القلوب مشہور ہے)

(31) فخر الاولین والآخرین محب النبیؐ مولینا وصال: 27 جمادی		پرانی دلی
خواجہ فخر الحق والدین محمدؒ	الثانی 1199ھ	(مہرولی)
	2 مئی 1785ء	

(آپ کی ولادت 1126ھ بمطابق 1717ء میں ہوئی۔ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ متعدد تصانیف ہیں۔ کتاب فخر الحسن اور عقائد نظامیہ مشہور ہیں)

(32) شمس العارفین قبلۂ عالم حافظ و محدث وصال:		بستی تاج سر
حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ	3 ذی الحجہ 1205ھ	چشتیاں شریف
	25 اپریل 1791ء	

(آپ کی ولادت 14 رمضان المبارک 1142ھ (بمطابق 2 اپریل 1730ء) کو ہوئی، تکمیل علوم ظاہری کے بعد 1165ھ (1751ء) میں حضرت مولانا کے بیعت ہوئے اور بہت مختصر وقت میں اجازت بیعت سے فیضیاب ہو گئے۔ نواب بہاولپور اوّل آپ کے مریدین میں شامل تھے۔ آپ نے مولوی محمد مسعود جہانگی کو سہروردی سلسلہ، میاں احمد گوندل اور مولوی عبدالرحمن سندھی کو سلسلۂ نقشبندیہ میں خلافت عطا فرمائی، چشتی سلسلہ میں مشہور خلفاء کی تعداد چالیس سے زائد تھی، دیگر خلفاء بھی لاتعداد تھے۔

(33) برھانِ عارفاں دلیل واصلاں غوث زماں	وصال: صفر 1267ھ	تونسہ شریف
حضرت خواجہ محمد سلیمان روہیلہ تونسویؒ	دسمبر 1851ء	ڈیرہ غازی خان

(آپ کی ولادت باسعادت 1183ھ (1851ء) میں ہوئی۔ قرآن، فقہ، احادیث پر مکمل عبور حاصل تھا۔ آپ کا ارشاد ہے: ''گر خوری یک لقمہ از ما کول نور۔۔۔۔ خاک ریزی سرِ نانِ تنور'' (اگر تو نور کے طعام سے ایک لقمہ بھی کھالے تو تیرے دل میں طعام تنور کی کوئی قدر باقی نہ رہے گی)۔ آپ عموماً جن کتب کا خصوصی درس دیتے اُن میں شامل تھیں: آداب المریدین، فقرات، لوائح، عشرۃ کاملہ، فصوص الحکم، عوارف المعارف، نقد فصوص، احیاء العلوم، فوائد الفوائد، سواء السبیل، تسنیم، فتوحاتِ مکیہ، نفحات الانس۔ آپ فرمایا کرتے **''أعمالكم عمالكم''** جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے تمہارے حاکم ہوں گے نیز یہ کہ سالک کو چاہیئے کہ عملیات میں وقت کو ضائع نہ کرے، ایسے مشغلے راہ فقر کے ڈاکو اور رکاوٹیں ہیں۔ اصل مقصود ذکر اللہ ہے آپ فرماتے فساد العالم فساد العالم۔ راہ شریعت ہی صراطِ مستقیم ہے یہ بھی فرمایا کرتے حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی ہے، ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ آپ فرمایا کرتے:

اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغِ مقبلاں ہرگز نمیرد

(اگر سارا جہان بھی ہوا بن جائے تو بھی مقبول لوگوں کا چراغ نہیں بجھ سکتا)

(34) آفتاب فلک فضیلت مہدیٔ مسلمین	وصال:	سیال شریف
محدّث وفقیہہ محبوب عالم حضرت خواجہ	24 صفر 1300ھ	ضلع سرگودھا
محمد شمس الدین سیالویؒ	(جمعۃ المبارک)	

1214ھ میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کیا متبحر افغان عالم حافظ دراز صاحبؒ سے حدیث وفقہ کی سند فضیلت حاصل کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں بیعت ہوئے۔ شریعت پر عمل کے معاملے میں سخت کوش تھے۔

(35)	قدوۃ العارفین سیّد السادات بخاری قطب الاولیاء حضرت شیخ حیدر علی شاہ جلالپوریؒ	وصال: جمادی الثانی (6) 1326ھ بمطابق 6 جولائی 1908ء	سیال شریف ضلع جھنگ

(ولادت باسعادت 3 صفر 1254ھ (26 اپریل 1838ء) کو ہوئی۔ والدہ رابعہ ثانی تھیں جنہوں نے لختِ جگر کو نماز روزے کا پابند بنایا 5/6 سال کی عمر میں شدید گرمیوں میں بھی روزے رکھوائے۔ قرآن پاک میاں محمد اعظم پوریؒ سے پڑھا۔ قاضی محمد کاملؒ سے فقہ کا درس لیا۔ خواجہ سیالویؒ سے مرقع اور کشکول پڑھی۔ بیعت کیلئے خواجہ سیالویؒ کے پاس حاضر ہوئے تو وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ 7 رجب 1271ھ کو بیعت سے فیضیاب ہوئے۔ طبعیت میں منکسر المزاجی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ شرع کے پابند اور فقہاء کی طرح محتاط اور عامل بالشرع رہتے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے تاریخ وفات کہی:۔

ہر کہ بر خاکِ مزارِ پیر حیدر شاہ رفت — تربت او را امینِ جلوہ ہائے طور گفت
ہاتف از گردوں رسید و خاک او رابوسہ داد — گفتمش سال وفات او بگو "مغفور" گفت ۱۳۲۶ھ

(36)	زبدۃ العارفین، سند الراسخین، کہف الثقلین حاجی الحرمین الشریفین غوثِ دوراں شیخ الحدیث حضرت اعلیٰ خواجہ قاضی دین محمد بڑوھوی ثم پنڈوڑیؒ	وصال: 12 ذیقعد 1358ھ بمطابق دسمبر 1939ء	چشتی آباد پنڈوڑہ سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

(آپ کی سوانح زیر اشاعت ہے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے الحاج قاضی فضل الٰہیؒ حضرت کے وصال کے بعد سجادہ اوّل ہوئے۔ پائے کے عالم و زاہد تھے' وصال 24 جمادی الاوّل 1373ھ کو ہوا اور آپ کے صاحبزادے خواجہ قاضی عبدالقدوس سجادہ نشین ہوئے' 15 نومبر 1956ء کو آپ کے وصال کے بعد حضرت خواجہ ڈاکٹر محمد مسعود الزمان مدظلہ العالیٰ سجادہ

نشین ہوئے جنہیں حکومت پاکستان کی طرف سے سائنس میں اعلیٰ کارکردگی کے اعتراف میں تمغۂ حسن کارکردگی پیش کیا گیا۔ 6 رجب المرجب ۱۴۲۲ھ بمطابق ستمبر 2001ء کو غریب نواز خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ کے سالانہ عرس پاک کے موقع پر دیوان سیّد آلِ حبیب علی خان سجادہ نشین اجمیر شریف کی طرف سے بھی آپ کو خلیفۂ مجاز اجمیر شریف کی دستار فضیلت عطا ہوئی۔

(37) شیخ المشائخ مہبط الاسرار الازلیہ مظہر الانوار الابدیہ حاجی الحرمین الشریفین مشفق، شفیق، نورِ عتیق، مرشدی و مولائی حضرت خواجہ حافظ محمد صدیق السالمیؒ	وصال: یکم ذیقعد 1398ھ بمطابق 2 اکتوبر 1978ء ولادت مبارک 1867ھ	سالم شریف تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا

آپؒ قرآن شریف نہایت شریں لہجہ میں تلاوت فرماتے اور پنجابی میں نہایت دلنشین انداز میں تفسیر فرماتے، حضرت سلطان باہوؒ، میاں محمدؒ، بابا بلھے شاہؒ، شیخ فریدؒ اور دیگر صوفی شعراء کا کلام گفتگو میں مضمون کی مناسبت سے استعمال فرماتے کہ سننے والا مسحور ہو کر رہ جاتا اور آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ جوانی کی عمر میں حضرت خواجہ قاضی دین محمد بڑوھویؒ کے بیعت ہوئے، پھر چالیس ۴۰ برس تک حجرہ نشین رہے اپنے شیخ و مرشد کے عاشق صادق تھے بعض اوقات پیدل ہی سالم شریف ضلع سرگودھا سے کوہ مری کے پہاڑوں میں واقع بڑوھا تک دیوانہ وار آتے جاتے۔ آپ اپنے مرشد کے خلیفۂ اکبر تھے اور اعلیٰ حضرت ابوالبرکات سیّد محمد فضل شاہ صاحب جلال پوری امیر حزب اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب سے بھی خرقۂ خلافت رکھتے تھے۔ 114 سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت گرامی کا جنازہ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے پڑھایا اور آپ اپنے ہی حجرہ مبارک میں مدفون ہیں۔ آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے فخر الاقطاب، فخر الاحباب، آفتاب شریعت حافظ ثانی حضرت خواجہ محمد اسلم قدس سرہُ العزیز سجادہ نشین مقرر ہوئے تاہم اُن کا وصال بروز بدھ 6 ربیع الاول 1413. ھ بمطابق یکم جولائی 1998 کو ہوا بعدازاں آپ کے صاحبزادے شمسِ چشتیہ عالمِ بے بدل حضرت مولانا حافظ خواجہ سرفراز احمد ایم اے (سیاسیات) سریر آرائے مسندِ سالم شریف ہیں۔ آپ اپنے والدِ گرامی کی طرح علم دین میں جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہُ کے شاگرد اور مستند عالم دین اور فاضل درس نظامی ہیں۔

(38) خادم الفقراء والصلحاء حاجی الحرمین الشریفین اخوندزادہ ابوناصر نبی احمد لودھی چشتی السالمی اجمیری۔

اتوار 16 جمادی الآخر 1391ھ بمطابق 8 اگست 1971ء بوقت 9.15 بجے صبح سالم شریف میں حضرت خواجہ الحاج حافظ محمد صدیق قدس سرہٗ العزیز سے بیعت ہوئے۔ ہفتہ 8 محرم الحرام 1394ھ بمطابق 2 فروری 1974ء صبح کے اوقات میں سنت نگر لاہور میں حضرت اعلیٰ کی نظرِ عنایت سے چاروں سلاسلِ عالیہ چشتیہ قادریہ، نقشبندیہ سہروردیہ میں خرقۂ خلافت واجازتِ بیعت ارشاد سے نوازا گیا۔ 6 رجب المرجب ۱۴۲۲ھ بمطابق ستمبر 2001ء کو سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین چشتیؒ کے سالانہ عرس پاک پر دیوان سیّد آل حبیب علی خاں مدظلہٗ العالی سجادہ نشین اجمیر شریف کی جناب سے بھی انہیں خلیفہ مجاز کی دستارِ فضیلت اور سندِ خلافت عطا فرمائی گئی۔

نسبی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ

اخوندزادہ ابوناصر نبی احمد خان لودھی عفی عنہ

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تاریخ : وصال	تدفین
(1)	باعث وانوارِ کائنات سیّد المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	وصال: 12 ربیع الاوّل 11ھ	مسجد نبویؐ مدینہ منورہ
	امیر المؤمنین ابی بکر صدیقؓ	وصال: 23 جمادی الثانی 13ھ	مسجد نبویؐ مدینہ منورہ
(2)	مصاحبِ رسولؐ اللہ حضرت سلمان فارسیؓ	وصال: 10 رجب المرجب 33ھ	مدائن (عراق)
(3)	سیّدنا الامام القاسمؓ بن محمد	وصال: 24 جمادی الاوّل 106ھ	مثلل (العرب)
(4)	سیّدنا الامام جعفر صادقؓ	وصال: 15 رجب المرجب 148ھ	جنت البقیع مدینہ منورہ

(5)	سیّدنا ابی یزید البسطامیؒ	وصال: 15 شعبان المعظم 261ھ	بسطام (عراق)
(6)	سیّدنا ابی الحسن علی بن جعفر الخرقانیؒ محمود غزنوی حاضر خدمت ہوا جسے چار نصیحتیں فرمائیں۔ (۱) پرہیزگاری اختیار کرو۔ دعا: اے محمود تیری عاقبت محمود ہو۔ (۲) نماز باجماعت ادا کرو۔ جو کی روٹی۔ محمود کا گلا پکڑلی تھی۔ (۳) سخاوت پیش نظر رہے۔ اشرفیوں کی تھیلی میرا گلا پکڑتی ہے۔ (۴) خلق خدا پر شفقت رکھو۔	وصال: سہ شنبہ 10 محرم الحرام 425ھ ستمبر 1040ء	خرقان (قزوین) نزد بسطام عراق
(7)	الحافظ سیّدنا ابی القاسم حمزہ بن یوسف الجرجانیؒ (امام غزالی کے دادا مرشد ہیں)	وصال: 427ھ	جرجان
(8)	سیّدنا ابو علی الفارمدی (طوسی) (امام غزالی کے مرشد)	وصال: ربیع الثانی 477ھ	فارمد شریف طوس (عراق)
(9)	سیّدنا ابی یعقوب یوسف الھمدانیؒ	وصال: 22 ربیع الاوّل 535	مرو شریف (خراسان)
(10)	سیّدنا عبدالخالق الغجدوانیؒ	وصال: 12 ربیع الاوّل 575ھ	غجدوان۔ بخارا
(11)	سیّدنا محمد عارف الریوگریؒ	وصال: یکم شوال 616ھ	ریوگر۔ ماوراالنہر بخارا
(12)	سیّدنا محمود الفغنویؒ	وصال: 17 ربیع الاوّل 717ھ	وابکنی۔ ماوراالنہر بخارا
(13)	سیّدنا عریران علی الرامیتنیؒ	وصال: 28 ذیقعد 715ھ	خوارزم۔ بخارا
(14)	سیّدنا محمد بابا السماسیؒ	وصال: 10 جمادی الثانی 755ھ	سماس۔ بخارا

(15)	سیّدنا امیر الکلالؒ	وصال: 8 جمادی الاوّل 772ھ	سوخار۔ بخارا
(16)	سیّدنا بہاؤالدین البخاری نقشبندیؒ	وصال: 3 ربیع الاوّل 791ھ	قصر عارفاں بخارا
(17)	سیّدنا علاؤالدین العطارؒ	وصال: 20 رجب المرجب 802ھ 1399ء	چغانیاں ہرات
(18)	سیّدنا یعقوب الصرخیؒ (المعروف الچرخیؒ)	وصال: 5 صفر المظفر 851ھ	بلغنون۔ بخارا
(19)	سیّدنا عبیداللہ الاحرارؒ	وصال: 29 ربیع الاوّل 895ھ	محوط ملایاں ماورالنہر۔ بخارا
(20)	سیّدنا محمد الزاھدؒ	وصال: ربیع الاوّل 936ھ	موضع وخش بخارا
(21)	سیّدنا درویش محمدؒ	وصال: 19 محرم الحرام 970ھ	سبز۔ ماوراءالنہر بخارا
(22)	سیّدنا محمد الامکنگیؒ	وصال: 2 شعبان 1008ھ	المکنہ۔ بخارا
(23)	سیّدنا عبدالباقیؒ (المعروف باقی باللہؒ)	وصال: 25 جمادی الثانی 1012ھ	دہلی۔ انڈیا
(24)	سیّدنا و مولانا احمد فاروقی سرہندیؒ (المعروف مجدد الف ثانی)	وصال 14 شوال 917ھ 28 صفر المظفر 1034ھ	سرہند شریف انڈیا
(25)	سیّدنا و مولانا محمد المعصومؒ (المعروف عروۃ الوثقیٰ)	وصال: 9 ربیع الاوّل 1079ء	سرہند شریف انڈیا

(26) سیّدنا و مولانا اخوند بدر الدین خراسانی ثم سلطانپوریؒ	سیّدرانا شاہکوٹ ضلع جالندھر انڈیا
(27) سیّدنا و مولانا اخون شرف الدین سلطان پوریؒ	سیّدرانا شاہکوٹ ضلع جالندھر انڈیا

(بمطابق پیش گوئی حضرت عروۃ الوثقیٰؒ (مکتوب 133 دفتر سوم)
حضرت اخون شرف الدین سلطانپوری کی ساتویں پشت سے فقیر نبی احمد لودھی عفی عنہٗ)

(28) حضرت مولانا مولوی عبد القادرؒ نقشبندی مجدّدی	میانوال مولویاں ضلع جالندھر۔انڈیا
(29) حضرت مولانا مولوی امیر احمدؒ نقشبندی مجدّدی	میانوال مولویاں ضلع جالندھر۔انڈیا
(30) حضرت مولانا مولوی امیر احمدؒ نقشبندی مجدّدی	میانوال مولویاں ضلع جالندھر۔انڈیا
(31) حضرت مولانا مولوی محمد اسحٰقؒ نقشبندی مجدّدی	میانوال مولویاں ضلع جالندھر۔انڈیا
(32) حضرت مولانا مولوی محمد یعقوبؒ نقشبندی مجدّدی	میانوال مولویاں ضلع جالندھر۔انڈیا
(33) آغا علی احمد خانؒ القادری، چشتی، سہروردی	راولپنڈی
(34) اخوندزادہ نبی احمد خان لودھی چشتی، نقشبندی، قادری، سہروردی	حال مقیم راولپنڈی

سلسلہ عالیہ طریقت قادریہ چشتیہ نظامیہ السالمیہ
اخوندزادہ ابوناصر نبی احمد خان لودھی عفی عنہ

(1) امیر المؤمنین مدینۃ العلوم والمطالب کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب (2) امیر المؤمنین حسین بن علیؓ شہیدؓ (3) حضرت زین العابدینؓ (4) حضرت امام محمد باقرؒ (5) حضرت امام جعفر صادقؒ (6) حضرت امام موسیٰ الکاظمؒ (7) حضرت امام علی موسیٰ رضاؒ (8) الشیخ معروف کرخیؒ (9) الشیخ ابی الحسن سری سقطیؒ (10) الشیخ و المشائخ الاعظم جنید بغدادیؒ (11) الشیخ ابی بکر محمد شبلیؒ (12) الشیخ ابی الفضل عبدالواحد بن العزیزؒ (13) الشیخ ابی الفرح طوسیؒ (14) الشیخ ابی الحسن علی الھنکاریؒ (15) الشیخ ابی سعید علی المبارک المخز دمیؒ (16) الشیخ قطب ربانی غوث صمدانی محبوب سبحانی سیّد عبدالقادر جیلانیؒ (سرسلسلہ قادریہ) (17) الشیخ ضیاء ابی النجیب عبدالقاہر سہروردیؒ (18) الشیخ عمار بن یاسر الاندلسیؒ (19) الشیخ نجم الدین کبرائیؒ (20) الشیخ مجد الدین بغدادیؒ (21) الشیخ رضی الدین المعروف بعلے لالاؒ (22) الشیخ نورالدین المعروف بالکبریٰؒ (23) الشیخ علاؤ الدولۃ سمنانیؒ (24) الشیخ محمودؒ (25) قطب الاقطاب علی الہمدانیؒ (26) الشیخ اسحاق ختلانی الحسینیؒ (27) سیّد السادات سیّد محمود نوربخشؒ (28) الشیخ محمد غیاث نوربخشؒ (29) مظر اللہِ التام الصمدِ خواجہ شیخ محمدؒ

(بقیہ اسمائے گرامی شیوخ سلسلہ وہی ہیں جو سلسلۂ چشتیہ نظامیہ السالمیہ میں درج ہیں)

..................O..................

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

منظوم اردو

سلسلہ شریفہ خاندانِ چشت اہلِ بہشت

بمطابق فرمان

شیخ المشائخ محیط الاسرار الازلیۃ ومظہر الانوار الابدیۃ حاجی الحرمین الشریفین محبّ الفقراء والغرباء والمساکین مشفق وشفیق ونورِ عتیق حضرت خواجہ حافظ محمد صدیق السالمی ادام اللہ برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۞

اے خداوندا تو ذاتِ کبریا کے واسطے
رحم کر مجھ پر محمد مصطفیٰ کے واسطے

میں ہوا ہوں سخت زار اس بندِ محنت میں اسیر
کھول دے مشکل علی المرتضیٰ کے واسطے

خواجۂ بصری حسن کا نام لاتا ہوں شفیع
شیخ عبدالواحدِ اہلِ بقا کے واسطے

فضل کر مجھ پر طفیلِ خواجۂ ابنِ عیاض
شاہ ابراہیم بلخی بادشا کے واسطے

حضرت خواجہ حذیفہ کے لئے ٹک رحم کر
پھر ہبیر البصری صاحب ہدیٰ کے واسطے

خواجۂ ممشاد کی خاطر مرا دل شاد کر ،
شیخ بو اسحاق قطبِ چشتیا کے واسطے

خواجۂ ابدال احمد بو محمد مقتدیٰ
خواجۂ بو یوسفِ صاحب صفا کے واسطے

خواجۂ مودودِ حق اور خواجۂ حاجی شریف
خواجہ عثمان اہلِ اقتدا کے واسطے

والئے ہندوستاں خواجہ معین الدین حسن
شیخ قطب الدین قطب الاتقیا کے واسطے

کام کر شیریں طفیل خواجۂ گنج شکر
اور نظام الدین محبوب اولیا کے واسطے

دل کو روشن کر طفیلِ شاہ نصیر الدین چراغ
اور کمال الدین کمالِ اصفیا کے واسطے

حضرتِ محمود راجن سرورِ دنیا و دیں
اور جمال الدین جمن صاحب صفا کے واسطے

شیخ حسن اور خواجہ شیخ محمد کے طفیل
حضرت یحییٰ مدنی مقتدا کے واسطے

فضل کر مجھ پر طفیلِ شاہ کلیم اللہ ولی ،
اور نظام الدین مقبول خدا کے واسطے

دین و دنیا کا وسیلہ پیر عالم فخرِ دیں
خواجۂ نورِ محمد راہنما کے واسطے

حضرت خواجہ سلیماں دوجہاں کے دستگیر
قبلہ حاجات ، تنویرِ سخا کے واسطے

کر کرم مجھ پر طفیلِ خواجہ عالی جناب
شیخ شمس الدین شمسِ چشتیا کے واسطے

صفدرِ بزمِ ولایت شیخ شمس الدین سیال
مقتدائے چشتیاں بحرِ صفا کے واسطے

طوطیٔ بستانِ چشتی بلبلِ باغِ سیال
معدنِ حلم وحیا حیدر صفا کے واسطے

منبع جود وکرم مستغرقِ بحرِ شہود
قاضیٔ دینِ محمد بے ریا کے واسطے

رہبرِ راہِ طریقت ، کاشفِ اسرارِ حق ،
خواجۂ صدیق فخرِ اتقیا کے واسطے

حافظ وحاجی شفیق ومشفق و نورِ عتیق
معدنِ صدق ویقیں ، بحرِ عطا کے واسطے

دیدۂ بینا عطا ہو ، خاتمہ بالخیر ہو
لے مرے مولا صدیق الاولیا کے واسطے

خاندانِ چشتیہ کے سب مریدوں کی خدا
رکھیو عزت آبرو خیر الوریٰ کے واسطے

بخش دے اپنی محبت قطع کر دے ماسوا
برکتِ پیرانِ شجرہ چشتیا کے واسطے

طالبِ دعاء

خادم الصلحاء والفقراء احقر عباد اللہ الصمد نبی احمد لودھی ابن آغا علی احمد خان ۔ لاہور

جنوری ۱۹۷۳ء

باب ۔ 7

امتِ مسلمہ کی اجتماعی تنظیم و تہذیب میں صلحائے امت

یعنی

صوفیۂ عظام کا کردار و عمل

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ ختم نبوت اور خلافتِ راشدہ کے اختتام سے اب تک امتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی میں صلحاء واصفیائے امت یعنی علمائے حق' بزرگان دین اور صوفیائے عظام نے ناقابل تردید یک جہتیٔ فکر و عمل' ہوشمندی اور ایک ناقابل شکست تسلسل کے ساتھ پیغمبرانہ فرائضِ پنجگانہ کو انجام دیا۔ (جن کی تفصیل کتاب میں مناسب مقام پر دی گئی ہے) عالمِ اسلام کی اصلاحی وتجدیدی کوششوں میں نامور مصلحین اور ممتاز اصحابِ دعوت وعزیمت کی اگر تاریخ بیان کرنا مقصود ہو تو صوفیائے کرام اور ان کی علمی وعملی روحانی تحریکوں اور سلاسل سے متاثر ومنسلک علماءِ حق' محدثینِ فہام' مفسرینِ علّام' محققینِ عظیم القدر' فقہاءِ کرام و مقننینِ عظام کے سواد ڈھونڈے

سے بھی کوئی دوسرا قابل ذکر نام نہیں لیا جا سکے گا۔ اور یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں کہ جن کی مجموعی کوششوں سے اسلام زندہ اور محفوظ شکل میں آج تک موجود ہے اور انشاء اللہ تا قیامِ قیامت موجود رہے گا۔ یہ بھی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اسلام کی بقا اور تسلسل کیلئے اللہ تعالیٰ نے خود یہ انتظام فرمایا کہ اسلام کی تعلیمات کے مجموعہ یعنی قرآن حکیم کی دائمی حفاظت کو اپنے ذمے لیا اور پھر ہر دور میں ایسے ہادی و رہنما پیدا فرمانے کی سنت الٰہیہ کے مطابق' انسانی رشد و ھدایت کا سامان پیدا کرنے کا اہتمام بھی کرتا چلا آیا کیونکہ ختم الرسل ﷺ کی آخری امت ہی سے تو اُس نے اپنے دین کی حفاظت اور بقا کا کام لینا تھا۔ لہٰذا وہی کام جو پہلے اپنے اپنے دور کے انبیاء و رسلؑ انجام دیا کرتے تھے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اُن کے نائبین اور امت کے مجددین و مصلحین کو اب انجام دینا تھا اور یہ ایک قدرتی امر ٹھہرا۔ چنانچہ دورِ جدید کے مشہور دانشور اور فلسفی برٹینڈ رسل (Russell) کا ایک فکر انگیز قول ہے:

''دنیا میں جس قدر عظیم ترین فلسفی گزرے ہیں سب نے فلسفے کے ساتھ تصوف کی ضرورت کا بھی اعتراف کیا ہے۔ دنیائے افکار میں انتہائی بلند مقام صرف سائنس اور تصوّف کے اتحاد سے حاصل ہوتا ہے۔ (گویا کہ پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ بند ہونے کے بعد انسانی رہنمائی کیلئے بہترین انسانی خوبیوں کا اظہار صرف تصوّف ہی کے ذریعے ممکن ہے)''۔

تصوف اسلام کی روح اور ایمان کا جوہر

تاریخ تصوّف کے مصنف پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:'' حقیقت یہ ہے کہ تصوّف اسلام کی روح ہے اور ایمان کا جوہر ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسلام کا مقصد اصلی محض اخلاقی تعلیم دینا یا سیاسی نظام قائم کرنا نہیں ہے بلکہ زندہ خدا سے زندہ رابطہ پیدا کرنے کا طریقہ سکھانا ہے۔ قرآن کی غرض و غایت' قیام حکومت نہیں ہے بلکہ بنی آدم میں تعلق باللہ کی اہمیت کا شعور پیدا کرنا اور اس حقیقت کو جاگزیں کرنا کہ اگر اللہ کے ساتھ تعلق نہ ہو تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حضور انور ﷺ نے قریشِ مکہ سے کبھی یہ نہیں کہا کہ اگر تم میری پیروی کرو گے تو میں تمہیں حکمران بنا دوں گا۔ اس کی بجائے صرف یہ کہا کہ میری پیروی کرو' میں تمہیں اللہ سے ملا دوں گا۔ بلکہ میری پیروی میں یہ تاثیر ہے کہ تم خود اللہ کے محبوب بن جاؤ گے (چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا):

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (31-3)

اے رسول ﷺ! آپ مسلمانوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہوتو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ میری اتباع (پیروی) کرو۔ (اس اتباع کا ثمرہ یہ ملے گا کہ اللہ تم سے اس قدر راضی ہو جائے گا) کہ وہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا۔

اب قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ اسلام کا مقصدِ ارفع اور قرآن کی غایتِ قصویٰ حصول حکومت ارضی ہے یا استرضاء باری تعالیٰ ہے؟ اس آیت کی روشنی میں ہر شخص یہی جواب دے گا کہ مسلمان کا مقصد حیات اللہ کو راضی کرنا ہے' حکومت ملے یا نہ ملے اور میں علیٰ وجہ البصیرت یہ بات کہتا ہوں کہ ''اسلامی'' تصوّف اللہ کو راضی کرنے کے طریقِ کار (پروگرام) کا دوسرا نام ہے اور یہ مقصدِ رفیع صرف سلوک طے کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں اس دعوے پر شاہدِ عدل ہیں''۔ (صفحات 126 تا 128)

تاریخ مشائخ چشت کے مؤلف پروفیسر خلیق احمد نظامی رقمطراز ہیں: ''یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اُنہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی اُن کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا۔ بلکہ بقول پروفیسر ہٹی (Hitti) اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں روحانی اسلام' نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں (History of the Arabs: P 475)۔ ہالینڈ کے ایک اور فاضل فریڈ لوکے گارڈ (Frede Lokke Gaard) نے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا : (Islamic Taxation in the Classic Period (Copenhagen - 1950)۔۔۔ انگلستان کے ایک مشہور اور ذی علم مستشرق پروفیسر ایچ اے آر گب (H.A.R. Gibb) نے ایک مرتبہ آکسفورڈ یونیورسٹی کی ایک مجلس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوّف یا صوفیہ کا اندازِ فکر ونظر

فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی"۔(Islamic Culture 1942, P.265)

پروفیسر خلیق نظامی کا تجزیہ

"چنانچہ اسلامی تاریخ میں صوفیہ کرام کے کارنامے یقیناً اس پہلو سے خاص توجہ کے مستحق ہیں کہ مسلمانوں کی ملی زندگی میں جب کوئی مشکل مقام آیا تو ان ہی بزرگوں نے بصیرت اور حکمت کے ساتھ نامساعد حالات کا مقابلہ کیا۔ ان کا ہاتھ ہمیشہ ملت کی نبض پر اور اُن کا دماغ تجدید و احیاء کی تدبیریں سوچنے میں مصروف رہتا تھا۔ اسلامی سوسائٹی کا صحیح مزاج قائم رکھنے میں انہوں نے پُرخلوص جدوجہد ہمیشہ جاری رکھی"۔ یہی وہ مقام ہے جہاں قرآنِ حکیم کی آیت مبارکہ پر صوفیہ ہمیشہ سے کاربند و مستعد نظر آتے ہیں۔ جس میں فرمایا گیا: "اور تم میں ایک جماعت ہمیشہ موجود رہنی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور ممنوعات سے روکے"۔۔۔ اسی طرح جب مسلمانوں کی سیاسی ترقی کا دور آیا اور عسکری کامیابیوں نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا تو یہ بزرگ مادیت کا سیلاب روکنے میں لگ گئے۔ جب سیاسی نظام درہم برہم ہوا تو ذہنی انتشار کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ جب قوم کا اخلاقی مزاج بگڑا ہوا پایا تو انہوں نے اپنی تمام ذہنی اور عملی صلاحیتوں کو صحت مند رجحانات اُبھارنے اور مستحکم فکر و نظر کی جلا کے سامان فراہم کرنے پر لگا دیا"۔

درج بالا پس منظر میں پیش کردہ دلائل ہم اپنے قریب کی ملی و قومی زندگی کی کسوٹی سے پرکھنا چاہیں تو یہ معلوم کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی کہ برعظیم پاک و ہند میں اسلامی نظام زندگی کو متعارف کرانے اور بعد ازاں مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ اور عظمت رفتہ کے احیاء یعنی تشکیل پاکستان میں صوفیہ کرام اور مشائخ عظام نے جو عظیم الشان کردار ادا کیا وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ اگرچہ علماءِ ظواہر یا سیاسی مناصب کے رسیا بعض مذہبی رہنما یعنی ہمارے نادان دوست محض خود غرضی یا کم عقلی یا مذہبی تعصبات کی بنا پر صلحائے امت اور بزرگانِ دین پر یہ الزامات لگاتے چلے آرہے ہیں کہ تصوف کے سرچشمے ہی غیر اسلامی (یونانی، ایرانی یا ہندی) ہیں، یا صوفیہ کی زندگیاں راہبانہ کردار و عمل کی عکاس ہیں، یا یہ اصفیائے امت معاذ اللہ اتباع شریعت سے انحراف و الحاد کے مرتکب ہوئے ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یہ اللہ کے بندے اللہ کے حبیب پاک محمد رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشق ہونے کے

ناطے کسی موڑ پر امت کی صحیح رہنمائی کرنے سے کبھی غافل نہیں رہے۔ برعظیم پاک و ہند کے صوفیائے کرام کے کردار و عمل کا اگر جائزہ لیا جائے تو اولیائے ربانیین کے مخالفین کے تمام اعتراضات کی نفی ہو جاتی ہے۔ قیامِ پاکستان میں صرف بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کے سلاسل ہی ایسے نظر آتے ہیں کہ جنہوں نے بیک زبان وقلب ملکِ عزیز پاکستان کی تشکیل میں بے لوث خدمات انجام دیں۔ مناسب ہوگا کہ چند ایک اہم اصفیائے امت کا ذکر یہاں کر دیا جائے تاکہ تاریخ نویسوں کے کام آئے اور مخالفین کی طرف سے اولیائے امت کے خلاف لگائے جانے والے بے بنیاد الزامات کا تدارک ہو جائے۔ تاہم ان صوفیہ عظام کے تذکار سے قبل مناسب ہوگا کہ احادیث مبارکہ سے یہ ثابت کیا جائے کہ ان نفوسِ قدسیہ نے امتِ مسلمہ کی صحیح رہنمائی کیلئے فقر و درویشی کا جو راستہ اختیار کیا اُس کا جواز کیا تھا اور یہ کہ اقتدار و حکومت کے حصول سے وہ کیوں گریزاں رہے؟

فتنوں کا فلڈ گیٹ کھلتے ہی صلحائے امت کا انقلابی فیصلہ

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے درست ہی کہا تھا:

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا — یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی!

اور ختم المرسلین ﷺ کی پیش گوئیاں امتِ مرحومہ کی رہنمائی کا سبب ہوئیں اور تا قیامت اسے صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کا سبب ہوں گی (انشاءاللہ تعالیٰ)۔ حضورؐ ہی نے فرما دیا تھا کہ خلافتِ راشدہ کا دور 30 سال تک جاری رہ سکے گا اور اسی دوران میں دورِ فتن کا آغاز ہوگا' حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا: خبردار جب یہ فتنہ وقوع میں آجائے تو وہ شخص جس کے پاس اونٹ ہو اپنے اونٹ کے ساتھ ہو جائے اور جس کے پاس بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں مل جائے اور جس کے پاس زمین ہو وہ اپنی زمین میں جا پڑے (یعنی گوشہ تنہائی اختیار کر لے) یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! جس کے پاس اونٹ' بکریاں' زمین نہ ہو' وہ کیا کرے؟ فرمایا وہ اپنی تلوار کی طرف متوجہ ہو اور اُسے پتھر مار کر توڑ ڈالے (تاکہ جنگ و پیکار کا خیال دل میں پیدا نہ ہو)۔۔۔'' یہ اور اسی مضمون کی متعدد اہم احادیث موجود ہیں جو کتبِ احادیث کی زینت ہیں جن سے صدرِ اوّل ہی میں صلحائے امت نے اپنا لائحہ عمل مرتب کر لیا تھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو

مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی اسلام کے پھیلاؤ میں سدِ راہ بن جاتی۔ چنانچہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بلکہ توفیق ایزدی سے صلحائے امت نے حکومت و سلطنت کا کاروبار دنیاوی امور میں زیادہ رغبت و دلچسپی رکھنے والوں کیلئے چھوڑ دیا اور خود کو تزکیۂ نفوس' رشد و ہدایت' اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور امت کی تعلیم و تربیت میں مشغول کر لیا۔ حضرت شفیقؒ ' حضرت خدیجہؓ ' سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ ' کے پاس بیٹھے تھے' انہوں نے ہم سے پوچھا: تم میں سے کسے فتنے کی بابت رسول اللہ ﷺ کی حدیث یاد ہے؟ حذیفہؓ کہتے ہیں' میں نے عرض کیا مجھے یاد ہے بالکل حرف بحرف جیسی کہ نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے کہا: بیان کر' تُو باخبر اور دلیر ہے۔ ہاں جو کچھ حضورؐ نے فرمایا (اُس کے عین مطابق) فتنے کی کیفیت کو بیان کر۔ حذیفہؓ کہتے ہیں' میں نے عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آدمی کا فتنہ (یعنی ابتلا و آزمائش) اس کے اہل و عیال میں ہے' اس کے مال میں ہے' اس کی جان میں ہے' اس کی اولاد میں ہے' اور اس کے ہمسائے میں ہے۔ اور فتنے کو روزے' نماز' صدقہ' امر بالمعروف اور نہی المنکر دور کر دیتے ہیں' حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں اس فتنے کی بابت نہیں پوچھتا۔ میرا مقصد اس فتنے کی کیفیت دریافت کرنا ہے جو دریا کی موجوں کی مانند موجیں مارے گا۔ حذیفہؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا امیر المومنینؓ! اس فتنے سے آپ کو کیا تعلق؟ آپ کے اور اس فتنے کے درمیان تو ایک بند دروازہ حائل ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا اس دروازے کو توڑا جائے گا یا فتح کیا جائے گا؟ حذیفہؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: توڑا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ دروازہ تو یہ ہے کہ کبھی بند نہ کیا جائے۔ شفیقؒ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا: کیا حضرت عمرؓ اس دروازے سے واقف تھے؟ حذیفہؓ نے کہا: ہاں جانتے تھے' جیسے ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ کل کے دن سے پہلے رات آئے گی۔ میں نے حضرت عمرؓ سے وہ حدیث بیان کی جس میں غلطیاں نہیں ہیں۔ شفیقؒ راوی کہتے ہیں کہ میں اس دروازے کی بابت حذیفہؓ سے کچھ پوچھتے ہوئے ڈرا۔ اس لئے میں نے مسروقؒ سے کہا: تم پوچھ لو۔ انہوں نے پوچھا تو حذیفہؓ نے کہا: وہ دروازہ حضرت عمرؓ ہیں'' (متفق' علیہ بحوالہ مشکواۃ: ''باب الملاحم'')

تاریخ اسلام کے مختلف ادوار اور صوفیہ

درج بالا حدیثِ مبارکہ سے پتھر پر لکیر کی طرح یہ ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی

شہادت کے ساتھ ہی فتنوں کا فلڈ گیٹ (Flood Gate) کھل گیا جسے بند کرنے کی ہر کوشش ناکام ہوئی۔ چنانچہ پھر حضرت عثمانِ غنیؓ کو شہید کیا گیا' حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی شہید کر دیا گیا' حضرت حسنؓ کو زہر دیدیا گیا اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی لاش کئی دن تک مکہ معظمہ میں کعبۃ اللہ کے سامنے سولی پر لٹکتی رہی اور امام عالی مقام حضرت حسینؓ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کروا دیا گیا۔ اگرچہ بعدازاں بھی احیائے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی کوششیں خال خال نظر آتی ہیں لیکن کسی ایک کوشش کا انجام بھی بخیر نہ ہو سکا۔ اس لئے صلحائے امت نے حکومتی امور کو دنیاوی جاہ و مال اور حکومت کے رسیاء 'عمائدین قوم' کیلئے چھوڑنے ہی میں امت کی خیر و فلاح کو مضمر سمجھ لیا۔ لیکن وقت کے حکمرانوں پر اپنا دباؤ اور دبدبہ ہمیشہ قائم رکھا تاکہ انہیں راہ راست پر گامزن رکھا جا سکے۔

مولائے روم کیا خوب فرما گئے:

من ز قرآں مغز را برداشتیم   استخواں پیش سگاں انداختیم

ہم سمجھتے ہیں کہ صلحائے امت کا یہ فیصلہ انتہائی دانشمندانہ' حکمت پر مبنی اور اپنی جگہ بے حد انقلابی تھا جس کے نتیجہ میں حصول حکومت کی کشمکش میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہو گیا اور امت خانہ جنگی سے عمومیت کے ساتھ محفوظ ہو گئی۔ دوسری جانب حکمرانوں کی نگاہوں میں صلحائے امت کے وقار و عظمت میں بھی اضافہ ہونے لگا اور وہ حکومتی پالیسیاں صلحائے امت کے مشوروں سے مرتب کرنے میں سعادت دارین تصور کرنے لگے۔ اس سلسلے میں ہم کتاب کے بعض دوسرے ابواب میں بھی تفصیلات بیان کریں گے تاکہ صلحائے امت کی گوشہ نشینی کے مقاصد و فوائد سے آگاہی ہو سکے۔ فقراء و صلحائے امت کی طرف سے جب بادشاہانِ وقت کو عمومیت سے یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ وہ نہ تو اُن کے حق حکمرانی کیلئے چیلنج ہیں اور نہ ہی وہ خود اقتدار کے بھوکے ہیں' تو حکمرانوں اور بادشاہوں نے عام طور پر خود کو فقراء کے خادم و معتقد بنا کر پیش کیا جس سے فقراء و صلحاء کو اپنے اپنے دور میں حکمرانوں کو ظلم و تعدی سے روکنے اور عدل و انصاف کا بول بالا رکھنے پر قدرت حاصل رہی۔ اگرچہ تاریخ ایسے واقعات سے بھی بے خبر و خالی نہیں کہ جہاں ان فقراء و صلحاء و صوفیہ نے مناسب سمجھا انہوں نے تلوار بھی اپنے ہاتھوں میں لینے سے گریز نہیں کیا۔ دراصل فقر ایک نظریۂ حیات بھی ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا: ''الفقر و فخری''۔۔۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے بھی اسی لئے کہا تھا:

فقر کے ہیں معجزات' تاج و سریر و سپاہ   فقر ہے میروں کا میر' فقر ہے شاہوں کا شاہ

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پر تیغِ خودی — ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ!
دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو — تیری نگہ توڑ دے آئینۂ مہر و ماہ!

حضرت علامہ نے وہ جو کہا تھا کہ:

تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کیلئے — سربکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کیلئے؟
قوم اپنی جو زر و مال جہاں پہ مرتی — بت فروشی کے عوض بت شکنی کیوں کرتی؟

۔۔۔کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں کہ یہ بت شکن سلطان محمود غزنوی کی طرف اشارہ ہے؟ محمود غزنوی کون تھا؟ یقیناً تھا تو وہ ایک بادشاہ ہی' لیکن اُس کے اندر بت شکنی کا جذبہ پیدا کرنے کا سہرا' اُس کے روحانی اساتذہ خصوصیت سے اُس کے مرشد پاک سراج السالکین حضرت خواجہ ناصح الدین ابومحمد محترم چشتیؒ اور دوسرے علماء حق کے سر ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ محمود غزنوی نے جہاں بڑے بڑے اسلام دشمن ہندو راجگان کو شکست دی اور ہندوستان میں ہندوؤں کے خود ساختہ مذہبی تفوق اور اُن کی ضعیف الاعتقادی کو پاش پاش کیا وہاں یہ بات بھی تسلیم کی جاتی ہے کہ اُس نے تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان نہیں کیا' ورنہ آج ہندوستان میں کوئی ہندو نظر نہ آتا۔ البتہ اسلام کو پھیلانے کا فریضہ سرزمین ہند میں اُن مبلغین اسلام اور صوفیہ نے انجام دیا جو محمود غزنوی کے دور میں ہندوستان میں آ کر آباد ہوئے۔ اُن میں حضرت سیّد اسمٰعیل بخاریؒ' سیّد فخر الدین حسین زنجانیؒ' حضرت سیّد علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ اور حضرت شاہ یوسف گردیزی سرفہرست ہیں۔ محمود راسخ العقیدہ مسلمان تھا' صوفیہ اور اولیائے کرام سے والہانہ محبت کرتا تھا۔ شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کی روحانی عظمت اور عارفانہ تعلیمات کا بھی اُس پر بہت گہرا اثر تھا۔ مشہور عالم و مورخ' شہرہ آفاق کتاب الہند کا مصنف ابوریحان البیرونی بھی محمود غزنوی کے دربار کا ایک فرد تھا۔ شاہنامہ کا مصنف فردوسی بھی محمود کا درباری شاعر تھا۔

خلیفۂ بغداد القادر باللہ سے باقاعدہ سند شاہی حاصل کرنے کے بعد محمود غزنوی نے مسند حکومت سنبھالی تھی۔ اہم اور پیچیدہ معاملات میں اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگا کرتا تھا اور پیچیدہ مہمات پر روانگی سے قبل قرآن سے فال بھی نکالتا تھا۔

ہند الولی غریب نواز خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ

بت شکن' فاتح سومنات سلطان محمود غزنوی کی قائم کردہ حکومت جب مغربی ہندوستان

میں زوال پذیر ہوئی تو وہ دور آیا جب 561ھ میں کفرستان ہند میں اسلام کی روشنی پھیلانے کیلئے معین الملت والدین، ہندالولی غریب نواز خواجہ معین الدین چشتیؒ کی، ختم الرسلین، امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دربارِ عالیہ سے رشد وھدایت کیلئے اجمیر میں تعیناتی ہوئی اور وہ شیخ الشیوخ خواجۂ خواجگان غوث الثقلین الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور بہت سے دوسرے صوفیۂ عظام اور بزرگانِ دین کی تائید و مشاورت کے بعد ہندستان میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہونے کی خاطر افغانستان سے گزرے۔ اسی دوران میں شہاب الدین محمد غوری نے راستہ میں ان کی دل وجان سے خاطر و مدارت کی۔ حضور غریب نوازؒ نے خوش ہو کر اُسے دعا دی جس کے نتیجہ میں وہ اپنے بڑے بھائی عنایت الدین حاکم فیروزکوہ کی مدد سے غزنی کا حکمران بن گیا، شہاب الدین کا اصلی نام معزالدین تھا۔ وہ اپنی شجاعت، بلند ہمتی اور مستقل مزاجی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا کہا جاتا ہے کہ حضور خواجہ ہندالولی، ہندوستان میں سب سے پہلے حضرت مخدوم علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ کے مزار پر حاضر ہو کر ایک حجرہ میں معتکف ہوئے اور ہندوستان کی تہذیب وتمدن، زبان، مذاہب اور دیگر معاشرتی معاملات کے بارے معلومات حاصل کیں۔ (خواجۂ بزرگ کی سوانح لکھنے کا شرف حاصل کرنے والا) مشہور مورخ عبدالرحمٰن شوق (امرتسری) مصنف تاریخ اسلام کا بیان ہے کہ داتا گنج بخشؒ کے مزار اقدس پر فیض روحانی حاصل کر کے رخصت ہوتے وقت درگاہِ اقدس کی محراب پر اپنے دستِ مبارک سے یہ اشعار رقم فرمائے:۔

ہر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بُود	سالہا سجدۂ صاحبِ نظراں خواہد بُود
جائیکہ زاہداں بہزار اربعین رسد	مستِ شرابِ عشق بیک آہ می رسد
ہر کس کہ بدرگاہِ تو آید بہ نیاز	محروم زدرگاہِ تو کے گردد باز
گنج بخش فیض عالم، مظہر نورِ خدا	ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را راہنما

پھر غریب نوازؒ ہندوستان کی زبان پر مزید عبور حاصل کرنے کیلئے ملتان چلے گئے۔

ازاں بعد وہ کئی دوسرے مقامات سے ہوتے ہوئے اجمیر شریف پہنچے اور ایک بڑ کے درخت کے نیچے ڈیرے ڈال دیئے۔ دور ونزدیک اُن کے روحانی کمالات وتصرفات کے چرچے ہونے لگے اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہونا شروع ہو گئے جس پر رائے پتھورا المعروف پرتھوی راج نے اُنہیں اجمیر سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔ مورخ عبدالرحمٰن شوق کی تحقیق کے مطابق حضور خواجہؒ کے ہمراہ عقیدت مند مریدوں اور خادموں کی ایک جماعت بھی تھی۔ پرتھوی راج کے

درباری اہلکاروں اور کارندوں نے جب حضور خواجہؒ کو سرکاری حکم سنایا تو آپؒ کی معجز نما زبان مبارک سے ارشاد ہوا: ''ہم تو اب اجمیر سے نکلنے سے رہے البتہ تمہارا راجہ اجمیر سے نکل جائے بلکہ ہمیشہ کیلئے دنیا ہی سے رخصت ہو جانے کی تیاری کرے''۔ اسی دوران میں شہاب الدین محمد غوری کو خواب میں خواجہ غریب نوازؒ نے رائے پتھورا کی سرکوبی کی تلقین فرمائی۔ غزنی کے تخت و تاج پر قبضہ کے بعد وہ محمود غزنوی کا جانشین تصور کیا جاتا تھا اس لئے پنجاب کے تمام ایسے علاقے جو غزنوی سلطنت کا حصہ رہے تھے، وہ خود کو قدرتی طور پر اُن کا مالک و حکمران تصور کرتا تھا اور اُس کا خیال تھا کہ محمود غزنوی کے مفتوحہ تمام علاقوں کے راجے مہاراجے اُس کے باجگزار بن کر رہیں اس لئے اُس نے سب سے پہلے 1175ء میں پنجند کے کنارے اوچ کے ہندو راجے کو شکست دے کر علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کیا 1178ء میں سندھ پر حملہ کر کے اسے اپنی حکومت کے زیر نگیں کر لیا۔ 1179ء میں اُس نے پشاور اور 1181ء میں پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ وہاں گکھڑوں سے مل کر غزنہ کے آخری سلطان خسرو ملک نے غوری کے حاکموں کو پنجاب سے نکال دیا لیکن 1185ء میں غوری پلٹ کر آیا اور پھر سے اس پر قبضہ کر لیا 1191ء میں وہ تیر ہنڈہ (بٹھنڈہ یا سرہند) پر حملہ آور ہوا جہاں دہلی اور اجمیر کے راجہ پرتھوی راج چوہان کا ناقابل تسخیر قلعہ تھا جسے فتح کرنے کے بعد وہ غزنی واپس جا رہا تھا کہ پرتھوی راج، تیر ہنڈہ کی بازیابی کیلئے دیگر راجاؤں کو ساتھ ملا کر آگے بڑھا۔ غوری کو بھی اطلاع مل گئی وہ راستے ہی سے پلٹ کر آیا اور ترائن کے مقام پر پرتھوی کی فوجوں کو آن لیا۔ غوری کا لشکر تھکا ہوا تھا اور تعداد بھی قلیل تھی لیکن بے جگری سے مقابلہ شروع کیا۔ اسی دوران میں پرتھوی کے بھائی دہلی کے حاکم کھانڈے راؤ نے، جو ہاتھی پر سوار تھا، موقع پا کر غوری پر بھرپور حملہ کر دیا۔ غوری کے شانے پر شدید گھاؤ آ گیا۔ قریب تھا کہ وہ گھوڑے سے گر جاتا کہ ایک خلجی سردار اچھل کر غوری کے گھوڑے پر اُس کے پیچھے بیٹھ گیا اور غوری کو سنبھال لیا، وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ سردار اُسے میدان جنگ سے نکال لایا۔ اس طرح سے غوری کی افواج مزید مقابلہ جاری رکھے بغیر پسپا ہو گئیں، غوری کو لاہور پہنچ کر ہوش آیا تو اُسے اپنی پسپائی کا اس قدر صدمہ ہوا کہ اُس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ اب ہندو مہاراجہ سے بدلہ نہیں لے گا، نہ اچھا کھائے گا، نہ پہنے گا اور نہ بستر اور چارپائی پر سوئے گا۔ چنانچہ غزنی میں زبردست تیاری کے بعد وہ اگلے ہی سال (1192ء میں) غیظ و غضب کے عالم میں پلٹا اور ترائن ہی کے مقام پر متحدہ ہندوستان کے تمام راجاؤں اور راجپوتوں کی متحدہ فوج کے ساتھ مقابلہ کر کے انہیں شکست فاش

دی۔اس طرح سے ہندالولی خواجہ غریب نوازؒ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔

اندریں حالات کیا اس امر سے انکار کی کوئی گنجائش موجود ہے کہ اجمیری خواجہ معین الدین چشتیؒ کے روحانی تصرف سے سلطان غوری نے مہاراجہ پرتھوی کو عبرت ناک شکست دی؟ ہندو آٹھ صدیوں سے اسی شکست و ندامت کے زخم چاٹ رہے ہیں اور مہاراجہ پتھورا المعروف پرتھوی راج کو سورما ثابت کرنے پر زورصرف کررہے ہیں۔اور آج بھی خود کو سیکولر سٹیٹ کے مالک قرار دینے کے باوجود اپنے مہلک ترین ایٹمی ہتھیاروں کا نام پرتھوی کے نام سے منسوب کررہے ہیں۔بانیءِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اسی لئے کہا تھا کہ ہندو اور مسلمان کبھی مشترکہ قومیت تخلیق نہیں کرسکتے' بسا اوقات ایک قوم کا رہنما دوسری قوم کا دشمن ہوتا ہے تاہم آٹھ صدیاں پیشتر ہندوستان میں لڑی گئی یہ جنگ ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم کرنے کا موجب ہوئی اور سلطان شہاب الدین غوری کو اسی لئے ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا بانی کہا جاتا ہے۔اور لا الہ الا اللہ کے نام پر آٹھ صدیاں بعد وجود میں آنے والی مملکت خداداد پاکستان بھی ایٹمی قوت بنی تو اُس کے مایۂ ناز سائنسدان عبدالقدیر خان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تعلیمات کے باعث بجا طور پر حیرت انگیز انداز میں یہ آرزو بیدار ہوئی کہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیار کا نام غوری میزائل رکھا جائے۔

حضرت علامہؒ نے کیا خوب کہا ہے:

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو	قطرہ ہے لیکن مثالِ بحر بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو	دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفان بھی ہے
ہفت کشور جس ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ	تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

کیا یہ تاریخی نتائج صلحائے امت کے فیضان اور روحانی تصرف کے مظہر نہیں؟ میزائل غوری' جسے بھارتی میزائل پرتھوی کے مقابلے میں تشکیل دیا گیا ہے' اس کا تاریخی پس منظر آخر کیا ہے؟اسی طرح پوری اسلامی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ مسلمان بادشاہوں اور فاتحین اسلام کو اللہ کے نیک بندوں اور پیارے اولیاء اللہ کی پشت پناہی بھی حاصل رہی۔اور بادشاہانِ وقت ان برگزیدہ ہستیوں کے معتقد اور گرویدہ رہے۔مورخ عبدالرحمٰن شوق پوری تحقیق کے ساتھ رقمطراز ہے:

اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اپنے عہد میں تین چار مرتبہ پیادہ پا حضور سلطان الہندؒ کے مزار پاک پر حاضری دی اور غرباء و مساکین کو ہر بار خیرات تقسیم کی۔مغلیہ خواتین میں شہزادی

جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں' خواجہ علیہ الرحمۃ سے بے حد عقیدت رکھتی تھی۔ روضہ شریف کی زیارت کو گئی تو اثنائے راہ میں ہر منزل پر دوگانہ ادا کرنے کے بعد کمال اخلاص سے سورہ یٰسین اور سورۃ فاتحہ پڑھ کر ثواب ہدیہ کرتی رہی۔ جب گنبد ابیض میں داخل ہوئی تو اپنی پلکوں سے جھاڑو دیا۔ مزار مبارک پر نقرئی دالان اسی شہزادی کی تعمیر کردہ یادگار ہے۔ شاہجہان قبل جلوس اور بعد جلوس کئی مرتبہ آستانہ عالیہ پر پاپیادہ حاضر ہوا۔ روضہ شریف کے احاطہ میں سنگ مرمر کی عالیشان مسجد اُسی نے تعمیر کرائی۔ جہانگیر اجمیر شریف کی زیارت کو جاتا تو ایک کوس ورے پاپیادہ ہو جاتا۔ ایک دفعہ تو تین سال تک اجمیر شریف میں ہی مقیم رہا۔ اس عرصہ میں متعدد بار مزار شریف پر حاضری دی اور فیوض و برکات حاصل کیں۔ درگاہِ عالیہ پر پانچ ہزار فقراء وزائرین کیلئے کھانا تیار کرنے والی دیگ بھی جہانگیر کا ہدیہ ہے۔ جو دیگ خورد کے نام سے مشہور ہے۔ مغل شہنشاہ اکبر اعظم بھی اجمیر شریف پاپیادہ حاضری دیا کرتا تھا۔ چتوڑ کی فتح کی یاد میں تیرہ گز محیط کی دیگ کلاں اُسی کی طرف سے ہدیہ کی گئی تھی۔ قبل ازیں سلطان محمود خلجی بھی آستانہ عالیہ پر حاضری دیتا اور کفرستان ہند میں اجمیر شریف کو توحید پرستی کا مرکز کہا کرتا تھا۔ مزار شریف پر ایک مسجد جو صندل خانہ کے نام سے مشہور ہے' تعمیر کرائی اور بلند دروازہ سنگِ سُرخ سے تعمیر کرایا۔ اسی نے خواجہ بزرگ کے خلف شیخ قطب الدین کو زمانۂ شباب میں بارہ ہزار سواروں کا افسر مقرر کر کے خطاب چشت خانی پیش کیا اور آپ کے بعد شیخ بایزید بزرگؒ' جو کمالاتِ باطنی اور علوم ظاہری کے حامل تھے' کو اجمیر کی حکومت مرحمت کی۔ نواب حیدرآباد دکن میر عثمان علی خان نے بھی اپنی حاضری کی یادگار کے طور پر نقار خانہ تعمیر کرایا۔

خواجۂ بزرگؒ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے جنہوں نے آپ کے زیرِ سایہ تبلیغ اسلام کی بہترین خدمات انجام دیں۔ تاہم آپ کے خلیفۂ اکبر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا نام نامی اسم گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جن کے پھر خلفاء لاتعداد ہیں لیکن بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی روحانی عظمت کا شہرہ زبان زد خاص و عام ہے اور اُن کے خلفاء میں دیگر لاتعداد خلفاء کے علاوہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور خواجہ علی احمد صابر کلیریؒ دو بہت ہی مشہور و معروف ضمنی سلاسلِ چشت (نظامی و صابری) کے سرخیل تسلیم کیے جاتے ہیں۔ خواجۂ بزرگؒ پندرہ واسطوں سے حضور نبی مکرم ﷺ کے خلیفۂ مجاز شمار کیے جاتے ہیں جب کہ دور حاضر تک پہنچتے پہنچتے ان سلاسل سے منسلک موجود خلفاء عمومیت سے 38 تا 45 واسطوں سے دربار خلافتِ نبویؐ کے خوشہ چین ہیں اور

خلافتِ کبریٰ کے قافلہ سخت جان کی کل تعداد اس وقت بھی ہزاروں لاکھوں میں ہو گی جو پوری روئے زمین پر ہر سُو مشرق تا مغرب اور شمال تا جنوب پھیلے ہوئے ہیں اور رشد و ہدایت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

''خانوادۂ سلطان الہندؒ اپنے جدِ امجد کے نقشِ قدم پر''

خانوادۂ سلطان الہند کے چشم و چراغ بھی اپنے عظیم و قابل فخر جدِ امجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خواجۂ بزرگؒ کے مشن کو نسل در نسل بھرپور توجہ اور تن دہی کے ساتھ انجام دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے اور گذشتہ آٹھ صدیوں سے ہر سجادہ نشین روحانی تعلیم و تربیت اور فیضان رسائی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ درگاہِ خواجہ کے یہ دیوان سلسلۂ چشتیہ کے درویشانِ خدامست' خلفاءِ مجاز اور شمع چشتیہ کے پروانوں کو ایک ہی لڑی میں پروئے رکھنے میں لاجواب خدمات انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ اکیسویں پشت میں نبیرۂ خواجہ بزرگؒ ' حضرت دیوان سید آل رسول علی خاں قدس سرہٗ ابن پیر جی خورسند علیؒ نے برِعظیم پاک و ہند کی تاریخ میں جو انقلابی کردار ادا کیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ 13 نومبر 1920ء کو سیّد شرف الدین سجادہ نشین اجمیر شریف قدس سرہٗ العزیز کے لاولد فوت ہو جانے پر سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے سجادہ نشین قرار پائے۔ علم و فضل اور روحانیت میں آپ درجۂ کمال پر فائز تھے۔ تحریک پاکستان شروع ہوئی تو آپ نے مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کیلئے مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا چنانچہ روزنامہ منشور کی 5 اکتوبر 1945ء کی اشاعت میں صفحہ اوّل پر آپ کا یہ ایمان افروز بیان شائع ہوا کہ ''ہر مسلمان دل و جان سے مسلم لیگ کے ساتھ ہو جائے اور اس کی حمایت کو اپنا دینی فریضہ تصور کرے''۔ 14 اکتوبر 1945ء کو پیر محمد امین الحسنات المعروف پیر صاحب مانکی شریف نے برِعظیم پاک و ہند کے 500 علماء و مشائخ کی جو کانفرنس بلائی اُس میں بھی آپ نے شرکت فرمائی۔ 17 دسمبر 1945ء کو اخبار دبدبہ سکندری رامپور کے صفحہ 22 پر حضرت دیوان سیّد آل رسول علی خاںؒ کے ایما پر مفتی آستانہ اجمیر شریف مولوی امتیاز احمد کا فتویٰ شائع ہوا کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت مسلم لیگ کی پیروی و حمایت فرض اور ضروری ہے کیونکہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ بوقت اختلاف بڑی جماعت اور کثرت آراء کا اتباع اور موافقت کرو''۔

اپریل 1946ء میں سنوسیٔ ہند امیرِ ملت حضرت
پوریؒ کی زیرِ صدارت بنارس (حال بھارت) میں آل انڈیا سنی ک
ہزار مستند علماء اور مشائخ عظام شریک ہوئے۔ کانفرنس نے مطالب
ہوئے مستقبل میں اسلامی حکومت کیلئے مکمل لائحہ عمل مرتب کر
مشائخ کی کمیٹی بنائی اُس میں دیوان سیّد آل رسول علی خان بھی ش
(بمطابق 5-6 رجب 1365ھ) کو خواجہ غریب نواز اجمیریؒ
نے سنی کانفرنس منعقد کی جس میں ہزاروں علماء و مشائخ کے علاو
شرکت کی۔ کانفرنس میں آپ کے خطبہ نے پاکستان کے حامیوں کو
ہمت کا درس دیا۔ بعد ازاں آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ میں سلس
سجادگان سے اپنے جد امجد کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی
اس نازک موڑ پر احیائے اسلام کی خدمت کیلئے نکل کھڑے ہوں۔

ید جماعت علی شاہ محدث علی
ں منعقد ہوئی جس میں سات
ستان کی پرزور حمایت کرتے
غرض سے جو تیرہ مقتدر علماء و
تھے۔ 7-8 جون 1946ء
سالانہ عرس کے موقع پر آپ
یک لاکھ سے زائد عوام نے
ے ولولۂ تازہ عطا کیا اور عزم و
عالیہ چشتیہ کی خانقاہوں کے
ریوں کو چھوڑ کر پاکستان کے

دیوان قدس سرہٗ کی ہجرت

تصوّف کے تمام سلاسل عالیہ کے سجادگان اور صلحائے اُمت کی ان شبانہ روز کی مشترکہ کوششوں اور دعاؤں کے صدقے میں 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو بھارتی حکومت اپنے بغضِ باطن کو قابو میں نہ رکھ سکی۔ چونکہ دیوان سیّد آل رسول علی خاں قدس سرہٗ العزیز کی حویلی اور درگاہ عالیہ سلطان الہندؒ مسلم لیگ کے جلسوں کا مرکز ہوا کرتے تھے جن کے تمام اخراجات بھی حضور دیوانؒ ہی برداشت کیا کرتے تھے اس لئے بھارتی حکومت کے بد باطن ہندو وزیر سردار ولبھ بھائی پٹیل نے انتقامی کارروائیوں کے عندیے دینے شروع کر دیئے اور کہا جاتا ہے کہ حضور دیوان کو فوری طور پر گرفتار کر کے جیل بھیجنے کا بھی پروگرام بنالیا گیا، جس پر سلطان الہندؒ کے خاندان نے ہجرت کر کے پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا۔ بھارتی حکومت کو جب علم ہوا تو آپ کو اجمیر شریف قیام فرمائے رکھنے پر بڑا زور دیا گیا لیکن حضرت دیوانؒ اپنے فیصلے پر ڈٹ گئے کیونکہ یہی غالباً اشارۂ غیبی، حکمت بالغہ اور مشیت ایزدی کا فیصلہ تھا۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مکاشفہ میں بھی بیان ہوا کہ کافروں کے راجہ کا اجمیر شریف پر مکمل قبضہ شدنی تھا۔ (آگے چل کر ہم یہ مکاشفہ مکمل طور پر قارئین کے استفادہ اور مسلمانوں کیلئے درسِ عبرت اور مستقبل

کے لائحہ عمل کی تشکیل کے نقطۂ نگاہ سے پیش کریں گے: مؤلف)۔

پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد آپ پہلے ملتان اور پھر سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے عظیم الشان مرکز روحانیات سیال شریف کے سجادہ نشین شیخ الاسلام خواجہ حافظ محمد قمرالدین سیالویؒ کے ایما پر سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے جہاں بارہ سال قیام کے بعد آپ 1960ء میں پشاور منتقل ہو گئے اور حویلی دیوان صاحب کو مرکز چشتیہ بنایا۔ وہیں 1973ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کو امانت کے طور پر آسودۂ خاک کیا گیا۔ 1992ء میں آستانہ عالیہ گلشن سلطان الہند اجمیری پنڈی فتح جنگ روڈ پر قائم ہونے کے بعد آپ کے جسد خاکی کو پشاور سے لا کر نئے سرے سے دفن کیا گیا۔ آپ کے وصال مبارک کے بعد 1973ء میں آپ کے فرزندِ ارجمند سیّد آل مجتبیٰ علی خاں قدس سرہٗ العزیز سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ آپ کی بھی پوری زندگی قومی وملی اور روحانی فتوحات اور سرفرازیوں کی ایک خوبصورت و دلآویز داستان ہے۔

حضرت خواجہ دیوان سیّد آل مجتبیٰ علی خاں قدس سرہٗ

آپ کے والد گرامی' 3 نومبر 1920ء بروز بدھ' جب درگاہِ معلیٰ اجمیر شریف کے سجادہ نشین تسلیم کئے گئے تو حضرت دیوان سیّد آل مجتبیٰ علی خاںؒ کی عمر شریف 2 سال تھی گویا یہی حضرت کی ولی عہدی شروع ہونے کا زمانہ تھا آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم مدرسہ جامعہ عثمانیہ اجمیر شریف میں مفتی عبدالحمیدؒ ،مفتی شریف الدینؒ ،مفتی محب النبیؒ سے حاصل کی جبکہ آپ نے علامہ سیّد نعیم الدین مراد آبادیؒ سے بھی اکتساب فیض کیا۔

آپ کے مزاج میں ایسی حلیمی وانکساری تھی کہ آپ جس سے گفتگو فرماتے اس کی روح تک کو گھائل کر دیتے اور اپنی بات اس کے دل میں نقش کی طرح اتار دیتے۔ آپ تقویٰ و پرہیز گاری میں اپنے اسلاف کا نمونہ تھے۔

آپ نے جواں سالی میں تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور 1944ء میں اپنے والد کے حکم اور صوبہ سرحد ضلع بنوں کے وزیرزادہ گل اور ملک دمساز کی درخواست پر کانگریس کے خلاف مسلم لیگ کے جلسوں کی صدارت فرمائی اور پیر صاحب مانکی شریفؒ کی خواہش پر 46ء میں بھی خاص طور پر صوبہ سرحد کا دورہ کیا۔ آپ کے تسلسل کے ساتھ دوروں سے کانگریس کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے اپنے جدامجد کی طرح مسلک کی توسیع واشاعت اور تحریک

پاکستان کو تقویت دینے کیلئے اجمیر شریف میں سنی کانفرنس کے انعقاد میں ایک کارکن کی حیثیت سے حصہ لیا۔ آپ سلسلہ چشتیہ کی ذمہ داریوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ حضرت خواجہ دیوان سیّد آل رسول علی خاںؒ کی تربیت بھی اسی طرح کی تھی۔ جب آپ کے والدؒ 1936ء میں دیوان قطب الدینؒ پاکپتن شریف کی دستار بندی کیلئے تشریف لائے تو دیوان سیّد آل مجتبیٰ علی خاںؒ بھی ہمراہ تھے۔ آپ کے والد تمام دوروں میں آپ کو ساتھ لے جاتے۔ دیوان سید آل مجتبیٰؒ اکثر محافل میں ان یادوں کا ذکر فرماتے اور سننے والوں کے ایمان کو ولولہ تازہ ملتا۔

1973ء میں دیوان سیّد آل رسول علی خاں کے وصال کے بعد آپ کی دستار بندی بحیثیت سجادہ نشین اجمیر شریف خاندان کے تمام افراد کے علاوہ حضرت میاں علی محمد خانؒ بسی شریف موجودہ دیوان صاحب پاکپتن شریف و خواجہ خان محمد تونسویؒ خواجہ محمد قمرالدین سیالویؒ اور پیر محمد اعظمؒ شاہ گڑھی شریف نے خود کی۔ آپ نے قیام پاکستان کے بعد تحریک ختم نبوت تحریک نظام مصطفیٰ ؐ تحریک ناموسِ رسالتؐ میں بھرپور حصہ لیا۔ متعدد بار سنی کانفرنسوں کی صدارت کی جس میں پوری دنیا بالخصوص برصغیر پاک و ہند کے جید علماء و مشائخ نے شرکت کی تھی۔ آپ دین کے احیاء و مسلک اہلِ سنت کی ترویج کیلئے اپنے والدؒ کے قائم کردہ دارالعلوم جامعہ غوثیہ معینیہؒ یکہ توت پشاور کی آخری وقت تک سرپرستی کرتے رہے۔

آپ خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ کی بائیسویں پشت میں نجیب الطرفین ہیں آپ کے کارناموں اور کرامات کا احاطہ کرنا ناممکن ہے بوقت رحلت بھی کرامت مقبول الٰہی کا ظہور ہو رہا تھا آپ نے 12 اپریل 2001ء کو عشاء کی نماز کھڑے ہو کر ادا کی اور پھر آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ رات 11 بجے اپنے بیٹے سیّد آل حبیب کو بڑھتی ہوئی بے چینی اور بے قراری کے سبب بیدار کیا اور مقام دل کے مساج کی تلقین کی۔

بے چینی اور بڑھی تو اپنے جانشین دیوان سیّد آل حبیب علی خاں کو بلوایا اور خود اور دونوں صاحبزادوں کو وضو کرانے کے بعد بلند آواز سے ایک آیت کی تلاوت اور ورد کا حکم دیا۔ صاحبزادگان آپ کے چہرے پر تغیر و تبدل کو دیکھ کر گھبراہٹ میں بار بار بھول جاتے تو حضرت دیوانؒ تصحیح فرماتے پھر خود بھی بلند آواز سے ورد شروع کر دیا تا آنکہ 13 اپریل 2001ء کی صبح تہجد کے وقت 2 بجے خاموشی چھا گئی صاحبزادے متوجہ ہوئے تو حضرت دیوانؒ دارفانی سے دار البقاء و حق کی طرف رخصت ہو چکے تھے۔

سبحان اللہ کیا شانِ رفعت پرواز تھی۔ آپ کے وصال کی خبر پورے ملک میں ریڈیو ٹی وی کے ذریعے پھیل گئی۔ ہزاروں قافلے اپنے محبوب مرشد کی نماز جنازہ میں شرکت کیلئے گلشن سلطان الہند موہڑی پھاٹک پنڈی فتح جنگ روڈ کی جانب رواں دواں ہو گئے۔ باران رحمت کے نزول میں شام 6 بجے شیخ الحدیث مولانا پیر محمد چشتی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ خاص طور پر صاحبزادہ غزالی دوراں سیّد مظہر سعید کاظمی مرکزی امیر جماعت اہلسنت و پیر سیّد حسین الدین شاہ' پیر محمد اکرم شاہ گڑھی شریف' پیر سیّد شبیر علی شاہ چوراہی کے علاوہ ہزاروں عقیدت مندوں نے شرکت کی۔ ناچیز مؤلف کو بھی اس روح پرور سفر آخرت میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ اور پھر اشک بار آنکھوں کے ساتھ حضرت سلطان الہندؒ کے اس سجادۂ اعظم و عالی مقام کو سپرد خاک کر دیا۔ آپ کو آپ کے والد حضرت دیوان سیّد آل رسول علی خانؒ کے دائیں پہلو میں دفن کیا گیا۔ ختم قل شریف کے موقع پر تمام خاندان والوں' عالی وقار سجادگان و چشتی خلفاء کی طرف سے آپ کے جانشین دیوان سیّد آل حبیب علی خاں کی دستار بندی کی گئی جس میں خاص طور پر پیرزادہ سیّد آل سیدی معینی قدس سرہٗ اور پیر سیّد آلِ طٰہٰ پیر سراج احمد نے حصہ لیا۔ جبکہ ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت سیّد ریاض حسین شاہ' مولانا پیر محمد چشتی' سیّد امیر حسین گیلانی' پیر عتیق الرحمان فیض پوری اور پیر سیّد شبیر علی شاہ چوراہی نے خطاب کیا۔

مؤلف کتاب ھٰذا کی عقیدتمندی وسرفرازی

مؤلف کتاب ھٰذا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جب وہ ڈیڑھ دو سال کی عمر کا تھا تو' اُس کی والدہ ماجدہ کی منت پوری کرنے کیلئے اُس کے بزرگوار ماموں فیض اللہ خان غزنوی' سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری قدس سرہٗ العزیز' اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی پرانوار درگاہوں پر سلام کرانے کیلئے لے گئے تو سلطان الہند اجمیری کے سجادہ نشین دیوان سید آل رسول علی خانؒ نے اشارۂ غیبی سے اُس کی دستار بندی فرمائی۔ اس امر کا انکشاف اُس وقت ہوا جب بندۂ ناچیز نے چشتی نظامی سلسلہ میں (8 اگست 1971ء کو) خواجۂ خواجگان حضرت حافظ خواجہ محمد صدیق قدس سرہٗ سے بیعت ہونے کے بعد داڑھی بڑھائی اور طریق چشتیہ کے مطابق گیسو بھی سر پر سجا رکھے تھے تو پہلی بار اُس کے ماموں حضور سے اُس کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ تمہاری شخصیت میں یہ پر کشش انقلاب کیونکر رونما ہوا؟ راقم نے اُنہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا تو انہوں نے قدرے توقف کے بعد ذہن پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ انہیں

تمہارے بچپن کا ایک واقعہ یاد آ گیا (یہ 1933-34 کی بات ہوگی) کہ جونہی میں تمہیں گود میں اُٹھا کر درگاہ عالیہ خواجہ غریب نوازؒ پر حاضر ہوا تو وہاں کے سجادہ نشین نے اچانک درگاہ شریف سے ایک چادر اُٹھا کر تمہاری دستار بندی کر دی اُس وقت یقیناً حیرت ہوئی لیکن آج تمہاری صورت دیکھ کر مزید حیرت میں گم ہوں کہ صوفیہ کے نقشبندی گھرانے کے ایک چشم و چراغ کا چشتی طریقت کیلئے منتخب کئے جانے کا فیصلہ تو غالباً 37-36 برس پہلے ہی ہو گیا تھا۔ واضح رہے کہ راقم الحروف کے جد اعلیٰ فضائل مآب الشیخ مفتی بدرالدین خراسانی ثم سلطان پوریؒ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ خاص اور عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے اتالیق تھے۔ خاکپائے اولیائے چشت، بندۂ ناچیز کو ایک نقشبندی بزرگ صوفی محمد اسلم صاحب کی وساطت سے سلطان الہندؒ کی درگاہِ عالیہ کے دیوان حضرت سیّد آل مجتبیٰ علی خاںؒ کی خدمتِ عالیہ میں، جبکہ اُن کے وصال سے چند ہی ماہ قبل حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا اور اپنی ضخیم تالیف ''ختم الرسلؐ '' اُن کی خدمتِ اقدس میں پیش کی تو وہ بہت مسرور و شاداں ہوئے اور فرمایا کہ ''آپ نے گویا توشۂ آخرت تیار کر رکھا ہے''۔ ناچیز نے درگاہ معلیٰ اجمیر شریف پر بچپن میں اپنی دستار بندی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا ''ایں سعادت بزور بازو نیست'' تو دیوان صاحب قبلہؒ نے فرمایا اُس وقت میرے والد گرامی سلطان الہندؒ کے سجادہ نشین تھے۔ تاہم جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ 13 اپریل 2001ء کو یہ آفتابِ چشتیہ بھی 81 برس تک ضوفشانی کے بعد غروب ہو گیا اور آپ کے جانشین دیوان سیّد آلِ حبیب علی خاں مدظلہٗ العالیٰ سریر آرائے مسندِ خلافت وسجادگی ہوئے تو بندۂ ناچیز کی قسمت نے مزید یاوری کی۔ آستانۂ عالیہ گلشن سلطان الہند (نزد موہڑی پھاٹک پنڈی فتح جنگ روڈ) میں سالانہ عرس مبارک پر اپنے بیٹے جمیل النبی لودھی اور پوتے محمد صبیح اللہ خان لودھی کی معیت میں حاضر ہوا۔ پروگرام کے مطابق صبح دس بجے محفل پاک کا آغاز کیا گیا۔ ہزاروں عقیدت منداور بزرگانِ دین جمع تھے۔ اچانک پروگرام روک کر پیرزادہ پروفیسر ڈاکٹر سیّد آلِ اظہر مدظلہٗ نے اعلان کیا کہ حضور دیوان سیّد آل حبیب علی خاں مدظلہ العالی نے دو حضرات کو آج خلافت سے نوازنے کا فیصلہ فرما رکھا ہے۔ اس لئے اب یہ کارروائی شروع کی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ ڈاکٹر قاضی مسعود الزمان مدظلہٗ العالی اور بندۂ ناچیز کا نام پکارا گیا۔ ناچیز پر اس عطائے فقیرانہ کے باعث بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی بہت مشکل سے خود کو سنبھالا تاہم پہلے ڈاکٹر قاضی صاحب کی دستار بندی کی گئی اور بعدازاں راقم کو بھی نارنجی رنگ کی کلف لگی دستار دیوان صاحب قبلہ اور اُن کے چچا پیرزادہ سیّد آل سیّدی قدس سرہٗ نے اپنے دست

مبارک سے پہنائی۔ جس کے بعد پھر اعلان ہوا کہ یہ دیوان صاحب قبلہ مدظلہٗ کی طرف سے عطا کردہ پہلی دو خلافتیں ہیں)۔

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو فنافی الہو نے کیا خوب فرمایا ہے:

مرشد ہادی سبق پڑھایا' اوہ بن پڑھیوں پیا پڑھیوے ھُو
انگلیاں کنّاں نوچہ دتیاں' بن سُنیوں پیا سنیوے ھُو
نین نیناں ولوں ٹرٹر تکدے' بن ڈٹھیوں پیا دسیوے ھُو
باھُو! ہر خانے وچ جانی وسدا' کن سَر اوہ رکھیوے ھُو

(ترجمانی: ہمیں مرشد پاک نے ایسا سبق پڑھایا جو ہماری فطرت میں کچھ اس طرح سے رچ بس گیا ہے کہ اُس کے معجزانہ کمالات سے اگلی منزلیں اب خود بخود طے ہو رہی ہیں' اگر کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی جائیں تو بھی مرشد کے دیئے ہوئے سبق کی معجز نمائی جاری رہتی ہے۔ کیونکہ روحانی اسباق کا تعلق ظاہر کی بجائے روح سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمارے دل کی آنکھیں' ظاہری بینائی کی کارفرمائیوں کے بغیر بھی' دیکھتی رہتی ہیں۔ تعلق باللہ اور رجوع الی اللہ کا یہ کمال ہے کہ اے باھو! ہر مسام یعنی جسم کا روآں روآں کان اور سر کا کام دیتا ہے جس کے باعث چاروں اطراف سے انوار و تجلیات کی بارش ہوتی ہے اور ہر شے سے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا سنائی دیتا ہے۔

گویا کہ

تجلّی تری ذات کی سُو بہ سُو ہے — جدھر دیکھتا ہوں تو ہی تو ہے

محولہ بالا تاریخی معلومات کے اندراج کا ہمارے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ قارئین کرام کو باور کرایا جا سکے کہ برعظیم پاک و ہند میں تصوّف کے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے ذریعے اسلام کی ترویج و اشاعت کے عظیم الشان کارہائے نمایاں کی بنیاد اللہ بزرگ و برتر کے خلیفۂ اعظم حضور نبیٔ مکرم ﷺ کی خصوصی ہدایات کے تحت خواجۂ بزرگ سلطان الہند غریب نواز معین الملت والدین قدس سرہ العزیز کی ذات ستودہ صفات نے پہلے ہزار سالہ دور کے نصف اوّل کی تکمیل پر 561ھ میں رکھی تھی اور یہ بھی کہ اُنہیں یہ معلوم ہو سکے کہ اس سلسلۂ عالیہ سے منسلک درویشانِ خدا مست کا قافلۂ سخت جان و خود آگاہ کس منزل یا مقام پر پہنچ پایا ہے؟ ہندوستان میں اسلام کا مرکز تبلیغ و اشاعت اجمیر شریف چونکہ ایک ایسے کنٹرول سنٹر (Control Centre) کی حیثیت رکھتا ہے' جس کے استحکام پر مسلمانوں کی مادی و روحانی ترقی کا دارومدار ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں یہ بحث

کی جا چکی ہے کہ صلحاءِ امت ہی کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے خلافتِ راشدہ کے انہدام کے بعد نظامِ خلافت کو قائم و دائم رکھ کر شیطان لعین کے اس دعوے کو باطل قرار دیا کہ یہ انسان بھلے اشرف المخلوقات ہو، لیکن اُس کے نزدیک خلافت الٰہیہ کا اہل نہ تھا۔ چنانچہ صلحائے امت نے خلافتِ کبریٰ پر اپنی گرفت مضبوط رکھتے ہوئے خلافتِ صغریٰ کے نظام میں حتی الوسع فتور پیدا نہ ہونے دیا اور بادشاہانِ وقت کو ہمیشہ اپنے روحانی تصرفات کے زیرِ نگیں رکھا۔ اندریں حالات ہندوستان میں اہل اللہ نے اجمیر شریف کو ہمیشہ کنٹرول سینٹر یعنی امتِ مسلمہ ہندیہ کا دینی و مذہبی و روحانی مرکزِ اعصاب ہی سمجھا اور جانا۔ ہمارے اس مؤقف کی تائید ہندوستان میں مسلمانوں کے زوال وانحطاط اور ہزیمت و بے چارگی کے عالم میں ایک مردِ حق آگاہ اور حکمتِ ایزدی کے شناور' شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (1114ھ تا 1174ھ بمطابق 1703ء تا 1763ء) کے مکاشفہ سے ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔

اس مردِ درویش نے' جو تصوف کے چودہ خانوادوں سے اجازت یافتہ تھے' مسلمانوں کو ان کی کھوئی ہوئی میراث کا شعور دلانے کیلئے علوم متداولہ اور مستقبل میں کام آنے والی جملہ تدبیروں سے آگاہ کرنے کا فریضہ ادا کیا۔ اگرچہ دورِ حاضر میں بعض دینی دانشوروں اور علمائے ظاہر نے ان کی مجددانہ کاوشوں پر یہ طنز کیا کہ ''انہیں تو تصوف کی افیون کھا گئی تھی''۔ شاہ ولی اللہ نے جہاں مادی علوم کے نئے افق کھول کھول کر بیان کئے وہاں انہوں نے مسلمانوں کی روحانی ابتری و پامالی کو دور کرنے کیلئے اصلاح احوال کی خاطر ہر فن و جہتِ علم پر دو صد سے زائد کتب تصنیف کیں۔ حکمتِ الٰہیہ کے اس شناور نے ایک کتاب اپنے مکاشفات پر بھی تالیف کی جس کا نام انہوں نے ''فیوض الحرمین'' رکھا۔ یہ اورنگزیب عالمگیرؒ کی وفات سے چار سال پہلے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وصالِ پاک کے اسی سال بعد کا دور تھا۔ ''فیوض الحرمین'' میں مندرج وہ ایک مکاشفہ میں بیان فرماتے ہیں:

اُمہ کی رہنمائی کیلئے قائم الزماں کا منصب

''میں نے خواب میں خود کو قائم الزماں دیکھا۔ میرا مقصود اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کے کر گزرنے کا اور نظامِ خیر جاری کرنے کا ارادہ فرما دیتا ہے تو وہ اپنے کسی بندے کو اس مقصد کیلئے چن لیتا ہے اور تعمیل و تکمیل ارادۂ ایزدی کیلئے مقرر فرماتا

ہے جو اس کے فعالِ کار کے طور پر اللہ کی مرضی کو پورا کرنے کا فرض انجام دیتا ہے۔۔۔لہٰذا میں نے دیکھا کہ کافروں کا راجہ مسلمانوں پر غالب آ گیا ہے اور ان کی جانوں اور مالوں کے درپے آزار ہے۔ ان کے مالوں کو لوٹ رہا ہے۔ انہیں بُری طرح قتل کر رہا ہے اور ان کی اولادوں کو غلام بنا رہا ہے۔ حتیٰ کہ صورت حال ایسی نازک ہوگئی کہ شہر اجمیر پر بھی غلبہ حاصل کر کے کفرستان میں تبدیل کر دیا ہے۔ پورے ہندوستان میں وہ کفر کو رواج دینے پر تلا ہوا ہے۔ شعائر اسلام (مساجد اور عبادت گاہیں مسمار کرنا' بزرگانِ دین کے مزاروں کی بے حرمتی' ذبیحہ اور دیگر مشاغل اسلام پر پابندیاں وغیرہ شعائر اللہ کو مٹانے کا رویہ اختیار کر لیا ہے۔ جس پر مسلمان خود کو بے حد دل گرفتہ' لاچار اور بے یار و مددگار محسوس کرتے ہیں۔ ان کی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہو رہی کہ وہ اس دورِ جبر و استبداد سے کیسے چھٹکارا حاصل کریں۔ اس دل خراش مرحلہ پر اللہ رب العالمین زمین والوں پر شدید ناراض ہوا اور میں نے اس غضب کی صورت ملاءِ اعلیٰ میں متمثل دیکھی۔ پھر یہ غضب میری جانب مترشح ہوا اور میں' اس سبب سے کہ درگاہ الٰہی میں غضب چھایا ہوا ہے' سخت خوفزدہ ہو گیا اور صورت حالات کو تبدیل کرنے کا عزم صمیم میرے اندر پیدا ہو گیا اور میں بھی غضبناک ہو گیا اور میں نے عالم کی طرف رجوع کیا اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو گیا' لوگ میرے گرد جمع ہونے لگے جن میں سے بعض عرب بھی تھے اور اونٹوں پر سوار ہو کر آئے تھے اور بعض ان میں گھوڑوں پر سوار تھے اور بعض ان میں سے پیادہ پا ہونے کے باوجود سب پر سبقت لے جا رہے تھے۔ اور میں نے جو منظر دیکھا وہ میدانِ عرفات میں حاجیوں کے اجتماع سے مشابہ تھا۔ میں نے یہ دیکھا کہ وہ سب میرے غضبناک ہونے پر خود غضبناک ہو چکے ہیں اور مجھ سے صورت حالات سے نجات حاصل کرنے کی راہ دریافت کر رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا کیا طریقہ ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟ میں نے کہا کہ دنیا بھر سے باطل نظاموں کو ملیامیٹ کئے بغیر اللہ راضی نہ ہوگا۔ انہوں نے پوچھا کہ ایسا کب تک ممکن ہوگا؟ میں نے کہا کہ جب تک تم میرے غصہ کو ٹھنڈا نہ دیکھ لو۔ تو پھر ایسا ہوا کہ لوگ کافروں اور باطل نظاموں کے رسیا لوگوں کو قتل کرنے پر تل گئے۔ اور اپنے

اونٹوں کو وہ چابکوں سے مار مار کر تیز کرنے لگے۔ ان کے اس عمل سے بے شمار کفار قتل کر دیئے گئے اور بہت سے اونٹوں کے بھی سر پھوٹے اور زخمی ہوئے۔ پھر میں ایک شہر کی جانب بڑھا تاکہ اس پر غلبہ حاصل کیا جائے۔ تمام لوگوں نے میری قیادت میں ایسا ہی کیا۔ اسطرح ہم ایک سے دوسرے شہر کی جانب بڑھتے چلے گئے۔ اور کفار کا قتل عام جاری رہا اور لوگ میری پیروی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم اجمیر شریف پہنچ گئے اور وہاں بھی ہم نے کفار کو قتل کیا اور جو باقی بچے وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کفار کا راجہ ہمارا قیدی بنا۔ پھر میں نے دیکھا کہ کفار کے راجہ نے بدعہدی کے خیال سے بادشاہ سے مل جانے کا عندیہ ظاہر کیا لیکن مسلمانوں کے بادشاہ نے اس کو سزائے موت سنادی۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ اس کے جسم سے خون کے فوارے پھوٹ رہے ہیں تو میں نے کہا کہ اب کفار کو ان کے کیئے کی سزا مل گئی جو اللہ کی رحمت کا سبب ہوئی پھر میں نے رحمت و سکینت کو دیکھا جو مسلمانوں کے چاروں طرف پھیل گئی اور جو مسلمان اس جہاد میں شریک ہوئے وہ سب خوشحال' کامراں اور شاداں و فرحاں ہو گئے۔ میں نے یہ منظر شب جمعۃ المبارک ذیقعد ۱۱۴۴ھ کو دیکھا (دیکھئے فیوض الحرمین۔ اردو ترجمہ از مولانا حفظ الرحمٰن شوہالوی)

سیاسی رہنماؤں اور حکمرانوں کیلئے انتباہ

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کہ مشیت الٰہیہ کا ایک شناور ہمیں کیا سنا رہا ہے؟ اور خواب غفلت سے جگانے' کفار کے مقابلے میں صف آرا ہونے اور اس طرح سے اللہ بزرگ و برتر کے غیظ و غضب کو دور کرنے کا طریق کار سمجھا اور سجھا جا رہا ہے؟ کیا مشیت ایزدی اپنے جس بندے کو کفر و شرک کی عملداری ختم کرانے کا ذریعہ بنانے کیلئے اپنی قدرت کاملہ سے مقرر کر چکی تھی وہ مسلمانوں کو اپنے کسی غلط مکاشفہ سے گمراہ کرنے کی جرأت کر سکتا تھا؟ اور کیا ہندوستان سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے کے بعد پہلی بار ایسا نہیں ہوا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا جینا عذاب بنا دیا گیا ہے؟ ان کی مساجد اور عبادت گاہوں کو پوری دنیا کے سامنے دیدہ دلیری کے ساتھ مسمار کیا جا رہا ہے؟ احمد آباد' مقبوضہ کشمیر اور دیگر علاقوں میں ان کی نسل کشی کی جا رہی ہے؟ مسلمانوں کو کھلم کھلا دھمکایا جا رہا ہے کہ اگر ہندوستان میں رہنا ہے تو ہندو بن کر رہو ورنہ مکے چلے جاؤ اور یہ کہ مسلمانوں کو ہر حالت میں مکے مدینے پر بھارت کو ترجیح دینا ہوگی ورنہ انہیں

ملیامیٹ کر دیا جائے گا؟ ہندوستان کی سینکڑوں مساجد ایسی ہیں جنہیں مندر بنانے کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ اور بابری مسجد کو شہید کر کے وہاں رام مندر بنانے کا اعلان کیا جا چکا ہے اور جس کی تیاریاں مکمل کی جا چکی ہیں بھارت میں مسلمان اس قدر عاجز آ چکے ہیں کہ گائے کے ذبیحہ پر بھی وہ رضا کارانہ پابندی لگانے کا اعلان کر چکے ہیں اور ہندوستان میں رام راج کی پرچارک متعصب ہندو جماعت بی جے پی برسر اقتدار بھی آ چکی ہے؟ اب اور کیا باقی بچا ہے جو ہمیں یہ تسلی دینے کیلئے کافی ہو کہ اللہ ارضِ بریں پر غضبناک نہ ہوا ہوگا؟

قارئین محترم! کیا پاکستان کا معجزانہ طور پر معرض وجود میں آنا بیسویں صدی کا ایک محیر العقول واقعہ نہیں؟۔۔۔ ہمارے پاس تو کوئی فوجی قوت نہ تھی کہ ہم یہ علاقہ فتح کر لیتے! پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا نعرہ کیا ہم نے یونہی لگا دیا تھا یا اس کے پیچھے کوئی مشیت ایزدی کام کر رہی تھی؟ کیا پاکستان خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ' داتا گنج بخش علی ہجویریؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے ہزاروں لاکھوں پیرو کار اولیائے کرام اور اصفیائے ملت' جو قادری' چشتی' سہروردی' نقشبندی اور دیگر درجنوں سلاسل صوفیہ سے تعلق رکھتے تھے' کے روحانی فیضان کا مظہر نہیں؟ کیا حضرت شاہ ولی محدث دہلویؒ اور اُن کے خانوادہ کے دوسرے بزرگوں کی بدولت ہی ہمارا مذہبی اور روحانی تشخص قائم نہیں؟ اور کیا ڈاکٹر اقبالؒ جیسے مفکرین ملت کی بدولت ہمیں اپنا یہ تشخص اجاگر کرنے اور قیام پاکستان کی توفیق نہیں ملی؟ اگر ان تمام سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو پھر جان لیجئے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مکاشفہ میں ہندوستان کے کفرستان میں مرکزِ روحانیت اجمیر شریف پر قبضہ ہو جانے کا ذکر اور خاص طور پر سلطان الہندؒ کے جملہ خاندان و سجادگان اور حاضر دیوان سیّد آل رسول علی خاں قدس اللہ سرہٗ العزیز کا تقسیم برعظیم کے ساتھ ہی ہجرت کر کے پاکستان میں قیام پذیر ہونا ہمیں کچھ پیغام ضرور دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح کفر گڑھ ہندوستان میں' ماضی بعید میں اجمیر شریف کو مرکزیت حاصل تھی اور وہاں پر قابض ظالم ہندو راجہ رائے پتھورا کے استیصال کیلئے خواجہ اجمیرؒ کی روحانی پشت پناہی سے سلطان غوری نے جان کی بازی لگا کر کفر و شرک کی دنیا کو اسلام کے نور سے منور کرنے کا سامان کیا آج پھر پرانی تاریخ خود کو دہرا رہی ہے اور ہندوؤں کا راجہ' پرتھوی کے نام سے میزائل کی صورت میں ہندوستان سے کسی غوری کو آٹھ صدیوں کے بعد پھر سے دعوت مبارزت دے رہا ہے' ہم یقیناً غوری کے نام سے میزائل تیار کر چکے ہیں اور مزید مادی و سائنسی ترقیات کے دعوے بھی کر رہے ہیں لیکن یہ بات یاد

رکھنے کی ہے کہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مکاشفے کے پیش نظر کامیابی ہمارے قدم صرف اس وقت چوم سکتی ہے جب ہماری رہنمائی کیلئے اللہ والے ہماری پشت پر موجود ہوں۔ تاریخ کا سبق ہمیں یہی ہے اور سنت الٰہی بھی یہی ہے۔ اپنے مادی ہتھیار کو غوری کا نام دے کر ہم زبان حال وزبان قال سے سنت الٰہی اور تاریخ کے فیصلوں کو تسلیم کر چکے ہیں اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ۔

قومِ آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز | لے اڑا بلبل بے پر کو مذاق پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز | تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

عالم اسلام کی واحد ایٹمی قوت کے خلاف سازشیں

اس نازک مرحلہ پر ہم اپنے تمام سیاسی رہنماؤں اور حکمرانوں کو خبردار کرنا چاہتے ہیں کہ تاریخ ہمیں جس مقام پر لے آئی ہے اس میں صرف دو ہی راستے ہیں۔۔۔۔' تخت یا تختہ' ۔۔۔۔اور خاص طور پر سلطان الہند کے جملہ خاندان وسجادگان اور حاضر دیوان حضور سیّد آل رسول علی خاں قدس سرہُ العزیز کا تقسیم برعظیم کے ساتھ ہی ہجرت کر کے پاکستان میں قیام پذیر ہونا' حالات حاضرہ تو بلکہ یہ ہیں کہ چیچنیا میں روس مسلمانوں کو تباہ کر چکا ہے' فلسطین میں اسرائیل کی خونخواری میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے۔ 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں بلند ترین جڑواں عمارتوں اور امریکی فوجی ہیڈ کوارٹر پینٹا گون پر جو حملے کئے گئے اور جن سے ہزاروں بے گناہ افراد لقمۂ اجل بن گئے اُس کا بدلہ لینے کیلئے امریکہ جیسی سُپر پاور اپنے یورپی اتحادیوں کو ساتھ ملا کر افغانستان کے بے گناہ مسلمانوں کا بے دریغ خون بہانے کے بعد وہاں قبضہ جما چکی ہے۔ حالانکہ افغان بیچاروں کا امریکی المیے میں قطعاً کوئی قصور نہیں تھا۔ بھارت چونکہ بغضِ پاکستان میں امریکہ کو شہ دینے پر تل گیا تھا اس لئے پاکستان کی فوجی حکومت کی حکمت عملی یہ بنی کہ وہ بھی امریکی حملوں کو روکنے کی بجائے اپنی سرزمین پر سے اُس کے جنگی جہازوں اور میزائلوں کو گزرنے کی اجازت دے چکا تھا۔ افغانستان کے اسلامی جمہوری تشخص کو ملیامیٹ کرنے کے بعد امریکہ اور برطانیہ نے مل کر عراق پر حملہ کر کے وہاں صدام حسین کی حکومت کا تختہ الٹ کر اپنے استبدادی پنجے گاڑ لئے ہیں۔ ایران اور شام کو سرنگوں کرنے کی تدبیریں روبہ عمل ہیں۔ دنیا کی واحد اسلامی ایٹمی قوت پاکستان سے اُس کا جوہری اعزاز چھیننے کی شروعات ہو چکی ہیں۔ ہمارے مایۂ ناز ایٹمی سائنسدان اور ہردلعزیز ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو عالمی طاقتوں کے دباؤ میں آکر اُن کے منصب سے

الگ کیا جا چکا ہے۔ اس کتاب کے شائع ہونے تک کون جانتا ہے کہ اسلامی دنیا کا نقشہ کیا سے کیا ہو چکا ہو۔ لہٰذا ان گمبھیر حالات میں اگر ہمارے حکمرانوں' سیاسی اور مذہبی رہنماؤں نے اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجد بنائے رکھنے کے مظاہرے جاری رکھے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے پر آمادہ نہ ہوئے تو نصف صدی سے پاکستانی عوام کے کرب واضطراب کی کہانی کو خوش حالی سے بدلنے اور ہندوستانی مسلمانوں اور کشمیریوں کو بھارتی جبر واستبداد اور ہندو تعصب کے چنگل سے نجات دلانے کیلئے تاریخ کو اپنا فیصلہ سنانا پڑے گا اور وہ یہ ہوگا کہ ایک انقلاب جو خود غرض حکمرانوں' سیاستدانوں وڈیروں' کارخانہ داروں اور مالداروں کی بساط ہمیشہ کیلئے لپیٹ کر رکھ دے گا۔

دوسری اہم ترین بات تاریخ سے ہمیں یہ معلوم ہوتی ہے کہ پرتھوی اجمیر اور دہلی کا ہی تو مہاراجہ تھا اور اجمیر راجستھان ہی میں واقع ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کس زمانے میں یہ محیر القول اطلاع دی تھی کہ کافروں کے راجہ نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا ہے اور یہ کہ وہ اجمیر پر بھی غالب آ گیا ہے' جس سے اللہ غضبناک ہوگیا؟ شاہ صاحب کے مکاشفہ کی پوری تفصیل اوپر دی جا چکی ہے ایک بار پھر پڑھ لیجئے۔ شاہ صاحب نے جہاں آنے والے خطرات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا وہاں ہندو مرہٹوں کی طاقت کو کچلنے کیلئے اپنے ہی دور میں احمد شاہ ابدالیؒ کو بھی ہندوستان پر حملہ کرنے کیلئے بلایا' عین اسی طرح جس طرح خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے سلطان غوری کو رائے پتھورا کا سر کچلنے کیلئے بلایا گیا تھا۔ لہٰذا شاہ ولی اللہ کی اطلاع کے مطابق اب جب تک مسلمان' بھارت تو کیا پوری دنیا سے باطل نظاموں کو ملیا میٹ نہیں کرتے اللہ راضی نہ ہوگا۔

واضح رہے کہ خانوادۂ ولی اللہی کے مجاہد بزرگانِ دین کی تحریک مولانا سیّد احمد بریلوی شہید کی زیر سرکردگی برعظیم پاک وہند میں مسلمانوں کی سلطنت وحکومت بحال کرانے میں کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں جب کہ اس تحریک میں شامل مجاہدین کی اکثریت صوفیانہ نظریات کی حامل تھی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صوفیہ مسلمانوں کی روحانی پیشوائی کے ساتھ ساتھ جہاں بھی مواقع سازگار ملے عملاً خلافت صغریٰ یعنی خلافت ظاہری کے احیاء وقیام سے بھی غافل نہیں رہتے۔ اگرچہ انہوں نے خلافت کبریٰ یعنی خلافت روحانی کے تسلسل وتواتر کو فرض عین جان کر ایک لحظہ کیلئے بھی ٹوٹنے نہیں دیا جو بنی آدم کا اصل مقصد ومقصود ومطلوب ہے۔

درج بالا سطور میں قومی وملی اور روحانی پیش رفت میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے تسلسل و

تواتر پر گفتگو ہو رہی تھی ہندوؤں میں ملی زندگی کے دوسرے ہزار سالہ ہجری دور کی عظیم الشان صوفی تحریک سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کا ہم نے ذکر نہیں کیا۔ اب مناسب ہوگا کہ اس کا بھی بحسن و بخوبی تذکرہ کر دیا جائے۔ کیونکہ اس سلسلہ کے بزرگوں نے عصر حاضر میں مسلمانوں کی رہنمائی میں ایسے کلیدی کارنامے انجام دیئے جن کا تعلق مسلمانوں کو دینی و دنیاوی امور میں راہ راست پر قائم رکھنے اور اُن کے عقائد کی اصلاح و تطہیر کرنے سے ہی نہیں بلکہ قومی و ملی سطح پر اسلام کی نشاۃ ثانیہ تجدید و احیائے دین اور مستقبل کی منصوبہ بندی سے بھی ہے۔

''شیخ احمدؒ سیدِ گردوں جناب''

نسل انسانی کی رہنمائی اللہ بزرگ و برتر کی نا قابل تبدیل و تنسیخ سنت ہے۔ چنانچہ ہر دور، ہر قوم، ہر بستی اور ہر امت میں پیغمبر و ہادی مبعوث ہوتے رہے کیونکہ سیدھی راہ کا بتانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے، تاکہ ٹیڑھی راہوں پر چلنے سے بنی آدم کو بچایا جا سکے، چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

- ''اور اللہ پر سیدھی راہ کا بتا دینا ہے اور بعض ٹیڑھی راہیں ہیں''۔(16۔النحل:9)
- اِنَّ عَلَينَا لَلهُدٰیo (بیشک راہ دکھا دینا ہمارے ذمہ ہے)(92۔الیل:12)
- لِكُلِّ قَومٍ هَادٍo (اور ہر قوم کیلئے ہادی تھے)(13۔الرعد:7)

حضور نبی کریم ﷺ چونکہ آخری نبی ہیں اس لئے اب رشد و ہدایت کی ذمہ داری بحیثیت مجموعی حضورؐ کی امت پر ہے اس فریضے کی انجام دہی کو علماءِ حق حضور ﷺ کی بعثتِ ثانیہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ تاہم جیسا کہ اوپر کی سطور میں شاہ ولی اللہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کے کر گزرنے کا اور نظام خیر جاری کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ اپنے کسی بندۂ خاص کو اس مقصد کیلئے چن لیتا ہے'' ہم سمجھتے ہیں کہ اسی ضابطۂ خداوندی کے تحت حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تقرر ہوا۔ اور جیسا کہ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ ''جس نے تصوّف کی بہرہ مندیوں سے اپنا دامن طلب نہیں بھرا اُس نے حقیقتِ نبوت کی بو بھی نہیں سونگھی اور بجز نام اور اسم کے اس کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اولیاء اللہ کی کرامات، انبیاء کی ہدایات ہیں۔۔۔ (چنانچہ) صوفیائے کرام کے ساتھ نشست و برخاست رکھنے اور ان کے طریق پر چلنے سے مجھ پر جو سب سے بڑی چیز منکشف ہوئی ہے نبوت کی حقیقت اور اُس کے خواص ہیں''۔۔۔ اپنی زندگی کی حتمی معرکۃ الآرا تالیف المنقذ من

المنقذ من الضلال' میں امام غزالیؒ تصوف کو لائحہ عمل کے طور پر اختیار کرنے کی وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیہ ہی کا گروہ ہے جو خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے۔ انہیں کی سیرت سب سے بہتر ہے انہیں کا طریقہ زیادہ صاف ہے اور انہیں کے اخلاق زیادہ پاکیزہ اور بلند ہیں۔ بلکہ تمام عقلاء و حکماء کی عقل و حکمت کو جمع کر لیا جائے اور واقفان شریعت کے اسرار و علم کو ملا لیا جائے تا کہ ان سے بہتر سیرت کی تشکیل ہو سکے تب بھی ان کے اخلاق و سیرت کے ڈھانچے کو بدلنا ضروری نہ ہو کیونکہ صوفیہ کی تمام حرکات و سکنات' چاہے ظاہری ہوں یا باطنی' مشکوٰۃِ نبوت ہی سے تو مستنیر ہیں''۔

امام غزالیؒ اور دیگر بزرگانِ دین اور صلحائے اُمت کا متفقہ فیصلہ اور اجماع ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابۂ کرامؓ کے بعد یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں کہ جو اللہ بزرگ و برتر کے چنیدہ و پسندیدہ لوگ ہیں کہ جن سے دین و ایمان اور عمل صالح کے بارے میں رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ اولیاءِ کرام خود بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیابت کا فریضہ انجام دینے میں گذشتہ چودہ صدیوں میں کبھی غفلت و لاپروائی کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ پوری ذمہ داری اور خلوص و محنت کے ساتھ نسل در نسل ایک تسلسل و تواتر کے ساتھ فریضہ اقامتِ دین انجام دیتے چلے آ رہے ہیں چنانچہ برعظیم پاک و ہند میں جب سلسلۂ چشتیہ کی جمالی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ ضرورت محسوس ہوئی کہ اب ایک جلالی سلسلۂ رشد و ہدایت کے ذریعے مغل شہنشاہ اکبر اور اس کے نورتنوں کی پھیلائی ہوئی گمراہی اور الحاد و ارتداد و زندقہ کی تحریک کی عقل و علم و تدبر و حکمت کے ساتھ سرکوبی کی جائے۔ تو جیسا کہ حضرت مجددؒ اپنے متعلق ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔ حضور (باقی باللہ) کا کمترین بندہ احمد عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی توجہ عالی کی برکت سے جذبہ و سلوک کے دونوں طریقوں اور جلال و جمال کی دونوں صفتوں سے تربیت فرمائی۔ اب جمال عین جلال ہے اور جلال عین جمال (دفتر اولیٰ حصہ اوّل مکتوب نمبر 6 صفحہ نمبر 10) اندریں حالات مشیت و ضابطۂ ایزدی کے عین مطابق 14 شوال 971ھ (1563ء) کو سرہند کے مقام پر چشتی سلسلہ کے ایک عالم و فاضل عارفِ کامل الاستاد شیخ عبدالاحد قدس سرہٗ کے گھر شیخ احمد ''سیّد گردوں جناب'' پیدا ہوئے۔ آپ کے عظیم والد اپنے وقت کے مشہور بزرگ حضرت شاہ کمال کیتھلی قادری کی خدمت میں لے گئے۔ انہوں نے بچے کو دیکھتے ہوئے فرمایا: ''عبدالاحد' تیرے گھر عالم باعمل اور عارف ربانی پیدا ہوا ہے۔ اس کے فیض سے گمراہیوں کی تاریکیاں چھٹ جائیں گی''۔

حضرت مجدّد کے دور میں مسلمانوں کی حالتِ زار

ہندوستان میں اُس وقت اسلام اور مسلمان جس آزمائش سے دوچار تھے' اُس کی کیفیت کچھ اس طرح سے تواریخ میں بیان کی گئی ہے:

- اکبر کے درباریوں نے بادشاہ کو دیوتا کا درجہ دے دیا تھا اور اُس کی پوجا کی جاتی تھی۔
- لوگ بادشاہ کو سجدہ کرتے تھے جو اکبر کے نئے مذہب یعنی ''دینِ الٰہی'' کا لازمی جز و تھا۔
- بادشاہ نے عربی کے خاص حروف ث' ع' ص' ض' ط' ظ کو حروف تہجی سے نکال دیا تھا' چنانچہ عبداللہ کو ابداللہ' احمد کو اہمد' علم کو الم اور ثواب کو سواب لکھا جاتا تھا۔ علمائے عربی کی جاگیریں ضبط کر لی گئی تھیں۔
- لوگ اسلام علیکم کی جگہ اللہ اکبر کہتے اور جواب میں جل جلالہٗ بولتے تھے۔ کیونکہ اکبر کا نام ''جلال الدین'' تھا۔ لہٰذا اُسے خوش کرنے کیلئے علماءِ سُو نے یہ احکام جاری کروا کر دیئے تھے۔
- اکبر نے شراب کو حلال لیکن شراب پی کر شور شرابا کو حرام قرار دیدیا تھا۔
- اکبر نے لڑکے لڑکی کی شادی کی عمریں علی الترتیب 16 سال اور 14 سال مقرر کر دی تھیں جس سے پہلے شادی کرنا جُرم تھا۔ جوان عورتوں کیلئے پردہ ممنوع قرار دیدیا گیا تھا۔
- زنا کاری اور عصمت فروشی کو منظم صورت دیدی گئی تھی۔ طوائفوں کیلئے الگ بستیاں قائم کر دی گئی تھیں۔
- عہدِ اکبری میں مسجدیں شہید کی جانے لگیں اور اُن کی جگہ مندر تعمیر ہونے شروع ہو گئے تھے۔
- عربی زبان پڑھنا حرام قرار دیدیا گیا تھا اور فقہ و تفسیر پڑھنے والوں کو مردود کہا جاتا تھا۔
- ہندوؤں کے تہوار' مسلمانوں کو بھی عیدین کی طرح منانے پر مجبور کیا جاتا تھا۔
- ہندو دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی اور اُن سے منتیں مانی جاتیں۔ یہ سب کچھ بادشاہ اور حکومت کی سرپرستی میں ہوتا۔
- علماءِ سُو سے فقہ حنفی کے مطابق متعہ کے فتوے بھی جاری کرا دیئے گئے۔ اور بغیر نکاح تعلقات قائم کرنے پر بھی کوئی پابندی نہ تھی۔

- بادشاہ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ قرآن خلق ہے اور وحی محال ہے۔
- آئمہ مجتہدین کی علانیہ توہین کی جانے لگی۔
- ''لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ'' کو دین الٰہی میں شامل ہونے کیلئے کلمۂ شہادت قرار دیا گیا اور اسے پڑھنے پر لوگوں کو مجبور کیا جاتا۔
- سرکاری خط و کتابت کا سرنامہ بھی بسم اللہ کی بجائے اللہ اکبر مقرر کر دیا گیا۔ معراج اور شق القمر کو غلط قرار دیدیا گیا۔
- سود اور قمار بازی (جوا) کو جائز اور حلال قرار دیدیا گیا۔ ایک جوا گھر خاص شاہی دربار میں قائم کیا گیا تھا۔
- اکبر داڑھیوں کا سخت دشمن تھا۔ علماء و فضلاء کو داڑھیاں منڈوا دینے پر زور دیا جانے لگا۔
- میت کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اُس کے پاؤں کعبے کی جانب کر کے دفن کیا جائے۔ اکبر خود اسی طرح سویا کرتا تھا۔
- گائے کی قربانی ممنوع قرار دیدی گئی۔ اور سؤر کھانا حلال قرار دیا گیا۔
- دیوان خانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ نماز ادا کرے، روزہ و حج پہلے ہی ساقط کئے جا چکے تھے۔ مساجد میں اذان پر پابندی لگائی جا چکی تھی۔
- ختنہ ممنوع قرار دیدیا۔ خنزیر (سؤر) اور کتوں کے احترام کا حکم دیا گیا۔

مذکورہ بالا خرافات کے علی الرغم اکبر اپنے پسندیدہ پردہ فرمائے ہوئے بعض علماء اور صوفیہ کا معتقد بھی تھا شائد اس لئے کہ وہ اب اُس کی پھیلائی ہوئی خرافات پر سرزنش کرنے والے نہ تھے کہ یہ کام حاضر سروس علماءِ حق اور صوفیۂ ربانییّن سے لیا جانا اللہ بزرگ و برتر کی سنت تھی۔ چنانچہ ایسے دور میں صرف اپنی روحانی قوتِ عمل اور فقر و درویشی کی طاقت سے سلطنتوں کے دھارے پلٹ دینے والا مرد درویش اور صاحب اسرار منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا جسے دنیا مجدد الف ثانی'' تسلیم کرتی ہے۔ آپ کا اسم گرامی شیخ احمد، کنیت ابوالبرکات اور لقب بدرالدین تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب 26 واسطوں سے حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی سے متصل ہے۔ کعب کا نسبِ انبیاء حضرت آدم علیہ السلام تک بتوسط 40 واسطوں کے منتہی ہوتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ

کا نسب مبارک 7 واسطوں سے کعب تک اس طرح سے متصل ہے کہ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن کعب۔

اقبال نے ایسے ہی صاحبانِ اسرار کیلئے فرمایا تھا:

کافر ہے مسلمان' تو نہ شاہی' نہ فقیری — مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی!
کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا — مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی!
کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں — مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی!

حضرت مجددؒ نے حفظ قرآن کے بعد اپنے والد ماجد مخدوم عبدالاحد قدس سرہٗ سے تحصیل علم شروع کی۔ انہی سے روحانی فیضان اور چشتیہ سلسلے کی خلافت حاصل کی۔ کتب حدیث شیخ یعقوب کشمیری سے اور دیگر دینی کتب ایک برگزیدہ عالم دین قاضی بہلول بدخشانی سے پڑھیں۔ شیخ کمال کیتھلی نے حضرت کو ایام طفولیت ہی میں' خصوصی توجہ اور نسبتِ قادریہ سے نواز دیا تھا۔ بزرگان دین سے میل ملاقات آپ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت سن کر ان کی خدمت میں پہنچے تو بس وہیں کے ہو کر رہ گئے اور نقشبندی خرقۂ خلافت سے نوازے گئے۔ مغل اعظم جلال الدین اکبر کی تخت نشینی کے آٹھویں سال' حضرت مجدد کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کی عمرِ عزیز کے کم وبیش چالیس سال اکبری عہد میں گزرے۔ جوانی آگرہ میں' جہاں علمائے سو ابوالفضل اور فیضی سے ملاقاتیں رہیں۔ فیضی نے قرآن حکیم کی بے نقطہ تفسیر ''سواطع الالہام'' لکھی اس کارنامہ کی انجام دہی میں کہتے ہیں کہ حضرت مجددؒ کی مدد شامل تھی۔ تاہم اکبر کا زمانہ آپ کیلئے تجدید واحیائے دین کے فریضہ کو ادا کرنے کیلئے تیاری کا زمانہ تھا۔ اس دوران میں بھی ابوالفضل اور فیضی سے غیر تمندانہ نوک جھونک جاری رہی۔ انہی ایام میں ابوالفضل نے حضرت مجددؒ کی موجودگی میں فلاسفہ کی تعریف شروع کی' آپ کو ناگوار معلوم ہوئی اور فلسفہ کے ابطال میں امام غزالی (م 1111ء) کا قول پیش کیا' اس پر ابوالفضل آپے سے باہر ہو کر بولا: ''غزالی نامعقول گفت''۔ جس پر حضرت مجددؒ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

(ا) اگر ذوق صحبتِ علماء رکھتا ہے تو اس قسم کے بے ادبانہ کلمات سے اپنی زبان کو باز رکھ''۔

یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے۔ تاہم ابوالفضل نے خود معذرت خواہی کی اور آپ کو بلوایا۔ لیکن پیہم تقاضوں کے باوجود آپ نے پھر اس مجلس کا رُخ نہ کیا۔

ایک مکتوب پاک میں آپ امراء اور بادشاہ کی اصلاح کے ضمن میں لکھتے ہیں:

(الف) پس بادشاہ کی بہتری میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے اور کلمۂ اسلام کے بعد اہل سنت والجماعت کے معتقدات بھی کبھی کبھی بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دینے چاہیں اور مذہب مخالف کی تردید کرنی چاہیے۔ اگر یہ دولت میسر آ جائے تو گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیماۃ کی وراثت عظمیٰ ہاتھ آ گئی۔ (دفتر دوم حصہ مکتوب 67)

(ب) بادشاہ دنیا کیلئے اس طرح ہے جیسے بدن کیلئے دل۔ بادشاہ کی دوستی سے عالم کی دوستی ہے اور بادشاہ کے فساد سے عالم کا فساد۔ (دفتر اول حصہ دوم مکتوب 47)۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ نے ماہِ رمضان کے آخری دن کا روزہ رکھا کیونکہ رویتِ ہلال کی شرعی شہادت مہیا نہ ہو سکی تھی۔ ابوالفضل نے کہا کہ بادشاہ نے خود چاند دیکھا ہے' حضرت مجددؒ نے بے ساختہ فرمایا: ''بادشاہ''؟ بے دین است' اعتبار نہ دارد۔

اکبر کے دینِ الٰہی پر حضرت مجددؒ کا انتباہ

اکبر ''دینِ الٰہی'' کو ترویج دینے کی کوشش کرنے لگا تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ کو چند خاص مقربین و مصاحبین کو بلوا کر ارشاد فرمایا: بادشاہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا باغی ہو گیا ہے' میری طرف سے بادشاہ کو کہہ دو کہ اس کی سلطنت' اس کی طاقت' اس کی فوج سب ایک اللہ کے غضب کا انتظار کرے''۔ اکبر نے اس تنبیہ کی پروانہ کی بلکہ دوسرے روز شان اکبری کا مظاہرہ کرنے کیلئے اور بزعم خود دین محمدی ﷺ کی (نعوذ باللہ) تذلیل کرنے کیلئے اکبری دربار سجایا اور پرشکوہ شامیانے لگوا کر پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا اور خود ارکینِ سلطنت کے ہمراہ شاہانہ شان وشوکت کے ساتھ دربار میں داخل ہوا۔ اس کے مقابلے میں دربارِ محمدی ﷺ کیلئے بوسیدہ خیمے اور شکستہ ساز و سامان کو استعمال کیا گیا۔ مقصود یہ ظاہر کرنا تھا کہ اب یہ دین فرسودہ ہو چکا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) دیکھیں شاہی دربار اکبری کے مقابلہ میں اس شامیانے میں داخل ہونا کون پسند کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس خیمے میں درویشانہ شان کے ساتھ داخل ہوئے' ایک روایت کے مطابق آپ نے مٹھی بھر خاک بھی شاہی دربار کے خیموں کی جانب پھینکی' اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اُسی لمحے سخت ہوا اور آندھی آئی' دربار اکبری کی چوبیں اکھڑ گئیں' لوگوں کو سخت چوٹیں آئیں۔ اکبر بھی چوٹ لگنے سے زخمی ہوا۔ دوسری جانب دربار محمدی ﷺ کا پھٹا پرانا شامیانہ بالکل محفوظ رہا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد اکبر مر ہی گیا۔ (دیکھئے جمیل اطہر سرہندی کی تالیف شیخ سرہندؒ)

اکبر' کہ جس نے آزاد خیالی' رواداری اور وسیع النظری کے زعم اور اپنی سیاسی مصلحتوں اور حکومتی حکمت کے تحت ہندوؤں سے یاترا ٹیکس اور جزیہ لینا منسوخ کیا' سرکاری عہدوں کے دروازے اُن کیلئے کھول دیئے۔ ہندو راجپوت راجکماریوں اور دوسرے مذاہب کی خواتین سے شادیاں کیں' ہندومت کے بہت سے عقائد کو اپنانے کے علاوہ ہندو تہواروں دیوالی' دسہرہ' ہولی' بسنت منانے کے خصوصی احکام جاری کئے' ہندوؤں کی طرح ماتھے پر تلک لگانا بھی شروع کیا۔ جھروکہ درشن میں بیٹھنے کا ہندو طریقۂ حکمرانی اختیار کیا' ڈاکٹر سری واستوا کے مطابق اپنی والدہ کے انتقال پر ہندومت کے عقائد کے مطابق اپنا سر اور داڑھی منڈوائی۔ گاؤ کشی ممنوع قرار دی' رسمِ ستی پر پابندی لگائی' ہندو بیواؤں کو دوسری شادی کی اجازت دی' دین اسلام کی تحقیر کیلئے محمدؐ' احمد و مصطفےٰ وغیرہ نام رکھنے کو ممنوع قرار دیا' روزے رکھنے اور حج کرنے پر پابندی لگائی' ملاقات کے موقع پر اسلام علیکم کی بجائے اللہ اکبر کہنے اور جواباً جل جلالہ' کو رواج دیا۔ سؤر کھانے کو حلال قرار دیا' کتوں اور سؤروں کے احترام کا حکم دیا' گوشت نہ کھانے کو ترجیح دی' قصابوں' مچھیروں اور شکاریوں کے ساتھ کھانا کھانے کی ممانعت کی گئی' مردوں کے پاؤں مغرب کی جانب کر کے دفن کا حکم دیا گیا' نئی مساجد تعمیر کرنے پر پابندی لگا دی گئی' قدیم مساجد کو منہدم کرنے کا حکم دیا گیا' مسجدوں میں اذان پر پابندی لگا دی گئی' دربار میں نماز پڑھنے پر بھی پابندی لگائی گئی' مردوں کیلئے ریشم پہننا اور سونے کے زیورات پہننا جائز قرار دیا گیا۔ بادشاہ کو لازمی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا' ختنے پر پابندی لگائی گئی۔ سود کو حلال قرار دیا گیا۔ ان سب احکامات کے باوجود ستمبر 1579ء میں اکبر کے اشارے پر ابوالفضل اور فیضی کے والد شیخ مبارک نے ایک محضر نامہ تیار کیا جس کی رو سے اکبر کو امامِ عادل' معصوم' اصلی مجتہد' صاحب زماں' کہف الانام' امیر المؤمنین' ظل اللہ العالمین' ابوالفتح بادشاہِ غازی قرار دیا گیا۔ اس محضر نامے پر علمائے وقت سے زبردستی دستخط کرائے گئے۔ یہ ایک طویل محضر نامہ تھا جسے دین الٰہی کا نام دیا گیا۔ واضح رہے کہ شیخ مبارک مہدویت کا بھی حامی تھی۔ اکبر مجوسیت (آتش پرستی) سے بھی متاثر تھا۔ سورج' آگ اور روشنی کا احترام کرتا اور لوگوں سے بھی احترام کراتا۔ عیسائیت کی سرپرستی کا بھی اُسے فخر حاصل تھا۔ عیسائی پادریوں کو شہزادہ مراد کا اتالیق مقرر کیا۔ بعض مسجدوں کو چرچ بنا دینے کی بھی اُس نے اجازت دی۔ جین مت سے متاثر تھا لیکن سب سے زیادہ ہندومت اُسے پسند تھا اور اسلام ناپسند۔ ان تمام کارروائیوں کے علی الرغم موت کے بعد اُس کا حشر عبرت ناک ہوا۔ کہ ''بندگی'' میں اُس کا بھلا نہ ہوا۔ جن ہندوؤں کو خوش

رکھنے کیلئے اُس نے بندگی کے طور اطوار بدلے اپنی سیرت وکردار کو مسخ کیا انہوں نے ہی مغلوں کے آخری دور میں یہ صلہ دیا کہ مرہٹوں نے اُس کے مقبرے کی بے حرمتی کی۔

چنانچہ شیطانی ''دین الٰہی'' کے خالق مغل اعظم شہنشاہ جلال الدین اکبر کے حسرتناک اور عبرت ناک انجام کے بارے میں ایک مستشرق "JHON CANNING" کی مرتبہ کتاب دنیا کے ''سو عظیم بادشاہ' ملکائیں اور حکمران''۔ سے ایک اقتباس بطور شہادت پیش ہے تا کہ فرعونوں' نمرودوں' ہامانوں جیسے ابن الوقت حکمرانوں کیلئے یہ واقعہ شاید نشان عبرت ہو:

A Screaming mob beat down bronze gates,burst into the great, mausoleum, opend the tomb, then dragging out the bones of Akbar, they threw into the fire and burnt them--thus does the world treat those when it expects no good and fear no evil - that was the end of the life and reign of king Akbar (Page 428 "100 Great kings, Queens and Rulers of the World, Edited by Jhon Canning, A Century book Printed by Souvenir Press)

ترجمانی: (ہندوستان میں مغلیہ دور جب آخری سانس لے رہا تھا' ہندوؤں کے جنگجو گروہ مرہٹہ وغیرہ مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے اور اپنی طویل غلامی کی خفت مٹانے اور مسلمانوں سے بدلہ لینے کیلئے جگہ جگہ جنگی کارروائیوں میں مصروف تھے تو مرہٹوں کا) غیظ وغضب سے دہاڑتا ہوا ہجوم مغل اعظم شہنشاہ اکبر کے مقبرے کو مسمار کرنے کیلئے چڑھ دوڑا' تانبے کے دروازے توڑ پھوڑ دیئے' عظیم الشان شاہی مقبرے کی اینٹ سے اینٹ بجادی' قبر کھود کر ''اکبر اعظم کے پنجر اور ہڈیوں کو گھسیٹ کر باہر نکالا گیا اور بھڑکتے ہوئے آگ کے الاؤ میں پھینک کر راکھ کر ڈالا سچ ہے کہ جب باطل معدوم ہونے پر آتا ہے اور معاشرے کو جن آمروں اور استبداد حکمرانوں سے نہ تو خیر وفلاح کی توقع رہتی ہے اور نہ ہی انتقام کا خطرہ رہتا ہے۔ تو پھر دنیا اُن کا یہ حشر دیکھتی ہے۔ چنانچہ شہنشاہ اکبر کے سنہری دور اور اُس کی زندگی کے ''قابل فخر'' کارناموں کا عبرتناک انجام ہوا۔ (دیکھئے مضمون پروفیسر انیس احمد شیخ مشمولہ کتاب ''شیخ سرہندؒ'' ''مؤلفہ جمیل

اطہر سرہندی)۔

مغل اعظم شہنشاہ اکبر کا مذکورہ حسرت انگیز حشر تو اُس دور میں سامنے نہیں آیا تھا۔ جبکہ زندیقیت و شرک و الحاد کے بادل مزید گہرے ہوتے نظر آ رہے تھے۔ پروفیسر انیس احمد شیخ اپنے تحقیقی مقالہ دانائے راز میں لکھتے ہیں: اکبر کے بعد جہانگیر نے بھی یہ بنیادی غلطی کی کہ ''دین الٰہی'' کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال کر اسے اسلام کا نام دیا۔ عوام الناس چونکہ بادشاہِ وقت کے دین پر ہوتے ہیں، شرک و بدعات اور دوسری ہندوانہ رسومات نے اسلام کی روح کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ جہانگیر عدل وانصاف اور رفاہِ خلق کے معاملے میں دلچسپی رکھتا تھا، اس لئے اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتا رہا۔ ملکہ نور جہاں کے افسوں نے فتنہ روافض کو نیا جنم دیا۔ ایسے نازک دور میں جب کہ شجر اسلام کی مسلمان بادشاہوں کے ہاتھوں بیخ کنی ہو رہی تھی، مجدد الف ثانیؒ کا ظہور ہوا''۔

دربارِ جہانگیری میں حضرت مجددؒ کے خلاف ایک خفیہ متحدہ محاذ قائم ہو گیا جس میں اہلِ ہنود و علمائے سوء نے ہوسِ اقتدار میں حضرت مجددؒ کی عظمت و طاقت کو سرنگوں کرنے کی کوشش شروع کر دی جس کی پشت پناہی ملکہ نور جہاں اور اُس کا بھائی آصف جاہ کر رہے تھے جو اثنا عشری عقائد کے حامل تھے۔ حضرت مجددؒ کے مریدین و متوسلین کو جو دربار جہانگیری میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے، دارالسلطنت سے دور، تنخواہوں میں اضافہ کر کے گورنری وغیرہ کے عہدہ پر فائز کر کے باہر نکال دیا گیا۔ چنانچہ خان خاناں کو صوبہ دکن، سیّد صدر جہاں کو صوبہ جات شرقی، خان جہاں لودھی کو مالوہ اور مہابت خان کو کابل بھیج دیا گیا۔

1619ء کا واقعہ ہے کہ دربار جہانگیری میں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، حضرت مجددؒ کو دربار میں طلب کیا گیا۔ سازش یہ تھی کہ اگر وہ بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی کریں گے تو عوام کی نظروں سے گر جائیں گے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو حکم عدولی اور بادشاہ کی عدم تعظیم کے الزام میں گردن زدنی قرار پائیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ حضرت مجددؒ نے فراست سے صورت حالات کو بھانپ کر صدر دروازہ کی چھوٹی کھڑکی میں داخل ہوتے وقت منہ باہر کی جانب رکھتے ہوئے پہلے اپنے پاؤں اندر داخل کئے اور پھر سامنے کی طرف منہ کر کے بادشاہ کے سامنے پہنچ گئے۔ جہانگیر اس پر سخت برافروختہ ہوا اور جب وضاحتاً انہیں سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا گیا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ اے جہانگیر! کیا یہ کھلی حماقت نہیں کہ میں اپنے ہی جیسے ایک بے بس اور مجبور انسان کو سجدہ کروں؟

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

جہانگیر مشتعل ہو گیا' مفتیٔ دربار نے اٹھ کر فتویٰ دیا کہ اے شیخ احمد! گردن جھکا دی جائے! حضرت مجددؒ نے نہایت اطمینان سے فرمایا: فتویٰ درست ہے' جان بچانے کیلئے فتویٰ یہی ہے' لیکن تقویٰ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ گردن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے آگے جھکے! دربار جہانگیری پر ہو کا عالم تھا۔ جہانگیر بھی ایک مرد درویش کی اس جرأت کردار پر حیرت زدہ تھا' اُس نے قتل کا حکم دینے کی بجائے حضرت مجددؒ کو گوالیار کے قلعے میں قید کرنے اور حضرت کے مکان اور جائیداد کو لوٹ لینے کا حکم دینے پر اکتفا کیا۔

حیرت انگیز امر یہ ہے رسول علیہ السلام کی ایک حدیث پاک میں پیش گوئی موجود ہے کہ ''گیارہویں صدی ہجری کے شروع میں اللہ تعالیٰ دو جابر بادشاہوں کے درمیان ایک ایسا شخص (رجل مرعوب) بھیجے گا (جس میں پانچ خوبیاں ہوں گی)' جو میرا ہم نام ہوگا' نورِ عظیم ہوگا' ہزاروں انسان اُس کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے''۔ (بحوالہ روضۃ القیومیہ)۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے فرزند اکبر خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب گرامی میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اے فرزند! یہ وقت ہے کہ امم سابقہ میں ایسے تاریک دور کے اندر اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا اور شریعت کو زندہ کرتا تھا' لیکن یہ امت خیر الامم اور اس کے پیغمبر خاتم الرسل علیہ السلام ہیں اس لئے اس کے علماء کو انبیاء بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا گیا ہے اور علماء کے وجود کے ساتھ انبیاء کے وجود سے کفایت کی ہے۔ اسی لئے ہر صدی کے بعد علماءِ امت میں سے کسی ایک مجدد کو مقرر فرمایا جاتا ہے تاکہ وہ شریعت محمدیہؐ کو زندہ کرے' خاص کر ہزار سال کے بعد کہ جو اولوالعزم پیغمبر کی پیدائش کا وقت ہوتا ہے اور ہر پیغمبر پر ایسے وقت میں کفایت نہیں کی گئی تو ایسے وقت میں امت محمدیہ میں اولوالعزم پیغمبر کی جگہ تام المعرفت عالم و عارف درکار ہوتا ہے جو امم سابقہ کے اولوالعزم پیغمبروں کا قائم مقام ہو''۔

اپنے خلیفہ خواجہ میر بدخشیؒ کے نام مکتوب گرامی میں حضرت مجددؒ لکھتے ہیں: ''اس امت کا آخری دور آنحضرت علیہ السلام کی رحلت سے ہزار سال گزرنے کے بعد شروع ہوتا ہے'۔

جہاں کہ دوسرے ہزار سالہ دور کی ابتداء ہے۔ ہزار سالہ دور کو حکومت کی تبدیلی میں بہت دخل ہے اور اشیاء کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے۔ لیکن اس امت میں چونکہ نسخ اور تبدیلی نہیں ہے اسی لئے نسبتِ سابقین اپنی تروتازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور اس نے الف ثانی میں ازسرِنو شریعت مطہرہ کی تجدید کر کے ملت اسلامیہ کو فروغ دیا ہے۔ اس معنی پر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ السّلام دونوں عادل گواہ ہیں''۔

عصر حاضر کے مشہور محقق اور عظیم صوفی پروفیسر ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ بعنوان "The Mujaddid's Conception of Tawhid" ''حضرت مجدّد کا نظریۂ توحید'' میں بحوالہ روضۃ القیومیہ اس امر سے اتفاق کرتے ہیں کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری کی خبر جب خان خاناں سیّد صدر جہاں، خان اعظم مہابت خان اور دیگر عمائدین سلطنت کو ملی تو انہوں نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کرنے اور بادشاہ کو معزول کرنے کا پروگرام بنایا۔ مہابت خان کو امیر تسلیم کرلیا گیا۔ سکیم یہ تیار ہوئی کہ کابل سے بغاوت کا اعلان ہو۔ بادشاہ جب ادھر متوجہ ہوگا تو اُس کی غیر حاضری میں تختِ دہلی پر قبضہ کرایا جائے گا۔ چنانچہ مہابت خان نے جونہی اعلان جنگ کیا اور شاہانِ توران وخراسان کی فوجی امداد سے جہانگیر پر چڑھائی کی خاطر ہندوستان کی طرف پیش قدمی کی، بادشاہ بغاوت ختم کرنے کیلئے لاہور پہنچا اور جہلم کے آس پاس، جہاں باغی فوج خیمہ زن تھی، جہانگیر کو دریائے جہلم عبور کرتے ہوئے گرفتار کرلیا گیا۔ نور جہاں اور آصف کمک لے کر پہنچے تو انہیں بھی حراست میں لے لیا گیا۔ ادھر تختِ دہلی پر امرائے سلطنت نے قبضہ کرلیا اور حضرت مجدد ؒ کو تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہونے کی استدعا کی گئی۔

حضرت مجدّد ؒ نے اس دعوت کے جواب میں قلعہ گوالیار سے اپنے جملہ امرائے متوسلین کو مکتوب تحریر کئے کہ مجھے سلطنت کی ہوس نہیں اور میں تمہارے فتنہ وفساد کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے جو قید وبند کی مصیبت برداشت کی ہے وہ اور مقصد کیلئے ہے۔ جب وہ مقصد پورا ہوجائے گا، میں تمہاری کوشش کے بغیر اللہ کے حکم سے رہا ہوجاؤں گا، بہتر ہے کہ تم بغاوت سے باز آجاؤ، بادشاہ کے اطاعت گزار رہو، میں بھی جلد رہا ہوجاؤں گا۔ اس تحریر کی بیشمار نقلیں کی گئیں، مہابت خان کو جب یہ مکتوب ملا تو اُس نے جہانگیر کو تخت پر بیٹھا کر، حضرت مجدد کا مکتوب پیش کیا اور سوائے سجدہ تعظیمی کے تمام آداب بجالایا۔۔۔۔ مختصر یہ کہ بادشاہ اپنی کوتاہ بینی پر نادم ہوا اور حضرت مجدّد ؒ کی

رہائی کا حکم دیدیا لیکن حضرت مجددؒ نے اپنی رہائی کیلئے درج ذیل شرائط پیش کیں:

(۱) سجدۂ تعظیمی موقوف کر دیا جائے گا۔

(۲) مسجدیں کھول دی جائیں گی اور اذان کی آزادی ہوگی۔

(۳) گاؤکشی سے پابندی اُٹھالی جائے گی۔

(۴) بدعات ترک اور شریعت نافذ کی جائے گی۔

(۵) شرعی قانون کے نفاذ کیلئے قاضی، مفتی اور محتسب مقرر کئے جائیں گے۔

(۶) جذیہ بحال کیا جائے گا۔

(۷) تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے جائیں گے۔

جہانگیر نے بخوشی تمام شرائط تسلیم کرلیں اور حضرت مجددؒ رہا ہوگئے۔

تاریخی اعتبار سے بعض محققین کو محولہ بالا واقعہ کی صحت پر اعتراض ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ حضرت مجددؒ کی وفات 1624ء میں ہو چکی تھی جب مہابت خان نے دو سال بعد 1626ء میں بغاوت کی تھی۔ ہجری اعتبار سے حضرت مجدد 1028ھ میں رہا ہوئے اور 1033ھ میں رہائی کے چھ سال بعد وفات پائی' دو سال آپ قلعہ گوالیار میں قید رہے۔ حضرت مجدد کے قریب ترین دور کی تاریخ حضرات القدس کے مطابق حضرت مجدد جمعہ یکم رجب 1028ھ بمطابق 4 جون 1619ء کو قید ہوئے اور جمعہ 11۔ رجب 1029ھ بمطابق 2 جون 1620ء کو رہا ہوئے اور 1034ھ میں وفات پائی۔ روضۃ القیومیہ بھی حضرت مجددؒ کے قریب ترین دور کی اولین تاریخ ہے جس میں مذکورہ واقعہ من عن اسی طرح بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا۔ اس لئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ حضرت مجدد کے دور میں چونکہ ہجری تقویم کا استعمال ہوتا تھا' جب کہ ہندوستان پر قبضہ کے بعد شمسی کیلنڈر استعمال ہونے لگا۔ اس لئے امکان واثق ہے کہ ہجری تاریخوں کو انگریزی تاریخوں میں منتقل کرتے ہوئے کوئی غلطی ہونے سے یہ اختلاف رونما ہوا۔ تاہم جہاں تک جہانگیر کا حضرت مجددؒ کی پرکشش اور سحر انگیز شخصیت سے متاثر ہونے کا سوال ہے اور پھر اپنی غلطی اور حماقت پر نادم ہونے کا مسئلہ ہے' اس پر جملہ مورخین کا اتفاق ہے اور یہ بھی تسلیم شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت مجدد کو رہا کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے محولہ بالا شرائط تسلیم ہونے کے ساتھ اپنی رہائی کو مشروط کیا۔ لہٰذا شرائط تسلیم کی گئیں اور حضرت مجددؒ رہا ہوئے۔ جتنا عرصہ آپ قلعہ گوالیار میں قید رہے قید خانہ خانقاہ مجددیہ میں تبدیل ہو چکا تھا اور تمام

فاسق و فاجر قیدی اور جیل اور قلعے کا عملہ بھی حضرت اقدس کا معتقد ہو گیا تھا اور ہزار ہا غیر مسلم قیدی مشرف بہ اسلام بھی ہوئے۔

یہاں یہ امر بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ نورالدین محمد جہانگیر اپنے والد شہنشاہ اکبر کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ 1568ء تک اکبر کا کوئی بیٹا زندہ نہ بچا تھا' جو اُس کی وسیع و عریض اور عظیم الشان سلطنت کا وارث ہوتا۔ چنانچہ اُس نے اپنے وارث کیلئے سلطان الہند غریب نواز خواجہ بزرگ معین الملت والدین کے مزار اقدس پر جا کر اللہ بزرگ و برتر کے حضور گڑ گڑا کر منتیں مانیں۔ بالآخر 30 اگست 1569ء کو فتح پور سیکری کے مقام پر شیخ سلیم چشتی کے تکیہ میں جے پور کی راجکماری اجدھیا بائی عرف مریم زمانی کے بطن سے فرزند پیدا ہوا۔ جس کا نام شیخ سلیم چشتیؒ کے نام نامی اسم گرامی کے نام پر محمد سلطان سلیم رکھا گیا۔ اکبر اعظم نے اپنی منت پوری کرنے کیلئے پیدل چل کر خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت مجدد کی طرف سے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی مہم میں جہاں ایک طرف جہانگیر کا حضرت مجددؒ کی سحر انگیز سیرت و کردار کا گرویدہ ہونا خصوصی اہمیت کا حامل ہے وہاں دوسری طرف جہانگیر کی قلبی کیفیت کا اسلام کے حق میں تبدیل ہونا خواجہ اجمیرؒ کے روحانی تصرف کا بھی آئینہ دار ہے۔ تاہم میدان عمل میں اکبر کے دین الٰہی کا خاتمہ' فتنۂ انکارِ نبوت کی بیخ کنی' ترویج شریعت' خلاف شرع احکام (ہندوانہ تہذیبی عوامل کا سدِ باب اور جہانگیر کی ذاتی اصلاح وغیرہ حضرت مجددؒ کے ایسے کارنامے ہیں کہ جو رہتی دنیا تک سنہری حروف سے لکھے جائیں گے۔ علاوہ بریں حضرت مجددؒ نے ہندوستان میں ہندوؤں کے اثر و رسوخ سے مسلمانوں کی گردنوں اور حکومت کو آزاد کرانے کا جو عظیم الشان فریضہ انجام دیا وہی مستقبل میں دو قومی نظریہ کی بنیاد بنا' جس کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان معرضِ وجود میں آنے کا معجزہ رونما ہوا۔ علامہ اقبال نے حضرت مجدد پر متعدد پہلوؤں سے اظہار خیال کیا' حضرت مجدد کی عقیدت و احترام میں ڈوبے ہوئے یہ اشعار پیش ہیں:

حاضر ہوا میں شیخِ مجددؒ کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

شیخ احمد سید گردوں جناب — کاسب نور از ضمیرش آفتاب

با مریدے گفت اے جانِ پدر — از خیالاتِ عجم باید حذر

قلب رازیں حرفِ حق گرداں قوی — باعرب درساز تا مسلم شوی

چراغِ ہفت محفل خواجہ معصومؒ 'منور از فروغش ہند تا روم

کتاب روضۃ القیومیہ میں بطور کارنامے کے آپ کے ہر سال کے واقعات تفصیلاً درج کیے گئے ہیں۔ کہ جہاں گیر بادشاہ بھی حضرت قیوم اوّل کے وصال کی خبر سُنکر آپ کے پاس تعزیت کیلئے سرہند شریف آیا۔ اور بہت عرصہ تک مقیم رہا مہمانوں کی مدارات بادشاہ کی جانب سے ہوتی تھی کئی روز تک بادشاہ کو یہ خیال رہا کہ میں بھی حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے مریدوں میں سے ہوں لہٰذا خلافت کا مجھ کو بھی حق ہے۔ پھر جب اُس کو یہ سمجھا دیا گیا کہ حکومتی اور دنیوی معاملات میں آپ کو حضرت مجدّد فرمارواہند تسلیم کر چکے ہیں لیکن جہاں تک خلافت کا تعلق ہے وہ آپ کے صاحبزادہ قیوم ثانیؒ کے علاوہ کوئی دوسرا تسلیم نہیں کیا جاسکتا لہٰذا دینی امور میں اُنہی کا فرمان چلے گا۔ بادشاہ نے اس وضاحت کو تسلیم کر لیا اور بادشاہی حکم جاری کیا کہ حضرت قیوم ثانیؒ کے دست مبارک پر بیعت کی جائے۔ تو اور زیادہ لوگوں نے مرید ہونا شروع کیا اور بعض امتثال ارشاد پادشاہی دوبارہ مرید ہوئے۔

شہزادہ شاہ جہان بھی آپ کا مرید تھا۔ آپ نے اس کے واسطے دعا کی کہ بادشاہ ہو جائے۔

جب ۱۰۳۶ھ میں جہاں گیر بادشاہ کا انتقال ہو گیا اور شاہجہان تخت نشین ہوا تو وہ نذر لیکر آپ کی خدمت میں سرہند حاضر ہوا اور جب تک وہ سرہند میں رہا آپ کے ذکر واشغال کے حلقہ میں صبح وشام شامل ہوتا تھا۔ ۱۰۳۷ھ میں خواجہ محمد حنیف کابلی بیعت ہوئے۔ ۱۰۳۸ھ میں خواجہ محمد صدیق پشاوری نے بیعت کی اور شیخ ابوالمظفر برہانپوری مرید ہوئے۔ ۱۰۳۹ھ میں سیّد اخون موسیٰ ساکن ننگر ہار جو اکابر سادات نواح کابل سے تھے مرید ہوئے۔ مزید خواجہ عبیداللہ جو اکابر خواجہ زادگان کابل سے تھے مرید ہوئے ۱۰۴۰ھ میں مؤلف کے جداعلیٰ شیخ بدر الدین سلطانپوری ثم خراسانی بیعت ہوئے۔ (قبل ازیں آپ حجاز مقدس میں کچھ عرصہ سے عارضی طور پر مقیم تھے۔ اس لئے حضرت مجددؒ کی موجودگی میں دیگر خلفاء حضرت اعلیٰ کے ساتھ بیعت نہ ہو سکے تھے)۔ ۱۰۴۱ھ میں اکابر شام سرہند شریف آ کر مرید ہوئے۔ ۱۰۴۲ھ میں سلطان حکار رومی نے بذریعہ خط کے بیعت کی ۱۰۴۳ھ میں شیخ حبیب اللہ بخاری نے حاضر ہو کر بیعت کی ۱۰۴۴ھ میں بادشاہ اور آپ کے مابین لوگوں نے شکر رنجی کی سعی کی تھی مگر اُن کو کامیابی نہ ہو سکی۔ اسی سال آپ کی

اجازت لے کر بادشاہ نے قلعہ شاہجہان آباد اور حصار اور جامع مسجد کی تعمیر کرائی۔ ۱۰۴۵ھ میں سرہندشریف میں آپ کیلئے مکانات کی تعمیر اور باغ کی تنصیب اور دیگر عمارات کی تیاری کی گئی۔

۱۰۴٦ھ میں عبدالعزیز خاں والی توراں بذریعہ عریضہ کے مرید ہوا اور ۱۰۴۷ھ میں شاہزادہ اورنگ زیب مرید ہوا اور ۱۰۴۸ھ میں شہزادی روشن آرا بیگم اور ۱۰۴۹ھ میں گوہر آرا بیگم ہمشیرگان بادشاہ عالمگیر مرید ہوئیں۔

۱۰۵۰ھ میں اورنگ زیب نے آپ کی امداد باطنی سے قندھار کو فتح کیا ۱۰۵۱ھ میں اورنگزیب نے آپ کی امداد باطنی سے خراسان پر تسلط کیا۔ ۱۰۵۲ھ میں سلطان عبدالرحمٰن بلخی معہ اپنی زوجہ کے حاضر خدمت ہو کر آپ کا مرید ہوا۔ اور بادشاہت کو ترک کر کے آپ کی خدمت میں رہ گیا۔ وہیں اُس کا انتقال ہوا۔ آپ کے روضہ مبارک سے جانب جنوب سنگ خام میں اُس کی قبر ہے۔

۱۰۵۳ھ میں بادشاہ بدخشاں نے بذریعہ عریضہ بیعت کی ۱۰۵۴ھ میں خان ترکستان اور سلاطین قبچاق نے بذریعہ عریضہ بیعت کی۔ ۱۰۵۵ھ میں شاہِ ایران نے جو شیعی المذہب تھا 77 آدمی آپ کے قتل کی غرض سے بہت کچھ طمع و لالچ دیکر روانہ کیئے وہ خواب میں ڈرے اور آپ کے مرید ہو گئے۔ بادشاہ بھی معتقد ہوا۔ اور بذریعہ عریضہ کے مرید ہو گیا۔

۱۰۵٦ھ میں شاہِ کاشغر نے بذریعہ عریضہ کے بیعت کی۔ ۱۰۵۷ھ میں شاہِ یمن نے عریضہ کے ذریعہ سے بیعت کی۔

۱۰۵۸ھ میں حضرت نے اپنے خلیفہ شیخ حبیب اللہ کو ہدایت و ارشاد کیلئے بخارا روانہ کیا۔ ہزارہا آدمی اُن کے ہاتھ پر مرید ہوئے۔

۱۰۵۹ھ میں حضرت آدم بنوری سے آپ کو اختلاف واقع ہوا۔ اور انہوں نے معافی چاہی۔ آپ نے معاف فرمایا۔ اور حج کو تشریف لے گئے۔

۱۰٦۰ھ میں آپ نے اپنے خلیفہ خواجہ ارغون کو ہدایت کیلئے ملک خطا و چین کو روانہ کیا۔ بہت آدمی اُن سے مرید ہوئے ۱۰٦۱ھ میں شیخ مراد کو خلیفہ مقرر کر کے ملک شام میں ہدایت کیلئے روانہ فرمایا۔

۱۰٦۲ھ میں شیخ میر جوار کانِ سلطنت سے تھے اور اوّلاً آپ کے مخالف تھے۔ آپ کی کرامات دیکھ کر قائل ہوئے اور مرید ہو گئے۔ ۱۰٦۳ھ میں شاہجہان بادشاہ آپ کی ملاقات کیلئے

سرہند شریف آیا۔ اور اپنے فرزندوں کو ملک تقسیم کیا۔ داراشکوہ فرزند کلاں کو تخت دہلی نیز مشرق میں بہار اور الٰہ آباد تک مغرب میں ملتان و کابل تک جنوب میں اکبرآباد اجمیر تک دیا اور نگ زیب کو دریائے نربدہ سے علاقہ برہانپور اور نگ آباد کرناٹک ارکاٹ وغیرہ ملک دیا۔ ان دونوں کو ولیعہد مقرر کیا۔ تیسرے فرزند شاہ شجاع کو ملک بنگالہ اور چوتھے فرزند مراد بخش کو ملک گجرات اور حضرت کے دستِ مبارک سے ہرایک کو تاج پہنوایا۔ آپ نے داراشکوہ سے فرمایا کہ آپ شرع شریف کو رواج دیں اور بادشاہت کریں۔ لیکن اس کی پابندی ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی ہے۔ اگر پابندی نہ ہو گی تو ایک دن داراشکوہ تخت و تاج سے ہاتھ دھوئیگا۔ اور جو شرع شریف کو رواج دیگا وہ تخت نشین ہو جائیگا۔

بالآخر ایسا ہی ہوا۔ ایک سال بعد ۱۰۶۴ھ میں جب سامانہ کا رئیس تاج محمود بسبب کسی امر خلاف شرع سرزد ہونے کے واجب القتل قرار پایا تو داراشکوہ نے اس کے بچانے کی کوشش کی حضرت کے مزاج کے خلاف ہوا۔ ۱۰۶۵ھ میں شاہ جہان کے حکم سے وہ قتل کر دیا گیا۔

۱۰۶۶ھ میں داراشکوہ کا سلطنت پر اور زیادہ تسلط ہو گیا۔ اور وہ بدعات کا حامی ہوا۔ شرع میں ضعف پیدا ہونے لگا۔ جو آپ کی ناراضگی کا سبب ہوا۔ آپ حج کو تشریف لے گئے حج کیا ۱۰۶۷ھ میں دوسرا حج فرمایا اور ۱۰۶۸ھ میں آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور روضہ مبارکہ پر اورنگ زیب کی سلطنت کے قیام کیلئے دعا فرمائی۔ اسی سال اورنگ زیب نے داراشکوہ اور مراد بخش کو شکست دیکر قتل کر دیا۔ شاہ شجاع بھاگ گیا جس کا پتہ نہ چلا۔

۱۰۶۹ھ میں آپ واپس تشریف لائے بادشاہ۔ امراء۔ علماء اور مشائخ نے کئی منزل تک آپ کا استقبال کیا۔ اور آپ کے دست مبارک سے اورنگ زیب نے تختِ ہند پر جلوس فرمایا ۱۰۷۰ھ اور ۱۰۷۱ھ دونوں سال بادشاہ آپ کی ملاقات کے واسطے سرہند آیا۔ ۱۰۷۲ھ میں یہ ایک واقعہ ہوا کہ شاہ عبدالاحد فرزند حضرت شیخ محمد سعید کے روبرو شیخ ابوالقاسم فرزند شاہ صبغت اللہ کچھ اپنے دادا یعنی حضرت قیوم ثانی قدس سرہٗ کے فضائل بیان کئے۔ جس سے مثلیت دونوں بھائیوں کی ثابت ہوتی تھی۔ چونکہ شاہ عبدالاحد حضرت قیوم ثانیؒ کے فیض گرفتہ تھے۔ اس لئے آپ کے پوتے شیخ ابوالقاسم کو یہ ناگوار ہوا۔ انہوں نے دادا صاحب سے بیان کیا اُن کو بھی باعث ناگواری ہوا۔ ایک سال کے بعد باہمی صفائی ہوئی۔ آپ نے بہت کچھ بشارتیں اُن کو دیں۔

اس سال تمام خلفاء اور اکثر مریدین حاضر ہوئے خانانِ توران و ترکستان و الیانِ

دشت قبچاق و بدخشان فرمانروایانِ خطا وخراسان تخت نشینان کاشغر وطبرستان۔ حاکمانِ قہستان و گرجستان سب دیدار پُر انوار کے واسطے حاضر خدمت ہوئے۔ شہر کے گرد ایک ایک میل تک خیمے اور ڈیرے نصب تھے۔

ہندوستان کا وزیر اعظم جعفر خاں کئی روز تک ملاقات کیلئے حاضر خدمت ہوتا رہا' باریاب نہ ہوسکا۔

چوتھے روز ملاقات میسر آئی تو وہ بھی کھڑے کھڑے' بیٹھنے کا اس کو موقع نہ مل سکا۔ اس وقت کے مشہور شاعر ناصر علی کا درج ذیل شعر کس قدر حقائق کا عکاس ہے:

چراغ ہفت محفل خواجہ معصومؒ منور از فروغش ہند تاروم

اسی سال جناب غوث العالم حضرت مخدوم بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس اللہ اسرارہ' کے سجادہ نشین شیخ محمد یوسف بارشاد روحی جناب ممدوح آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر طریقہ نقشبندیہ میں بیعت سے مشرف ہوئے۔

۱۰۷۶ھ میں شاہ جہان نے انتقال کیا اور آپ تعزیت کی غرض سے دہلی تشریف لے گئے۔ ہزاروں آدمی ہمراہ تھے۔ عالمگیر بادشاہ اور ولیعہد نے کئی منزل سے استقبال کیا۔ جب آپ واپس ہوئے تو بادشاہ سے فرمایا کہ یہ آخری ملاقات ہے بادشاہ یہ سن کر بہت غمگین ہوا۔

۱۰۷۷ھ میں اپنے صاحبزادہ محمد اشرف کو خاص طور سے توجہ دی اور اکثر خلفاء کو ہدایت کے لئے دیگر اقالیم کو روانہ فرمایا۔

۱۰۷۸ھ میں صاحبزادہ کلاں شیخ محمد صبغۃ اللہ کو ملک کابل میں اور صاحبزادہ پنجم شیخ سیف الدین کو بادشاہ اور اُس کے لشکر کی ہدایت کیلئے دہلی روانہ فرمایا۔

آپ کو پہلے سے (وجع مفاصل) کی شکایت تھی۔ ۱۰۷۸ھ میں آپ شدید بیمار ہوئے۔ ہر چند معالجہ کیا گیا لیکن کوئی دوا کارگر نہ ہوئی اور آپ فرماتے تھے کہ دوا کی اب ضرورت باقی نہیں رہی ہے لیکن محض بمقتضائے سنت دوا کی جائے تو مضائقہ نہیں۔ جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کی تاریخ آئی حسب دستور عرس کیا اور وصیتیں فرمائیں۔ چھٹی ربیع الاوّل بروز جمعہ کو بھی لوگوں کو بہت کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ اور خلوت میں تشریف لے گئے۔ اس کے تیسرے دن سخت ہوا چلی آندھی آئی زلزلہ ہوا اکثر درخت جڑ سے اُکھڑ گئے۔ عمارتیں منہدم ہوگئیں۔

ایک شخص اس وقت میں کوچہ بکوچہ گھر بگھر یہ منادی کرتا پھرتا تھا کہ لوگو خبردار ہو جاؤ کہ قطب وقت قیوم زمان دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ (ماخوذ از کتاب جواہر معصومیہ مصنفہ خواجہ احمد حسین مجددی ابوالعلائی امروہی شائع کردہ اللہ والے کی قومی دکان لاہور)۔

امیر ملت سیّد جماعت علی شاہ نقشبندی مجدّدی محدّث علی پوریؒ

امیر ملت پیر سیّد حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری بن سیّد کریم شاہ 1257ھ (1841ء) میں علی پور سیداں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ نامور شیخ طریقت حضرت باوا جی فقیر محمد فاروقی چوراہی کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت حاصل کی۔ چھ لاکھ مسلمانوں کو آپ کے دست فیض رساں پر بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ جلوت پسند تھے۔ آپ کی زندگی حرکی (Dynamic) تھی آپ کی حیات مبارکہ مذہبی' ملی اور سیاسی خدمات سے عبارت ہے۔ آپ نے برعظیم پاک و ہند کے کونے کونے میں دورے کر کے خوابیدہ قوم کو بیدار کیا۔ فتنہ ارتداد' شدھی تحریک' تحریک خلافت' تحریک ہجرت' تحریک آزادیٔ کشمیر' تحریک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی' انجمن حمایت اسلام لاہور' تحریک مسجد شہید گنج لاہور' غرض کہ برعظیم کی تمام مسلم تحریکوں میں مجاہدانہ و قائدانہ کردار انجام دیئے۔ تحریک پاکستان میں آپ کا کردار ایک سنہری باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے ساتھ ہی آپ اس کی حمایت میں دامے' درہمے' سخنے' قلمے اور قدمے سرگرم عمل ہو گئے۔ 1936ء میں جب قائد اعظمؒ نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کا بیڑا اُٹھایا تو سب سے پہلے آپ ہی نے قائد اعظمؒ کو بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ آپ نے قائد اعظمؒ کو ایک خط تحریر فرمایا جس میں ارشاد ہوا: ''قوم نے اگرچہ مجھے امیر ملت مقرر کیا ہے لیکن پاکستان کیلئے کوشش آپ کر رہے ہیں جو درحقیقت میرا کام تھا لیکن میں سو سال کے قریب عمر کا ضعیف و ناتواں ہوں' یہ بوجھ آپ پر آن پڑا ہے' میں آپ کی مدد کرنا فرض تصور کرتا ہوں کہ میں اور میرے متوسلین آپ کے معاون و مددگار رہیں گے' آپ مطمئن رہیں''۔۔۔ امیر ملت نے اپنے صاحبزادگان' خلفاء اور مریدوں کو حکم دیا کہ وہ دل و جان سے مسلم لیگ کی حمایت کریں' قائد اعظمؒ کے سپاہی بن کر مسلم لیگ کو ہر دل کی دھڑکن بنا دیں۔ تحریک پاکستان کے نامور سپاہی پیرزادہ محمد انور عزیز چشتی آپ کے ادنیٰ مرید تھے۔ انہوں نے اپریل 1936ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس لاہور کے اجلاس منعقدہ برکت علی محمڈن ہال میں اپنے

پیرومرشد کے حکم کے مطابق اُن کے ایک خط کے ساتھ خود کو قائداعظم کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مولانا شوکت علیؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''یہ نوجوان ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں ہمارا مجاہد اوّل ہے''۔ اوائل اپریل 1938ء میں حضرت امیر ملت نے کوہاٹ' پشاور اور راولپنڈی کا دورہ کیا اور کانگریس کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: ''تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلامی پرچم کے نیچے جمع ہو جائیں اور ہندو کے سحر کو تار تار کر دیں۔ ہندوؤں کے تاریخی مظالم کو دیکھ کر کوئی مسلمان اُن کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جو نام نہاد علماء کانگریس کا ساتھ دے رہے ہیں' وہ ملت کے خلاف ظلم کر رہے ہیں۔ 22 اپریل 1938ء کو جامع مسجد کلاں میانہ پورہ سیالکوٹ میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: مسلمانو! آج ایک پرچم اسلام ہے اور دوسرا کفر کا ہے' کیا تم کفر کے جھنڈے تلے رہنا ہمیشہ کیلئے پسند کرو گے؟ پھر آپ نے کلمہ شہادت پڑھوا کر عہد لیا کہ جو لوگ اسلامی پرچم کی مخالفت کر رہے ہیں اُن کے ساتھ ہم نہ تو ملنا جلنا رکھیں گے' نہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور نہ اپنے قبرستان میں دفن ہونے دیں گے''۔ 11 مئی 1938ء کو انجمن خدام الصوفیائے ہند کے 35 ویں سالانہ اجلاس منعقدہ علی پور میں خطاب کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند کو تلقین کی وہ جوق در جوق قائداعظمؒ کا ساتھ دیں اور مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں کیونکہ اس وقت کفر و اسلام کی جنگ میں یہی اولیٰ ہے۔ آپ نے قائداعظمؒ کی خدمات کی بھی تعریف کرتے ہوئے اُن کی کامیابی کیلئے دعا کی۔

1939ء میں آپ نے اپنے مرید خاص پروفیسر ڈاکٹر سیّد ظفر الحسن صدر شعبہ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو پاکستان کے نظریہ کی تشریح و توضیح کا کام سپرد فرمایا۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے شاگرد ڈاکٹر افضال حسین قادری کے تعاون سے ''علی گڑھ پاکستان سکیم'' کے عنوان سے ایک مقدمہ مع چارٹ اور نقشہ جات مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں پیش کیا۔ یہی سکیم بعد ازاں برعظیم کے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔ ڈاکٹر سیّد ظفر الحسن نے اس سکیم کی تشریح و وضاحت کیلئے اپنے شاگرد ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کو بار بار حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی خدمت میں بھیجا۔ اس سکیم میں ہندوستان کو تین خود مختار وفاقوں میں تقسیم کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ 1939ء میں کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کو فتح حاصل ہوئی تو قائداعظمؒ نے 22 دسمبر 1939ء کو مسلمانانِ ہند سے یوم نجات منانے کی اپیل کی۔ حضرت امیر ملت نے اس اپیل کا خیر مقدم کیا اور کثیر جماعت کے ساتھ دو نوافل شکرانہ ادا فرمائے۔ 23 مارچ 1940ء کو اقبال پارک لاہور میں

جب قرار دادِ لاہور (پاکستان) منظور کی گئی تو اُس جلسہ میں حضرت امیر ملت لی طرف سے آل انڈیا سنی کانفرنس کی نمائندگی پیر صاحب مانکی شریف، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا عبدالغفور ہزاروی، پیر عبداللطیف زکوڑی شریف نے کی جب کہ نوجوانوں کی نمائندگی مجاہد ملت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کر رہے تھے۔ آپ نے قائداعظمؒ کو ایک تہنیتی تار بھی روانہ فرمایا۔

26 جولائی 1943ء کو ایک خاکسار کارکن رفیق صابر آف مزنگ لاہور نے جب بمبئی میں قائداعظمؒ پر قاتلانہ حملہ کیا تو آپ حیدر آباد دکن میں جلوہ افروز تھے۔ خبر آپ کو قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ نے عجیب پریشانی کے عالم خدمت میں حاضر ہو کر سنائی۔ آپ نے روبقبلہ ہو کر قائداعظمؒ کی درازی عمر و کامیابی مقاصد کیلئے دعا فرمائی اگلے روز ایک مکتوب، ایک قلمی نسخہ قرآن مجید، ایک مخملی جائے نماز، ایک تسبیح، ایک شال اور ایک زمزمی (آبِ زمزم) اور دیگر اشیاء تحفتًا اپنے محبوب خلیفہ حضرت بخشی مصطفیٰ علی خاں کے ہاتھ روانہ فرمائیں۔ طویل مکتوب میں دیگر بہت سی باتوں کے علاوہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''نمرود کی دشمنی حضرت ابراہیمؑ کے دین کی، فرعون کی دشمنی حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے دین کی اور ابوجہل کی دشمنی ہمارے نبی اکرم ﷺ کے دین کی ترقی کا باعث ہوئی، اب جو یہ حملہ آپ پر ہوا، آپ کی کامیابی کیلئے نیک فال ہے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، آپ کامیاب ہوں گے''۔

قائداعظمؒ کو جب یہ مکتوب اور تحائف پہنچائے گئے تو آپ نے 11 اگست 1943ء کو حضرت امیر ملتؒ کے نام جو خط لکھا وہ نہایت اعلیٰ مقاصد کا ترجمان تھا۔ قائداعظم نے ارشاد فرمایا:

''جب آپ جیسے بزرگوں کی دعا میرے شامل حال ہے تو میں اپنے مقصد میں ابھی سے کامیاب ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میری راہ میں کتنی ہی تکلیفیں کیوں نہ آئیں، میں اپنے مقصد سے کبھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ آپ نے قرآن شریف اس لئے عنایت فرمایا ہے کہ میں مسلمانوں کا لیڈر رہوں، جب تک قرآن شریف اور دین کا علم نہ ہو، کیا لیڈری کر سکتا ہوں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ قرآن شریف پڑھوں گا۔ انگریزی ترجمے میں نے منگوا لئے ہیں۔ اب عالم کی تلاش میں ہوں جو مجھے انگریزی میں قرآن کی تعلیم دے سکے۔ جائے نماز آپ نے اس لئے عطا کی کہ جب میں اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانتا تو مخلوق میرا حکم کیونکر مانے گی؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نماز پڑھوں گا۔ تسبیح آپ نے اس لئے ارسال کی کہ میں اس پر درود شریف پڑھا کروں۔ جو شخص اپنے

پیغمبر علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب نہیں کرتا' اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے نازل ہو سکتی ہے۔
میں اس ارشاد کی تعمیل بھی کروں گا''۔

جون 1944ء میں حضرت امیر ملت سری نگر (کشمیر) میں قیام پذیر تھے کہ آپ کے مرید خاص قائد ملت چوہدری غلام عباس' قائداعظم کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے قائداعظم کی پر تکلف دعوت کی اور بعدازاں اُن کی کامیابی کیلئے دعا فرمائی اور حاضرین کو تلقین کی کہ سب مسلم لیگ کیلئے وقف ہو جاؤ اور تحریک پاکستان کو ساحل مراد پر پہنچا کر دم لینا۔ قائداعظم نے ازاں بعد لاہور کے ایک عظیم اجتماع میں حضرت امیر ملت کی ان دعاؤں اور پیش گوئیوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ''میرا ایمان ہے کہ پاکستان ضرور بنے گا کیونکہ امیر ملت مجھ سے فرما چکے ہیں کہ پاکستان ضرور بنے گا اور مجھے یقین واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبانِ مبارک کو ضرور سچا کریں گے''۔

اواخر جون 1945ء میں حضرت امیر ملت نے تحریک پاکستان کی حمایت میں ایک زبردست بیان جاری فرمایا جس کا عنوان تھا ''تحریک پاکستان اور صوفیۂ کرام''۔۔۔آپ کے اس بیان کی تائید مزید صاحبزادہ ظہور الحق سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ گورداسپور' خواجہ غلام سدید الدین سجادہ نشین پیر پٹھان تونسہ شریف' پیر سیّد محمد فضل شاہ امیر حزب اللہ جلالپور شریف ضلع جہلم' میاں علی محمد خان سجادہ نشین بسی شریف (ہوشیار پور) اور سیّد محمد حسین سجادہ نشین سکھو چک ضلع گورداسپور و دیگر بہت سے مشائخ عظام نے کی۔۔۔اس بیان میں کہا گیا تھا کہ محمد علی جناح ہمارے بہترین وکیل ہیں اور مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے لہٰذا سب مسلمان قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک ہوں''۔

اواخر ستمبر 1945ء میں جب حضرت امیر ملت نے ایک بیان میں قائداعظم اور مسلم لیگ کی حمایت میں علماء و مشائخ پر زور دیا کہ وہ اب گوشہ نشینی چھوڑ کر میدانِ عمل میں نکل آئیں تو پیر صاحب مانکی شریف نے 14۔اکتوبر کو مانکی شریف تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں برصغیر کے نامور علماء و مشائخ کی کانفرنس بلائی جس کی صدارت پیر معصوم بادشاہ فاروقی سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک نے کی۔حضرت امیر ملت کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا۔علاوہ ازیں صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی' خواجہ غلام سدید الدین سجادہ نشین تونسہ شریف' فخر ملت مولانا عبدالحامد

بدایونی، مجاہد سرحد پیر عبداللطیف سجادہ نشین زکوڑی شریف، حاجی فضل حق پیر صاحب کا ربوغہ شریف، جیسے پانچ سو علماء و مشائخ نے اس کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ اس میں متفقہ طور پر قائداعظمؒ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حمایت میں تن من دھن کی بازی لگا دینے کا عہد کیا گیا۔

24۔نومبر 1945ء کو پیر صاحب مانکی شریف نے قائداعظمؒ کی ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا اور ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد بھی کیا گیا، حضرت امیر ملت نے ناسازیٔ طبع کے باعث اپنے فرزند اکبر سراج الملت پیر سیّد محمد حسین کو اپنی نمائندگی کیلئے بھیجا اور قائداعظمؒ کے لئے ایک سونے کا تمغہ جس پر کلمہ طیبہ کندہ تھا، نقد رقم کی تھیلی اور دوسرے تحائف روانہ کئے۔ قائداعظم جب جلسہ میں آئے تو حضرت سراج الملت نے آگے بڑھ کر تمغۂ کامیابی قائداعظمؒ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ ''حضرت امیر ملت نے یہ طلائی تمغہ بھیجا ہے''۔۔۔ یہ سنتے ہی قائداعظمؒ کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سینہ تان کر کہا: ''پھر تو میں کامیاب ہوں، آپ اسے میرے سینے پر آویزاں کیجئے''۔ مسلم لیگی کارکن ملک شاد محمد نے آگے بڑھ کر قائداعظمؒ کی شیروانی کی بائیں طرف سینے پر تمغہ ٹانک دیا، قائداعظمؒ مسکرا کر شکریہ ادا کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔

آزادی کی صبح طلوع ہونے کا اعلان ہوا تو حضرت امیر ملت نے قائداعظمؒ کو مبارکباد کا خط لکھا۔ جس کا قائداعظمؒ نے 6 اگست 1947ء کو جواب دیا:

10۔اورنگزیب روڈ نئی دہلی

6 اگست 1947ء

ڈیئر پیر صاحب! آپ کی نیک تمناؤں اور مبارکبادوں کا شکریہ۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمان خوش ہیں کہ آخر کار ہم نے دو سو سال کی غلامی کے بعد، خود اپنی پاکستان کی آزاد اور خودمختار مملکت بنالی۔۔۔ بہترین تمناؤں کے ساتھ۔

ایم اے جناح

14 اگست کو صبح آزادی طلوع ہونے پر حضرت امیر ملت نے قائداعظمؒ کو مبارکباد کے تار میں لکھا:

''ملک گیری آسان ہے، ملک داری بہت مشکل ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو ملک داری کی توفیق عطا فرمائیں''۔

سلطان الہندؒ کے سجادہ نشینِ اعظم حضرت دیوان سیّد آلِ رسول علی خاں قدس سرہٗ اور

امیر ملت پیر سیّد حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے ہمرکاب تحریکِ پاکستان میں دیگر جن علماء ومشائخِ عظام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اُن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں (طوالت کے خوف سے تفاصیل حذف کی جا رہی ہیں، تاہم مطالعہ کا شوق رکھنے والے اصحاب محمد صادق قصوری کی تالیف تحریکِ پاکستان اور مشائخ عظام، شائع کردہ ریاض برادرز 40۔اردو بازار لاہور، کا مطالعہ کریں):

پیر غلام سدید الدین تونسویؒ، پیر محمد شاہ بھیرویؒ، امیر حزب اللہ پیر محمد فضل شاہ جلال پوریؒ، پیر سیّد غلام محی الدین گولڑوی، شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ، پیر محمد اسمٰعیل روشن سرہندیؒ، پیر محمد حسن جان سرہندیؒ، پیر محمد حسین سرہندیؒ، پیر محمد مقبول الرسول للہیؒ، مخدوم سیّد محمد رضا شاہ گیلانیؒ، خواجہ عبدالصمد المعروف حضور جیؒ، سیّد سجاد حسین شاہ سیکری، سیّد ستار بادشاہ پشاوریؒ، خواجہ حسن نظامیؒ دہلوی، ملاشور بازار کابلیؒ، میاں غلام اللہ شرقپوریؒ، سیّد محمد طاہر اشرف جیلانیؒ، پیر سیّد محمد محدث کچھوچھویؒ، خواجہ عبدالرشید پانی پتیؒ، سیّد علی احمد کیتھلیؒ، پیر سیّد محی الدین لال بادشاہ مکھڈویؒ، شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی، پیر سیّد منظور احمد مکان شریفیؒ، پیر سیّد سعید شاہ بنوری کوہاٹیؒ، سیّد مظہر گیلانی پشاوریؒ، پیر عبداللطیف زکوڑی شریف، سیّد محمد حسین ظفر سکھو چکیؒ، مخدوم سیّد شوکت حسین گیلانیؒ، صاحبزادہ ظہور الحق گوارد سپوریؒ، پیر محمد قاسم مشوریؒ، پیر غلام مرتضیٰ سرہندیؒ، پیر عبدالستار جان سرہندیؒ، حکیم محمد حسین بدر چشتیؒ، شاہ محمد سلیمان پھلواریؒ، پیر فضل حق کربوغہ شریف۔

(جن علماء ومشائخ عظام کے اسمائے گرامی ہم یہاں درج نہیں کر سکے، اُن کے سجادگان، خلفاء اور اُن کے متوسلین کی طرف سے اطلاعات کا خیر مقدم کیا جائے گا اور آئندہ اشاعت میں بصد شکریہ اُن کے اسمائے گرامی شامل کر کے ہمیں خوشی ہوگی اور یہ ایک ملی خدمت بھی ہوگی۔۔۔مؤلف)

امر بالمعروف، نہی عن المنکر فرضِ کفایہ ہے

اسرار ورموزِ دین، حکمت ومعارف، لطائف نفس اور حقیقت لطائف، ایسے امور ہیں جو تصوّف کی روح اور اہل تصوّف کی تحقیق وجستجو کا محور وموضوع رہے ہیں کیونکہ قرآن وسنت میں جملہ اسرار ورموز پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ انفس وآفاق، مقصد تخلیق کائنات، مقصدِ تخلیق انسان وجن، تفقہ فی الدین، عقل وتدبر، تقویٰ اور اُس کے مقتضیات، تقدیر ومشیت الٰہی، لوحِ محفوظ، توحید ورسالت، مادہ پرستی وخدا پرستی۔۔۔غرض کونسا پہلو ہے جسے قرآن نے کھول کر بیان نہیں کیا،

فرشتوں کے مقابلہ میں یہی علم وعرفان ہے جس کی بدولت انسان کو سربلندی عطا ہوئی۔ چنانچہ صوفیۂ عظام نے ہمیشہ اسی بلندئ شان ومقام رفعت کو اپنے پیش نظر رکھا۔

قرآن حکیم میں اہل حق کے تسلسل ولایت کے بارے میں جونشانیاں' دلائل اور ثبوت فراہم ہوتے ہیں اُن میں سب سے اہم سورہ آلِ عمران کی دو آیات خصوصیت سے ہمیں غوروفکر کی دعوت دیتی ہیں چنانچہ فرمایا گیا:

''ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں''۔ (3 آل عمران:104)

آگے چل کر آل عمران ہی کی آیت۔110 میں فرمایا گیا:

''اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے۔تم نیکی کا حکم دیتے ہو'بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں ان آیات پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے' وجہ یہ ہے کہ امر ونہی کیلئے علم شریعت اور احتساب کی قدرت ضروری ہے اور یہ بات سب لوگوں میں نہیں ہوسکتی' بعض میں ہوتی ہے' لہٰذا آیت میں خطاب اہل اسلام کی پوری جماعت سے ہے مگر مکلف بعض کو کیا گیا۔ لہٰذا مبارک ہے علماء وصوفیہ کی وہ جماعت (اہل سنت والجماعت) جو اس فرض کی انجام دہی کیلئے گذشتہ چودہ سو سال سے زائد عرصہ سے بہ دل وجان کوشاں وسرگرم عمل ہے۔

آل عمران کی آیت 101 میں یہ فرمایا گیا تھا: اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم (اب پھر کفر کرنے لگو حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں اللہ کے رسولؐ بھی تشریف فرما ہیں''۔

علامہ پانی پتی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مطلب یہ کہ کفر سے روکنے والے اور ایمان کی طرف بلانے والے سارے اسباب الٰہی موجود ہیں اور تمہارے سامنے جمع ہیں گویا کہ رسول ﷺ نے اپنے بعد قیامت تک ہونے والے اپنے جانشینوں کی طرف ہماری رہنمائی فرمادی ہے' چنانچہ حضورؐ نے فرمایا لوگو! میں نے تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر اس کو پکڑ لوگے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ اللہ کی کتاب اور اپنی عزت یعنی اہل بیت''۔۔۔ حضورؐ نے اہل بیت کو پکڑے رہنے کا اس لئے مشورہ دیا کہ اہل

بیت ہی ولایت کے سلسلے میں رہنمائی کے قطب ہیں۔ اگلوں اور پچھلوں میں سے کوئی بھی ان کے وسیلہ کے بغیر درجہ ولایت کو نہیں پہنچ سکتا۔ ان میں کے نمبر اوّل حضرت علیؓ ہیں، پھر آپ کے صاحبزادگان ہیں۔ حضرت امام حسن عسکریؒ تک یہ سلسلہ آتا ہے ازاں بعد غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ ہیں۔ ان کے بعد دوسرے اولیاء اور علماء امت (یعنی خواجہ بزرگ ہندالولی خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ اور ان حضرات کے جملہ خلفائے مجاز و سجادگان، مزید برآں قلندرانِ بارگاہِ ایزدی کا مرتبہ ہے جو بطور وراثان انبیاء، اہل بیت کے حکم میں داخل ہیں جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا: علماء انبیاء کے وارث ہیں"۔ چنانچہ مبارک ہیں وہ جو اس وراثت کا حق ادا کر رہے ہیں اور انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کے تسلسل کو اوّل تا یوم الآخر ٹوٹنے نہ دینے کا عہد صمیم کر رکھا ہے یہی تو مشیّتِ ایزدی بھی ہے۔

﴿☆☆☆﴾

باب-8

اہل حق کی ولایت اور خلافت کا تسلسل

قرآن حکیم سے نشانیاں' دلائل اور ثبوت

قرآن کا تبدیلئ امامت کا اعلان

قرآن حکیم سے اہل حق کی ولایت کے تسلسل کے بارے میں جو نشانیاں' دلائل اور ثبوت فراہم ہوئے ہیں اُن میں سب سے اہم سورۃ آل عمران کی دو آیات خصوصیت سے ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا:

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ واولئک ھم المفلحون○

''ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں''۔ (3۔آلِ عمران:104)

دورِ حاضر کے بعض مفسرین نے قرآن کی اس آیت کی تشریح کچھ اس طرح سے کی ہے:

بعض علماءِ تفسیر کے نزدیک خلافت علیٰ منہاج النبوہ کا قیام فرض کفایہ اور بعض کے نزدیک واجب کا درجہ رکھتا ہے۔ چنانچہ موخرالذکر طبقہ کے علماء میں قابل ذکر صاحبِ تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی درج بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یہ امت کو اس اہتمام و انتظام کی ہدایت فرمائی گئی ہے جو اعتصام بحبل اللہ پر قائم رہنے اور لوگوں کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے' اس مقصد کیلئے یہ ہدایت ہوئی کہ مسلمان اپنے اندر

سے ایک گروہ کو اس کام پر مقرر کریں کہ وہ لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے۔ معروف و منکر سے مراد شریعت اور سوسائٹی دونوں کے معروفات و منکرات ہیں اور ان کیلئے امر و نہی کے جو الفاظ استعمال ہوئے ان کا غالب قرینہ یہی ہے کہ یہ کام مجرد وعظ و تلقین ہی سے نہیں انجام دینا ہے بلکہ اختیار و قوت سے اس کو نافذ کرنا ہے جو بغیر اس کے ممکن نہیں کہ یہ گروہ امت کی طرف سے سیاسی اقتدار و اختیار کا حامل ہو۔ اگر تنہا دعوت و تبلیغ ہی سے یہ کام لینا مدِ نظر ہوتا تو اس مطلب کو ادا کرنے کیلئے **یَدعُونَ اِلَی الخیر** کے الفاظ کافی ہوتے۔ ہمارے نزدیک اس آیت میں اس امت کے اندر خلافت کے قیام کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں مسلمانوں نے نبی ﷺ کے وصال پاک کے بعد پہلا کام جو کیا وہ خلافت علیٰ منہاج النبوت کا قیام تھا۔"۔۔۔۔۔۔۔۔۔(تدبر قرآن جلد اوّل صفحات 757-756)

"آگے چل کر آلِ عمران کی آیت 110 میں پھر اسی قسم کا مضمون ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

o كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ۔ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَo

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

سیّد ابو الاعلیٰ مودودی 'تفہیم القرآن کی جلد اوّل کے صفحہ 279 پر اس آیت کی تفسیر اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ:

"یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ بقرہ کے سترھویں رکوع میں بھی بیان ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے متبعین کو بتایا جا رہا ہے کہ دنیا کی امامت و رہنمائی کے جس منصب سے بنی اسرائیل اپنی نا اہلی کے باعث معزول کیے جا چکے ہیں اس پر اب تم مامور کیے گئے ہو۔ اس لیے کہ اخلاق و اعمال کے لحاظ سے اب تم دنیا میں سب سے بہتر انسانی گروہ بن گئے ہو اور تم میں وہ صفات پیدا ہو گئی ہیں جو امامتِ عادلہ کیلئے ضروری ہیں، یعنی نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ و عمل اور اللہ وحدہٗ لاشریک کو اعتقاداً و عملاً اپنا الٰہ اور رب تسلیم کرنا۔ لہٰذا اب یہ کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے

اور تمہیں لازم ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور اُن غلطیوں سے بچو جو تمہارے پیش رو کر چکے ہیں۔"

سورہ بقرۃ کے جس مضمون کا حوالہ اوپر کے حاشیہ میں دیا گیا ہے وہ آیت نمبر 122 سے شروع ہوتا ہے اور اس میں کہا گیا ہے:

o یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ o

"اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری وہ نعمت جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دی تھی"۔(2۔البقرۃ:122)

(اس آیت کی تفسیر (تفہیم جلد اوّل صفحہ 108 تا 110 پر) سیّد مودودی اس طرح سے کرتے ہیں:

"حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کیلئے مقرر کیا تھا۔ انہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے ریگستانِ عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر اللہ کی اطاعت و فرماں برداری (یعنی اسلام) کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ پھر اپنے اس مشن کی اشاعت کے لیے مختلف علاقوں میں خلیفہ مقرر کیے۔ شرق اُردن میں اپنے بھتیجے حضرت لُوطؑ کو' شام و فلسطین میں اپنے بیٹے حضرت اسحاقؑ کو' اور اندرونِ عرب میں اپنے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو مامور کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکے میں وہ گھر تعمیر کیا' جس کا نام کعبہ ہے اور اللہ ہی کے حکم سے وہ اس مشن کا مرکز قرار پایا۔

حضرت ابراہیمؑ کا اصل کام دنیا کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے مطابق انسانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا نظام درست کرنا تھا۔ وہ خود اللہ کے مطیع تھے' اس کے دیئے ہوئے علم کی پیروی کرتے تھے' دنیا میں اُس علم کو پھیلاتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ سب انسان مالک کائنات کے مطیع ہو کر رہیں۔ یہی خدمت تھی' جس کیلئے وہ دنیا کے امام و پیشوا بنائے گئے تھے۔ اُن کے بعد یہ امامت کا منصب اُن کی نسل کی اُس شاخ کو ملا' جو حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب سے چلی اور بنی اسرائیل کہلائی۔ اسی میں انبیاء پیدا ہوتے رہے' اسی کو راہِ راست کا علم دیا گیا' اسی کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ اس راہِ راست کی طرف اقوامِ عالم کی رہنمائی کرے' اور یہی وہ نعمت تھی' جسے اللہ تعالیٰ بار بار اس نسل کے لوگوں کو یاد دلا رہا ہے۔

اس شاخ نے حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں بیت المقدس کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اس لیے جب تک یہ شاخ امامت کے منصب پر قائم رہی' بیت المقدس ہی دعوت الی اللہ کا مرکز اور خدا پرستوں کا قبلہ رہا۔

پچھلے دس رکوعوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے اُن کی تاریخی فردِ قرار دادِ جرم اور ان کی وہ موجودہ حالت جو نزولِ قرآن کے وقت تھی' بے کم و کاست پیش کر دی ہے اور ان کو بتا دیا ہے کہ تم ہماری اُس نعمت کی انتہائی ناقدری کر چکے ہو جو ہم نے تمہیں دی تھی۔ تم نے صرف یہی نہیں کیا کہ منصبِ امامت کا حق ادا کرنا چھوڑ دیا' بلکہ خود بھی حق اور راستی سے پھر گئے' اور اب ایک نہایت قلیل عنصر صالح کے سوا تمہاری پوری اُمت میں کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے۔

اس کے بعد اب انہیں بتایا جا رہا ہے کہ امامت ابراہیمؑ کی نسلی میراث نہیں ہے بلکہ یہ اس سچی اطاعت و فرماں برداری کا پھل ہے' جس میں ہمارے اُس بندے نے اپنی ہستی کو گم کر دیا تھا' اور اس کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں' جو ابراہیمؑ کے طریقے پر خود چلیں اور دنیا کو اس طریقے پر چلانے کی خدمت انجام دیں۔ چونکہ تم اس طریقے سے ہٹ گئے ہو اور اس خدمت کی اہلیت پوری طرح کھو چکے ہو' لہٰذا تمہیں امامت کے منصب سے معزول کیا جاتا ہے۔

تبدیلیٔ امامت کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی قدرتی طور پر تحویلِ قبلہ کا اعلان ہونا بھی ضروری تھا۔ جب تک بنی اسرائیل کی امامت کا دور تھا' بیت المقدس مرکزِ دعوت رہا اور وہی قبلۂ اہلِ حق بھی رہا۔ خود نبی عربی ﷺ اور آپ کے پیرو بھی اس وقت تک بیت المقدس ہی کو قبلہ بنائے رہے۔ مگر جب بنی اسرائیل اس منصب سے باضابطہ معزول کر دیئے گئے' تو بیت المقدس کی مرکزیت آپ سے آپ ختم ہو گئی۔ لہٰذا اعلان کیا گیا کہ اب وہ مقام دینِ الٰہی کا مرکز ہے' جہاں سے اس رسول کی دعوت کا ظہور ہوا ہے۔ اور چونکہ ابتداء میں ابراہیمؑ کی دعوت کا مرکز بھی یہی مقام تھا' اس لیے اہلِ کتاب اور مشرکین کسی کیلئے بھی تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ قبلہ ہونے کا زیادہ حق کعبے ہی کو پہنچتا ہے۔ ہٹ دھرمی کی بات دوسری ہے کہ حق کو حق جانتے ہوئے بھی اعتراض کیے چلے جائیں۔"

بنی اسرائیل کی فضیلت کی نوعیت

قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کی فضیلت کی نوعیت کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

o يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ o (2۔البقرۃ:47)

آیت (بقرۃ:47) کی تشریح میں امین احسن اصلاحی کہتے ہیں:

اس فضیلت سے مراد قوموں کی ہدایت و رہنمائی کا وہ منصب ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک خاص دور میں منتخب فرمایا۔ جو فضیلت کسی منصب کی ذمہ داریوں کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے وہ ایک مشروط فضیلت ہوتی ہے۔ اگر صاحب منصب قوم اس ذمہ داری کو ادا کرتی ہے تو یہ فضیلت اس کو حاصل رہتی ہے اور اگر اس کو چھوڑ بیٹھتی ہے تو صرف اس فضیلت ہی سے محروم نہیں ہو جاتی جو اسے بخشی گئی تھی بلکہ کفرانِ نعمت کی پاداش میں اس کو مزید براں ذلت بھی نصیب ہوتی ہے۔ یہاں بنی اسرائیل کو یہ بات یاد دلائی گئی ہے کہ جس فضیلت پر تمہیں ناز ہے وہ فضیلت خدا ہی کی عطا کردہ تھی، اگر اس کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو خدا کے عہد پر قائم رہو اور اس کا حق ادا کرو۔ خدا کے عہد سے نکل کر تم اس فضیلت کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ (تدبر قرآن جلد اول صفحہ۔164)

درج بالا تفاسیر کے علی الرغم جو علمائے تفسیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بوجوہ فرضِ کفایہ جانتے ہیں اُن میں کے علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری کی جلد دوم (صفحہ 329 تا 331) میں رقمطراز ہیں:

آلِ عمران کی آیت 104 کے الفاظ وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ" اور تم میں سے بعض لوگوں کی ایک جماعت ہونی چاہیے' میں مِن تبعیضیہ ہے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ ہر شخص پر فرض یا واجب نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ امر و نہی کیلئے علم شریعت اور احتساب کی قدرت ضروری ہے (اور یہ بات سب لوگوں میں نہیں ہو سکتی بعض میں ہوتی ہے) آیت میں خطاب اہل اسلام کی پوری جماعت کو ہے مگر مکلف بعض کو کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی بھی اس فرض کو انجام نہ دیگا تو فرض جماعت ادا نہ ہوگا اور سب گناہ گار ہونگے۔ (کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جماعت کا فرض ہے) اور اگر بعض نے کر لیا تو سب کے سر سے فرض ادا ہو جائیگا۔ مِن بیانیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت ہر شخص پر ممنوع امر سے باز داشت کرنی لازم ہوگی (خواہ ہاتھ سے ہو ہو یا زبان سے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو) کم سے کم دل سے ہی (اس فعل سے نفرت) ہو۔

يَدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں یعنی ان عقائد اخلاق اور اعمال کی دعوت دیں جن کے اندر دین و دنیا کی بہتری ہو۔ ابن مردویہ نے حضرت امام باقرؒ کی

روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ قرآن اور میری سنت پر چلنا ہی خیر ہے۔ سیوطیؒ نے اس حدیث کو معضل کہا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے متعلق روایت میں آیا کہ آپ نے اس آیت کو (اتنی ترمیم اور اضافہ کے ساتھ) اس طرح پڑھا تھا۔ **ولتكن منكم امة يدعون الخير و يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر ۔ وَيستغيثون علىٰ مَا اصابهم ۔ واولئك هم المفلحون۔** یعنی خیر مانگیں کہ لوگوں سے مصیبت دور ہو۔

وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ ''اور ایسے کام کا حکم دیتے ہیں جس کی خوبی وجوبی طور پر یا استحبابی طور سے شریعت کی طرف سے جان لی گئی ہے۔

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط اور بری باتوں سے روکیں یعنی جن محرمات اور مکروہات کو شرع نے برا قرار دیا ہے ان سے روکیں (خیر کا لفظ عام تھا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو شامل تھا لیکن) امر و نہی کی فضیلت خاص طور پر ظاہر کرنے کیلئے عطف کر دیا گیا۔

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنیوالے ہی کامیاب ہونگے جو ایسا نہ کریگا نا کام ہوگا اور گھاٹا اٹھائیگا۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری کی راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس کو بری بات دکھائی دے وہ اپنے ہاتھ سے اس کو بدل دے ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان ہی سے (روک تھام کرے) اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل سے ہی (اس کو برا جانے' اور یہ کمزور ترین ایمان (کا درجہ) ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ضوابط الٰہیہ میں سستی کرنے والے اور ان میں بڑھ جانیوالے کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے قرعہ اندازی کی ہو اور قرعہ ڈالنے کے بعد کوئی کشتی کے بالائی درجہ میں سوار ہو گیا اور کوئی نچلے درجہ میں۔ نچلے درجہ والا پانی لیکر بالائی درجہ والوں کیطرف سے گذرتا تھا تو ان کو تکلیف پہنچتی تھی اس لئے نچلے درجہ والے نے کلہاڑی لے کر کشتی کے نچلے حصہ میں سوراخ کرنا شروع کیا۔ بالائی درجہ والوں نے جا کر کہا: تو یہ کیا کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا آپ لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اور مجھے پانی کی بہر حال ضرورت ہے (اس لئے کشتی میں سوراخ کر رہا ہوں) اب اگر وہ لوگ اس کے ہاتھ پکڑ لینگے تو اس کو بھی ڈوبنے سے بچالیں گے اور خود بھی محفوظ رہیں گے۔ اور اگر (سوراخ

کر کے) چھوڑ دیں گے تو اس کو بھی ہلاک کریں گے اور خود بھی ہلاک ہوں گے۔رواہ البخاری)۔

حضرت خذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہنا ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیج دے گا۔ پھر تم اس کے دور ہونے کی دعا کرو گے مگر تمہاری دعا قبول نہ ہوگی۔رواہ الترمذی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! تم خیال کرتے ہو کہ اگر کوئی بُرے کام کرے گا تو تم کو اس کا نقصان نہیں پہنچے گا خواہ ہم اس کی روک تھام کریں یا نہ کریں) حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرمارہے تھے کہ اگر لوگ بدکاریاں دیکھ کر ان کو بدلنے کی کوشش (ہاتھ یا زبان یا دل سے) نہیں کریں گے۔تو ممکن ہے کہ اللہ ان سب پر اپنا عمومی عذاب بھیج دے۔رواہ ابن ماجہ والترمذی رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ۔

عدی بن عدی کندی کے ایک آزاد کردہ غلام کے دادا کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے کہ مخصوص لوگوں کے (برے) اعمال سے اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ عام لوگ اپنے سامنے بدکاریاں دیکھ کر باوجود تردید کی قدرت کے انکار نہ کرتے ہوں جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اللہ عام وخاص سب کو عذاب میں گرفتار کر دیتا ہے۔رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو ان کے علماء نے منع کیا مگر وہ نہ مانے مگر علماء ان کی مجلسوں میں ان کے ساتھ بیٹھتے اور کھاتے پیتے رہے۔نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان سب کے دل ایک جیسے کر دیئے اور داؤدؑ و عیسیٰؑ کی زبانی ان پر لعنت کرائی **ذٰلِكَ بِمَا عَصَواوَّ كَانُو ايَعتَدُونَ** راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے یہ فرمانے کے بعد بیٹھ گئے اور فرمایا نہیں خدا کی قسم یہاں تک کہ تم بھی اُن کی طرف جھک جاؤ گے پورے طور پر۔رواہ الترمذی وابوداؤد۔

قرآن کا اُمتِ مسلمہ کو بہترین قرار دینے کا اعلان

آلِ عمران (110): (ترجمہ اوپر دیا گیا ہے): اس آیت کی تشریح میں علامہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری، جلد دوم کے صفحہ 336 تا 238 پر لکھتے ہیں کہ:

اُخرِجَت وہ بہترین امت جو ظاہر کی گئی (عدم سے وجود میں لائی گئی) اور پیدا کی

گئی ہے کنتم کے مخاطب یا تو صحابہؓ ہیں بروایت ضحاک حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ کنتم خیر امۃ ہمارے اولین کیلئے ہے پچھلوں کے لئے نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی' حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر اللہ چاہتا تو بجائے کنتم کے انتم فرماتا لیکن اس نے کنتم صرف صحابہؓ کیلئے اور ان لوگوں کیلئے جنہوں نے صحابیوں کی طرح کام کئے فرمایا۔ یا مخاطب عام امت محمد ہے دونوں مضمون نصوص سے ثابت ہیں اور یہی اجماع امت محمد ﷺ کا فیصلہ ہے کیونکہ امت اسلامیہ تمام امتوں سے افضل ہے اور امت اسلامیہ میں قرن صحابہؓ افضل ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے

o وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ م بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَo

''ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے (ہی) ہوں گے۔'' (21۔الانبیاء:105)

(زمین کی وراثت کے موضوع میں ہم اپنی تالیف ''جدید فکرِ اسلامی'' میں پوری تفصیل کے ساتھ بحث کر چکے ہیں: مؤلف)۔

نیز فرمایا گیا:

o ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ م بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ ذٰلِكَ هُوَالْفَضْلُ الْكَبِيْرُo

''پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب (یعنی قرآن) کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا (یعنی امتِ مسلمہ)'' (35۔فاطر:32)

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جب تک میں داخل نہ ہو جاؤں جنت میں داخلہ انبیاء کیلئے حرام کر دیا گیا ہے اور جب تک میری امت داخل نہ ہو جائے' دوسری امتوں کیلئے جنت میں داخلہ حرام کر دیا گیا ہے۔ رواہ الطبرانی بسند حسن عن عمر بن الخطابؓ۔

طبرانی کی مرفوع روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ فرمایا رسول ﷺ نے: جنت تمام امتوں کیلئے حرام کر دی گئی ہے تاوقتیکہ میں اور میری امت یکے بعد دیگرے اس

میں داخل نہ ہو جائیں''۔ امام احمد اور بزار اور طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے امید واثق ہے کہ جنہوں نے میری پیروی کی وہ (کُل) جنت والوں کے ایک چوتھائی ہونگے پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ وہ (میرے پیرو) اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہوں گے۔ پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ وہ آدھے ہوں گے۔

ترمذی نے بسند حسن اور حاکم نے بسند صحیح بیان کیا ہے کہ اہل جنت کی ۱۲۰ قطاریں ہوں گی جن میں ۸۰ اس امت کی اور باقی دوسری امتوں کی ہوں گی۔ طبرانی نے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے اس حدیث کے راوی حضرت ابوموسیٰ' حضرت ابن عباس' حضرت معاویہ بن جندہ اور حضرت ابن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم ستر امتوں میں آخری امت ہو اور سب سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والے ہو۔ یہ حدیث ابن ماجہ اور دارمی نے بیان کی ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور بغوی نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میری امت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش' کہ معلوم نہیں اس کا ابتدائی حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔ یہ حدیث ترمذی نے حضرت انسؓ اور حضرت جعفرؓ بن محمد کے دادا کی روایت سے بیان کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے معاف فرما دی میری امت کیلئے بھول چوک اور وہ گناہ جس پر اس کو مجبور کیا گیا ہو۔ یہ حدیث بیہقی اور ابن ماجہ نے بیان کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین لوگ میرے دور کے ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان سے متصل ہوں گے اس کے بعد وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد ہوں گے پھر ایسے لوگ آئیں گے۔ جن میں سے بعض کی شہادت قسم سے پہلے اور قسم شہادت سے پہلے ہو گی۔ یہ حدیث حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے شیخین اور ترمذی اور احمد اور طبرانی نے بیان کی ہے اور ایسی ہی حدیث مسلم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور ترمذی و حاکم نے حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اصحاب کو گالی نہ دو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی (کوہ) احد کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کرے گا تو ان کے سیر بھر بلکہ آدھے سیر (خرچ کرنے کے درجہ) کو بھی نہیں پہنچے گا۔ یہ حدیث شیخین نے حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہؓ میں سے جو کوئی کسی زمین میں انتقال کرے گا قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے (یعنی اس زمین والوں کے لئے قائد اور نورِ راہ بنا کر اٹھایا جائے گا۔ یہ حدیث ترمذی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

لِلنَّاسِ لوگوں کیلئے۔ اس لفظ کا تعلق خیر سے ہے یعنی تم لوگوں کے لئے خیر ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا لوگوں کیلئے سب لوگوں سے زیادہ بہتر ہو کہ وہ زنجیروں میں بندھے آتے ہیں اور تم ان کو اسلام میں داخل کر لیتے ہو۔

گذشتہ اقوام سے زیادہ اس امت کے مبلغین و مرشدین کی ہدایت میں اثر ہے کہ لوگوں کو کھینچ کر اللہ کی طرف لیجاتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ قطب الارشاد اور شاہ ولایت تھے گذشتہ امتوں میں سے کوئی بھی آپ کی روحانی وساطت کے بغیر درجہ ولایت تک نہیں پہنچ سکا پھر آپ کی اولاد میں سے ائمہ کرام اس منصب پر فائز ہوئے جس کا سلسلہ امام حسن عسکریؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک مسلسل پہنچا اسی لئے حضرت شیخ جیلانیؒ نے فرمایا: ''آپ اس منصب پر قیامت تک قائم رہیں گے۔ اسی لئے آپؒ نے فرمایا تھا: ''پہلے لوگوں کے سورج چھپ گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی پر رہے گا کبھی غروب نہ ہوگا۔ بعض لوگوں کے نزدیک للناس کا تعلق اخرجت سے ہے یعنی لوگوں کیلئے تم کو پیدا کیا گیا ہے''۔

تسلسل خلافتِ ختم المرسلین ﷺ

آلِ عمران (101) میں فرمایا گیا: ''اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کرنے لگو حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں اللہ کا رسولؐ بھی تشریف فرما ہے''۔۔۔۔ آیت کے مذکورہ ٹکڑے کی تشریح میں علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ اس آیت کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد قیامت تک ہونے والے اپنے جانشینوں کی طرف ہماری رہنمائی فرمادی ہے۔ حضرت زید بن ارقم کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمارے مجمع میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگو میں محض ایک آدمی ہوں عنقریب میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے گا اور میں اس کی دعوت قبول کرونگا' میں تمہارے اندر دو بڑی عظمت والی چیزیں چھوڑ رہا ہوں پہلی کتاب اللہ ہے جس کے اندر ہدایت اور نور ہے تم اللہ کی کتاب کو پکڑ لو اور مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں میں اپنے اہل

بیت کے متعلق تم کو اللہ (کے احکام اور خوف) کی یاد دلاتا ہوں۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ اللہ کی کتاب ہی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے جو اس کے حکم پر چلے گا ہدایت پر ہو گا' جو اس کو چھوڑ دے گا گمراہ ہو گا۔ (رواہ مسلم)

ترمذی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس کو تھامے رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے (یہ دو چیزیں ہیں جن میں سے) ایک دوسری سے مرتبہ میں زائد ہے (ایک) اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین تک ایک آویختہ رسی ہے (اس کو پکڑ کر آسمان تک پہنچا جا سکتا ہے) (دوسری چیز) میری عترت یعنی میرے اہل بیت ہیں' حوض پر اترنے کے وقت تک یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے اسی لئے تم کو دیکھنا چاہیئے کہ ان دونوں کے معاملہ میں تم میری نیابت کس طرح کرتے ہو۔

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے حج میں عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہونے کی حالت میں خطبہ دیتے دیکھا۔ آپ فرمارہے تھے لوگو! میں نے تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر اس کو پکڑ لو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور اپنی عترت یعنی اہل بیت۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل بیت کو پکڑے رہنے کا اس لئے مشورہ دیا کہ اہل بیت ہی ولایت کے سلسلہ میں راہنمائی کے قطب ہیں اگلوں اور پچھلوں میں سے کوئی بھی ان کے وسیلہ کے بغیر درجۂ ولایت تک نہیں پہنچ سکتا نمبر اوّل حضرت علیؓ کا ہے پھر آپ کے صاحبزادگان ہیں' حسن عسکریؒ تک یہ سلسلہ آتا ہے اور آخری نمبر غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کا ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ ان کے بعد دوسرے اولیاء اور علماء امت کا مرتبہ ہے جو بطور وراثت اہل بیت کے حکم میں داخل ہیں کیونکہ سب کے سب اہل بیت ہی کے تابع ہیں ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

درج بالا آیت کی تفسیر میں معمولی غور فکر سے اس امر کی نشاندہی ہو جائے گی کہ خلافتِ ختم المرسلینؐ کا سلسلہ ایک لحہ کیلئے بھی اہل اللہ نے ٹوٹنے نہیں دیا اور اسے تسلسلِ ولایت کے ذریعے قائم رکھا۔

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر کی جلد اوّل میں آلِ عمران کی آیت 101 کی تشریح میں ایک نہایت دل خوش کن اور حوصلہ افزاء روایت بیان کرتے ہیں:

حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک روز اپنے اصحاب سے پوچھا تمہارے نزدیک سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟ انہوں نے کہا فرشتے۔ فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لاتے۔ انہیں تو وحی الٰہی سے رہنمائی حاصل ہے۔ صحابہ نے عرض کیا پھر ہم؟ فرمایا تم ایمان کیوں نہ لاتے' تم میں خود میں موجود ہوں۔ صحابہ نے کہا' پھر حضور خود ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ تمام لوگوں سے زیادہ افضل ایمان والے وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے۔ وہ کتابوں میں لکھا پائیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے۔ پھر فرمایا کہ باوجود اس کے تمہارا مضبوطی سے اللہ کے دین کو تھامے رکھنا اور خدا کی پاک ذات پر پورا توکل رکھنا ہی موجب ہدایت ہے۔ اسی سے گمراہی دور ہوتی ہے۔ یہی رشد و رضا کا باعث ہے۔ اسی سے صحیح راستہ حاصل ہوتا ہے۔ اور کامیابی اور مراد ملتی ہے۔

آلِ عمران کی آیت 104 کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''ایک جماعت خیر پر قائم رہے گی اللہ تعالیٰ کا وعدہ یا ایک سچی پیش گوئی ہے حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں: اس جماعت سے مراد خاص صحابہؓ اور خاص راویانِ حدیثؒ ہیں۔ یعنی مجاہد اور علماء۔ امام ابوجعفر باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا صبر سے مراد قرآن و حدیث کی اتباع ہے۔ یہ یاد رہے کہ ہر متنفس پر تبلیغ حق فرض ہے۔ تاہم ایک جماعت تو خاص اسی کام میں مشغول رہنی چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے' اسے ہاتھ سے دفع کرے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے۔ اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اپنے دل سے اسے متغیر کرے یعنی برا جانے' یہ ضعیف ایمان ہے۔ ایک اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں (صحیح مسلم) مسندِ احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اچھائی کا حکم اور برائیوں کی مخالفت کرتے رہو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو پھر گو تم دعائیں کرو لیکن قبول نہ ہوں گی۔ پھر فرماتا ہے کہ تم اگلے لوگوں کی طرح افتراق و اختلاف نہ کرنا۔ تم نیک باتوں کا حکم اور خلافِ شرع باتوں سے روکنے کا فریضہ ترک نہ کرنا۔

امتِ محمدیہؐ کا مقام و منصب اور خیر الامم کی خصوصیات

آلِ عمران کی آیت 110 کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اُمتِ محمدیہ تمام اُمتوں سے بہتر ہے۔ صحیح بخاری شریف

میں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ تم اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو۔ تم لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اسلام کی طرف جھکاتے ہو۔ (یہ مطلب نہیں کہ لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے پر مجبور کرتے ہو کیونکہ دین کے بارے میں جبر تو قطعاً نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے حسنِ عمل، مکارمِ اخلاق اور اخلاص کو دیکھ کر لوگ اسلام کو ایک سچا دین سمجھتے ہوئے اُس کے قبول کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔ اسلام کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ لوگوں نے اس دین کو عموماً اس کی اچھائیاں ہی پرکھ کر قبول کیا ہے)۔ اور مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم تمام اُمتوں سے بہتر ہو اور سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچانے والے ہو۔ ابولہب کی بیٹی حضرت درہؓ فرماتی ہیں۔ ایک مرتبہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، آپ اس وقت منبر پر تھے کہ حضور ﷺ کون سا شخص بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا سب لوگوں سے بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قرآن پڑھتا ہو۔ سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا، سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا۔ سب سے زیادہ رشتے ناطے ملانے والا ہو۔ (مسند احمد)۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ یہ وہ صحابہ ہیں، جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ساری اُمت کو شامل ہے۔ ہاں بے شک یہ حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر اس کے بعد اس سے ملا ہوا زمانہ، پھر اس کے بعد والا زمانہ۔ ایک اور روایت میں ہے ہم نے تمہیں بہتر اُمت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''تم نے اگلی اُمتوں کی تعداد کو ستر تک پہنچا دیا ہے۔ خدا کے نزدیک تم ان سب سے بہتر ہو اور زیادہ بزرگ ہو''۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں۔ میں نے ابوالقاسم ﷺ سے سنا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے فرمایا کہ میں تمہارے بعد ایک امت کو پیدا کرنے والا ہوں جو رحمت پر حمد و شکر کریں گے اور مصیبت پر طلبِ ثواب اور صبر کریں گے۔ حالانکہ انہیں حلم و علم نہ ہوگا۔ آپؑ نے تعجب سے پوچھا کہ بغیر بردباری اور دور اندیشی اور پختہ علم کے یہ کیسے ممکن ہے۔ رب العالمین نے فرمایا: میں اُنہیں اپنا علم و حلم عطا کروں گا''۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، میری اُمت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے۔ جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔ سب یک دل ہوں گے۔ میں نے اپنے رب سے گذارش کی کہ خدایا اس تعداد میں اور اضافہ فرما۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور بھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث بیان کر کے فرمایا کرتے تھے کہ پھر تو اس تعداد میں گاؤں اور دیہات والے بلکہ بادیہ نشین بھی آ جائیں گے۔ (مسند احمد)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ میرے رب نے جو عزت اور جلال والا ہے' مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ ستر ہزار کو بلا حساب جنت میں لے جایا جائے گا۔ پھر ایک ہزار کی شفاعت سے ستر ستر ہزار آدمی اور جائیں گے۔ پھر میرا رب اپنے دونوں ہاتھوں سے تین لپیں بھر کر اور ڈالے گا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر خوش ہو کر اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ ان کی شفاعت ان کے باپ دادوں اور بیٹوں' بیٹیوں اور خاندان وقبیلہ میں ہوگی۔ اللہ کرے میں تو ان میں سے ہو جاؤں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی لپوں میں بھر کر آخر میں جنت میں لے جائے گا (طبرانی)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حج میں اس آیت کی تلاوت فرما کر لوگوں سے کہا کہ اگر تم اس آیت کی تعریف میں داخل ہونا چاہتے ہو تو' اوصاف بھی اپنے میں داخل کرو۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں' اہل کتاب ان کاموں کو چھوڑ بیٹھے تھے۔ جن کی مذمت کتاب اللہ نے کی۔ فرمایا وہ لوگ برائی کی باتوں سے لوگوں کو روکتے نہ تھے۔ چونکہ مندرجہ بالا آیت میں ایمانداروں کی تعریف وتوصیف بیان ہوئی ہے تو اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ اگر یہ لوگ بھی میرے نبی آخر الزمان پر ایمان لاتے تو انہیں بھی یہ فضیلتیں ملتیں۔ لیکن ان میں کے اکثر کفر وفسق وعصیان پر جمے ہوئے ہیں۔ ہاں کچھ لوگ باایمان بھی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بشارت دیتا ہے کہ تم نہ گھبرانا' خدا تمہیں تمہارے مخالفین پر غالب رکھے گا۔ اسی طرح شام کے نصرانی صحابہؓ کے وقت میں مغلوب ہوئے۔ اور ملک شام ان کے ہاتھوں سے بالکل نکل گیا اور ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اور وہاں ایک حق والی جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے تک قائم رہے گی۔ حضرت عیسیٰؑ آ کر ملت اسلام اور شریعت محمدؐ کے مطابق حکم کریں گے۔ صلیب توڑیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ قبول نہ کریں گے۔ صرف اسلام ہی قبول کریں گے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اوپر ذلت اور پستی ڈال دی گئی۔

سورہ بقرۃ کی آیت 47 کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں' تم سترویں اُمت ہو اور سب سے بہتر اور بزرگ ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں پر ایک خاص قسم کی فضیلت مراد ہے جس سے ہر قسم کی فضیلت لازم نہیں

آتی۔ راوی نے یہی کہا ہے۔ مگر یہ غور طلب بات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت اور تمام اُمتوں پر ہے۔ اس لئے کہ انبیاء کرامؑ ان ہی میں سے ہوتے چلے آئے لیکن اس میں بھی غور و خوض کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کا عموم ان سے اگلے لوگوں کو بھی شامل ہے اور حقیقت ہے اگلے انبیاء ان میں سے نہ تھے۔ جیسے ابراہیم خلیل اللہ اور آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو ان سب کے بعد تھے' جو تمام مخلوق سے افضل تھے اور تمام اولاد آدمؑ کے سردار ہیں' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ صَلَاةُ اللّٰهِ وَسَلَا مُهٗ عليه۔

کیا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیلئے حصول اقتدار لازمی ہے؟

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' اگر قیام خلافت کے بغیر ممکن نہ ہوتو قرآن حکیم میں حضورؐ کے دور کے اہل کتاب کے بارے میں یہ نہ کہا جاتا:

o لَيۡسُوۡا سَوَآءً ۔ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ o يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ ۔ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ o

o ترجمہ: مگر سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اُس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں' اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' نیکی کا حکم دیتے ہیں' برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں' یہ صالح لوگ ہیں اور جو نیکی بھی یہ کریں گے اُس کی ناقدری نہ کی جائے گی۔ اللہ پرہیزگاروں (تقویٰ والوں) کو خوب جانتا ہے''۔ (3۔آل عمران:113-114)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قائمۃ سے مراد ہدایت یافتہ ''اللہ کے امر پر قائم رہنے والے'' ہیں۔ علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں ان آیات کی تفسیر میں جلد دوم کے صفحہ 342 تا 344 پر لکھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک رات ہم عشاء کی نماز کا انتظار کرتے رہے ایک تہائی رات گذر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ برآمد ہوئے ہم کو نہیں معلوم کہ تاخیر کا باعث کوئی کام تھا یا کوئی اور وجہ تھی۔ تشریف لا کر فرمایا تم نماز کے انتظار میں ہو (اس وقت) تمہارے علاوہ کسی اور مذہب والا نماز کا انتظار نہیں کرتا۔ اگر امت پر بار پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو

میں ان کو اسی وقت نماز پڑھایا کرتا پھر آپ نے حکم دیا' موذن نے اقامت کہی اور آپؐ نے (لوگوں کے ساتھ) نماز پڑھی۔ رواہ مسلم۔

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں: سیاق کلام سے ظاہر یہ ہے کہ تہجد کی نماز مراد ہے عشاء کی نماز مراد نہیں ہے کیونکہ آیت کی رفتار کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی دوامی حالت یہ ہے (کہ اوقات شب میں نماز پڑھتے اور قیام کرتے ہیں) رہا تاخیر عشاء کا قصہ' وہ ضرور ایک واقعہ ہے (دوامی عادت نہیں) پھر اس واقعہ کے سلسلہ میں اس آیت کا نازل ہونا صحیحین میں مذکور نہیں۔ اس کے علاوہ یَتْلُوْنَ جمع کا صیغہ ہے اور عشاء کی نماز میں قرأت کرنے والا صرف امام ہوتا ہے۔ دوسرے لوگوں کو مجازاً ہی قرأت کرنے والا کہا جا سکتا ہے۔

عطاء نے کہا کہ اُمۃ قائمہ سے مراد ہیں نجران کے چالیس اور حبش کے تیس اور روم کے آٹھ آدمی ہیں یہ سب عیسائی تھے جنہوں نے (بعثت سے پہلے ہی) رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے پہلے انصار کی ان سے دوستی تھی۔ انصاریوں میں سے اسعد بن زرارہ اور براء بن معرور اور محمد بن مسلمہ اور محمود بن مسلمہ اور ابوقیس صرمہ بن انس ان کے دوست تھے چونکہ شریعت حنیفہ (ملت ابراہیمیؑ) سے یہ لوگ واقف تھے اس لئے غسل جنابت کرتے اور رات کو نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہو گئے تو سب نے آپؐ کی تصدیق کی اور مدد دی۔

يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور نیکی کا حکم دیتے اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔

وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ اور نیک کاموں میں تیزی سے بڑھتے ہیں کیونکہ ان کو اللہ سے کامل خوف ہے اور ان کے ہوا و ہوس کا سلسلہ کوتاہ ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس سے پہلے کہ ایسا بڑھاپا آ جائے جس میں سر ہلنے لگے یا غفلت کی حالت میں موت آ جائے یا (حرکت سے) روک دینے والی بیماری پیدا ہو جائے یا ناامید کر دینے والی تاخیر آ جائے نیک اعمال کر لو۔ رواہ البیہقی عن ابی امامۃ۔

چونکہ یہودیوں کے اوصاف و اطوار قبیحہ متعدد تھے۔ حق سے منحرف تھے۔ دن رات خواب غفلت میں سرشار تھے۔ مشرک تھے۔ اللہ کی صفات کے عقیدہ میں کج رو تھے۔ آخرت کا

عقیدہ رکھتے تھے مگر غلط طور پر بری باتوں کا حکم دیتے اور اچھے کاموں سے روکتے اور خود تیزی سے برائیوں میں گھستے تھے' اس لئے آیاتِ مذکورہ میں امة قائمة کے ایسے متعدد اوصاف بیان کئے جو یہودیوں کے اوصاف کی ضد تھے۔

وَاُولٰئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ o اور اوصاف مذکورہ کے پورے پورے حامل صالحین میں سے ہیں یعنی ان لوگوں میں ان کا شمول ہے جن کے دل درست اور نفوس پاکیزہ ہیں اور پاکیزگی قلب ونفس کی وجہ سے ان کے جسم بھی حامل صلاح ہیں۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُّكْفَرُوهُ وہ جو نیکی کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ یعنی ہم نہ اس نیکی کو گھٹائیں گے نہ ثواب میں کمی کریں گے جس طرح تکمیل ثواب کو شکر کہا گیا ہے اسی طرح ثواب سے محرومی یا ثواب کے نقصان کو ناشکری فرمایا۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ'' بِالْمُتَّقِيْنَ o اور اللہ تقویٰ والوں سے خوب واقف ہے یہ جملہ متقیوں کے لئے بشارت بھی ہے اور ناقدری نہ ہونے کی علت بھی ہے کیونکہ کریم کا اپنے بندہ کی نیکیوں کو جان لینا ہی اچھا بدلہ عطا فرمانے کی علت ہے اس آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ اوصاف مذکورہ سے جو لوگ متصف ہیں وہ صالح بھی ہیں اور متقی بھی۔

مولانا امین احسن اصلاحی ان آیات کی تفسیر میں تدبر قرآن کی جلد اوّل کے صفحات 766-765 پر لکھتے ہیں:

اُمَّة'' قَـــائِمَة 'یعنی وہ گروہ جو اللہ کے عہد و میثاق اور اس کی شریعت پر قائم ہے۔

يَتْلُونَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُم يَسْجُدُونَ یعنی وہ شب کے اوقات میں کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ شب کی نماز تلاوت ان کے عہد الٰہی پر قائم رہنے کا ثبوت ہے اس لیے کہ اس بے ریا نماز و تلاوت کی بے قراری انہی لوگوں کے اندر پیدا ہو سکتی ہے جو اپنی عظیم ذمہ داری کا نہایت گہرا احساس رکھتے ہوں۔ نماز کی تعبیر سجدہ سے ایک تو اس پہلو سے ہے کہ سجدہ نماز کے اہم ترین ارکان میں سے ہے' دوسرے یہ خشیت اور تذلّل کا سب سے بڑا مظہر ہے' تیسرے اس پہلو سے بھی ہے کہ یہود نے سجدہ کو اپنی نماز سے خارج کر دیا تھا۔

یہ اہل کتاب کے اس گروہ قلیل کا ذکر ہے جو اس اکثریت سے مستثنیٰ ہے جس کا حال اوپر والی آیت میں بیان ہوا ہے۔ فرمایا کہ سب اہل کتاب اسی طرح کے نہیں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے بلکہ ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو اپنے عہد پر قائم' شب بیدار و تہجد گزار' اللہ اور

آخرت پر ایمان رکھنے والے' امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ اس گروہ میں وہ لوگ بھی تھے جو علی الاعلان آنحضرت ﷺ پر ایمان لا چکے تھے اور ایسے لوگ بھی جو اگرچہ ان آیات کے نزول کے وقت تک اپنے اسلام کا اعلان نہیں کر سکے تھے لیکن اندر سے وہ بالکل مومن صادق تھے اور بالآخر وہ اسلام لائے۔ ان لوگوں کو قرآن نے صالحین و متقین میں شمار کیا ہے۔ یہ لوگ جو نیکی بھی کریں گے اس کے اجر سے محروم نہیں رہیں گے۔ یہ اسلام میں آ جانے کے بعد اپنی ان نیکیوں کا بھی پورا پورا اجر پائیں گے جو اسلام میں آنے سے پہلے انہوں نے کی ہیں۔ اسی گروہ کا ذکر اس سورہ کے آخر میں فرمایا ہے۔ (صاف ظاہر ہے کہ مولانا اصلاحی نے قبل ازیں جو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اقتدار و اختیار کی صورت میں ہی انجام دیا جا سکتا ہے' نادرست اور محل نظر ہے یہاں وہ خود ان تمام امور کی انجام دہی' بغیر کسی اقتدار و اختیار کے ممکن تسلیم کرتے ہیں' یا اُن کی اپنی تفسیر سے ہی اس امر کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔ مؤلف)

اللہ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے

قرآن حکیم میں جا بجا اس امر پر زور دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزاروں' تقویٰ والوں اور نیکی و پرہیزگاری میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والوں کو پوری ضمانت کے ساتھ پسند کرتا ہے۔ پورے قرآن میں کسی ایک جگہ بھی حکومتِ الٰہیہ کے لازمی قیام سے اسے مشروط نہیں کیا گیا جیسا کہ دورِ حاضر کے بعض ''مفکرینِ اسلام'' اس پر زور دے رہے ہیں (تفصیل آگے آئے گی۔ انشاء اللہ) البتہ حکومت اور خلافت کو اللہ بزرگ و برتر کی عطا قرار دیا گیا ہے اور یہ ایسے لوگوں کو عطا ہوتی ہے جو اللہ کے پسندیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ کن لوگوں کو پسند کرتا ہے اور کن لوگوں سے محبت کرتا ہے' قرآن میں ایسے لوگوں کی اس طرح سے نشاندہی کی گئی ہے۔ (مُشتے نمونہ از خروارے):

o ''بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اچھے کام کرنے والوں (محسنین) سے'' (195:2)۔ o ''اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے نیکوکاروں (محسنین) سے''۔ (148:3)۔ o ''وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور تنگ دستی میں اور ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو اور درگزر کرنے والے ہیں لوگوں سے اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں (محسنین) سے''

o (134:3) "وہ توبہ کرنے والوں یعنی توابین سے محبت کرتا ہے"۔ (222:2) o "وہ پاکیزہ لوگوں سے محبت کرتا ہے"۔ (222:2) o "وہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ (159:3) o "وہ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے"۔ (76:3) o "وہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ (42:5) o "اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے"۔ (74:9) o "اللہ تعالیٰ مطہرین سے محبت کرتا ہے"۔ (108:9) o "وہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا"۔ (115-11) o "اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ (8:60) o "ان مجاہدوں سے محبت کرتا ہے جو صف باندھ کر باطل سے جنگ کرتے ہیں"۔ (4:61)۔

اللہ کن لوگوں سے محبت نہیں کرتا

o "وہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا" (26:2) o "وہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا" (87:5) (190:2) o "اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا"۔ (205:2) o "اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"۔ (258:2,86:3) o "وہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا"۔ (264:2) o "وہ ناشکرے بدکار سے محبت نہیں کرتا" (276:2) o "وہ کافروں سے محبت نہیں کرتا"۔ (32:3) o "وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا" (140,57:3) o "وہ مغرور اور فخر کرنے والے سے محبت نہیں کرتا"۔ (36:4) o "بری بات برملا کہنے کو پسند نہیں کرتا"۔ (148:4) o "وہ بدکار بددیانت سے محبت نہیں کرتا"۔ (107:4) o وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ (140:6) o "وہ مسرفین سے محبت نہیں کرتا"۔ (31:7) o "وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا"۔ (55:7) o "وہ خائنوں سے محبت نہیں کرتا"۔ (58:8) o "وہ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا"۔ (96:9) o "وہ گمراہ کرنے والوں کا حامی نہیں"۔ (51:18) وہ مفسدین کو پسند نہیں کرتا (77:28) o وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا"۔ (45:30) o "اللہ تعالیٰ جھوٹے اور ناشکرے کو ہدایت نہیں دیتا"۔ (3:39) o ہر متکبر سرکش کے دل پر وہ مہر لگا دیتا ہے (34:40) o "اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"۔ (10:46) o "جو حق سے روگردانی کرے اللہ اُس سے بے نیاز ہو جاتا ہے"۔ (24:57) o "وہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔ (24:61)

ظاہر ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ اللہ کا پسندیدہ ہو جائے وہ اپنے اندر وہ خصلتیں

پروان چڑھائے جو اللہ کو پسند ہیں اور اُن باتوں سے پرہیز کرے جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہو سکتی ہیں تاکہ اللہ بزرگ و برتر اُس سے محبت کرنے لگ جائے۔ کامیابی و نجات کا یہی ایک راستہ ہے جس پر چل کر اللہ ایسے بندوں کو اپنی نعمتوں سے بشمول خلافت و حکومت نوازتا ہے۔

جنت کے وارث صرف متقی ہوں گے۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ

حق و سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت اور اُس کے غضب کے مستحق لوگوں کی قرآنی شہادتوں اور وضاحتوں کی درج بالا سرسری سی فہرست کی تشریح و توضیح ایک اور رخ سے قرآن کی انیسویں سورۃ مریم کی درج ذیل آیات میں خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے:

o اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا (آیت سجدہ)o فَخَلَفَ مِنْ م بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّاo

''جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں تو گر پڑتے ہیں وہ سجدے کرتے ہوئے اور زار و قطار روتے ہوئے' پس جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جنہوں نے ضائع کیا نمازوں کو اور پیروی کی خواہشاتِ نفسانی کی' سو وہ دوچار ہوں گے اپنی نافرمانی (کی سزا سے)''۔ **(19 مریم: 58 تا 59)**

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری اپنی تفسیر ضیاء القرآن کی جلد سوم کے صفحات 89 تا 90 پر ان آیات کی تفسیر اس طرح سے کرتے ہیں:

یہ مقبول اور جلیل القدر بندے جن کے مناقب و محامد بیان کیے گئے ہیں یہ اپنی بلندیِ مدارج کے باوجود اللہ تعالیٰ کی بندگی کو ہی اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے۔ جب آیاتِ خداوندی کی تلاوت ہوتی تو ان کے دل پسیج جاتے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آتا اور اظہارِ عبودیت کے لیے وہ بارگاہِ ربّ العزت میں سجدہ ریز ہو جاتے۔ جب ان اولوالعزم ہستیوں کا یہ حال ہے تو دنیا میں اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ یا خدائی میں اس کا شریک بن سکے۔

مسئلہ: (اس آیت کو پڑھنے کے بعد سجدہ کرنا واجب ہے۔ انبیاء کرام کی اتباع میں انسان رونے کی کوشش کرے اور اگر رونا نہ آئے تو رونے والی صورت ہی بنا لے۔ کیا بعید ہے کہ رحمتِ الٰہی کو یہی ادا

پسند آ جائے اور کام بن جائے)۔

آگے چل کر وہ یہ لکھتے ہیں: جب کہ یہ حال ان انبیاء کرام کا تھا جو ہر لحظہ جلالِ خداوندی سے ترساں اور لرزاں رہتے اور آنکھیں اشک افشاں رہتیں لیکن ان کے بعد بعض جانشین ایسے بھی ہوئے جنہوں نے اپنے اسلاف کرام کے طریقہ کو بالکل فراموش کر دیا۔ مستحبات و مندوبات کی پابندی تو کجا نماز وزکوٰۃ جیسے فرائض کو بھی انہوں نے پس پشت ڈال دیا۔ یا تو سرے سے ان کی فرضیت کے ہی قائل نہ رہے یا فرضیت کا انکار تو نہ کیا لیکن انہیں ادا کرنے کی زحمت گوارا نہ کی یا انہیں ادا تو کیا لیکن اُن کے آداب و شرائط کو نظر انداز کر دیا اور ارشادات الٰہی کی بجا آوری کی جگہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں لگ گئے۔ وہ یاد رکھیں انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

اولیاءِ کاملین کی اولاد کو جسٹس الازہریؒ کا مشورہ

جسٹس پیر کرم شاہ آگے چل کر لکھتے ہیں: ''ان لوگوں کو جانے دیجئے جو گزر گئے۔ اور جن کے اعمال کے متعلق ہم سے محاسبہ نہیں ہوگا۔ ذرا اپنے اردگرد نگاہ ڈالیے بڑے بڑے اولیاءِ کاملین کی اولاد دین سے کس قدر دور اور احکام شریعت کی پابندی سے کس طرح آزاد ہے۔ یہ روح فرسا منظر دیکھ کر حساس دل تڑپ اٹھتا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں جن کے آباؤ اجداد کی ساری عمریں اطاعتِ خدا اور اطاعت رسولؐ میں گزریں جن کے دن جلال خداوندی سے کانپتے ہوئے اور جن کی راتیں جمال الٰہی کی دید کے شوق میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے گزرتی تھیں، جن کا ایک قدم بھی جادۂ شریعت سے ہٹا ہوا نہ تھا۔ جن کا علم، جن کا عرفان جن کا اثر و رسوخ اور جن کی دولت محض احیائے دین حنیف کیلئے وقف تھی۔ جن کی کتابِ زندگی کا ہر ورق روحانیت کے انوار سے منور تھا ان کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرنے والے فسق و فجور کی رنگینیوں میں کیوں کھو کر رہ گئے ہیں اطاعت و انقیاد کی راہ چھوڑ کر انہوں نے سرکشی اور نافرمانی کا راستہ کیوں اختیار کر لیا ہے۔ وہ اس آیت طیبہ میں کیوں غور نہیں کرتے۔ ان کی غفلت کیشیوں کے باعث ان کے اسلاف کرام کے حق میں گستاخ زبانیں کھلنے لگی ہیں صرف یہی نہیں بلکہ ان کی بداعمالیوں سے ان عقائد حقہ کو زک پہنچ رہی ہے جو ان کے آباؤ اجداد کے عقاید تھے۔ ان کی عملی بدکاریوں کے شور و شغب میں کوئی ان علمی دلائل پر غور کرنے کے لئے بھی آمادہ نہیں۔ پیہم بے راہ روی سے وہ صرف اپنی لٹیا ہی ڈبو نہیں رہے بلکہ ساری قوم کا بیڑا غرق کر رہے ہیں خدارا اپنی اس غلط روش سے باز آ جاؤ''۔

باب۔9

لفظ صوفی اور تصوّف کی ابتداء کب اور کیونکر ہوئی؟

قبل از اسلام اللہ تعالیٰ کیلئے الگ ہو کر کعبہ کو وطن بنانے والے صوفہ کہلائے ۔۔۔۔۔۔ اور جو کوئی اُن سے مشابہ ہوا اُسے صوفی کہا گیا: علامہ ابن جوزی کی تحقیق

صوفہ سے مشابہ، صوفی کہلائے: علامہ جمال الدین ابوالفرج ''عبدالرحمٰن ابن الجوزی (م597ھ) اپنی تصنیف نقد العلم والعلماء یا تلبیسِ ابلیس میں رقمطراز ہیں کہ ابومحمد عبدالغنی بن سعید الحافظ نے کہا کہ ولید بن القاسم سے پوچھا گیا: ''یہ صوفی کی نسبت کیا ہے''؟ انہوں نے کہا کہ دورِ گذشتہ میں ایک قوم ایسی تھی جن کو صوفہ کہتے تھے، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے واسطے دنیاوی مشاغل سے الگ ہو گئے تھے اور کعبہ میں وطن کر لیا تھا، تو جو کوئی اُن سے مشابہ ہوا وہ صوفیہ ہیں۔۔۔۔۔ ابن السائب الکلبی نے کہا کہ غوث بن مرّ کا نام صوفہ اس لئے ہوا کہ اس کی ماں کی اولاد زینہ زندہ نہیں رہتی تھی، اُس نے نذر مانی کہ اگر اُس کا بیٹا جیتا رہے تو اس کے سر میں صوف باندھے گی

اور اس کو کعبہ کی خدمت کیلئے وقف کردے گی یعنی ہمیشہ کعبہ کے پاس رہ کر خدمت کرتا رہے گا' پھر اُس نے اپنی نذر پوری کی تو اُس لڑکے کا نام صوفہ پڑ گیا اور جو اُس کی اولاد ہوئی وہ بھی صوفہ کہلائی۔۔۔۔۔عقال ابن شبہ نے کہا کہ تمیم بن مرّ کی ماں کو لڑکیاں زیادہ ہوئیں تو اُس نے کہا کہ مجھ پر اللہ کی نذر ہے اگر لڑکا ہوا تو میں اس کو بیت اللہ کی خدمت کے واسطے وقف کردوں گی' تو غوث پیدا ہوا۔۔۔۔۔علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں: پھر صوفہ کے فرائض یہ ٹھہرے: لوگوں کو حج کرانا اور ان کو عرفہ سے منیٰ کی اور منیٰ سے مکہ کی اجازت دینا صوفہ کے ذمہ تھا اور برابر یہ اجازت صوفہ کی اولاد میں رہتی آئی' یہاں تک کہ عدوان نے لی' پھر اُن سے قریش نے یہ فریضہ حاصل کر لیا۔۔۔۔۔علامہ ابن جوزی کی تحقیق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نسبت اسلام و ایمان کی طرف ہوتی چنانچہ ایسی نسبت پر انہیں مسلم یا مومن کہا جاتا پھر زمانہ میں زاہد و عابد وغیرہ نام دیا جانے لگا' پھر کچھ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے زہد و عبادت سے شغف کو بڑھا کر دنیا سے انقطاع کر لیا اور عبادت کے واسطے علیحدہ ہو گئے اور اس میں ایک طریقہ بنا کر منفرد نام و طریقہ سے ممتاز ہوئے اور کچھ اخلاق اپنے لئے مخصوص کر لئے جو ان کے علاوہ دوسروں میں نہ ہوں۔ انہوں نے دیکھا کہ بیت اللہ کے پاس خدمت کے واسطے جو شخص سب سے اول منفرد ہوا تھا اُس کا لقب صوفہ اور نام غوث بن مرّ تھا پس اُس طرف منسوب ہوئے۔ یہ لوگ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف انقطاع میں اس کے ساتھ مشابہ ہوئے تو اپنا نام صوفیہ رکھا۔

صوفہ کا حوالہ اصح' صوف بھی درست ہے

صوفی کی نسبت اہل الصفہ کی طرف وجوہ بالا کے لحاظ سے غلط ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو صفی کہا جاتا۔ تاہم ایک گروہ اس طرف گیا کہ صوفی لیا گیا ہے صوفانہ سے جو ایک خوشنما خودرو ساگ ہے کیونکہ یہ لوگ بھی جنگل کے ساگ پات پر کفایت کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی غلط ہے کیونکہ اگر اس طرف نسبت ہوتی تو انہیں صوفانی کہا جاتا۔ ایک اور جماعت نے کہا کہ صوفی منسوب ہے صوفۃ القفا کی طرف یعنی وہ چند بال جو گدی کے آخر میں جمتے ہیں گویا صوفی اس سے حق کی طرف متوجہ اور خلق سے منہ پھرتے ہیں۔۔۔ ایک اور جماعت نے کہا کہ صوفی منسوب ہے صوف کی طرف اور یہ ممکن ہو سکتا ہے اور قول اول صوفہ کی طرف منسوب ہونا اصح ہے۔

صوفی نام سے عرب بخوبی واقف تھے

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ تاریخ کے استاذ رفیق ندوۃ المصنفین (دہلی) پروفیسر

خلیق احمد نظامی اپنی معرکتہ الآراء تصنیف ''تاریخِ مشائخِ چشت'' میں تصوف کے ماخذ، نشو ونما اور اثرات سے متعلق باب میں اپنی منفرد تحقیق و جستجو کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے بحوالہ'' مصارع العُشاق'' ص 224 (مطبوعہ الجوائب قسطنطنیہ) لکھتے ہیں: ابو محمد جعفر بن احمد حسین السراج القاری نے امیر معاویہؓ کا ایک خط نقل کیا ہے جو انہوں نے ابن ام الحکم گورنر مدینہ کے نام لکھا تھا' اس میں ایک شعر تھا:

قد کنت تشبہ صوفیاً لہٗ کتبٌ ۔ تو مشابہ تھا ایسے صوفی سے جس کے پاس کتابیں ہوں
من الفرائض او آیات فرقان ۔ جن میں فرائض اور آیات قرآن مذکورہ ہوں

پروفیسر خلیق نظامی مزید کہتے ہیں کہ اس روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے (اور اسے صحیح نہ ماننے کا کوئی جواز نہیں' اس لئے کہ یہ روایت سندِ متصل کے طور پر مختلف سے ہشام بن عروہ تک جاتی ہے) تو لفظ صوفی کا استعمال پہلی صدی ہجری (نصف اوّل) میں بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

''صوفی' صوف سے مشتق ہے''

تصوف کے دفاع میں' چوتھی صدی ہجری کے وسط میں لکھی گئی ایک معرکتہ الآراء تحقیقی دستاویزی تصنیف' کتاب اللمع فی التصوف کے مصنف طاؤس الفقراء الشیخ عبداللہ بن علی یحیٰ ابوالنصر سراج (م 378ھ) اصطلاح صوفی کی تحقیق کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں'' کسی نے پوچھا کہ صحابۂ کرام اور اُن کے بعد کے لوگوں میں تو صوفیہ کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ اگر کوئی تذکرہ ہے تو فقط زاہدوں' عابدوں' سیاحوں' فقراء اور صحابہ کرام کا؟ طاؤس الفقراء کہتے ہیں کہ رسول ﷺ کی صحبت پاک سے مشرف ہونے کی جو اپنی حرمت وخصوصیت ہے اُس کے باعث صحابہؓ کو کسی اور نام سے موسوم کرنا کسی طرح بھی مناسب نہ تھا۔ تاہم صحابہؓ اپنے سے فیض یاب ہونے والے زاہدوں' عابدوں' توکل کرنے والوں' فقراء' مجاہدہ نفس کرنے والوں اور صابروں کے امام تھے۔'' آگے چل کر وہ فرماتے ہیں: یہ الزام کہ صوفی بعد کے زمانے کی خود ساختہ اصطلاح ہے جسے بغدادیوں نے گھڑا' قطعی بے بنیاد ہے کیونکہ حضرت حسن بن الحسن البصریؒ (م 110ھ) جنہوں نے بعض صحابہؓ کا دور پایا' کہتے ہیں: میں نے طوافِ کعبہ کے دوران ایک صوفی دیکھا اور اسے کچھ دینا چاہا مگر اُس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ'' میرے پاس چار درہم موجود ہیں جو میرے لئے کافی ہیں''۔ حضرت سفیان بن سعید ثوریؒ (م 161ھ) فرماتے ہیں کہ اگر ہاشم

صوفی نہ ہوتے تو مجھے ریاء کی حقیقت معلوم نہ ہوسکتی''۔

دوسری صدی ہجری میں پہلی صوفی خانقاہ قائم ہوئی

دنیائے تصوف کی مشہور زمانہ کتاب ''نفحات الانس'' کے مصنف مولانا نورالدین عبدالرحمن جامیؒ (817ھ تا 898ھ) اپنی عظیم الشان تصنیف میں طبقہ اول کے شیوخ کا تذکرہ کرتے ہوئے سب سے پہلے شیخ ابو ہاشم صوفی کوفی قدس اللہ سرہٗ (م 150ھ) ہی کا ذکر فرماتے ہیں جو مملکت شام کے مرشد و شیخ تھے اور جن کا مولد وطن کوفہ تھا۔ آپ شیخ سفیان ثوریؒ کے ہمعصر تھے۔ حضرت سفیان ثوریؒ اُن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہر چند کہ آپ سے پہلے ایسے بہت سے بزرگ گزرے ہیں جو زہد و تقویٰ، توکل اور محبت اور معاملات میں باکمال تھے لیکن یہ انفرادیت اور وصف صرف آپ ہی کی ذات کے ساتھ مختص ہے کہ اپنے نام کے ساتھ صوفی کے القاب سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ آپ ہی وہ صوفی بزرگ ہیں جنہوں نے اپنے جیسے صوفیوں کیلئے رملہ (موجودہ فلسطین) میں ذکر و فکر کیلئے سب سے پہلی خانقاہ قائم کی۔ ایک روز شیخ ابو ہاشم صوفی نے دیکھا کہ قاضی شریک (عہد بنو عباس کے مشہور عالم) یحییٰ خالد (برمکی) کے محل سے نکل رہے ہیں، یہ دیکھ کر آپ رو دیئے اور فرمایا: میں اس علم سے جو نفع بخش نہ ہو اللہ سے پناہ مانگتا ہوں''۔ یہ بھی انہی کا قول ہے: ''انسان کا اپنی ذات میں حُسنِ ادب اختیار کرنا، اپنے اہل و عیال کو ادب سکھانا ہے''۔

لفظ صوفی قبل از اسلام بھی مروج تھا

تاریخ مکہ مکرمہ پر مشتمل اخبار مکہ (جس کے مصنف کے بارے میں نکلسن لکھتا ہے: "Possibly the Work of Azraqi"۔۔۔(یعنی ممکن ہے کہ یہ ازراقی کی تصنیف ہو) میں محمد بن اسحاق بن یسار اور دوسرے راویوں سے روایت ہے کہ اسلام سے قبل مکہ پر ایک ایسا دور بھی آیا تھا کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ان حالات میں کسی دور دراز مقام سے ایک صوفی آتا اور طواف کر کے واپس چلا جاتا''۔ مولانا نورالدین عبدالرحمن جامیؒ اپنی تالیف ''نفحات الانس'' میں لکھتے ہیں کہ اگر مذکورہ روایت درست ہے تو ثابت ہوا کہ لفظ صوفی قبل از اسلام بھی مروج تھا اور نیکوکار لوگوں پر اس کا اطلاق ہوتا تھا۔

تابعین کے بعد صلحاء کے احوال کو تصوف کہا گیا

چوتھی صدی ہجری تک پہنچنے میں صوفیہ کی جماعت کے نامور محققین اگرچہ بہت کم رہ گئے اور جو خال خال اللہ والے بزرگ باقی رہ گئے تھے وہ بدعقیدہ معتزلی، رافضی علماءِ ظاہر کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے باعث شدید نوعیت کی آزمائشوں کا شکار تھے تو اُس دور کے ایک مایۂ ناز فقیہہ، علم اصول کے امام، اور صاحب تفسیر الکبیر شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری (م 465ھ) تصوف کے دفاع پر مجبور ہو گئے، انہوں نے 437ھ میں شکایت اہل السنۃ کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا جسے اسلامی ممالک کے جملہ صوفیہ کی طرف روانہ کیا۔ جس میں وہ تصوف کے آغاز پر گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں کے بزرگوں نے اپنے زمانے میں رسول ﷺ کی صحبت کے سوا اسم، علم یا اور کسی نام کو اپنے لئے پسند نہیں کیا۔ اس لئے کہ ان کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی اور فضیلت نہ ہو سکتی تھی، کہ وہ رسول ﷺ سے براہ راست فیضیاب ہیں، چنانچہ انہیں صحابہؓ کہا گیا۔ جب دوسرا زمانہ آیا تو صحابہ کی صحبت میں رہنے والوں کو تابعین کہا گیا، انہوں نے اس نام کو نہایت ہی شرف والا سمجھا۔ پھر ان کے بعد کے لوگوں کو اتباع التابعین کہا گیا۔ اس کے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا اور جدا جدا مراتب پیدا ہو گئے۔ چنانچہ ان خصوصی لوگوں کو جنہیں دینی امور کے ساتھ شغف اور خاص لگاؤ تھا زاہد و عابد کہنے لگے۔ پھر بدعتیں رونما ہوئیں، ہر فرقہ مدعی بن بیٹھا کہ ان میں ''زاہد'' پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اہل سنت میں سے ان بندگانِ خاص اور خواص نے جو اپنے انفاس کو اللہ کیلئے وقف کر چکے تھے اور اپنے دلوں کو غفلت کے طاری ہونے سے محفوظ رکھنے میں کوشاں تھے اپنے لئے ایک الگ نام ''تصوف'' تجویز کر لیا۔

صوف سے نسبت کی وجہ تسمیہ

کتاب اللمع فی التصوف کے مصنف ابوالنصر سراج فرماتے ہیں کہ ''ایک شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ تو نے محدثین کو علم حدیث اور فقہاء کو علم فقہ سے منسوب کیا، مگر صوفیہ کو کسی مخصوص کیفیت، حال، یا علم سے منسوب نہ کیا۔ جب کہ زاہدوں کو زہد، متوکلین کو توکل اور صابرین کو صبر سے منسوب کیا۔ میرا جواب یہ ہے کہ صوفیہ کو کسی ایک صفت یا علم سے منسوب نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ

وہ معدن علم اور طرح طرح کے احوال محمودہ سے متصف ہوتے ہیں' ہمہ وقت منازل ترقی طے کرتے رہتے ہیں' ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتے ہوئے اپنے رب کی قربتوں سے شادکام ہوتے ہیں اور ہر لحظہ اللہ سے بہت قریب ہونے کے مشتاق رہتے ہیں' ایسی حالت میں ان کو کسی ایک مخصوص علم یا حال سے منسوب کرنا ممکن ہی نہیں رہتا' لہٰذا میں نے ان کے ظاہری لباس ہی سے انہیں منسوب کیا (یعنی اون کا لباس پہننے والے!) کیونکہ اُون کا لباس پہننا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء و اصفیاء کا شعار رہا ہے جیسا کہ بیشتر روایات اس کی مؤید ہیں۔۔۔۔۔ یہی لفظ صوفی ہی ان کے تمام علوم' اعمال اور اخلاق حمیدہ کا پتہ دیتا ہے''۔۔۔طاؤس الفقراء آگے چل کر استفسار کرنے والے کو فرماتے ہیں: ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا ذکر کیا تو انہیں ان کے ظاہری لباس کی مناسبت سے حواری کے نام سے پکارا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: واذ قال الحواریون (المائدہ 5؛12-13) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو اس لئے حواریون کے نام سے پکارا گیا کہ وہ سفید لباس پہنتے تھے۔ اللہ نے انہیں ان کے لباس سے منسوب کر کے پکارا' ان کے اعمال' احوال اور علوم و اخلاق سے نہیں۔ طاؤس الفقراء فرماتے ہیں کہ اُن کے نزدیک صوفیہ بھی اپنے ظاہری لباس سے اسی طرح منسوب کر کے پکارے جاتے ہیں جیسا کہ سفید لباس پہننے کے باعث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو حواری کہا گیا اور بلا شبہ صوف پہننا انبیاء و اولیاء کا طریق ہے۔

جُبَّۃِ الصُّوف پہننا حضورؐ کی سنت ہے

مؤلف کتاب ھٰذا عرض پرداز ہے کہ ہمارے آقا و مولا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی براہ راست سنت بھی صوف کا لباس پہننا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے چنانچہ صحیح بخاری **کِتَابُ اللِّبَاسِ** باب نمبر **460** حدیث نمبر **747** میں ہے ''ہم سے ابو نعیم نے بیان کیا' کہا ہم سے زکریا نے' انہوں نے عامر شعبی سے' انہوں نے عروہ بن مغیرہ سے' انہوں نے اپنے والد مغیرہ بن شعبہ سے' انہوں نے کہا: ایک رات میں سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپؐ نے پوچھا تیرے پاس پانی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں ہے۔ آپؐ اپنی اونٹنی پر سے اترے اور ایک طرف چلے یہاں تک کہ رات کے اندھیرے میں میری نظر سے غائب ہو گئے۔ پھر آئے تو میں نے ڈول سے آپؐ پر پانی ڈالا۔ آپؐ نے منہ دھویا' ہاتھ دھوئے' آپ اون کا ایک جبہ (**جُبَّۃُ الصُّوف**)

پہنے ہوئے تھے (اس کی آستینیں تنگ تھیں) آپ اپنی بانہیں ان میں سے نکال نہ سکے۔ آخر کو آپ نے جبہ کے نیچے سے دونوں ہاتھ نکال لئے اور بانہوں کو دھویا' پھر سر پر مسح کیا۔ میں آپ کے موزے اتارنے کو نیچے جھکا۔ آپ نے فرمایا رہنے دے میں نے طہارت کی حالت میں موزے پہنے تھے۔ آپ نے ان پر مسح کرلیا''۔

چوتھی صدی ہجری تک صوفیہ کے مختلف طبقات

چوتھی صدی ہجری کی ایک اور عدیم النظیر تصنیف ''التعرف لمذھب اھل التصوف'' کے مصنف الامام العالم العارف فقیہ الاحناف ابی بکر بن ابی اسحاق محمد ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذیؒ (متوفی 385ھ بمطابق 995ء) نے اپنے دور تک کے اُن تمام القابات کا احاطہ کیا ہے کہ جن سے یہ صلحاء واصفیاء امت پکارے جاتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک گروہ کہتا ہے کہ ان کا نام صوفی اس لئے پڑا کہ ان کے اوصاف ان اہل صفہ کے اوصاف سے ملتے جلتے ہیں جو عہد رسالت مآب ﷺ میں تھے۔ اب جنہوں نے ان کو صفہ اور صوف کی طرف منسوب کیا انہوں نے ان کی ظاہری حالت کو بیان کیا ہے۔ اس طرح کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کو ترک کیا' وطن سے نکلے' دوستوں سے جدا ہوئے اور دنیا میں سیاحت کی' پیٹ کو بھوکا رکھا اور بدن کو ننگا۔۔۔۔ (عموماً صوف کا لباس زیب تن کیا)۔

شگفتیہ: اپنے وطنوں سے نکلنے کی وجہ سے یہ لوگ غریب الوطن کہلائے اور کثرت سفر کی وجہ سے سیاح نام پڑا جنگلوں میں سیاحت کرنے اور بوقت ضرورت غاروں میں پناہ گزیں ہونے کی وجہ سے ان کا نام شگفتیہ رکھا گیا۔ ان کی زبان میں غار اور کھوہ کو شگفت کہتے ہیں۔

جوعیہ: اہل شام ان کو جوعیہ کہتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ صرف اسی قدر کھانا کھاتے ہیں جس سے ضرورت کے مطابق کمر سیدھی رہ سکے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ابن آدم کیلئے وہ چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پشت کو سیدھا کھڑا رکھ سکیں۔

فقیر: سری سقطیؒ (م 257ھ) فرماتے ہیں کہ ان کی خوراک مریضوں کی سی ہوتی ہے اور نیند ان لوگوں کی سی جو ڈوب رہے ہوں اور گفتگو سادہ لوح لوگوں کی سی۔ چونکہ یہ ہر قسم کی چیز کی ملکیت سے علیحدگی اختیار کر چکے ہوتے ہیں اس لئے انہیں فقیر (یا فقراء) کہا گیا''۔ ایک اور قول ہے صوفی وہ ہے جو کسی چیز کا مالک نہ ہو اور اگر مالک ہے تو خرچ کر ڈالے۔

صُفَیّہ: چونکہ شگفتیہ' جوعیہ' فقراء تمام امور میں اہل صُفہ کے اوصاف سے متصف تھے' جوغریب الوطن' فقیر اور مہاجر تھے' حضرت ابوہریرہؓ اور فضالہ بن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ فاقوں کی وجہ سے گرتے پڑتے تھے اور بدوّی انہیں دیوانہ کہتے تھے' ان کا لباس پشم (صوف) کا ہوتا تھا' جب پسینہ آتا تو ان سے ایسی بو آتی جیسی ان بھیڑوں سے آتی ہے جن پر بارش برسی ہو' مزید برآں پشم کا لباس انبیاء کا لباس اور اولیاء کا شعار ہے' ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ستر نبیؑ جو خانہ کعبہ کے ارادے سے پیدل جا رہے تھے پشم کا لباس پہنے روحاء سے صخرہ کے مقام سے گزرے ابوموسیٰؓ ہی فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام پشم کا لباس پہنتے' گدھے پر سواری کرتے اور کمزور لوگوں کی دعوت پر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت حسن بن الحسن البصریؒ (م 110ھ) فرماتے ہیں کہ میری ان ستر صحابہؓ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی اور جن کا لباس صوف (پشم) کا تھا۔۔۔ فقیہ الاحناف امام الکلاباذیؒ فرماتے ہیں کہ: اب چونکہ یہ لوگ (صلحاء واصفیاء) اہل صُفہ کی صفات سے متصف تھے جیسا کہ ذکر ہو چکا اور ان کا لباس اور وضع بھی اہل صُفہ کی سی تھی لہٰذا ان کو صُفیّہ کہا گیا جو کثرت استعمال سے آسانی پیدا کرنے کیلئے صوفیہ بن گیا۔

صَفّیہ: جنہوں نے ان کو صُفہ یا صفِ اوّل کی طرف منسوب کیا ہے انہوں نے ان کے اسرار اور باطن کو بیان کیا ہے' کیونکہ جو شخص دنیا کو ترک کر دیتا ہے اور اُس کی طرف رغبت نہیں کرتا اور اس سے منہ موڑ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو پاک کر دیتے ہیں اور اس کے دل کو منور کر دیتے ہیں۔ چنانچہ انہیں جب صُفہ یا صف اوّل سے نسبت دی گئی تو اس سے اسمِ نسبت صَفّیہ یا صُفّیہ ہوا۔ پھر واؤ کا اضافہ کیا فاء کو مخفف کیا گیا تو صوفی بنا۔ یہ بھی جائز ہے کہ لفظ صوفیہ میں واؤ کو فاء سے پہلے لایا جائے اور اسے زائد کیا جائے جب کہ کثرت استعمال اور زبانوں پر آسانی سے جاری ہونے کے باعث ایسا ہو۔

نوریہ: نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''جب کسی بندے کے دل میں نور داخل ہو جاتا ہے تو اس کا دل فراخ و کشادہ ہو جاتا ہے''عرض کیا گیا: یارسول اللہ علیہ السلام! اس کی کیا علامت ہے؟ فرمایا: اس دھوکے کے گھر سے علیحدگی اختیار کرنا اور ہمیشگی کے گھر کی طرف رجوع کرنا اور موت واقع ہونے سے پہلے اس کیلئے آمادہ رہنا۔۔۔ یہی وصف اہل صُفہ میں پایا جاتا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو خود کو پاک رکھنا چاہتے ہیں''۔ (سورۃ توبہ: 109) مزید فرمایا گیا: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں نہ تو تجارت اور نہ بیع وشراء اللہ کے ذکر سے غافل کر سکتی ہے''۔ (سورۃ

النور:37-24) پھر یہ بات بھی ان میں پائی جاتی ہے کہ ان کے اسرار کی پاکیزگی کی وجہ سے ان کی فراست صحیح ثابت ہوتی ہے۔ ابوامامہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ''مومن کی فراست سے ڈرو (بچا کرو) کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ''میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ خارجہ کی بیٹی کے پیٹ میں لڑکی ہے''۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: عمرؓ کی زبان پر حق جاری ہے''۔ ہرم بن حیان نے اویس قرنیؒ کو سلام کیا تو اویس نے کہا: ''اے ہرم بن حیان تجھ پر بھی سلام ہو'' حالانکہ اویس نے ہرم کو اس سے پہلے دیکھا ہی نہ تھا' پھر فرمایا: ''میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا''۔ ابومحمد عبداللہ بن محمد انطا کی (دوسری صدی ہجری میں صوفیہ کے معاملات پر تصانیف کرنے والوں میں معروف عالم باعمل) فرماتے ہیں کہ ''جب تم اہل صدق کی محفل میں بیٹھو تو صدق کے ساتھ بیٹھو کیونکہ یہ لوگ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں''۔۔۔۔ لہٰذا جن کی یہ صفات ہوں کہ پاک باطن دل طاہر اور سینے نورانی ہوں وہ صف اوّل کے لوگ ہیں (اس لئے ہی صفّیہ یا صوفیہ ہیں) حضورؐ نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار آدمی جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔

صفّویہ: اگر اسے صفا اور صفوت (جس کے معنی ہیں غربت و دوئی اعتباری سے پاک صاف ہو جانا) سے ماخوذ سمجھا جائے تو اسم نسبت صفّویہ ہوگا' پھر تخفیف کر کے صوفیہ بن گیا۔ مطلب یہ کہ ان لوگوں کے اسرار کی صفائی' سینوں کے کھل جانے اور دلوں کے روشن ہو جانے کی وجہ سے ان کے پاس اللہ کی صحیح معرفت ہوتی ہے اور وہ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے اور اس پر توکل کرتے ہوئے اور اس کی قضاء پر راضی رہتے ہوئے اسباب کی طرف رجوع نہیں کرتے چنانچہ یہ تمام اوصاف اور ان کے تمام کے تمام معانی اس گروہ یا قوم (صوفیہ) کے ناموں اور القابات میں جمع ہو گئے ہیں اور ان کے حق میں یہ تمام عبادات درست اور مآخذ قریب ہو گئے ہیں اگرچہ بظاہر مختلف ہیں مگر معانی ایک اور اس اعتبار سے اسم بامسمٰی ہیں۔ (اگر ان تمام ناموں کو باہم دگر مربوط سمجھتے ہوئے اور نیچے دیئے گئے حقیقی لغوی معانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے) ان ناموں کو یکجا کر دیا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ دنیا سے خالی ہونے' اس سے علیحدگی اختیار کرنے' وطن ترک کرنے اور سفر اختیار کرنے' نفس کو حظوظِ نفسانی سے باز رکھنے' پاکیٔ معاملات و پاکیٔ باطن' انشراح صدر اور صف اوّل کی صفات رکھنے کا نام تصوّف ہے۔

صوفیہ: اگر اس لفظ کو صوف سے لیا جائے تو لفظ بھی درست ہوگا اور لغت کے اعتبار سے اس کی تعبیر

وتشریح بھی درست ہوگی جیسا کہ قبل ازیں تفصیلاً بتایا جاچکا ہے کہ صوف کا لباس پہننا دیگر انبیاء علیہم السلام ہی نہیں حضور نبی مکرم ﷺ اور اولیاء واصفیاء کا بھی کا شعار رہا ہے۔

''تصوّف ایک لقب ہے'' امام ابوالقاسم القشیریؒ

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری (376ھ تا 465ھ) فرماتے ہیں کہ تصوّف نام کے مآخذ عربی لغت سے یا اشتقاق وغیرہ کی بحثوں سے یا قیاس آرائیوں سے متعین کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے کیونکہ بدیہی امر یہ ہے کہ یہ ایک لقب ہے تاہم اس میں شبہ نہیں کہ عربی میں جب کوئی صوف کا لباس پہنے تو اس کیلئے تصوّف کا لفظ بولتے ہیں (عربی لغات میں تصوُّف کا مادہ صوف اور لغوی معنی پشمینہ پہننا اور اصطلاحی معنی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا' ہی لکھے ہیں) اسی ترکیب کے مطابق قمیص پہننے کیلئے تقمّص کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس لئے تصوّف کے اشتقاق کی یہ ایک وجہ ہوسکتی ہے۔ اس لغوی بحث میں امام قشیری اس امر سے اتفاق نہیں کرتے کہ صوفی کا لفظ صفہ سے مشتق ہے کیونکہ صفہ کا اسم نسبت صُفّی آتا ہے۔ اسی طرح سے صفا سے بھی مشتق بنانا بعید از قیاس ہے جب کہ صف کا اسم نسبت صفی آتا ہے' صوفی نہیں۔ ان سب قیاس آرائیوں کے برعکس صوفیہ کا نام اس قدر مشہور ہوچکا ہے کہ اس کے تعین کیلئے اب نہ قیاس آرائی کی ضرورت ہے اور نہ ہی اشتقاق کی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہر شخص نے صوفی نام کی تشریح و توضیح (Definition) اپنے خیال اور ذوق کے مطابق کی ہے۔

صوفی کا لفظ عوفی کے وزن پر ہے

صوفی: صوفی کا لفظ عوفی کے وزن پر ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ نے اسے عافیت دی اور اس نے عافیت حاصل کرلی۔ نیز یہ کوفی کے وزن پر ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ نے اسے کفایت دی اور اس نے پالی۔ اللہ فعل صوفی کے نام میں واضح ہے اور فعل تنہا اللہ ہی کی جانب سے ہے۔ کسی نے ابوعلی رودباری (322ھ) سے صوفی کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: صوفی وہ ہے جس نے پاک باطنی سے صوف پہنا' اپنی خواہشات کو جفا کا مزہ چکھایا اور دنیا کو پس پشت ڈالا اور محمد مصطفی ﷺ کی راہ سلوک پر چلا۔ سہل بن عبداللہ تستری (م 283ھ) سے کسی نے پوچھا صوفی کون ہے تو فرمایا جو ہر قسم کی میل کچیل سے پاک ہو' ہمہ تن فکر و ذکر میں

مشغول و منہمک ہو، مخلوق سے قطع تعلق کر کے صرف اللہ کا ہو گیا ہو اور اُس کے نزدیک سونا اور مٹی کا ڈھیلہ یکساں ہو۔

تصوّف اور صوفی نام کیوں رکھے گئے؟

چھٹی صدی ہجری کے وسط میں' تصوّف کی حقیقت' مقامات و احوال اور صوفیہ کے دستور العمل' کو نصوصِ قرآنی' سنّتِ خیر الانام ﷺ اور اخبار و آثارِ صحابہؓ سے استدلال کی بنیاد پر لکھی جانے والی معرکۃ الآراء کتاب ''عوارف المعارف'' ہے جس کے مصنف علاّم سرِ سلسلۂ سہروردیہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ (م 632ھ) ہیں۔ آپ حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ: رسول اکرم ﷺ غلام کی دعوت قبول فرما لیتے تھے' سواری کیلئے گدھا استعمال فرماتے تھے اور صُوف کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ اس وجہ سے بعض لوگوں نے اس لباس کی ظاہری نسبت سے صوفیہ نام رکھ دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ روحاءِ صخرہ (چٹان) سے (70) ستر انبیاء علیہم السلام کو عبا پہنے ہوئے بیت الحرام جانے کے قصد سے گزرے' حضورؐ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صوف اور بالوں کا لباس پہنا کرتے تھے' ان کی غذا درختوں کے پھل تھے اور جہاں شام ہو جاتی وہیں رات بسر کرنے کیلئے رہ جاتے۔

صوفی نام رکھنے کی متعدد وجوہ

حضرت گرامی حضرت سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ اگر باعتبار اشتقاق دیکھا جائے تو یہی لفظ موزوں اور مناسب ہے کہ جب کوئی پشمین (صوف کا لباس پہنتا تو عرب کہتے: ''تصوّف'' یعنی صوف کا لباس پہنا جس طرح کوئی قمیص پہنتا تو کہتے: ''قمص'' اس نے قمیص پہنی۔ چونکہ ان کا حال ''سیر وطیر'' کے مابین رہتا ہے اور ان کے احوال بدلتے رہتے ہیں اور ایک بلندی سے دوسری بلندی پر ان کو عروج ہوتا ہے پس کوئی تعریف ان کو کماحقہٗ مقید نہیں کرتی اور نہ کسی تعریف سے ان کے احوال محیط ہو سکتے ہیں۔ بلکہ مزید حال اور علم کے دروازے ان پر ہمیشہ کشادہ رہتے ہیں۔ ان کا باطن مجمع علوم اور معدنِ حقیقت ہے اسی لئے ان کا کسی حال کے ساتھ مقید ہونا دشوار ہے۔ ان کا وجدان گوناگوں ہے پس ان کو کسی باطنی صفت کے ساتھ موصوف کرنا دشوار تھا۔ لہٰذا ان کو ان کے ظاہر لباس سے منسوب کر کے صوفی کہا گیا۔

- علاوہ ازیں ان کے قربتِ الٰہی کے تذکرے کو عوام الناس کی زبانوں سے محفوظ رکھنے کیلئے بھی محض لباس کی مناسبت سے ان کا نام صوفی رکھ دیا۔ (اگر مقربِ بارگاہ کے نام سے ان کو منسوب کیا جاتا تو ان کے حال کا اخفا نہیں ہوسکتا تھا)۔
- اربابِ زہد و تقویٰ کو صوفی سے منسوب کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صوف و پشمینہ سے ان کو متصف کرنے سے وہ اس امر کا بھی مظہر بن گیا کہ دنیا ان کے پاس بہت کم ہے اور نفسانی خواہشات کی طرف ان کو کوئی رغبت نہیں۔ یہاں تک کہ جو شخص بھی ان سے تعلق قائم کرنے کا شائق ہو وہ بھی پہلے سے اپنے نفس کو تھوڑے پر قناعت کر لینے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور مبتدی کیلئے کسی دوسرے نام کی بلند پروازیوں کی کنہہ کو پہنچنا مشکل ہو جاتا۔
- صوفی نام درحقیقت تو ایک عظیم روحانی دعویٰ ہے جب کہ صوف پہننے کی نسبت سے یہ معنی دعوے سے بہت دور ہیں اور جو چیز دعوے سے دور ہے وہی ان کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔ لہٰذا صوفیہ کا پشمین پہننا ان کی ظاہر حالت کو ظاہر کرتا ہے جب کہ ان کے حال یا مقام کا تعلق ان کے باطن سے ہوتا ہے۔ اس طرح ظاہری کے ساتھ حکم کرنا زیادہ مناسب ہے بلکہ اس نام سے تواضع کا بھی اظہار ہوتا ہے۔
- صوفی نام کی ایک توجیہہ یا وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ چونکہ ان حضرات نے شائستگی شکستگی، تواضع، انکسار، فروتنی اور گمنامی کو اپنا شعار بنا لیا ہے تو وہ ایسے ہی ہو گئے جیسے پھٹے پرانے چیتھڑے جن کو پھینک دیتے ہیں اور کوئی ان کی حیثیت نہیں اور کوئی ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا پس صوفہ (چیتھڑوں) کی نسبت سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔

صوف سے صوفی کی سُنتِ موسویؑ سے سند

درج بالا دلائل و براہین کے دینی پس منظر کی سند کے طور پر جناب شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردیؒ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ شیخ ابوزرعہ طاہر نے اپنے مشائخ کی سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

> ''جس روز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (طور پر) کلام فرمایا تو وہ صوف کا جُبہ، صوف کی شلوار اور صوف کی چادر جس کی آستینیں بھی صوف کی تھیں پہنے ہوئے تھے۔ (الحدیث)

o بعض حضرات کہتے ہیں کے ان نفوس قدسیہ کا نام صوفیہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی علو ہمت اور اس سے دلی تعلق رکھنے اور اس کے سامنے اپنے باطنی اسرار پیش کرنے کے باعث صف اوّل میں ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ اسم دراصل صفوی تھا جو اپنے ثقل کے باعث ادائیگی میں آسانی پیدا کرنے کیلئے صوفی بن گیا۔

o حضرت شیخ المشائخ قدس سرہ' العزیز فرماتے ہیں کہ صُفہ سے صوفی کا مشتق ہونا اگرچہ لغوی اعتبار سے درست نہیں لیکن معنوی لحاظ سے صحیح ہے کہ صوفیہ کا حال اصحاب صُفہ کے حال سے بالکل مشابہہ رہا ہے یہ لوگ بھی اہل صفہ کی طرح باہم مل جل کر رہتے ہیں' آپس میں الفت و محبت رکھتے ہیں۔ جس طرح اصحاب صُفہؓ مسجد نبویؐ کے چبوترے پر رہتے تھے' صوفیہ بھی خانقاہوں اور زاویوں میں رہتے ہیں۔ اصحاب صفہ نہ کھیتی باڑی کرتے' نہ دودھ والے جانور پالتے' نہ تجارت کرتے بلکہ دن بھر لکڑیاں چُنتے' کھجور کی گٹھلیاں توڑتے اور تھکاوٹ کی حالت میں رات کو عبادت کرتے' قرآن مجید پڑھتے سیکھتے اور پھر تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو جاتے۔ رسول کریم ﷺ ان کی دلداری اور غمخواری فرمایا کرتے اور اپنے اصحابؓ کو بھی ان کی غم خواری پر آمادہ فرماتے حضور ﷺ ان کے پاس بیٹھنے اُٹھنے اور کھانے پینے کو ترجیح دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں یہ آیات نازل فرمائیں:

.... ''اور اے پیغمبر! ان لوگوں کو مت نکالئے جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں۔ اور اُس کی رضا کے خواہاں ہیں''۔

.... ''آپ خود ان لوگوں کے ساتھ صبر اختیار کریں جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں''۔

.... ''آپ نے ترشروئی اختیار کی اور منہ بھی پھیر لیا جب آپ کے پاس وہ نابینا آیا!''۔

موخر الذکر آیت کریمہ حضرت ابن اُم مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی جو اصحاب صفہ میں سے تھے۔ چنانچہ حضور ﷺ جب ان سے مصافحہ فرمایا کرتے تھے تو آپ مُصافحہ سے خود ہاتھ نہیں کھینچتے تھے تاوقت کہ وہی جدا نہ کرتے۔

صوفی' مقربین جیسا صاحبِ احوال ہوتا ہے

حضرت اقدس شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ بلادِ اسلامیہ شرقی و غربی میں مقرب کیلئے لفظ صوفی انہی لوگوں کیلئے بولا جاتا ہے (یعنی جس نے صوف کا لباس پہن

لیا وہ صوفی کہلایا) اسی لئے جو لوگ صوف کا رسمی لباس نہیں پہنتے وہ مقربین تو ہیں لیکن صوفی کے نام سے مشہور نہیں ہیں۔ لہٰذا ہم جہاں بھی صوفیہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں' ہماری مراد حضرات مقربین (الٰہی) ہوتے ہیں۔ صوفی بننے کیلئے مقربین کے احوال سے صرف آگہی کافی نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ مقربین جیسا صاحبِ احوال بھی بن جائے تب وہ صوفی کہلانے کا مستحق ہوگا۔ اس کے علاوہ جنہوں نے صوف کا لباس پہن لیا یا کسی بزرگ یا صاحبِ نسبت سے نسبتی تعلق قائم کرلیا وہ حقیقتاً صوفی نہیں بلکہ متشبہ ہیں پس وہ شخص جو صوفیہ سے مشابہ ہے یا اس نے ان سے تشبہ اختیار کیا ہے اگرچہ وہ ان اوصاف کو حاصل کرنے سے قاصر ہے جو صوفیہ میں موجود ہیں تو وہ بھی صوفیہ کے ساتھ ہوگا جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ' حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ' سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسولؐ اللہ! اگر کوئی شخص کسی جماعت سے محبت تو کرتا ہے لیکن ان جیسے عمل نہیں کرتا تو اُس کے ساتھ کیا صورت پیش آئے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابوذرؓ! تم اسی کے ساتھ ہوگے جس کے ساتھ محبت کرتے ہو (الحدیث) اسی طرح متصوف وہ ہے جو صوفی کے درجہ تک پہنچنے کی کوشش میں مصروف ہے اس لئے متشبہ اور متصوف میں مماثلت ہے۔ متشبہ صاحبِ ایمان ہے اور متصوف صاحب علم ہے۔ تاہم متصوف نے ایمان لانے کے بعد مزید علم حاصل کرلیا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ صوفی بساط قرب سے مرکز روح تک پہنچنے میں سبقت حاصل کرگیا اور متصوف وہاں پہنچنے میں کوشاں رہا۔

صوفی کو مقام مفردین واصطفاء حاصل ہے

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے 'چلو بڑھو! کہ مفردین آگے بڑھ گئے ہیں'' صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ مفردین کون ہیں؟ حضورؐ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ مفردین' ذکر الٰہی پر وہ شیفتہ اور فریفتہ لوگ ہیں جن کے بوجھ ان کے ذکر نے اتار دیئے اور قیامت کے دن ہلکے پھلکے اور سبک بار آئیں گے''۔ پس صوفی انہی مفردین کے مقام پر ہیں اور متصوفین مقامِ سائرین میں ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''پھر ہم نے کتاب کا وارث ان بندوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے دوسرے
> بندوں سے چن لیا تھا۔ ان میں سے کچھ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں

اور کچھ میانہ روی اختیار کرنے والے ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے''
(35۔فاطر:32)

(پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ تفسیر ضیاء القرآن میں لکھتے ہیں کہ علی بن طلحہؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے متعلق یہ قول نقل کیا ہے: ہم امت محمد ﷺ یعنی جن لوگوں کو کتاب کا وارث کیا گیا وہ حضور ﷺ کی امت ہے۔ اس امت میں ایک گروہ وہ ہے جس سے غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور فرائض کی ادائیگی میں بھی سستی ہو جاتی ہے اور بعض وہ ہیں درمیانہ رو ہیں جو فرائض کو ادا کرتے ہیں' محرمات کے نزدیک نہیں پھٹکتے۔ لیکن مستحبات میں سستی کرتے ہیں اور بعض مکروہ چیزیں ان سے سرزد ہو جاتی ہیں اور تیسرا گروہ ان پاکبازوں اور وفا شعاروں کا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے تن من دھن کی بازی لگادی ہے' دنیا کی لذتوں سے انہیں کوئی سروکار نہیں' دنیا کے مشاغل یاد حق سے انہیں غافل نہیں کر سکتے۔ ہر نیک کام میں سب سے آگے بڑھنے (اگلی صف میں جانے) کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا سارا وقت' ان کا سارا مال بلکہ ان کا دل و جان بھی رضائے جاناں پر قربان ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی یہی تفسیر پسند کی ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی جو تفسیر نقل کی ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے: کہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ امت محمدیہؐ ہے۔ ان میں جو گنہگار ہیں ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جو درمیانہ رو ہیں ان سے آسان حساب لیا جائے گا۔ جو سابقین ہیں ان کو بغیر حساب جنت میں داخل کر دیا جائے گا)۔

''یہی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل (وکرم) ہے' جو کہ آیت مذکورہ بالا کا آخری ٹکڑا ہے۔

تصوّف اپنے چاروں حروف کے آئینہ میں

چھٹی صدی ہجری کے شیخ الشیوخ طریقت' سرِ حلقہ اصفیاء واجل صوفیہ سیدنا غوث الاعظم الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ تصوف کے حروف (تاء''۔ وصاد''۔ واو''۔ وفاء'') کی حیرت انگیز تشریح و توضیح فرماتے ہیں۔ دورِ حاضر میں بھی اہل علم بعض اوقات وسیع معانی پر مشتمل متعدد الفاظ کے پہلے حروف کو اکٹھا کر کے نئی نئی اصطلاحات کو رواج دیتے ہیں جیسے ہمارے ہاں ایک محکمے کا نام واپڈا اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ وسائل پانی اور بجلی کے نظم و انصرام اور ترقیات سے متعلق

بااختیار ادارہ ہے جسے انگریزی میں Water & Power Development Authority کہا جاتا ہے۔ایسے ہی مخففات پر مشتمل متعدد وسیع المعانی اصطلاحات کی مثالیں دی جا سکتی ہیں اور اہل علم ان سے بخوبی واقف ہیں، چنانچہ حضور غوث الاعظمؒ تعارفی کلمات کے طور پر فرماتے ہیں: صوفیائے کرام کا اہل تصوّف کے نام سے موسوم ہونا ان وجود کی بنا پر نور معرفت اور توحید کے ذریعے اپنے باطن کو جملہ آلائشوں سے پاک صاف کرنے کی بنا پر ہے۔یا اس لئے کہ اصحاب صفہ سے نسبت رکھتے ہیں یا صوف (پشمینہ) پہننے کے اعتبار سے (لہٰذا صوفیانہ طریقِ عمل کے مطابق) مبتدی بکری کا کھردرا صوف، متوسط درجہ کے صوفیہ نسبتاً نرم صوف اور منتہی (کامل صوفیہ) نرم اون کا لباس یعنی صوف مرقع (مرقع کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں پیوند لگے ہوں) پہنتے ہیں۔گویا کہ تصوّف کے چار حروف درحقیقت صوفیہ و سلوک کے چار مدارج ہیں۔

o حضور غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں کہ لفظ تصوف کے پہلے حرف ''ت'' سے مراد توبہ ہے اور وہ دو طرح کی ہے: توبۂ ظاہری اور توبۂ باطنی۔توبۂ ظاہری سے مراد یہ ہے کہ انسان قولاً و فعلاً اپنے تمام اعضاء ظاہری کو گناہوں اور برائیوں سے ہٹا کر اطاعت کی راہ اختیار کرے نیز خلافِ شریعت اعمال سے توبہ کر کے احکام شریعت کی بجا آوری کرے۔جب کہ توبہ باطنی یہ ہے کہ انسان دل کو آلائشوں سے پاک رکھے اور شریعت کے موافق اعمالِ صالحہ کی طرف رجوع کرے پھر جب برائی نیکی سے بدل جائے تو ''ت'' کا مقام مکمل ہو گیا۔

o تصوّف کے دوسرے حرف ''ص'' سے مراد صفائی ہے۔یہ بھی دو طرح کی ہے۔یعنی قلب کی صفائی اور مقام سر کی صفائی۔قلب کی صفائی یہ ہے کہ دل بشری کدورتوں اور آلائشوں سے پاک ہو جائے جو عموماً دلوں کے اندر پائی جاتی ہیں۔مثلاً بکثرت کھانے پینے، سونے اور گفتگو کی خواہشات، دنیاوی رغبتیں مثلاً زیادہ کسب اور بیوی اور اپنے اہل و عیال سے زیادہ محبت وغیرہ۔ان مذکورہ خصائلِ مذمومہ سے دل کو پاک صاف کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ابتداء میں شیخ کامل کی تلقین سے ذکر الٰہی بالجہر اور بالالتزام کیا جائے حتیٰ کہ مقام ذکر خفی ہو جائے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ایمان والے وہی ہیں کہ جب ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جائیں اور عظمت الٰہی کا خوف (خشیۃ اللہ) دل میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب قلب غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائے۔اور دل کا آئینہ صیقل ہونے کے بعد اس قدر شفاف ہو جائے کہ اس میں خیر و شر ایک غیبی صورت میں منقش ہو جائے چنانچہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''عالم نقش و نگار کرتا ہے اور عارف صیقل کرتا ہے''، یعنی عالم خیر و شر کی خوبیاں اور خامیاں واضح کر کے عمل کی تلقین کرتا ہے

اور عارف دلوں کے زنگ اتارتا ہے۔ مقام سر کی صفائی' اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے روگردانی اور اس کی محبت اور اسماءِ توحید کا زبانِ سر سے دائمی ذکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے پس انسان جب اس صفت کا حامل ہو جاتا ہے تو مقام ''ص'' مکمل ہو جاتا ہے۔

○ ''واو'' سے مراد ولایت ہے' یہ ایک مقام و مرتبہ ہے جو تصفیہ (صفائی قلب) کے بعد حاصل ہوتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: خبردار بے شک اللہ کے دوستوں کیلئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔ ان کیلئے دنیا کی زندگی میں آخرت میں خوش خبری ہے۔ ولایت کا ماحصل یہ ہے کہ انسان اپنے اندر اخلاقِ الٰہیہ پیدا کرے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اپنے اندر اخلاقِ اللہ پیدا کرو'۔ اور جامہء بشریّت اتار کر صفاتِ الٰہی کا لباس پہنو۔ حدیثِ قدسی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب میں کسی بندے کو دوست رکھتا ہوں تو میں اُس کے کان' آنکھ' زبان' ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ہی واسطے سے سنتا' دیکھتا' بولتا' پکڑتا اور چلتا ہے''۔ ماسوا اللہ سے اپنے باطن کو پاک صاف کرو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اے حبیب پاک ﷺ فرما دیجئے! حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا پس مقام ''واو'' حاصل ہو گیا۔

○ ''ف'' سے مراد فانی فی اللہ جل جلالہٗ ہے۔ جب صفات بشری فنا ہو جاتی ہیں تو صفاتِ احدیہ باقی رہ جاتی ہیں۔ چونکہ اس ذاتِ پاک کو کوئی نہ زوال ہے اور نہ ہی فنا۔ لہٰذا عبد فانی کو اس غیر فانی ذات کے ساتھ اور اس کی پسندیدگی اور قبولیت سے باقی باللہ کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اور قلب فانی کو سرِ باقی کے ساتھ بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے۔ لہٰذا اس کی ذات اور خوشنودی کیلئے اعمال صالحہ کی کوفت برداشت کرے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا پالیتا ہے تو اس برگزیدہ پسندیدہ بندے کو راضی ہونے والی ذات کے ساتھ بقا حاصل ہو جاتی ہے' اور اعمالِ صالحہ کا ماحصل یہ ہے کہ وہ انسان حقیقی (جو اس کے باطن کے اندر ہے) جسے طفل المعانی کہتے ہیں زندہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے۔ ہر وہ عمل جس میں شرکت غیر اللہ ہو عامل کی ہلاکت کا باعث ہے۔ مکمل فنا کے بعد عالم قرب میں بقاء حاصل ہو جاتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سچ کی مجلس میں قدرت والے بادشاہ کے حضور اس کی بارگاہ کے مقرب ہیں اور یہ مقام عالم لاہوت میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے لئے مخصوص ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اللہ تعالیٰ صادقوں کے ساتھ ہے پس جب حادث قدیم کے ساتھ ملتا ہے تو اُس کا اپنا وجود باقی نہیں رہتا۔ جب فقر مکمل ہو جاتا ہے تو صوفی کو ہمیشہ کیلئے بقاء الحق کا مقام

حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اہل جنت ہمیشہ اس میں رہیں گے'' نیز فرمایا: اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ (ماخوذ از ''سرالاسرار'' تصنیف غوث الاعظمؒ)

خلاصۂ کلام: صوفی اور تصوّف کی ابتداء

لفظ صوفی اور تصوف کی ابتداء کب اور کیونکر ہوئی؟ اس سلسلہ کی تفصیلی بحث گذشتہ ابواب میں ہو چکی ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس بحث کی رو سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ چھٹی صدی ہجری کے ایک محقق علامہ ابن جوزی کی رائے میں صوفہ سے مشابہ لوگ صوفی کہلائے۔ ابن جوزی کے نزدیک یہی حوالہ اصح ہے تاہم صوفیہ کا صوف سے مشتق ہونا بھی درست ہے۔ بیت اللہ کی خدمت میں جو شخص سب سے اول منفرد ہوا اُس کا لقب صوفہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف انقطاع میں اس کے مشابہ لوگ صوفیہ کہلائے۔ مغربی مستشرق نکلسن کی تحقیق کی رو سے لفظ صوفی قبل از اسلام بھی مروج تھا' چنانچہ اخبار مکہ (Possibly the work of Azaraqi) جو ممکن ہے کہ ازراقی کی تصنیف ہو' میں مرقوم ہے کہ اسلام سے قبل ایک صوفی دور دراز سے آیا کرتا اور بیت اللہ کا طواف کر کے واپس چلا جاتا۔ صاحب تاریخ مشائخ چشت پروفیسر خلیق نظامی' بحوالہ ایک تحقیقی دستاویز مصارع العشاق' لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے گورنر مدینہ کو ایک خط میں ایک شعر لکھا تھا جس کا ترجمہ ہے: ''تو مشابہ تھا ایسے صوفی سے جس کے پاس کتابیں ہوں''۔ جن میں فرائض اور آیاتِ قرآن مذکور ہوں۔ گویا کہ صوفی نام سے عرب نہ صرف بخوبی واقف تھے بلکہ قرآنی تعلیمات پر دسترس رکھنے اور فرائض کے پابند ہونے کے باعث پرہیز گار اہل علم کو صوفی کے لقب سے پہلی نصف صدی ہجری میں بھی جانا پہچانا اور پکارا جاتا تھا۔

چوتھی صدی ہجری کے وسط میں تصوف کے دفاع میں سب سے پہلے لکھی گئی کتاب اللمع فی التصوف کے مصنف طاؤس الفقراء ابونصر سراجؒ (م378ھ) کہتے ہیں کہ یہ الزام قطعی بے بنیاد ہے کہ صوفی کی اصطلاح صحابہؓ کے دور کے بعد بغدادیوں نے گھڑی کیونکہ حضرت حسن بصریؒ (م110ھ)' جو مقتدر تابعی' فقیہہ' محدث اور صلحائے امت کے متفقہ امام طریقت ہیں فرماتے ہیں: ''میں نے طوافِ کعبہ کے دوران ایک صوفی دیکھا اور اُسے کچھ دینا چاہا مگر اُس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔ کہ میرے پاس چار درہم موجود ہیں جو میرے لئے کافی ہیں''۔ مطلب یہ کہ متوکل فقراء اولیاء ربانی موسوم بہ صوفی یقیناً موجود تھے' تابعی اور ـــــ تبع تابعی کہلوانا اس وقت تک زیادہ پسندیدہ القاب تھا' گویا کہ یہ اللہ والے پہلی صدی ہجری میں بھی عنقا نہ تھے۔ اسی طرح

حضرت سفیان بن ثوریؒ (م 161ھ) فرماتے ہیں: ''اگر ہاشم صوفی نہ ہوتے تو مجھے ریاء کی حقیقت معلوم نہ ہوسکتی''۔ اس جملے سے یہ مطلب اخذ کرنا کہ اُس وقت صرف ایک ہی صوفی تھا' عقل سے بعید ہے' البتہ یہ ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ کو جو صوفی ملے اُن سے انہیں جو روحانی فرحت و سرمدی دولت منتقل ہوئی اُس کا انہوں نے اعتراف کرتے ہوئے اسے تاریخ تصوف کا حصہ بنادیا۔ صاحب ''نفحات الانس'' مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ' اپنی روح پرور تصنیف میں شیخ ابو ہاشم صوفی (م 150ھ) کا تفصیلی تعارف کراتے ہیں کہ وہ زہد و تقویٰ' توکل اور محبت و معاملات سلوک و معرفت میں باکمال فرد تھے۔

پانچویں صدی ہجری کے ایک اور نامور فقیہہ' علم اصول کے امام اور صاحب تفسیر الکبیر شیخ ابوالقاسم بن ہوازن القشیریؒ (م 465ھ)' جنہوں نے صوفیہ کے خلاف بدعقیدہ معتزلی' رافضی' علماءِ ظاہر کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے رد کیلئے ''شکایتِ اہل السنۃ'' کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب لکھ کر پوری دنیا کے علماء اسلام کو روانہ کی جس میں تصوف کے آغاز و جواز پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں کے بزرگوں نے اپنے زمانے میں رسول ﷺ کی صحبت کے سوا اسم' علم یا کسی اور نام کو اپنے لئے پسند نہیں کیا' اس لئے کہ ان کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی اور فضیلت نہ ہوسکتی تھی' چنانچہ انہیں صحابہ رضی اللہ عنھم کہا گیا۔ اُن سے متصل زمانہ والوں کو تابعین اور تابعین کی صحبت سے فیض یاب ہونے والوں کو تبع تابعین کہا گیا۔ تاہم کچھ لوگ زاہد و عابد بھی سمجھے گئے۔ بعد کے دور میں پھر بدعتیں رونما ہوئیں اور ہر گمراہ فرقہ میں زاہد و عابد کہلانے والے پیدا ہوگئے چنانچہ اہل سنت کے خواص نے' جو اپنے انفاس کو اللہ کیلئے وقف کر چکے تھے' اپنے لئے الگ ایک نام (صوفی اور اپنے اعمال و اشغال کیلئے) ''تصوف'' تجویز کرلیا۔ تاریخ اس حقیقت پر بھی شاہد ہے کہ کچھ شرپسندوں نے' حنابل (فقہ حنبلی کے ماننے والوں) کا روپ دھار کر صوفیائے عظام پر اعتراضات کے دفتر کھول دیئے۔ دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ حقیقی حنابلی بزرگوں کے اپنے اعمال و اشغال اور احوال اگرچہ احناف و شوافع بزرگوں سے ہی مماثل تھے لیکن سرکار و دربار میں مناصب حاصل کرنے والے طاقت کے نشہ میں مست اصحاب نے صوفیہ کا جینا حرام کئے رکھا حتیٰ کہ پانچ سو سے زائد علمائے احناف و شوافع اطراف و اکناف سے ہجرت کر کے کعبۃ اللہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے جس کا تذکرہ ہم کتاب ہذا میں کسی دوسرے مناسب مقام پر کریں گے۔ امام قشیری کا قول ہے کہ کھوٹی چیز بنانے والا' پرکھ رکھنے والے اور کسوٹی کا استعمال کرنے والے جوہری کو کبھی پسند نہیں کرسکتا۔ کیونکہ صراف صاحب بصیرت ہوتا ہے ''کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوسکتے ہیں؟'' (قرآن)۔

درج بالا حقائق و واقعات، تاریخی حوالہ جات اور قرائن و شواہد کے پیشِ نظر کسی بھی غیر متعصب ذہن کیلئے یہ نتیجہ اخذ کرنا اور امر واقعہ کے طور پر تسلیم کرنا مشکل نہیں کہ (۱) لفظ (یا لقب) صوفی قبل از اسلام جزیرہ نمائے عرب میں مستعمل، مروج اور جانا پہچانا تھا۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی طرف انقطاع میں ''اہل صوفہ'' یعنی خادمین کعبہ سے مشابہ لوگ صوفی کہلائے (۳) علامہ ابن جوزی بغدادی الحنبلی، جو احناف و شوافع محقق علماء و صوفیہ کے ٹوٹ کر مخالف تھے اور جنہوں نے تلبیسِ ابلیس کے نام سے کتاب لکھی اُس میں ان صوفیہ کو شدت کے ساتھ موردِ الزام ٹھہرایا۔ تاہم وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ صوفی کو صوفہ سے مشتق مانا جائے لیکن صوف سے اس کا مشتق ہونا بھی درست ہے۔ ابن جوزی کسی تیسری رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ (۴) یہ امر بھی اظہر من الشمس ٹھہرا کہ صوفی کا لقب اہل علم پرہیز گاروں کیلئے بولا جاتا تھا اور تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب میں استعمال ہوتا تھا جیسا کہ حضرت امیر معاویہؓ کے گورنر مدینہ کے نام خط سے ظاہر ہے (۵) یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ پہلی صدی ہجری میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ جیسے تابعین اور دوسری صدی ہجری کے نصف کے صلحاء (حضرت سفیان ثوریؒ جیسے مسلم پرہیزگار لوگ) بھی ہاشم صوفی ؒ جیسے باکمال صوفیہ سے فیضیاب ہوتے رہے۔ (۶) جہاں تک تصوّف کا تعلق ہے، اہل سنت کے خواص اولیاء اللہ نے جن قباحتوں سے خود کو بچانے کیلئے اسے اختیار کیا اور دین اسلام کے شعبۂ رشد و ہدایت کو یہ نام کیوں، اور کب دیا گیا اُس کی تشریح و توضیح بھی تاریخی اور عقلی حوالوں سے مکمل طور پر ہوگئی ہے۔

وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی
کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
کیا کیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی!

ماضی میں کچھ بدعقیدہ معتزلی، رافضی اور علمائے ظاہر نے صوفیہ کے خلاف محاذ آرائی قائم کئے رکھی۔ متعدد عقائد باطلہ کے مؤید فرقوں، جیسے سبائیہ، باطنیہ، مانویہ، ملامتیہ اور کرامیہ نے بھی اپنے بغضِ باطن کے اظہار کیلئے راسخ العقیدہ علماء و صوفیہ کو تختۂ مشق بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ لیکن حیرت تو بعض حنابل علماء کے طرزِ عمل پر ہے کہ جنہوں نے صلحاءِ احناف اور اصفیاءِ شوافع کی مخالفت کو اپنا شعار بنائے رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ لیکن سلف صالحین صوفیہ نے مخالفین کے معاندانہ حملوں کا جواب ہر دور میں عالمانہ شان اور دوراندیشانہ حلم و بردباری سے دیا اور اپنے موقف کی وضاحت میں پمفلٹ، کتابچے، ضخیم کتابیں اور رسائل لکھ کر پورے خلوص و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ تصوف کے موضوع پر جتنی بھی کتابیں لکھی گئیں محض اپنے دفاع (Defensive) میں تھیں نہ کہ جارحانہ (Aggresive) طرز عمل کی حامل، جیسا کہ دور

حاضر کے سائیں فضل شاہ جالندھری ثم لاہوری المعروف بہ ''نوروالے'' فرما گئے: اللہ والے محبت کے تھوک بیوپاری ہوتے ہیں' بغض و کینے کا کھوٹا سکہ لے کر خلوص و محبت کا کھرا مال دیتے ہیں''۔ اقبالؒ کے نزدیک بھی صوفیانہ طرز عمل اسی ردعمل کا متقاضی اور بلند پروازی کا آئینہ دار ہے۔ چنانچہ اُن کے دو شعر ہیں:

میں بندۂ ناداں ہوں مگر شکر ہے تیرا — رکھتا ہوں نہاں خانۂ لاہوت سے پیوند!

اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو — لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند!

خلاف راشدہ کے اختتام' یعنی سن 40 ہجری تک پہنچنے کے ساتھ جب قرآن و سنت سے اسلامی علوم کی تدوین کی ضرورت پیش آئی تو محدثین کو علم حدیث اور فقہاء کو علم فقہ سے منسوب کیا گیا' مگر جبرائیلؑ کے مطابق ''احسان'' اور قرآن حکیم کے مطابق فریضۂ تزکیۂ نفوس پر زور دینے والے صوفیہ کو کسی مخصوص کیفیت' حال یا علم سے منسوب نہیں کیا جا سکتا تھا جیسا کہ زاہدوں کو زہد' متوکلین کو توکل اور صابرین کو صبر سے منسوب کیا جاتا تھا۔ صاحب ''کتاب اللمع'' طاؤس الفقراء ابونصر سراجؒ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صوفیہ چونکہ معدنِ علم اور طرح طرح کے احوال محمودہ سے متصف ہوتے ہیں اور ہمہ وقت عرفان الٰہیہ میں ترقی کی منازل طے کرتے رہتے ہیں اسلئے انہیں کسی مخصوص علم یا حال سے منسوب کرنا ممکن نہیں رہتا لہٰذا اعلامتی طور پر اُنہیں ظاہری لباس ہی سے منسوب کر دیا گیا (یعنی اون کا لباس پہننے والے) کیونکہ اون کا لباس پہننا انبیاء' اولیاء واصفیاء کا شعار رہا ہے۔ **جُبَّةِ الصُّوف** پہننا حضورﷺ کی سنت بھی ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں مسلک صوفیہ کو متعارف کرانے کیلئے لکھی گئی ''کتاب التعرف لمذھب اہل التصوف'' کے مصنف فقیہ الاحناف ابی بکر بن ابی اسحاق البخاری الکلاباذی (م 385ھ) اُن تمام القابات کا احاطہ کرتے ہیں کہ جن سے اُن کے دور تک کے صلحاء واصفیاء کو اُن کے احوال کے پیش نظر پکارا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض کو شکفتیہ' بعض جوعیہ' بعض کو فقراء' بعض کو صُفیہ' کچھ اور کو صَفیہ' کچھ دیگر کو نُوریہ' صفا و صفوت کی خصوصیات پر زور دینے والوں کو صفویہ کے القاب سے بھی پکارا گیا تاہم اکثر کو صوف پہننے کی نسبت سے صوفیہ کہا گیا۔ لیکن امام قشیریؒ کہتے ہیں کہ تصوف نام کے ماخذ عربی لغت سے اشتقاق کی بحثوں سے یا قیاس آرائیوں سے متعین کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ بدیہی امر یہ ہے کہ ایک لقب ہے تاہم اس میں شبہ نہیں کہ عربی لغات میں تصوف کا مادہ صوف ہے اور لغوی معنی پشمینہ پہننا اور اصطلاحی معنی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہی لکھے ہیں۔

پانچویں صدی ہجری میں رشد وھدایت کے مینارۂ نور سیدنا علی بن عثمان ہجویریؒ (م 470ھ) کی حتمی رائے یہ ہے کہ ''صوفی اسمِ علم ہے' اسمائے اعلام سے اس وجہ سے ہے کہ ان (صوفیہ) کی بزرگی' مقام و مرتبہ اور معاملات چھپ سکتے ہیں باوجود اس کے کہ ان کو اشتقاق کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ نے خود اپنی مخلوقات کو اس قصہ (تصوف) اور اہل قصہ (صوفیہ) سے محجوب کیا ہے'' فرماتے ہیں: صوفی ایسا نام ہے کہ اس نام سے بڑے بڑے کامل ولیوں اور محقق اولیاء کو پکارتے ہیں اور پکارتے رہے ہیں۔۔۔ لغت کی رو سے اس نام کا مشتق ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ لفظ صوفی جس سے مشتق کرو گے وہ اس کی جنس ہوگا اور جو کدورت والا ہے وہ صفا کی ضد قرار پائے گا لہٰذا کسی چیز کا اشتقاق اُس کی ضد سے نہیں کر سکتے۔''

بنابریں علماء وائمہ تصوف کا اس امر پر اجماع ہے کہ طبقاتِ صوفیہ کو اُن کے نظریات و احوال اور خصائص ومحاسن سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی لئے صوفیہ پر اُن کے محاسن و خصائص کے مطابق قرآن حکیم میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ و برگزیدہ خاص بندوں کے اسماء کا اطلاق کیا جاتا ہے' جیسا کے کلاباذیؒ نے طبقات صوفیہ کی قرآن حکیم سے پہچان کرانے کیلئے ایک مختصری فہرست اپنی تصنیف ''التعرف'' میں شامل فرمائی۔ مؤلف کتاب ھٰذا' کو اللہ بزرگ و برتر کی توفیق سے صوفیہ کرام کے ان رفیع الشان اسماء کی مکمل تفصیل' ثقہ مفسرین قرآن اور احادیث مبارکہ کے مستند حوالہ جات کی روشنی میں مرتب کر کے پیش کرنے کی توفیق حاصل ہوئی (متعلقہ باب۔18 ملاحظہ ہو) جس سے آنے والے دور میں حیاتِ ابدی کیلئے رجوع الی اللہ کا شوق وذوق رکھنے والے احبابِ تصوف اور فقرِ غیور کی حقیقت جاننے کیلئے تحقیق وجستجو کے شائقین غور وفکر کیلئے استفادہ کر سکیں گے۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

تصوف کی گہرائیوں اور توانائیوں پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کیا خوب لکھا:

یہ حکمتِ ملکوتی یہ علمِ لاہوتی — حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکرِ نیم شبی' یہ مراقبے یہ سرور — تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار — شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل — دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

............O............

باب-10

صوفی کون؟

اور

تصوّف کیا؟

پانچویں صدی ہجری میں رُشد وہدایت کے روشن ومنور آفتاب' عارفِ کامل اور صوفیٔ اکمل سیّدنا ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخشؒ (م 470ھ) اپنی بلند پایہ اور شہرۂ آفاق تصنیف ''کشف المحجوب'' میں صوفی اور تصوّف کے بارے میں لوگوں کے وہ تمام حجابات اُٹھانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں جو اُن کے عہد ولایت تک صوفیۂ عظام کے علوم واحوال کے بارے میں عوام وخواص کی تشویش کا باعث بن چکے تھے کیونکہ سیّد ہجویرؒ کے ارشاد کے مطابق ظاہر بین علماء اور یہودی دانشور' علوم تصوف کو مشاہدۂ باطنی کے بغیر محض جسمانی ریاضت قرار دیتے ہوئے اس کا کلیتاً انکار کرنے لگے تھے۔ سادہ لوح عوام اور سطحی علم رکھنے والوں کیلئے صوفیوں کے احوال واخلاق اور تصوّف کے علوم ومعارف ایک معمہ' چیستان اور ناقابل فہم ہو چکے تھے (عصر حاضر میں بھی کچھ ایسی ہی کیفیات مشاہدہ میں آ رہی ہیں: مؤلف)۔

سیّد ہجویرؒ فرماتے ہیں کہ لفظ صوفی اسم علم ہے' اسمائے اعلام سے اس وجہ سے ہے کہ ان (صوفیہ) کی بزرگی' مقام ومرتبہ اور معاملات چھپ سکتے ہیں باوجود اس کے کہ ان کو اشتقاق کی ضرورت ہے۔

حق تعالیٰ نے خود اپنی مخلوقات کو اس قصہ (تصوّف) اور اہل قصہ (صوفیہ) سے محجوب کیا ہے تاہم سابقون کا ایک گروہ صوفی کو صوفی اس لئے کہتا تھا کہ وہ (اللہ کے محبوب و مقبول بندوں کی) صف اوّل سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی لئے وہ صوفی کے لقب سے موسوم ہوئے۔ ایک اور گروہ کے نزدیک وہ صوفی اسلئے کہلائے کہ صوف کے کپڑے اوڑھتے تھے۔ ایک گروہ اس طرف گیا ہے یا اس کا مسلک ہے کہ ان لوگوں کی بود و باش، سیرت و کردار اور احوال و محاسن کو اصحاب صُفّہ سے مماثلت حاصل ہے اس لئے انہیں صُفی کہا گیا (جو کثرتِ استعمال سے صوفی ہو گیا)۔ ایک اور جماعت اس لفظ کا اشتقاق صفا سے بتاتی ہے لیکن لغت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

لغت کی رو سے اسم صوفی کا مشتق ہونا جائز نہیں

سیّد ہجویر تصوّف کے موضوع پر طویل بحث و تمحیص کے بعد خود ایک نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ صوفی ایسا نام ہے کہ اس نام سے بڑے بڑے کامل ولیوں اور محقق اولیاء کو پکارتے ہیں اور پکارتے رہے ہیں اور مشائخ رحمۃ اللہ علیہم سے ایک شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ "مَن صَفَا الحُبَّ فَهُوَ صَافٍ وَمَنْ صَفَا الحَبِيبَ صُوفِيَ ۔" یعنی وہ شخص جو کہ محبت کے واسطہ سے مصفا ہوتا ہے وہ صافی ہے اور جو شخص دوست کی محبت میں غرق ہو اور غیر دوست سے بری ہو وہ صوفی ہوتا ہے۔ اور لغت کی رو سے اس اسم کا مشتق ہونا جائز نہیں کیونکہ لفظ صوفی جس سے مشتق کرو گے وہ اس کی جنس کا ہوگا کیونکہ اشتقاق جنسیّت باہمی کا خواہاں ہے۔ اور جو کدورت والا ہے وہ صفا کی ضد ہے۔ اور کسی چیز کا اشتقاق اس کی ضد سے نہیں کر سکتے پس یہ معنی اہل تصوّف کے نزدیک آفتاب سے زیادہ روشن ہیں۔ وہ نہ تو عبارت کی حاجت رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی اشارے کے محتاج ہیں۔ اس لئے کہ جب صوفی تمام عبارات سے منع کیا گیا ہے تو اگر تمام جہان کے لوگ اس کے معنی کی تعبیر جانتے ہوئے یا نہ جانتے ہوئے بیان کریں تو اس نام کو معنی کے حاصل کرنے میں کیا حرج اور خطرہ ہوگا۔ پس کامل لوگ ان کو صوفی کہیں گے اور ان کے متعلقین اور طالب علموں کو متصوف اور لفظ تصوف باب تفعل سے ہے اور باب تفعل کا خاصہ تکلف ہے۔ اور یہ اصلی فرع ہوگی اور اس معنی کا فرق لغت اور معنی کے حکم سے ظاہر ہے۔ مطلب یہ کہ صفا ولایت ہے اور اس کے واسطے نشان اور روایت ہے اور تصوّف صفا کیلئے حکایت بغیر شکایت کے ہے۔ پس صفا کے معنی روشن اور ظاہر کے ہیں اور تصوّف اس معنی کی بنا پر حکایت ہے"۔

طبقات صوفیہ اور اُن کے نظریات و احوال و خصائص و محاسن اور ان کی پہچان

علماء و ائمہ تصوّف کا اس امر پر اجماع ہے کہ طبقاتِ صوفیہ کو اُن کے نظریات و احوال اور خصائص و محاسن سے پہچانا جاتا ہے اور یہ امر بھی مسلمات میں سے ہے کہ صوفیہ کرام کے مختلف سلاسل اور گروہ محدثین و مفسرین و فقہاء دین متین سے ہمیشہ سے مکمل اتفاق کرتے چلے آئے ہیں۔ وہ صوفیہ کرام جو علمی لحاظ سے فقہاء و محدثین کے مرتبے کے نہیں ہوئے وہ قوانین و حدودِ شریعت میں انہی کی طرف رجوع کرتے اور انہی کے فتاویٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی تلقین کرتے چلے آئے ہیں۔ تاہم صوفیہ پر ان کے محاسن و خصائص کے مطابق قرآن حکیم میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ و برگزیدہ مخصوص بندوں کے اسماء کا اطلاق کیا جاتا ہے لہٰذا ائمہ دین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں طبقات صوفیہ کا ذکر ذیل کے اسماء کے ساتھ کیا گیا ہے:

الصادقین (سچے)' القانتین (ادب والے فرمانبردار)' الخاشعین (عاجزی کرنے والے)' الموقینین (یقین والے)' المخلصین (فقط اللہ کی بندگی کرنے والے)' المحسنین (نیکی و پرہیز گاری والے)' الخائفین (اللہ کا خوف رکھنے والے)' الراجعین (امید رکھنے والے)' الوجلین (ڈرنے والے)' العابدین (عبادت کرنے والے)' السائحین (روزے رکھنے والے)' الصابرین (صبر کرنے والے)' الرافین (راضی رہنے والے)' المتوکلین (توکل والے)' المنجتین (تواضع والے)' الاولیاء (اللہ کے ولی یعنی دوست)' المتقین (تقویٰ والے)' المصطفین (منتخب و چنیدہ)' المجتبین (چنے ہوئے)' الابرار (نیکوکار)' المقربین (قرب والے)' مشاھدین (کان لگائے ہوئے اور متوجہ)' المطمئنین (اللہ کے ساتھ راضی اور چین پائے ہوئے)' السابقین (سبقت لیجانے والے)' المقتصدین (میانہ رو)' المسارعین الی الخیرات (بھلائیوں میں جلدی کرنے والے)' الفقراء (دنیاوی عیش آرام سے بے نیاز) الذاکرین (اللہ کا دائمی ذکر کرنے والے)' التائبون یا التوابین (پکی توبہ کرنے والے)

ان اسماء میں سے اکثر قرآن حکیم میں بعینہٖ موجود ہیں مگر چند ایک تشریحاً مختلف آیات سے ثابت ہیں جیسے راجین آیت: "اولٰئك یرجون رحمة الله" (البقرة:218) سے اخذ ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: میری امت میں کئی ایسے بکھرے بالوں والے اشخاص موجود ہیں کہ اگر وہ کسی معاملے میں اللہ پر قسم کھا جائیں تو وہ ان کو ان کی قسم میں سچا فرما دے" (سنن ترمذی: کتاب المناقب: باب 65'54)۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک سوال کے جواب میں حضرت

وابصہ سے فرمایا: ''اپنے دل سے پوچھو'' (سنن دارمی: کتاب البیوع باب:2)۔

حضور ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک شخص (کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ ہیں) ایسا ہے کہ جس کی شفاعت پر قبائل ربیعہ ومضر (کی بھیڑوں کی اون) کے برابر افراد جنت میں داخل کئے جائیں گے (سنن نسائی' کتاب القیامہ: باب:12)

حضور نبی مکرمؐ اور قرآنِ حکیم نے امتِ محمدیہؐ کے مختلف جلیل القدر افراد کے اخلاق جمیلہ' آداب' احوال وخصائص ومحاسن کی بدولت اُنہیں مختلف اسماء سے ملقب فرمایا ہے وہ یقیناً ایسے ارفع واعلیٰ اور لاتعداد ہیں کہ کسی ایک نام میں ان میں سے متعدد خصوصیات کو ظاہر نہیں کیا جا سکتا تھا جیسا کہ علوم دینیہ کے دیگر ماہرین علوم کو محدثین یا فقہاء جیسے ناموں سے معنون کیا گیا ہے۔ صوفیہ کے اہم ترین آداب واحوال اور خصائص ومحاسن کے ضمن میں قرآن حکیم کی درج ذیل آیات خصوصیت کے ساتھ اہمیت کی حامل ہیں۔ تاہم دیگر خصائصِ صوفیہ پر ہم الگ باب میں وضاحت کا شرف حاصل کریں:

(۱) ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' سن لو! اللہ ہی کی یاد میں دلوں کا چین ہے۔ (13۔الرعد:28)

(۲) ''لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' ان فقیروں کیلئے جو راہ خدا میں روکے گئے (2۔البقرۃ:273) (متاخرین میں سے ایک شیخ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ نہیں ہوتا کہ اس کا ہاتھ زادِراہ اور اسباب سے خالی ہو لیکن فقیر وہ ہوتا ہے کہ اس کی طبع مراد سے خالی ہو)۔

(۳) ''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ'' یہ وہ لوگ ہیں جنہیں نہ تو تجارت اور نہ بیع وشراء اللہ کے ذکر سے غافل کر سکتی ہے۔ (24۔النور:37)۔

صوفیہ کو کسی ایک صفت یا علم سے منسوب نہ کرنے کی وجہ ائمہ تصوّف نے یہ بیان کی ہے کہ وہ معدن علم اور طرح طرح کے احوال محمودہ سے متصف ہوتے ہیں' ہمہ وقت منازل ترقی طے کرتے رہتے ہیں' ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتے ہوئے اپنے رب کی قربتوں سے شادکام ہوتے ہیں اور ہر لحظہ اللہ سے بہت قریب ہونے کے مشتاق رہتے ہیں۔ اس لئے ایسی حالت میں ان کو کسی ایک مخصوص علم یا حال سے منسوب کرنا ممکن ہی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ محقق ائمہ تصوف نے اوّل روز سے لغوی بحث وتمحیص سے گریز کرتے ہوئے ''صوفی'' کے اصطلاحی

مفہوم و مدعا و معانی کو ان نفوسِ قدسیہ کی پہچان قرار دیا۔ چنانچہ قرونِ اولیٰ سے لے کر قرونِ وسطیٰ اور متاخرین میں کے صلحائے امت نے جہاں بھی تصوّف اور صوفیہ عظام کا ذکر کیا انہیں درج ذیل اوصاف محمودہ کا خزینہ اور حسنات وطیبات سے مزین و مرصع قرار دیا اور تصوف کی تعریف اور حقیقتِ تصوف کچھ اس طرح سے بیان کی:

تصوّف کی تعریف اور حقیقتِ تصوّف

- تصوّف کی حقیقت کے بارے میں جناب محمد علی بن القصابؒ جو حضرت جنیدؒ کے استاد تھےؒ نے فرمایا: تصوّف، رسول ﷺ کے ان اعمال کا نام ہے جو انہوں نے ایک مبارک عہد میں شرفاء و صلحاء کے ایک گروہ کے سامنے انجام دیئے انہی شیخ کا ایک قول یہ بھی ہے: تصوّف اخلاق کریمہ ہیں جو بہتر زمانہ میں بہتر شخص سے بہتر قوم کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔
- جنید بغدادیؒ نے تصوّف کی تعریف یوں بیان کی: ''یہی تصوّف ہے کہ تیرے اور تیرے ربّ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہے''۔
- جناب رویم بن احمدؒ نے ماہیتِ تصوّف پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے: ''اپنے نفس کو اللہ کی مرضی کے مطابق رکھنا ہی تصوّف ہے''۔
- حضرت سمنونؒ تصوّف کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: نہ تو کسی دنیاوی چیز کا مالک ہے اور نہ کوئی شے تیری مالک بنے، یہی تصوّف ہے۔
- ابو محمد جریریؒ نے کہا: ہر بُری اور خسیس عادت کو چھوڑ کر پاکیزہ عادات اپنا لینا تصوّف ہے۔
- عمرو بن عثمان مکیؒ کے نزدیک تصوّف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت عمل صالح اختیار کرنے کا خواہاں رہے۔
- جناب علی بن عبدالرحیم قناد کے نزدیک حقیقت تصوّف یہ ہے کہ آدمی اپنے مقام و مرتبہ کو محبتِ الٰہی کے جذبے میں گم کر کے فنا سے کنارہ کش ہو کر دوام سے واصل ہو جائے۔
- ابوالحسین نوریؒ سے سوال کیا گیا کہ تصوّف کیا ہے؟ فرمایا: تمام حظوظ نفس کا ترک کر دینا۔
- حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا: مخلوق کی موافقت کرنے سے دل کو پاک رکھنا، طبعی اخلاق سے علیحدگی اختیار کرنا، بشری صفات کو بجھا دینا، نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا، روحانی نفوس سے میل جول رکھنا، علوم حقیقی سے تعلق رکھنا اور ہر لحظہ ایسے امور انجام دینا جو اولیٰ اور افضل ہوں، تمام امتِ محمدیہؐ کی خیر خواہی کرنا، حقیقی طور پر اللہ سے وفا کرنا اور رسول اللہ کی

شریعت کی تابعداری کرنا' تصوف ہے۔

- ابن جلالی دمشقیؒ ارشاد فرماتے ہیں: تصوف حقیقت ہے' رسم نہیں اس لئے کہ رسم مخلوق کے نصیب میں ہے تمام معاملات ـــ میں ـــ حقیقت اللہ عزوجل کا خاصہ ہے اور جب تصوف مخلوقات سے اعراض کرنے کا نام ہے تو لامحالہ اس کے لئے رسم نہ ہوگی۔
- ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں: تصوف دل کی طرف نظر نہ کرنے کا نام ہے۔۔۔ اور جب توحید کے ثابت کرنے کیلئے غیر کا دیکھنا شرک ہوا تو دل میں غیر کی کوئی قدر و قیمت نہ رہی۔
- جناب حضریؒ فرماتے ہیں: تصوف' دل اور سر کو مخالفت کی کدورت سے پاک وصاف رکھنے کا نام ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سر کو حق کی مخالفت سے آگاہ رکھے اس لئے کہ دوستی موافقت ہوتی ہے اور مخالفت کی ضد موافقت ہوتی ہے اور دوست کو تمام جہان میں سوا دوست کے فرمان کی حفاظت کے کچھ نہ چاہے۔
- علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں: تصوف نیک خوئی کا نام ہے' جو شخص نیک خوئی میں بڑھ کر ہوگا وہ تصوف میں بھی بڑھا ہوا ہوگا۔ خوئے نیک دو طرح پر ہے۔ ایک حق جل وعلا کے ساتھ اور دوسرے' مخلوق کے ساتھ۔ حق کے ساتھ نیک خوئی کے یہ معنی ہیں کہ اس کی قضا کے ساتھ راضی رہے اور مخلوق کے ساتھ نیک خوئی کے یہ معنی ہیں کہ ان کی صحبت کا بوجھ خدا کیلئے اُٹھائے۔ یہ دونوں وجہیں طالب کی طرف رجوع کرتی ہیں اور طالب کے غضب اور رضا کے مقابلہ میں حق تعالیٰ کے لئے محض استغنا کی صفت پائی جاتی ہے اور دونوں صفتیں اس کی وحدانیت کے نظارہ میں مقید ہیں۔
- جنید بغدادیؒ ارشاد فرماتے ہیں: تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتیں ہیں جو آٹھ پیغمبروں کی پیروی کا نتیجہ ہیں:

آٹھ خصلتیں۔۔۔ آٹھ پیغمبروںؑ کی پیروی

- سخاوت میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے مصداق' جو ایسے تھے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں فدا کیا۔
- رضا میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی مانند کہ انہوں نے خدا کی رضا میں اپنی جان کی قربانی سے دریغ نہ کیا۔
- صبر میں حضرت ایوب علیہ السّلام کی اقتداء کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی غیرت اور کیڑے پڑ جانے پر صبر کیا۔
- اشارات میں زکریا علیہ السلام سے رہنمائی' جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا "اَلَّا

تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا'' (3۔آلِ عمران:41) یعنی نہ کلام کرتو لوگوں سے تین دن مگر اشارے سے اور اس صورت میں بھی فرمایا گیا: ''اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا'' (19۔مریم:3) یعنی اس نے اپنے ربّ سے چپکے چپکے دعا کی تھی۔

- غربت میں یحییٰ علیہ السّلام کی مانند جو اپنے وطن میں اپنے خویشوں سے بیگانہ رہے۔
- صوف پوشی میں موسیٰ علیہ السّلام کی طرح جو اُون کے کپڑے پہنتے تھے۔
- سیر کرنے میں عیسیٰ علیہ السّلام کی اقتداء کہ وہ اپنی سیر و سیاحت میں ایسے تنہائی پسند تھے کہ بجز کنگھی اور پیالے کے کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھتے تھے اور جب کسی کو آپ نے اپنے ہاتھ سے پانی پیتے دیکھا تو پیالہ بھی پھینک دیا اور جب کسی شخص کو آپ نے دیکھا کہ وہ انگلیوں سے اپنے بالوں کا خلال کر رہا ہے تو آپ نے کنگھی بھی ترک کر دی اور۔
- فقر میں محمد ﷺ کی نسبتِ مبارکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں حضور علیہ السّلام کے پاس تھیں لیکن پھر فرمایا ''الفقرو فخری''۔

صوفیہ کے دلنشین ارشادات

- حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ فرمایا کرتے تھے کہ تصوّف راہِ صدق و اخلاق حسنہ کا نام ہے۔
- حضرت شیخ مرتعشؒ کا قول ہے: تصوّف نیک خلق کا نام ہے۔
- حضرت جنیدؒ نے فرمایا: ہم نے علم تصوّف قیل و قال کے ذریعے حاصل نہیں کیا ہے بلکہ بھوک، ترک دنیا اور ترک مالوفات (وہ چیزیں جو انسان کو محبوب ہوں) یہی قول حضرت خفیفؒ کا ہے کہ مراد کی ارادت یہ ہے کہ وہ طلب میں عروج کرتا ہے اور ارادت کی حقیت یہ ہے کہ جدوجہد میں مداومت کی جائے اور راحت کو ترک کر دیا جائے۔
- حضرت رویمؒ کا قول ہے: تصوّف تین خصلتوں پر مبنی ہے اوّل تمسک بالفقر (فقر و محتاجگی اختیار کرنا) بذل و ایثار اختیار کرنا، سوم تعرض اور اختیار ترک کر دینا۔ (یعنی مشغولیت و اختیار کو چھوڑ دینا۔
- حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں: تصوّف نام ہے حقائق کے حصول اور خلائق کے مآل و متاع سے نا امیدی کا (مال و متاعِ خلق سے کچھ امید نہ رکھنا) اور جو شخص صاحب فقر نہیں ہے صاحب تصوّف نہیں ہے۔

o حضرت نافع ؒ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر شے کی ایک کنجی ہے اور جنت کی کنجی مساکین اور صبر کرنے والوں سے محبت کرنا ہے اور یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ہیں'' حضرت شہاب الدین سہروردیؒ اس قاعدہ کلیہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ پس یہی فقر و تصوّف کی ماہیت میں موجود ہے۔ اور یہی اس کی اساس اور اس کا قوام ہے (اسی پر تصوّف قائم ہے اور یہی اس کی بنیاد ہے)۔

o حضرت ابو حفص ؒ فرماتے ہیں: تصوّف کلیتًا آداب ہیں کہ ہر وقت ایک ادب ہے اور ہر حال کیلئے ایک ادب ہے اور ہر مقام کا ایک ادب ہے اور جس شخص نے آداب اوقات کو اپنے ذمے لے لیا تو وہ مردوں کے مرتبے کو پہنچ گیا اور جس نے ان آداب کو ضائع کر دیا تو وہ اس راہ سے بعید ہے کہ قرب کا گمان رکھے اور قبول کے درجہ سے مردود ہے (اسے قبول کی امید نہ رکھنی چاہیے)''۔ انہوں نے فرمایا: ظاہری حُسن ادب باطنی وحسنِ ادب کا عنوان ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یعنی اگر انسان کا دل خاشع (خشیت و خشوع کرنے والا) ہے تو اس کے جوارح اور اعضاء بھی خشوع کرنے والے ہوں گے۔

o شیخ ابو محمد جریریؒ نے فرمایا: ہر اعلیٰ خلق میں داخل ہو جانا اور ہر خلق رزیلہ سے نکل آنا تصوّف ہے۔

o حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں: تصوّف یہ ہے کہ وہ تجھ کو تجھ ہی سے مارے اور اسی سے تجھے زندہ کرے۔ (یعنی تیری زندگی اور موت میں تجھے کوئی اختیار نہ ہو)۔

o اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۝ (5۔المائدہ:8) (تم اللہ کیلئے قائم اور سیدھے گواہ عدل کے ساتھ ہو) یہی قوامیت نفس اللہ کیلئے' بالتحقیق تصوّف ہے' بعض ارباب تصوّف کا ارشاد ہے کہ تصوّف سراپا اضطراب ہے۔ اور وقوع سکون تصوّف نہیں ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ روح بارگاہِ الٰہی کی طرف کھینچی گئی ہے' مقصد اس کا یہ ہے کہ صوفی کی روح مقاماتِ قرب کی طرف انجذاب کی گھات میں ہر وقت لگی رہتی ہے حالانکہ نفس اپنی حالت وضعیہ میں (جس طرح کہ وہ بنایا اور وضع کیا گیا ہے) اپنے عالم کی طرف بیٹھ جانے والا ہے (جہاں سکون ہی سکون ہے) لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انقلاب (الٹنا پلٹنا) بھی لگا ہوا ہے' رسوب (تلچھٹ) کو ہمیشہ الٹا پلٹا بھی جاتا ہے۔ پس صوفی کیلئے حرکت دوام ضروری ہے۔ لیکن اس طرح کہ اس کے ساتھ ساتھ افتقاء (فقر و محتاجی) اور دوامی فراز کی صفات بھی موجود ہوں اور اس کے ساتھ اصابت نفس کے مواقع پر بھی اس کی نظر ہو (جانتا ہو کہ نفس کب

اور کہاں صواب اندیشی سے کام لے رہا ہے' ایسے مواقع پر فراز نافع نہیں ہوگا بلکہ قرار کی ضرورت ہوگی۔ بشرطیکہ صوفی ان مواقع کی چھان بین کرتا رہے) اب جو کوئی ہماری ان باتوں سے آگاہ ہو گیا وہ تصوّف کے معنی میں ان تمام متفرقات کو پائے گا جو اشارات میں بیان کئے گئے ہیں یعنی تصوّف کی تعریف میں جو متفرق اشارات کئے گئے ہیں وہ سب یہاں یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ (عوارف المعارف مصنفہ الشیخ شہاب الدین سہروردیؒ)

صوفی کا دوسرا نام مقرب ہے

o یوسف بن حسینؒ فرماتے ہیں: ہر امت میں برگزیدہ لوگ ہوتے ہیں اور یہ لوگ اللہ کی امانت ہوتے ہیں' جنہیں اللہ نے مخلوق سے پوشیدہ رکھا ہوتا ہے' اگر اس امت (محمدیہؐ) میں کوئی ایسا ہے تو وہ صوفی ہیں۔

o کسی نے سہل بن تستریؒ سے دریافت کیا کہ میں کن لوگوں کی صحبت اختیار کروں تو فرمایا: صوفیہ کی صحبت اختیار کرو کیونکہ وہ تمہاری کسی بات کو ناپسند نہ کریں گے اور تمہاری ہر بات کی کوئی نہ کوئی تاویل نکال لیں گے۔ لہٰذا وہ تمہیں ہر حالت میں معذور سمجھیں گے۔

o یوسف بن حسین فرماتے ہیں: میں نے ذوالنون مصریؒ سے پوچھا کہ میں کن لوگوں کی صحبت اختیار کروں تو فرمایا: جو اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک نہ سمجھے اور تمہاری کسی بات کو ناپسند نہ کرے اور تمہارے متغیر ہونے سے متغیر نہ ہو' خواہ کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو کیونکہ جتنا زیادہ تو متغیر ہوگا اتنا ہی زیادہ تو اُس کا محتاج ہوگا۔

o ذوالنونؒ فرماتے ہیں: میں نے ساحل شام پر ایک عورت دیکھی تو میں نے پوچھا کہاں سے آ رہی ہو؟ خدا تم پر رحم کرے' جواب دیا: ان لوگوں کے پاس سے آئی ہوں جن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔۔۔ میں نے کہا' کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب دیا: ایسے لوگوں کا جنہیں نہ تجارت اللہ کے ذکر سے غافل کر سکتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔

o صاحب کشف المحجوب' ذوالنون مصریؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''صوفی جس وقت بولتا ہے تو اُس کی گویائی حقیقتوں کو ظاہر کرتی ہے''۔ اور فرماتے ہیں کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں بیان کرتا جو خود اس میں نہ ہو اور جب خاموش ہوتا ہے تو یہ خامشی اسی کے حال کی تعبیر ہوتی ہے۔

o ابوالحسن نوریؒ ارشاد فرماتے ہیں: صوفی وہ لوگ ہیں کہ جن کی جانیں بشریت کی تیرگی سے آزاد ہوئیں اور نفسانی آفتوں سے پاک و صاف ہو کر اور خواہشاتِ نفسانی سے نجات حاصل

کر کے پہلی صف اور درجہ اعلیٰ میں حق جل وعلا کے دیدار سے فیض وتسکین یاب ہوئیں اور غیر خدا سے دور ہوگئیں۔ یہ ارشاد بھی آپ ہی کا ہے: تصوّف رسوم وعلوم کا نام نہیں ہے بلکہ اخلاق کا نام ہے۔

o شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں: ''دراصل صوفی کا دوسرا نام مقرب ہے۔۔۔ مشائخِ صوفیہ وہ حضرات ہیں جن کے اسمائے گرامی طبقات صوفیہ یا اور دوسری اس قسم کی کتابوں میں موجود ہیں کہ جو مقربینِ بارگاہِ ایزدی کی روش پر گامزن تھے پس ان کے علوم مقربین کے علومِ احوال ہیں منجملہ ابرار جو کوئی بھی مقربین کے مقامِ بلند سے آگاہ ہوا' اُس کو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بھی مقرب یا صوفی بن گیا۔۔۔ صوفی بننے کیلئے شرط یہ ہے کہ مقربین جیسا صاحبِ احوال بھی بن جائے۔۔۔ اس کے علاوہ جو لوگ خود کو صوفی کہتے ہیں وہ متشبہ ہیں۔

o شیخ عبدالواحدؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک صوفی وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل کے بقدرِ فہم سنت رسول ﷺ پر قائم ہیں۔ اور اپنے دلوں کے ساتھ ساتھ اُس کی طرف متوجہ ہیں اور اپنے نفوس کی شرارتوں سے بچنے کیلئے اپنے پیشوا اور سردار کا دامن پکڑے ہوئے ہیں' میری نظر میں یہ لوگ صوفی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی صوفی کی پوری پوری اور جامع تعریف ہے کہ رسول ﷺ یعنی اپنے آقا و مولاً کے ساتھ ہمیشہ فقر کا تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی مجھے طرفۃ العین (یعنی پلک جھپکنے کی مدت تک) کیلئے بھی نفس کے حوالے مت کر اور میری نگہبانی اس طرح فرما جیسے بچے کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ (عوارف المعارف)

o الشیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں: پس سوائے صوفی کے اور کون ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنتوں میں سے اس سنت کا احیاء کرے کہ وہی عالم باللہ اور زاہد فی الدنیا ہے' تقویٰ کو مضبوط ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہے۔ اور صوفی کے سوا اور کون ہے جو اس حالت کے فائدے سے آگاہ ہو کہ وہی ہمیشہ نیازمندی کو اپنے پروردگار کی جناب میں تمسک اور دستاویز بنائے ہوئے ہے اور اسی کے ساتھ وہ پناہ طلب کرتا ہے اور پناہ طلبی اور رضا جوئی میں روح کے استغراق اور دل کی متابعت کے ساتھ محل دعا (جناب باری) میں ہے۔ ہر وقت استغراق اور پناہ طلبی میں مصروف ہے اور اس طرح' اس تدبیر کے ساتھ' جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ کینہ ونفاق وحسد اور تمام اخلاق رزیلہ کے گزند سے محفوظ اور مامون ہے۔۔۔ تو یہ حال ہے صوفی کا۔

برگزیدگی اور ہدایت ـــــــ دو اوصاف

o صوفیہ کے دو اوصاف یعنی اجتبا (برگزیدگی) اور ہدایت کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح سے کیا گیا ہے: یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ (42۔الشوریٰ:13) (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف برگزیدہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع لائے اس کو راہ راست دکھلاتا ہے)۔ طبقاتِ صوفیہ سے ایک گروہ اجتباء (برگزیدگی) کے ساتھ مخصوص ہے اور ایک اور گروہ ہدایت کے ساتھ مختص ہوا بشرطیکہ انابت کی شرط بجالائے اور رجوع کرے۔ (عوارف المعارف)۔

o ابوزرعہ طاہر بن ابوالفضلؒ کہتے ہیں کہ ابوموسیٰ دقاق ؒ نے روایت کی کہ میں نے ابوسعید خرازؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ اہل خالصہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا اور اُن پر اپنی نعمتیں تمام کردیں اور ان کے لئے کرامت مہیا فرمائی۔

o شیخ ابوعثمانؒ فرماتے ہیں کہ مرید وہ ہے جس کا دل اللہ کے سوا ہر چیز سے مر گیا ہو۔

o حضرت بایزید بسطامیؒ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ چلو اُس شخص کو دیکھیں جو خود کو ولی مشہور کئے ہوئے ہے اور گردونواح میں زاہد و عابد مشہور ہے' چنانچہ جب اُس کے قریب پہنچے تو ولی اپنے گھر سے مسجد کی طرف جانے کیلئے نکلا اور اُس نے قبلہ کی طرف تھوکا۔ یہ دیکھ کر حضرت بایزیدؒ نے کہا اُلٹے پاؤں پھر چلو کہ جو شخص سنت کا بھی معتمد و امین نہیں ہے تو پھر یہ مقامات اولیاء اور صدیقین کے دعووں کا امین کس طرح ہوسکتا ہے۔

o حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا وفات کا وقت قریب تھا' زبان لڑکھڑا رہی تھی اور پیشانی پسینہ سے شرابور تھی تو انہوں نے اپنے خادم کو اشارہ سے وضو کرانے کیلئے کہا۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی لیکن داڑھی میں خلال کرنا بھول گیا۔ جناب شبلیؒ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر خلال کیلئے داڑھی میں ڈال لیا (اللہ اللہ یہ ہے صوفیائے عظام کا پاس سنتِ خیر الانام ﷺ)۔

o حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: صوفی وہ ہے کہ نہ طلب اس کو تھکائے اور نہ سلب اُس کو جگہ سے ہلائے۔ (طلبِ دنیا میں مارا مارا نہ پھرے اور حالت فقر میں بے چین اور مضطرب نہ ہو)۔ صوفیہ نے اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء پر مؤثر جانا اور اُس کو برگزیدہ و مؤثر رکھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو تمام اشیاء سے برگزیدہ فرما دیا۔ اور ان کے آثار سے ایک بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفوس کے علم پر علم الٰہی کو اور اپنے نفوس کے ارادے پر ارادۂ الٰہی کو پسند کیا ہے۔

o بعض مشائخ نے کہا کہ صوفی وہ ہے کہ جب صوفی کے سامنے دو اچھے حال پیش کیے جائیں یا دو اچھے اخلاق میں اس کو اختیار دیا جائے تو وہ احسن کو پسند کرے لیکن فقیر اور زاہد یہ دونوں پوری پوری تمیز دونوں اخلاق میں نہیں کرتے ۔۔۔ تاہم صوفی نہ صرف اپنے صدق و انابت اور حظ قرب کے باعث احسن و اشرف کا فیصلہ خود کرتا ہے بلکہ اس کے انکشاف کا منجانب اللہ خواستگار ہے اور احسن خلق کیلئے اور مشورہ انتخاب کیلئے اشارہ کا منتظر رہتا ہے۔(عوارف المعارف)۔

o حضرت سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں: صوفی وہ ہے جو کدورت سے صاف، فکر سے خالی اور اللہ کے لئے انسانوں سے منقطع ہے اور جس کی نظر میں سونا اور مٹی برابر ہے۔ بعض ارباب تصوف فرماتے ہیں کہ مخلوق کی موافقت سے دل کو صاف کرنا، اخلاقِ طبعی سے الگ ہونا، صفات بشری سے سرد ہو جانا، نفسانی خواہشات سے الگ تھلگ ہو جانا، صفات روحانیہ کی منزل بننا، علوم حقیقت سے تعلق پیدا کرنا اور شریعت میں حضرت رسولِ مقبول ﷺ کی کامل اتباع کرنے والوں کو صوفیہ کہتے ہیں۔

o حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں: صوفی زمین کے مانند ہے جسے نیک و بد ہر ایک روز روندتا ہے اور وہ ابر کے مانند ہے کہ ہر ایک پر سایہ فگن ہوتا ہے اور بارش کی طرح ہر ایک کو سیراب کرتا ہے۔

o شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی صوفی کی جامع تعریف و پہچان بیان کرتے ہوئے عوارف المعارف میں رقمطراز ہیں: صوفی وہ ہے جو اپنے اوقات کو ہمیشہ کدورت سے پاک رکھتا ہے اس لئے کہ وہ اپنے قلب اور نفس کی گندگی سے ہمیشہ صاف رہتا ہے اور اس تصفیہ کو مدد اس امر سے پہنچتی ہے کہ وہ ہمیشہ مولیٰ تعالیٰ کا محتاج رہتا ہے اور اس ہمیشہ کے فقر و احتیاج کے باعث وہ کدورتوں سے پاک رہتا ہے اور جب کبھی اُس کا نفس جنبش میں آتا ہے اور اپنی صفات میں سے کسی صفت پر ظاہر ہوتا ہے تو صوفی اپنی بصیرت نافذہ سے ادراک کر لیتا ہے۔ اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پس اس طرح اس کے اس تصفیہ دوامی کی بدولت اس کو جمعیت حاصل رہتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے رب کے ساتھ اپنے قلب پر اور اپنے قلب کے ساتھ اپنے نفس پر قائم (نگران) ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن — گفتار میں کردار میں اللہ کی بُرہان!
قدرت کے مقصد کا عیار اس کے ارادے — دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان!
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم! — دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان!
فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز — آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن!

☆☆☆

باب-11

............(تصوف کی وجہ تسمیہ)............

کیا تصوف کی اصطلاح یونان سے آئی؟

عصر حاضر میں مختلف علوم کے بعض مسلمان ماہرین نے لفظ صوفی اور تصوف کے متعلق متدین علمائے اسلام (جن میں محقق ائمہ تصوف، جید مشائخ عظام، متفقہ علیہ صلحاء واصفیاء امت، ثقہ فقہاء، مستند محدثین، اکابر مفسرین اور مسلم امہ کی تاریخ لکھنے والے تسلیم شدہ مورخینِ اسلام شامل ہیں) کے متفقہ واجتماعی فیصلے کے خلاف بعض مغربی مستشرقین و محققین یہود و نصاریٰ اور لادین فلاسفہ کے گمراہ کن اور عیارانہ وجاہلانہ افکار ونظریات کے بھرے میں آ کر اہل تصوف اور تصوف پر نہایت ہی تلخ وتُرش انداز میں تنقید ونکتہ چینی کی ہے جو نقلی و عقلی حقائق وواقعات کے نہ صرف یہ کہ خلاف ہے بلکہ امت مسلمہ میں انتشار ونفاق پھیلانے کا موجب بھی ہو رہی ہے۔ چنانچہ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنی امت کے لئے جن لوگوں سے ڈرتا ہوں وہ گمراہ کرنے والے امام (اَلائِمَّۃَ المُضِلِّینَ) ہیں اور جب میری امت میں تلوار چل جائے گی تو پھر قیامت تک نہ رُکے گی''۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد و ترمذی) ایک اور حدیث میں ہے حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ''فتنے ڈالے جائیں گے اس طرح لوگوں کے دلوں پر جس طرح کہ چٹائی کے تنکے ہوتے ہیں (یعنی برابر اور زیادہ تعداد میں)

پس جو دل ان فتنوں کو قبول کر لے گا' ہم اس کے اندر ایک سیاہ نشان ڈال دیں گے اور جو دل ان فتنوں سے متاثر نہ ہوگا ہم اس پر ایک سفید نشان ڈال دیں گے۔ غرض دو قسم کے دل ہوں گے' ایک تو سفید مثل سنگِ مرمر جس پر کسی قسم کا فتنہ اثر انداز نہ ہوگا' اس وقت جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں۔ اور دوسرا دل سیاہ راکھ کی مانند ہے جیسے الٹا برتن جس میں کچھ باقی نہ رہے۔ یہ دل نہ تو امر معروف (نیک کاموں) سے آگاہ ہوگا اور نہ بُرے کاموں کو بُرا جانے گا۔ مگر اس چیز سے واقف ہوگا جو اس کے دل میں پیوست ہوگئی ہے" (مشکواۃ بحوالہ مسلم)

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَاتُفْسِدُوْافِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَانَحْنُ مُصْلِحُوْنَ" (2۔البقرۃ:11) اور جب ان سے کہا جائے کہ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ' تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔" "اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ" (2۔البقرۃ:12) بے شک وہی لوگ مفسد ہیں مگر انہیں اس کا شعور نہیں۔"

کشف المحجوب کے مندرجات پر سخت انتقاد

مسلمان ماہرین مذکورہ بالا میں سے ایک "پاکستان میں فارسی ادب" کے مؤلف ڈاکٹر ظہور احمد ہیں جنہوں نے کشف المحجوب کے بہت سے مندرجات پر سخت انتقاد کیا ہے اور اپنی تنقید میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی ازدواجی زندگی پر ہی طعن و تشنیع کے تیر نہیں برسائے بلکہ اسنادو رجال کا حوالہ دیئے بغیر داتا گنج بخش ؒ کی پیش کردہ ایک حدیث کو بھی بزعم خود وضعی قرار دیدیا ہے۔ تاہم ہمارے مرحوم و مغفور بزرگ دوست مولانا سیّد محمد متین ہاشمی اپنی تالیف "سیّد ہجویرؒ حیات و تعلیمات" (شائع کردہ محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور) میں ڈاکٹر موصوف کے اعتراضات کا شافی جواب دے کر عنداللہ ماجور ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی سعی کو اُن کیلئے توشۂ آخرت بنائے۔

"مروجہ تصوّف یا سلوک محمدیؐ؟ یعنی احسانِ اسلام"

کیا تصوف کی اصطلاح غیر قرآنی اور مجہول الاصل ہے؟

حالیہ دور میں صوفیہ اور تصوّف کے دوسرے "کرم فرما" طب و حکمتِ مغرب میں ایم بی بی ایس ڈاکٹر اسرار احمد ہیں۔ جنہوں نے تصوّف کی مخالفت جماعت اسلامی پاکستان کے بانی

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی اور صاحب تفسیر تدبرِ قرآن مولانا امین احسن اصلاحی سے ورثہ میں پائی۔ فی الوقت موخرالذکر دونوں مرحومین کے تصوف کے بارے میں افکار ونظریات سے قطع نظر ڈاکٹر اسرار احمد کے ''ارشادات'' کا جائزہ لینا ہمارے پیش نظر ہے۔ ڈاکٹر موصوف اپنی کتاب ''مروجہ تصوف یا سلوک محمدیؐ؟ یعنی احسانِ اسلام'' میں ''تصوف کی اصطلاح اوراس کا ماخذ'' کے زیرعنوان رقمطراز ہیں:

''اس ضمن میں پہلی ہمالیہ جیسی غلطی اس کیلئے خالص ''غیرقرانی'' ہی نہیں بلکہ ایک ''مجہول الاصل'' عنوان کا اختیار کرلیا جانا ہے یہ دو الفاظ نوٹ کرلیجئے۔ایک تو یہ لفظ ''غیرقرآنی'' ہے لفظ تصوف کا کوئی تعلق نہ قرآن سے ہے نہ سنت اور حدیث سے۔دوسرے یہ کہ یہ لفظ ''مجہول الاصل'' بھی ہے' جس کا مادہ ہی متفق علیہ نہیں۔اس بارے میں نوٹ کرلیجئے کہ یہ لفظ دوسری صدی ہجری کے اختتام کے قریب استعمال ہونا شروع ہوا۔ڈاکٹر میر ولی الدین نے تو اس کیلئے باقاعدہ سن معین کیا ہے' 822 عیسوی۔حضور ﷺ کا انتقال 632ء میں ہوا' اور ہجرت 622ء میں ہوئی تو حضور ﷺ کے 190 برس بعد' بلکہ قمری تقویم کے اعتبار سے 196 برس بعد' یہ لفظ ایجاد ہوا ہے (اگر ہجرت 622ء میں ہے اور ڈاکٹر میر کے مطابق تصوف کی ایجاد 822ء کو پورے دوسو سال ہوئے۔مؤلف)۔۔۔اگلے ہی پیراگراف میں ڈاکٹر اسرار احمد خود ڈاکٹر میر ولی الدین کا مختصر تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:''(وہ) ان لوگوں میں سے ہیں جو قدیم اور جدید دونوں کے عالم ہیں۔ان کی فلسفے میں ڈاکٹریٹ تھی اور اسلامی تصوف پر ان کی متعدد کتابیں ہیں۔ان کی ایک تصنیف قرآنی تصوف پر ہے (ص: 10) کاش کہ ہمارے ممدوح ڈاکٹر اسرار تصوف کا براہ راست مطالعہ فرما لیتے تو شاید وہ خود ہمالیہ سے بھی بڑی علمی' تاریخی اور دینی غلطی کے ارتکاب سے بچ جاتے۔علاوہ ازیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ۔

ترا گاہے گریبانے نہ شُد چاک   چہ دانی لذتِ دیوانگی را

ڈاکٹر میر ولی الدین کی کتاب ''قرآن اور تصوّف''

تاریخ تصوّف میں غیر ثقہ اور ناقابلِ اعتماد تحقیق

حکماء کا کہنا ہے کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں: اہل تقلید۔۔۔اور۔۔۔اہل تحقیق' جو

اہل تحقیق نا اہل ہوں وہ ہر کہ ومہ کی تقلید کرتے ہیں اور اہل حق سے بد کتے ہیں اس لئے منزل سے ہمیشہ دور رہتے ہیں اور دوسروں کی گمراہی کا بھی باعث ہو کر اللہ کے غیظ وغضب کو دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ جن ڈاکٹر میر ولی الدین منشی فاضل ایم اے پی ایچ ڈی (لندن) بیرسٹرایٹ لاء صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)' کا حوالہ دیا گیا ہے اُن کی کتاب ''قرآن اور تصوّف'' ہمارے سامنے ہے اس کے صفحہ 11 پر وہ لکھتے ہیں: ''حضرت امام قشیری (۳۷۶ھ تا ۴۶۵ھ)' صاحب رسالہ قشیریہ جو تصوف پر شاید کتاب اللمع کے بعد پہلا رسالہ ہے''۔۔۔۔ بس اس ایک جملے سے ڈاکٹر صاحب موصوف کے تاریخ تصوف میں مبلغ علم کی گیرائی و گہرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ کتاب اللمع فی التصوف اگر ۳۷۸ھ کے لگ بھگ کی تصنیف ہے تو التعرف لمذھب اھل التصوف (الامام العالم العارف ابی بکر بن ابی اسحاق الکلا بازیؒ) قریب قریب ۳۸۰ھ میں لکھی گئی اس کے بعد شیخ الشیوخ ابوطالب المکی (م ۳۸۶ھ) کی قوت القلوب فی معاملة المحبوب لکھی گئی۔ ازاں بعد شیخ ابوعبدالرحمٰن محمد بن الحسین سلمی (م ۴۱۲ھ) کی تصنیف ''حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء'' سال ۴۲۲ھ میں منظرِ عام پر آئی' تصوّف اور اہل تصوّف کے احوال و مناقب پر یہ بہت مشہور کتابیں ہیں جو محولہ بالا دور کے درمیانی عرصہ میں لکھی گئیں۔ متعدد کتابیں جن کا حوالہ ''التعرف'' میں دیا گیا ہے اور ان سے بھی بہت پہلے زمانے کی ہیں۔ ھم ان کتب ورسائل کے مصنفین کی فہرست کتاب میں کسی دوسری جگہ پر لکھ چکے ہیں' ملاحظہ فرمایئے۔

تصوّف کی لغوی بحثیں اور اشتقاق میں گمراہ کن موشگافیاں

عمومیت کے ساتھ اگر چہ یہاں ڈاکٹر میر ولی الدین کی مذکورہ کتاب کے مندرجات کے حُسن و قبح پر گفتگو ہمارے پیش نظر نہیں ہے لیکن ہمارا مجموعی تاثر یہ ہے کہ ڈاکٹر موصوف اکابر ائمہ تصوّف سے براہ راست استفادہ کرنے اور تصوّف کا مقصود بیان کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہے ہے۔ لیکن وہ حضرت داتا گنج بخشؒ اور کتاب اللمع فی التصوّف کے مصنف سراج الفقراء جیسے اولین اکابر صوفیہ کا یہ موقف سمجھنے میں بری طرح ناکام رہے ہے کہ ''صوفیہ کو ایک مخصوص علم یا حال سے منسوب کرنا ممکن نہیں جیسا کہ محدثین کو علم حدیث سے' فقہاء کو علم فقہ سے' زاہدوں کو زہد سے' متوکلین کو توکل سے اور صابرین کو صبر سے منسوب کیا جاتا ہے' کیونکہ صوفیہ اپنے رب کی

قربتوں سے ہر آن شاد کام ہوتے اور ہر لحظہ اللہ سے بہت قریب ہونے کے مشتاق رہتے ہیں'' اس لئے ڈاکٹر موصوف اپنی کتاب ''قرآن اور تصوّف کے مقدمہ میں ہی تصوّف کی لغوی بحث اور اشتقاق کی موشگافیوں میں پھنس گئے حالانکہ قدماء کے نزدیک یہ بحثیں تصوّف کی تعریفات سے متعلق ہیں اور ائمہ تصوّف کا اس امر پر اجماع ہے کہ علوم صوفیہ کی آسان سی پہچان کیلئے تصوّف کی اصطلاح اختیار کی گئی جو یقیناً قرآن کے لفظ سے بھی مشتق ہے۔ البتہ اکابر صوفیہ کے رہنما حضرت داتا گنج بخش'' کی دوٹوک رائے (کتاب میں متعلقہ مقام پر دیکھیں) سے آگے اس پر مزید کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

ڈاکٹر اسرار کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر میر ولی الدین ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حامل تھے اگرچہ اُن کے پی ایچ ڈی کے مقالہ کا عنوان انہوں نے نہیں لکھا۔ ہوسکتا ہے مذکورہ کتاب ''قرآن اور تصوّف'' ہی اُن کی ڈاکٹریٹ کا تحقیقی مقالہ (Thesis) ہو کیونکہ کتاب میں فلسفہ کی کسی جہت سے تصوّف پر گفتگو نہیں کی گئی البتہ علامہ لطفی جمعہ کی کتاب ''تاریخ فلاسفة الاسلام'' کے حوالہ سے مصنف مذکور کی تحقیق کا ماحصل انہوں نے پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے کہ ''صوفی کا لفظ ''تھیوصوفیا'' سے مشتق ہے جو ایک یونانی کلمہ ہے جس کے معنی ''حکمت الٰہی'' کے ہیں۔ علامہ جمعہ کے نزدیک صوفی وہ حکیم ہے جو حکمتِ الٰہی کا طالب ہوتا ہے اور اس کے حصول میں کوشاں صوفی کی غایت حقیقت الحقائق کا جاننا ہوتی ہے۔ اپنی اس رائے کی تائید میں لطفی جمعہ اس واقعہ کو پیش کرتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے اس علم کا اظہار اس وقت تک نہیں کیا اور نہ خود کو اس صفت سے متصف کیا جب تک کہ یونان کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا اور فلسفہ کا لفظ اس زبان میں داخل نہیں ہوا۔'' ڈاکٹر اسرار نے ڈاکٹر میر کی کتاب کے نام کا بھی صحیح حوالہ نہیں دیا' جیسا کہ اوپر بیان ہوا نام ''قرآن اور تصوّف'' ہے نہ کہ ''قرآنی تصوّف'' ظاہر ہے کہ دونوں تراکیب کے معانی و مفہوم میں زمین و آسمان کا بعد ہے۔ تاہم ڈاکٹر اسرار کی معلومات کا ماخذ' بقول خود یہی کتاب ہے۔

کہاں فراست و حکمتِ مومن اور کہاں حکماء کی دانائی!

یہاں دلچسپ امر یہ ہے کہ جہاں ایک سانس میں ڈاکٹر اسرار یہ تسلیم کرتے ہیں کہ تصوّف کا مصدر یا مادہ لفظ صوف ہے اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اس پر تقریباً اجماع ہے اور یہ لغت کے اعتبار سے بھی صحیح ہے۔ (ص۔١٠) لیکن دوسری ہی سانس میں فرماتے ہیں: ''اس ضمن میں میری

ذاتی رائے مختلف ہے اور اپنے علم کی حد تک میں اس رائے میں منفرد ہوں (اوپر لطفی جمعہ کی رائے بھی ذہن میں رکھیے جس کی موجودگی میں ڈاکٹر موصوف اپنی رائے کو منفرد کیونکر قرار دے سکتے ہیں' لہٰذا یہ موصوف کی تعلی یا شیخی نہیں تو کیا ہے؟ مؤلف) میرے نزدیک تصوّف کا ماخذ یونانی لفظ "Sophia" ہے جو بعض علوم کے ساتھ لاحقے کے طور پر آتا ہے' مثلاً Philosophy۔ یونانی زبان میں Sophia کا معنی ہے Wisdom یعنی حکمت و دانائی اور Sophos حکیم و دانا (Wise) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لفظ تصوّف در حقیقت Theo-sophy (وہی جسے لطفی جمعہ نے ''ثیوصوفیا'' کہا تھا: مؤلف) سے بنا تھا۔ جو عرفان و معرفتِ خداوندی کا علم ہے (کہاں فراست و حکمت مومن کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور کہاں دنیادار دنیاپرست' بھلے حکیم و دانا ہی کیوں نہ ہو؟'' قرآن میں ارشاد ہے: جسے حکمت عطا کی گئی اُسے خیر کثیر عطا کی گئی'' اسی لئے حضورؐ نے فرمایا ''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے: مؤلف) Theo کا لفظ یونانی زبان میں مذہبی معاملات کیلئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ اسی سے Theocracy کی اصطلاح بنی ہے' جو مذہبی لوگوں کی حکومت کیلئے استعمال ہوتی ہے اور میں نے بارہا کہا ہے کہ میں اس ضمن میں مولانا مودودی مرحوم کی رائے کو بالکل صحیح سمجھتا ہوں کہ اسلامی ریاست نہ تھیوکریسی ہے اور نہ ڈیموکریسی' بلکہ یہ ایک تھیوڈیموکریسی ہے' کیونکہ اس میں "Theo" اور "Demo" دونوں عنصر جمع ہیں (اگرچہ خلطِ مبحث ہے لیکن مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کا ہمیشہ یہ مؤقف رہا کہ ذوالفقار علی بھٹو کی اصطلاح ''اسلامی سوشلزم'' لایعنی ہے' کیونکہ اسلام تو صرف اسلام ہے' لہٰذا کسی لادینی لاحقے سے اس کے اقتصادی یا سیاسی نظام ہائے حیات کی تشریح و توضیح کا مطلب کمخواب میں ٹاٹ کے پیوند لگانا ہے: مؤلف) بالکل اسی طرح کا معاملہ Theosophy کا بھی ہے۔ چنانچہ یہ لفظ آج بھی استعمال ہوتا ہے' اور درحقیقت تصوّف کا لفظ یہیں سے آیا ہے۔ اور یہ بات ہر شخص کے علم میں ہے کہ دوسری صدی ہجری کے دوران یونانی فلسفہ اور نو افلاطونی تصوّف کا ایک بہت بڑا سیلاب عالم اسلام پر آ چکا تھا (اوپر لطفی جمعہ کی رائے بھی ملاحظہ ہو۔۔ مؤلف) لفظ تصوّف کے اشتقاق کے بارے میری ذاتی رائے یہ ہے۔۔۔۔۔ بہرحال اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف کی اصطلاح مجہول الاصل ہے' (لیکن ڈاکٹر موصوف کی رائے ھذا کے مطابق اگر تصوّف کا لفظ یونان سے آیا تو پھر یہ مجہول الاصل کیونکر ہوا؟ مؤلف)

یونانی الفاظ کے مآخذ کی لغوی تحقیق

درج بالا اقتباس میں جن یونانی الفاظ کو ڈاکٹر موصوف نے تصوف کا اشتقاق بتایا ہے اُن میں سب سے پہلا لفظ Sophia ہے یہ اور دوسرے جتنے بھی الفاظ کا حوالہ دیا گیا ہے اُن کے بارے میں انگریزی زبان کی آکسفورڈ لغت (The Oxford Dictionary) سے ہمیں جو رہنمائی ملتی ہے وہ درج ذیل ہے:

(1) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ لفظ "Sophia" الگ سے کہیں بھی ڈکشنری میں موجود نہیں ہے۔ البتہ انگریزی لفظ "Sophism" ہے جس کے معنی ہیں: فریب دہی کیلئے دلیلِ باطل (False Argument, one intended to deceive)۔

(2) اسی سے لفظ بنایا گیا۔ "Sophisma" جس کے معنی ہیں Clever device (مکاری اور چالاکی پر مشتمل تدبیر)

(3) اسی سے جو لفظ بنایا گیا وہ ہے: "Sophisma" جس کا مطلب ہے Become Worldly Wise دنیاوی امور میں زیرک و ہوشمند۔

(4) اسی سے ضمنی طور خالص یونانی لفظ "Sophos" کا اندراج ہے جس کے معنی ہیں Worldly Wise (یعنی دنیاوی امور میں زیرک و جہاندیدہ)

(5) آگے لفظ ہے Sophist جس کے معنی ہیں حقائق سے گریز کرنے والا یا جھوٹی دلیلیں دینے والا منطقی (Fallicious reasoner, quibbbler) اس کا متبادل یونانی لفظ ہے "Sophistes" جسے عربی زبان میں سوفسطہ، سوفسطائی، سفسطی لکھا جاتا ہے۔

(''لفظ صوفی اور تصوف کی ابتداء کب اور کیونکر ہوئی''۔۔۔۔قبل ازیں ہم اس عنوان کے تحت تفصیلی بحث کر چکے ہیں، جس کے آخر میں اور زیرِ نظر باب کے شروع ہونے سے پہلے معزز قارئین کرام کی سہولت کیلئے ایک ''خلاصۂ کلام'' بھی دیا جا چکا ہے (ملاحظہ ہو) اور دل پر ہاتھ رکھ کر دیانتداری سے کہیے کہ حضرت اویس قرنیؒ، حضرت زین العابدینؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت امام باقرؒ، حضرت امام جعفر صادقؒ، حضرت ابراہیم ادھمؒ، سفیان ثوریؒ، داؤد طائیؒ، عبدالواحد ابن زیدؒ، فضیل ابن عیاضؒ، مالک بن دینارؒ، ابو یزید بسطامیؒ، سہل تستریؒ، شفیق

بلخیؒ، ابو حذیفہ مرعشیؒ، معروف کرخیؒ، بشر حافیؒ، سری سقطیؒ، حضرت جنیدؒ، ابراهیم خواصؒ، ابو بکر شبلیؒ، اور لا تعداد دوسرے صلحاء واصفیاءِ امت (م ۲۷ھ تا ۳۵۰ھ) جو صوفی کہلائے اور تصوف کے ائمہ محقق تسلیم ہوئے۔ ان حضرات کے علاوہ مشہور ائمہ فقہ اور محدثین ہیں جو تصوف کے معترف و مؤید ہوئے۔ کیا ان میں سے کسی شخص کو ان صفاتِ قبیحہ سے نسبت دی جا سکتی ہے جو Sophist' Sophistes' Sophos' Sophism جیسے الفاظ کے معانی و مفہوم و مطالب میں پوشیدہ ہیں؟: مؤلف)

حضرت علامہ نے شاید ایسے ہی حالات کی تصویر کشی درج ذیل شعر میں کی تھی: ۔

اسی سبب سے قلندر کی آنکھ ہے نمناک
ہوا ہے بندۂ مومن فسونیٔ افرنگ

مقتدرہ قومی زبان کی شائع کردہ قومی لغت

مقتدرہ قومی زبان کی شائع کردہ قومی انگریزی اردو لغت میں "Sophism" کے معنی لکھے ہیں سوفسطائیت یا ایسا استدلال جو بظاہر درست لگے لیکن درحقیقت مغالطہ دار ہو اور جس کا مقصد اپنی حجت آرائی کا اظہار کرنا ہو یا پھر فریب دہی ہو۔ کوئی غلط دلیل، مغالطۂ منطقی، قیاسِ منطقی جس کا مقصد فریب دہی ہو، دلیل باطل وغیرہ۔ اسی طرح Sophist کے معنی بھی تفصیل کے ساتھ دیئے گئے ہیں لیکن خلاصہ یہ ہے کہ یونانِ قدیم کے پیشہ ور اساتذہ جو مناظرہ بازی کے ماہر ہوں لیکن جو دلائل کی بے لاگی کی جگہ چکر دینے کے قائل ہوں۔ ایسے ہی لفظ Sophisticate کے معنی ہیں: طبعی، سادہ یا اصلی حالت میں نہ رہنے دینا۔ کسی ترکیب، سلسلۂ عمل یا نظام کو زیادہ گنجلک بنانا۔ ملمع کاری یا فقرے بازی کرنا Sophisticate کے ایک اور معنی ہیں: سوفسطائی یعنی دنیاوی معاملات میں کائیاں Sophistry کے معنی ہیں: بظاہر درست لیکن بباطن غلط استدلال۔ قدیم یونانی فسطائیوں کا نظریہ، مغالطہ، تھلیل۔ اس سے جدید دور میں ایک اور لفظ بنایا Sophomore کے Sophomoric جس کا مطلب ہے: قدیم روایتی روش کے طرح فکر و دانش میں برخود غلط۔ خود فریبی کا شکار اور ادعائی۔

صوفیہ کے نزدیک دانشمند کون ہے؟

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''عوارف المعارف'' میں

فرماتے ہیں کہ ''بعض فقہاء نے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنے مال کے سلسلے میں وصیت کر جائے کہ میرا مال سب سے زیادہ عقلمند شخص کو دیا جائے یا اُس پر خرچ کیا جائے تو پھر وہ مال زاہدوں پر صرف کیا جائے کہ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ دانشمند وہی ہیں۔ حضرت سہیل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ عقل کے ہزار نام ہیں اور ان میں سے ہر ایک نام کے پھر ہزار نام ہیں اور ہر نام کا آغاز ترک دنیا سے ہوتا ہے۔

کیا تصوّف ' برہمنی یا بدھ مت کے نظریات کا ملغوبہ ہے؟

(6) ڈاکٹر اسرار کے استدلال کے حوالہ سے ایک لفظ Theosophy ہے اور اُن کا فرمانا ہے کہ ''درحقیقت تصوف کا لفظ یہیں سے آیا ہے''۔ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق اس کے معنی ہیں:

"Any of Various philosophies professing to achieve a knowledge of god by spirituial ecstasy; direct intution, esp. following Hindu and Buddist teachings."

یعنی مختلف فلسفیوں میں سے کوئی سا فلسفیانہ عقیدہ جو قیاسی یا وجدانی بے خودی پر مبنی خدا کی وجودیت کا علم بہم پہنچانے کا دعویدار ہو یا براہ راست الہامی فکر و نظر رکھتا ہو' خصوصیت سے ایسے نظریات جو برہمنی اور بدھ مت کے تصورات پر مبنی ہوں۔

(7) اسی عنوان یعنی Theosophy کے معانی کی ضمنی بحث کے ساتھ یونانی لفظ Theo-Sophia کا تذکرہ بھی آکسفورڈ ڈکشنری میں موجود ہے لیکن اس لفظ کا تعلق اُن الفاظ سے ہے جو لاطینی سے فرانسیسی زبان میں آئے اور مستعمل ہو کر مروج ہوئے۔ اہل علم اس سے بخوبی واقف ہیں کہ نئے الفاظ کی ساخت کا فرانسیسی طریقہ (French way of Construction of words) یہ ہے کہ آگے ''ia'' لگا دیا جاتا ہے۔ اس طریقہ کے مطابق "Theo" کا مطلب ہے: Having God as its centre.

اور اسی ترکیب سے لفظ بنایا گیا Theo-Sophia جس کا مطلب ہے: Wise concerning God. لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عربی زبان میں ایسی وسعت ہی نہ تھی

کہ مسلمان اہل علم وفضل اگر کوئی اصطلاح بنانا چاہتے تو انہیں دو تین سو سال تک یونانی فلسفہ یا علوم کے تراجم کا انتظار کرنا پڑتا۔

مقتدرہ کی لغت میں تھیوسوفی کا ترجمہ

جہاں تک ماہرین لسانیات (انگریزی یونانی، اور فرانسیسی) کا تعلق ہے انہوں نے Theosophy کی انگریزی زبان میں جو تعریف کی وہ اوپر درج کی گئی ہے (ملاحظہ ہو انگریزی متن اور اردو ترجمہ) لہٰذا آکسفورڈ ڈکشنری کے ماہرین لسانیات تو وہیں تک پہنچ سکے تھے لیکن ہمارے پاکستانی ماہرینِ نے نہ معلوم کس ''وجدانی'' بے خودی یا ''الہامی'' کیفیت میں اس کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا:

''عرفان، حاضرات، معرفتِ خداوندی کا علم، وجدان، عرفانیت، تھیوصوفی یا فلسفہ تصوف، دین اور فلسفے کے نظری مسائل میں سے ایک مسئلہ جس کا تعلق اس عقیدے سے ہے کہ ماورائے ادراک کسی حقیقت کا وجود ضرور قائم ہے اور باطنی طور پر اس کا عرفان ہو سکتا ہے (عموماً کیپٹیل لیٹر T سے) تھیوصافک سوسائٹی کے عقیدے و نظریے کا نظام، جو زیادہ تر برہمنی اور بدھ تصورات پر مبنی ہے۔'' (ص۔۲۰۶۹ قومی انگریزی اردو لغت شائع کردہ مقتدرہ قومی زبان۔ ایڈیشن ۱۹۹۹ء)

واضح رہے کہ قومی لغت کے ایڈیشن ۱۹۹۱ء میں مذکورہ پیراگراف میں خط کشیدہ الفاظ موجود نہیں تھے۔ لیکن ہمارے بعض قومی ماہرین لسانیات کی سادہ لوحی پر افسوس ہے کہ وہ ایک بہت معمولی سی حقیقت کا ادراک کرنے میں ناکام رہے کہ عربی قاعدہ کی رو سے یونانی حرف (Sigma) عربی میں ہمیشہ ''س'' کے حرف سے لکھا جاتا ہے نہ کہ ''ص'' کی صورت میں، چنانچہ مشہور محقق نولڈکی (Nolde Ke) نے اسی بنیاد پر تصوف کے یونان سے آنے کی یہ کہتے ہوئے تردید کی ہے کہ تصوف ''س'' سے نہیں ''ص'' سے لکھا جاتا ہے۔ یونانی ابجد کا پہلا حرف "Alpha" جس کا ایک علامتی نشان "a" ہے۔ اسی طرح دیگر حروف اور ان کے علامتی نشانات ہیں جب کہ حرف چھوٹی پی "p" "sigma" کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ یونانی لفظ Sophism (سوفوس) بمعنی زیرک کی بھی عربی املاء س سے ہوتی ہے۔ یہی حال اس مصدر سے تشکیل پانے والے تمام الفاظ کا ہے جیسے سوفسطہ، سوفسطائی، سفسطی، فیلسوف وغیرہ۔ مقتدرہ کی

اسی لغت میں Sophism کی بحث بھی اس کے ثبوت میں دلیل کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا مقتدرہ کی لغت میں یہ لسانی تضاد ہی محل نظر نہیں ہے بلکہ ''تھیوصوفی یا فلسفۂ تصوّف'' اور عرفانیت جیسی اصطلاحات کو Theosophy کے ہم معانی یا اس کا حصہ بنانا ''صافی' صوفی اور تصوّف'' کے مقاصد و معانی کا حلیہ بگاڑنے کی نادانی کے مترادف ہے۔

یہاں یہ تاریخی حوالہ بھی سعی لا حاصل ہے یا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ تاریخ الہند کا مصنف مشہور سیاح برہان الحق ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی خوارزمی (۹۷۳ء تا ۱۰۴۸ء) بھی لفظ صوفی کی وہی توجیہہ پیش کرتا ہے جو ڈاکٹر اسرار کی ہے لیکن قدرے عجیب و غریب بات یہ ہے کہ تصوّف اصل میں ''سین'' سے تھا اور اس کا مادہ ''سوف'' تھا جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں' دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں میں آیا اور فتہ رفتہ صوفی ہو گیا'' (تاریخ تصوّف از علامہ محمد اقبال: ترتیب پروفیسر صابر کلوروی (ص ۵۹): بحوالہ اردو نامہ شمارہ ۱۶۔ص۔۱۶)۔

تصوّف کے شفاف سرچشمۂ رشد و ہدایت کو
یونانی فکر و فلسفہ کی طرف منسوب کر کے غلیظ و گدلا کرنے کی پہلی شعوری جسارت کی گئی
............(علامہ اقبالؒ کے فکر و نظر کی روشنی میں)............

حضرت علامہ اقبالؒ اپنی کتاب ''تاریخ تصوّف'' کے باب اوّل میں رقمطراز ہیں کہ ''یونانی فلسفے کے زیر و بم سے مسلمانوں میں ایک اور مذہبی تحریک پیدا ہوئی یعنی فرقہ معتزلہ جس نے فلسفے کے اثر سے مذہبی حقائق کو عقلی ترازو میں تولنے کی کوشش کی۔ (جس سے زبردست فکری و نظریاتی اکھاڑ پچھاڑ ہوئی تاہم) اشاعرہ نے معتزلہ کے ہتھیاروں سے ہی ان کا مقابلہ کیا اور ان دونوں گروہوں کے طویل اور خشک منطقی مباحث سے کئی نتیجے نکلے جن میں سے ایک یہ تھا کہ بعض اہل علم اس مذہب کی طرف مائل ہو گئے کہ حواس کی شہادت ہی قطعی اور یقینی ہے۔ البیرونی اور ابن ھیثم اس تحریک کا ثمر تھے۔ مقدم الذکر (یعنی البیرونی) کتاب الہند میں آریا بھٹ ہندوستانی ماہر علوم ہیئت و نجوم' کا مقولہ نہایت استحسان کے ساتھ نقل کرتا ہے یعنی یہ کہ ''انسان کیلئے وہ چیز کافی ہے جو سورج کی شعاعوں سے منور ہو۔ جو کچھ حواس کے دائرے سے خارج ہے' خواہ اس کی وسعت کتنی ہی کیوں نہ ہو ہم اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ کیونکہ جس چیز تک شعاعِ آفتاب نہیں پہنچتی اس کا ادراک حواس نہیں کر سکتے اور جس کا ادارک حواس نہیں کر سکتے وہ ہمیں معلوم نہیں

ہوسکتی (بحوالہ ڈاکٹر بوئر فلسفۂ اسلام۔ص۔۱۴۶)۔ گویا کہ البیرونی کے نظریات ۳۵۱ھ تا ۴۲۶ھ کے زیر اثر تصوّف جیسے شفاف و پاکیزہ سرچشمۂ رشد وھدایت کو یونانی فکر وفلسفہ کی طرف منسوب کر کے گدلا' غلیظ اور ناپاک کرنے کی پہلی شعوری جسارت کی گئی۔اور یہ خلافت بنوعباس کے خاتمہ کے بعد سیاسی ابتری اور طوائف الملوکی کا دور تھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے البیرونی نے محض یونانی فلسفہ سے متاثر ہوکر مذکورہ نظریہ پیش کیا جب کہ وہ سین اور ''ص'' کی بحثوں سے ابھی آشنا نہ تھا کہ اس کا یہ نظریہ بعدازاں لسانی اور لغوی کسوٹی پر کھوٹا ثابت ہوگا۔

علامہ ابن الجوزیؒ تصوّف وصوفیہ کے ناقد تصوّف کو یونانی فکر وفلسفہ سے ماخوذ نہیں سمجھتے

ہم اپنے موقف کی تائید میں ابوالفرج عبدالرحمٰن علامہ ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) کی تصنیف نقد العلم والعلماء یا تلبیسِ ابلیس سے ایک اقتباس بطور دستاویزی شہادت پیش کرتے ہیں کہ موصوف تصوّف اور صوفیہ کے شدید ترین ناقد شمار کئے گئے اور ہیں اُس وقت تک کے صوفیہ سے یہ گناہ سرزد ہوا ہوتا کہ تصوّف کی اصطلاح ہی یونان سے لی گئی ہوتی تو وہ اپنی مذکورہ تصنیف میں اسے تلبیس ابلیس قرار دینے سے کبھی نہ چوکتے۔دوسری جانب ابن جوزی نے اپنی کتاب کے باب۔5 میں ''شیطان کا عقائد و دیانات میں تلبیس کرنا (سوفسطائیہ کیلئے شیطان کی تلبیس)'' کے عنوان سے کھل کر سوفسطائیہ کے نظریات پر بحث کی اور انہیں باطل قرار دیا ہے۔اس سلسلے میں وہ ایک دلچسپ تمثیل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''ہماری اور اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو خدا نے بھینگا بیٹا بخشا۔وہ ہمیشہ ایک چاند کو دو چاند دیکھتا ہے۔حتیٰ کہ اس کو اس امر میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا کہ آسمان پر دو چاند ہیں اُس کا باپ کہتا ہے کہ چاند ایک ہی ہے صرف قصور تمہاری ایک آنکھ کا ہے۔اپنی عیب دار آنکھ کو بند کر کے دیکھ۔جب وہ لڑکا اس طرح دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ میں ایک چاند اس وجہ سے دیکھتا ہوں کہ ایک آنکھ بند کئے ہوئے ہوں' دوسرا چاند اسی لئے غائب ہو گیا۔چنانچہ باپ نے کہا کہ اب اچھی آنکھ بند کر کے دیکھ جب ایسا ہوا تو پھر دو چاند ہی نظر آئے اس طرح زچ ہوکر اُس نے باپ کی بات کو درست جانا۔'' ہمارے خیال میں البیرونی اور اُس کے ''ہم خیال سوفسطائی گروہ عقلاء'' پر یہی مثال صادق آتی ہے۔تاہم ابن جوزی کے مطابق جدید دور کے ''ہم خیال'' سوفسطائیہ بھی تلبیس ابلیس کا بری طرح شکار ہو چکے ہیں۔یہ لوگ ہوسکتا ہے

کہ ابن جوزی کی اس بات میں وزن محسوس کر سکیں کہ صوفیہ ؒ سے کم تصوّف کی اصطلاح یونان سے لینے کے جرم کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ صوف یا صوف 'تصوف' کا اشتقاق ہے اسلئے ہم نے ابن جوزی کی شہادت پیش کی ہے۔ کہنا ہمیں یہ ہے کہ اوّل روز سے تا حال کسی ایک صحیح العقیدہ صوفی اور صلحاء و اصفیاءِ امت نے وہ موقف اختیار نہیں کیا جس کی وکالت ان تجدد پسند دانشوروں نے اختیار کر رکھی ہے۔

میکڈونلڈ، نکلسن اور جاسف واں ہمیر کی ابلہ فریبیاں

عہد شاہجہاں کے ایک مستند و معتبر فارسی زبان کے تذکرہ ''سیر الاقطاب'' کا ترجمہ ایک خاتون مصطفائی بیگم نے ''خاصان خدا'' کے نام سے کیا تھا۔ موصوفہ ریاست حیدر آباد (دکن) میں لیڈی کمشنر کے عہدہ پر فائز تھیں' تاہم اس نایاب کتاب کو 'الکتاب' لاہور نے 1977ء میں شائع کیا تھا۔ کتاب کا مقدمہ مولانا محمد حامد خان ہندی نے لکھ رکھا ہے۔ وہ علوم تصوّف کے متذکرہ صدر متنازعہ امور و مسائل کی گرہ کشائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'تصوّف کے متعلق عام طور پر جو یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ اس کے مآخذ' مسالک بدھ' عقائدِ مسیحی' اشراقی اور یونان کے فلسفیانہ خیالات سے (ماخوذ) ہیں (میری اس کاوش کا مقصود ہے کہ) اس کا ازالہ ہو جائے۔ موجودہ دورِ مدنیت و ارتقاء میں یورپ علوم وفنون کا سر چشمہ سمجھا جاتا ہے۔ اور کس کے منہ میں زبان ہے جو اس منبعِ معارف کی دریدہ ذہنی کو روک سکے؟ اس سرزمین کے بسنے والوں نے اپنی ساکھ سے اکثر ناجائز فوائد بھی حاصل کئے ہیں' بالخصوص دنیائے تاریخ میں تو ان لوگوں نے ایسی ایسی ابلہ فریبیوں سے کام لیا ہے جن کی نظیر علمی دنیا میں نہیں مل سکتی۔ ان محققین نے تصوّفِ اسلام کے متعلق بھی دادِ تحقیق دی ہے۔ چنانچہ میکڈونلڈ اور نکلسن جیسے مستشرقین کا خیال ہے کہ دوسری صدی ہجری میں مسیحی راہبوں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے تصوف کو اختیار کیا۔ صوفی کا لفظ مسیحیت کا منت کش ہے اور قدیم زہادِ اسلام' ترک دنیا کے خیال میں مسیحی راہبوں کی تقلید کرتے ہوئے موٹا' بدنما' اونی لباس پہنا کرتے تھے۔ جاسف واں ہمیر کی تحقیق ہے کہ صوفیائے اسلام' ہندوستان کے Gymns Sophists (ہندو سادھو یا لنگوٹی پوش جو برہنہ رہتے تھے اور ملنگ یا ننگے کہلاتے تھے) سے مشابہ ہیں۔ نیز صوفی اور صفا دونوں یونانی الفاظ ہیں یونانی لفظ "Gnosis" کے

انگریزی میں معنی ہیں Naked Sophist (عربی میں اسے ہی سفسطہ کہتے ہیں) دوسرا یونانی لفظ ہے۔ "Sophos" بمعنی زیرک و جہاندیدہ۔ لیکن انصاف پسند محققین کے نزدیک یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مسلمان صوفیہ کو مسیحی راہبوں سے لباس صوف لینے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ اس لئے کہ عہد نبوت میں بھی اونی موٹے کپڑے استعمال ہوتے تھے اور اس سے پہلے خود قرآن حکیم میں لفظ صوف موجود ہے' فرمایا گیا: اور اللہ نے تمہارے واسطے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے واسطے تمہارے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا پاتے ہو اور ان (جانوروں) کی اون (اَصوَافِھا) اور ان کے رؤں اور اُن کے بالوں سے کچھ گرہستی کا سامان اور برتنے کی چیزیں ایک مدت تک کیلئے بناتے ہو"۔ (۱۶:۸۰)

سوفسطا کے معنی حکمتِ مُمَوَّہہ ہیں: (شاہ عبدالعزیزؒ)

(اگر صوفی یونانی لفظ ہوتا تو ص کی بجائے س سے لکھا جاتا)

مولانا شاہ عبدالعزیزؒ 'صدرالدین شیرازی کی کتاب صدرا کے حاشیہ میں لفظ فلسفہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "لفظ فلسفہ کے صحیح معنی محبِ حکمت کے ہیں کیونکہ یونانی زبان میں فیلا (Philo) بمعنی محب آتا ہے اور سوفا (Sopho) بمعنی حکمت' علیٰ ہٰذا القیاس سوفسطا کے معنی حکمت مُمَوَّہہ (ملمع کی ہوئی یعنی جھوٹی) کے ہیں کیونکہ سوفا بمعنی الحکمۃ واسطا بمعنی المموھۃ یعنی اسطا بمعنی مموہہ"۔

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوفا عربی میں (سفہ) ہوگیا جیسے فلسفہ اور سوفا اسطا معرب ہو کر سفسطہ بن گیا۔ پس اگر صوفی کا لفظ بھی اسی Sophist سے لیا جاتا تو یونانی حرف (Q) کی جگہ عربی میں "س" استعمال ہوتا اور فلسفہ اور سفسطہ کی طرح صوفی بھی "ص" سے نہ لکھا جاتا"۔

اب تک کی بحث سے واضح ہوا کہ تصوّف اور صوفی کے الفاظ نہ تو مجہول الاصل ہیں اور نہ ہی یونان سے آئے ہیں بلکہ قرآنِ حکیم کے مطلوب و مقصود چنیدہ و خاص بندوں نے اللہ بزرگ و برتر کی عطا سے حاصل شدہ حکمت و فراست سے کام لے کر خود وضع کئے جو قرآن و سنت کے مجموعی فکر و فلسفہ' صلحاء و اصفیاء و اولیاء کیلئے قرآن حکیم میں استعمال کئے گئے القابات (جن پر الگ باب اس تالیف میں ترتیب دیا گیا ہے') کی ہی عکاسی نہیں کرتے بلکہ عربوں کے قدیم معاشرہ میں

اہل اللہ کیلئے استعمال ہونے والے القابات ہی کے مماثل ہیں۔

تھیوکریسی اور ڈیموکریسی کی توجیہات

(دونوں بد بخت اور انسان دشمن حکومتوں کا ملغوبہ ہیں)

عصرِ حاضر میں تجدد پسند دانشوروں اور اُن کے ہم خیال دیگر اصحاب کی تسلی و تشفی کیلئے اب ہم لفظ "Theo-cracy" کی وضاحت بھی ضروری خیال کرتے ہیں چنانچہ آکسفورڈ ڈکشنری میں اس کے معنی ہیں:

"Form of Govt. by God as god directly or through a priestly order; Jewish common-wealth from Moses to Monarcy.

جس کا اردو ترجمہ ہے: مذہبی حکومت جو عین خدائی اصولوں یا دیوی دیوتاؤں کے زیر احکام چلائی جانے کی دعویدار ہو، پادریوں کی حکومت وغیرہ۔ علاوہ ازیں یہودی ''دولتِ مشترکہ'' جو ایک تسلسل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عام مطلق العنان بادشاہوں تک قائم رہی۔''

اب رہی "Democracy" جس کے بارے میں حضرت علامہ فرما گئے: ''اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں۔۔۔ بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے''۔۔۔۔۔ ڈاکٹر اسرار اور اُن کی طرح کے دانشور مذکورہ صدر دونوں نوع کی بد بخت اور انسان دشمن حکومتوں کا ملغوبہ پسند فرماتے ہیں۔ ایک حکومت اگر مذہب کے مقدس نام پر آمریت ہے تو دوسری جاہل اکثریت کا غلبہ و استعمار۔ کاش کہ ایک دینی سکالر کی شان سے ڈاکٹر موصوف کو یہ کہنے کی توفیق ہوتی کہ ہم تو خالص اسلام اور صرف اسلام پسند کرتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ مولانا مودودی یا کسی دوسرے دینی اسکالر کی رائے اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہوتی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

- اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ (3۔آلِ عمران:19) بیشک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔
- وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ (3۔آلِ عمران:85) اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

(علاوہ ازیں سورۃ المائدہ: آیت 3' سورۃ الانعام: آیت ۱۲۶' سورۃ الزمر: آیت ۲۲' سورۃ الحجرات: آیت ۷ا' بھی ملاحظہ ہوں)۔

درویش نہ "Theo" کے قائل نہ "Demo" کے شیدائی

بنابریں بابالوگو! ہم درویش تو نہ "Theo" کے قائل نہ "Demo" کے پرستار' ہم تو صرف اور صرف اسلام کے شیدائی ہیں۔ اگر چہ یہ مذکورہ تجدد پسند دانشوروں نے خلط مبحث کے طور پر' اپنے ''خصوصی مقاصد'' کے تحت سیاسی شعبہ کی بات کر دی لیکن صوفیہ جن پر سیاست سے الگ تھلگ رہنے کا الزام بھی لگایا جاتا ہے' اُن کے ایک ادنیٰ پیروکار کی حیثیت سے راقم نے ضروری خیال کیا کہ وہ دین کے دعویدار سیاسئین پر واضح کر دے کہ۔

صاحب ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے　　　گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش

اور یہ بھی کہ۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے　　　وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

یہاں ہم اس امر کی وضاحت بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ درحقیقت علمائے ظاہر نے اوّل روز سے دین اسلام میں فساد ڈال رکھا ہے۔ (جس کی اظہر من الشمس وجہ اور واحد وجہ یہ ہے کہ علمائے ظاہر یا تو اپنے حسد و کینہ اور یا دنیاوی جاہ و مناصب کے حصول کے لالچ کے باعث بزرگانِ دین کی عظمت اور عوامی مقبولیت سے اپنی آگ میں آپ جل کر خاکستر ہو رہے ہیں)۔

حضرت علامہ فرما گئے:۔

ہجوم اس قدر کیوں ہے میخانے میں　　　فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مردِ خلیق

جو بات علماء کی سمجھ میں نہیں آتی' اس کا انکار کرنا انہوں نے اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے۔

صاحبِ کشف المحجوب فرماتے ہیں: سوفسطائیہ نے ۔۔۔ غرورِ نفس کا نام علم' خواہشات کی پیروی کا نام سنت رسولؐ اور شیطان کی موافقت کا نام ائمہ کی سیرت رکھا ہوا ہے۔ ابوعلی ثقفیؒ فرماتے ہیں: ''علم دل کو جہالت کی موت سے بچاتا ہے اور کفر و شرک کی تاریکیوں سے بچا کر آنکھوں کو روشنی عطا کرتا ہے۔ اور جس کسی کو معرفت کا علم نہیں' اس کا دِل جہالت کے سبب سے بیمار ہے۔ اسی لئے غافلوں کے دل بیمار ہوتے ہیں''۔ شیخ المشائخ یحییٰ ابن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں: تین قسم کے آدمیوں سے بچو (۱) غافل علماء سے' (۲) سُست فقیروں سے (۳) اور جاہل صوفیوں

ہے۔۔۔۔ غافل علماء وہ ہیں جو غرور اور زیرکی (Sophism) اور دقتِ کلام پر فریفتہ ہو کر اپنے آپ سے باہر ہو جاتے ہیں اور استادوں اور اماموں پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور بزرگانِ دین پر قہر کرتے ہیں اور زیادہ کلام میں منہمک ہوتے ہیں۔

یونانی لغت کا ایک اور صوتی و معنوی اعتبار سے مماثل لفظ "Theokrasi" یا "Theocrasy" ہے جس کے معنی ہیں:

(1) Mingling of deities into one's personality

(2) Union of soul with God through contemplalion (among Neo-Platonists, Buddists etc.)

جس کا ترجمہ ہے: (۱) ایک ہی وجود میں کئی دیوی دیوتاؤں کا اکٹھے ہو کر "برہمہ گیان" یعنی ایک قوت بن جانا۔ (۲) گیان دھیان، تپسیہ، یوگ اور بھگتی مارگ (طریق عشق) سے پرم آتما یعنی خدا کے یوگی کا مقام حاصل کر لینا۔ یہ طریق علم (یعنی جنان مارگ اور طریقِ عمل (کرم مارگ) نو افلاطونی فلسفۂ مذہب اور بدھ مت کی تعلیمات کا حاصل ہے۔ اسی سے "Theosophy" (یعنی فلسفیانہ دین) لفظ بنایا گیا تھا۔ جس کی تشریح و توضیح پہلے کی جا چکی ہے۔

خدا لگتی کہیے! کہ امتِ مسلمہ کے درویشوں، فقراء اور اللہ والوں پر جو الزام، ڈاکٹر موصوف اور اُن کے ہم خیال لگا رہے ہیں وہ اُنہیں کیا سے کیا بنا کر رکھ دیتا ہے؟ حالانکہ اللہ والوں کے بارے میں تو حضرت علامہ فرما گئے ہیں:

دفعتاً جس سے بدل جاتی ہے تقدیرِ امم
ہے وہ قوت کہ حریف اس کی نہیں عقلِ حکیم
ہر زمانے میں دگرگوں ہے طبیعت اس کی
کبھی شمشیرِ محمدؐ ہے کبھی چوبِ کلیمؑ

تصوّف کی درحقیقت قرآنی لفظ "اَصْوَافِھَا" سے نسبت ہے

(سفید لباس پہننے والے حواری انصار اللہ کہلائے)

ڈاکٹر موصوف کا یہ کہنا کہ تصوف کی اصطلاح خالص غیر قرآنی اور مجہول الاصل ہے۔۔۔ اور بہت زور دے کر بار بار کہنا کہ "نوٹ کر لیجئے کہ لفظ تصوف کا تعلق نہ قرآن سے

ہے اور نہ سنت اور حدیث سے اور دوسرے یہ کہ یہ اس لئے مجہول الاصل ہے کہ اس کا مادہ ہی متفق'' علیہ نہیں، محض کم علمی اور مبنی بر جہالت ہے۔۔۔۔۔لہٰذا قرآن سے ایک تعلق تو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں' ایک مزید نوٹ کرلیا جائے کہ قرآن حکیم میں سورۃ النحل ۱۶: ۸۰ جس میں اللہ کی خصوصی نعمتوں میں سے ''اَصْوَافِھَا''(اون' یا ریشم) کا ذکر ہوا اور اگلی ہی آیت میں فرمایا گیا: ''اور تمہارے لئے کچھ پہناوے بنائے کہ تمہیں گرمی سے بچائیں اور کچھ پہناوے کہ تمہارے جسم کی حفاظت لڑائی میں کریں۔ اسی طرح وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرتا ہے تا کہ تم سر تسلیم خم کرو'' (۸۱:۱۶) متصل آیت میں مزید فرمایا گیا: ''پھر اگر وہ منہ پھریں تو اے حبیبؐ! آپ کا ذمہ تو صرف تبلیغ کرنا ہے''۔ (۸۲:۱۶) چنانچہ کچھ لوگوں نے اپنے اپنے خیال سے صوفیہ کے انفرادی احوال پر چند ایک دوسرے الفاظ کا اطلاق کرنا چاہا لیکن تمام جید صوفیہ اور ان میں کے اہل قلم بیک زبان و الفاظ یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ صوف اور صوف ہی سے تصوف مشتق ہے۔ اور صوف قرآنی لفظ ہے اور قرآن میں بود و باش' گھریلو آسائشوں اور لباس کی نعمتوں کے ضمن میں ہی اس کا تذکرہ ہے۔ اور لباس سے اہل اللہ کی نسبت کوئی غیر اسلامی فعل نہیں ہے چنانچہ فرمایا گیا:

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔۔۔مُسْلِمُوْنَ
(3۔آلِ عمران:52) رَبَّنَآ۔۔۔مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (3۔آلِ عمران:53)

(عیسیٰ علیہ السلام کے) حواریں بولے کہ ہم ہیں مددگار اللہ کے دین کے' ہم ایمان لائے ہیں اور آپ اس کے گواہ رہیے کہ ہم وفادار ہیں۔ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں ان چیزوں پر (یعنی احکام پر) جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی اختیار کی ہم نے رسول کی سو ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرتے ہیں۔''

صاحب تفسیر ابن کثیر درج بالا آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ''حواریون'' انہیں ان کے کپڑوں کی سفیدی کی وجہ سے کہا گیا اور اصطلاحی معنوں میں حواری کہتے ہیں مددگار کو جیسے کہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر رسول ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو سینہ سپر ہو جائے؟ اس آواز کو سنتے ہی حضرت زبیرؓ تیار ہو گئے۔ آپؐ نے دوبارہ یہی فرمایا۔ پھر بھی حضرت زبیرؓ ہی نے قدم اُٹھایا۔ پس حضور ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔ پھر یہ لوگ اپنی دعا میں کہتے ہیں ہمیں شاہدوں میں لکھ لے۔ اس سے مراد حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک امتِ محمدیہؐ میں لکھ لینا ہے۔

خلافت راشدہ ختم ہونے پر صلحاء رضا کارانہ انصار اللہ بن گئے دنیادار جنگ وجدال سے بادشاہت کی چھینا جھپٹی میں مصروف رہے

اسی طرح سورہ مائدہ ۵:۱۱۱ میں پھر حواریں کا تذکرہ فرمایا گیا۔ ان بندگانِ خاص نے آسمان سے پکا کھانا نازل فرمانے کی دعا کرنے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرضداشت پیش کی تا کہ اُن کے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور اُن کا ایمان پختہ تر ہو جائے۔ چنانچہ ان کی دعا رب العزت نے منظور فرمائی۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ کے رسول ﷺ کے خلفاءؓ، صحابہؓ، تابعیؒ اور تبع تابعیؒ اس جہان سے اُٹھ گئے تو صلحاء امت حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی طرح میدان میں اتر آئے اور انصار اللہ بن کر رشد و ھدایت کی شمعیں روشن کیں اور تا حال ایک دن بھی خلافتِ ختم الرسلؐ کے فرائضِ منصبی کی تکمیل میں جان و دل لڑانے میں یہ نفوسِ قدسیہ غافل نہیں ہوئے۔ کیونکہ قرآن حکیم کا یہ ارشاد ہمیشہ اُن کے سامنے رہا کہ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوٓا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِيٓ إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ (61۔الصف:14)

اے ایمان والو! تم اللہ کے (دین کے) مددگار (حواری) بن جاؤ جیسا کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ نے (اُن) حوارین سے فرمایا کہ اللہ کے واسطے میرا کون مددگار ہوتا ہے؟ وہ حواری بولے ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں۔'' اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: حضرت عیسیٰ کے تابع فرمانوں کو دیکھو کہ حضرت عیسیٰ کی آواز پر فوراً لبیک کہا چنانچہ روح اللہ علیہ صلوات اللہ نے اسرائیلوں اور یونانیوں میں انہیں مبلغ بنا کر اُن کے شہروں میں بھیجا'' ---کیا حضور ختم الرسلؐ کے امتیوں کے پاس اللہ کا یہ حکم موجود نہیں؟ یقیناً تھا اور ان عاشقانِ پاک طینت نے خلافتِ راشدہ کے ختم ہونے کے ساتھ ہی انصار اللہ کا منصب رضا کارانہ طور پر سنبھالنے میں گریز نہیں کیا۔ اکثر امتی تو جنگ وجدال میں مصروف ہو کر بادشاہت کی چھینا جھپٹی میں مصروف ہو گئے اور ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے ہم اس ضمن میں سابقہ ابواب میں تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں---یہاں پر ہمیں یہ کہنا ہے کہ جس طرح ایک ظاہری علامت صُفّہ (چبوترہ) پر بیٹھنے والوں کو اصحاب صُفّہ کے لقب سے پکارا گیا اور جس طرح قرآن حکیم میں يَـٰٓأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ

(73۔المزمل:1) اے چادراوڑھنے والے!'' کے خطاب سے حضور مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارا گیا۔ اور اسی طرح کے دوسرے خطابات کی متعدد مثالیں دی جاسکتی ہیں (صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں: مزمل اسم فاعل ہے اس کا مصدر ''تزمل'' ہے تزمل کی تاء کو زاء میں ادغام کردیا گیا' اس کا معنی ہے کپڑوں میں لپٹ جانا' مدثر کے بھی یہی معنی اور یہی اصل ہے'' تفصیلات کیلئے دیکھئے تفسیر مظہری جلد۔12 صفحہ 150) اور ان مثالوں سے نہ تو اصحاب صُفّہ کے تمام محاسن و کمالات کی عکاسی ہوتی ہے اور نہ حضور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت پاک بیان کی گئی ہے بلکہ ایک خاص الخاص نشاندہی مقصود ہے۔ اگرچہ مفسرین نے جب ان عنوانات کے تحت لکھنا شروع کیا تو آج تک لکھتے چلے آرہے ہیں اور ان ظاہری علامات کی کماحقہٗ تفسیر وہ مکمل نہیں کرسکے۔ لہٰذا ظاہری لباس سے نبیوں کو بھی پکارا گیا' رسولوں کو اس نوعیت کے خطابات سے نوازا گیا تو اگر صوفیہ نے ایک دوسرے کو ظاہری لباس کے حوالہ سے پکارنا شروع کیا تو قرآن وسنت کے خلاف کیونکر ہوا؟ اور ایسا کرنے کو مجہول الاصل کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے؟

''آؤ تمہیں دلوں کو دھونا سکھا دوں'' (حضرت عیسیٰؑ)

قاموس القرآن مؤلفہ ومرتبہ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی استاذِ تفسیر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی' حواریون کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حواری 'حَوَرَ' سے بنایا گیا ہے جس کے معنی ہیں خالص سپیدی کے۔ حضرت عیسیٰؑ کے صحابہ کو حواری اس لئے کہا گیا کہ (۱) اُن کے دل چونکہ کفر کی آلودگی اور نفاق کے داغ دھبوں سے پاک صاف تھے (۲) یہ لوگوں کے دلوں کو کفر کی آلودگی سے اپنے علمی و دینی فیوض کے ذریعے پاک کرتے تھے۔ (۳) یہ لوگ امراء اشراف تھے اور سپید لباس پہنتے تھے۔ (۴) یہ بھی کہا گیا کہ یہ لوگ قوم کے دھوبی تھے' حضرت عیسیٰؑ نے ان سے کہا'' کپڑے جو دھوتے ہو میرے پاس آؤ! میں تمہیں دلوں کو دھونا سکھا دوں''۔ (۵) قرآن حکیم میں حواری کو رفیق و مددگار کے معنوں میں استعمال کیا گیا (بحوالہ مفردات بیضاوی' موضح وغیرہ) صوفیہ نے البتہ انبیاءؑ وصلحاء ومقربین واصحاب صُفّہ کی اقتداء میں یہ لباس اختیار کیا جس پر ہم سیر حاصل تبصرہ پچھلے باب میں کرچکے ہیں اور بخاری شریف (باب للباس) سے وہ حدیث بھی بیان کرچکے ہیں جس میں بتایا گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صوف کا چوغہ پہنے ہوئے تھے۔

بنابراین ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ کوئی فاقد الفہم ہی یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ صوفی کا لقب اور تصوّف کی اصطلاح کا تعلق نہ قرآن سے ہے نہ سنت اور حدیث سے۔

''اصطلاح کو لغوی کی بجائے اصطلاحی مفہوم میں دیکھا جا سکتا ہے'': مولانا اصلاحی

ڈاکٹر موصوف کا یہ کہنا کہ تصوّف کا لفظ اس لئے مجہول الاصل ہے کہ اس کا مادہ ہی متفق ''علیہ نہیں' حقائق پر مبنی لغوی بحث کے کلیتاً خلاف ہے جو ہم اس بارے میں گذشتہ باب میں کر چکے ہیں۔ اور ڈاکٹر موصوف خود بھی اتفاق کرتے ہیں کہ ''صوف ہی سے تصوف مشتق کیا گیا ہے اور اس رائے پر اجماع ہے اور یہ لغت کے اعتبار سے بھی صحیح ہے''۔ تو پھر جھگڑا کس بات پر ہے؟ کیا یہ بات نا قابل فہم ہے کہ کسی نے صفا کو' دوسروں نے صف کو اور بعض نے اصحاب صُفّہ کی امتیازی خصوصیات کے پیش نظر صوفیہ اور تصوف کو ان الفاظ کے ساتھ کیوں منسوب کیا؟ لیکن حیرت تو اس بات پر ہے کہ جہاں بھی ''صوف'' کے علاوہ کسی دوسرے لفظ سے تصوف اور صوفی کو نسبت دی گئی وہاں اس کی قابل فہم وجوہ بھی تفصیل کے ساتھ بیان کی گئیں بصورت دیگر یہ بتایا گیا کہ ایسا کرنا لغوی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ اور اس بات میں کسی ایک صاحب علم نے اختلاف نہیں کیا۔ تاہم یہاں یہ کہنا سعی حاصل ہوگا کہ تصوف ایک اصطلاح ہے اس لئے اسے لغوی بحث سے ہٹ کر صرف اصطلاحی تعریفات (Definitions) کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے جیسا کہ 'علیون'' کا لفظ قرآن میں استعمال ہوا۔ سورہ المطففین ۸۳: آیت ۱۹ کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب تدبر قرآن اور ڈاکٹر موصوف کے استاذ معنوی مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں لفظ عِلّیِّیُونَ چونکہ اپنے خاص لغوی مفہوم سے الگ ایک خاص اصطلاحی مفہوم میں استعمال ہوا ہے اسلئے یہ وضاحت فرمادی گئی ہے کہ یہ ایک دفتر ہے جس کی ہر چیز ضبط تحریر میں آئی ہوئی ہے اور جس کی نگرانی بھی اللہ تعالیٰ کے خاص مقرب فرشتے کرتے ہیں''۔۔۔ تصوف کے لفظ کی بھی کچھ یہی کیفیت ہے (کتاب میں دوسرے مقام پر ہم تفصیل سے اس کے اصطلاحی معانی پر اکابر صوفیہ کی آراء پیش کر چکے ہیں) اور درحقیقت مقربین الٰہی' بزرگانِ دین' اولیاء واصفیاء امت اور وہ بیسیوں القابات جن سے ان چنیدہ و برگزیدہ اصحاب کو پکارا گیا ہے وہی چونکہ اول روز سے

تصوف کے محافظ اور علوم تصوف پر عوام وخواص کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے آئے ہیں دوسری اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ تصوف کے معانی ومفہوم اوراس کے مصادر کی اس کے علاوہ کوئی توجیہہ کی جائے جو خودان بزرگوں نے صوفی اور تصوف کے مقاصد ومعانی کے بیان میں کی ہے۔

چند خوانی حکمتِ یونانیاں حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

(ترجمہ: یونانیوں کی حکمت کب تک پڑھو گے۔ ایمان والوں کی حکمت بھی پڑھ کر دیکھو)

حضرت علامہؒ فرما گئے ہیں کہ ابلیس نے اپنے سیاسی فرزندوں کے نام یہ فرمان جاری کیا تھا کہ۔

فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

کیا (یہ بحث ثابت نہیں کرتی کہ) ڈاکٹر موصوف بھی تلبیس ابلیس کا ہی کا تو شکار ہو چکے ہیں؟ حضرت علامہ ایک اور شعر (حضرت کی روح پاک سے معذرت کے ساتھ) چنداں تصرفات کے بعد تجدد پسند دانشورانِ دین کے فکرونظر کی جلا کیلئے پیش ہے:۔

وہ فرنگی مدنیت کہ جو تھی خود لبِ گور زندہ کرسکتی تھی ایران و عرب کو کیونکر

اور یہ بھی تو حضرت علامہ فرما گئے ہیں:

کیا ہے تجھ کو کتابوں نے کور ذوق اتنا صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوئے گل کا سراغ

فروغ مغربیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے تری نظر کا نگہبان ہو صاحبِ مازاغ

اسم اللہ کا نہ کوئی اشتقاق ہے نہ باب: ابن کثیر

کیا ہم اللہ ہی کو تسلیم کرنے سے انکاری ہو جائیں گے؟

تجدد پسندوں کی فکرونظر کی جلا کے لئے مزید یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ اسم اللہ کا نہ کوئی اشتقاق ہے نہ کوئی باب (تو کیا اب یہ لوگ اسم اللہ سے بھی اس وجہ سے انکاری ہو جائیں گے کہ اس کا کوئی اشتقاق ہے نہ کوئی باب؟ حضرت علامہ خوب فرما گئے: ''بہتر ہے کہ بیچارے مولوں کی نظر سے۔۔۔۔ پوشیدہ رہیں باز کے احوال ومقامات۔

حافظ ابن کثیر لفظ اللہ کی تحقیق کرتے ہوئے اپنی تفسیر جلد اول صفحہ 33 پر رقمطراز ہیں اللہ وہ نام ہے جو سوائے اللہ تبارک تعالیٰ کے اور کسی کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عرب کو یہ بھی

معلوم نہیں کہ اس کا اشتقاق کیا ہے؟ اس کا باب کیا ہے؟ بلکہ نحویوں کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ یہ اسم جامد ہے اور اس کا کوئی اشتقاق ہے ہی نہیں۔ قرطبی نے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا یہ مذہب نقل کیا ہے جن میں حضرت امام شافعیؒ 'امام خطابیؒ امام الحرمین امام غزالیؒ وغیرہ شامل ہیں'۔ صاحب تفسیر مظہری قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی فرماتے ہیں: ''اللہ' اس ذاتِ واجب الوجود کا علَم ہو گیا ہے جو مجمع کمالات اور رزائل سے پاک ہے اور اسی لئے یہ لفظ خود موصوف ہوا کرتا ہے کسی اور لفظ کی صفت واقع نہیں ہوتا۔ یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں مبادی والفاظ کا لحاظ نہیں ہے بلکہ غائت ومعانی کا لحاظ رکھا گیا ہے (اسی لئے رحمت کا انجام احسان ہے وغیرہ)۔

ظاہر سے زیادہ باطن کا خیال رکھنے والے کو صوفی کہا جاتا ہے

لغوی بحثوں کے ضمن میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ صوفی ائمہ کی توجیہات کے ساتھ عربی زبان کے اہل لغات کا بھی اس امر میں کوئی اختلاف تا حال سامنے نہیں آیا کہ جس سے یہ شبہ پیدا کرنے کی گنجائش نکالی جا سکتی ہو کہ تصوف کا لفظ یونانی لغت سے لیا گیا ہے۔ چنانچہ جس لغت کو چاہیں دیکھ لیں تصوّف کے معنی یا تو ''صوف پہنا'' کے لکھے ہوں گے یا ''صوفی بننا'' لکھا ہوا ہوگا۔ صُوف کا لفظ براہ راست قرآنی لفظ ہے جس کے معنی اون کے ہیں (80:16) جو دیگر الفاظ یا کلمات بنائے گئے وہ بھی اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ تصوّف خالص عربی زبان سے اخذ کی گئی اصطلاح ہے۔ مثلاً صَوَّف کَلَامَہٗ' کے معنی ہیں صوفیوں کے انداز میں گفتگو کرنا۔ صوفی (جمع صوفیہ) کے معنی ہیں ظاہر سے زیادہ باطن کا خیال رکھنے والا عبادت گزار۔ مذکورہ صدر تشریحات کے پیش نظر تصوّف کی اصطلاح جس قدر معقول المعانی ہے' اسے کوئی مجہول العقل انسان ہی مجہول الاصل قرار دے سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی نہ معلوم کیوں ع ''شیخ و مُلا'' کو بُری لگتی ہے درویش کی بات''۔

دورِ حاضر کے ایک معروف دانشور اور روشن خیال مذہبی سکالر' صاحب ''تصوّفِ اسلام'' مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی تحقیق یہ ہے کہ: ''اصطلاحِ تصوّف کب سے رائج ہوئی؟' اس بحث کا یہاں موقع نہیں' نہ اس لفظ کے اشتقاق اور اس کی تحقیق لغوی کو اس وقت بیان کرنا مقصود ہے۔ یہاں کہنا صرف یہ ہے کہ اس گروہ کے اکابر قدیم پہلے سے مسلمان تھے' پھر صوفی' وہ تصوّف کو

اسلام کے مقابل ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت سے نہیں لائے تھے' بلکہ اسلام کے ماتحت اسی کی پاکیزہ ترین صورت کو تصوّف کہتے تھے۔ اور وہ اپنے اسلام کو اپنے تصوّف پر مقدم رکھتے تھے اور تصوّف کو محض اس لئے عزیز و محبوب رکھتے تھے کہ وہ ان کی نظر میں اسلام کی خالص ترین اور پاکیزہ ترین تعبیر تھی۔۔۔۔ان حضرات کے نزدیک تصوّف کا مفہوم محض اس قدر تھا کہ اتباع کتاب و سنت میں انتہائی سعی کی جائے' اسوۂ رسولؐ و صحابہؓ کو دلیل راہ رکھا جائے اوامر و نواہی کی تعمیل کی جائے۔ طاعات و عبادات کو مقصود حیات سمجھا جائے' قلب کو محبت و تعلقِ ماسوا سے الگ کیا جائے۔ نفس کو خشیتِ الٰہی سے مغلوب کیا جائے اور صفائے معاملات و تزکیہ باطن میں جہد و سعی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے پائے۔

تصوّف کی جملہ اصطلاحات کا مآخذ قرآن و سنت ہے

اکابر صوفیہ کرام نے نہ صرف یہ کہ تصوّف کی اصطلاح تزکیہ نفس کے سلسلہ میں قرآن سنت کے مفہوم و منشاء کی تکمیل کیلئے اختیار کی بلکہ علوم تصوّف کے تفصیلی بیانات میں بھی جو اصطلاحات بعدازاں اختیار کی گئیں اُن کا ماخذ بھی قرآن و سنت ہی ہے۔ معرفتِ خداوندی و عرفانِ ذاتِ الٰہیہ قدیم سے ادیان و فلسفہ کے نظری مسائل رہے ہیں اور اس ضمن میں تصوّف سے منسلک اہل صدق و صفا نے جملہ الفاظ و اصطلاحات (Vocabulary) عربی زبان سے اخذ کی۔ اور کبھی ہندی' ایرانی' یونانی' غیر اسلامی مصطلحات کو اختیار نہیں کیا۔ مثلاً اصلاح نفس کیلئے ہندوستان کی مقامی زبان میں لفظ ''یوگ'' استعمال ہوتا اور یوگ پر عمل پیرا شخص کو یوگی کہا جاتا تھا تو انہوں نے اسے تصوف اور صوفی ہی کہا۔ اللہ عربی اور خدا فارسی میں ذاتِ باری کا اسم ذات ہے تو انہوں نے ان اسماء کی بجائے کبھی ایشور' پرم آتما' بھگوان' یا اوم وغیرہ کے اسم استعمال نہ کئے۔ رشی کو عارف' ستیہ کو الحق' برہمن کو حق' چت کو ادراک یا شعور' انند کو سعادۃ' ادویت کو نفی دوئی' جیوآتما کو فطرتِ اعلیٰ' سنتوش کو تسلیم و رضا' برہم استتھ کو قیام بالحق' بھگت کو طالبِ مولیٰ' جنانی کو عارف' استتھ پرجنیہ کو مستوی علی الحکمۃ' اپنشدوں کی اصطلاح برہم سوتر کو تصوف' بدھ مت کی اصطلاح بھکشو' ستارہ پرستوں کی کاہن' سکھوں کی گیانی' یہودیوں کی ربی' عیسائیوں کی راہب و پادری' ہندوؤں کی پروہت یا پنڈت کو عالم دین یا مولوی ہی کہا' مہا گرو یا گرو دیو کے مقابلہ میں پیر و مرشد یا شیخ' آتما کو روح' شانتی کو اطمینان' بدھی کو عقل' دھرم کو مذہب' سوگن کو صاحب صفات' سرو دیا

کومحیط کل، اتریامی کو جاری وساری، سراسر ستہ کو سراپا وجود نفس امارہ کی اصطلاحات میں موہ کو حرص، اہنکار کو عجب، لوبھ کو طمع، کرودھ کو غضب، ویراگ کو تبتل یا ماسواء اللہ، انوبھو کو مشاہدہ، برہم جنجاس کو معرفتِ باری تعالیٰ برہم ستیم متھیا کو لاموجود الاھوا یکم ستہ دو تیونا ستی کو لا الہ الا اللہ ہی کہا۔ رویتِ الٰہی کے ضمن میں ویدانت کی اصطلاحات میں ''دم'' کو ضبط نفس'' ''دان کو ایثار'' ''دیا'' کو شفقت ''جپ'' کو ذکر'' ''تپ'' کو مجاہدہ'' ''گیان دھیان'' کو مراقبہ ''تپسیہ'' کو ریاضتِ نفس'' ''بردے'' کو قلب'' ''وشرام'' کو استراحت'' ''سنسار'' کو دنیا'' ''اَھم ورتی'' کو فنائے نفس'' ''ودیا'' کو حقیقی علم، ''اودیا'' کو جہالت'' ''مایا'' کو قدرتِ تخلیق'' ''ویورت واد'' کو شہود'' ''اویکت پرکرتی'' کو صورِ علمیہ یا اعیانِ ثابتہ ہی کہا۔ لہٰذا ان صوفیہ مصلحین و مقربین پر یہ الزام کہ انہوں نے تصوف کا لفظ یونان سے لے کر ''پہاڑ جیسی غلطی'' کا ارتکاب کیا، محض جھوٹ، فریب دہی، اور بہتان نہیں تو ظلوم و جہول کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟۔ حضرت علامہ فرما گئے ہیں۔

زاغ کہتا ہے نہایت بدنما ہیں تیرے پر — شپرک کہتی ہے تجھ کو کور چشم و بے ہنر
لیکن اے شہباز یہ مرغانِ صحرا کے اچھوت — ہیں فضائے نیلگوں کے پیچ و خم سے بے خبر
ان کو کیا معلوم اس طائر کے احوال و مقام — روح ہے جس کی دم پرواز سر تا پا نظر

حضرت علی ہجویری کشف المحجوب میں فرماتے ہیں:

''حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ذهب صفو الدنيا و بقى كدرها'' عمدہ چیزوں کا نام بھی صفو ہوتا ہے، پس جب اپنے اخلاق و معاملات کو ان نفوسِ قدسیہ نے مہذب بنالیا اور آفتوں اور بلاؤں سے اپنی طبعیت کو پاک صاف کر لیا تو اس کا نام صوفی رکھا گیا۔ پس صوفی صاحب وصول ہوتا ہے (اپنے سے فانی حق کے ساتھ باقی) متصوف صاحبِ اصول ہوتا ہے (مجاہدہ سے اس درجہ کو طلب کرتا ہے) اور مستصوف صاحبِ فضول ہوتا ہے (دنیا کا مرتبہ اور عزت حاصل کرنے کیلئے خود کو صوفی ظاہر کرتا ہے) ابوبکر وراق ترمذیؒ فرماتے ہیں: جس شخص نے زہد کے بغیر توحید کی بات پر اکتفا کیا زندیق ہوا۔ اور جس کسی نے پرہیز گاری کے بغیر علم فقہ اور شریعت کو کافی سمجھا فاسق ہوا۔

تصوف اور صوفیہ کے نکتہ چیں علماء ظاہر کو ہمیشہ غور و فکر کرنا چاہیے کہ امت مسلمہ کے اہل علم و تقویٰ و پرہیز گاری اور عوام الناس کی اکثریت کس طرف ہے؟ حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے: میری امت کا اجتماع گمراہی پر نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے خلاف ہو سکتا ہے''۔ کاش حکمت،

فراست اور تدبر کی باتوں کے یہ تجوز صوفیہ کے ناقدین کو کچھ فائدہ دے سکتے!۔

''حکومتِ الٰہیہ'' صوفیہ کیلئے اچنبے کی بات نہیں

(تصوّف کی ابجد سے ناواقف تصوف پر گفتگو کے اہل نہیں)

مسلمان اہل دانش و سیاست جس موضوع یعنی حکومت الٰہیہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ پر اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں وہ صوفیہ کیلئے اچنبے کی بات نہیں لیکن وہ اور اُن کے فکری مرشدانِ معنوی محض سوئے ظن و تخمین سے کام لے رہے ہیں جب کہ ڈاکٹر اسرار جیسے طبّی ہنرمند تو تصوّف کی ابجد سے ناواقف ہونے کے باعث اس موضوع پر گفتگو کے بھی اہل نہیں ہیں۔قرآن کا حکم ہے کہ ''دعوتِ دین میں حکمت سے کام لیا جائے'' (150,97:6) جب کہ حکمت کا دارو مدار تزکیۂ نفس کی تکمیل پر ہے اور تزکیہ نفس کیلئے رہنمائے کامل کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی ضرورت سے کوئی صاحب عقل انکار نہیں کر سکتا۔ (تاہم اس موضوع پر ہم کسی دوسرے مناسب مقام پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔مؤلف)

علمائے ظاہر کی بوالعجبیاں

اہل اللہ یعنی صوفیہ نے اوّل روز سے اب تک حقیقی اہل علم کے دو گروہوں' محدثین و فقہاء کے خلاف کبھی محاذ آرائی نہیں کی اس لئے کہ وہ نفاق و انتشار کی بجائے خلوص و محبت سے دعوتِ دین کا فریضہ نبھانے پر سختی سے کاربند ہیں۔ جب کہ منصور حلاجؒ کے خلاف چوراسی (84) علماءِ ظاہر سلطان وقت کی تلوار کے خوف سے موت کا فتویٰ جاری کرتے ہیں۔لیکن منصور موت سے چند ثانیے قبل دعا کرتا ہے کہ ''اے اللہ! میرے قاتلوں کو معاف کر دے''۔ (دیکھیے حضرت علامہ کی ''تاریخ تصوف'' صفحہ (83) اور اسی سلسلے میں دیکھیے شیخ فرید الدین عطارؒ اور ابوبکر شبلیؒ کی شہادتیں (ایضاً صفحہ 85) مطلب یہ کہ علمائے ظاہر نے ہمیشہ صوفیہ کو مدِ مقابل بنا کر ان پر طعن و تشنیع کے کوڑے برسائے اور کفر و الحاد و انحراف کے فتاویٰ کے ذریعے چرکے لگانے کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ چنانچہ ایسے حالات میں امام قشیری کو اشعری کے دفاع میں پوری کتاب لکھنی پڑی اور کتابی ضخامت کی ایک شکایت پوری دنیا کے علمائے اسلام کو بھجوائی جس کا اس تالیف میں دوسری جگہ تفصیل کے ساتھ ذکر موجود ہے کتاب ''الملل والنحل'' کا منصف ابن حزم بھی اشاعرہ

کے خلاف ہے۔ صوفیہ الاشعریہ کو جاہل' گمراہ' کافر' ملعون کہتا تھا۔ (دیکھئے رسالہ قشیریہ صفحہ 49) ابن جوزی کی صوفیہ پر تنقید کے جواب میں مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے شدید اعتراضات پر رسالہ قشیری میں ڈاکٹر پیر محمد حسن کے مقدمہ کا صفحہ 50 ملاحظہ ہو۔ ان علمائے ظاہر کا اپنا حال یہ ہے کہ دین میں اصلاح نفس کے ایسے پہلوؤں پر قلم اُٹھاتے ہیں' کہ جن کی ابجد سے انہیں واقفیت نہیں ہوتی' تو ان سے عجیب و غریب ستم ظریفیوں اور لطیفوں کے ارتکاب کا اظہار ہوتا ہے جنہیں پڑھ کر انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

ڈاکٹر اسرار کے کتابچہ ''مروجہ تصوّف یا سلوکِ محمدیؐ؟ یعنی احسانِ اسلام! کا آغاز ہی ''مسائل حکمت'' کے ضمن میں ''تصوّف'' سے ہوتا ہے اور ڈاکٹر موصوف اپنے تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء سے اپنی گفتگو کا ''جامع عنوان'' تصوف کو قرار دیتے ہیں۔ اور کوئی وقت ضائع کئے بغیر اور کسی دلیل یا وضاحت کی ضرورت محسوس کئے بغیر تصوف پر سنتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے انحراف والحاد کا فتویٰ صادر کرنے کی جہالت کا ارتکاب کرتے ہیں۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

اہل علم اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ علوم تصوف یا سلوک محمدیؐ کا بنیادی اور جامع موضوع تزکیۂ نفس ہے نہ کہ ''مسائلِ حکمت'' چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے علوم دینیہ میں مرشد معنوی مولانا امین احسن اصلاحی کو بھی جب صوفیہ اور تصوّف پر علمائے ظاہر کی اقتداء میں غیظ و غضب نازل کرنے کا شوق دامنگیر ہوا تو انہوں نے اپنی کتاب کا عنوان ''تزکیۂ نفس'' ہی پسند کیا۔ حالانکہ مولانا اصلاحی کی کتاب ''تزکیۂ نفس'' محقق صوفی امام الحرمین حضرت امام غزالیؒ کی تصوّف کے موضوع پر لکھی گئیں متعدد کتب میں سے دو ضخیم کتب' کیمیائے سعادت (فارسی) اور احیاء العلوم الدین (عربی)' کا خلاصہ اور سربہ سر نقل ہے' لیکن انہوں نے تزکیۂ نفس کو تصوف موضوع کی بجائے ''احسان'' کا نام دیدیا۔ اور اُن کی ''علمی دیانت'' کا یہ عالم ہے کہ موصوف نے اس پر غزالی'' کا حوالہ دینا یا انہیں Credit دینا مناسب خیال نہیں کیا۔ دوسری جانب مولانا اصلاحی نے ابتدائی دور کے صرف ایک ''صوفی'' کے افکار و نظریات کو بنیاد بنا کر جملہ بزرگانِ دین کی کھال ادھیڑ کر رکھ دی۔

اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تصوّف ہو یا احسانِ اسلام' علمائے کرام اس موضوع پر جب بھی کلام کا آغاز کرتے ہیں تو وہ طریق کار کے ضمن میں اُن آیاتِ قرانیہ کو اساسی قاعدہ کلیہ

قرار دیتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے پنجگانہ فرائض نبوت، مقاصد بعثت کا تعین کیا گیا ہے کیونکہ صلحاء و اصفیاء امت کے نزدیک سلوکِ محمدیؐ یا تصوف کی بھی اساس وہی مسنون طریقِ عظمت ہے۔ چنانچہ پنجگانہ فرائض نبوت یہ ہیں: (۱) تلاوتِ آیات (۲) تزکیۂ نفس (۳) تعلیم کتاب (۴) تعلیم حکمت (۵) وہ تعلیم کہ جس کا ہمیں علم نہیں یعنی علم لدنی۔ (بحوالہ سورۃ البقرہ: آیت 151)۔ علامہ اقبالؒ نے بھی تصوّف کے مآخذ کی بحث میں اسی قرآنی آیت کو صوفیہ کے اساسی قاعدہ کلیہ کے طور پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار کے مرشدِ معنوی مولانا اصلاحی اپنی کتاب تزکیۂ نفس میں احسانِ اسلام کی بنیاد انہی آیات کو بناتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر اسرار کی شعوری و فکری جہت (Intellectual approach) ایسی پراسرار ہے کہ انہوں نے پوری کتاب میں کسی جگہ اس آیت کا حوالہ قریب نہیں آنے دیا۔ آغاز ہی ''مسائلِ حکمت'' سے کیا کیونکہ وہ یونانی الفاظ بمعنی حکمت و حکیم کو تصوّف کا مآخذ قرار دے کر علوم تصوف کو غیر اسلامی اور سلوکِ محمدیؐ اور سنت رسول ﷺ سے انحراف ثابت کرنے کا تہیۂ طوفاں کئے ہوئے تھے۔ بلکہ اس بحث میں اپنے اختتامی دلائل (Concluding Remarks) میں تو تزکیۂ نفس کے صوفیانہ طریقوں پر ''الحاد'' کا فتویٰ جڑ دینے سے بھی گریز یا شرم محسوس نہیں کرتے (دیکھئے ص۔40)

بوا بھسکو نے سلیقہ کیا میانی پھاڑ گھٹنے پر پیوند سیا

فرائض نبوت یا مقاصد بعثتِ رسول ﷺ میں پہلے تین مراحل کو نظر انداز کرتے ہوئے ''حکمت'' پر جست لگا دی گئی اور سنت رسول ﷺ سے انحراف کا الزام بھی اہل تصوّف پر ڈال دیا گیا ع ''اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا''۔ اس پر طرفہ یہ کہ تصوّف کا موضوع اور مقصد صدفی صد درست اور خالص اسلامی قرار دینے کے ساتھ ہی تصوّف کی اصطلاح یونان سے درآمد کرنے کا اتہام لگا کر اسے پہاڑ جیسی غلطی کہہ کر اس پر غیر قرآنی اور مجہول الاصل ہونے کا فتویٰ بھی صادر کر دیا گیا۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّا کارِ طفلاں تمام خواہد شد

مزید چابکدستی کا مظاہرہ دیکھئے کہ تصوّف کے جس مقصد و موضوع کو عین دین اور عین مطلوب و مقصود قرار دیا گیا اُس کی تفصیلات کیلئے بھی موصوف نے فلاسفۂ یونان میں کے ایک حکیم فلاطینوس (Plotinus) کے فکر و نظر کی محض جگالی پر اکتفا کیا۔ گویا کہ قرآن وسنت کی تعلیمات

کے مطابق اصطلاح باطن یا تزکیۂ نفس یا احسان اسلام کے حقیقی مقاصد و مدعا کی تشریحات اور سلوکِ محمدی ﷺ کی رُوح پرور اور نازک گھاٹیوں کو یونانی فلسفہ سے غلط سلط کر کے بیان کرنے کو موصوف نے دانشوری خیال کیا۔ قطع نظر اس سے کہ تشریحات کے مطابق تہذیب نفس، تصفیۂ نفس اور تجلیۂ روح کی منزلیں طے کرنے سے تو لگتا ہے کہ وہ روح کو وحدت الوجود کی آخری منزل سے ہمکنار کرنے کے قائل ہیں اور اس کا الزام صوفیہ کے سر ڈال کر خود کو بری الذمہ قرار دے رہے ہیں۔ وہ ''تحریر الروح'' کی ایک نئی اصطلاح بھی گھڑتے ہیں اور انسانی شخصیت کے ارتقاء کی بحث میں تہذیب و تزکیۂ نفس (یعنی Self-purification) اور ضبطِ نفس (Self Control) کو مطلوب قرار دیتے ہیں (ص۔ 18-19) اور یہی بات تو یونانی حکیم فلاطینوس کہتا ہے (گویا کہ صوفیہ کی بات نہیں مانیں گے، فلاطینوس کو گرو تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یعنی گڑ کھانا ہے گلگلوں سے پرہیز ضروری ہے ورنہ گلے کے خناق میں مبتلا ہو جائیں گے ڈاکٹر موصوف ''دعا دیتا ہوں برہمن کو میں'' کے مصداق اپنی فکری یا ''روحانی'' پیش رفت میں یونان کے حکیم فلاطینوس یا فلوطین کے فکر و فلسفہ کے مرہون منت ہونے کے باعث خود ''ہمالیہ سے بھی بڑی غلطی کے مرتکب ہونے یا قرآن و سنت سے انحراف یا الحاد کے ارتکاب میں ہرگز بھی کوئی مضائقہ تصور نہیں کرتے۔

دانشوروں کا ''روحانی'' استاد حکیم فلاطینوس کون ہے؟

یونانی سوفسطائی یونے پی الیس (Eunapius) کے بیان کے مطابق فلوطین 204ء یا 205ء میں مصر کے ایک شہر لائیکا پولس میں پیدا ہوا۔ 28 سال کی عمر میں اُس کے دل میں تلاشِ حق کا زبردست جذبہ پیدا ہوا۔ وہ مصر کے شہر اسکندریہ آیا ایک دوست ایمونیئس سیکس (Ammonius Saccas) کے درس میں لے گیا۔ جہاں وہ اپنے استاد کی وفات تک یعنی گیارہ سال تک مقیم رہا اور تمام متداولہ علوم میں مہارت حاصل کی۔ پھر وہ قیصر روم کی فوج میں بھرتی ہو کر عراق چلا آیا۔ قیصر روم قتل ہو گیا تو وہ بمشکل انطاکیہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں آخری دم تک مقیم رہا۔ اُس وقت تک فلوطین 54 رسالے قلمبند کر چکا تھا۔ فلوطین کی وفات گلے میں تکلیف سے ہوئی۔ آخری وقت میں اُس نے اپنے شاگرد فرفریوس کو مخاطب کر کے کہا: ''میں اپنی اوھیۃِ مقیدہ کو الوھیۃِ مطلقہ کے حوالے کر رہا ہوں'' یہ کہہ کر آنکھیں بند کر لیں اور

وفات پائی۔ کہتے ہیں فلوطین زبردست روحانی قوت کا مالک تھا اور اپنی کشفی اور روحانی قوت سے غیب سے بہت کچھ معلوم کر لیتا تھا۔ وہ ہر وقت خدا' خودی اور کائنات کی ماہیت اور اُن کے ربط باہمی کی نوعیت پر غور و فکر کرتا رہتا تھا۔ جب تک زندہ رہا مادی عالم سے بالاتر ہونے کی کوشش کرتا رہا۔ اُس کی زندگی کا واحد مقصد اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں گم کر دینا تھا۔ فرفریوس (Porphyry) کا کہنا ہے کہ میرے قیام ہفت سالہ کے دوران میں استاد کو ذات باری کے ساتھ کامل اتحاد کی نعمت چار مرتبہ نصیب ہوئی اور مجھے بھی 68 سال کی عمر میں ذات باری سے وصل کی نعمت حاصل ہوئی۔ فلوطین کے فلسفے کی بنیاد وحدتِ وجود پر ہے۔ فلوطین کے نزدیک معرفت (Gnosis) حقیقت تامہ تک پہنچ جانے کا نام ہے جہاں پہنچ کر عارف انسانِ کامل بن جاتا ہے۔ فلوطین ارواح کے تناسخ کا بھی قائل ہے اُس کے نزدیک جو لوگ نفسِ امارہ کی غلامی کرتے ہیں ان کے مرنے کے بعد ان کی ارواح حیوانات میں چلی جاتی ہیں۔ اور نیک لوگوں کی ارواح پھر نیکوں میں منتقل ہو جاتی ہیں۔

جرمن مفکر ٹرولش کا قول ہے کہ اگر انجیلی عیسائیت کو نو فلاطونیت سے ممزوج (آمیختہ) کر دیا جائے تو عصرِ حاضر کے تمام مسائل کا حل دستیاب ہو سکتا ہے۔ فلوطین درحقیقت یونان کے اسی روحانی علمی و فکری قافلے کا بڑا مفکر ہے جس میں سقراط' افلاطون' ارسطو' آگسٹن' ٹامس ایکوئناس' برونو (جو شہید علم و صداقت کہلاتا ہے' جسے 1600ء میں کلمہ حق کہنے کی پاداش میں رومی کلیسا نے زندہ جلا دیا تھا)' پیسکل اور اسپنوزا جیسے نامور حکماء شامل ہیں۔ اُس کا ایک قول ہے کہ انسان صرف علم (فلسفہ) سے زندہ نہیں رہتا۔ وہ نعمت جس کی بدولت اطمینانِ قلب حاصل ہو سکتا ہے صرف اس عالم میں پائی جاتی ہے جو عقل سے بالاتر ہے۔ اس کے پیروانِ مسلکِ معرفت کے عقیدہ کو (Gnosticism) کہا جاتا ہے۔

فلوطین کے نزدیک تزکیۂ نفس کے تین مراتب

فلوطین کی رائے میں ہم یہ نہیں جان سکتے کہ خدا نے یہ دنیا کیسے پیدا کی۔ وہ کائنات کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ وہ خدا سے اتصال کامل پیدا کرنے یعنی قرب حاصل کرنے پر یقین رکھتا ہے۔ وہ زہد کی تعلیم دیتا ہے مگر نفس کشی (Self-annihilation) کو پسند نہیں کرتا لیکن تزکیۂ نفس کو وصل کیلئے شرط اول قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو لوگ اس طرح سے خود کو پاک و

صاف (Purify) کرنا چاہتے ہوں اُنہیں چاہیے کہ وہ عالمِ مادی اور علائقِ دنیوی سے تجنّب (قطع نظر) اختیار کریں اور تہذیب وتزکیۂ نفس میں منہمک ہو جائیں۔ چنانچہ فلوطین کے نزدیک تزکیۂ نفس کے تین مراتب ہیں۔

(۱) تصفیۂ نفس: اس سے مراد ہے نفس کو تمام صفاتِ رذیلہ سے پاک کیا جائے۔

(۲) تجلیۂ نفس: یعنی میل کچیل دور کر کے نفس کو صیقل کیا جائے اور اس کو جلا دی جائے تا کہ وہ صفاتِ جمیلہ قبول کر سکے۔

(۳) تحلیۂ نفس: یعنی نفس کو صفاتِ حمیدہ سے آراستہ کیا جائے۔

فلوطین کے نزدیک سلوک معنوی کے تین مرحلے ہیں (۱) مرحلۂ اول ہے طلب حقیقت وزیبائی (Truth & Beauty) کیونکہ جو حقیقی ہے وہ جمیل ہے (۲) مرحلۂ دوم ہے عشق: یہ سیر وسلوکِ نفوسِ پاکیزہ کا دوسرا مرحلہ ہے۔ یعنی اربابِ ذوق ہمیشہ تجلیاتِ محسوس جمال کی جستجو کرتے رہتے ہیں' (۳) مرحلۂ سوم ہے حکمت: حکمت یا عشقِ کامل یہ ہے کہ سالک کی نگاہ مادیات کے حسن وجمال سے بلند تر ہو کر خالقِ مادہ واجسام کے جمال پر مرتکز ہو جائے۔

فلوطین کہتا ہے کہ جب ہم دل کی آنکھیں کھولیں گے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ جس کی طلب میں ہم سرگرداں ہیں وہ ہم سے دور نہیں ہے بلکہ ہمارے اندر موجود ہے۔ یہ وصل بالحق کی وہ منزل ہے جو ایک طالب کو مجاہدے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس حالت کو بے خودی (Ecstacy) کہتے ہیں۔ (تفصیلات کیلئے دیکھئے پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی کتاب ''تاریخ تصوف'')

درج بالا (حرف بحرف) وہی ''روحانی'' فلسفہ ہے جو ہمارے دوست ڈاکٹر اسرار کو بھا گیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ہائی سکول کے ایک استاد مولانا قاری منتخب الحق قادری کے حوالہ سے ''تصوف کا منصوص ومسنون طریق'' کے زیرِ عنوان' بیدل کا ایک شعر لکھتے ہیں:

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو و سمن درا
تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دل کشا بہ چمن درا

(شاعر کہتا ہے کہ بڑا ہی ستم کا معاملہ ہے' بڑا ظلم ہے کہ تجھے خواہش نفس کھینچ کر لے جاتی ہے کہ چلو باغ میں سرو و سمن کی بہار دیکھیں۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تو خود ایک کھلا ہوا غنچہ

ہے' اپنے دل کا دروازہ کھول اور جو باطنی چمن اللہ تعالیٰ نے تیرے باطن میں کھلا رکھا ہے کبھی اس کی سیر بھی کر) (ڈاکٹر موصوف کی کتاب کا صفحہ 16۔ ملاحظہ ہو) اسی قسم کی ایک مثال ڈاکٹر موصوف صفحہ 20 پر بھی دیتے ہیں۔ انہوں نے ہائی سکول کے ابتدائی زمانے میں ایک گیت سنا تھا جس کے کچھ بول اُنہیں اب تک یاد ہیں: ''تم ہی نے مجھ کو پریم سکھایا' سوئے ہوئے ''ہردے'' کو جگایا''۔ ہندی زبان میں ہردہ کہتے ہیں جی یا نفس کو۔ انہیں حفیظ جالندھری کا بھی یہ مصرع یاد ہے: جاگ ''سوزِ عشق جاگ''۔ اوپر فلوطین کے نظریات بھی ملاحظہ ہوں۔ جہاں وہ دل کی آنکھیں کھولنے اور واصل بالحق کی منزل پا جانے کی تلقین کرتا ہے۔ اور فلوطین کے نظریہ سلوکِ معنوی کا مرحلۂ دوم عشق ہے جو بقول چشتی اربابِ ذوق کا پسندیدہ شغل ہے۔ ''انسانی شخصیت کے ارتقاء'' (ص۔18-19) کے زیرِ عنوان ڈاکٹر موصوف بھی فلوطین کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تہذیب و تزکیہ کا مقصد نفس کو فنا کرنا نہیں۔ وہ فلوطین کی اصطلاحات ''تصفیۂ نفس'' کو تصفیۂ قلب میں اور تجلیۂ نفس کو تجلیۂ روح میں تبدیل کرتے ہوئے (نقل راعقل بائید کے مصداق) تحلیۂ نفس کی جگہ نئی اصطلاح ''تحریر الروح'' وضع کر کے اسے نفسِ امارہ کے تسلط سے چھڑا کر روح کی آزادی سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ کیا یہ سب قرآنی فلسفہ ہے

صاحبِ یقین کا ایمان ''اندھا یقین'' ہے؟

صفحہ 21-22 پر ''حصول ایمان کے ذرائع'' کی تفصیل بتاتے ہوئے ڈاکٹر موصوف صاحبِ یقین کی صحبت سے ایمان حاصل کرنے اور شریعت پر عمل پیرا ہونے کو اندھا یقین (Blind faith) قرار دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک مذکورہ دونوں ذرائع سے حاصل ہونے والے ایمان میں گہرائی تو ہو سکتی ہے' وسعتِ فکر و نظر نہیں ہو گی۔ اُن کا کہنا ہے کہ شدت یقین' وسعتِ فکر و نظر اور شعوری (Intellectual) ایمان صرف قرآن سے ملے گا۔ لیکن اب اُن سے کون کہے کہ قرآن بھی کیا آپ جیسی فلوطینی فکر و نظر رکھنے والا پڑھائے تو بات بنے گی؟ کیونکہ صاحبِ یقین کی صحبت یا شریعت پر عمل درآمد سے تو انسان اندھے کا اندھا ہی رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ قرآنِ حکیم جب ابھی نازل نہیں ہوا تھا اُس وقت تک حضورؐ پر ایمان لانے والے صحابۂ کبارؓ کے ایمان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا حضور ﷺ کے فیضان نظر سے حاصل ہوئے ایمان کو غیر شعوری کہنا (یا جو الفاظ ڈاکٹر صاحب نے استعمال کیے ہیں) ایک انتہا درجہ کی جسارت نہیں؟؟؟ حضرت علامہ فرماتے ہیں:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی — سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی؟

اور یہ بھی کہ

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں — جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

حضرت علامہ یہ بھی فرما گئے:

آگ اس کی پھونک دیتی ہے برناؤ پیر کو — لاکھوں میں ایک بھی ہو اگر صاحبِ یقیں

تلاوت آیات کے بعد ہی تو صاحبِ یقین کی صحبت سے تزکیۂ نفوس کی دولت ارزانی ہوتی ہے، جس کے بعد تعلیم کتاب کا مرحلہ آتا ہے۔ چنانچہ بقول حضرت علامہؒ:

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں — ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی دعا کی ترتیب کو منظوری کے وقت اللہ بزرگ و برتر نے تبدیل کر دیا تھا اور تزکیۂ نفس کو چوتھے مرحلہ سے اُٹھا کر دوسرے مرحلہ پر لایا گیا۔ قرآن حکیم کے اسرار و رموز حکمتوں اور برکات سے فیض یاب ہونے کی شرط اول کے طور پر جو دعا (سورۃ فاتحہ) سکھائی گئی اُس کے آخری جملے یہ ہیں کہ یا اللہ رحمٰن و رحیم! ''چلا ہم کو سیدھے راستے پر، راستہ اُن لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا نہ اُن کا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا''۔ پھر قرآن حکیم میں یہ تصریح بھی فرما دی گئی کہ یہ سیدھا راستہ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کے نقوش پا ہی سے تو سیدھے راستے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ انہی کی محفلوں اور صحبتوں میں بیٹھنے کی قرآن حکیم میں مسلسل و متواتر تلقین کی گئی ہے۔ لیکن ڈاکٹر موصوف کے نزدیک اس سے شعور کی آنکھ ہی کھل نہیں سکتی۔ حضرت علامہ شاید ایسے ہی کور نگاہ علمائے ظاہر کیلئے فرما گئے تھے۔

ترے محیط میں کہیں گوہرِ زندگی نہیں — ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش — لاکھ حکیم سربجیب ایک کلیم سربکف

ڈاکٹر اسرار احمد دعویٰ رکھتے ہیں کہ تصوف کی اصطلاح یونان سے لانے کی پہاڑ جیسی غلطی کے ارتکاب سے کتاب و سنت کی اہم ترین اصطلاح ''احسان'' سے محجوبیت سب سے ہولناک نتیجہ ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ اب ہمیں ''احسان'' کے صرف ایک ہی معنی معلوم رہ گئے ہیں یعنی کسی سے حسنِ سلوک کرنا، کسی سے بھلائی کرنا۔ حالانکہ یہ دین کی اہم اصطلاح بھی ہے چنانچہ اسلام کے بعد ایمان اور ایمان کے بعد احسان کا درجہ ہے۔ ازاں بعد وہ حدیث جبریل کا حوالہ

دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسی لئے اللہ نے فرمایا ''واللہ یحب المحسنین'' اور اللہ کے محبوب تو وہی ہیں جو محسنین ہیں۔

ہمیں ڈاکٹر صاحب کے تجزیہ سے حرف بحرف اتفاق ہے لیکن کیا اس کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ اللہ کے محبوب' پسندیدہ اور چنیدہ بندوں میں صرف محسنین ہی ہیں یا ان کے علاوہ بھی درج ذیل صفات واخلاقِ حسنہ کے لوگ اللہ کے چنیدہ وپسندیدہ لوگ ہیں:

- ''کچھ شک نہیں کہ اللہ کے محبوب تو توبہ کرنے والے (التوابین) اور پاک صاف رہنے والے (المتطہرین) ہیں'' (البقرہ:222)
- ''اور اللہ کے محبوب تو استقلال رکھنے والے (الصٰبرین) ہیں'' (آلِ عمران:46)
- ''بے شک اللہ کے محبوب تو بھروسہ رکھنے والے (التوکلین) ہیں'' (آلِ عمران:159)
- ''بے شک اللہ کے محبوب تو انصاف کرنے والے (المقسطین) ہیں'' (المائدہ:42)
- ''بے شک اللہ محبوب رکھتا ہے پرہیزگاروں کو (المتقین)'' (التوبہ:7)
- ''اور اللہ محبوب رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو (المتطہرین)''۔ (التوبہ:108)
- ''جو لوگ اللہ کی راہ میں پرے جما کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں' بے شک اللہ کے وہ محبوب ہیں'' (الصف:4)
- ''جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ اُن کا ولی (دوست) ہے'' (البقرہ:257)
- سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست (اولیاء اللہ) ہیں انہیں نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے اور اُن کیلئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے''۔ (یونس:62تا64)
- اور عاجزی کرنے والوں (**المُخبِتِینَ**) کو خوش خبری سنا دو''۔ (الحج:34)
- ''اور مومنوں (المؤمنین) کو خوش خبری سنا دو کہ اُن کیلئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے''۔ (الاحزاب:47)
- ''تم اپنے پروردگار کی تسبیح کہتے اور اس کی حمد وثنا بیان کرتے رہو اور سجدہ کرنے والوں (السجدین) میں داخل رہو''۔ (الحجر:98)
- سو تم مجھے یاد کرو' میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ

کرنا''۔(البقرہ:152)

درج بالا آیات مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔مزید تفصیلات کیلئے اسی کتاب میں دیکھئے وہ انتیس(29) نام جو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبین اور پسندیدہ اور چنیدہ اصحاب کو بطور القاب کے عطا فرمائے۔ اور بزرگانِ دین کا کہنا ہے کہ''صوفی''تو ایک علامتی نام ہے' درحقیقت طبقات صوفیہ کے نظریات واحوال اور خصائص ومحاسن کے حوالے سے وہ القابات ہیں جو خود اللہ بزرگ و برتر نے ان مقربین وابرار کو عطا فرمائے اور محسنین اُن درجوں القابات میں سے ایک القاب ہے۔حضرت علامہ نے کیا خوب کہا ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ڈاکٹر موصوف کا دعویٰ ہے کہ تصوّف کے لفظ نے احسان کی خالص دینی اصطلاح کی جگہ لے لی اور اُنہیں حقیقی صدمہ اس بات پر ہے کہ کتاب وسنت کے شیدائیوں میں تصوّف سے بعد پیدا ہو گیا اور ہمالیہ جیسی اس غلطی کے نتیجہ میں نری ظاہر پرستی رہ گئی اور جس قلبی وذہنی بُعد کا آغاز عنوان کی تبدیلی سے ہوا تھا وہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی شخصیت پر منتج ہوا لیکن جو (''رند کے رند رہے اور ہاتھ سے جنت نہ گئی'' کے مصداق' ڈاکٹر صاحب کے نزدیک پھر بھی) مجددین کی فہرست میں شامل ہیں (ص۔11 تا 15) ہمیں حیرت وافسوس ہے کہ ڈاکٹر موصوف کے نزدیک کتاب و سنت سے لگاؤ اور تمسک جن شخصیتوں میں ہو وہ تصوف سے بدک جاتے ہیں گویا کہ اہل تصوف کو اس دلیل کی رو سے کتاب وسنت سے نہ تو لگاؤ ہو سکتا ہے نہ ہی تمسک' یہاں لفظ سنت خاص طور پر قابلِ غور ہے۔تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ غیر مقلد مکتبِ فکر جنہیں آج کل اہل حدیث یا عرفِ عام میں''وہابی''بھی کہا جاتا ہے وہ اہل سنت والجماعت کے مقابلے میں قائم ہوا تھا نہ کہ تصوّف کی مخالفت میں۔چونکہ جملہ اہل تصوّف' ائمہ اربعہ اہل سنت کے مقلدین اور فقہی مذاہب سے منسلک ہیں اور وہ اپنے مسالک کی رو سے گوشہ نشین اور عدم تشدد کے قائل ہیں اس لئے اب ڈاکٹر موصوف اس تاریخی حقیقت کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ نظر انداز کرتے ہوئے سارا ملبہ ان درویشانِ خدا مست پر ڈال رہے ہیں۔محمد بن عبدالوہاب نجدی کا مسلک و مذہب خالصتاً ایک فقہی تنازعہ ہے یعنی اصل جھگڑا یہ ہے کہ فقہ کی بنیاد قرآن سنت ہے یا قرآن وحدیث' ڈاکٹر موصوف خونِ دو عالم صلحاء واصفیاءِ امت کے سر ڈال کر اپنی تنظیم اسلامی میں اہل حدیثوں کی تعداد مزید بڑھانے کی چال چل رہے ہیں۔مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ موصوف محمد بن عبدالوہاب نجدی کو مجدد بھی

سمجھیں، دیوبندی ہونے کا بھی دعویٰ کریں اور صوفیۂ کرام پر تبلیغ دین میں وضعی، شاذ اور ضعیف حدیثیں قبول کرنے اور جھوٹے واقعات کا سہارا لینے جیسے اتہامات تراشنے کے بعد بھی اہل سنت و الجماعت میں شامل رہنے کا دیوبندی علماء کو فریب بھی دیں، یہ سب باہم دگر متضاد دعاوی ہیں۔ یہاں اب بے ضرر قسم کی تنظیم تبلیغی جماعت بھی موصوف کی دست برد سے بچ نہیں سکی۔ وہ بھی ان کے نزدیک صوفیہ کی طرح گردن زدنی ہے۔ تاہم ڈاکٹر صاحب کی اطلاع کیلئے سرزمین نجد کے بارے میں ایک حدیث ذیل میں درج ہے تاکہ یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ فتنہ پرداز کون ہیں؟

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ تعالیٰ! ہمارے لئے ہمارے (ملک) شام میں برکت دے۔ اور اللہ! ہمارے لئے ہمارے ملک یمن میں برکت دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول علیہ ﷺ! اور ہمارے نجد میں؟ آپؐ نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے شام میں برکت دے اور اے اللہ! ہمارے یمن میں برکت دے۔ صحابہؓ نے پھر عرض کیا: یارسول علیہ ﷺ! اور ہمارے نجد میں؟ راوی کا بیان ہے: میرا خیال ہے تیسری مرتبہ صحابہؓ کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: ''وہاں زلزلے ہوں گے اور فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا''۔ (مشکواۃ بحوالہ بخاری) ؎

احسان کی اصطلاح صوفیہ کے نزدیک

ڈاکٹر موصوف نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ صوفیہ و اصفیاء تو جیسے احسان کی اصطلاح سے کلیتاً نابلد تھے۔ جید و محقق صوفیہ کے حوالے سے قبل ازیں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ صوفی اور تصوف کی اصطلاح کیوں کر اختیار کر لی گئی اور اس اصطلاح کے اختیار کرنے کا مطلب ہرگز ہرگز نہ پہلے یہ تھا اور نہ اب ہے اور نہ کبھی ہوگا کہ ''احسان'' کی اصطلاح کے مقاصد و مفہوم یا مقربین الٰہی کے دیگر القابات کی جگہ دین اسلام سے ہٹ کر کوئی خانہ ساز ''شریعت یا طریقت تیار کر لی گئی ہے اگر ایسا ہوتا تو خود ڈاکٹر صاحب جیسے شخص کو بار بار یہ تسلیم نہ کرنا پڑتا کہ تصوف کا موضوع اور مقاصد صد فی صد درست اور خالص اسلامی ہیں (ص۔8) چنانچہ تصوف کے معانی تعارف، صوفیہ کے مسلک اور بحیثیت علماء ان کے مقام اور اس موضوع کی گہرائی و گیرائی اور وسعت (Scope) پر نگاہوں کو چکا چوند کر دینے والی اولین ''تصنیف کتاب اللمع فی التصوف'' (مصنفہ سراج الفقراء شیخ ابونصر سراج (م378) کے پہلے ہی باب میں ''احسان اسلام'' کے حوالہ

سے جو کچھ کیا گیا وہ ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

مسلکِ صوفیہ اور بحیثیت علماء اُن کا مقام

مجھ سے کسی شخص نے علم تصوّف اور مسلکِ صوفیہ کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے سوال کیا کہ لوگ مذکورہ موضوعات کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ کچھ تو ان کی فضیلت بیان کرنے میں بہت غلو سے کام لیتے ہیں بعض انہیں دائرہ معقولیت سے باہر لے جاتے ہیں' کچھ انہیں لہو ولعب اور جہالت سے آنکھیں بند کر لینے کا عمل گردانتے ہیں۔ بعض لوگ انہیں تقویٰ' تقشف' اونی لباس پہننے' بے تکلف پاکیزہ گفتگو کرنے اور پاکیزہ لباس پہننے وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ اور کچھ انہیں الحاد وگمراہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ الغرض وہ یہ چاہتا تھا کہ میں اسے ایسا جواب دوں کہ جو مسلک صوفیہ کے اصولوں' کتاب اللہ کی اتباع' رسول ﷺ کی پیروی' صحابہ تابعین رضی اللہ عنہم کے اخلاق و اطوار اور اللہ کے صالح بندوں کے آداب سے ہم آہنگ ہو۔ اور میں اپنے جواب کو قرآن وسنت کی روشنی میں اس مدلل انداز سے بیان کروں کہ حق و باطل جدا جدا نظر آئیں۔ تصوّف کی جملہ اقسام اپنی اپنی جگہ واضح ہو جائیں۔ اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ کیا علم تصوّف علوم دینی میں سے ایک ہے؟

مذکورہ بالا سوال کا جواب دیتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مومنوں کو کتاب اللہ سے تمسک کرنے اور اسے مضبوطی سے تھامنے کا حکم دے کر ان کے دلوں سے جملہ شبہات کو دور کر دیا اور دین کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔ جیسا کہ فرمایا:

وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللّٰهِ جَمِيعاً وَ لَا تَفَرَّقُو (آلِ عمران:۱۰۳)

اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو سب مل کر آپس میں اور متفرق نہ ہو جانا۔

اور فرمایا:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى البِرِ وَالتَّقوٰى (المائدہ:۲)

(اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو)۔

اور پھر ایک اور مقام پر اللہ نے فرشتوں کے بعد اپنے بندوں میں سے افضل اور دینی اعتبار سے اعلیٰ رتبہ رکھنے والوں کا ذکر فرمایا۔ اور خود اپنی وحدانیت پر فرشتوں کے بعد انہی بندگانِ خاص کو گواہ ٹھہرایا جیسا کہ ارشاد ہے:

شھد اللہ والملٰئکۃ واُولوالعلم قائما بالقسط۔

(آلِ عمران:۱۸)

اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہوکر) ''اولوالعلم'' سے مراد مصلحین ومجددین کا گروہ ہے)

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے آپ نے فرمایا:

''علماء انبیاء کے وارث ہیں'' (ابن ماجہ: کتاب ۱۰ باب ۳' کتاب ۳۹' باب ۱۹)

میرے نزدیک ''اولوالعلم'' سے مراد ورثۃ الانبیاء ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے والے اتباعِ رسولؐ میں مجاہدہ کرنے والے' صحابہ وتابعین کی پیروی کرنے والے' اور اس کے متقی پسندیدہ بندوں کے راستے پر چلنے والے یہی لوگ ہیں۔

اس کے نیک بندوں کی تین قسمیں ہیں۔ محدثین' فقہاء اور صوفیہ' اور ان ہی تین اقسام کے لوگوں کا تعلق **''اولوالعلم قائما بالقسط''** سے ہے جو کہ انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ اسی طرح علوم کی بے شمار اقسام ہیں۔ جن میں سے ایک' علم دین ہے جس کی تین قسمیں ہیں۔ علم قرآن' علم سنن وبیان اور علم حقائق ایمان۔ اور یہی وہ علوم ہیں جو محدثین' فقہاء اور صوفیہ میں متداول ہیں۔

الغرض جملہ علوم دین مذکورۃ الصدر تین آیاتِ مبارکہ' حدیث رسول اللہ ﷺ اور اولیاء اللہ کے قلوب سے صادر ہونے والی حکمت سے خارج نہیں اور اس کی اصل حدیث الایمان ہے (جو مشکواۃ المصابیح کی سب سے پہلی حدیث ہے)۔ جب جبریل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر دین کے تین اصولوں اسلام' ایمان اور احسانِ ظاہری و باطنی کے بارے میں سوال کیا اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام تو ظاہر ہے اور ایمان بھی وہ ہے جو ظاہری بھی ہو اور باطنی بھی مگر احسان حقیقتِ ظاہر وباطن کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہادی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

> ''احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ کی عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے''۔ جبریل نے یہ سن کر آپ کی تصدیق کی۔

علم کا قریب ترین رشتہ عمل سے ہے۔ اور عمل کا تعلق اخلاق سے ہے۔ جب کہ اخلاص

یہ ہے کہ بندہ اپنے علم و عمل کے ساتھ اپنے معبودِ حقیقی کی خوشنودی حاصل کرے۔ مومنین کی یہ تینوں اصناف (محدثین، فقہاً اور صوفیاً) علم و عمل کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف اور اپنے مقاصد و مراتب کے لحاظ سے فضیلت میں باہم یکساں نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان کی باہمی فضیلت اور درجات کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَالَّذِينَ أُوتُواالعِلم دَرَجات'' (المجادلہ:۱۱)

''اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا''۔

اور فرمایا:

وَلِكُلِّ دَرَجاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا (الاحقاف:۱۹)

''اور ہر ایک کے لئے اپنے اپنے عمل کے درجے ہیں''۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

انظر كيف فضلّنا بعضهم علىٰ بعض (بنی اسرائیل:۲۱)

دیکھو ہم نے ان میں سے ایک کو ایک پر کیسی بڑائی دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لوگ آپس میں اس طرح برابر ہیں جیسے کنگھی کے دندانے، کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر صرف علم اور تقویٰ کی بنیاد پر۔

اگر کسی کو دین کے اصول، فروع، حقوق، حقائق، حدود اور احکام کی ظاہراً باطناً سمجھ نہ آئے تو اس پر لازم ہے کہ وہ محدثین، فقہاً اور صوفیہ کی طرف رجوع کرے۔ ان مذکورہ تینوں اصناف کے لوگ علم و عمل حقیقت اور حال سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اور انہیں علم، عمل، مقام، کلام، فہم و فراست اور بیان میں سے اسی قدر حصہ ملتا ہے کہ جس قدر انہوں نے حاصل کیا اور جو کھو دیا سو اس سے جاہل رہے۔ ان میں کسی کو یہ کمال حاصل نہیں ہوتا کہ تمام علوم کا احاطہ کر سکے، جو جس مقام پر فائز ہوتا ہے وہ فقط اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے۔ انشاء اللہ میں آگے چل کر ان جملہ اصنافِ عباد کے اس پہلو سے بحث کروں گا کہ انہوں نے کس کس علم یا عمل کی کونسی قسم پر عبور حاصل کیا۔ ان کی فضیلت میں باہمی فرق کی کیا وجوہ ہیں اور یہ کہ ان میں سے اعلیٰ طبقہ کونسا ہے۔ (تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو ''کتاب اللمع'')

ہمارا خیال ہے کہ ڈاکٹر موصوف کی اپنی گھڑی ہوئی یہ غلط فہمی یا بزرگانِ دین پر لگائی گئی

تہمت دور ہو جانی چاہیے کہ صوفیہ چونکہ تصوّف کی اصطلاح اختیار کر کے پہاڑ جیسی غلطی کا ارتکاب کر چکے تھے اس لئے انہوں نے ''احسانِ اسلام'' کی اصطلاح سے آنکھیں موند رکھی ہیں۔ یا منہ موڑ رکھے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ البتہ صوفیہ کے نزدیک انسان کی باطنی و روحانی اصلاح و صفائی و سربلندی کیلئے تزکیۂ نفس کی اصطلاح پنجگانہ فرائضِ ختم الرسل علیہ السلام میں شامل ہے۔

چنانچہ سراج الفقرا کے ارشاد کے مطابق علم کا قریب ترین رشتہ عمل سے ہے اور عمل کا تعلق اخلاق سے ہے' جب کہ اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنے علم و عمل کے ساتھ معبودِ حقیقی کی خوشنودی حاصل کرے۔ لہٰذا جملہ علوم دین اور شریعت' اولیاء اللہ کے قلوب سے صادر ہونے والی حکمت سے خارج نہیں ہیں اور اس کی اصل بلاشبہ حدیث جبریل ہے۔

اولین علمائے تصوف میں سے سراج الفقراء کے نزدیک حدیث جبریل کیا معنی رکھتی ہے' وہ اوپر بیان کر دی گئی۔ متاخرین علمائے تصوف میں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م۔1176ھ) کا نقطۂ نگاہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔ شاید کہ ڈاکٹر موصوف اور اُن کے ہم خیال علمائے ظاہر کی پھیلائی ہوئی بدگمانیاں اُن کے فکر و فلسفہ کے متبعین کے دل و دماغ سے دور ہو جائیں اور ہماری یہ کاوش اُن کیلئے نتیجہ خیز ثابت ہو۔ چنانچہ قطب الملۃ شاہ ولی اللہ اپنی تصنیف لطیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں احادیثِ احسان کے ضمن میں انسانی اعمال سے دو طرح سے بحث کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک علم شرائع کا تعلق ''فرائض اعمال'' یا ظاہر اعمال سے ہے جن کا ظاہر و باطن متمیز نہیں ہوتا۔ یہ اعمال بمنزلہ قرائن کے ہوتے ہیں جب کہ دوسری قسم کے اعمال کا مقصد لوگوں کے نفس کو مہذب کرنا ہوتا ہے لہٰذا ان سے متعلق علم الاحسان ہے۔

تصوف' روحانی سربلندیوں پر محیط اشارتی اصطلاح ہے

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ تصوّف کی اصطلاح تو روحانی سربلندیوں اور سفر و سلوک پر محیط اشاراتی اصطلاح ہے اور تصوّف کے علوم اُن تمام مخصوص آداب' خصائص' محاسن' اور احوال و نظریات کا احاطہ کرتے ہیں جو بھی اللہ کے پسندیدہ و چنیدہ بندوں کے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ سراج الفقراء نے کتاب اللمع میں ارشاد فرمایا: صوفیۂ کرام کے تمام طبقے محدثین و فقہاء کے معتقدات سے کامل اتفاق کرتے ہیں۔ وہ صوفیۂ کرام جو علمی لحاظ سے فقہاء و محدثین کے مرتبے کے نہیں ہوئے وہ قوانین حدودِ شریعت کے مشکل مسائل

کے حل کیلئے انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جس مسئلے پر فقہاء و محدثین متفق ہوں اس کو تسلیم کر لیتے ہیں بصورت دیگر احسن، اولیٰ اور مکمل ترین صورت کو اپنانے کا طریق اختیار کرتے ہیں، فقہاء و محدثین کے ظاہر متداول علوم کے بارے میں ان کا طرزِ عمل یہی تھا اور ہے کہ انہیں اپنانے کے بعد وہ عظیمت و مراتب بلند کی طرف بڑھتے ہیں۔ اور اُن کے نزدیک لفظ ایمان تو تمام مؤمنین کو شامل ہے اور ائمہ دین کا اتفاق ہے کہ صوفیہ کو خصوصی اسماء سے پکارا گیا ہے۔ جس پر الگ باب میں ہم بحث کر چکے ہیں اور عصر حاضر میں تصوف کے مخالفین جس ''احسان اسلام'' کو ایک خوفناک مسئلہ بنا کر پیش کر رہے ہیں اُس کے بارے میں نوٹ کرنے کی بات ہے کہ صوفیہ کے اسماء میں سے ایک اسم ''المحسنین'' اُس سے متعلق ہے جب کہ صوفیہ کے احوال مقامات تو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریاؤں کی صورت میں نمایاں ہیں جن کی گنتی شمار ہی ممکن نہیں ہے۔ لیکن بزعم خود ان دانشورانِ دین کی تنگیٔ داماں کا علاج کیونکر اور کیسے ہو؟ حضرت علامہ خوب فرما گئے ہیں:

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے　　　ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیئے

وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لاالہ میں ہے　　　طریقِ ''شیخ'' فقیہانہ ہو تو کیا کہیئے!

حکیم فلاطینوس کا مرید معنوی ''تحریر الروح'' جیسی اصطلاحیں خود وضع کرنا جائز سمجھتا ہے

ڈاکٹر اسرار ''تحریر الروح'' جیسی نئی اصطلاحیں ایجاد کرنے کی بدعات اور ''سنت'' کو رخصت کرنے کا اختیار تو بزعم خود رکھتے ہی ہیں لیکن اُن کی تحریر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اُنہیں یونانی حکیم فلاطینوس (Plotinus) کے ''خوبصورت الفاظ یعنی (Flight of the alone to the Alone) کے باعث' جدید فلسفے میں ''وجودیت'' کے حوالہ جات ''سلوکِ محمدیؐ'' یعنی ''احسان اسلام'' کی پاکیزہ بحثوں میں لاکر انسانی روح کے اکیلا پن کو انفرادیت (Indviuality) اور ذاتِ باری تعالیٰ کے تنہا (Alone) ہونے کے موازنے کرنے کا حق حاصل ہے (ص۔25-26) اور وہ اسلام کے اس انوکھے واقعہ کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے غارِ ثور میں فرمایا تھا کہ ہم اکیلے نہیں ہمارے ساتھ تین میں کا دوسرا اللہ ہے۔ چنانچہ انہیں حکیم فلاطینوس کا فکر و فلسفہ اسلام کے ماتھے پر چسپاں کرنے کی ناپاک

جسارت سے کوئی اسلامی اصول وضابطہ پامال ہوتا نظر نہیں آتا۔ اُن کا کہنا ہے کہ ''اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جدید فلسفے میں بھی وجودیت کے حوالے سے کرب کا لفظ کثرت سے استعمال ہوتا ہے' جو شخص بھی ذہنی اور نفسیاتی اعتبار سے بلند ہونا شروع ہوتا ہے اُس میں تنہائی کا احساس بڑھنے لگتا ہے'' ڈاکٹر موصوف کے اس ''اسلامی'' ''یونانی فلسفہ'' کے مقابلہ میں خالص اسلامی فکر ونظر یعنی صوفیانہ نظریہ یہ ہے کہ انسان بلندی کی طرف بڑھتے ہوئے بتدریج روحانی فرحتوں کی منزلوں کو پھلانگتا ہوا نفسِ مطمئنہ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے' مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ سے راضی اور اللہ اُس سے راضی''۔ لیکن ڈاکٹر موصوف کو فلسفہ اس قدر بھا گیا ہے کہ اب انہیں صرف یہی مشورہ دیا جا سکتا ہے کہ

علاج آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا ترى خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

''تہذیب وتزکیۂ نفس'' کی بحث کے آخری مراحل میں ڈاکٹر موصوف تہذیب وتزکیہ کے جملہ اصول وضوابط اور متمدن اسلوب کے پرخچے اڑا دینے پر کمربستہ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے تو ''احسان اسلام'' کے سب سے بڑے ذریعہ' یعنی حدیث جبریلؑ کی روح کو کچل (Crush) کر رکھ دیتے ہیں۔ اس مرحلہ پر مناسب نظر آتا ہے حدیث جبریلؑ کو من وعن بیان کر دیا جائے تاکہ ہم جو کہنا چاہتے ہیں اُسے سمجھنے میں آسانی رہے۔ لہٰذا حدیث پاک یہ ہے:

احسان کیا ہے؟ حدیثِ جبریلؑ

(حضرت) عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص حاضر ہوا۔ جس کے کپڑے نہایت سفید تھے' بال نہایت سیاہ' اس پر سفر کا کوئی نشان نہ تھا۔ اور نہ ہم میں سے کوئی اُسے جانتا تھا۔ وہ حضور ﷺ کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لئے اور عرض کیا' یا محمد ﷺ! مجھے اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمایئے' آپؐ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اس امر کا اعتراف کرے اور شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور (پھر) تو نماز ادا کرے' زکوٰۃ دے' رمضان کے روزے رکھے اور اگر تجھے زادِ راہ میسر ہو تو خانہ کعبہ کا حج کرے۔ اس شخص نے (یہ سن کر کہا) آپؐ نے سچ فرمایا۔ ہم لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ شخص دریافت بھی کرتا ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اُس نے پوچھا' ایمان کی حقیقت بھی بیان فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا (ایمان یہ ہے)

کہ تو اللہ پر' اُس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں اور رسولوں پر' قیامت کے دن پر اور تقدیر کی بھلائی اور شر پر ایمان رکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں۔ یہ سن کر اس شخص نے کہا' آپؐ نے سچ فرمایا۔ (پھر) پوچھا: احسان کے متعلق فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے (یعنی اس کے حضور میں حاضر ہے) اور ایسا نہ ہو سکے (یعنی اتنا حضور قلب نہ ہو سکے) تو اتنا ضروری ہے کہ گویا اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر اس) شخص نے پوچھا (قیامت کی) گھڑی سے آگاہ فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا' (قیامت کی) گھڑی کے متعلق میرا علم پوچھنے والے کے علم سے زیادہ نہیں۔ پھر دریافت کیا' قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتا دیجئے' آپؐ نے فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں سے ایک تو یہ ہے کہ لونڈی اپنے مالک یا آقا کو جنے گی اور دوسری نشانی یہ کہ برہنہ پا برہنہ بدن مفلس وفقرا اور بکریاں چرانے والے لوگوں کو تو (عالیشان) عمارات و مکانات میں فخر و غرور کی زندگی بسر کرتے دیکھے گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص چلا گیا اور میں تھوڑی دیر خاموش بیٹھا رہا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: عمرؓ تم کچھ سمجھے کہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسولؐ ہی خوب جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ جبریلؑ تھے' تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ (مسلم) ابو ہریرہؓ سے جو حدیث منقول ہے اُس میں چند الفاظ کا فرق ہے یعنی اس میں یہ الفاظ کہ ''جب تو برہنہ پا برہنہ بدن' بہروں' اور گونگوں کو زمین کا بادشاہ دیکھے''۔ (اور یہ الفاظ بھی ہیں) پانچ باتوں کا علم صرف اللہ کو ہے اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت پڑھی: **اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَہٗ' الخ** یعنی قیامت کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے اور یہ بھی اللہ ہی جانتا ہے کہ کب بارش ہوگی (المشکوٰۃ بحوالہ مسلم و بخاری)

ڈاکٹر موصوف بزعم خود کہتے ہیں اقامت الصلوٰۃ (باجماعت نماز کی ادائیگی) تہجد کی نماز' روزہ اور انفاقِ مال اور بس' جس سے مخالفتِ نفس کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور یہی مقصد دو اور فرائض سے بھی پورا ہو جاتا ہے یعنی حج اور دعوتِ دین اور اقامتِ دین کی جدوجہد۔ اقبال نے شاید ایسے ہی حالات میں حکیم نطشہ سے مخاطب ہو کر کہا تھا:

حریف نکتۂ توحید ہو سکا نہ حکیم ۔۔۔ نگاہ چاہے اسرارِ لاالہ کے لئے
اگرچہ پاک ہے طینت میں راہبی اس کی ۔۔۔ ترس رہی ہے مگر لذتِ گناہ کیلئے

حدیث مبارکہ میں نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ کو تو پہلے نکتہ یعنی ''اسلام'' کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف کا کارنامہ یہ ہے کہ ان فرائضِ منصبی یا حقوق اللہ میں تہجد کی نماز اور دعوتِ

دین اور اقامتِ دین کی جدوجہد کو بھی شامل کر دیا ہے۔ اور مزید برآں یہ کہ اگر اللہ کا دین پامال ہو رہا ہو تو موصوف کا فتویٰ ہے کہ مخالفت نفس کی ریاضتوں کے سلسلہ میں بھی دعوتِ دین اور اقامت دین کی جدوجہد کو تمام نفلی عبادتوں پر فوقیت حاصل ہو جائے گی۔۔۔ چنانچہ اس شرعی حیلے سے ڈاکٹر موصوف نے تنظیم اسلامی اور تحریک احیائے خلافت کی جدوجہد کے کارکنان کو تمام ریاضتوں اور نفلی عبادات سے بھی چھٹی کرادی۔ **اناللہِ وانا الیہ راجعون۔**

دوسری جانب صوفیہ عظام ہیں کہ اُن کا مسلک یہ ہے کہ فرائض عبادات اور حقوق اللہ کی ادائیگی تو ہر حالت میں انسان کے ذمے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے قرب کا وسیلہ تو نفلی عبادات ہیں۔ ذکر و فکر ہے۔ اور جہادِ اکبر یعنی نفس کے خلاف جہاد ہو یا غلبۂ اسلام یعنی جہادِ اصغر ہو، جتنا زیادہ گھمسان کا رن پڑا ہو گا اُتنا ہی زیادہ قربِ الٰہی کیلئے اللہ کو یاد رکھنے کی ضرورت بڑھتی چلی جائے گی۔ گویا کہ ۔

کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور ‘ ‘ پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں

ڈاکٹر موصوف کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے ساتھ حدیثِ مبارکہ کے معانی و مفہوم بیان کرتے وقت یہ حق ہرگز حاصل نہ تھا کہ وہ اپنی طرف سے اقامتِ دین کی جدوجہد کا اضافہ کرتے، جب کہ اقامتِ دین کسی اختلاف کے بغیر اپنی جگہ ایک الگ فریضۂ مومن ہے جسے ادا کرنے کا وہ پابند و مکلف ہے۔۔۔ دوسری بات یہ کہ وہ اپنے مطلب کی بات، خواہ کتنی ہی احسن کیوں نہ ہو، حدیثِ مبارکہ میں شامل کرنے کو اب بدعت بھی تصور نہیں کرتے۔ تیسری بات یہ کہ وہ اپنے جنون کی تکمیل میں حدیث پاک کے دوسرے مرحلہ ایمان اور مرحلۂ آخر احسان کو کلیتاً نظر انداز کر گئے حالانکہ اُن کے کتابچے کا تو اعنوان ہی ''احسانِ اسلام'' تھا۔

ڈاکٹر موصوف کا سب سے زیادہ تکلیف دہ اندازِ بیان وطرزِ تکلم یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کے بارے میں انتہائی قابل اعتراض اندازِ تخاطب اختیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں (نقل کفر کفر نہ باشد اللہ مجھ حقیر کو اس نقل پر معاف فرمائے آمین!) ''محمد رسول ﷺ جیسے شخص کو''۔ یہ دراصل محض اس شخص کا اندر بول رہا ہے ورنہ پیرایۂ بیان دوسرا بھی اختیار کیا جا سکتا تھا کہ حضور ﷺ کی شانِ اقدس میں یہ گستاخی بھی کی گئی وغیرہ۔

تاریخ شاہد ہے کہ تمام صوفیہ نے نسلِ انسانی کو تزکیۂ نفس کے ذریعے واصل باللہ ہونے کی دعوتِ حق دی جو کہ درحقیقت انسان کا مقصودِ حیات ہے۔ رہی دنیاوی حکومت تو اسے

زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ کہا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں علمائے اہل سنت کا اجماع ہے۔ علاوہ ازیں دنیاوی حکومتوں کا تو یہ عالم ہے کہ: سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ۔

ڈاکٹر موصوف کا صوفیہ اور اہل تصوف پر یہ اتہام ہے کہ اُن کی تحریک نے ذکر الٰہی کے مرکز و محور یعنی قرآن سے بُعد پیدا کر دیا ہے۔ ہمارے ایک دوست غلام حبیب سبحانی ایڈووکیٹ ایک کتاب لکھ چکے ہیں جس کا پہلا حصہ عنقریب شائع ہو جائے گا جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ عالم اسلام کی جتنی بھی قابل ذکر شخصیات' فقہاء' محدثین' حفاظ' مفسرین' علماء وفضلاء' سائنسدان' ریاضی دان' ہیئت دان' فلاسفہ' علماءِ منطق و علم الکلام' جغرافیہ دان' غرض کہ جس شعبۂ علم سے بھی کوئی تعلق رکھتا ہو وہ یا تو خود صوفی تھے یا وہ صوفیۂ عظام کے فیض یافتہ تھے۔ تاہم اس امر پر گفتگو ہی بے معنی سی نظر آتی ہے کہ کوئی شخص ان بزرگان دین' صلحاء واصفیاء امت پر یہ الزام لگائے کہ وہ قرآن حکیم سے امت کی بے رغبتی کا باعث ہوئے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آج تک اگر قرآن وسنت اور ان سے متعلقہ علوم کو زندہ رکھا گیا ہے تو اس کا کریڈٹ انہی نفوسِ قدسیہ کو جاتا ہے۔

ڈاکٹر موصوف کی مزید ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ کہتے ہیں: عالمِ اسلام میں قرآنِ حکیم سے دوری نے ایک فکری خلاء کو جنم دیا' اور پھر یونانی فلسفہ و منطق اور نو افلاطونیت (Neo-Platonism) کے افکار کی یلغار ہوئی تو ہمارے بڑے بڑے ذہین اس سے آزاد نہ رہ سکے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ جیسی شخصیت افلاطون کے خیالات سے آزاد نہ ہو سکی تو پھر اور کس کی بات کی جائے؟''۔ چنانچہ گزشتہ صفحات میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ڈاکٹر موصوف خود کس طرح اپنے فکر و نظر کو فلوطین کی عینک چڑھا کر پوری ڈھٹائی سے ایک فلسفی بننے کا شوق پورا کر رہے ہیں لہٰذا چھاج تو بولے چھلنی کیوں بولے؟۔

ڈاکٹر موصوف نے آخری سانس لیتے ہوئے احیائے خلافت کی جدوجہد میں اپنے حلیف مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کے مرشد کو بھی یہ کہتے ہوئے رگید ڈالا کہ اُنہوں نے تسلیم کیا ہے کہ اہل تصوف کے اوراد و اذکار کے طریقے مسنون نہیں ہیں بلکہ انہیں اجتہاد کے ذریعے اختیار کیا گیا ہے۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے' ہم یہ نہایت وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ صوفیہ کے اوراد و اذکار میں سب سے اولیت تلاوتِ قرآنِ حکیم کو ہی حاصل ہے۔ دیگر اوراد و اذکار بھی سنتِ خیرالانام ﷺ سے ہی اخذ کئے ہوئے ہیں۔ اور قرآن کے بعد درودِ پاک صوفیہ کا سب سے بڑا

وظیفہ ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں (اسماالحسنیٰ) کا ورد بتایا جاتا ہے۔لہٰذا ایسے اذکار واوراد کو ابتداع وایجاد کہنا سب سے بڑی جہالت اور صوفیہ پر اتہام ہے۔اقبالؒ نے خوب کہا:

مشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا ظن وتخمین سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری

ڈاکٹر موصوف کا یہ کہنا کہ تحریک اہل تصوف کے باعث جہاد سے دوری پیدا ہوگئی ہے۔ درحقیقت صوفیہ کے طریق عمل سے ناواقفیت اور حقیقت حال سے کلیتاً بے خبر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔صوفیہ وقت آنے پر نہ صرف خود جہاد میں شریک ہوئے بلکہ عمومیت کے ساتھ عام لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینے کا فریضہ بدرجہ اتم ادا کرتے رہے۔جس پر تاریخ شاہد ہے۔دور کیوں جایئے قیام پاکستان کی جدوجہد میں ڈاکٹر موصوف کے ہم مسلک علماء اور ان کے دینی مکتبِ فکر کے لوگوں کی اکثریت بشمول سیّد ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) تو تحریکِ پاکستان کے مخالف تھے جب کہ بلاتخصیص جملہ طبقاتِ صوفیہ (چشتی، قادری، نقشبندی مجددی، سہروردی، قلندری) تحریک پاکستان کے دامے درمے سخنے، بہ دل وجان حمایتی تھے۔جب خلافتِ راشدہ ختم ہوئی تو کارِتجدید واحیائے دین اور فاسق و فاجر حکمرانوں کو راہ راست پر رکھنے اور دین متین کے خلاف کام نہ کرنے دینے کیلئے دعوت وعزیمت کی شمعیں انہی مصلحین امت نے جلائے رکھیں۔تاہم ڈاکٹر موصوف کی فکری وعلمی سطح اور ان کے دیگر مشاغل کے بارے میں جتنا علم اُن لوگوں کو ہوسکتا ہے، جنہیں موصوف خود اپنا استاد کہتے ہوئے نہیں تھکتے۔اس لئے ہم ذیل میں مولانا امین احسن اصلاحی کی رائے نقل کرتے ہیں جن سے کسی عالم دین نے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں استفسار کیا تھا مولانا اصلاحی کہتے ہیں:

''مجھے یہ گمان تھا کہ اس شخص کے پاس نہ علم ہے نہ کردار اس وجہ سے یہ بہت جلد اپنی موت آپ مرجائے گا لیکن۔۔۔(بوجوہ اب) ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ملک کے علماء اور مسلمانوں کو آگاہ کردوں کہ اگر اس شخص کو ذرا بھی قدم جمانے کا موقع ملا تو سخت خطرہ ہے کہ وہ ملک میں قادیانیوں کی طرز کا کوئی نیا فتنہ اُٹھادے گا''۔تفصیلات کیلئے دیکھیئے مؤلف کتاب ھٰذا کی تالیف ''جدید فکرِ اسلامی'' کا باب پنجم بعنوان ''اسرار نامہ یعنی ڈاکٹر اسرار احمد کی فتنہ پردازی کے خدوخال''۔نیز باب نمبر 1 جس میں ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اور فتنہ انگیز کتاب ''مسلمان امتوں کا ماضی حال اور مستقبل'' پر تبصرہ کیا گیا ہے۔مقصود یہ ہے کہ ایسے دانشوروں کی فتنہ انگیزی سے اُمّہ کو محفوظ رکھا جاسکے۔

☆☆☆

باب-12

امام غزالیؒ کا نظریہ تصوف

شرط اوّل: دل کو ماسوا سے پاک کرنا

دورِ حاضر کے تجدد پسند علماء کی روش۔۔۔ ایک المیہ
تصوف صوفیہ الامام المہدیؑ کی تضحیک
(سید ابوالاعلیٰ مودودی کے فکر و نظر کا ایک جائزہ)

صوفیہ ہی کا گروہ خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے (امام غزالیؒ)

حجت الاسلام امام محمد بن محمد بن احمد الغزالیؒ اپنی شہرہء آفاق کتاب ''المنقذ من الضلال'' (جسکا ترجمہ مولانا محمد حنیف ندوی نے ''سرگزشت غزالی'' کے عنوان سے کیا اور اسے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے دوسری بار جون ۱۹۶۹ میں شائع کیا' حیرت انگیز کتاب ہے اور پڑھنے کے لائق ہے)' میں لکھتے ہیں:

''مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیہ ہی کا گروہ ہے جو خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے۔ انہیں کی سیرت سب سے بہتر ہے۔ انہیں کا طریقہ زیادہ صاف ہے اور انہیں کے اخلاق زیادہ پاکیزہ اور بلند ہیں، بلکہ اگر تمام عقلا و حکماء کی عقل و حکمت کو جمع کر لیا جائے اور واقفانِ شریعت کے اسرار و علوم کو ملا لیا جائے تا کہ ان سے بہتر سیرت کی تشکیل ہو سکے، تب بھی ان کے

اخلاق وسیرت کے ڈھانچے کو بدلنا ضروری نہ ہو کیونکہ صوفیہ کی تمام حرکات وسکنات، چاہے ظاہری ہوں چاہے باطنی، مشکوٰۃ نبوت ہی سے تو مستنیر ہیں۔ اور نور نبوت سے بڑھ کر اور کوئی نور روئے زمین پر اس لائق نہیں کہ اس سے روشنی حاصل کی جائے۔ مقصود یہ ہے کہ ایسے طریق کی بلندی و صحت پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے جس میں پہلی شرط ہی دل کو ماسواء اللہ سے پاک کرنا ہے۔ اور جس کی تکبیر تحریمہ ہی یہ ہے کہ دل کو اللہ کے ذکر میں مستغرق رکھا جائے۔ جس کا آغاز یہ ہو، اور انتہا یہ ہو کہ سالک اللہ کی ذات میں اپنے کو کلیتہً فنا کر ڈالے"۔

تصوف کی ضرورت اور بہرہ مندیاں

غرض یہ ہے کہ جس نے تصوف کی بہرہ مندیوں سے اپنا دامن طلب نہیں بھرا اس نے حقیقتِ نبوت کی بُو بھی نہیں سونگھی، اور بجز نام اور اسم کے اس کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔

اولیاء اللہ کی کرامات انبیاء کی بدایات ہیں۔ چنانچہ کرامات کی یہ کیفیتیں آنحضرتؐ کو اسی وقت میسر تھیں جب آنحضرتؐ غار حرا میں خلوت وعبادت کی غرض سے تشریف لے گئے اور اس حد تک ان میں والہانہ طور پر مصروف رہے کہ عربوں کو یہ دیکھ کر کہنا پڑا:

ان محمدا عشق ربہ — حضرت محمدؐ تو اپنے ربّ پر عاشق ہو گئے ہیں

یہ وہ حالت ہے جس کو ہر وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جو اس راہ پر گام فرسا ہوتا ہے اور جس کو یہ ذوق حاصل نہیں وہ تجربہ اور سننے سے جان سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان لوگوں کے ساتھ کثرت سے نشست وبرخاست رکھے اور قرائن واحوال سے حق ویقین کو معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ یہ وہ گروہ پاک ہے کہ جو شخص بھی ان کے ساتھ محبت رکھے گا حقیقت وایمان کی نعمت سے محروم نہیں رہے گا۔ کیونکہ ان کا کوئی ہم نشین بھی اس معاملہ میں بدنصیب نہیں۔

جسے ذوق وشوق کی یہ دولت نہیں ملی وہ بھی اس حالت یقین واذعان کو دلیل وبرہان کے شواہد کے ذریعہ معلوم کر سکتا ہے' جیسا کہ مؤلف (امام غزالیؒ) نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں عجائب القلب کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

علم، ذوق اور ایمان میں فرق

"اگر کوئی شخص برہان ودلیل کی وساطت سے کسی نتیجہ تک پہنچتا ہے تو یہ علم ہے۔ اگر ان نتائج سے روبرو اور دوچار ہے، تو یہ ذوق ہے اور اگر انہی نتائج ومعارف کو سنتا اور تجربے سے

دریافت کرتا ہے تو اسے ایمان کہتے ہیں۔

یہ ہیں علم کے تین درجے جن کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (58۔المجادلہ:11)

اللہ تعالیٰ تم میں سے مومنوں کے اور اہل علم کے درجات بڑھاتا رہتا ہے۔

ان کے ماسوا جو لوگ ہیں وہ سراسر جاہل ہیں اور یہی اس حالت و کیفیت کے منکر بھی ہیں۔ اور انہی کو مذاق اور ٹھٹھوں کی سوجھتی ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتّٰى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا۔ أُولٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ (47۔محمد:16)

انہی میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو تمہاری باتوں کو سنتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب تمہاری بزم ارشاد سے نکل کر باہر جاتے ہیں تو اہل علم سے کہتے ہیں۔ دیکھو اس نے آج کیا کہا۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔

حقیتِ نبوت

صوفیائے کرام کے ساتھ نشست و برخاست رکھنے اور ان کے طریق پر چلنے سے مجھ پر جو سب سے بڑی چیز منکشف ہوئی وہ نبوت کی حقیقت اور اس کے خواص ہیں۔ چونکہ یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ نبوت کا سرچشمۂ علم کیا ہے''۔ اس لئے امام غزالیؒ آگے چل کر اس مسئلہ کی عقدہ کشائی کرتے ہیں:

(جوہر انسانی اوّل اوّل کس حالت میں پیدا کیا گیا)

جوہر انسانی کو اوّل اوّل بالکل سادہ حالت میں پیدا کیا گیا۔ اس کو کچھ معلوم نہ تھا کہ اللہ نے اس کے گردوپیش کس کس عالم رنگ و بو کو پیدا کر رکھا ہے اور ان عوالمِ مختلفہ کی وسعت و کثرت کا یہ حال ہے کہ ان کا نہ کوئی شمار ہے نہ حد،

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (74۔المدثر:31)
اور تیرے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

ان کا احساس انسان کو ادراک کے ذریعے ہوا اور ہر ادراک پیدا ہی اس غرض سے کیا گیا ہے تاکہ انسان اس کی وساطت سے ان رنگا رنگ کے عوالم سے باخبر ہو سکے۔ رنگا رنگ کے عوالم سے ہماری مراد موجودات کی تمام قسمیں ہیں"۔

حسِ لامسہ کی بیداری

"ان ادراکات میں پہلے پہل جو ادراک انسان میں ابھرتا ہے وہ حس یا چھونے کا حاسہ ہے۔ اس سے حرارت و برودت کا اندازہ ہوتا ہے۔ رطوبت و یبوست کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور اس حقیقت کا احساس ہوتا ہے کہ کون سی چیز کھردری اور سخت ہے اور کون نرم اور ملائم ہے۔ مگر اس میں وسعت نہیں۔ چنانچہ اس کے احاطہ اختیار سے یہ خارج ہے کہ رنگ اور نغمہ کا کوئی تصور قائم کر سکے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قوت لامسہ کے حساب سے آواز یا رنگ کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں"۔

حاسئہ بصر و سمع اور ذوق کی تخلیق

"اس کے بعد اس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے حاسئہ بصر معرض وجود میں آتا ہے جو نسبتاً زیادہ وسیع ہے۔ اس کے ذریعہ انسان رنگ و روپ اور شکل و صورت کو پہچاننے لگتا ہے۔

پھر قوت سامعہ کروٹ لیتی ہے اور انسان نغمہ و آواز کے زیر و بم سے واقف ہوتا ہے۔

پھر قوت ذائقہ بیدار ہوتی ہے اور اس کے بعد ادراکِ معرفت کے کچھ اور دروازے کھلتے ہیں تا آنکہ یہ سنِ تمیز میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ دور اس وقت آتا ہے جب بچہ چھ سال کی مسافت قریب طے کر لیتا ہے"۔

ارتقائے ادراک کا ایک نیا انداز

"یہ ایک نیا انداز ہے۔ اس میں اس کو ایسی ایسی باتوں کا احساس ہوتا ہے جن کا علم احساس میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد ارتقائے ادراک کا ایک اور قدم اٹھتا ہے۔ یعنی انسان کو عقل بخشی جاتی ہے۔ اب یہ واجبات کا تعین کرتا ہے۔ جائزات کا جائزہ لیتا ہے اور ممتنعات و مستحیلات کے مفہوم کو سمجھنے لگتا ہے (یعنی ممنوع و محال کا مفہوم سمجھنے لگتا ہے) اور ایسے امور پر مطلع ہو جاتا ہے کہ اس سے پہلے ان کا اس کو شعور تک نہ تھا"۔

عقل وشعور سے آگے کا قدم

''عقل کے ادراک کا ایک طور ہے جس سے اللہ کے منتخب اور چنیدہ حضرات دو چار ہوتے ہیں۔اس میں علم ومعرفت کی ایک بالکل ہی نئی آنکھ (سمجھ) واہوتی ہے۔جس کے ذریعے انسان غیب سے آگاہ ہوتا ہے۔ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو پہلے سے دیکھ لیتا ہے۔ اور اس کے علاوہ ایسے ایسے امور اس پر منکشف ہونا شروع ہوتے ہیں۔ کہ عقل حیران و ششدرره جاتی ہے۔جس طرح سن تمیز میں معقولات کا ادراک نہیں ہوسکتا یا لمس و بصر اور سمع و ذوق کے علم میں سنِ تمیز کی باتوں کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح محض عالم عقلی میں مقید انسان نبوت کی بلند پروازیوں کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔اور پھر جس طرح یہ ہے کہ چھ برس کا ننھا سا بچہ، جس نے ابھی ابھی سنِ تمیز میں قدم رکھا ہے۔معقولات کو نہ سمجھ سکے،اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعض عقلا طورِ نبوت کے تقاضوں کو نہ سمجھ سکیں۔ یہ علم نہیں بلکہ عین جہالت ہے کہ جس کیفیت تک ان کے ادراک نے رسائی حاصل نہیں کی اس کا انکار کردیا جائے۔ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی مادر زاد اندھا الوان واشکال کے تفاوت کو اس بنا پر تسلیم نہ کرے کہ اس کے دائرہ ادراک سے یہ چیزیں خارج ہیں۔ اور درحقیقت یہ اس انکار پر مجبور بھی ہے۔ کیونکہ اگر دوسرے تواتر اور تسلسل سے ان چیزوں کی موجودگی کا اس کو یقین نہ دلائیں تو وہ ان کے موجود ہونے کا کوئی تصور ذہن میں قائم کر ہی نہیں سکتا ''۔

نبوت کا تعلق خواب ورویاء سے

''نبوت کیا ہے؟اور کیونکر ایک انسان ایسے امور کی دریافت پر قادر ہوسکتا ہے جس تک کہ عام ادراکات کی رسائی نہیں ہوسکتی؟ اس کو خواب ورویاء کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے حقیقت نبوت کی توضیح کے لیے خود انسان کے اندر ایک نمونہ اور تمثال کا اہتمام فرمادیا ہے،جس میں کہ ایک حد تک خصوصیات نبوت کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں اور جس سے اس بات کا آسانی سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ طورِ عقلی سے ورابھی فکروشعور کے کچھ اطوار ہیں۔خواب میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان یا تو صراحتہً آئندہ وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو دیکھ لیتا ہے اور یا یہ واقعات مثال کے پردے میں مستور ہوتے ہیں جس کی اصلیت تعبیر سے معلوم ہوجاتی ہے۔ اب اگر لوگ خواب نہ دیکھتے اور ان کو رویا کا کوئی ذاتی تجربہ نہ ہوتا تو ان کو یقین دلانا مشکل ہوجاتا

کہ ایک انسان جس پر بے ہوشی کا عالم طاری ہے جو سمع و بصر کے احساسات سے محروم ہے اور جس کی قوت مدرکہ بیدار نہیں ہے وہ امورِ غیب پر یوں مطلع ہوسکتا ہے۔ اس کے جواب میں مخالف کہہ سکتا تھا کہ جناب یہ کیونکر ممکن ہے؟ کیا ادراک کی کوئی قسم ایسی بھی ہے جو قوائے حاسہ و مدرکہ کی وساطت اختیار کیے بغیر حاصل ہو جائے۔ پھر امورِ غیب پر تو ان احساسات کی موجودگی میں بھی اطلاع پانا مشکل ہے چہ جائیکہ ان پر ایسے شخص کو اطلاع ہو جائے جو اپنے حواس ہی میں نہیں ہے''۔

نبوت عقلیات سے آگے کا مقام ہے

''دلیل کا یہ انداز ایسا ہے کہ مشاہدہ جس کی تکذیب کرتا ہے۔ پس جس طرح عقل انسانی کو ہم ایک ایسا طور اور حیات سے آگے کی ارتقائی کڑی مانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے معقولات کے ایسے ایسے عجائب کا علم حاصل ہوتا ہے کہ قوائے حاسہ کو نہیں ہو پاتا۔ اسی طرح نبوت بھی ایک طور، ایک ارتقائی کیفیت اور حالت سے تعبیر ہے جس میں کہ حواس و عقل کے علاوہ ایک اور آنکھ کھل جاتی ہے جس کے ذریعے پیغمبر غیوب پر مطلع ہو جاتا ہے۔ اور ایسے ایسے امور کا اس پر انکشاف ہونے لگتا ہے کہ مجرد عقل جن کے انکشاف پر قدرت نہیں رکھتی''۔

منکرین نبوت کی قسمیں

''جو لوگ نبوت میں شک کرتے ہیں وہ تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو ان کو اس کے امکان میں شبہ ہوگا۔ یا اس میں شبہ ہوگا کہ یہ موجود بھی ہے یا نہیں۔ یا کھٹک کی نوعیت یہ ہوگی کہ اگر یہ پائی بھی جاتی ہے تو کیا ضرور ہے کہ کسی معین شخص کو نبی مان لیا جائے؟

جہاں تک نبوت کے امکان کا تعلق ہے زیادہ تردد کی ضرورت نہیں اس کا فی نفسہٖ موجود ہونا ہی امکان پر کھلی ہوئی شہادت ہے۔ آپ پوچھیں گے کہ اس کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ ہم کہیں گے کہ علوم و معارف کی ایک مقدار ایسی ہے کہ بجز الہام و وحی کے حاصل ہونے والی نہیں مثلاً علم النجوم یا بعض ادویہ کے خواص کہ اوّل اوّل ان کو الہام کی وساطت سے معلوم کیا گیا۔ اگر کوئی کہے کہ یہ کیوں نہ فرض کر لیا جائے کہ انسان نے برسوں کے تجربے سے خود ان معارف تک رسائی حاصل کی ہے۔ ہم کہیں گے ایسا ہونا ممکن کب ہے؟ کیا یہ نہیں جانتے کہ ستاروں کے بعض احوال واحکام ایسے ہیں کہ ان کا وقوع ہزار برس میں ایک مرتبہ ہوتا ہے، اور کون ایسا ہے جو ہزار برس تک جیئے اور اپنے مطالعہ و مشاہدہ کے احوال کو باقاعدہ قلمبند کرتا رہے۔ اسی پر ادویہ کے ان خواص کو

قیاس کرلو جو سینکڑوں برس سے لوگوں کو معلوم ہیں۔

اس دلیل سے معلوم ہوا کہ عقل کے علاوہ ادراک کی ایک اور قسم بھی ہے، اسی کو ہم نبوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس انداز کی دریافت و یافت نبوت کا ایک خاصہ ہے۔اس کے اور متعدد خواص بھی ہیں۔جن کو ہم بیان نہیں کررہے ہیں۔اور یہ جو ذکر ہوا ہے اس کو یوں سمجھیئے کہ سمندر میں سے ایک قطرہ ہے۔ہم نے اس کو محض اس خیال سے بیان کیا ہے کہ تمہارے پاس اس کا ایک نمونہ خواب کی صورت میں موجود ہے۔اور اسی قبیل کے کچھ مدرکات بھی ہیں۔جن سے تم آشنا ہو۔ظاہر ہے کہ ان کو اگر صرف عقل کے بل بوتے پر معلوم کیا جاتا تو کبھی معلوم نہ ہوسکتے وہ تو سابق انبیاء کا فیض و معجزہ ہے کہ انھوں نے یہ قیمتی سرمایہ علوم و معارف کا ہم تک پہنچادیا''۔

خواب اور رویاء نبوت کی تصدیق کا واحد ذریعہ

آگے چل کر امام غزالیؒ اس موضوع پر اپنی حتمی رائے کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

''اس کے سوا جو نبوت کے خواص ہیں ان کا علم صرف اس ذوق سے حاصل ہوسکتا ہے جو جادۂ تصوف پر چلنے سے حاصل ہوتا ہے۔ میں نے تو نبوت کی ابتدائی حقیقتوں کو صرف خواب کے نمونہ سے جانا ورنہ اگر خواب و رویاء کے کسی تجربہ و نمونہ سے میں پہلے سے آشنا نہ ہوتا، تو میرے لئے احکام نبوت کو ماننا سخت دشوار ہوجاتا۔ کیونکہ اگر نبوت کا کوئی نمونہ اور تمثال موجود نہ ہو، جس سے کہ کچھ کچھ اس کے مزاج و حقیقت کا اندازہ ہوسکے تو اس کی حقیقت انسانوں کے لئے سراسر ناقابل فہم ہوجائے چہ جائیکہ اسکی تصدیق' کیونکہ تصدیق کا مرتبہ بہر حال فہم کے بعد ہے''۔

امامت، ولائت، اور اولیاء (شاہ اسمٰعیل کا نظریہ)

ہندوستان میں تحریک سیّدین کے سرخیل مجاہد شاہ اسمٰعیل شہید اپنی تالیف'' منصب امامت'' (جسکا فارسی سے ترجمہ حکیم محمد حسین علوی نے کیا اور آئینہء ادب لاہور نے اسے شائع کیا' (یہ کتاب بھی حیرت انگیز حقائق کی دو ٹوک الفاظ میں تشریح و توضیح کرتی ہے) میں فرماتے ہیں'' اکابر اولیاء اللہ پانچوں کمالات میں انبیاءؑ سے مشابہت رکھتے ہیں (ان کمالات پر منصب

امامت کے پہلے ابواب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں اختصار کے پیشِ نظر انہیں نقل نہیں کیا جا رہا۔ تاہم دلچسپی رکھنے والے قارئین کیلئے ان کا مطالعہ یقیناً معلومات افزا ہوگا۔۔۔ مؤلف) اس مشابہت کی درج ذیل صورتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

الہام اولیاء: الہام کی نسبت اولیاء سے ہو تو اسے نطق سکینہ کہتے ہیں۔ اصحابؓ رسولؐ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی زبان و دل پر سکینہ جاری ہوتا تھا۔ الہام بذریعہ خواب بھی ایک صورت ہے۔ حضور نے فرمایا: ''نبوت سے باقی کوئی چیز نہیں رہی مگر خوشخبریاں'' ۔۔۔۔۔۔ صحابہؓ نے عرض کیا: خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا: ''نیک خواب جو مؤمن دیکھتا ہے۔'' ۔۔۔۔۔۔ کمالات مذکورہ میں ایک غیبی تفہیم بھی ہے یعنی فکر و نظر میں القائے برکت ہو۔

حکمت اولیاء: فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''ہم نے لقمان کو حکمت دی کہ اللہ کا شکر کرے'' نبی ﷺ نے فرمایا ''میں علم کا گھر اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں'' ۔۔۔۔۔۔ حضورؐ نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے دعا کی ''کہ اے اللہ اس کو حکمت سکھا'' ایک اور جگہ فرمایا کہ ''مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔

عبودیت اولیاء: ولایت کے عمدہ ترین مقامات میں سے عبودیت ہے۔

حفظِ اولیاء: ولایت کا عظیم مقام عصمت ہے۔ عصمت کی حقیقت حفاظت غیبی ہے جو معصوم کے تمام اقوال، افعال، اخلاق، احوال، اعتقادات اور مقامات کو راہ حق کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور حق سے روگردانی کرنے سے مانع ہوتی ہے۔ یہی حفاظت جب انبیاء سے متعلق ہو تو اسے عصمت کہتے ہیں اور جب اولیاء سے متعلق ہو تو اسے حفظ کہتے ہیں اگرچہ ہیں یہ دونوں ایک چیز۔ لیکن ادب کے لحاظ سے اولیاء کیلئے اسے حفظ کہا جاتا ہے۔ شاہ صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں کہ حفاظت غیبیہ کا تعلق کمالِ عبودیت کا ثمرہ ہے خواہ انبیاء میں پایا جائے خواہ ان کے پیروؤں میں جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''پھر اللہ شیطان کی القا شدہ باتوں کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیتوں کو محکم کرتا ہے'' (حج)

زہد اولیاء: جملہ مقامات ولایت سے زہد بھی ہے جیسے حضورؐ نے فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم بناؤ گے تو اسے دنیا میں امین و زاہد اور آخرت کا راغب پاؤ گے۔ مزید فرمایا ''جو اس کا خواہش مند ہو کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ کو زہد میں دیکھے وہ ابو درداؓ کو دیکھ لے۔ آگے چل کر شاہ صاحب نے مزید

مقامات اولیاء کی تشریح کی جیسے مقام تفرید، مقام توکل، مقام محو وفنا اور تہذیب اخلاق پر گفتگو کی۔

مقام بعثت غیر انبیاء: کے ضمن میں کہا کہ ان کمالات میں ایک مقام بعثت ہے: چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں بارہ نقیب مقرر کر دیئے"۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ نقیب نبی نہ تھے اور فرمایا "جب ان کے پاس دو رہبر بھیجے تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے سے قوت دی۔ انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تو وہ بولے کہ تم تو ہماری طرح انسان ہی ہو اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا، تم جھوٹ کہتے ہو تو انہوں نے کہا ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہم کو صرف پہنچانے کا حکم ہے۔"

(مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے شاہ اسمٰعیل کی کتاب منصب امامت)

خدائی نظم وانصرام میں اولیاء کی حیثیت

اولیاء کرام کے کمالات واوصاف اور مقامات جس طرح سے اصفیائے امت نے بیان کئے اور تصوف کی ضرورت وحکمت کا جس طرح سے بیان ہوا اس کی غرض وغائت پر اگر غور کیا جائے گا تو بہ آسانی یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ اولیائے امت محض خانہ پُری کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ خدائی نظم وانصرام میں ان کی ایک مستقل حیثیت ہے لہٰذا ان کی تکذیب یا استہزاء غضبِ الٰہی کو اسی طرح دعوت دینے کے مترادف ہے جس طرح انبیاء کرام کو جھٹلانا اور دیگر آیات الٰہی یا شعائر اللہ کو تسلیم کرنے سے انکار یا ان کا ٹھٹھہ اڑانا۔ (اللہ مسلمانوں کو خصوصاً اور نسل انسانی کو عموماً ایسی معصیت سے بچائے۔ آمین)۔

دورِ حاضر کے تجدّد پسند علماء کی روش: ایک المیہ

درج بالا عرضداشتوں اور نصوص کے برعکس اب ذرا دور حاضر کے بعض تجدّد پسند علماء کی روش ملاحظہ ہو:

سید ابوالاعلیٰ مودودی: "تجدید واحیائے دین" سید مودودی کی مشہور ومعروف کتاب ہے جو پہلی بار ۱۹۴۰ء میں چھپ کر سامنے آئی۔ اس کا چودھواں ایڈیشن ۱۹۷۸ میں اسلامک پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اس کے دیباچہ طبع اول میں سید مودودی نے سب سے پہلے تو صلحائے امت (صوفیہ، اولیاء، مصلحین) پر کڑی تنقید کرنے کے لئے یہ کہہ کر رستہ صاف کیا کہ اس ذہول اور غفلت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ جن ناموں کے شروع میں

''حضرت'' ''امام'' حجۃ الاسلام'' ''قطب العارفین'' ''زبدۃ السالکین'' اور اسی قسم کے الفاظ لگ جاتے ہیں ان کی عقیدت مندی کا اتنا بوجھ دماغوں پر پڑ جاتا ہے کہ پھر کسی میں یہ طاقت نہیں رہتی کہ آزادی کے ساتھ ان کے کارناموں کا جائزہ لے کر ٹھیک مشخص کر سکے کہ کس نے اس تحریک کے لئے کتنا اور کیسا کام کیا ہے چنانچہ سید مودودی نے ان نفوسِ قدسیہ کی عقیدت مندی کا بوجھ قلوب واذہان سے اتارنے کیلئے جس طرح ان کا کباڑہ کرنے کی کوشش کی وہ انہی کے الفاظ میں پڑھیئے، فرماتے ہیں:

''انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد وقہار کی خدائی کے قائل ہو گئے وہاں سے خداؤں کی دوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں، مگر انبیاء، اولیاء، شہدا، صالحین، مجاذیب، اقطاب، ابدال، علماء، مشائخ اور ظل اللہوں کی خدائی پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ نکالتی ہی رہی'' (صفحہ ۱۹)۔ آپ نے دیکھا کہ سید مودودی نے انبیاء کو بھی گھسیٹ کر دیگر نفوس قدسیہ کی صف میں کھڑا کر دیا تاہم آگے چل کر فرماتے ہیں:

''بغیر کسی ثبوت کے .... ایک پوری مائیتھالوجی تیار ہو گئی جو بت پرست مشرکین کی مائیتھالوجی سے لگا کھا سکتی ہے۔ تیسری طرف توسل اور استمداد روحانی اور اکتساب فیض وغیرہ ناموں کے خوشنما پردوں میں وہ معاملات جو اللہ کے بندوں کے درمیان ہوتے ہیں' ان بزرگوں سے متعلق ہو گئے اور عملاً وہی حالت قائم ہو گئی جو اللہ کے نہ ماننے والے ان مشرکین کے ہاں ہے ...... فرق صرف یہ ہے کہ ان کے ہاں اہلکار علانیہ الہٰ، دیوتا، اوتار یا ابن اللہ کہلاتے ہیں اور یہ انہیں غوث، قطب، ابدال، اولیاء اور اہل اللہ وغیرہ الفاظ کے پردوں میں چھپاتے ہیں (صفحہ ۳۰) اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ''ہری ہری''

حیرت ہے کہ انسان جب محض اپنی عقل کا غلام ہو جائے تو وہ نصوصِ صریح کا علم رکھنے کے باوجود کس قدر دیدہ دلیر ہو جاتا ہے۔ ایسے اصحاب کیلئے ہی اقبالؒ نے کہا تھا:

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

بے حضوری ہے تری موت کا راز
زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں

سوال یہ نہیں کہ کون کن کن ناموں یا القابات سے پکارا جاتا ہے کیونکہ نام کو دیکھا جائے تو ''ابوالاعلیٰ'' پر بھی بے شمار اعتراضات ہوئے، دیکھنا یہ چاہیے کہ ان نفوس قدسیہ اور اہل

اللہ کے کارنامے کیا ہیں؟ نصوص صریح کے مطابق انبیاء نے بعد ان کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ کیا امام، اولیاء، اہل اللہ، نقباء، صالحین، صدیقین، زہاد، شہدا، متقین، **مفلحین** وفائزین، ہدایت یافتہ لوگ، قرآن وسنت میں دیئے ہوئے خطابات نہیں؟۔۔۔۔ اگر ہیں تو پھر گندم کے ساتھ گھن کو بھی پیس ڈالنے کا اختیار ان لوگوں کو کس نے دیا؟ لطف کی بات تو یہ ہے کہ جن اصحاب کو سیّد مودودی نے مجدّ دین کی صف میں شمار کیا ہے (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، حضرت امام غزالیؒ علاوہ ازیں گذشتہ چودہ صدیوں میں ایسے چھوٹے بڑے ہزاروں اللہ کے بندے ہیں) انہوں نے کبھی یہ جسارت نہیں کی کہ ان اہل اللہ کو کفار و مشرکین کے پروہتوں، پوپوں یا مہنتوں کے ساتھ گڈ مڈ کر کے ان کے خلاف نفرت پھیلائیں۔ علمائے حق کا یہ وطیرہ کبھی نہیں رہا، انہوں نے ایک دوسرے پر کڑی تنقیدیں کیں لیکن وہ تہذیب و شرافت کے دائرے میں رہ کر۔ سید مودودی نے صرف یہی نہیں کیا کہ اسلام کی ترویج وترقی کیلئے فقر کو سینوں سے لگانے والے ان مجاہدین کی حیثیت، مقام اور کارناموں کو کفار ومشرکین سے مشابہت دے کر انہیں امت مسلمہ کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی بلکہ انہوں نے ان صلحائے امت کے ذکر وفکر اور تزکیۂ نفس کے مشاغل اور رجوع الی اللہ کی تدبیروں اور تعلیمات کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور ان سب کو جاہلیتِ راہبانہ قرار دیا۔ فرماتے ہیں: ''ان اولیا کے نزدیک یہ دنیا اور جسمانی وجود، انسان کے لئے ایک دارالعذاب ہے'' (یہ محض جھوٹ اور افترا ہے کوئی ولی اللہ یا صوفی کبھی ایسا نہیں کہتا: مؤلف کتاب ھذا)۔: ''نجات کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں کہ زندگی کے بکھیڑوں سے قطع تعلق کر لیا جائے، خواہشات کو مٹایا جائے، لذات سے کنارہ کشی کی جائے، جسمانی ضروریات اور نفس کے مطالبات کو پورا کرنے سے انکار کیا جائے، ان تمام محبتوں کو جو دنیوی اشیاء اور گوشت وخون کی رشتہ داریوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں دل سے نکال دیا جائے اور اپنے اس دشمن یعنی نفس وجسم کو مجاہدات وریاضات کے ذریعے سے اتنی تکلیفیں دی جائیں کہ روح پر اس کا تسلط قائم نہ رہ سکے۔ اس طرح روح ہلکی اور پاک ہو جائے گی اور نجات کے بلند مقامات پر اڑنے کی طاقت حاصل کرے گی'' (صفحہ ۲۳)۔ سید صاحب موصوف فرماتے ہیں۔ ''یہ نظریہ بجائے خود غیر تمدنی ہے۔۔۔۔ جو بہت کم ایجابی بلکہ زیادہ تر سلبی یعنی منفی نوعیت کا ہے۔۔۔۔ اور جہاں جہاں اس کے اثرات پہنچتے ہیں وہاں افیون اور کوکین کا کام کرتے ہیں'' (صفحہ ۲۳-۲۴)۔۔۔۔ ''تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ امپیریلزم، سرمایہ

داری اور پاپائیت سے اس راہبانہ فلسفہ واخلاق کی کبھی لڑائی ہوئی ہو" ۔۔۔۔۔۔"ترک دنیا کے پردے میں بادشاہوں اور رئیسوں سے سانٹھ گانٹھ کی جاتی ہے اور روحانی امارت کا وہ جال پھیلایا جاتا ہے جس کی بدترین مثالیں روم کے پاپاؤں اور مشرقی دنیا کے گدی نشینوں نے پیش کی ہیں" (صفحہ ۲۴۔۲۵)۔

اب ذرا دیانتداری سے سید صاحب کے ارشادات کا جائزہ لیا جائے تو دو باتیں نہایت واضح اور واشگاف الفاظ میں سامنے آتی ہیں: ایک یہ کہ انہوں نے نہایت درجہ غلو اور الزام تراشی سے کام لیا ہے۔ ترکِ دنیا سے مصلحین نے ہمیشہ مراد یہ لی ہے کہ ان تمام باتوں کو ترک کر دیا جائے جو قرآن کی اصطلاح میں "منکرات ونواہی کے ضمن میں آتی ہیں اور ایسے اعمال کو اختیار کیا جائے جو "اوامر" کے ذیل میں آتے ہیں۔ پھر علماء کی اصطلاح میں اعمال کی کم از کم حد اور عظیمت کی بے حد وحساب سر بلندیاں ہیں جن سے انسان کو سرفراز کرنے کیلئے اللہ بزرگ و برتر کبھی عاجز نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تو وہ ہے کہ انسان کو اس کی کوشش سے بھی کہیں زیادہ بلکہ ہزاروں لاکھوں گناہ اجر وثواب عطا فرماتا ہے جیسے حرم کعبۃ اللہ میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر اور حرم نبویؐ میں نماز کی ادائیگی کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے۔

رہا سیّد صاحب کا یہ طنز کہ مجاہدات سے روح ہلکی اور پاک ہو جائے گی ۔۔۔۔۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب "بعض صوفیہ" "میں اسلام کی تمام روحانی اقدار کو کلیتاً پامال کرنے کا تہیہ کیے ہوئے تھے ۔۔۔۔ دور حاضر کے ایک دانشور غلام جیلانی برق اپنی کتاب "من کی دنیا" (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے جس کا نواں ایڈیشن ۱۹۹۲ میں شائع کیا تھا)۔ لکھتے ہیں: یہ حقیقت اب تسلیم کی جا چکی ہے کہ ہمارے اس جسم خالی کے اندر ایک اور جسم داخل ہے جو بخارات آبی سے زیادہ لطیف ہے، حقیقی انسان وہی ہے، یہ جسم خاکی فانی ہے اور وہ غیر فانی" ۔۔۔۔۔ ایک اور جگہ جناب برق لکھتے ہیں: روح اور دل کے متعلق کچھ تفاصیل وحی نے پیش کیں جن کی صحت تمام شکوک سے بالاتر ہے۔ بعض واقعات مسلم صوفیہ نے پیش کیے تاہم جناب برق نے حضرت علامہ اقبال کے درج ذیل اشعار پر اپنی کتاب کو ختم کیا ہے:

تری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا　　مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا
بلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا　　عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تری

(کتاب کے آخر میں مآخذ بھی دیئے گئے ہیں جو ۲۹ غیر ملکی مصنفین کی انگریزی کتب

پر مشتمل ہیں) روح کے تصرفات کا دورِ حاضر کے دانشوروں کے اقوال اور تحریروں کی روشنی میں جائزہ لینا ہو تو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوگا۔ رہے سید مودودی کے صوفیہ کے سیاست میں دخل نہ دینے یا پوپوں، مہنتوں وغیرہ سے پنجہ آزمائی سے گریز سے متعلق اعتراضات تو، ہم زیر نظر تالیف میں جگہ جگہ اُن واقعات کا تذکرہ کریں گے جن سے موصوف کے خلافِ امرِ واقعہ نظریات والزامات کا ابطال ہوگا (انشاءاللہ)

متعلقہ موضوع پر مسلمان اہل قلم علماء وفضلاء نے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ علامہ حافظ ابن قیم کی ''کتاب الروح'' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ بڑی تقطیع کے تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کا ترجمہ مولانا راغب رحمانی نے کیا اور اسے نفیس اکیڈمی کراچی نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ کتاب میں جن موضوعات پر بحث کی گئی ہے وہ ہیں روح کیا ہے؟ کہاں سے آئی، ۔کس طرح آئی ؟ کہاں جاتی ہے؟ اس کے آنے سے جسم انسانی کیوں آباد ہو جاتا ہے اور اس کی پرواز سے زندگی کے چشمے کیوں خشک ہو جاتے ہیں۔ ایک بات اختلاف کے بغیر ثابت ہے کہ مسلمان علماء خواہ وہ کسی فقہی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں، روح کی ہمیشگی کے قائل ہیں جیسا کہ اقبال نے کہا: ''موت جز سنجیدنِ پر کچھ بھی نہیں'' موت کے بعد انسان:

''پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ''
(اقبال)

گویا کہ اگر مسلمان صوفیہ یا مصلحین، روح کی بالیدگی پر اس قدر زور دیتے ہیں تو یہ کوئی اچنبھے کی بات تو نہ تھی جس پر اس قدر غیظ وغضب کا اظہار کیا جاتا۔ سید صاحب کی یہ بات کہ صوفیہ کے نزدیک دنیا دار العذاب ہے ''قطعی بہتان ہے جو ان صالحین پر لگایا گیا ہے۔

سیّد مودودی بمقابلہ شاہ اسمٰعیل

یہاں ایک اور دلچسپ حقیقت پیش کی جاتی ہے کہ عام لوگوں میں یہ غلط فہمی راسخ ہے کہ شاہ اسمٰعیل اہل سنت والجماعت سے نہیں ہیں۔ تاہم وہ اپنی کتاب منصب امامت میں لکھتے ہیں:
اولیاء کی قسمیں: ''ان بزرگوں میں سے بعض تو بنی آدم کے مطلق حال کی اصلاح پر مامور ہیں ۔۔۔ جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام اور ابدال واوتاد وافراد ہیں۔ مگر بعض دوسرے کسی خاص قوم

یا کسی خاص شہر یا لشکر سے خصوصیت رکھتے ہیں جیسا کہ قطب، نجباء اور رقباء۔ ان کو اہل خدمت کہتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ آگے شاہ صاحب امامت باطنہ پر بحث کرتے ہیں اور اسے بھی دین کے نظم و انصرام کا ایک اہم رکن شمار کرتے ہیں۔

امام حجۃ اللہ ہے: پس یہ بات دل سے سمجھنی چاہئے کہ جب جملہ اوقات میں کسی وقت بھی ایک امام کھڑا ہوا اور دعوت اس کی ظاہر ہو تو بیشک اہل معصیت وفساد پر حجۃ اللہ کا اہتمام ہو گیا اور انتقام الٰہی کا وقت آن پہنچا از انجملہ ان کی تلاش اور معرفت میں بندگان خدا مامور ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو'' (مائدہ) اور وسیلہ سے مراد وہ شخص ہے جسے منزلت میں تقرب خدا حاصل ہو۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

''وہ لوگ جو پکارتے ہیں، اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کون ان میں سے زیادہ مقربِ بارگاہ ہے'' (بنی اسرائیل)۔

آخرت میں ولایت: ارشاد نبویؐ ہے: کیا تم کو معلوم نہیں کہ مومنین کے لئے میں ان کی جانوں سے بہتر ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں! پھر فرمایا: اے اللہ جن کا میں دوست ہوں علیؑ بھی ان کا دوست ہے'' ۔۔۔۔۔۔۔ ''جس دن ہم سب لوگوں کو بلائیں گے مع ان کے اماموں کے اور انہیں ساتھ کھڑا کر کے ان سے سوال کیا جائے گا'' (الصّٰفّٰت) ۔۔۔۔۔ فرمایا نبی ﷺ نے'ان سے حضرت علیؑ کی ولایت کے متعلق سوال کیا جائے گا'' شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں : امام، رسولؐ کے سعادت مند فرزند کی مانند ہے، باقی تمام اکابر امت و بزرگان ملت، ملازموں، خدمتگاروں، اور جانثار غلاموں کے مانند ہیں'' (تفصیل کے لئے دیکھئے''منصب امامت'' مؤلفہ شاہ اسمٰعیل شہید)

سید مودودی نے صوفیہ کے مجاہدات وریاضات پر بھی اعتراض کیا ہے جس کا اصل رخ صوفیہ کے ذکر اذکار کی طرف ہے کیونکہ نماز روزہ کے علاوہ مجاہدات وریاضات میں بنیادی شغل تو ذکر اللہ ہی ہوتا ہے' تو یہ اعتراض قرآن کی نصوص صریح کے خلاف ہے۔ اللہ نے اس عمل کو جتنا پسندیدہ ٹھہرایا ہے اس کے ہوتے ہوئے کوئی عقل سے کورا ہی اس پر معترض ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔

یہاں ہم بعض کتب کا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں ان میں سے ایک ''حصن حصین'' ہے جو مستند کتب حدیث سے جمع کردہ ادعیہ واذکار و آیات پر مشتمل ہے جس کے مؤلف علام امام محمد بن محمد بن الجزری شافعیؒ ہیں کتاب کی ترتیب جدید مولانا محمد ادریس نے کی اور تاج کمپنی نے اسے شائع

کیا۔ یہ ۳۴۰ صفحات پر مشتمل ہے ایک اور کتاب فضائلِ ذکر مؤلفہ مولانا محمد زکریا ہے جسے مدینہ پبلشنگ کمپنی مشہور محل کراچی اور ایک کتاب احسن البیان فی خواص القرآن جس کے مؤلف مولانا سید محمد احسن ہیں، جسے مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ کراچی نے شائع کیا ان اوراد کی برکات کا تذکرہ خود ان کتابوں میں سے پڑھیے اور پھر خدا لگتی کہیے گا کہ ان اوراد و وظائف کا جو شروع تا آخر سنت رسول ﷺ سے ثابت ہیں، دین میں کیا مقام ہے۔

خضر کیونکر بتائے کیا بتائے — اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے؟ (اقبال)

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جن بزرگان دین کو جاہلیتِ راہبانہ کے کیمپ میں دھکیلنے کی کوشش کی اور کہا ہے کہ انہوں نے ترک دنیا کے پردے میں بادشاہوں اور رئیسوں سے سانٹھ گانٹھ کر کے، روحانی جال پھیلا کر امت مسلمہ کو گویا کہ گمراہ کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا۔۔۔۔۔۔اور یہ کہ تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ امپیریلزم سرمایہ داری اور پاپائیت سے ان کا کبھی ٹکراؤ ہوا ہو۔۔۔۔۔ یہ خیالات تاریخ کا منہ چڑانے کے مترادف ہیں کیونکہ یہی تو وہ نفوس قدسیہ ہیں جو ان بادشاہوں کی نگاہوں میں کھٹکتے رہے ہاں بعض علمائے سُو ایسے ضرور موجود رہے جنہیں بادشاہوں کے حاشیہ بردار ہونے کا فخر حاصل رہا۔

تاریخ دعوت وعزیمت (مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی)

مولینا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی تصنیف ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں نامور مصلحین اور ممتاز اصحاب دعوت وعزیمت کا مفصل تعارف کرایا ہے۔ علی میاں مرحوم اس معاملے میں کافی مثبت سوچ کے حامل ہیں چنانچہ فرماتے ہیں'' اسلام چونکہ آخری اور عالمگیر دین ہے اور یہ آخری عالمگیر امت ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کیلئے دو انتظامات فرمائے۔۔۔۔۔۔ایک یہ کہ حضور کو کامل ومکمل اور زندہ تعلیمات سے نوازا گیا۔۔۔ دوسرا یہ کہ اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ اشخاص عطا فرماتا رہے گا جو ان تعلیمات کو زندگی میں منتقل کرتے رہیں گے۔ اسلام کے قلب وجگر پر ایک باطنیت کا حملہ، دوسری طرف صلیبیوں کی یورش اور پھر تاتاریوں کا حملہ ہوا لیکن اسلام ان سب داخلی اور خارجی حملوں کو برداشت کر لے گیا۔ کیونکہ ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوئے جنہوں نے مادیت اور نفس پرستی پر کاری ضرب لگائی۔ تعیشات اور متکبر دولتمندوں کی سخت مذمت کی اور جابر سلطانوں کے سامنے کلمہ حق بلند کیا،

عقلیت پرستی کا طلسم توڑا۔ ایسے اصحاب میں خاص طور پر قابل ذکر حضرت علی بن الحسین (زین العابدین علیہ وعلیٰ آباۂ السلام) ہیں جو عبادت وتقویٰ اور زہد و ورع میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ دوسری صدی کی اصلاحی کوششوں میں حضرت حسن بصریؒ کے کارناموں کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ علی میاں فرماتے ہیں کہ ساٹھ برس کی عمر میں جب ان کا انتقال ہوا (۱۱۰ھ) تو سارے شہر نے ان کے جنازہ میں شرکت کی۔ اور بصرہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ پوری آبادی قبرستان چلے جانے کی وجہ سے اس دن شہر کی جامع مسجد میں عصر کی نماز نہیں ہوسکی۔

حسن بصریؒ کے بعد ان کے روحانی وعلمی جانشینوں نے اور اپنے اپنے زمانہ کے داعیوں نے "دعوت الی اللہ" دعوت آخرت اور دعوت ایمان وعمل کے تسلسل کو جاری رکھا اور درمیان میں کوئی خلا واقع نہیں ہونے دیا حسن بصریؒ کی وفات کے ۲۲ برس بعد خلافت امویہ کا خاتمہ اور خلافت عباسیہ کا آغاز ہوا اور دمشق کے بجائے بغداد دارالخلافت اور پورے مشرق کا مرکز توجہ بن گیا"۔ علی میاں آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

"خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے احیاء کی کوششیں

"ان اصلاحی کوششوں اور دعوت وتذکیر کے تسلسل کے ساتھ تھوڑے وقفے کے بعد اسکی کوشش بھی جاری رہی کہ خلافت کو اس کے صحیح مرکز پر قائم کیا جائے اور اس اجارہ داری کو ختم کر دیا جائے جو امویوں اور ان کے بعد عباسیوں نے قائم رکھی تھی۔ خلافت غلطی سے ایسی قومی اور نسلی بنیادوں پر قائم ہوگئی تھی کہ اس کے مقابلے میں کوئی آواز اور تحریک اس وقت تک مؤثر نہیں ہوسکتی تھی جب تک کہ اس کو شرافت نسب اور علوی خاندان کی سند حاصل نہ ہو اور اس کی پشت پر خاندانی طاقت وحمایت نہ ہو۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے خلافت اموی اور خلافت عباسی کے خلاف علم جہاد بلند کیا ان کا تعلق اہل بیت سے تھا کہ ان کی کامیابی کا زیادہ امکان تھا۔ لیکن وہ امت کے دینی رجحان کے نمائندے بھی تھے اور ان کو مسلمانوں کے دینی عنصر اور اصلاح پسند جماعتوں کی ہمدردی اور تائید حاصل تھی۔

واقعہ کربلا کے بعد بھی خاندان نبوت کے متعدد افراد نے انقلاب کی کوشش کی۔ سیدنا حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بعد ان کے پوتے زید بن علی بن الحسین نے ہشام ابن عبدالملک کے مقابلہ میں علم جہاد بلند کیا اور ۱۲۲ھ میں شہید ومصلوب ہوئے۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان کی خدمت

میں دس ہزار درہم بھیجے اور حاضر نہ ہو سکنے پر معذرت کی، ان کے بعد بنی حسن میں سے حضرت محمد ذوالنفس الزکیہ (بن عبداللہ المخلص بن الحسن المثنی بن سیدنا حسنؓ بن علیؓ) نے مدینہ طیبہ اور ان کے مشورہ سے ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے کوفہ میں منصور کے خلاف علم جہاد بلند کیا، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ ان کی تائید وحمایت میں تھے۔امام مالکؒ نے اہل مدینہ کو محمد ذوالنفس الزکیہ کی رفاقت وطاعت کا فتویٰ دیا، اگرچہ وہ منصور کی بیعت کر چکے ہوں، (تاریخ الکامل ج ۵ ص ۲۱۴) امام ابوحنیفہ نے برملا ان کی تائید کی اور کچھ رقم بھی ان کی خدمت میں بھیجی' منصور کے فوجی افسر حسن بن قحطبہ کو ابراہیم کا مقابلہ کرنے سے باز رکھا اور اس نے خلیفہ سے معذرت کر دی، اول الذکر رمضان ۱۴۵ھ میں مدینہ طیبہ میں اور آخر الذکر ذوالقعدہ ۱۴۵ھ میں کوفہ میں شہید ہوئے مورخین کا خیال ہے کہ امام ابوحنیفہ کیخلاف منصور نے جو سخت کاروائی کی، اس کی وجہ ان کا عہدہ ء قضا سے انکار نہ تھا۔ بلکہ دراصل محمد ابراہیم کی حمایت تھی، جس کا منصور کو علم تھا، (اس باب کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا سید مناظر احسن گیلانی) بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتوں کے استحکام اور وسیع انتظامات کی وجہ سے اگرچہ یہ سب کوششیں ناکام رہیں، لیکن انہوں نے امت میں غلط اقتدار کے خلاف جدوجہد اور اعلان حق کی ایک نظیر قائم کر دی، اگرچہ وہ عملاً کامیاب نہیں ہو سکے لیکن ان کی کوششوں کا یہ ذہنی اثر' قربانی اور جدوجہد کا یہ تسلسل کچھ کم قیمتی نہیں۔اسلامی تاریخ کی آبرو انہی جواں مردوں سے قائم ہے جنہوں نے غلط اقتدار اور مادی ترغیبات کے سامنے سر نہیں ڈالی اور صحیح مقصد کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیا،

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ (33۔الاحزاب:23)

ترجمہ: مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اسے سچا کر دکھایا۔

بغداد کے داعی الی اللہ: خلافت عباسیہ کے دور میں دینی دعوت و تذکیر کے واقعات قلمبند کرتے ہوئے علی میاں لکھتے ہیں:

اسی پُر عیش وعشرت بغداد میں کچھ نفوس قدسیہ تھے جو دعوت الی اللہ' تزکیۂ نفوس، علوم دینیہ کی نشر واشاعت اور تعلیم وتعلم میں ہمہ تن منہمک تھے، انھوں نے شہر کے ہنگاموں اور زندگی کی ساری دلچسپیوں سے اپنے کو علیحدہ رکھا تھا اور اس امت کی روح اور تعلق باللہ کے سرمایہ، اور اسلامی زندگی کے سرچشمہ' قرآن وحدیث کی حفاظت میں مصروف تھے، حکومت ان کو کسی قیمت پر خرید

نہیں سکی اور دنیا کی کوئی ترغیب ان کو اپنے کام سے ہٹا نہیں سکی، مادیت کے اس پر تلاطم سمندر میں انسانی جزیرے تھے، جہاں ڈوبنے والے پناہ لیتے تھے، انہوں نے بغداد میں مادی و پُرعشرت زندگی کے پہلو بہ پہلو ایک خالص ایمانی اور روحانی زندگی قائم کر رکھی تھی جو اپنی طاقت اور وسعت میں مادی و سیاسی زندگی سے کم نہ تھی، اگر خلفاء اور امراء و وزراء کا قبضہ جسموں پر تھا تو انکی حکومت لوگوں کے دلوں اور دماغوں پر تھی اور جہاں کہیں ان دونوں میں مقابلہ پیش آتا تو اکثر اوقات اہل اللہ کا غلبہ ثابت ہوتا۔ سلطان وقت ہارون الرشید اپنے شاہانہ تزک واحتشام کے ساتھ رقہ میں مقیم تھا کہ مشہور امام حدیث اور مرد صالح حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی آمد ہوئی، شہر کی ساری آبادی ان کے استقبال کے لئے نکل پڑی، خلیفہ تنہا رہ گیا، اژدحام کا یہ حال تھا کہ جوتیاں ٹوٹ گئیں، ہارون کی ایک کنیز بالاخانے سے دیکھ رہی تھی، پوچھا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ خراسان کے ایک عالم آئے ہیں جن کا نام عبداللہ بن مبارکؒ ہے اس نے کہا کہ یہ ہے بادشاہی نہ کہ ہارون کی بادشاہی کہ بغیر پولیس اور اہل کاروں کے جمع ہی نہیں ہوتے۔

یہ ایمانی اور علمی زندگی بغداد میں صاف نمایاں تھی، بغداد جس طرح عیش وعشرت اور مال و دولت کا گہوارہ تھا اور اس کے طالب دنیا کے گوشہ گوشہ سے سمٹ کر یہاں جمع ہو گئے تھے اسی طرح علم وعمل، صلاح وتقویٰ اور دعوت واصلاح کا بھی سب سے بڑا مرکز تھا، جہاں اس فن کے امام اور اس فن کے طالب پورے عالم اسلام سے آکر جمع ہو گئے تھے۔ طبقات وتراجم کی کتابیں دیکھنے سے تو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ بغداد میں صلحاء وعلماء کے علاوہ اور کوئی بستا ہی نہ تھا اور قال اللہ وقال الرسولؐ کے سوا کوئی صدا بلند نہیں ہوتی تھی، یہ دینی رونق اور عین مرکز حکومت میں دین و اصلاح کی یہ دعوت انہی مجاہد بندوں کے دم سے تھی جنہوں نے اسی کام کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ لیا تھا، اس سلسلہ میں سفیان ثوریؒ، فضیل بن عیاضؒ، جنید بغدادیؒ، معروف کرخیؒ اور بشر حافیؒ کا نام اور کام سب سے زیادہ نمایاں اور روشن ہے ان حضرات کے اعمال واخلاق، سچی خدا ترسی بے لوث زاہدانہ زندگی، مخلوق سے استغناء، ایثار و بے نفسی، بے غرض خدمت خلق اور ایمانی کیفیات، غیر مسلم آبادی تک پر اثر ڈالتی تھیں ان کی ذات سے اسلام کا اخلاقی وقار قائم تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی تقریریں سن کر اور ان کے اعمال واخلاق دیکھ کر بہ کثرت یہودی، عیسائی مجوسی اور صابی مسلمان ہورہے تھے۔ (ملاحظہ ہو تاریخ بغداد خطیب بغدادی) اور حلیۃ الاولیاء: ابونعیم اور تاریخ ابن خلکان)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مقام اور سیّد مودودی: درج بالا حقیقتِ حالات اور تاریخی

شہادتوں کے برعکس سید مودودی اپنے خیالات ونظریات کی ''بلندیوں'' پر اڑتے ہوئے اس قدر تلخ ہو گئے کہ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، جنہیں اہل علم اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کی اکثریت خلفائے راشدین میں شمار کرتی ہے' لیکن سید صاحب نے انہیں ایک طرف تو ''مجدّدِ اعظم'' تسلیم کیا تو دوسری طرف ان کے بارے میں یہ بھی لکھا'' قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے ------ ان کے بعد جتنے مجدّد پیدا ہوئے ان میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا ------ مجدّد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے'' ------ گویا کہ حضورؐ کی یہ پیش گوئی کہ'' ہر صدی کے سرے پر مجدّد ہوگا'' العیاذ باللہ غلط ثابت ہوئی؟ اس حدیث پاک کو خود سیّد صاحب نے اپنی کتاب میں درست تسلیم کیا ہے جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔ سید مودودی نے دیگر جن مجدّدین کا ذکر کیا ہے ان میں ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ/۶۹۹ء تا ۱۵۰ھ/۷۶۷ء، امام مالکؒ ۹۵ھ/۷۱۴ء تا ۱۷۹ھ/۷۹۸ء، امام شافعیؒ ۱۵۰ھ/۷۶۷ء تا ۲۰۴ھ/۸۵۴ء، امام احمد بن حنبلؒ ۱۶۴ھ/۷۸۰ء تا ۲۴۱ھ/۸۵۵ء، امام غزالیؒ ۴۵۰ھ/۱۰۵۵ء تا ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء، ابن تیمیہ ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء تا ۷۲۸ھ/۱۳۲۷ء، شیخ احمد سرہندیؒ ۹۷۵ھ/۱۵۶۳ء تا ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء، شاہ ولیؒ اللہ ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء تا ۱۱۷۶ھ تا ۱۷۶۳ء، اور سیّد احمد بریلویؒ شہید ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء تا ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء شامل ہیں لیکن پھر بزرگان دین کے بارے میں اور ان کے مشن کے بارے میں جو الفاظ استعمال کئے اور جن متضاد نظریات کا اظہار کیا انہیں پڑھ کر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے' فرماتے ہیں:

مجدّدین اور تحریک سیّدین پر چنیا بیگم'' کی پھبتی

''شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادوں نے علماء حق اور صالحین کی جو عظیم القدر جماعت پیدا کی اور پھر سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید نے صلحاء واتقیاء کا جو لشکر فراہم کیا اس کے حالات پڑھ کر ہم دنگ رہ جاتے ہیں ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرنِ اول کے صحابہ و تابعین کی سیرتیں پڑھ رہے ہیں'' آگے ان بزرگوں کی طرف سے تصوف کو کار تجدید کے طور پر اختیار کرنے کے باعث سید صاحب غضبناک ہو کر فرماتے ہیں: اس (تصوف) کے لباس میں مسلمانوں کو افیون کا چسکا لگایا گیا۔ اور اس کے قریب جاتے ہی ان مزمن مریضوں کو پھر وہی چنیا بیگم یاد آ جاتی ہے۔ بیعت کا معاملہ پیش آنے کے بعد کچھ دیر نہیں لگتی کہ ------- وغیرہ وغیرہ (صفحہ ۱۲۰)

انبیاءؑ کا اصل کام کیا سیاسی انقلاب تھا؟

سید مودودی نے یہ بھی کہا کہ ''تمام انبیاء نے سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی''

یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ سید مودودی نے جن متضاد اور بے بنیاد نظریات کا اظہار کیا ہے ان پر حیرت کے سوا کوئی اظہار نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم ایک لاکھ ۲۴ ہزار (کم وبیش) پیغمبر آئے جن میں سے گنتی کے چند بادشاہ یا حکمران یا ان معنوں میں خلیفۃ اللہ فی الارض ہوئے جو سید مودودی فرما رہے ہیں۔ تاہم سید مودودی نے صرف ابن تیمیہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانے سے گریز کیا جنہیں عموماً اہل حدیث کے امام شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پر یہ بھی الزام لگایا گیا کہ ان کی موجودگی میں ہندوستان کے بعض حصوں پر غیر مسلم قابض ہو گئے جب کہ سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے پہلے علاقے میں اسلام کے نفاذ کی فضا تیار کئے بغیر وہاں اسلام عملاً نافذ کر دیا اسلئے ناکام ہو گئے۔ لہٰذا یہ سب مجدد کامل ہونے کے اعزاز سے محروم ہو گئے جبکہ تصوف کی چنیا بیگم سے اپنے مریدوں کو متعارف کرانا تو پہلے ہی ناقابل معافی جرم ٹھہرا تھا۔ قبل ازیں اپنے دور کے عظیم محقق ومحدث وصوفی حضرت امام غزالیؒ کے بارے میں وہ یہ بھی کہہ چکے تھے کہ وہ حدیث میں بہت کمزور تھے۔۔۔۔ "اس ضمن میں عراقی کی ''تخریج احادیث غزالی'' کو بنیاد بنانا ایک امام ومجددِ وقت کے ساتھ زیادتی ہے۔ مؤلف) ناطقہ سربہ گریباں ہے اسے کیا کہیے''؟

حضرت امام المہدیؑ کی آمد

کہاں درج بالا شوراشوری اور کہاں یہ ''بے نمکی'' اور فکری تضاد کی انتہا'۔۔۔ کہ سید مودودی، مسلمانوں کے عمومی نظریہ کے مطابق البتہ امام المہدیؑ کی آمد کے قائل ہیں۔۔۔ فرماتے ہیں: ''مجدد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے مگر عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایسا لیڈر پیدا ہو، خواہ اس دور میں پیدا ہو یا زمانے کی ہزاروں گردشوں کے بعد پیدا ہو، اسی کا نام الامام المہدیؑ ہوگا جس کے بارے میں صاف پیش گوئیاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے کلام میں موجود ہیں"۔ سید مودودی آگے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

تجدید واحیائے دین

اگرچہ یہ پیشین گوئیاں مسلم، ترمذی، ابن ماجہ مستدرک وغیرہ کتابوں میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ مگر یہاں اس روایت کا نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا جو امام شاطبی نے

موافقات میں اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے ''منصبِ امامت'' میں نقل کی ہے۔

ان اول دینکم نبوة و رحمته و تکون فیکم ماشاء الله ان تکون ثم یرفعها الله جلّ جلاله' ثم تکون خلافة علٰی منهاج النبوة ما شاء الله ان تکون ثم یرفعها الله جلّ جلاله'	تمہارے دین کی ابتداء نبوت اور رحمت سے ہے اور وہ تمہارے درمیان رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ جل جلالہ اس کو اٹھا لے گا۔ پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت ہوگی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ اسے بھی اٹھا لے گا۔
ثم تکون ملکاً عاضافیکون ماشاء الله ان یکون ثم یرفعه الله جل جلاله'	پھر بد اطوار بادشاہی ہوگی اور جب تک اللہ چاہے گا رہے گی۔ پھر اللہ اسے بھی اٹھا لے گا۔
ثم تکون ملکاً جبریة فتکون ماشاء الله ان تکون ثم یرفعها الله جل جلاله'	پھر جبر کی فرماں روائی ہوگی اور وہ بھی جب تک اللہ چاہے گا رہے گی۔ پھر اللہ اسے بھی اٹھا لے گا۔
ثم تکون خلافة علٰی منهاج النبوة تعمل فی الناس بسنة النبی ویلقی الاسلام بجرانه فی الارض یرضٰی عنها ساکن السماء و ساکن الارض لاتدع السماء من قطر الاصبّته مدرارًا ولا تدع الارض من نباتها و برکاتها شیئاً الااخرجته۔	پھر وہی خلافت بطریق نبوت ہوگی جو لوگوں کے درمیان نبی کی سنت کے مطابق عمل کرے گی اور اسلام زمین میں پاؤں جمائے گا۔ اس حکومت سے آسمان والے بھی خوش ہونگے اور زمین والے بھی۔ آسمان دل کھولکر اپنی برکتوں کی بارش کرے گا اور زمین اپنے پیٹ کے سارے خزانے اگل دے گی۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ اسناد کے اعتبار سے اس روایت کا کیا مرتبہ ہے مگر معناً یہ ان تمام روایات سے مطابقت رکھتی ہے جو اس معنیٰ میں وارد ہوئی ہیں۔ اس میں تاریخ کے پانچ مرحلوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں سے تین گزر چکے ہیں اور چوتھا اب گزر رہا ہے۔ آخر میں جس پانچویں مرحلہ کی پیشین گوئی کی گئی ہے تمام قرائن بتا رہے ہیں کہ انسانی تاریخ تیزی کے ساتھ اس

کی طرف بڑھ رہی ہے۔انسانی ساخت کے سارے ''ازم'' آزمائے جاچکے ہیں اور بری طرح ناکام ہوئے ہیں۔آدمی کے لئے اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ تھک ہار کر اسلام کی طرف رجوع کرے''۔

سید مودودی نے امام غزالی ''پر تو حدیث میں کمزور ہونے کا الزام چسپاں کر کے ان کو مجدد کامل کے درجے سے گرادیا۔۔۔ جب کہ خود مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں ''تجاہل عارفانہ'' کے ساتھ یہ لکھ کر کہ اسناد کے بارے میں اس کا مرتبہ تو وہ نہیں جانتے لیکن پھر بھی وہ اسے تسلیم کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی عقل کے مطابق ہے' کتنی خوبصورتی کے ساتھ کسی بھی الزام سے بچ نکلنے میں کیا کامیاب ہو گئے؟ کسی نے درست ہی کہا ہے کہ ''عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے" ۔۔۔۔۔۔لیکن یہاں بھی انہیں یہ گوارا نہیں کہ امام المہدی مولویانہ یا صوفیانہ وضع قطع کے ہوں ۔۔۔ فرماتے ہیں:

الامام المہدیؒ: ''مسلمانوں میں جو لوگ الامام المہدی کی آمد کے قائل ہیں وہ بھی ان متجددین سے جو اس کے قائل نہیں ہیں، اپنی غلط فہمیوں میں کچھ پیچھے نہیں ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ وصوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے' تسبیح ہاتھ میں لیے یکا یک کسی مدرسے یا کسی خانقاہ کے حجرے سے برآمد ہوں گے۔آتے ہی انا المہدی کا اعلان کریں گے۔ علماء اور مشائخ کتابیں لئے ہوئے پہنچ جائیں گے اور لکھی ہوئی علامتوں سے ان کے جسم کی ساخت وغیرہ کا مقابلہ کر کے انہیں شناخت کرلیں گے، پھر بیعت ہوگی اور اعلان جہاد کر دیا جائے گا۔ چلے کھینچے ہوئے درویش اور سب پرانے طرز کے "بقیۃ السلف" ان کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔تلوار تو محض شرط پوری کرنے کے لئے برائے نام چلانی پڑے گی۔اصل میں سارا کام برکت اور روحانی تصرف سے ہوگا۔ پھونکوں اور وظیفوں کے زور سے میدان جیتے جائیں گے جس کافر پر نظر ماردیں گے تڑپ کر بے ہوش ہو جائے گا اور محض بددعا کی تاثیر سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں کیڑے پڑجائیں گے۔"

اب ذرا سید مودودی کا تضحیک کا انداز ملاحظہ ہو۔ اسلامی اقدار، اداروں (Institutions) اور نظام روحانی اور طریقہ ہائے کار کی اس سے زیادہ تحقیر شائد غیر مسلم بھی نہ کرسکیں گے۔گویا کہ اگر امام مہدی پرانی وضع قطع کے ہوئے تو انکار کے کیلئے میدان صاف ہے اور اس کارِ تجدید کا سہرا مودودی صاحب کے سر پر سجا ہوا نظر آئے گا۔سید صاحب کی تحریر اس امر کی

بھی غماز ہے کہ اصل مہدی بھی صرف میدان صاف کرنے آئے گا اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کسی اور کے حصہ میں آئے گی۔ کرامات، کشوف، الہامات وغیرہ کے خلاف بھی کچھ یوں لکھا گیا ہے جیسے یہ اوصاف اسلام سے خارج ہوں؟۔۔۔۔ سید صاحب شائد اس حدیث کو بھی تسلیم نہیں کرتے جس کا مفہوم ہے کہ حضور کی امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے علم وفضل اور اوصاف کے حامل ہوں گے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''مہدی کے کام کی نوعیت کا جو تصور میرے ذہن میں ہے وہ بھی ان حضرات کے تصور سے بالکل مختلف ہے مجھے اس کے کام میں کرامات وخوارق، کشوف والہامات اور چلوں اور "مجاہدوں" کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ انقلابی لیڈر کو دنیا میں جس طرح شدید جدوجہد اور کشمکش کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے انہی مرحلوں سے مہدی کو بھی گزرنا ہوگا۔ وہ خالص اسلام کی بنیادوں پر ایک نیا مذہب فکر (School of Thought) پیدا کرے گا''۔

اب ذرا موازنہ کیلئے ملاحظہ ہو کہ شاہ اسمٰعیل شہید نے منصب امامت میں حضرت الامام المہدیؑ کی خصوصیات اور پہچان کے ضمن میں کیا لکھا ہے:

خلافت الامام المہدیؑ: اور یہ بھی امر ظاہر ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی خلافت، خلافت راشدہ جیسے افضل الانواع میں سے ہوگی یعنی وہ خلافت ''منتظمہ محفوظ'' ہوگی کیونکہ اس کی تعریف میں رسول ﷺ نے فرمایا ہے:۔

> ''اگر دنیا میں کچھ باقی نہ رہے مگر ایک دن کہ لمبا کر دے اسے اللہ تعالیٰ یہاں تک کہ اٹھادے اللہ تعالیٰ ایک آدمی میرے اہل بیت سے میرے ہمنام اور اس کے باپ کا نام بھی میرے باپ کے ہمنام ہوگا۔ بھر جائے گی زمین خوبی اور انصاف سے جیسا پہلے بھری تھی ظلم اور جور سے''۔
>
> نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''شام کے ابدال اور عراق کے بزرگ اس کے پاس آکر بیعت کریں گے''
>
> نیز فرمایا: ''لوگوں کے درمیان ان کے پیغمبرؐ کے طریق پر حکم کریں گے اور زمین میں اسلام پھیلائیں گے''
>
> اور فرمایا'' ان سے آسمان اور زمین والے راضی ہونگے، آسمان بہت مینہ

برسائے گا اور زمین بہت نباتات اگائے گی حتیٰ کہ زندے موت کی آرزو کریں گے"

نیز وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: "مہدی علیہ السلام خلق میں میرے مشابہ ہوں گے"۔کیا ان احادیث مبارکہ میں مہدی علیہ السلام کا وہ تصور ابھر کر سامنے آتا ہے جو سیّد مودودی نے پیش فرمایا؟ بلکہ جو تصور ان احادیثِ مبارکہ سے قائم ہوتا ہے وہ تو یہ ہے کہ وہ نام ونسب' چال ڈھال' اخلاق و اطوار ولباس میں خالصتاً حضور ﷺ کی تصویر ہوں گے۔ چنانچہ "ماڈرن" اخلاق و اطوار کے مہدیؑ کا آنا تو "خیال خام است ومحال است وجنوں" نظر آتا ہے۔

دوسری جانب احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آج ہم اسلامی و روحانی تاریخ کے چوتھے مرحلہ سے گزر رہے ہیں (پہلا مرحلہ نبوت و رحمت، دوسرا خلافت، تیسرا بادشاہی، جو گزر چکے۔ چوتھا مرحلہ جبر کی فرماں روائی جس سے ہم اس وقت دوچار ہیں اور پھر خلافت بطریق نبوت ہوگی۔لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ خلافت راشدہ اور دور امام المہدیؑ کے درمیانی عرصہ میں خلافت کا کوئی تسلسل باقی نہیں جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی نبوت کو نہیں بلکہ اُن کی خلافت ارضی کو شیطان نے چیلنج کیا تھا اور اس کے مطالبے پر اسے قیامت تک یہ ثابت کرنے کی مہلت دی گئی تھی کہ انسان خلافت کا اہل نہیں ہو سکتا لہٰذا ازل سے تا امروز اگر ایک لمحہ کیلئے بھی یہ ثابت ہو جائے کہ جیت گیا شیطان اور ہار گیا انسان، تو گویا کہ خلافت کا تسلسل ٹوٹ گیا۔تو پھر کاروبارِ دنیا کے جاری رکھنے یا رہنے کا کونسا جواز باقی رہ جاتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ صلحائے امت جن جن انبیاء اور رسلؑ کے وارث ہوئے انہوں نے اپنے اپنے انبیاء و رسلؑ کے مشن کو کلیتاً ختم نہیں ہونے دیا جب سلسلہء نبوت، حضور ﷺ پر تکمیل پذیر ہوا تو خلافت رسالت مآب کا تسلسل خلفائے راشدینؓ نے جاری رکھا بلکہ حضورؐ کی مشہور حدیث پاک ہے کہ میرے تمام صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی اقتدا کرو گے فلاح پاؤ گے۔ گویا کہ تصوف کی زبان میں کثرت میں وحدت ہے چنانچہ تواریخ تصوف اس امر پر روشنی ڈالتی ہیں کہ جملہ خلفائے راشدین کے سلاسل موجود تھے۔ دیکھئے تاریخ تصوف مؤلفہ عبدالصمد صارم الازہری شائع کردہ ادارہ علمیہ نمبر ۵ دھنی رام روڈ انارکلی لاہور بار اول ۱۹۶۹ء) (اس سلسلہ کی مزید بحث متعلقہ باب

میں ملاحظہ کیجئے گا) لیکن بعد ازاں یہ سلاسل دو خلفاء امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق ؓ و حضرت علیؓ کے سلاسل میں مدغم ہوتے چلے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چونکہ سب سے آخر میں اس منصب جلیلہ پر جلوہ افروز ہوئے اسلئے انہیں اس امر پر زیادہ تشویش رہی کہ ان کے بعد جو وقت آئے گا اس میں ''روح اور جسم'' کی مشترکہ خلافت کبریٰ وصغریٰ کے نظام کو زیادہ دیر قائم نہ رکھا جاسکے گا۔ حضرت مہدیؓ کی خلافت (کبریٰ وصغریٰ) ہر دو اوصاف کی حامل ہوگی۔

چنانچہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے بعد حضرت امام حسنؓ کی خلافت کو زیادہ دیر چلنے نہ دیا گیا اور انہیں حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں نہ صرف دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا گیا بلکہ حضرت امام حسنؓ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ اسی دوران میں حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت امام حسینؓ جیسے جری اصحابِ نبیؐ موجود تھے جنہوں نے خلافت کے نظام کو کالعدم ہونے سے بچانے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دی لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی اکثریت خوابِ خرگوش میں مبتلا رہی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اپنے اقتدار کی جنگ میں مصروف ہوگئی۔ ان حالات میں تواریخ تصوف کی رو سے حضرت علیؓ نے پہلے ہی سے روحانی سطح پر خلافتِ کبریٰ کا نظام قائم کر دیا تھا۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ان صوفیہ کرام، صلحائے امت، اور اولیاء اللہ سے حمایت حاصل کرنے کے لئے اُس وقت کی حکومتوں کا دباؤ جب بڑھتا نظر آیا تو بیشتر صلحاء گوشہ نشین ہو گئے اور ایک خاص حکمت عملی کے تحت زیر زمین چلے گئے چنانچہ یہ وہ بنیادی وجہ ہے جس نے ان درویشان خدا مست کو گوشہ ہائے تنہائی اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ لیکن انہوں نے اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے، اپنے آپ پر احکامِ الٰہیہ نافذ کرنے اور اپنے مریدوں کی مہد سے لحد تک رہنمائی کا فریضہ ایک لمحہ کیلئے بھی ترک نہ کیا۔ بلکہ انفرادی علم وعمل میں جہاں ممکن ہوسکا ان بزرگوں کے پیروؤں نے اپنی زندگیوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں جاری رکھیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ یہاں قابل ذکر تاریخی حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے خطبوں میں بار بار آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کرتے ''جماعت سے الگ نہ رہو، ہمیشہ جماعت بن کر رہو کیونکہ جب کوئی تنہا اور الگ ہوا تو شیطان اس کا ساتھی ہوگیا'' چنانچہ یہ جماعتیں، سلاسلِ صوفیہ کی صورت میں نمودار ہوئیں اور اس شان سے معرض وجود میں آئیں کہ آج بنیان مرصوص کی طرح میدان عمل میں دعوت وارشاد کے جھنڈے گاڑے ہوئے ہیں۔ (اہل علم جانتے ہیں حضورﷺ نے خود صحابہ کرامؓ کو دور فتن میں گوشہ نشین ہو جانے، پہاڑوں اور ویرانوں اور جنگلوں میں پناہ گزیں ہو کر اپنے عقائد وایمان کی

حفاظت کرنے کے مشورے عطا فرمائے۔ (اس سلسلہ کی تفصیلات پر ہم کتاب میں مناسب جگہ بحث کریں گے۔ انشااللہ)

مولانا ابوالکلام اور مسئلہ خلافت

مولانا ابوالکلام آزاد کی بہت مشہور کتاب ''مسئلہ خلافت'' ہے تو یہ بہت پرانی کتاب تاہم ہمارے سامنے جو نسخہ ہے ۱۹۷۸ء میں داتا پبلشرز لاہور نے شائع کیا تھا۔ مولانا کو برعظیم پاک و ہند میں ایک طبقہ عالم دین اور دانشور کا درجہ دیتا ہے۔ سید مودودی بھی برعظیم کی تقسیم سے قبل ابتداً ابوالکلام کے ''اخبار'' **الجمعیت** '' کے ادارتی عملہ میں شامل رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سید مودودی نے حکومت الٰہیہ کا تصور ابوالکلام ہی سے مستعار لیا جسے بعدازاں اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد کی صورت میں انہوں نے پیش کیا۔ بہرحال ابوالکلام اپنی مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں:

منصب نبوت کی نیابت کے کامل معانی

نبوت کا مقام، تعلیم و تربیتِ امت کی مختلف قوتوں سے مرکب تھا۔ قرآن حکیم نے ان کو تین اصولی قسموں میں بانٹ دیا ہے۔ **یتلوا علیھم اٰیتہٖ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ**۔

تلاوت آیات، تزکیہ نفوس، تعلیم کتاب و حکمت، خلفاء راشدین ان تینوں منصبوں میں وجود نبوت کے نائب تھے وہ منصب اجتہاد و قضاء شرع کے ساتھ قوتِ ارشاد و تزکیہ و تربیت بھی رکھتے تھے۔ وہ ایک صاحب وحی کی طرح خدا کے کلام کی منادی کرتے، ایک نبی کی طرح دلوں اور روحوں کو پاکی بخشنے اور ایک رسول کی طرح تعلیم کتاب اور حکمت و سنت سے امت کی تربیت و پرورش کرنے والے تھے۔ وہ ایک ہی وجود میں ابوحنیفہؒ و شافعیؒ بھی تھے اور جنیدؒ اور شبلیؒ بھی، نخعیؒ و حمادؒ بھی تھے اور ابن معینؒ اور ابن راہوؒیہ بھی، جسموں کا نظام بھی انہی کے ہاتھوں میں تھا۔ دلوں کی حکمرانی بھی انہی کے قبضہ میں تھی۔ یہی حقیقی اور کامل معنی منصب نبوت کی نیابت کے ہیں۔ اور اسی لیے ان کا وجود اور ان کے اعمال بھی اعمال نبوت کا ایک آخری جزء تھے کہ **علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین** اور اسی لئے **وعضوا علیھا بالنواجذ** کے حکم میں نہ صرف سنت عہد نبوت بلکہ خلافت راشدہ و خاصہ کی سنت بھی داخل ہوئی۔ اور شرح اس سر الٰہی کی بہت

طولانی ہے۔ یہاں محض اشارات مطلوب ہیں۔

روحانی تعلیم وتربیت سے نظام حکومت کی علیحدگی

لیکن جیسا کہ پہلے سے خبر دے دی گئی تھی، اجتماع وائتلاف کی یہ حالت حضرت علی علیہ السلام پر ختم ہوگئی۔ اس کے بعد سے اشتات وانتشار کا دور شروع ہوا۔ ازاں جملہ مرکزی قوتوں اور منصوبوں کا انتشار واشتات تھا جس نے فی الحقیقت امت کا تمام نظام شرعی واصلی درہم و برہم کر دیا خلافت خاصہ کے بعد یہ ساری یکجا قوتیں الگ الگ ہوگئیں۔ ایک وجود کی جگہ مختلف وجودوں میں ان کا ظہور اور نشوونما ہوا۔ حکومت وفرمانروائی کا ٹکڑا الگ ہو کر مجرد پادشاہی کی شکل میں آ گیا اسی کی طرف اشارہ تھا" الخلافته بعدی ثلثون سنة ثم ملك" سو واقعی اس کے بعد صرف پادشاہی رہ گئی۔ اجتہاد اور قضاء شرعی کا جزو خلافت سے الگ ہوا تو مجتہدین وفقہاء کی ایک الگ جماعت پیدا ہوگئی۔ انہوں نے یہ کام سنبھالا اسی طرح تعلیم وتربیتِ روحانی کے کاروبار سے نظام حکومت بالکل الگ ہوگیا۔ پہلے خلافت کی ایک ہی بیعت تمام مقاصد کی کفیل تھی۔ اب خلیفہ کا وجود محض پادشاہی کے لئے اور فقہاء کا مجرد استنباطِ احکام ومسائل کے لیے رہ گیا، تو تزکیہء نفوس اور ارشادِ قلوب کے لئے ایک دوسری بیعت مستقلاً قائم ہوئی، جو بیعت توبہ وارشاد ہوئی اور اس طرح اصحاب طریقت وتصوف کی بنیاد پڑی۔ پہلے صرف ایک وجود تھا۔ وہ پادشاہ' مجتہد، مرشد، قاضی القضاۃ، سپہ سالار جنگ، میر عدل واحتساب سب کچھ تھا۔ اب یہ ساری قوتیں الگ الگ ہو گئیں۔ حکومت وفرمانروائی الگ ایک وجود میں آئی۔ اجتہاد وتفقہ کے لئے دوسرا وجود مرکز بنا۔ قضا کے لئے تیسرا' ارشاد وتزکیہءقلوب کے لیے چوتھا۔ غرضیکہ عہدِ اجتماع قویٰ ومناصب کے بعد دورانتشار قویٰ ومناصب شروع ہو کر رفتہ رفتہ کمال ظہور وبلوغ تک پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ یہ تمام قوتیں اس طرح ایک دوسرے سے بیگانہ ومخالف ہوگئیں کہ یا تو ایک ہی وجود میں جمع تھیں' یا اب مختلف وجودوں میں بٹ کر بھی متفق نہ رہ سکیں۔ صرف اختلاف تعدد وتنوع ہی نہیں رہا بلکہ اختلاف تضاد کی شکل پیدا ہوگئی۔ یہی سب سے بڑی مصیبت وہلاکت تھی جو امت پر طاری ہوئی۔ مسلمانوں کے تنزل وادبار کی اصلی علت یہ ہے۔"

ہمارے خیال میں یہاں کچھ مبالغہ آرائی ہے کیونکہ اصحاب تصوف وطریقت نے دلوں کی ساتھ جسموں پر بھی حکومت کر کے دکھائی اور اس طرح سے انہوں نے خود کو بھرپور طور پر خلافت

ختم المرسلین علیہ کے اہل ثابت کیا اور زمانہ اس پر گواہ ہے اقبال نے کیا خوب کہا ہے ۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو — ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

متفق علیہ حدیث پاک ہے: عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں۔ ہم سے رسول اللہ علیہ نے اس بات پر بیعت لی کہ ہر حال اور ہر طرح کی زندگی میں امام کی اطاعت کریں گے۔ حکومت و سرداری کو اس کے کرنے والوں پر چھوڑ دیں گے اور کبھی اس بارے میں کوئی جھگڑا نہیں کریں گے۔ الا یہ کہ بالکل کھلا کھلا کفر حکمران سے ظاہر ہو اور ایسی بات میں جس کے لئے اللہ کی کتاب میں حکم و دلیل موجود ہے۔ سو اس وقت کسی کی اطاعت بھی اللہ کی اطاعت سے نہ روک سکے گی۔ یعنی جب تک حکمران سے صریح کفر نہ سرزد ہو، ہر حال میں اس کی اطاعت واجب ہے۔

ڈاکٹر اسرار کا نظریہ خلافت

اب سید مودودی سے ''نشان منزل'' کا شعور لینے والے بزعم خود ایک رہرو شوق ڈاکٹر اسرار احمد کی سنئے۔ ان کی تین میں سے ایک تنظیم (پہلی انجمن خدام القرآن اور دوسری تنظیم اسلامی اور تیسری) تحریک خلافت پاکستان کے نقیب ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' لاہور (فروری ۱۹۹۴ء) میں ڈاکٹر موصوف رقمطراز ہیں کہ دنیا کی بساط لپیٹنے سے پہلے نظام خلافت ضرور قائم ہوگا جس حدیث مبارکہ کا حوالہ دیتے ہوئے شاہ اسمٰعیل شہید نے اپنی کتاب منصب امامت میں اور بعدازاں اسی حدیث پاک کے حوالے سے سید مودودی نے اپنے زاویہ نگاہ کو تجدید واحیائے دین میں بیان کیا تھا' اسی حدیث رسول مقبول علیہ کی روشنی میں ڈاکٹر موصوف نے بھی حضورؐ کے دور سے لے کر قیامت تک پانچ ادوار کا ذکر کیا ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ دور نبوتؐ کے بعد خلافت راشدہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور گزرا اور پھر تیسرا دور آیا جو ملوکیت کا بلکہ کاٹ کھانے والی ملوکیت کا دور تھا پھر ایک اور ملوکیت کا دور شروع ہوا جو مجبوری یعنی مغربی استعمار یا غیر مسلموں کی حکومت و ملوکیت تھی۔ (ہم سمجھتے ہیں کہ اسی ملوکیت میں جمہوری استبداد کو بھی شمار کیا جانا چاہئے جو اس وقت بھی جاری ہے اور مسلمان پوری دنیا میں اس کی ترویج و ترقی کیلئے دیوانے ہوئے جارہے ہیں مؤلف) یہاں ڈاکٹر موصوف نے سید مودودی کی کتاب ''تجدید واحیائے دین'' کے حوالے سے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے، پانچویں اور آخری دور کا ذکر کیا ہے جو پھر سے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ہوگا۔

ڈاکٹر موصوف نے احیائے خلافت کی انقلابی جدوجہد کے مختلف مراحل کو اجاگر کرنے کیلئے بہت خلوص اور محنت کے ساتھ ان تمام مراحل ومدارج کی نشاندہی کی ہے جو ان کی رائے میں حضور ﷺ کی سنت عالیہ ومقدسہ سے وہ اخذ کر سکے۔ اور پھر اس جدوجہد کے آخری مرحلہ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ نظام کو بدلنے کیلئے تصادم ناگزیر ہوگا آگے ڈاکٹر موصوف کے اپنے الفاظ میں ان کی جدوجہد کا حال سنئے ہفت روزہ ندائے خلافت کے شمارہ ۵ تا ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۴ء میں فرماتے ہیں:

''انقلابی جدوجہد کے تمام مراحل کو بیان کر دینے کے بعد مجھے دو باتیں مزید کہنی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ نظام خلافت قائم کرنے کی جدوجہد ہر مسلمان پر فرض عین ہے یہ اس کے ایمان کا عین تقاضا ہے ورنہ وہ مذکورہ حدیث کے مطابق قول وفعل کے تضاد کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس کا دعویٰ تو اللہ پر ایمان کا ہے جبکہ اللہ کا دین پامال ہو رہا ہے اور وہ اپنے کاروبار چمکانے میں مشغول ہے۔ اس وقت دین جس قدر مغلوب ہے اس کا آپ تصور نہیں کر سکتے۔ بقول مولانا الطاف حسین حالی'' ؎

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

مولانا حالی مناجات بحضور ختم الرسلین میں فرماتے ہیں کہ

اے خاصائے خاصانِ رسلؐ وقت دعا ہے امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے
وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

ایک طرف دین کی پستی کا یہ عالم ہے'' دوسری طرف ہماری ''بے غیرتی'' اور بے حمیتی یہ ہے (ہم نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کے بارے میں ایسے الفاظ کا استعمال' دین کی کوئی خدمت یا سنت رسول ﷺ سے کوئی مطابقت رکھتا ہے: مؤلف کتاب ھٰذا) کہ بس اپنے کاروبار، اپنی جائداد اور معاملات میں جتے ہوئے ہیں۔ ہمیں فکر ہے تو اپنی کاروں کے ماڈل اور ٹیلی ویژن کے سکرین کے سائز کی ہے۔'' آگے چل کر ڈاکٹر موصوف مزید لکھتے ہیں:

''اس کام کو برعظیم پاک وہند میں جاری ہوئے تقریباً چار سو سال ہو چکے ہیں۔ برعظیم پاک وہند میں اس کام کا آغاز حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ سے ہوا۔ ان کے بعد دعوت قرآنی کا آغاز حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ سے ہوا۔ اس کے بعد پچھلی صدی میں جہاد وقتال کا

نمونہ سید احمد بریلوی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ نے دکھا دیا۔ یہ سارا کام تدریجاً ایک نکتے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ بات میں بارہا دھرا چکا ہوں کہ مشیت ایزدی میں اس خطے کی کوئی خاص اہمیت ضرور ہے۔ اسلئے کہ ایک ہزار برس تک تمام مجدّ دین امت عالم عرب میں پیدا ہوئے۔ جیسے ہی الف ثانی شروع ہوا تو مجدّ دیت کا سلسلہ ہندوستان میں شروع ہو گیا۔ گیارہویں صدی کے مجدد شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ ہیں جن کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ ۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدّد کی لحد پر ۔۔۔ وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے ۔۔۔ جس کے نفس گرم سے ہے گرمیء احرار
وہ ہند میں سرمایہء ملت کا نگہباں ۔۔۔ اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

حضرت مجددالف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہؒ جو بارہویں صدی کے مجدد ہیں' پیدا ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب مجددِ علوم اسلامی تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے امت مسلمہ کو قرآن کی طرف متوجہ کیا ہے' امت مسلمہ کی قرآن سے بے اعتنائی کا یہ عالم تھا کہ اسے صرف حصول ثواب کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریک کا اثر ہے کہ پچھلے تین سو سالوں میں قرآن حکیم پر سب سے زیادہ علمی وفکری کام برعظیم پاک وہند میں ہی ہوا۔ باقی پوری دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ کام اب تدریجاً ہو گا۔ اس وقت بیسویں صدی میں یہ کام ایک بھرپور اور جامع تحریک کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ بیسویں صدی کے حوالے سے یہ کام اب تیسری نسل میں ہو رہا ہے۔ اس کام کو یہاں تک پہنچنے میں بہت سے لوگوں کی محنت شامل ہے۔ بقول غالب ۔

ریختہ کے تمہی استاد نہیں ہو غالب ۔۔۔ سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

آج سے اٹھاسی برس قبل ۱۹۱۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد حکومت الٰہیہ کے قیام کا نعرہ لے کر اس ملک میں کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے بیعت کی بنیاد پر حزب اللہ قائم کی تھی۔ الہلال اور البلاغ کے ذریعے دعوت رجوع الی القرآن کا غلغلہ مچا دیا تھا۔ اس کے علاوہ نوجوان مبلغین قرآن پیدا کرنے کے لئے کلکتہ میں دارالارشاد کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کیا تھا، تاکہ فکر قرآنی کو عام کیا جا سکے۔ گویا برعظیم پاک ہند میں بھی یہ جدوجہد کم از کم اسی برس پرانی ہو کر اب تیسری نسل میں داخل ہو چکی ہے۔ جو کام حضور ﷺ نے ایک Life span

میں کر دیا تھا، وہ اب اگر تین چار نسلوں میں مکمل ہو جائے تب بھی بہت بڑی کامیابی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے جس کام آغاز ۱۹۱۲ء میں کیا تھا وہ اس کو جاری نہ رکھ سکے۔ ان کی اس بددلی کے کئی اسباب تھے، جن میں سے ایک قدامت پسند علماء کی مخالفت بھی تھا۔ انہوں نے اس کام کو چھوڑ کر اپنی توانائیاں جہاد حریت میں کھپانی شروع کر دیں۔ اس کے لئے انہوں نے کانگریس میں شمولیت اختیار کر لی۔ یہ بات میں نے بارہا کہی ہے کہ مجھے اس ابوالکلام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میری دلچسپی ۱۹۱۲ء سے ۱۹۳۰ء تک کے ابوالکلام سے ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے جس کام کو چھوڑ دیا تھا، اس کا بیڑا دوبارہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اٹھایا۔ مولانا آزاد مرحوم نے حزب اللہ قائم کی تھی جبکہ مولانا مودودی مرحوم نے جماعت اسلامی کی داغ بیل ڈالی، اگرچہ ان سے یہ کوتاہی ہوگئی کہ اس کی بنیاد بیعت کے نظام پر نہ رکھی۔ مولانا آزاد نے ایک ادارہ ''دارالارشاد'' کے نام سے قائم کیا تھا جبکہ مولانا مودودی مرحوم نے علامہ اقبالؒ کے ایک عقیدت مند کے ذریعے 'دارالسلام'' بنایا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اپنے اصل کام کو سات، آٹھ سال ہی جاری رکھ سکے، جبکہ مولانا مودودی مرحوم بھی جماعت اسلامی قائم کرنے کے بعد اصولی انقلابی طریقہ کار پر سات آٹھ سال ہی کاربند رہ سکے۔ پاکستان بننے کے بعد جماعت اسلامی کو انتخابی سیاست میں الجھا دیا۔ اس طرح وہ ایک قومی سیاسی جماعت بن کر رہ گئی۔ انتخابی سیاست کی دلدل میں پھنس جانے کے بعد جماعت اسلامی کا انقلابی کردار ختم ہو کر رہ گیا۔ جہاں سے مولانا مودودی مرحوم نے کام چھوڑا تھا، اب تیسری نسل میں، میں نے اس کام کا آغاز کیا ہے''۔

ڈاکٹر اسرار کی فکر ونظر کے مغالطے:

ہم ڈاکٹر صاحب کے مقاصد اور کام سے پوری طرح واقف ہیں اگرچہ اس کا رخ بلا شبہ رجوع الی القرآن ہے جسے انہوں نے دعوت ایمان بذریعہ قرآن سے تعبیر کیا ہے لیکن اس پر مختصر سا ایک تبصرہ، اقبالؒ کے الفاظ میں کرنا چاہتے ہیں۔

مقام شوق میں کھویا گیا فرزانہ　　　مقام عقل سے آسان گزر گیا اقبال

ڈاکٹر موصوف نے سید مودودی' ابوالکلام' سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل شہید، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے واسطوں سے ایک طرح خود کو حضرت مجدد الف ثانی'' کے سلسلۂ تجدید و

احیائے دین کی ایک کڑی قرار دینے کی کوشش ناکام کی۔ لیکن افسوس کہ وہ اپنی علمی و عقلی غنودگی میں اس امر کا ادارک نہ کر سکے کہ سید مودودی نے تو جملہ مجدّ دین ملت کے اصل امتیاز کی جڑیں ہی کاٹ کر رکھ دی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی جدوجہد میں کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے۔ ان مجدّ دین وقت کا اصل امتیاز تو تھا ہی فقر' جی ہاں وہی فقر جس کے بارے میں حضورؐ کا ارشاد ہے" الفقر فخری' ' سید مودودی بھی بلا شبہ اقبال کی دعوت پر پنجاب آئے اور اپنی دعوت کے قیام و فروغ کی جدوجہد شروع کی جیسا کہ اُن کا دعویٰ تھا۔ ڈاکٹر اسرار بھی خود کو اقبال کا شیدائی بنا کر پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم یہاں اقبالؒ کے دو شعر پیش کرتے ہیں تا کہ ان کی جدوجہد کی حقیقت کسی حد تک واضح ہو سکے۔

فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ — علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل و خرد
علم فقیہہ و حکیم، فقر مسیحؑ و کلیمؑ — علم جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ

تاریخ شاہد ہے کہ مجدّ دین نے حکومتوں پر قبضہ کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی

ڈاکٹر موصوف نے اپنے مخصوص زوایہ نگاہ سے سیّد مودودی اور ابوالکلام کے بارے میں خود تسلیم کیا ہے کہ وہ بوجوہ اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہے۔ ابوالکلام کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ بددل ہو گئے تھے اس لئے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی جدوجہد ترک کر کے جہاد حریت میں شامل ہو گئے' جب کہ سیّد مودودی سے ایک غلطی تو یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنی جماعت میں شامل ہونے والوں کو بیعت کے شکنجے میں کس کر بے دست و پا نہ کیا اور دوسرے کچھ دور چل کر ہی اصولی انقلابی جدوجہد پر کاربند نہ رہ سکے اور جماعت اسلامی کو سیاست میں الجھا دیا۔ ڈاکٹر موصوف اپنی تضاد بیانی سے دلچسپ نتائج اخذ کرنے کے ماہر و مشاق ہیں۔ چنانچہ ابوالکلام کو تو بیعت کا نظام قائم کرنے کے باوجود ناکام قرار دیا' لیکن سیّد مودودی کی ناکامی کو بیعت کا نظام اختیار نہ کرنے کے باعث ناکام قرار دے دیا۔ ع "جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے۔" جبکہ اصل حقیقت جو غور طلب تھی وہ تو یہ کہ "تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کیلئے"۔ حکومت و سلطنت اسلام اور مسلمان کا اصل مقصود ہی نہیں ہے۔ لہٰذا مجدّ دین ملت کی فہرست اُٹھا کر دیکھ لیجئے

کسی ایک مجدّد یا فقیہہ نے بھی براہ راست حکومت پر قبضہ کرنے کی جدوجہد نہیں کی۔ تاریخ شاہد ہے کہ پہلے ہزار سالہ دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو زبردستی خلیفۃ المسلمین بنا دیا گیا اور دوسرے ہزار سالہ دور کے مجدّد شیخ احمد سرہندیؒ کا جب شہنشاہ جہانگیر سے ٹکراؤ ہوا تو:

> حضرت مجدّد کو گرفتار کر کے قلعۂ گوالیار میں قید کر دیا گیا اور اُن کے مریدانِ باصفا عمائدینِ سلطنت' خانِ اعظم' خان جہاں لودھی اور دوسرے وزیروں اور امیروں نے جرنیل مہابت خان کے ساتھ مل کر بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنے کی ٹھانی۔ لیکن حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے مہابت خان کو ہدایت کی کہ وہ اسلام کی سربلندی کی شرائط پر بادشاہ کو رہا کر دے بشرطیکہ بادشاہ شرائط تسلیم کر لے اور اپنی گستاخی کی معافی بھی مانگے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ (دیکھئے جمیل اطہر سرہندی کی تالیف ''شیخ سرہند'' شائع کردہ ادارہ اسلامیات لاہور) کیا دوسرے ہزار سالہ دور کے رہنمائے کامل حضرت مجدّد کا یہ طرزِ عمل ہمیں فکر ونظر کا کوئی پیمانہ اور اپنے لئے لائحہ عمل متعین کرنے کا کوئی سامان مہیا کرتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو شیخ احمد سرہندیؒ کو مجدّد الف ثانی تسلیم کرنے والے' مگر تلبیسِ ابلیس کے شکار علمائے ظاہر اور عصر حاضر کے دانشور آخر کیوں بھانت بھانت کی بولیاں بول کر اسلام کے چشمۂ صافی کو پراگندہ کرنے کا شغل اپنائے ہوئے ہیں؟

آہ! اس راز سے واقف ہے نہ مُلّا نہ فقیہہ
وحدت افکار کی' بے وحدتِ کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے' قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام
(اقبال)

ڈاکٹر اسرار بڑے دھڑلے سے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی تحاریک تجدید و احیائے دین سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے شرم بھی محسوس نہیں کرتے کہ شاہ ولی اللہؒ تصوّف کے چودہ خانوادوں سے منسلک اور اُن سے اجازت وخلافت یافتہ تھے۔ جب کہ حضرت مجدّد طریقہ نقشبندیہ میں 21 واسطوں' طریقہ قادریہ میں 25 واسطوں اور طریقہ چشتیہ میں 27 واسطوں سے حضور ﷺ سے نسبتِ خاص یعنی خلافتِ ختم المرسلینؐ رکھتے تھے۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

''اس فقیر کونسبتِ فردیت اپنے والدِ بزرگوار (شیخ عبدالاحد چشتی) سے ملی' جو شیخ عبدالقدوس (م۹۴۴ھ) سے اجازت یافتہ تھے۔ جب کہ سلسلۂ قادریہ میں شیخ کمال کیتھلی (م۹۸۱ھ) سے خرقۂ خلافت اوراجازت عطا ہوئی اور سلسلہ نقشبندیہ میں خرقۂ خلافت خواجہ باقی باﷲعلیہ الرحمہ کی طرف سے عطا فرمایا گیا''۔

ڈاکٹر موصوف کی دیدہ دلیری کا تو یہ عالم ہے کہ کسی بزرگ کی خدمت میں دوزانو ہوکر حصولِ فیضان و طریقت تو کیا حاصل کرتے' انہوں نے خلق خدا کو اپنی بے ضابطہ (Unauthorised) بیعت کے جال میں پھانس کر اُن کے ایمان و ایقان سے کھیلنے کا کاروبار کررکھا ہے۔ الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ' خواجہ معین الدین چشتیؒ الشیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت مجدّد الف ثانیؒ حضرت امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جیسے علماء صلحاء تو بلا اجازت بیعتِ ارشادودعوت کے مقام پر فائز ہو نہ سکے' موصوف کواس جسارت کا حق کیونکر حاصل ہوسکتا ہے؟

تجدّد پسند عُلماء کی متضاد روش ایک المیہ

علمائے ظاہر عموماً خودکوامام غزالیؒ' شاہ ولیؒ اللہ اور علامہ اقبالؒ کے مداح ثابت کرنے پرایڑی چوٹی کا زورصرف کرتے ہیں۔ دوسری جانب دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ انہی کی طرف سے صلحائے امت کی تکذیب بھی کی جاتی ہے حالانکہ یہ شغل فکر اقبال کے کسی مداح کو زیب نہیں دے سکتا۔ شیطان کے ساتھ بنی آدم کے اصل تنازعہ کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو ایک ثانیہ کے لئے ہم تسلیم نہیں کر سکتے کہ خلافت کا تسلسل کہیں بھی ٹوٹ سکا ہو۔ ہاں' خلافت کبریٰ کی تکمیلی منازل کی طرف پیش رفت اوراس کے قیام کی جدوجہد شروع سے ہوتی چلی آئی ہے لیکن جب روحانی سطحوں پرعبوری حکومتیں مسلسل قائم ہوں تو قانون کی حکمرانی میں کسی خلاء کوتسلیم کرنا محض ناقص سوچ کا کرشمہ ہے۔ ایسی عبوری حکومتوں کوایک ثانیہ کیلئے بھی صلحائے امت نے منہدم نہیں ہونے دیا' تاکہ شیطان لعین کو یہ دعویٰ کرنے کی جسارت نہ ہوکہ وہ اس معرکۂ حق و باطل میں میدان جیت چکا ہے۔ عصر حاضر سے قبل کے جملہ مجدّدین اوراہل اللہ کا جائزہ لے لیجئے آپ کوکوئی بھی بیعت کے بغیر نظر نہ آئے گا۔ عصرِ حاضر میں ڈاکٹر اسرار نے اپنا سلسلہ، حضرت مجدد الف ثانیؒ

سے ملانے کی جسارت کی ہے تو اُن کے علم میں ہونا چاہیے کہ حضرت مجدؒ دبھی با قاعدہ بیعت کر کے رُشد و ہدایت کے سجادہ پر جلوہ فگن ہوئے۔ جیسا کہ ڈاکٹر موصوف نے سیّد مودودی کی سب سے بڑی کوتاہی یہ بیان کی کہ انہوں نے جماعت اسلامی کی بنیاد بیعت کے نظام پر نہ رکھی۔ لیکن قرآن حکیم کے فرمان کے مطابق، ''اے ایمان والو! وہ بات (دوسروں سے) کیوں کہتے ہو (جو خود) نہیں کرتے؟ اللہ کے ہاں یہ بہت اہم اور ناپسندیدہ ہے کہ وہ بات کہو جو (خود) نہ کرو''۔ (۶۱۔الصّف:۲۔۳) اقامت دین کی جدوجہد کیلئے سمع وطاعت فی المعروف کی لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں لیکن اپنی ذات کیلئے انہوں نے یہ طریق عمل و ضابطہ مناسب خیال نہیں کیا۔ سید مودودی تو بیعت کو ''چنیا بیگم'' کی استہزائی اصطلاح سے نوازتے ہیں جبکہ قرآن وسنت کی نصوص صریح اس کی حرمت پر دال ہیں اسلئے ڈاکٹر صاحب اگر اس کے قائل ہیں تو انہیں خود پر سب سے پہلے اس کا اطلاق کرنا چاہئے تھا۔ ایسا نہ ہونے کا نتیجہ ظاہر ہے۔

آہ کہ کھویا گیا ہے تجھ سے فقیری کا راز ورنہ مالِ فقیر ہے سلطنت روم و شام

اور یہ بھی کہ:

نے مہرہ باقی نے مہرہ بازی جیتا ہے رومیؒ، ہارا ہے رازیؒ

مولینا امین احسن اصلاحی اور تزکیۂ نفس

دوسری جانب صورت حال یہ ہے کہ دور حاضر کے ایک اور عالم دین (سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان)' صاحب ''تدبر قرآن'' اور ڈاکٹر اسرار صاحب کے تفسیر قرآن میں سب سے اہم استاد' مولینا امین احسن اصلاحی نے بھی ٹوٹ کر تصوف کی مخالفت کو ضروری خیال کیا۔ انہوں نے تزکیۂ نفس کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ ہمارے سامنے اس وقت ناشران ملک برادرز لائلپور (فیصل آباد) کا شائع کردہ 1961 کا نسخہ ہے۔ مولانا اصلاحی نے سب سے پہلے انبیاءؑ کی بعثت کا اصل مقصد حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی صورت میں یہ بیان کیا کہ ''اے ہمارے رب تو ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے'' (بقرہ:۱۲۹) گویا کہ مقصد' نفوسِ انسانی کا تزکیہ ٹھہرا۔ پھر اصلاحی صاحب تزکیہ کے علم کے راز ہونے کے دعویٰ کی تردید کرتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ کی اس ضمن میں بیان کردہ بعض احادیث کو بیان کر کے

فرماتے ہیں کہ دین کی باریکیاں سمجھنے میں ان کا درجہ وہ نہیں جو بعض دوسرے صحابہؓ یعنی حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زید بن ثابتؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابوالدرداؓ کا ہے ازاں بعد وہ تزکیہ کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے علم تزکیہ کی وسعت، علم تزکیہ کا اصلی کام، تزکیۂ علم وادراک، تزکیۂ عمل، تزکیۂ تعلقات و معاملات کی بات کرتے ہیں لیکن وہ یہاں بھول کر بھی اللہ سے براہ راست تعلق کا ذکر نہیں کرتے جو انسان کا اصل مقصود ہے۔ لیکن اگر وہ معرفت الٰہی کی طرف آئے بھی تو انہیں مولانا روم کے اس شعر پر سب سے پہلے حملہ آور ہونا پڑا ۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

چنانچہ مولانا اصلاحی اپنی کتاب ''تزکیۂ نفس'' میں صوفیہ کے علم و معرفت پر کڑی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سب سے پہلی چیز تو یہ سامنے آتی ہے کہ معرفت کے نقطۂ نظر سے صوفیائے کرام کے نزدیک علم شریعت کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے علم شریعت جس کی بنیاد نقل و روایت پر ہے ان کے نزدیک بالکل ابتدائی درجہ کی چیز ہے، معرفت کے نقطۂ نظر سے جس علم کی اہمیت ہے وہ علم خفی ہے یا علم لدنی۔''

''علم خفی اور علم لدنی کو جس طرح نقل و روایت سے کوئی تعلق نہیں ہے اسی طرح عقل و استدلال اور فکر و استنباط سے بھی ان کو کوئی تعلق نہیں ہے یہ تمام سرِ وجدان، کشف اور مشاہدہ پر مبنی ہوتے ہیں۔''

''ان کے حصول کا راستہ، تعقل، تفکر اور استنباط و اجتہاد نہیں ہے بلکہ مراقبہ، توجہ، ریاضت اور خلوت گزینی ہے۔''

''یہ علم عارف کے حواس کو معطل کر کے خود اس کی جگہ لے لیتا ہے اور عارف کو تمام دنیا و مافیہا سے بے خبر کر کے مشہود حقیقی کے اندر گم کر دیتا ہے۔ یہ علم غیب کے تمام پردے اٹھا دیتا ہے اور عارف تمام حقائق کا گویا برائی العین مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔'' (ص ۶۴۔۶۵)

ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ مولانا اصلاحی جیسے مفسرِ قرآن کی طرف سے یہ باتیں حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتیں اور یہ محض بے بنیاد الزامات ہیں۔ صوفیہ کا متفق علیہ نظریہ ہے کہ شریعت کی پابندی کے بغیر طریقت محض جہالت ہے 'علمِ لدنی' نص صریح سے ثابت ہے (حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کا واقعہ اس پر دال اور برہانِ قاطع ہے) تاہم ان موضوعات پر ہم نے کتاب میں دوسرے مناسب مواقع پر بحث کی ہے۔

مولانا اصلاحی کی تزکیۂ نفس اور امام غزالیؒ کی کیمیائے سعادت

مولانا اصلاحی نے اصفیائے امت اور اتقیائے ربانی کے بارے میں جو رائے دی ہے اس پر تنقید کا یہ مقام نہیں صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ جماعت اسلامی کی جدوجہد میں شروع سے جن بزرگوں کی آراء کو اہمیت حاصل رہی وہ بزرگان دین کے بارے میں کیسا کیسا ''حسن ظن'' رکھتے تھے۔ مولانا اصلاحی کے بارے میں اسی کتاب کے حوالے سے البتہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ انہوں نے صرف ایک صوفی کے خیالات کو بنیاد بنا کر جملہ صوفیہ کے کارناموں کو نظر انداز کرنا ہی تجرِ علمی کا طرۂ امتیاز سمجھا جب کہ ابتدا سے ہی ایسے صوفیہ ہر دور میں موجود رہے جو تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی بھرپور مخالفت کرتے چلے آئے۔ لیکن حضرت امام غزالیؒ کے علمی کارناموں کو تو نظر انداز کرنا شاید کسی طرح مناسب نہ تھا' جن کے تصوف کے بارے میں نظریات کو ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں تاہم یہاں یہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ایک طرف مولانا اصلاحی نے امام غزالیؒ پر کوئی تبصرہ مناسب نہیں سمجھا وہاں دوسری طرف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی کتاب ''تزکیۂ نفس'' حضرت امام غزالیؒ کی کتب ''کیمیائے سعادت'' اور ''احیاء العلوم الدین'' کا چربہ ہے۔ آپ دونوں مصنفین کی کتابوں کو سامنے رکھ لیں تو آپ کو جملہ اصطلاحات اس قدر مشترک نظر آئیں گی کہ حیرت میں ڈوبے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ کیا ہم اسے توارد کہیں گے یا سرقہ یا نقل۔ یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں البتہ یہ ضرور کہیں گے کہ مولانا اصلاحی کو امام غزالیؒ جیسے ہزاروں صوفیہ نظر نہیں آئے کہ جنہوں نے تزکیۂ نفس کی بنیادیں صرف اور صرف قرآن و سنت کی اصطلاحات اور خصوصیت کے ساتھ ''احسان'' پر استوار کیں۔

ڈاکٹر اسرار نے بھی اپنے انہی مرشدان معنوی (سیدمودودی اور مولانا اصلاحی) کی سنت پر عمل کرتے ہوئے مناسب سمجھا کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی ضخیم کتاب ''تاریخ تصوف'' میں سے صرف وہ باب پورے اہتمام سے شائع کریں جس کا تعلق اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش سے تھا۔ سید مودودی اور مولانا اصلاحی کی تصوف پر شدید تنقید کے علی الرغم، پروفیسر یوسف سلیم چشتی صوفیہ کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں وہ یہ ہے:

صوفیائے کرام کے کارنامے بحوالہ چشتی کی تاریخ تصوف

(۱) اسلام کی جو پاکیزہ تعلیمات کتابوں میں درج ہیں اور مدراس میں پڑھائی جاتی ہیں، صوفیہ نے اپنی خانقاہوں میں ان پر عمل کر کے دنیا کو دکھایا۔

(۲) صوفیہ نے ہر زمانے میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کو زندہ رکھا۔

(۳) صوفیہ سے بڑھ کر تبلیغ اور تعمیر سیرت کا فریضہ کسی جماعت نے انجام نہیں دیا۔

(۴) صوفیہ نے بادشاہوں کے سامنے علی الاعلان کلمہء حق کہا۔

(۵) جب مسلمانوں میں عقلیت کا مذاق پیدا ہوا اور انہوں نے قرآن کو اپنی عقل کے تابع بنانا شروع کیا تو صوفیوں نے محبت الٰہی کا درس دے کر عقلیت کے مضر نتائج کا ازالہ کیا۔

(۶) جب فقہاء نے دین کے ظواہر پر زور دیا تو صوفیہ نے باطنی اصلاح اور قلبی طہارت کا درس دے کر قوم کو اعتدال کی راہ دکھائی۔

(۷) صوفیہ نے ہر دور میں غیر اسلامی عقائد، شرک اور بدعات کی تردید کی۔

(۸) سرمایہ داری کے مقابلے میں انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت واضح کی۔

(۹) بادشاہوں کو دینداری کی تلقین کی۔

(۱۰) جب معتزلہ، فقہاء اور متکلمین منطقی بحثوں میں الجھے ہوئے تھے اور امت کو فرقوں میں منقسم کر رہے تھے، اس وقت صوفیوں نے مسلمانوں کو توحید اور یک نگاہی کا درس دیا۔

(۱۱) جب فقہاء مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے تھے اس نازک دور میں صوفیوں نے ان کو محبت اور ہمدردی کا درس دیا۔

(۱۲) فلاسفہ اور متکلمین نے مسلمانوں کو کافر بنایا مگر صوفیائے کرامؒ نے اپنی پاکیزہ زندگی کے ذریعے سے کافروں کو مسلمان بنایا۔

(۱۳) فقہاء اور متکلمین اور معتزلہ نے مختلف مذہبی گروہ بنا کر مسلمانوں کے شیرازۂ ملی کو منتشر کر دیا مگر صوفیہ نے سب مسلمانوں کو جام وحدت پلایا۔

(۱۴) علماء اور فقہاء بادشاہوں کا قرب حاصل کرتے رہے مگر صوفیہ دربار شاہی سے الگ تھلگ رہ کر ملوکیت کے مفاسد بیان کرتے رہے۔

(۱۵) جب علماء بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے تاویلات میں مشغول تھے اس وقت صوفیہ

بادشاہوں کو خوف خدا کا درس دیتے رہے۔

(۱۶) معتزلہ، متکلمین اور حکماء نے اپنا وقت ذات وصفات باری کی بحثوں میں ضائع کیا۔ صوفیہ نے کہا کہ خدا کے باب میں بحث فضول ہے، خدا منطق کے ذریعہ سے نہیں مل سکتا۔ آئینۂ قلب کو صاف کرو تا کہ اس کا دیدار ہو سکے۔

(۱۷) علماء نے دینی کتابیں لکھیں۔ صوفیہ نے وہ آدمی تیار کئے جنھوں نے ان کتابوں کے احکام پر عمل کر کے انقلاب برپا کر دیا۔

(۱۸) علماء (متکلمین، معتزلہ، حکماء) نے صرف دماغ کی آبیاری کی، صوفیہ نے دماغ کے ساتھ ساتھ دل کی تربیت اور اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیا۔ اور یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ اسلام میں اصلی چیز دل ہے نہ کہ دماغ۔ اگر دل فاسد ہو جائے تو دماغ کا فاسد ہو جانا یقینی ہے۔ چنانچہ سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''آگاہ ہو جاؤ انسان کے جسم میں ایک عضو ہے، اگر وہ فاسد ہو جائے تو سارا جسم (انسان) فاسد ہو جائے گا اور اگر وہ صالح ہو جائے تو سارا جسم صالح ہو جائے گا اور وہ عضو قلب ہے''

(۱۹) علماء نے مسلمانوں میں گروہ بندی پیدا کی۔ صوفیہ نے انسانوں کو ''الخلق عیال اللہ'' کا درس دیا۔

(۲۰) علماء نے دلیلوں سے اسلام کی حقانیت کو واضح کیا۔ صوفیہ نے مشاہدہ باطنی کے ذریعے سے اسلام کی صداقت واضح کی۔

لوگوں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ بشر حافیؒ تو عالم دین نہیں ہیں پھر آپ ان کے پاس کیوں جاتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ میں کتاب اللہ سے آگاہ ہوں مگر بشر حافیؒ، اللہ سے واقف ہیں اس لیے ان کا مرتبہ میرے مرتبے سے بدرجہا زیادہ بڑھا ہوا ہے۔''

مولانا اصلاحی کی تصوّف سے بیزاری میں کمی

ہم سمجھتے ہیں کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ نے اُن نکات کا جواب بھی قلمبند کر دیا ہے جو مولانا اصلاحی نے اوپر کی سطور میں اُٹھائے تھے۔ پروفیسر چشتی ڈاکٹر اسرار کے بھی دوست تھے۔ لیکن افسوس کہ موصوف نے بعض صوفیہ میں تصوّف میں غیر اسلامی لاحقات اور آلائشوں اور منفی پہلوؤں کا مختصر سا حصہ اُچک کر شائع کر دیا لیکن مثبت حصوں کو پلٹ کر دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس

نہ کی۔ کیا اسی کا نام دیانت ہے؟

اگرچہ ڈاکٹر اسرار، ابتدائی دور میں شاید مصلحتاً یا مداہنت کی پالیسی کے تحت اپنی عمومی جدوجہد میں صوفیائے کرام پر اس طرح سے معترض نہیں ہوئے جس طرح ان کے مذکورہ اساتذہ کا طرزِ عمل رہا لیکن تصوف اور صوفیہ کے بارے میں مثبت پہلو بھی وہ شائع کرتے تو مناسب ہوتا (دیکھئے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی شائع کتاب، اسلامی تصوف'' (اشاعت دوم ۱۹۸۳)۔ تاہم پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم چونکہ خود تصوف کے قائل تھے اسلئے ان کی تحریر کی برکت سے مولانا اصلاحی نے یہ تسلیم کیا کہ ان پر پہلی مرتبہ یہ بات دلائل سے واضح ہوئی کہ ہمارے تصوف میں چور دروازں سے بہت سے فتنے داخل ہوئے جس طرح پہلے تاریخ حدیث، فقہ، تفسیر، ادب اور فلسفہ میں داخل ہوئے۔ مولانا اصلاحی تسلیم کرتے ہیں کہ ''اس حقیقت کے واضح ہونے سے نفس تصوف سے میری بیزاری کم ہوئی"۔ انہوں نے تصوف کو چشمہء صافی سے بھی تعبیر کیا۔

دوسری طرف سید مودودی کی کتاب ''تجدید واحیائے دین'' پر جب چاروں طرف سے شدید تنقید ہوئی تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ: ایک تصوف وہ ہے جو اسلام کے ابتدائی دور کے صوفیہ میں پایا جاتا تھا مثلاً فضیل ابن عیاضؒ، ابراہیم ادہمؒ، معروف کرخیؒ وغیرہم رحمہم اللہ۔۔۔ ان سب کا وہی مقصود تھا جو اسلام کا مقصود ہے۔ یعنی اخلاص اللہ اور توجہ الی اللہ۔ اس تصوف کی ہم تصدیق کرتے ہیں اور صرف تصدیق ہی نہیں کرتے بلکہ اس کو زندہ اور شائع کرنا چاہتے ہیں'' لیکن کسی بھی قسم کے تصوف کو انہوں نے اپنی جماعت میں جاری وساری کرنا پھر بھی مناسب خیال نہ کیا اسلئے کہ ان کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ تصوف اور بیعت کے نظام سے بری طرح ''الرجیک'' تھے۔ گویا کہ صفائی قلب کے بارے میں ان کا تصور نہایت ''جدید'' نوعیت کا تھا گویا کہ ؎

آئینِ نو پہ چلنا طرزِ کہن پہ اڑنا　　منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

اور یہ بھی کہ ؎

وہ مذہب مردانِ خود آگاہ و خدامست　　یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

مولانا مودودی کا تصوف کی طرف جھکاؤ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نسبی اعتبار سے سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے بزرگ حضور خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد سے تھے، مگر وہ روشن خیالی کے زعم میں تصوف کی مخالفت پر

کمر بستہ ہو گئے۔ لیکن جماعت اسلامی کا تجربہ بھی چونکہ اُن کی زندگی میں برگ و بار لاتا ہوا نظر نہ آیا تو کہا جاتا ہے کہ آخری سالوں میں وہ جماعت کے لوگوں سے مایوس اور دل برداشتہ ہو گئے تھے علاج کیلئے امریکہ روانہ ہونے سے قبل تو اُن کی طبعیت میں بے حد تبدیلی آ گئی تھی۔ ہمارے فاضل دوست غلام حبیب سبحانی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان راوی ہیں کہ مسٹر جسٹس شمیم حسین قادری (سابق چیف جسٹس ہائیکورٹ پنجاب لاہور) نے پوری ذمہ داری سے اُنہیں یہ واقعہ سنایا کہ وہ مولانا مودودی سے اُن کی وفات سے تقریباً ایک سال قبل کے دور میں کسی وقت ملاقی ہوئے' اور اُن سے دیگر بے شمار مسائل پر گفتگو اور تبادلۂ خیال کے علاوہ یہ بھی استفسار کیا کہ آپ ایک جیّد صوفی حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں لیکن تصوف کی طرف راغب ہونے سے کیوں گریزاں رہے؟ سیاست کی وادئ خاردار سے آپ کو کیا ملا؟ اگر آپ اپنی بے پناہ غیر معمولی صلاحیتوں کو تصوّف کے تحت رکھ کر استعمال میں لاتے تو کیا یہ ملک وملت اور مسلم امہ کیلئے زیادہ سود مند ثابت نہ ہوتا؟ جسٹس قادری مرحوم کا بیان ہے کہ مولانا مودودی نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ یہ تسلیم کیا کہ میں اپنی قومی وملی جدو جہد سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ نسل انسانی اور مسلم امہ کیلئے سلامتی اور خیر وفلاح کا صحیح راستہ تو یقیناً صوفیہ کرام کا جادۂ حق ہی ہے لیکن میں اب اتنی دور نکل چکا ہوں کہ میرا پلٹ کر اس راستہ پر آنا ممکن نہیں''۔

............O............

چیف جسٹس شمیم حسین قادری مرحوم ومغفور کے بیان کی صداقت کے ضمن ہمارے صحافی دوست اور انگریزی زبان کے سکالر صوفی محمد اسلم (سابق اداریہ نویس پاکستان ٹائمز لاہور) نے راقم کو بتایا کہ اُن کے پاس اس امر کا تحریری ثبوت موجود ہے کہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی تصوّف اور صوفیہ سے فیض یاب ہونے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔ صوفی اسلم صاحب حضرت مولانا شاہ عبدالغفور العباسی مہاجر مدنی قدس سرہٗ کے خلیفہ حضرت سیّد محمد علاؤ الدین شاہ جیلانی'' سے نقشبندی مجددی سلسلہ میں وابستہ ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اُن کے شیخ سے مولانا مودودی خصوصی تعلق خاطر رکھتے تھے۔ مولانا مودودی کے قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ چنانچہ صوفی اسلم صاحب کی نشاندہی پر راقم نے کتاب ''مکتوباتِ غفوریہ'' مرتبہ سید حشمت علی المدنی' صدیقی ٹرسٹ نشتر روڈ کراچی سے منگوائی تو اُس میں درج ذیل معلومات اور مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے نام حضرت شاہ عبدالغفور عباسیؒ کا خط شائع شدہ موجود تھا:

مولانا مودودی کی تزکیۂ نفس پر استفادہ کی تمنا

جناب سیّد حشمت علی المدنی رقمطراز ہیں: ۱۹۶۷ء میں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب نور اللہ مرقدہٗ کسی بیماری کے سلسلہ میں دو ماہ صاحب فراش رہے اور حضرت کی ذرّہ نوازی سے اس عاجز کو پوری بیماری کے دوران چوبیس گھنٹے خدمت کا شرف حاصل رہا۔ اس دوران میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ایک محبت نامہ بسلسلۂ عیادت حضرت کو موصول ہوا۔

ایک مرتبہ لاہور کے سفر میں بھی مولانا صاحب کی طرف سے ایک صاحب حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کہ مولانا صاحب کو حضرت ملاقات کا کوئی وقت عنایت کردیں' یہ عاجز بھی اس وقت حضرت کی خدمت میں حاضر تھا' حضرت نے معذوری ظاہر فرمادی کہ لاہور میں قیام کا وقت مختصر ہے اور تمام اوقات پہلے سے منضبط ہو چکے ہیں۔ ایک مرتبہ غالباً حضرت (رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں) مکّہ مکرّمہ گئے ہوئے تھے تو مولانا صاحب' حضرت کی زیارت کے لئے حضرت کے دولت کدۂ مدینہ منورہ پر بھی حاضر ہوئے تھے لیکن ملاقات نہ ہوسکی۔

اب یہ عیادت کا خط آیا تھا کہ جناب کی بیماری کا حال معلوم ہوکر مجھے دلی افسوس ہے۔ جناب سے تزکیۂ نفس کا جو فیض جاری ہے مجھے اس سے بڑی خوشی ہے' اور میرا جی چاہتا ہے کہ جناب کی خدمت میں حاضر ہوکر کچھ استفادہ کروں۔ کئی بار حاضری کی کوشش کی لیکن ملاقات نہ ہوسکی۔

اس مرتبہ رابطۂ عالم اسلامی میں شرکت کے وقت نیت تھی کہ ضرور حاضر خدمت ہوں گا لیکن افسوس کہ ائیر پورٹ پر حکومت نے میرا پاسپورٹ ضبط کرلیا جس کی وجہ سے حاضر خدمت نہ ہو سکا جناب سے اپنے حق میں دعا کا طالب ہوں۔

سید حشمت علی لکھتے ہیں: (خط کا مضمون لگ بھگ اسی قسم کا تھا۔ چونکہ یہ عاجز حضرت کے ساتھ حرم شریف میں معتکف تھا اور حضرت کے خطوط کا جواب لکھا کرتا تھا۔ تو حضرت نے اس عاجز سے مولانا صاحب کو جواب تحریر کروایا جس کا مسوّدہ اس عاجز کے پاس اب تک موجود ہے اور وہ یہ ہے (یہ خط ''داستانِ دردِ دل'' میں کسی دوسرے سیاق وسباق میں بھی موجود ہے لیکن مکتوباتِ گرامی کے سلسلہ میں پھر سے اس کو دیا جارہا ہے)۔

شاہ عبدالغفور عباسیؒ کا مولانا مودودیؒ کے نام خط

محبی ومخلصی المحترم جناب مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی صاحب دام اقبالہٗ وزید عرفانہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

بعد از مزید دعا وسلام وسلامتی طرفین جناب کو معلوم ہو کہ جناب کا عنایت نامہ نمبر ۱۲۹۵۷ مورخہ ۱۴/۱۲/۶۷ء اس عاجز کو موصول ہوا۔ جناب نے اس عاجز کے ساتھ جس غیر معمولی شفقت' محبت اور اسلامی ہمدردی کا اظہار فرمایا ہے اللہ تعالیٰ جناب کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں جناب کی مخلصانہ دینی خدمات کو مزید ترقی اور برکت عطا فرمائیں' ان کو امت مسلمہ کی ظاہری و باطنی اصلاح اور معرفتِ رب کا ذریعہ بنائیں اور جناب کو اپنے مقبول بندوں میں شمار فرمائیں۔ آمین۔

یہ عاجز آپ جیسے مخلصین کی دعاؤں کی برکت سے الحمد للہ خیریت سے ہے۔ اور اس وقت الحمد للہ معتکفِ حرمِ نبوی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں آمین............

عزیزم ڈاکٹر عبدالقیوم سعادت چونکہ خود ایک نیک آدمی ہیں انہوں نے اپنی محبت میں جناب کو اس عاجز کے متعلق کچھ لکھ دیا ہوگا ورنہ اس عاجز کے پاس نہ کوئی سرمایۂ علم ہے اور نہ ہی کوئی عملی پونجی ہے بس اپنی تقصیرات اور بے عملی کی ندامت ہی ندامت ہے۔ حق تعالیٰ کے فضل محض پر تکیہ کئے مدینۃ الرسول ﷺ میں ابتغاً لوجہ اللہ پڑا ہوا ہوں ایک بے حقیقت سی جدوجہد بہرحال جاری ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔

عزیزم! بے عیب ذات صرف اللہ ہی کی ہے اور عصمت انبیاء کے ساتھ خاص ہے باقی حق تعالیٰ کی بارگاہ میں لغزش سے کوئی خالی نہیں چنانچہ اس عاجز کے روزانہ اوراد میں کثرتِ استغفار کے علاوہ مندرجہ ذیل دعائیں بھی خاص طور پر شامل ہیں:

(۱) یَاحَیُّ یَاقَیُّومُ بِرَحمَتِكَ اَستَغِیثُ اَصلِح لِی شَانِی کُلَّهٗ وَلَا تَکِلنِی اِلیٰ نَفسِی طَرفَةَ عَینٍ........

(۲) اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الحَقَّ حَقًّاوَّارزُقنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا البَاطِلَ بَاطِلًا وَّارزُقنَا اجتِنَابَهٗ.........

اللہ تعالیٰ ہماری آپکی لغزشوں کو اپنی رحمتِ کاملہ سے معاف فرمائیں اور ہر شعبہ زندگی

میں قلباً و قالباً ہمیں صراطِ مستقیم کی پوری پوری ہدایت نصیب فرمائیں۔آمین۔

جناب کے محبت نامے کے بعد سے تو اس عاجز کو بھی جناب کی زیارت کا شوق پیدا ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ ملاقات کی کوئی سبیل پیدا فرمائیں۔آمین۔اپنی دعاؤں میں اس عاجز کو آئندہ بھی یاد رکھیں اپنے رفقاء سے اس عاجز کا بہت بہت سلام کہیں اللہ تعالیٰ ان سب کو اس عاجز کیساتھ انکی شفقت کی جزائے خیر عطا فرمائیں۔آمین۔

یہاں سے برخوردار عبدالحق' عبدالرحمٰن' لطف اللہ' حشمت علی اور محبی ڈاکٹر عبدالقیوم سعادت جو اس وقت اس عاجز کے ساتھ معتکف ہیں جناب کو سلام لکھاتے ہیں اور جناب سے دعا کے طالب ہیں۔

دعا گو و دعا جو۔۔۔۔

عبدالغفور العباسی

ڈاکٹر اسرار نے برعظیم پاک و ہند میں حضرت مجدد الف ثانیؒ سے پہلے کی جملہ تجدیدی و روحانی کوششوں کو کلیتاً نظر انداز کرنا مناسب خیال کیا ہے حتیٰ کہ سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ جیسی جلیل القدر روحانی شخصیات تک کا نام لینا گوارا نہیں کیا' جن کی تعلیمات کی بدولت بت کدہ ء ہند اسلام کی روشنی سے روشناس اور بقعۂ نور ہوا اور لاکھوں بندگان خدا حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔جس طرح ''تواتر'' کو احادیث کی سند شمار کیا جاتا ہے اسی طرح ان اولیاء اللہ کی آمد میں تواتر (خلفائے راشدینؓ سے اب تک) آہنی سند ہے کہ یہی وہ خلفائے ختم المرسلینؐ ہیں جو خلافت کے تسلسل کو اب تک قائم رکھے ہوئے ہیں اور انشا اللہ حضرت امام المہدیؑ جب تشریف لائیں گے تو اپنی دعوت کیلئے اور قیام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کیلئے زمین کو بہت ہموار پائیں گے۔یہ اصفیاء و اولیاء پچھلی چودہ صدیوں سے رشد و ہدایت کی مشعل کڑی در کڑی ایک سے دوسرے کو تھماتے چلے جائیں گے۔چراغ سے چراغ جلتا رہے گا۔اور نور حق کی یہ شمع کبھی بجھنے نہیں پائے گی (انشاءاللہ)۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

﴿☆☆☆﴾

باب۔13

تصوف کا ماخذ

اور

قرآن سے اس کا جواز

(علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے فکر و نظر کی روشنی میں)

علامہ ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال ڈاکٹریٹ کے لئے پیش کیے گئے اپنے مقالہ (Thesis) بعنوان "The Developement of Metaphysics in Persia" (ایران میں مابعد الطبیعیّات کا ارتقاء) جس کا ترجمہ 1927ء میں حضرت علامہؒ کی اجازت سے میر حسن الدین بی اے ایل ایل بی (عثمانیہ) نے "فلسفۂ عجم" کے عنوان سے کیا تھا' کے باب پنجم بعنوان مذکورہ بالا میں لکھتے ہیں:

> "اثرات کے سلسلہ کا سُراغ لگانا جدید مستشرقین کا ایک عام شیوہ ہو گیا ہے ایسی طرزِ تحقیق یقیناً ایک بڑی تاریخی اہمیت کی حامل ہے بشرطیکہ ہم اس کی رہنمائی میں اس واقعہ کو نظر انداز نہ کردیں کہ ذہنِ انسانی اپنی ایک مستقل انفرادیت بھی رکھتا ہے اور خود بخود اپنے اندر سے ایسی ایسی صداقتوں کو نمود دے سکتا ہے جن کی صدیوں پہلے دوسرے اذہان نے بھی پیش بندی کی ہو۔ کوئی تصور کسی قوم کی روح میں جا گزیں نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ وہ ایک لحاظ سے خود اُس قوم کا اپنا تصور نہ ہو۔

خارجی مؤثرات ان تصورات کو گہری نیند سے بیدار تو کر سکتے ہیں لیکن وہ کسی طرح عدم محض سے اس کو وجود میں نہیں لا سکتے''۔(صفحہ 132)

گویا کہ اقبالؒ اس امر سے انکاری نہیں ہیں کہ تصوف اُس دور کے صلحاء و اصفیاء کے اذہان رساء کی اپنی مستقل انفرادیت کی رو سے صوفیانہ صداقت کو نمو دینے میں کامیاب رہا۔ تاہم اقبالؒ خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد کے اُس دورِ فتن کو کلیتاً نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جس کے متعلق حضور ﷺ نے خود صحابہ کرامؓ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ عافیت اُنہی نفوس کا مقدر بنے گی جو گوشہ نشینی اختیار کریں گے۔ اقبال' بنوامیہ کے پورے دور کو بھی نظر انداز کر کے بنو عباس کے دور کو غالباً دورِ فتن قرار دیتے ہوئے صوفیانہ نظریہ اور طرز عمل کے آغاز کی وجوہ بیان کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک بنو عباس کا دور غالباً اس لئے دورِ فتن تھا کہ اس میں یونانی فلاسفہ کے فکر و نظر کو تراجم کے ذریعے مسلمانوں میں متعارف کرایا گیا۔

صوفیانہ نصب العین کے وجود میں آنے کی وجوہ

اقبال کے نزدیک صوفیانہ نصب العین اسی دور میں وجود میں آیا اور اس کی اوّلین وجوہ درج ذیل ہیں:

پہلی وجوہ:

- سیاسی بے چینی کا دور جب 749ء میں بنوامیہ کی سلطنت کو الٹ دیا گیا۔
- زنادقہ پر ظلم و تشدد و تعدی۔
- ایرانی ملحدین کی بغاوت۔
- خراسان کا نقاب پوش پیغمبر۔
- ہارون کے بیٹوں مامون اور امین میں جنگ۔
- طاہریہ' صفاریہ' سامانیہ' شعوبیہ کا مناقشہ شروع۔
- متعدد دوسرے واقعات کے باعث زاہدانہ سیرت کے لوگوں نے پرسکون مراقبہ کی زندگی کی طرف رجوع کیا۔

دوسری وجوہ:

- فقہی مذاہب جیسے حنفی (حضرت امام ابوحنیفہؒ متوفی 150ھ بمطابق 767ء)' امام شافعیؒ

(امام احمد بن حنبلؒ متوفی 241ھ /855ء) کا خشک تقدس جس نے آزاد خیالی پر قدغن لگادی۔

(متوفی 240ھ /854ء)' مالکی (امام مالکؒ متوفی 179ھ /798ء) حنبلی

- فقہی مذاہب اور باہم متحارب فرقوں کے مابین مذہبی مناظرے جو المامون کی سرپرستی میں ہونے لگے۔
- سخت مناقشہ جو اشاعرہ اور عقلیت پرستوں کے مابین جاری تھا۔
- عباسیہ دور میں عقلیت پرستی کے زیر اثر مذہبی جوش و خروش میں کمی آئی اور دولت کی روز افزوں فراوانی سے اخلاقی احساسات دبتے چلے گئے اور مذہبی زندگی سے خصوصاً اعلیٰ طبقات میں بے اعتنائی برتی جانے لگی۔

یہی وہ حالات تھے جو نو فلاطونیت کے وجود میں آنے سے پہلے روما میں موجود تھے۔ لہٰذا اُس دور کے ایک فلاسفر فلاطینوس کو مجبور کر دیا کہ عقلی مایوسی کے علی الرغم صداقت کو الہام میں تلاش کرے جو عقل و فکر سے بالاتر ہے۔

ناچیز مؤلف عرض پرداز ہے کہ صوفیانہ نظریات تو پہلے سے موجود تھے اور اہل اللہ پوری آب و تاب کے ساتھ نبوت کے فرائض پنجگانہ کو خلافت راشدہ کے ٹوٹ جانے کے بعد سے پوری ذمہ داری کے ساتھ سنبھالے ہوئے تھے کیونکہ اُس وقت کے صوفیہ' حفاظ و محدث و فقیہہ و مفسر و تزکیۂ نفوس کے فن سے کماحقہ' آگاہ اور ہمہ صفت موصوف تھے۔ اور وہ گوشہ نشینی کی زندگی بھی پہلے سے اختیار کئے ہوئے تھے کہ فتنوں کا آغاز تو خلافتِ راشدہ کے آخری دور میں ہی واضح ہو چکا تھا۔ لیکن دین میں جب یونانی فلسفہ کے تراجم سے فساد پیدا ہوئے تو مجبوراً صوفیہ کو گمراہ عقائد اور علمی فتنوں کے ابطال کیلئے باقاعدہ میدان میں اتر آنا پڑا اور اپنے نظریات کی بھی وضاحتیں کرنا پڑیں جس کے باعث یہ تاثر پیدا ہوا کہ صوفیانہ نظریات شاید اسی دور میں پیدا ہوئے۔ البتہ دور اوّل میں صوفیہ انفرادی سطح پر رشد و ہدایت کے جو فرائض انجام دے رہے تھے اب گمراہ فرقوں اور باطل نظریات کے حامل منظم گروہوں کی فکری و نظری سرکوبی کیلئے انہوں نے خود کو منظم کرنا شروع کر دیا تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نظر آئے اور مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے ملحدین اور فلسفہ زدہ اذہان کو صوفیہ کے سلاسل سے الگ رہنے پر مجبور ہونا پڑے اور اُن کی پہچان آسان ہو جائے۔ تاکہ دیکھنے والی آنکھیں بہ

آسانی اُن کی نشاندہی کرسکیں۔ علامہ ابن جوزی (م۔597ھ) نے چھ گمراہ فرقوں میں حُروریہ قدریہ، جہمیہ، مرجیہ، رافضیہ، جبریہ کی نشاندہی کرتے ہوئے ہر فرقے کی بارہ شاخیں بیان کیں۔ اس طرح کل 72 فرقے ہوئے (دیکھیئے تلبیس ابلیس)۔ سوفسطائیہ ان کے علاوہ تھے۔ جن پر یونانی فلسفے کے اثرات نمایاں تھے۔

تاہم اس تجزیہ کے علی الرغم حضرت علامہ جدید مستشرقین سے اتفاق نہیں کرتے جیسا کہ فان کریمر اور ڈوزی نے ایران میں تصوّف کے نظریات کا ماخذ ہندی ویدانت کوٹھہرایا تھا یا نکلسن اس کو نوفلاطونیت سے ماخوذ سمجھتا تھا۔ جب کہ پروفیسر براؤن کا خیال تھا کہ یہ غیر جذبی سامی مذہب کے خلاف آریائی ردِعمل ہے۔ حضرت علامہ ان سب کے خلاف خیال آراء ہیں کہ یہ سب قطعاً غلط ہیں جیسا کہ محولہ بالا تجزیہ سے ظاہر ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک ہندو ویدانتی اور صوفی کے نظریات میں زبردست اختلاف ہے (صفحہ۔142)۔ اقبالؒ کی حتمی رائے ہے کہ صوفی مصنفین اپنے خیالات کا قرآن سے جواز پیش کرتے ہیں۔ صوفیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ پیغمبر علیہ السّلام نے قرآن کی تعلیم کے ساتھ ایک روحانی تعلیم (حکمت) بھی دی تھی۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا:

كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ

(البقرۃ۔2:151) جیسا ہم نے ایک رسولؐ بھیجا تم ہی میں سے تاکہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرے اور تمہارے نفس کا تزکیہ کرے اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور تمہیں وہ تعلیم دے جس کا تمہیں علم نہیں'۔

حضرت علامہ کہتے ہیں کہ صوفیہ کا خیال ہے کہ ''حکمت'' کا جو ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے، وہ ایسی چیز ہے جس کو قرآن کی تعلیم میں بیان نہیں کیا گیا''۔ علامہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ قرآن اور احادیثِ صحیحہ میں صوفیانہ نظریہ کی طرف اشارات موجود تھے۔ لیکن وہ عربوں کی خالص عملی ذہانت کی وجہ سے نشوونما نہ پا کر بارآور نہ ہوسکے۔ تاہم جب ان نظریات کو ممالک غیر میں موزوں حالات میسر آ گئے تو وہ ایک جداگانہ نظریہ کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ (مؤلف کتاب ھٰذا عرض پرداز ہے کہ (۱) تلاوتِ آیات (۲) تزکیۂ نفس (۳) کتاب کی تعلیم (۴) حکمت کی تعلیم (۵) اور وہ تعلیم جس کا ہمیں علم نہیں یعنی علم لدنی جس کی

واضح مثال حضرتِ موسیٰؑ اور خضرؑ کے واقعہ میں پیش کی گئی' نبوت کے یہ فرائضِ پنجگانہ ہیں جو خلافتِ راشدہ کے ختم ہونے کے بعد سے ایک تسلسل کے ساتھ تا حال صوفیہ' تمام دنیاوی بکھیڑوں اور سیاسی شعبدہ بازیوں سے الگ ہوکر' گوشہ نشینی اختیار کر کے' انجام دے رہے ہیں)۔

قرآن نے ایک مُسلم کی حسبِ ذیل تعریف کی ہے:

قرآن وحدیث سے صوفیانہ نظریات کی تصدیق

(1) اَلَّذِینَ یُؤمِنُونَ۔۔۔۔۔ یُنفِقُونَ (البقرۃ۔3:2) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو رزق اُن کو عطا کیا ہے اُس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں''۔

حضرت علامہ کہتے ہیں: لیکن اس غیب کے متعلق ''کیا'' اور ''کیوں'' جیسے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔اس کا قرآن نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ غیب تمہاری ہی روح کے اندر ہے۔

(2) وَفِی الاَرضِ۔۔۔۔۔ تُبصِرُونَ (الذاریات۔51:20-21) اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کیلئے اور خود تمہاری ذات میں' تو کیا تم اس پر غور نہیں کرتے''۔

(3) نَحنُ اَقرَبُ اِلَیہِ مِن حَبلِ الوَرِید (ق۔50:15) اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں''۔(یہ ناچیز مؤلف عرض پرداز ہے کہ المقربین (قرب والے) اور الموقنین (یقین والے) قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ و برگزیدہ مخصوص بندوں پر ان اسما کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ایسے تمام ناموں کی فہرست اور ان چنیدہ بندوں کے احوال و مقامات پر گفتگو کتاب ھٰذا کے الگ باب 18 میں ملاحظہ ہو)۔

حضرت علامہ کہتے ہیں کہ اوپر آیت میں بیان کردہ غیب کی اصلی ماہیت خالص نور ہے لٰہذا فرمایا گیا:

(4) اَللّٰـہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرض (النور۔24:35) اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے''۔

حضرت علامہ کہتے ہیں کہ اس سوال کے متعلق کہ آیا نورِ اولیٰ شخصی ہے؟ قرآن نے شخصیت کے تصوّر کو مختلف عبارتوں میں پیش کرنے کے باوجود مختصر الفاظ میں یہ جواب دیا ہے کہ

(5) لَیسَ کَمِثلِہٖ شَیٔ ''(الشوریٰ۔42:11) اُس جیسا کوئی نہیں۔

حضرت علامہ کہتے ہیں کہ یونانی منطق و فلسفہ کی تنقید میں الغزالیؒ الرازیؒ ابولبرکات اور آمدی سمیت بعض جید و نامور صوفیہ جیسے شہاب الدین سہروردیؒ نے بھرپور کردار

ادا کیا۔ انہوں نے اپنی ایک تصنیف میں ''جو کشف الفضائح الیونانیہ'' کے نام سے موسوم ہے' یونانی فلسفہ کا ابطال کر کے عقلِ خالص کی بیچارگی کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ عقلیت کے خلاف اشاعرہ کے ردِ عمل کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس سے ایک نظام مابعد الطبیعیّات نمو پایا۔ حضرت علامہ فرماتے ہیں: نو فلاطونیت کے زیر اثر ہی سب سے پہلے یونانی فلسفے میں تصوّف کی آمیزش ہوئی اور توحید کا سادہ عقیدہ وحدت الوجود کا پیچیدہ رنگ اختیار کر گیا۔ مامون (198ھ تا 218ھ یعنی 813ء تا 833ء) کے زمانے میں جب مسلمان علماء نے یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا تو اسلامی لٹریچر میں اس طرزِ فکر کو فروغ ملا۔ افلاطونیت جدید کی بڑی خامی یہ ہے کہ انسان کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کے مسائل کا کوئی مثبت حل پیش نہیں کرتا بلکہ اسے ترک کرنے کا مشورہ دیتا ہے''۔

حضرت علامہ کے مقالہ ''فلسفۂ عجم'' کے درج بالا اقتباسات سے اُن کا تصوّف کے بارے میں مثبت طرزِ عمل متعین کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی اس لئے کہ وہ تصوف کا مآخذ قرآن حکیم کو سمجھنے یا قرار دینے میں صوفیانہ طریق استدلال سے نہ صرف یہ کہ اتفاق رکھتے ہیں بلکہ جدید مستشرقین کے طریقِ تحقیق سے یہ کہتے ہوئے اختلاف کرتے ہیں کہ انسانی ذہن اپنی انفرادیت رکھنے کے باعث مختلف صداقتوں کو خود نمو دے سکتا ہے۔ لہٰذا قطع نظر اس سے کہ تصوف کا نظریہ خلافتِ راشدہ کے اختتام کے ساتھ ہی وجود میں آیا تھا یا کہ ڈیڑھ صدی ہجری کے بعد' لیکن یہ تھا مسلمانوں کا اپنا ہی وضع کردہ روحانی فکر و نظر' حتیٰ کہ وہ فان کریمر اور ڈوزی جیسے جدید مستشرقین سے بھی اتفاق نہیں کرتے کہ ایران میں تصوف کے نظریات کا ماخذ ہندی ویدانت کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ نکلسن کے اس نظریہ کی بھی تردید کرتے ہیں کہ تصوّف نو افلاطونیت سے ماخوذ ہے یا پروفیسر براؤن کے خیال کے مطابق غیر جذبلی سامی مذہب کے خلاف آریائی ردِ عمل ہے۔ وہ ان سب غیر ملکی لاحقوں اور مآخذوں کو کلیتاً غلط اور بلا جواز قرار دیتے ہوئے اسے قرآن ہی سے ماخوذ خیال کرنے میں صوفیہ کے ہمنوا و مؤید ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن اور احادیث صحیحہ میں صوفیانہ نظریہ کی طرف اشارات موجود تھے۔ حضرت علامہ یونانی فلسفہ و منطق پر بھی تنقید میں صوفیہ کے ہم خیال ہیں اور یونانی فلسفہ و کلام کی خامیوں کو بے نقاب کرنے کیلئے لکھی گئی حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی ایک کتاب کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی دلچسپ' زبردست اور معنی خیز ہے کہ حضرت علامہ کے نزدیک تو یونانی فلسفے میں تصوّف کی آمیزش ہوئی اور توحید کے سادہ سے عقیدے کو فلسفیانہ رنگ دے کر

جب پیش کیا گیا تو وہ وحدت الوجود کا پیچیدہ رنگ اختیار کر گیا۔ اگر ان دلائل میں کچھ بھی وزن ہے تو یہ کہنا کہ تصوف کے نظریات میں یونانی' ایرانی یا ہندی طریقِ تزکیہ نفوس کی آمیزش ہوئی' انتہائی لغو اور بیہودہ نظر آتا ہے۔

علامہ اقبالؒ کی تالیف ''فلسفہ تصوف''

حضرت علامہؒ 1915ء سے 1919ء کے اوائل کے عرصہ میں تصوّف کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھنے میں بھی کوشاں رہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ہمعصر علماء کو خطوط لکھے اور جریدہ ''وکیل'' امرتسر میں مقالات بھی شائع کرائے لیکن اُن کے مقالات کے خلاف شدید ردعمل ہوا۔ خواجہ حسن نظامیؒ نے سب سے پہلے ایک مرید ذوقی شاہ سے ایک مضمون لکھوایا جو 30 نومبر 1915ء کو رسالہ ''خطیب'' میں شائع ہوا۔ یہ مضمون حضرت علامہ کی کتاب مثنوی اسرار خودی کے دیباچہ میں بیان کردہ حافظ شیرازیؒ جیسے صوفی شعراء کے افکار کے خلاف لکھا گیا تھا۔ تاہم تاریخ شاہد ہے کہ حضرت علامہؒ نے بعدازاں اُن اشعار کو حذف کر دیا۔ خواجہ حسن نظامی کا دوسرا مضمون 30 جنوری 1916ء کو ''خطیب'' میں شائع ہوا جس میں موصوف نے علامہ کی پانچ خامیوں کی نشاندہی کی۔ چنانچہ اُس دور کے بعض معروف علماء اور دوسرے اہل علم نے ان اختلافی بحثوں کو ختم کرانے میں بھرپور مصالحتی کردار انجام دیا (تفصیلات کیلئے دیکھئے علامہ کی نامکمل غیر مطبوعہ تصنیف فلسفۂ تصوّف جسے صابر کلوروی نے ترتیب دے کر 1985ء میں شائع کرایا)

حضرت علامہ اس اختلافی بحث وتمحیص کو لپیٹتے ہوئے کہتے ہیں:

شریعتِ حقّہ محمدیہؐ پر قائم گروہ

''تصوف کے مقاصد سے مجھے کیونکر اختلاف ہوسکتا ہے' کوئی مسلمان ہے جو ان لوگوں کو بُرا سمجھے جن کا نصب العین محبت رسولؐ ہے اور جو اس ذریعہ سے ذات باری سے تعلق پیدا کر کے اپنے اور دوسروں کے ایمان کی پختگی کا باعث ہوتے ہیں۔ اگر میں تصوف کا مخالف ہوتا تو مثنوی میں ان کی حکایات ومقولات سے استدلال نہ کرتا۔۔۔ ایک اور مضمون میں انہوں نے اس الزام کی بھی تردید کی کہ وہ مغربی فلسفہ سے متاثر ہیں بلکہ اس کے برعکس علامہ نے فرمایا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ فلسفۂ حقہ اسلامیہ ہے۔۔۔ مذکورہ کتاب کے باب اوّل بعنوان ''تصوف کی ابتداء کیونکر ہوئی'' میں تصوّف کے دو گروہوں پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ دوٹوک الفاظ میں لکھتے ہیں:

''اوّل وہ گروہ جو شریعتِ حقّہ محمدیہ ؐ پر قائم ہے اور اسی پر مخلصانہ استقامت کرنے کو انتہائے کمالِ انسانی تصور کرتا ہے' یہ وہ گروہ ہے جس نے قرآن شریف کا مفہوم وہی سمجھا جو صحابہ کرامؓ نے سمجھا' جس نے اس راہ پر کوئی اضافہ نہیں کیا' جو رسول ﷺ نے سکھائی تھی۔ جس کی زندگی صحابۂ کرامؓ کی زندگی کا نمونہ ہے' جو سونے کے وقت سوتا ہے' جاگنے وقت جاگتا ہے' جنگ کے وقت میدانِ جنگ میں جاتا ہے۔ کام کے وقت کام کرتا ہے' آرام کے وقت آرام کرتا ہے۔ غرض یہ کہ اپنے اعمال وافعال میں اس عظیم الشان انسان (ﷺ) کی سادہ زندگی کا نمونہ پیش کرتا ہے جو نوع انسان کی نجات کا باعث ہوئی۔ اس گروہ کے دم قدم کی بدولت اسلام زندہ رہا ہے اور زندہ رہے گا۔ اور یہی مقدس گروہ اصل میں صوفی کہلانے کا مستحق ہے۔ راقم الحروف اپنے آپ کو اِن مخلص بندوں کی خاکِ پا تصور کرتا ہے۔ اپنی جان و مال وعزت وآبرو ان کے قدموں پر نثار کرنے کیلئے ہر وقت حاضر ہے اور ان کی صحبت کے ایک لحظہ کو ہر قسم کے آرام وآسائش پر ترجیح دیتا ہے''۔

حضرت علامہ کی' اُن کی زندگی میں' مذکورہ زیرِ تصنیف کتاب ''تاریخ تصوّف'' کا دوسرا باب ''تصوّف کے ارتقاء پر ایک تاریخی تبصرہ'' کے عنوان سے لکھا گیا اور اس میں لفظ ''صوفی'' اور ''تصوّف'' کو صوف ہی سے مشتق قرار دیا گیا ہے اور کہیں پر بھی اُنہوں نے اسے 'پہاڑ جیسی غلطی'' قرار نہیں دیا اور نہ ہی ڈاکٹر اسرار کی طرح وہ تصوّف کی ساری خرابیوں کو تصوّف نام رکھنے کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ اوّل درجہ کے تصوّف اور صوفیہ کے قدموں پر اپنی جان ومال وعزت وآبرو نثار کرنا سعادتِ دارین تصور کرتے ہیں۔ ''تصوّف کے ارتقاء پر ایک تاریخی تبصرہ'' کے عنوان سے وہ دورِ حاضر کے مغربی مستشرقین کے حوالہ سے لفظ تصوّف کا ماخذ ''صوف'' کو قرار دیتے اور انہی کے الفاظ کو دہراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''صوف' ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہوتا ہے' جسے مسلمان زہاد نے شام کے عیسائی راہبوں کی تقلید میں ترکِ دنیا کی علامت کے طور پر اختیار کرلیا تھا۔ حالانکہ صوف سے مراد پشمینہ یعنی اون ہے نہ کہ ریشمی کپڑا۔ مرتب کتاب ''تاریخ تصوّف'' کے مطابق چونکہ حضرت علامہ کے پیشِ نظر تاریخ رقم کرتے وقت لوئی مسینون کی کتب رہیں لہٰذا انہوں نے اس تحقیق کو مغربی مستشرقین سے منسوب کردیا لیکن ہمارا خیال ہے کہ حضرت علامہ چونکہ ''صوف'' کو ''ریشمی کپڑا'' قرار نہیں دے سکتے تھے اس لئے انہوں نے بجاطور پر اس تحقیق کو مغربی مستشرقین سے منسوب کیا کیونکہ حضرت علامہ کے بارے میں یہ خیال کرنا اُن کے تبحرِ علمی کی توہین ہوگی کہ وہ دیبا (ریشم) اور صوف (پشم) کے فرق سے ناآشنا تھے البتہ یہ کہا جا

سکتا ہے کہ مغربی مستشرقین نے عربی زبان سے ناواقفیت کے باعث صوف کو ریشمی کپڑے سے تعبیر کیا۔ خیر القرون اور متصل دور کے اسلاف اور اکابر صوفیہ کے بارے میں یہ سوئے ظن رکھنا بھی بدبختی کی علامت ہوگی کہ وہ یونانی فلسفہ سے اس قدر متاثر تھے کہ قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہؓ کے مآخذوں کو چھوڑ کر غیر اسلامی فکر و فلسفہ سے رہنمائی حاصل کرنے کے مفاسد اور اس سے عقائد میں آنے والی ضلالتوں اور قباحتوں کے شعور سے کماحقہٗ آگاہ نہ تھے جب کہ ہمارے متاخرین اہل علم اور صوفیہ، حتیٰ کہ ماضی قریب میں حضرت علامہ جیسے حکماءِ امت بھی اسلامی فکر و دانش کے مفاسد وغیرہ سے پوری طرح باخبر اور بفضل تعالیٰ اس کا کلی شعور رکھتے تھے اور ہر آن خبردار رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت علامہ نے بانگ درا میں مولانا الطاف حسن حالؔی اور شیخ سعدی شیرازیؒ کا فردوس میں ایک مکالمہ'' نظم کیا ہے جس میں شیخ سعدیؒ کے استفسار پر حالؔی نے برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کی واماندگیٔ منزل کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

جب بہر فلک نے ورق ایام کا اُلٹا — آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز!
آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل — دنیا تو ملی، طائر دیں کر گیا پرواز
پانی نہ ملا زمزمِ ملت سے جو اس کو — پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

حالؔی کے جواب میں سعدیؒ نے مبنی برحقیقت اور جس اصولی بات کا اظہار کیا وہ اُن کا ایک حکمت سے بھرپور شعر تھا جسے علامہ نے بطور تضمین اپنی نظم کے آخر میں من وعن شامل کیا، فرماتے ہیں:

''خرمانتواں یافت ازاں خارکہ کشتیم — دیبانتواں بافت ازاں پشم کہ رشتیم''

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خار یعنی کانٹا کاشت کیا جائے گا تو اس سے خرما یعنی کھجور کا میٹھا اور لذید پھل پیدا ہونے کی امید نہیں رکھی جاسکتی اسی طرح پشم (یعنی صوف) کات کر ریشمی کپڑا نہیں بُنا جاسکتا''۔ کچھ یہی حال، جدید مستشرقین کی صوف سے متعلق توضیح پر صادق آتا ہے۔ یعنی صوف کا مطلب اگر ریشمی جُبّہ ہے تو یہ شاہانہ لباس ہوا جب کہ فقیرانہ لباس تو موٹا جھوٹا اون کا لباس ہی ہوسکتا ہے۔ کوئی عقل کا اندھا ہی مستشرقین کی توجیہہ سے اتفاق کرنے کی غلطی کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ صوفیہ کے پیش نظر اگر پیغمبروںؑ کا اون کا لباس عموماً اور حضور نبیٔ مکرم ﷺ کا پشمینے کا جُبّہ خصوصاً بطور سنتِ انبیاء موجود تھا تو اُنہیں عیسائی راہبوں کے ریشمی چوغے کی نقل کرنے کی کیا ضرورت ہوسکتی تھی؟؟؟ لہٰذا تصوف کے ناقدین سے ہم یہ کہیں گے۔

آہ! اے رازِ عیاں کے نہ سمجھنے والے! حلقۂ دامِ تمنا میں الجھنے والے!
ہائے غفلت! کہ تری آنکھ ہے پابندِ مجاز ناز زیبا تھا تجھے' تو ہے مگر گرمِ نیاز

علاوہ ازیں کون اس امر سے ناواقف ہوگا کہ یہاں تو عام مسلمان مردوں پر ریشم پہننا حرام ہے' کجا یہ کہ اس کا الزام اہل اللہ اور صوفیہ پر لگادیا جائے۔

طعنہ زن ہے تو کہ شیدا کنج عزلت کا ہوں میں دیکھ اے غافل! پیامی بزمِ قدرت کا ہوں میں

تاہم فکر ونظر کے بعض اختلافات سے قطع نظر حضرتِ علامہ تصوّف کو اپنا مقصود اور صوفیہ کی صحبت کو آرام تسکین جاں خیال کرتے ہیں۔ حضرت علامہ کی ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی عمر' تجربہ' وسیع مطالعہ' گہرے فکر ونظر' تدبر وتفکر کے باعث قرآنی فراست وحکمت کے پیش نظر اپنے نظریات اور فکری نتائج میں ہر آن تبدیلی کیلئے آمادہ رہتے تھے۔ چنانچہ حسین بن منصور حلاج کے نعرۂ انا الحق کے بارے میں علامہ کے نقطۂ نظر میں تغیر رونما ہوا اور وہ لوئی مسینون کی تحقیقات کا یہ حوالہ بھی ''تاریخ تصوّف'' کے ایک مستقل باب میں نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: منصور کے خلاف علماءِ ظاہر کی چوراسی (84) شہادتیں پیش کی گئیں جن کی بنا پر اسے پھانسی کی سزا کا حکم دیدیا گیا۔ الفہرست کے مصنف کے حوالہ سے پھانسی کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ موت سے پہلے حلاج نے کہا:

> ''اے ربّ! اگر تو ان لوگوں کو بھی وہی کچھ دکھا دیتا جو میں دیکھ رہا ہوں تو یہ مجھے کبھی سزا نہ دیتے اور اگر مجھ سے وہ چیز چھپا لیتا جو ان سے چھپا رکھی ہے تو میں کبھی انا الحق کے نعرے نہ لگاتا۔ اے اللہ میرے قاتلوں کو معاف کردے''۔

حضرت علامہ طویل بحث وتمحیص کے بعد کہتے ہیں کہ منصور حلاج اور اُس کے انجام کے متعلق سیّد سلیمان ندوی کا یہ قول حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے: ''حلاج شہیدِ انا الحق نہ تھا' قتیلِ راہِ سیاست تھا۔ اس کی حیثیت مذہبی گنہگار کی اتنی نہیں جتنی ایک پولیٹیکل مجرم کی۔ اسکی بے گناہی کا خون علماء کے قلم پر نہیں بلکہ سلاطین کی تلوار پر ہے''۔ حضرت علامہ زبور عجم میں حلاج کو صدیق خودی تسلیم کرتے ہیں''۔ لیکن مؤلف کتاب ھذا عرض پرداز ہے کہ تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ جن 84 علمائے ظاہر نے حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف شہادتیں قلمبند کرائی تھیں' انہوں نے سلاطین کی تلواروں کے خوف ہی سے اُس گناہِ بے تقصیر'' کا ارتکاب

کرتے ہوئے حلاج کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ تاہم حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ تو حلاج کو قتیل فی سبیل اللہ کہتے ہیں اور ابوبکر شبلیؒ کا بیان ہے: ''میں اور حلاج ایک ہی چیز ہیں' فرق صرف یہ ہے کہ لوگوں نے مجھے دیوانہ سمجھ لیا اور حسین کو اُس کی عقل نے ہلاک کر ڈالا''۔ جب کہ حضرت علی ہجویریؒ کا قول ہے کہ ''ہم اہل طریقت کیلئے حسین امام کا درجہ رکھتے ہیں''۔

حضرت علامہ نے نامکمل ''تاریخ تصوف'' کو بیان کردہ اختلافی ہنگامہ آرائی کے سبب' طاق نسیاں میں ڈال دیا تھا اور بیس برس کی طویل مدت گزارنے کے باوجود 1938ء میں اپنی وفات تک اسے شائع کرانے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ لیکن 1985ء میں پروفیسر صابر کلوروی نے فرزندِ اقبالؒ جسٹس جاوید اقبال کی اجازت سے اسے شائع کر دیا۔ چنانچہ اس کتاب میں حضرت علامہ کے ایسے نوٹس بھی شائع ہو گئے جن کا پس منظر اور پیش منظر ہنوز محتاجِ بیان ہے۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت علامہ اُن نوٹس کو کتاب میں باقاعدہ شامل کرتے یا نظر انداز کر دیتے۔ اگر شامل کرتے تو اُن کی متعین صورت کیا ہوتی؟ مثال کے طور پر ''تاریخ تصوّف'' کے فاضل مرتب (پروفیسر صابر کلوروی) نے حضرت علامہ کے جن نوٹس کو باب چہارم میں ''تصوف اور اسلام'' کا عنوان دے کر شائع کیا ہے۔ اس میں ایک ضمنی عنوان ''نبیٔ کریمؐ کی پیش گوئی: تصوف وجودیہ کے متعلق'' دے کر نیچے بخاری و مسلم کی ایک حدیث کے ابتدائی الفاظ اور آخری لفظ ''السمن'' قرار دیئے ہیں۔ پروفیسر کلوروی نے اس باب پر از خود جو حواشی مرتب کیے' اُن میں سے پہلے بتایا کہ مذکورہ حدیث بخاری شریف کے فضائلِ اصحاب النبیؐ کے باب میں 851 نمبر کے تحت موجود ہے۔ پھر اس کا ترجمہ دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ بظاہر اس حدیث سے تصوّف وجودیہ کے متعلق کوئی نکتہ سامنے نہیں آتا لیکن علامہ اس لفظ کی توجیہہ کرتے ہوئے اس کا مطلب رہبانیت لیتے ہیں۔ ازاں بعد پروفیسر موصوف اپنے بیان کی حقانیت ثابت کرنے کیلئے مضمون ''تصوّفِ وجودیہ'' مشمولہ ''مقالاتِ اقبال'' سے درج ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں:

''حدیثِ نبویؐ میں جو لفظ سمن وارد ہوا ہے اس کا تعلق لفظ ''سمن'' یا ''شمن'' ہے جو لغاتِ عربیہ کی رو سے بدھ مذہب کے پیروؤں کا نام ہے۔ سنسکرت مادہ جس سے یہ لفظ نکلا ہے ''سرم'' مع ''الرا'' ہے جس کے معنی ریاضتِ شاقہ کرنا' محنت کرنا اور پرستش میں شدت کرنا ہیں۔ حرف ''ر'' پراکرت (سنسکرت) میں بالعموم گر جاتا ہے۔ اس واسطے پراکرت الفاظ سمن یا شمن میں ''ر'' نہیں ہے (یعنی شمن فارسی میں بھی موجود ہے' گو اس کے مروجہ معانی کسی قدر مختلف ہیں)۔ فارسی میں اس کے معنی بت پرست کے ہیں۔۔۔۔ فرہنگ ناصری میں شمن کے معنی بت

لکھے ہیں۔۔۔۔مگر استعمال فارسی میں یہ لفظ بت پرست کے معنوں میں آتا ہے۔۔۔غالباً اس واسطے کہ بدھ مت کے زہاد اور عباد گوتم بدھ کے بت کے سامنے کھڑے ہو کر دعائیں مانگا کرتے تھے اور جب گوتم بدھ کا بت سامنے نہ ہوتا تو اس کا تصور ذہن میں رکھا کرتے تھے۔۔۔۔حرکات کا اختلاف اور ''س''''ش'' کا بدل زبانوں میں عام ہے۔اس سے قطع نظر کر لیجئے تو فارسی لفظ شمن اور حدیث کا لفظ سمن دونوں حقیقت میں ایک ہیں''۔

مناسب ہوگا کہ اب مذکورہ حدیث کا متن اور ترجمہ دیکھ لیا جائے تا کہ بات کی تہہ تک پہنچنا آسان ہو جائے یہ حدیث مشکوٰۃ شریف جلد دوم (پبلشر: ناشرانِ قرآن اردو بازار لاہور) صحابہ کرامؓ کے مناقب وفضائل کے باب میں صفحہ **776** پر موجود ہے وہ یہ ہے:

وَعَنْ عِمرَانَ ابنِ حُصَينٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ خَيرُ اُمَّتِى قَرْنِى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ اِنَّ بَعْدَهُمْ قَوم'' يَشهَدُونَ وَلا يُسْتَشهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلايُؤتَمَنُونَ وَيَنذُرُونَ وَلَا يَفُونَ وَيَظهَرُ فِيهِمُ السَّمَنُ وَفِى رِوَايَةٍ وَيَحلِفُونَ وَلا يَستَحلَفُونَ مُتَّفَق'' عَلَيهِ) وَفِى رِوَايَةٍ لِمُسلِمٍ عَنْ اَبِى هُرَيرَةَ ثُمَّ يَخلُفُ قَوم'' يُحِبُّونَ السَّمَانَةَ۔

حضرت عمران بن حُصینؓ کہتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: میری امت کے بہترین لوگ میرے قرن کے لوگ ہیں۔ پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان سے متصل و پیوستہ ہیں۔ پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان سے متصل ہیں۔ پھر ان تین قرنوں کے بعد لوگوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جو بغیر طلب وخواہش کے گواہی دے گی اور ایسے لوگ ہوں گے جو خیانت کریں گے اور اُن کی امانت ودیانت پر بھروسہ نہ کیا جائے گا اور ایسے لوگ ہوں گے جو نذر مانیں گے اور اپنی نذر کو پورا نہ کریں گے اور اُن میں مٹاپہ یعنی فربہی (**السَّمَن**) پیدا ہوگی اور ایک روایت میں یہ الفاظ کہ پھر ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ بغیر قسم دلائے قسم کھائیں گے (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں جو ابو ہریرہؓ سے منقول ہے یہ الفاظ ہیں کہ پھر ان لوگوں کے بعد ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جو فربہی کو پسند کرے گی (یعنی عیش وعشرت کو پسند کرے گی)۔

بخاری شریف میں اس حدیث کا جو ترجمہ علامہ وحید الزمان نے کیا وہ درج ذیل ہے:

حَدَّثَنِیْ اِسْحٰقُ حَدَّثَنَا النَّضْرُ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ مَنْ عِمْرَانَ بْنَ حُصَیْنٍ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ قَالَ عِمْرَانُ فَلَا اَدْرِیْ اَذَکَرَ بَعْدَ قَرْنِہٖ قَرْنَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ اِنَّ بَعْدَکُمْ قَوْمًا یَّشْھَدُوْنَ وَلَا یُسْتَشْھَدُوْنَ وَیَخُوْنُوْنَ وَلَا یُؤْتَمَنُوْنَ وَ یَنْذُرُوْنَ وَلَا یَفُوْنَ وَیَظْھَرُ فِیْھِمُ السِّمَنُ۔

''ہم سے اسحاق بن راہویہ نے بیان کیا' کہا ہم کو نضر نے خبر دی ہم کو شعبہ نے' انہوں نے ابوحمزہ سے کہا' میں نے زہدم بن مضرب سے سنا' کہا میں نے عمران بن حصینؓ سے' وہ کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں بہتر زمانہ (قرن) میرا زمانہ ہے' پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہیں (یعنی تابعین) پھر اُن لوگوں کا جو ان کے بعد ہیں۔ عمرانؓ کہتے ہیں مجھ کو یاد نہیں آنحضرتؐ نے اپنے زمانہ کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا یا تین کا۔ آپؐ نے فرمایا پھر ان کے بعد تو ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کی گواہی کوئی نہ چاہے گا لیکن وہ خواہ مخواہ گواہی دیں گے اور چوری کریں گے ان کا کوئی بھروسہ نہیں کرنے کا اور منت مانیں گے لیکن منت پوری نہیں کریں گے اور حرام کا مال کھا کھا کر خوب موٹے بنیں گے''۔

علامہ وحید الزماں حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ان تینوں زمانوں کی فضیلت بیان کی گویا وہ خیر القرون ٹھہرے۔ حضورؐ نے اپنے زمانہ سے متصل جس زمانے کا ذکر فرمایا وہ تبع تابعین کا زمانہ ٹھہرا۔ اگر تین زمانوں کا ذکر کیا ہو تو تبع تابعین بھی خیر القرون میں داخل ہوں گے اور چاروں ائمہ مجتہدین بلکہ امام بخاریؒ اور ترمذیؒ بھی ان میں داخل ہوں گے۔ اگر دو زمانوں کا ذکر ہو تو امام شافعیؒ اور امام مالکؒ داخل ہوں گے۔ انہوں نے تابعین کو دیکھا ہے اور امام ابوحنیفہؒ تو خود تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔

امرِ واقعہ یہ ہے' جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا' حضرت علامہؒ نے ''تاریخ تصوف'' کے

صرف دو باب لکھے تھے اور دیگر ابواب کیلئے ابھی کچھ مواد اکٹھا کیا تھا کہ ''وکیل'' امرتسر میں شائع ہونے والے اُن کے بعض مضامین پر شدید نکتہ چینی کی گئی۔ علاوہ ازیں پروفیسر کلوروی نے آغاز میں بعنوان ''تاریخ تصوّف کا پس منظر'' میں جیسے بیان کیا ہے' حضرت علامہ کو تصوّف کے موضوع پر ایسی مستند کتب بھی فراہم نہیں ہو رہی تھیں کہ جن سے وہ تصوّف کے بارے میں براہ راست مواد حاصل کر سکتے البتہ اُن کی معلومات کا ماخذ زیادہ تر مغربی مستشرقین کی انگریزی کتب تھیں۔ حضرت علامہ بعض ہمعصر اہل علم کے نام اپنے مکتوبات میں بھی مواد نہ ملنے کی مشکل بیان کرتے رہے۔ اندریں حالات انہوں نے ''تاریخ تصوّف'' پر مزید کام روک دیا اور اس کے شائع کرانے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ اس لئے چالیس سال بعد شائع ہونے والے محض نوٹس کو حضرت علامہ کے حتمی نظریات قرار دینا قرین انصاف نہ ہوگا۔ تاہم جو غلط فہمیاں ''تصوّفِ وجودیہ'' کے حوالہ سے حضرت علامہ کی طرف منسوب کی گئی لفظ **''السَّمن''** کی تشریح سے پیدا ہو سکتی ہیں اُن کا ازالہ ضروری ہے۔ لہٰذا اہل فکر و نظر ہم سے اتفاق کریں گے کہ:

(1) حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارکہ سے ادا ہونے والے لفظ **''السَّمن''** کی تشریح و توضیح سب سے پہلے قاموس القرآن سے ہونی چاہیے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی مفردات القرآن (حصہ اوّل) میں ''السَّمن'' کے معنی موٹاپہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ **ھُزَال''** کی ضد ہے اور **سَمِین''** (صیغۂ صفت کے معنی ہیں فربہ۔ '' **سِمَان** '' قرآن میں ہے: **اَفْتِنَا فِی سَبعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ** (46:12) ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتایئے کہ سات موٹی گایوں ۔۔۔۔۔ اور **اَسمَنتُه' وَسَمَّنتُه'** کے معنی موٹا کرنے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے: **لَایُسمِنُ وَلَا یُغنِی مِن جُوعٍ** (7:88) جو نہ فربہی لائے اور نہ بھوک میں کچھ کام آئے۔

امام راغب اصفہانی مزید لکھتے ہیں: **اَسمَنتُه'** فربہ جانور خرید نے یا دینے کے ہیں اور **اِستَمنتُهٗ'** کے معنی فربہی پانے کے ہیں۔ اسی طرح **اَلسُّمنَةُ** ایک دوا جو فربہ ہونے کیلئے کھائی جاتی ہے۔ **''اَلسَّمنُ''** گھی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ گھی بھی فربہی کی قسم سے ہے اور اس کے کھانے سے انسان موٹا ہوتا ہے۔

قرآن حکیم ہی میں لفظ **سَمِین** : فربہ کے معنوں میں سورہ الذاریات 51 کی آیت 26 میں بھی استعمال ہوا۔ چنانچہ فرمایا گیا: ''پھر اپنے گھر گیا تو ایک فربہ اور چوڑا چکلا بچھڑا لے آیا''۔

(2) حضور نبی مکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ بھی یقیناً اُسی زبان میں گفتگو فرماتے تھے جو قرآن اور صاحبِ قرآن کی تھی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی تصنیف لطیف **اِزالۃُ الخفاء** (جلد چہارم) میں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے واقعات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! اہل دنیا و اصحابِ حکومت وولایت کے پاس زیادہ نہ جایا کرو کہ یہ بات اللہ کو ناراض کرنے والی ہے اور خبردار پیٹ بھرنے سے بچو۔ یہ حرکت نماز سے سستی پیدا کرنے والی ہے اور جسم کو فاسد کرنے والی ہے' امراض پیدا کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے (کھا کھا کر) موٹا ہو جانے والے کو (**ان اللہ یُبغض الحِبرَ السمین**) (شائع کردہ قدیمی کتب خانہ کراچی۔ ص۔ **148**)

قرآنِ حکیم' آثارِ صحابہؓ لغت سے پیش کی گئیں درج بالا شہادتوں کے بعد خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقؓ نے معانی کے جس پس منظر میں السمین کا لفظ استعمال کیا' اُس کے بعد کسی بھی مسلمان کا ذہن کسی دوسرے معانی کی طرف ہرگز ہرگز نہیں جا سکتا۔ لہٰذا حضور ﷺ کی طرف قرآنی معنوں سے ہٹی ہوئی لغت منسوب کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔ محض صوفیہ کو معتوب کرنے کیلئے قرآن وحدیث کے الفاظ' حضرت عمر فاروقؓ کے ارشاد کے ایسے معانی نکالنا اور حضور ﷺ کے بولے ہوئے لفظ کا مادہ قرآن سے ہٹ کر سنسکرت یا فارسی کے الفاظ کو قرار دینا اگر کسی غلط فہمی سے ہوا ہے تو نظرانداز کیا جا سکتا ہے بصورت دیگر علمی دیانت کے خلاف ہوگا۔ البتہ حرام مال کھا کھا کر موٹا ہونے' عیش وعشرت میں مبتلا ہونے یا حکامِ وقت کے درباروں میں حاضری دینے کے شائق افراد کی تکذیب کا مفہوم اس سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ایسے الزام کے مرتکب صوفیہ کے مقابلہ میں علمائے ظاہر زیادہ نظر آتے ہیں۔ ابوالفضل فیضی جیسے ہی مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر کو دین الٰہی ایجاد کرنے اور اُسے خدا کا اوتار قرار دے کر سجدے کرنے کو جائز قرار دینے کے ہر دور میں مرتکب ہوئے' جب کہ روحانیت تو ریاضتوں اور محنت شاقہ سے عبارت ہے۔ حضرت علامہ فرما گئے ہیں:

زباں سے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل　　　دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

متلاشیانِ حق کیلئے اقبالؒ کا پیغام

(عارف ہندی سے مرشد رومیؒ ومرید ہندیؒ کی ملاقات کے تناظر میں)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے فارسی کلام ''جاوید نامہ'' کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

آنچہ گفتم از جہانے دیگر است　　　ایں کتاب از آسمانے دیگر است

ترجمانی:۔ میں نے اس کتاب میں جو کچھ کہا ہے اس کا تعلق کسی اور آسمان سے ہے یعنی اس میں عام شاعرانہ مضامین نہیں ہیں۔ اس دنیا کی باتیں نہیں ہیں بلکہ ایسی دنیا کی باتیں ہیں جن کو اہل قلب ونظر ہی جانتے ہیں۔ یہ (عام) کتاب نہیں بلکہ کوئی اور ہی چیز ہے (اس میں عالم سفلی کی نہیں عالم علوی کی باتیں ہیں۔ وہ باتیں جن کے جاننے اور ماننے سے بندہ عالم سفلی میں ہوتے ہوئے عالم علوی کا مکین ہو جاتا ہے، گویا کہ زمینی سے آسمانی بن جاتا ہے۔

حضرت علامہؒ نے ''جاوید نامہ'' کا آغاز مناجات سے کیا ہے جس کے چھٹے بند میں محولہ بالا شعر موجود ہے ازاں بعد تمہید آسمانی کے عنوان سے ظہور ذات باری تعالیٰ سے متعلق اسرار و رموز منکشف کیے گئے ہیں۔ آسمان و زمین کے مابین ایک مقالمہ بھی نظم کیا گیا ہے۔ پھر ''تمہید زمینی'' کے بیان میں مرشد رومیؒ کی روح ظاہر ہوتی ہے اور معراج کے بھیدوں کو ظاہر کرتی ہے۔ اس موقع پر حضرت علامہ ایک شعر میں انکشاف کرتے ہیں کہ انہوں نے روحانی طور پر دیکھا کہ مولانا جلال الدین رومیؒ کی روح نے افلاک کے پردے چاک کیے اور وہ ایک پہاڑی کے پیچھے سے ظاہر ہوئی۔ اور یوں عناصر میں تصرف کر کے شکل انسانی اختیار کر لی۔ چنانچہ مرشد رومیؒ اور مرید ہندیؒ کے مابین سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا مثلاً مریدی ہندیؒ نے پوچھا کہ موجود اور ناموجود کیا ہے؟ اور محمود و نامحمود کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ موجودہ ہے جو اپنی نمود چاہتا ہے وجود کا تقاضا خود کو ظاہر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی روز الست انجمن آراستہ کی اور اپنے وجود (یعنی ہونے پر) شہادت چاہی۔ یہاں ''الست بربکم'' اور ''قالو بلیٰ'' کی طرف اشارہ ہے۔ مرشد رومیؒ نے فرمایا: کیا تجھے خبر نہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ذات (تک پہنچنے یا ذات کا دیدار) کیے بغیر راضی نہ ہوئے (واقعہ معراج کی طرف اشارہ) معراج کیا ہے؟ معراج کسی شاہد کی آرزو ہے۔ تیسرے بند میں حضرت علامہؒ نے مرشد رومیؒ سے استفسار کیا کہ حضوری کیونکر ہو؟ پانی ومٹی کے پہاڑ کو کیسے پھاڑا جا سکتا ہے؟ حق اور بندہ کے درمیان تو زمان و مکان کی بہت سی دیواریں حائل ہیں ان کو پھلانگنا کیسے ممکن ہو؟ مولانا رومؒ نے فرمایا: کہ اگر سلطان تیرے ہاتھ آ جائے تو افلاک کو بھی توڑا جا سکتا ہے۔ سلطان کا لفظ روحانی غلبہ، طاقت اور زور کیلئے استعمال ہوا اور یہ طاقت انسان میں عشق مصطفیٰ ﷺ کی بدولت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ زمان و مکاں کی قیود کو توڑ کر حضور حق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہؒ فرماتے ہیں:۔

گفت اگر سلطاں ترا آید بدست　　　می تواں افلاک را زہم شکست

نیز فرمایا:۔

نکتہ ''اِلّا بسُلطاں'' یاد گیر ۔۔۔ ورنہ چوں مور و ملخ در گل بمیر

ترجمانی:۔ ''الا بسلطان'' کی باریک رمز کو یاد رکھ ورنہ مکھیوں اور کیڑوں کی طرح کیچڑ میں ہی مر جا یعنی ''سلطان'' وہ طاقت ہے جو طالب صادق میں مجاہدہ سے یا کسی مرد کامل کی نگاہ سے اور صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ جو کہا گیا کہ: ''نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں'' وہ اسی مجاہدہ کی شان ہے اور روحانی دنیا میں یہ طاقت (نگاہ مرد مومن) بھی عشق رسول ﷺ کی بدولت ہی انسان میں پیدا ہوتی ہے۔ ''اِلَّا بِسُلْطٰنٍ '' قرآن میں سورہ الرحمٰن کی آیت: 33 سے لیا گیا ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

○ ''اے گروہِ جنات و انسان! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو بغیر غلبہ و طاقت کے (''اِلَّا بِسُلْطٰنٍ) تم نہیں نکل سکتے (55۔الرحمٰن: 33)

(جنات کو اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے اور اسی طرح انسانوں میں مادی طاقت رکھنے والے فرعونوں' ڈکٹیٹروں اور مطلق العنان حکمرانوں کو بھی تکبر اور غرور اور حکومت کا نشہ حق کو پہچاننے سے عاری رکھتا ہے اس لیے یہاں ایسے گروہِ جنات و انسان کا ذکر کیا گیا ہے ــــــ ارشاد باری ہے کہ اگر یہ لوگ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور وہ خیال رکھتے ہیں کہ انہیں کوئی نہیں پکڑ سکتا تو ان کی بھول ہے یہ زمین و آسمان سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتے۔ جب بھی مشیت ایزدی میں فیصلہ کی گھڑی آئی انہیں دھر لیا جائے گا۔ عارف باللہ مولانا ثناءاللہ پانی پتی بسلطان سے مراد (بسلطانی) ''میری قوت'' لیتے ہیں یعنی ویسے تو زمین و آسمان کے دائرہ کو توڑ کر نکلنا ممکن نہیں البتہ اگر اللہ کی قوت کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ ان حد بندیوں سے باہر نکل سکتا ہے۔ جس طرح ــــ نبی پاک ﷺ شب معراج اپنے جسم اطہر کے ساتھ ساتواں آسمانوں سے پار تشریف لے گئے اور صوفی دائرہ امکان سے مدارج قرب تک نفوذ اللہ تعالیٰ ہی کی طاقت و قوت سے کرتا ہے)۔

چنانچہ اس آیت سے متصل اگلی آیت میں اسی لئے فرمایا گیا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (الرحمٰن: 34) یعنی اے جن و انس! (''پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'')

مولائے رومؒ آگے چل کر حضرت علامہؒ کی رہنمائی کرتے ہوئے یہ باریک نکتہ بیان کرتے ہیں کہ انسان جب رحم مادر سے پیدا ہوتا ہے تو مادی شکنجوں میں کسا ہوا اور زمان و مکاں کا پابند ہوتا ہے بلکہ اس میں مقید ہوتا ہے اور یہ گویا کہ اس کی پہلی پیدائش ہے اب اگر وہ اس پابندی و

اسیری کے شکنجوں کو توڑ کر اور مادی زنجیروں کو کاٹ کر باہر نکلنا چاہتا ہے تو اسے اپنی اسی زندگی میں دوسری پیدائش کا سامان کرنا پڑے گا اور یہ نئی پیدائش آب و گل کی مرہون منت نہیں ہوگی۔ البتہ اس نئی پیدائش کا راز معلوم کرنے کیلئے اسے کسی مرد جری راز دانِ اسرار حقیقیت و عرفان یعنی کسی صاحب دل سے رجوع کرنا ہوگا۔ ان مردان جری، صاحبان دل کو انبیاء واولیاء کہا جاتا ہے۔ یہی اصحاب دین و دانش ہیں جو اس دوسری پیدائش کی سائنس کے علم کے امین ہیں کیونکہ اس پیدائش کا تعلق ولادت کے مادی و سائنسی پیمانوں سے نہیں بلکہ ولایت (یعنی طریقت و درویشی) کی سائنس سے ہے۔ پہلی پیدائش میں انسان پر کائنات سوار ہوتی ہے تو دوسری میں وہ کائنات پر سوار ہوتا ہے۔

جاوید نامہ کے اگلے حصہ نظم میں حضرت علامہ بیان فرماتے ہیں کہ مرشد رومی و مرید ہندی کے مابین عالم علوی کے طرف سفر میں ہونے والی اس راز و نیاز کی گفتگو کے دوران ''زمانے کی روح'' آشکار ہوتی ہے اور عالم بالا کے مسافر (یعنی اقبال) کو زمین سے آسمان (عالم علوی) کی طرف لے جاتی ہے اور حقائق ابدی جاننے کے آرزو مند مسافر کو فلک قمر (یعنی چاند کے آسمان) پر پہنچا دیتی ہے اور مولائے رومؒ کی روح کا ہی فیضان تھا چاند پر پہنچ کر حضرت علامہ سرزمین چاند کے عجائب و غرائب دیکھ دیکھ کر حیران و ششدر ہی نہیں، لطف اندوز بھی ہوتے ہیں اور دل ہی دل میں پکار اٹھتے ہیں:۔

1) جسم اگر بیناست ہر شے دیدنی است — در ترازوئے نگہ سنجیدنی است
2) ہر کجا رومی برد آنجا برو — یک دو دم از غیر او بیگانہ شو!
3) دست من آہستہ سوئے خود کشید — تندرفت و برسر غارے رسید!

ترجمہ:۔ (حضرت علامہ من ہی من میں خود سے گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں) آنکھ اگر بینا ہے تو ہر شے دیدنی ہے یعنی قابل دید ہے اس کے معانی بھی دلفریب ہوتے ہیں۔ (چاند کی) ہر شے نگاہ کے ترازو میں تولنے کے لائق ہے۔ جہاں کہیں تجھے (مرشد) رومیؒ لے جائے وہاں چلتا چلا جا۔ ایک دو لمحہ کیلئے یعنی رومی کے سوا ہر شے سے بیگانہ ہو جا۔
(معنی خیز خیالات و تصورات کا دھارا یہیں تک پہنچ پایا تھا کہ) رومی نے میرا ہاتھ آہستہ سے اپنی طرف کھینچا+ پھر تیزی سے چلتے ہوئے مجھے ایک پر اسرار غار کے دھانے پر پہنچا دیا اور یہ وہ مقام حیرت و استعجاب تھا کہ جہاں ایک گوشہ خلوت میں آسن باندھے یعنی آلتی پالتی مارے جنیئو پہنے اور

سر پر بالوں کا جوڑا سجائے ایک سادھو یعنی عارف ہندی سے ملاقات ہوئی۔ حضرت علامہ نے پندرہ اشعار پر مشتمل اس کی منظر کشی کرتے ہوئے جو واقعات نظم فرمائے ان کا عنوان ہے:۔

''عارف ہندی کہ بہ یکے از غار ہائے قمر خلوت گرفتہ

و اہل ہند او را جہاں دوست می گویند''

(یعنی ہندوستان کا ایک عارف کہ جس نے چاند کی غاروں میں سے ایک غار میں خلوت اختیار کر رکھی تھی اور جسے وہ لوگ جہاں دوست کہتے ہیں)

حضرت علامہ نے جسے جہاں دوست کہا ہے اس کا اصل نام ''وشوامتر'' ہے جو چند ہزار سال پہلے ہندوستان میں پیدا ہوا۔ وہ اپنے وقت کا مہارشی تھا۔ قنوج کا راجہ بھی تھا۔ ذات کا کشتری تھا۔ وشوامتر نے برہمنوں سے ظاہر و باطن کا علم حاصل کیا اور ریاضت و تپسیا سے ایسے روحانی عروج پر براجمان ہوا کہ خود برہمن اسے مہا گرو تسلیم کرنے لگے۔ ہندو تاریخ نویس کہتے ہیں کہ وہ رام چندر جی کا اتالیق بھی بنا۔ اس وقت کے ایک اور راجہ اندر کو اس کے ساتھ حسد پیدا ہو گیا۔ اس نے مہارشی کو ذلیل کرنے کی ٹھان لی اور دو حسین و جمیل کنیاؤں (لڑکیوں) کو اس کے پیچھے لگا دیا۔ مہارشی ان کے جال میں پھنس گیا۔ اس دنیاداری سے آخر کار بیزار ہو کر وہ دنیا کو تیاگ کر (چھوڑ کر) چاند کی غار میں خلوت نشین ہو گیا۔ حضرت علامہ نے اس مہارشی کا تعارف اس لیے کرایا کہ باوجود مہارشی ہونے کے وہ روحانیات کے ان اسرار و رموز سے نابلد تھا جن پر مرشدِ رومیؒ کو عبور حاصل تھا مطلب یہ کہ مسلمان صوفی کی منزل و مقام ہر اعتبار سے غیر مسلم سادھوؤں رشیوں اور مہنتوں سے ارفع و اعلیٰ اور پاکیزہ و منزّہ ہوتی ہے۔ مہارشی نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مولانا روم سے فیضاب ہونے کیلئے جو پہلا سوال پوچھا وہ یہ تھا:۔

عالم از رنگ است و بے رنگی است حق چیست عالم؟ چیست آدم؟ چیست حق؟

ترجمہ: عالم رنگ سے ہے (مادی ہے) حق بے رنگ ہے (اس کی مانند کوئی شے نہیں) آخر عالم کیا ہے؟ آدم کیا ہے؟ حق کیا ہے؟ (فارسی اشعار کو بہ خوف طوالت نظر انداز کرتے ہوئے مولانا رومؒ کا جواب اختصار سے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے)

جواب 1) آدمی تلوار ہے اور حق تلوار چلانے والا ہے، عالم اس تلوار کیلئے پتھر کی سان ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نہ ہو تو آدم کا وجود بے معنی ہے اور اگر آدم نہ ہو تو عالم کا وجود مہمل ہے۔ اس میں یہ رمز پوشیدہ ہے کہ اصل فاعل تلوار چلانے والا ہے۔ تلوار محض ایک آلہ ہے جو اللہ کے ہاتھ میں ہے جس

کے ذریعے وہ اپنے احکامات عالم میں جاری فرماتا ہے۔اور یہ عالم احکامات کے نفاذ کے راستہ میں جو مشکلات پیدا کرتا ہے اس سے آدم کی صلاحیتیں اسی طرح تیز ہوتی ہیں جس طرح سان پر تلوار تیز ہوتی ہے۔2)حق،آدم اور عالم ایک تکون ہے،ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا لیکن ہوا یہ کہ غیر مسلم نظریات کے حامل اہل مشرق نے حق کو دیکھا اور عالم کو نہ دیکھا یعنی دین و دنیا میں تفریق پیدا کر کے رہبانیت کو اختیار کر لیا۔مغرب عالم میں رینگتا رہا اور حق تعالیٰ سے کٹ گیا۔یعنی دنیا اختیار کر لی اور دین کو چھوڑ دیا۔مادیت میں جذب ہو کر روحانیت کو بھول گیا۔

3)بندگی،حق پر نگاہ کرنا ہے خود کو بے پردہ دیکھنا زندگی ہے مطلب یہ کہ بندگی بھی کرو اور زندگی بھی کرو۔4)جب بندہ زندگی سے حصہ حاصل کرتا ہے تو ایسے بندے پر اللہ تعالیٰ بھی صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے۔5)جو شخص اپنی تقدیر سے آگاہ نہیں ہے یعنی اپنے مقصدِ تخلیق سے آگاہ نہیں ہے،اس کی مٹی گویا اس کی جان کے سوز کا ساتھ نہیں دے رہی۔مطلب یہ کہ آدمی پر بدن اور روح دونوں کا حق ہے۔یہ نہیں کہ وشوامتر کی طرح دنیا کو چھوڑ کر چاند کی غار میں گوشہ نشین ہو جائے۔

اس مقام پر پہنچ کر وشوامتر کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے میری طرف (اقبال کی طرف) دیکھا اور بے قراری سے دیکھا اور مجھ سے سوالات شروع کر دیئے۔

1) گفت مرگ عقل؟ گفتم ترک فکر — گفت مرگ قلب؟ گفتم ترک ذکر
2) گفت تن؟ گفتم کہ زاد از گردِ رہ — گفت جاں؟ گفتم کہ رمز لا الٰہ
3) گفت آدم؟ گفتم از اسرار اوست — گفت عالم؟ گفتم او خود روبروست
4) گفت ایں علم وہنر؟ گفتم کہ پوست — گفت صحبت چیست؟ گفتم روئے دوست
5) گفت دین عامیاں؟ گفتم شنید — گفت دین عارفاں؟ گفتم کہ دید

ترجمانی:1)اس نے پوچھا عقل کی موت (کیا ہے؟)+میں نے کہا کہ فکر کو ترک کر دینا+اس نے پوچھا دل کی موت (کیا ہے؟)+میں نے کہا ذکر کو ترک کر دینا۔حضرت علامہ ذکر و فکر کی حقیقت کچھ اس طرح سے بیان فرماتے ہیں:

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام — وہ جس کی شان میں آیا ہے علم الاسماء!
مقام ذکر کمالاتِ رومیؒ و عطارؒ — مقام فکر مقالاتِ بوعلی سینا!
مقام فکر ہے پیمائشِ زمان و مکاں — مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ!

2) اس نے کہا تن (کیا ہے) میں نے کہا کہ وہ راہ کی گرد ہے یعنی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے + اس نے کہا جان کیا ہے؟ میں نے کہا کہ جان لا الہٰ کی رمز ہے۔ جس کیلئے ضروری ہے کہ کلمہ طیبہ لا الہٰ الا اللہ کی حقیقت کو سمجھا جائے۔ اس لئے کہ کلمہ طیبہ پر غور وفکر سے یہ رمز ہاتھ آئیگی کہ مادہ مستقل بالذات نہیں ہے۔ اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ اللہ کے پرتو سے قائم ہے اس لیے اصل مرکز توجہ اللہ عزوجل ہے جس کے اسماء و صفات کے ظہور سے کل کائنات اور اس کی ہر شے وجود میں آئی۔ چنانچہ حضرت علامہ نے بال جبریل میں اس رمز کی حقیقت و وضاحت پر کچھ اس طرح سے روشنی ڈالی ہے کہ "مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من وتو ____ پلا کر مجھ کو مئے لا الہٰ الا ھُو" عصرِ حاضر کے بزعم خود روشن دماغ جو ہر شے اور اس کی حقیقت کو عقل کے پیمانوں سے تولتے اور ناپتے ہیں وہ ہستی باری تعالیٰ کو تسلیم کرنے سے اسلئے بھی انکاری ہو جاتے ہیں کہ حواس خمسہ اور عقل سے اسے ثابت کرنا محال ہے۔ لہٰذا حضرت علامہؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں: "لبالب شیشۂ تہذیب حاضر ہے مئے لا سے ____ مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانۂ اِلاّ" یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہؒ امت مسلمہ کے ان عقل کے اندھوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ: تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الہٰ الا ____ لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی" عصر حاضر کے مدرسوں میں چونکہ صرف مادی علوم کی تعلیم کا بندوبست ہے اس لیے حضرت علامہؒ کے نزدیک اس رمز کے ہاتھ نہ آنے کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ: "گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا ____ اب کہاں سے آئے صدا لا الہٰ الا اللہ" دور جدید میں مادی علوم کی تدریس کرنیوالوں سے تو کیا گلہ، انتہائی افسوناک صورت حال تو یہ ہے کہ روحانی تعلیم وتربیت کی اکثر خانقاہیں بھی آج ایک کاروبار بن چکی ہیں (الا ماشاءاللہ) لہٰذا حضرت علامہؒ مایوسی کے عالم میں بے چین ہوکر چیخ اٹھتے ہیں کہ: "اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک ____ نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت نہ نگاہ"۔

تاہم اس اندوہناک صورت احوال واقعی کو بدلنے کا طریقہ بھی حضرت علامہ یہ تجویز کرتے ہیں:

"صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل ____ یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہٰ میں ہے"۔

"پھر ضرب کلیم" میں ایک مکمل نظم اسی کلمہ طیبہ کے موضوع پہ ہے جس کا آخری شعر حضرت علامہؒ کی پکار پر عمل کیلئے ہر پر خلوص مسلمان کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر کہہ رہا ہے کہ اُمۃ کے مسائل کا حل صرف اور صرف ایک ہے:

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں ____ مجھے ہے حکم اذاں لا الہٰ الا اللہ

3) "اس نے کہا آدم کیا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ اس کے یعنی اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک

بھید ہے''۔ ''اس نے پوچھا عالم کیا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ خود سامنے ہے''۔ جس طرح روح لاالہٰ کی رمز ہے اسی طرح آدم بھی جو صاحب روح ہے وہ لاالہٰ کی رمز ہے۔ اس کا وجود نہ محض روح ہے نہ بدن ہے۔ اس راز کو علم کی زبان سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ البتہ اسے آدم کے مقام پر فائز ہو کر ہی جانا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس مقام کو کچھ اس طرح سے بیان کیا گیا:

''اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب (خلیفہ) بنانے والا ہوں''۔ (2۔البقرۃ:30)

چنانچہ الہامی کتب میں بیان کردہ قصص الانبیاء کے مطابق انبیاءؑ ورسلؑ کے واقعات یا انبیاء کے وارث اولیاء اللہ کی زندگیوں کے مطالعہ سے خلیفۃ اللہ فی الارض کی شان اور قدرومنزلت کا تصوراتی مشاہدہ اس مقام کی پہچان کرا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہؒ نے ''خلافت آدم'' کو محکمات عالم قرآنی (یعنی قرآنی جہان کی بنیادی تعلیمات جو واضح احکام رکھتی ہیں) قرار دیتے ہوئے اپنے فارسی کلام جاوید نامہ میں اس مقام ومنصب جلیلہ کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ انبیاء (خلیفۃ اللہ فی الارض) اور اولیاء (انبیاء کے وارث) وہ شخصیتیں ہیں کہ جو ذات باری کا پرتو ہیں۔ جن سے آدم کے مقام ومنصب کو سمجھا جا سکتا ہے۔ رہی بات ''عالم'' کی جس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ''خود روبروست'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آدم سِرّ عشق یا سِرّ اللہ ہے، حقیقت میں کچھ نہیں ہے یہ ہمارے حواس خمسہ کی گرفت میں ہے۔ ہم ہیں تو یہ بھی ہے۔ 4) اس نے کہا کہ علم وہنر کیا چیز ہے؟ میں نے کہا محض پوست (چھلکا) ہے (اس میں مغز نہیں ہے یہ آدمی کو حقیقت تک نہیں پہنچا سکتا+اس نے پوچھا حجت (دلیل) کیا ہے؟ میں نے کہا دوست کا چہرہ ہے''۔ مطلب یہ کہ حجت یا دلیل سے حق تعالیٰ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے گی تو وہ حق الیقین یا عین الیقین تک نہ پہنچا سکے گی۔ چنانچہ حضرت امام غزالیؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''المنقذ من الضلال'' (جس کا اردو ترجمہ مولانا محمد حنیف ندوی نے ''سرگزشت غزالی'' کے عنوان سے کیا) میں فرماتے ہیں: دراصل یہ نور ہی ہے جس سے اکثر معارف واسرار کی عقدہ کشائی ہوتی ہے، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کشف ونور کی یہ کیفیت دلائلِ محررہ کی رہین منت ہے انہوں نے گویا اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمتوں کو تنگ اور محصور کر دیا یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ ''وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے''۔ آگے چل کر آپ نے فرمایا: ''غرض یہ ہے کہ جس نے تصوف کی بہرہ مندیوں سے اپنا دامن طلب نہیں بھرا اس نے حقیقت نبوت کی بو بھی نہیں سونگھی اور بجز نام اور اسم کے اس کو کچھ حاصل نہیں ہوا''۔ علم، ذوق اور ایمان پر گفتگو کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: اگر کوئی شخص برہان ودلیل کی

وساطت سے کسی نتیجہ پر پہنچتا ہے تو یہ علم ہے۔ اگر ان نتائج سے روبرو دو چار ہوتا ہے تو یہ ذوق ہے اور اگر ان نتائج و معارف کو سنتا اور تجربے سے دریافت کرتا ہے تو اسے ایمان کہتے ہیں''۔ عقل و شعور سے آگے کے مقامات پر آپ لکھتے ہیں: ''عقل کے آگے ادراک کا ایک طور ہے جس سے اللہ کے منتخب اور چنیدہ حضرات دوچار ہوتے ہیں اس میں علم و معرفت کی ایک نئی آنکھ وا ہوتی ہے جس سے انسان غیب سے آگاہ ہوتا ہے اور مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو پہلے سے دیکھ لیتا ہے اور اس کے علاوہ ایسے اموراس پر منکشف ہوتے ہیں کہ عقل حیران و ششدرر رہ جاتی ہے۔ جس طرح سن تمیز میں معقولات کا ادراک نہیں ہو سکتا یا لمس و بصر و سمع و ذوق کے علم میں سن تمیز کی باتوں کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا''۔۔۔۔۔ اسی طرح محض عالم عقلی میں مقید انسان نبوت کی بلند پروازیوں کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے''۔ حضرت علامہؒ کے نزدیک بھی یقین کیلئے مشاہدہ شرط ہے۔ چہرہ یار کا مشاہدہ ہو جائے تو یار کے اثبات کا یقین ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں نے باطنی آنکھوں سے ''وجہ اللہ'' کو دیکھا ہے ان کو اثبات باری تعالیٰ کیلئے عقلی دلیلوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ بال جبریل میں فرماتے ہیں: ''عقل گو آستاں سے دور نہیں ۔۔۔۔ اس کی تقدیر میں حضور نہیں'' ''دل بینا بھی کر خدا سے طلب ۔۔۔۔ آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں'' ''بے حضوری تیری موت کا راز ۔۔۔۔ زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں'' ہر گہر نے صدف کو توڑ دیا ۔۔۔۔ تو ہی آمادۂ ظہور نہیں''۔

5) اس نے کہا عام لوگوں کا دین (کیا ہے)؟ میں نے کہا سنی سنائی باتوں پر اعتماد ہے یعنی اس کا اپنا کسی بات کا مشاہدہ نہیں ہے۔ صرف مشاہدہ کا دعویٰ کرنے والے لوگوں کی باتیں سن کر ان پر یقین کر رکھا ہے + اس نے کہا عارفوں کا دین کیا ہے؟ میں نے کہا کہ دیدار (ہے)؟ یعنی عارف لوگ عشق و مشاہدہ کے ذریعے حقیقت کے چہرے کا جلوہ کر کے یقین و ایمان وایقان کا لطف اٹھاتے ہیں۔ اور پھر حضرت علامہؒ کے نزدیک یہی وہ مقام ہے جہاں: ''مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ ۔۔۔۔ عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام'' عشق دم جبرئیل، عشق دل مصطفیٰ، عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام''۔ جب ہم نے علم و عالم اور عشق و عاشق کی حقیقت معلوم کرنے کیلئے پنجاب کے صوفی کامل حضرت سلطان باہو فنافی الہو کی طرف رجوع کیا تو بہت سی عقلی اور ذہنی الجھنیں دور ہو گئیں، چنانچہ ارشاد ہوا:

پ پڑھ علم ہزار کتاباں عالم ہوئے سارے ہُو!
اک حرف عشق دا پڑھن نہ جانن بھلے پھرن بچارے ہُو

اک نگاہ جے عاشق ویکھے لکھ ہزاراں تارے ہُو
لکھ نگاہ جے عالم ویکھے کسے نہ کدھی چاہڑے ہُو

عشق عقل وچہ منزل بھاری سئیاں کوہاں دے پاڑے ہُو
عشق نہ جنہیاں خرید یا باہُو اوددو ہیں جہانیں مارے ہُو

ترجمانی:۔کئی آدمی ہزاروں کتابیں پڑھ پڑھ کر مختلف علوم وفنون کے ماہراور بہت سے دینی علوم کے مفتی وعالم تو بن جاتے ہیں لیکن عشقِ مصطفیٰؐ ومحبت خداوندی کی طرف مطلق خیال نہ ہونے کے باعث خود بھی گمراہی میں پڑے رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی محض دنیاداری کی سڑاند کا دلدادہ بنانے کا فریضہ انجام دینے میں کوتاہی کے مرتکب نہیں ہوتے،ان سے آخرت کی خیر وفلاح کا سبق دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا۔ان کے مقابلے میں عارفانِ الٰہی کے عشق کی یہ شان ہوتی ہے کہ ان کی ایک نگاہ کرم (توجہ) سے ہی لاکھوں کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔(اسی طرح مرید ہندی،اقبال نے پیر رومیؒ سے ایک سوال کے ذریعے خود تسلیم کیا تھا کہ ''پڑھ لئے میں نے علومِ مشرق وغرب ____ روح میں باقی ہے اب تک دردوکرب'' پیر رومیؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ ''دستِ ہرنا اہل بیمارت کند! ____ سوئے مادرآ کہ تیمارت کند!'' پھر حضرت علامہؒ نے بھی فرمایا!'' خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں ____ تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں'' ایسا عالم وفاضل جو خلوص ومحبت کے سوز دروں اور عشق مصطفیٰؐ اور رجوع الی اللہ کی دولت سے تہی دامن ہو وہ کسی کو اخروی نجات اور کامیابیوں کی عظمتوں اور بلندیوں سے ہمکنار کرنے کا اہل نہیں ہوسکتا۔اس سے معلوم ہوا کہ علم اور عشق میں بُعد المشرقین ہے البتہ علم معرفت الٰہی اس سے مستثنیٰ ہے اے باہُو! جنہوں نے عشق مصطفیٰ ﷺ اور رجوع الی اللہ کا سبق نہیں پڑھا وہ کورے کے کورے رہے اور دونوں جہانوں میں ناکام ونامراد سمجھے جائیں گے۔حرف آخر کے طور پر متلاشیان حق کے غور وفکر کیلئے حضرت علامہؒ کا یہ قول پیش ہے:

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی! ____ کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی!
عطار ہو،رومی ہو،رازی ہو،غزالی ہو! ____ کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!

☆☆☆

باب-14

(سوئے آزمائش کی کسوٹی پر)

کارِ نبوت کی انجام دہی کیلئے
صُلحائے اُمّت اور طاغوتی قوتوں میں

معرکہ حق و باطل
ازل تا امروز

(''بلکہ ہم حق کو باطل پر دے ماریں گے تو وہ اُس کا بھیجا نکال دے گا تو دیکھو گے کہ وہ نابود ہو کر رہے گا اور تمہارے لئے اس چیز کے سبب سے جو تم (یعنی اہل باطل) بیان کرتے ہو' بڑی خرابی ہے: ۲۱۔الانبیاء:۱۸)

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

1۔ ''دنیا میں حق و باطل' ظلمت و نور' سچ اور جھوٹ میں قدیم سے جنگ چلی آتی ہے۔ باطل کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ حق یا تو بالکل ہی مٹ جائے یا کم از کم چھپا رہے وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُورِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ o (61۔الصف:8) ''اور اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا: اگرچہ وہ کافروں کو ناگوار ہو''۔(نیز دیکھئے سورۃ 9۔التوبہ:32) یہی حال اللہ والوں کا رہا کہ

باطل پرست ہر زمانہ میں ان کے مخالف رہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السّلام کو اِنَّــہٗ تَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحر ○ "یقیناً وہ تم سب میں سب سے بڑا جادوگر ہے جس نے تم کو جادو سکھایا" کہا گیا اور آنحضرت ﷺ کو نعوذ باللہ شاعر' کاہن اور مجنون تک کہا گیا۔۔۔ مگر اللہ والے ان باتوں سے متاثر ہو کر اپنا اصلی مقصد ترک نہیں کر دیتے۔ ان کا مقصد لوگوں کو راہ حق دکھانا ہوتا ہے اور اس فرض کی ادائیگی میں وہ کسی قسم کی ملامت یا طعن و تشنیع کی پروا نہیں کرتے۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی اتباع میں اولیاء کرام بھی اسی راہ پر گامزن رہے۔ لوگوں نے ان پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کیں مگر آوازِ سگاں کی پروا نہ کرتے ہوئے (اللہ والوں کا) یہ قافلہ بدستور چلتا رہا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ ان بزرگوں پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں اور انہیں ہدف سہام و ملامت بناتے ہیں وہ یہ کام "اصلاح" کی اڑ لے کر کرتے ہیں ("جب انہیں کہا جاتا ہے کہ دنیا میں فساد بپا مت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ یاد رکھو! یہی لوگ مفسدہ پرداز ہیں لیکن نہیں سمجھتے" (2۔البقرۃ:11-12)۔ سب سے زیادہ اور سخت جرح محی الدین ابن العربی المعروف بہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ پر ہوئی۔ انہیں مشرک تک قرار دیا گیا اور یار لوگ توحید کے پرچار کی آڑ لیتے لیتے اپنا ایمان بھی کھو بیٹھے۔ ابن عربی پر ردوقدح کی سب سے بڑی وجہ ان کی عبارتوں کو نہ سمجھنا ہے اور ان لوگوں نے اپنی کج فہمی کو بنیاد قرار دیتے ہوئے ایک عمارت کھڑی کر ڈالی اور ابن العربی کو اس کج فہمی کی بنا پر کافر اور کیا کچھ نہیں کہہ ڈالا؟

چنانچہ حقیقت کو ظاہر کرنے کیلئے بزرگوں نے کتابیں لکھیں۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ مجد الدین محمد بن یعقوبی متوفی ۸۱۷ھ = ۱۴۱۴ء مصنف قاموس اور حافظ ابن حجر کے شاگرد جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ = ۱۵۰۵ء اور امام عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ مطابق ۱۵۶۵ھ نے اس سلسلہ میں تصانیف کیں۔ موجودہ دور میں مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ = ۱۹۴۳ء نے بھی ابن عربی کی بریت میں ایک کتاب (التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی) لکھی ہے"۔

ایک مبسوط اور قابل غور و فکر دیباچے کا ابتدائیہ بھی خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔ جسے دور حاضر کے ایک فاضل دانشور اور صاحب علم و حکمت ڈاکٹر پیر محمد حسنؒ (ایم اے پی ایچ ڈی۔ سابق صدر شعبہ ادب عربی جامعہ اسلامیہ بہاولپور) نے بارھویں صدی ہجری کے نامور اُمّی

صاحب کشف و عرفان و معارف اور علومِ ظاہری و باطنی میں فرد حضرت گرامی الشیخ عبدالعزیز دباغ مغربی (المراکشی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عربی ملفوظات الابریز کا اردو ترجمہ بعنوان خزینۂ معارف تحریر کیا۔ یہ عظیم الشان مرقعِ علوم و عرفان اور خزینۂ معارف العلامہ احمد بن مبارک سلجماسیؒ نے حضرت شیخ کے فیضانِ نگاہ سے مرتب کیا تھا۔

اسلام کی اثر انگیزی کم کرنے کیلئے
اسلامی تعلیمات میں باطل نظریات کی آمیزش

2۔ ہماری اسلامی تاریخ کا یہ ایک دلچسپ لیکن انتہائی تلخ و تکلیف دہ پہلو ہے کہ اسلام کے عالمگیر روحانی پیغام کی کشش سے خوفزدہ غیر مسلم دانشوروں، فلاسفہ اور مذہبی رہنماؤں نے اوّل روز سے جہاں دین اسلام کی اثر انگیزی کو کم کرنے کیلئے اسلامی تعلیمات میں فکر و نظر کی گمراہیوں کو شامل کرنے کی شعوری مہم جوئی شروع کر رکھی ہے وہاں ہمارے نادان علمائے ظاہر نے بھی فکری مغالطے پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جو بات ان کی سمجھ سے بالاتر ہے اُس کا انکار اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے۔ امرِ واقعہ ہے کہ یہ علمائے ظواہر عمومیت سے غیر مقلد مکتب فکر و نظر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اہل سنت علمائے حقانی تواتر کے ساتھ اولیاء اللہ اور اصفیائے امت کے معتقد و خادم رہے ہیں۔ حیرت انگیز امر یہ بھی ہے کہ اہل اللہ یعنی طبقات صوفیہ نے اوّل روز سے تا عہدِ حاضر اہل علم کے دو طبقات یعنی محدثین و فقہا کے خلاف کبھی محاذ آرائی نہیں کی بلکہ جہاں اور جب بھی کہیں فقہا اور مفتیانِ کرام کی طرف سے شرعی معاملات میں کوئی فتویٰ جاری کیا گیا اسے خندہ پیشانی سے قبول کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کیا اور قرآن و سنت کی رو سے کسی الجھاؤ کو دور کرنے کی ضرورت پیش آئی تو صوفیۂ عظام نے اپنے متبعین کو مستند ائمہ مذاہب کی طرف رجوع کا ہی مشورہ دیا ہماری قریبی تاریخ پاک و ہند کے ایک بزرگ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ ایک مکتوب میں اپنے ایک معتقد و مرید کو لکھتے ہیں:

''اے برادر! اگر تم آج فقراء کے مراتب کا پتہ لگانا چاہو تو اُن کے اتباعِ شریعت پر نظر رکھو کہ شریعت معیار ہے۔ اسی کسوٹی پر فقیر کی حقیقت روشن ہوتی ہے''۔ (مکتوبات کلیمی ص: 72)۔

اسی طرح شاہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین الاولیاءؒ کے خلیفۂ اکبر) تنبیہ فرماتے ہیں:

''(مشربِ پیر) حجت نہیں دلیل کتاب وسنت سے ہونی چاہیے''۔(اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص: 81)

تصوّف کی قدیم ترین مستند کتابیں مثلاً التعرف' کتاب اللمع' قوت القلوب' خزینۂ معارف (الابریز)' عوارف المعارف' رسالہ قشیریہ' تذکرۃ الاولیاء کشف المحجوب' خیر المجالس' فوائد الفوائد' احیاء علوم الدین' سرگذشتِ غزالی یعنی المنقذ من الضلال' فتوح الغیب وغیرہ کا سرسری سا مطالعہ بھی اس دعوے کی تائید کیلئے بہت کافی ہے کہ تصوّف کی تعلیمات قرآن وسنت کے مطابق زندگیوں کو سنوارنے کا نام ہے۔ جب کہ مذکورہ صدر طبقات میں گھسے ہوئے بزعم خود علماءِ سُو نے ہمیشہ طبقات صوفیہ کو مدِ مقابل بنا کر ان پر طعن وتشنیع کے جرکے لگانے کو اپنا شعار بنائے رکھا۔

اولیاءاللہ کے احوال نہ سمجھنے کے باعث بدگوئی

3۔ امام ابوتراب نخشبیؒ جو میدان صدق وصفا کے مرد تھے' کہا کرتے تھے کہ بندہ جب خدا سے روگردانی کا خوگر ہو جاتا ہے تو اولیاءاللہ کی بدگوئی اُس کی مونس بن جاتی ہے۔ شیخ الاسلام حضرت یحییٰ زکریا انصاریؒ کو کہتے سنا گیا کہ جب فقیہہ کو طبقۂ اصفیاء کے احوال اور اُن کی اصطلاحات سے واقفیت نہ ہو تو وہ برہنہ پا فقیہہ ہے۔ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ خوش اعتقادی سعادت اور بد اعتقادی شقاوت ہے۔ شیخ محمد مغربی شاذلیؒ کہا کرتے تھے کہ اپنے بزرگوں کا راستہ صوفیوں سے پوچھو گو وہ تھوڑے ہوں اور جو لوگ ان کے طریق سے ناواقف ہیں اُن سے بچتے رہو' گو وہ بہت ہوں اور علم تصوّف کے شرف کو موسیٰ علیہ السّلام کا حضرت خضر علیہ السّلام سے یہ درخواست کرنا بس کرتا ہے کہ آپؑ اجازت دیں تو میں آپؑ کے ساتھ رہوں بشرطیکہ جو علم (لدنی منجانب اللہ) آپؑ کو سکھایا گیا ہے اُس میں سے کچھ آپ مجھ کو بھی سکھا دیں (سورہ لکہف: ٦٦)۔ حضرت محی الدین ابن العربیؒ نے امام فخر الدین رازی' صاحبِ تفسیر کبیر' کو لکھ کر بھیجا کہ امام صاحب درجہ علم میں کمتر ہیں حالانکہ اُن کا شمار ایسے علمائے کبیر میں ہوتا ہے جن پر علوم (اسلامیہ) کی ریاست ختم ہوتی ہے۔ اپنے مکتوب میں شیخ اکبر لکھتے ہیں: ''میرے بھائی! خدا ہمیں اور تمہیں توفیق عطا فرمائے' سنو! کوئی شخص ہمارے نزدیک علم کے مقام میں کامل نہیں ہوتا جب تک اُس کا علم بغیر واسطہ نقل یا استاد کے خدائے عزوجل کی طرف سے نہ ہو کیونکہ جس کا علم نقل یا استاد سے حاصل ہوتا ہے وہ برابر نوپیدا چیزوں سے لیتا ہے اور اللہ والے اُس کو خالی از علت نہیں سمجھتے اور

جس نے نو پیدا چیزوں اور اُن کی شناخت میں عمر گنوائی' اُس نے اپنا حصہ خدائے عزوجل کے پاس کا کھو دیا۔ اس لئے کہ آدمی اُن علوم میں جو نو پیدا چیزوں سے علاقہ رکھتے ہیں اپنی عمر کو فنا کرتا ہے اور ان کی حقیقت کو نہیں پہنچتا۔ میرے بھائی! اگر تم اہل اللہ میں سے کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک اختیار کرتے تو وہ تم کو حق تعالیٰ کی درگاہِ شہود تک پہنچا دیتا اور وہاں سے تم اشیاء کا صحیح علم الہام کے طریقہ سے حاصل کرتے' جس میں نہ مشقت ہے نہ ماندگی ہے نہ بے خوابی ہے' جیسا کہ خضر علیہ السّلام نے حاصل کیا ہے اور علم ہے تو وہی ہے جو کشف و شہود سے حاصل ہو نہ کہ وہ جو فکر و نظر اور گیان و قیاس سے "۔۔۔ اور شیخ کامل حضرت بایزید بسطامیؒ اپنے زمانے کے علماء کو کہا کرتے تھے کہ تم نے اپنے علوم رسمی عالموں سے یعنی مُردوں نے مُردوں سے حاصل کئے ہیں اور ہم نے اپنے علوم اُس زندۂ جاوید سے اخذ کئے ہیں جو حیّ و قیوم ہے۔۔۔ اور آدمی کے ساتھ جانے والے دو ہی علم ہیں' ایک تو خدائے عزوجل کا اور دوسرا معاملاتِ آخرت کا۔۔۔ اور ان دونوں علموں کا انکشاف صرف خلوت' ریاضت' مشاہدہ اور جذب الٰہی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اے بھائی! میں چاہتا تھا کہ تمہارے لئے خلوت اور اُس کی شرائط اور اُن تجلیات کا جو تم کو خلوت میں نظر آ سکتی ہیں ترتیب وار تھوڑا تھوڑا کر کے بیان کروں لیکن مخالفتِ زمانہ نے مجھے اس ارادہ سے باز رکھا' مخالفت زمانہ سے میری مراد وہ اشخاص ہیں جن کو اسرار شریعت کی سمجھ نہیں ہے اور جن کا طریقہ لڑنا جھگڑنا ہے' یہاں تک کہ ایسے لوگ جتنی چیزوں سے ناواقف ہوتے ہیں سب سے انکار کرتے ہیں اور تعصب اور نام و نمود' اور سردار بننے اور دین کے ذریعہ سے دنیا حاصل کرنے کی محبت نے اُن کو اہل اللہ پر اعتقاد لانے اور ان کی بزرگی تسلیم کرنے سے روک رکھا ہے (دیکھئے الطبقات الاولیاء از سیّد عبدالغنی وارثی۔ صفحہ ۲۳)۔

اولیاءاللہ کی تکذیب باطل قوتوں کا شعارِ ازلی

4۔ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس شریف گروہ کو عوام الناس اور خاص کر جھگڑنے والوں کے ساتھ مبتلا کیا ہے' اس لئے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی کا دل کسی ولی کی تصدیق کی طرف رجوع ہوتا ہو۔ بلکہ وہ تم سے یہی کہے گا کہ ہاں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء و برگزیدہ موجود ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ کہاں ہیں۔ پس کوئی ایسا نہ ہو گا جس کا ذکر تم کرو اور وہ اُس کے عیب نکال کر نہ دھرے اور اس کے ولی اللہ نہ ہونے پر حجتیں قائم نہ کرے حالانکہ اس کو یہ

نہیں سوجھتا کہ اولیاء اللہ کی صفات اولیاء اللہ ہی پہچان سکتے ہیں' پھر جو دوسرا ہے وہ کسی حس کی ولایت کی نفی کہاں سے کرتا ہے؟''۔۔۔اور علامہ عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے ابتلاء کا سبب یہ ہے کہ جھوٹ اور تہمت کے باعث اللہ تعالیٰ ان کے رتبے بلند کرتا ہے اور اُن کے انوار کامل ہوتے ہیں اور جو کچھ تکلیف اُن کو خلق اللہ سے پہنچتی ہے اُس کی برداشت سے رسولوںؑ کی میراث کے سچے مستحق ٹھہرتے ہیں۔۔۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ان میں امام بنائے تھے کہ ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور یہ منصب امامت ان کو اسوقت ملا جب کہ وہ صبر کیے رہتے'' (سورۃ سجدہ: 24) اللہ فرماتا ہے: اور تم سے پہلے بھی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں تو انہوں نے لوگوں کے جھٹلانے پر ان کی ایذا رسانی پر صبر کیا' یہاں تک کہ ہماری مدد اُن کے پاس آ پہنچی (سورۃ انعام: 34)۔ حضرت علی خواصؒ کو کہتے سنا گیا کہ اگر اللہ کی طرف بلانے والوں کا کمال اس پر موقوف ہوتا کہ خلق اللہ کا ان کی تصدیق پر اتفاق ہو تو رسول اللہ ﷺ اور اُن سے پیشتر کے انبیاء سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے حالانکہ ایک گروہ نے اُن کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُن کو سیدھی راہ پر لایا اور باقی اس نعمت سے محروم رہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انصاف سے اُن کو شقی بنایا۔ اور چونکہ اولیاء وعلمائے حقانی لوگوں کی غم خواری کے مقام پر رسولوںؑ کے نقش قدم پر چلتے ہیں اس لئے اُن کے بارے میں بھی لوگوں کی دو ٹولیاں ہو جاتی ہیں۔ ایک تو معتقد اور سچا جاننے والی اور دوسری منکر یعنی جھٹلانے والی۔۔۔''اور جو لوگ ایمان لا چکے (نوحؑ سے کہا گیا کہ ان سب کو کشتی میں لا دلو) اور ان کے ساتھ ایمان بھی بس تھوڑے ہی سے لوگ لائے تھے'' (سورۃ ھود: 40) اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ''مگر اکثر آدمی ایمان نہیں لاتے اور اکثر آدمی اس کا شعور ہی نہیں رکھتے''۔ (متعدد جگہ پر القرآن)۔ باری تعالیٰ نے فرمایا: یا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ ان میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں۔ یہ تو بس چوپایوں کی طرح کے ہیں بلکہ یہ (اُن سے بھی گئے گزرے ہیں''۔ (سورہ فرقان: 44)

اولیاء کے اسرار کا اخفاء مخلوق کے حق میں رحمت

5۔ شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ کا قول ہے: ''عوام الناس کو کہاں نصیب کہ حق تعالیٰ کے اُن اسرار کو سمجھ سکیں جو خاص بندوں یعنی انبیاء و اولیاء کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور اس نور کا تصور کر سکیں جو ان کے دلوں میں چمکتا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی اکثر مخلوق سے پردہ میں ہی رکھتا ہے۔ کیونکہ اللہ

تعالیٰ کے نزدیک ان کا بڑا رتبہ ہے اور اگر یہ لوگوں میں ظاہر وعیاں رہتے اور یہ انہیں اذیت دیتے تو یہ اللہ تعالیٰ سے اعلانیہ جنگ کرتے اور اللہ ان کو ھلاک کر دیتا۔ اس لئے مخلوق سے ان کو چھپائے رکھنا مخلوق کے حق میں رحمت ہے اور اولیاء میں سے جو لوگ کہ خلق پر ظاہر ہوتے ہیں تو ظاہری علم اور اُس کی دلالت کے پائے جانے کی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں ورنہ راز ولایت کی حیثیت سے تو ہمیشہ چھپے ہی رہتے ہیں''۔ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کا قول ہے: ''جس کے قلب پر حق تعالیٰ کی جیسی تجلّی ہوتی ہے اُسی کے مطابق اُس پر پردہ پڑا رہتا ہے۔۔۔ اور اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ جب حق تعالیٰ بندہ کے قلب پر قہر کی صفت کے ساتھ تجلّی فرماتا ہے تو وہ بندہ قہار ہوتا ہے اور انتقام کی صفت کے ساتھ تو منتقم اور رحمت وشفقت کی صفتوں کے ساتھ تو مشفق ورحیم اور علیٰ ھذا۔۔۔ اور ہر زمانہ اور ہر دور میں ایسے اولیاء وعلماء ہوتے ہیں جن کے آگے اُس زمانہ کے بادشاہ سر جھکاتے اور جن کی فرماں برداری واطاعت کرتے ہیں''۔ ارشاد باری ہے: ''اور اللہ کے (جتنے) کام (ہیں ایک امر) تقدیری (ہیں جو روز ازل سے) ٹھہرے ہوئے ہیں''۔ (سورۃ الاحزاب:38) ''اور کوئی دوسرے کے بار کو اپنے اوپر نہیں لے گا''۔ (بنی اسرائیل:15) پھر ایک شخص کے بُرا کرنے سے کہاں یہ لازم آیا کہ اُس کے کل ہم رنگ وہم طریق بُرے ہو جائیں۔

کس کو معلوم کہ مشتاق ہیں کس سیر کے ہم''

6۔ علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ کہتے ہیں: ''ان بزرگوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا جائز نہیں کہ یہ لوگ باطن میں اس لئے زندیق تھے کہ جو بات ان کے نزدیک باطن میں متحقق تھی اُس کو علماء وعوام سے مخفی رکھتے تھے بلکہ ہم کو اُن کا عمدہ پہلو اختیار کرنا چاہیے اور وہ یہ کہ ہم اُن کی اصطلاحات سے ناواقف ہیں اور جو اُن کی بارگاہ میں داخل نہیں ہوتا وہ اُن کے حالات سے واقف نہیں ہو سکتا اور وہ اپنے علم کی وضاحت کے وقت جو دروازے بند کر دیا کرتے تھے تو صرف اس لئے کہ اس علم کی تہہ اکثر علماء کیلئے بہت گہری ہے چہ جائیکہ غیر علماء۔ (اس کی تاریخی مثال یہ ہے کہ) امام احمد بن حنبلؒ سے جب طبقہ صوفیہ سے متعلق کوئی سوال کیا جاتا تو وہ اس کا جواب دینے کیلئے سوالی کو ابوحمزہ بغدادیؒ کے پاس بھیج دیا کرتے اور کہتے کہ اس بارے میں اے صوفی! تم کیا کہتے ہو؟ اور عارف کی دسترس میں نہیں ہے کہ وہ ایک ہی بات ایسی کہے کہ مختلف درجہ کے لوگوں کے مناسب حال ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیتوں میں سے ہے: فرمایا کہ مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اُن کی عقلوں کے مطابق باتیں کروں۔ اس کو سوچنا اور سمجھنا چاہیے کہ جس شخص کو طریقت کا علم نہیں

ہے وہ جب کسی فقیر کی زبان سے سنے گا کہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ توبہ سے توبہ کرلے تو وہ کہے گا کہ توبہ سے توبہ تو گناہ پر اصرار ہوا لیکن جب فقیر اُس کے معنی اپنی اصطلاح میں بیان کرے گا کہ اپنے نفس کو پاک صاف نہ سمجھے اور خدا کی رحمت کے سوا توبہ پر اعتماد نہ کرے نہ یہ کہ گناہ پر اصرار کرے تو بات سمجھ میں آجائے گی۔ پس جس شخص کو اہل طریقت کے مصطلحات میں دخل نہ ہوگا وہ اس قسم کے اقوال کو بُرا سمجھے گا اور کہے گا کہ زہد و تقویٰ و عبادت کا ترک کہاں صحیح ہے بلکہ اس سے تو آدمی کا دین ہی جاتا رہتا ہے پھر ان کے قائل کی نسبت اعتقاد کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اگر اس کو طریقت کی سمجھ ہوتی تو وہ جان لیتا کہ حضرت عمر بن الفارض کی مراد یہ ہے کہ خدائے عزوجل کے مقابلہ میں اعمال پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے''۔

بحر زخار سے آئے ہیں ابھی تیر کے ہم — کس کو معلوم کہ مشتاق ہیں کس سیر کے ہم

اہل اللہ کی بلندیٔ شان سے بدباطنوں میں حسد کی بیماری

7۔ علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ فرماتے ہیں: ''اے بھائی! اہل اللہ کی شان کا بلند ہونا' خواہ وہ تمہارے اپنے زمانے کے ہوں یا اور زمانے کے' ان پر مطلع ہو جانے کے بعد حسد کی بیماری سے بہت بچتے رہو اور اُن کو ماننے سے گریز نہ کرو۔۔۔ اس گروہ کی نسبت حضرت ذوالنون مصریؒ اور بایزید بسطامیؒ کے زمانہ سے لے کر ہمارے وقت (نویں صدی ہجری) تک برابر لوگ گفتگو کرتے چلے آئے ہیں بلکہ سیّدی ابراہیم دسوقیؒ سے نقل ہے کہ لوگوں نے تو صحابہؓ کی کسر شان میں بھی گفتگو نے گریز نہیں کیا اور (اللہ معاف فرمائے) (اُن پر ریا و نفاق کا الزام لگایا۔ ان میں کے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ہیں جن کے بارے میں ہرزہ سرائی کی گئی کہ وہ جو نماز میں خشوع کرتے تھے تو یہ (معاذ اللہ) ریا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت زبیرؓ سجدہ میں تھے' لوگوں نے اُن کے چہرے اور سر پر گرم پانی ڈال دیا جس سے اُن کے چہرہ کی کھال اتر گئی مگر اُن کو خبر تک نہ ہوئی۔ بالآخر وہ نماز سے فارغ ہوئے اور ہوش میں آئے تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہوا ہے؟ تب لوگوں نے ماجرا بیان کیا تو کہا کہ جنہوں نے ایسا کیا خدا اُن کی مغفرت کرے''۔ ان سب باتوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے: اور ہم نے تم میں ایک کو ایک کیلئے آزمائش قرار دیا ہے تو (کیا) تم صبر کرو گے؟ اور تمہارا پروردگار دیکھ رہا ہے''۔ (سورۃ فرقان: 20)۔ اور ہر ولی کو اس آزمائش میں سے پورا پورا حصہ ملا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ابتلا جب شرف ٹھہری تو اللہ تعالیٰ نے اس امت

کے خواص کیلئے تمام بلاؤں اور رنجشوں کو جمع فرما دیا جو سابق امتوں میں الگ الگ ظاہر ہوئی تھیں کیونکہ ان کے مدارج اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑے ہیں''۔

خاصانِ خدا پر ہمیشہ آزمائشوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے

8۔ مذکورہ صدر حالات و واقعات اور اقوال و بصائر کی روشنی میں اگر تاریخ اسلام کا جائزہ لیا جائے تو معتبر روایات کے مطابق ہمیں معلوم ہوگا کہ:

- حضرت ابو یزید بسطامیؒ کو لوگوں نے سات مرتبہ ان کے شہر سے نکالا اور وہ جب سفر سے بسطام واپس آئے اور ایسے علوم میں انہوں نے گفتگو کی جن سے شہر کے لوگ نا آشنا تھے یعنی انبیاء و اولیاء کے مقامات تو حسین بن عیسیٰ بسطامی' جو اُس نواح کا امام اور علوم ظاہری کا مدرس تھا' اُس کے ایما پر ابو یزید کے خلاف تحریک چلی اور انہیں شہر سے نکلنے پر مجبور ہونا پڑا۔ پھر جب تک حسین بسطامی نے وفات نہ پائی ابو یزید بسطامی اپنے شہر لوٹ نہ سکے۔ تاہم بالآخر لوگ ان سے مانوس ہو گئے اور ان کی تعظیم کرنے اور ان سے برکت حاصل کرنے لگے۔

- حضرت ذوالنون مصریؒ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ علمائے سُو کی شکایت پر حکام وقت نے انہیں بیڑیاں اور ہتھکڑیاں ڈلوا کر مصر سے نکال کر بغداد پہنچایا اور خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا جس پر خلیفہ نے تحقیق کے بعد تعجب کے ساتھ کہا: اگر یہ شخص زندیق ہے تو روئے زمین پر کوئی مسلمان نہیں ہے۔

- حضرت سمنون محبؒ پر سخت مصیبت آئی کہ ایک عورت نے جو اُن سے عشق کی دعویدار بن گئی اور حکام کے پاس دعویٰ دائر کر دیا کہ بعض دوسرے صوفیہ سے مل کر اُس سے حرامکاری کے مرتکب ہوئے ہیں۔ سارے مدینہ میں یہ خبر پھیل گئی اور خلیفہ نے حکم دیا کہ سمنون اور اُن کے ساتھیوں کی گردنیں ماردی جائیں۔ اس پر کچھ لوگ بھاگ گئے اور کچھ برسوں روپوش رہے' یہاں تک اللہ نے اُن پر سے اس بلا کو دور کیا۔

- حضرت ابو سعید خرازؒ پر بھی تہمت لگائی گئی اور علمائے ظواہر نے اُن کی تکفیر کا فتویٰ دیدیا جس کی بنیاد اُن کی یہ عبارت تھی کہ ''اگر تم پوچھو کہ کہاں سے آئے اور کہاں جاؤ گے تو میرا جواب اللہ کے سوا کچھ نہ ہوگا''۔

- حضرت سہل بن عبداللہؒ کو بھی لوگوں نے بصرہ سے نکال دیا اور کچھ ایسی باتیں منسوب

کیں کہ علمائے ظواہر نے انہیں کافر قرار دے دیا۔ وہ گوشہ نشین ہو گئے تا آنکہ موت کو لبیک کہا۔ علمیت' معرفت اور اجتہاد کے موضوعات پر وہ گفتگو کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ ہر سانس کے ساتھ بندہ پر توبہ فرض ہے۔ بس اور کچھ نہیں۔

- حضرت جنید بغدادیؒ کے خلاف علم توحید کی تقریر کرنے کے زمانہ میں لوگوں نے اُن کے خلاف شہادتیں دیں' انہوں نے فقہ کو پردہ بنایا اور باوجود علمیت و جلالت کے چھپے ہوئے رہے۔
- محمد بن فضل بلخیؒ کے گلے میں رسّی ڈال کر شہر کے بازاروں میں گھسیٹتے ہوئے شہر سے نکالا گیا اور یہ بدعتی ہے کے نعرے لگائے گئے۔ اُن کے ساتھ بدسلوکی سے اُن کے بعد بلخ میں پھر کوئی صوفی نہ ہوا۔
- الشیخ عبداللہ بن ابی حمزہؒ نے جب یہ کہا کہ میں نبی ﷺ سے عالم بیداری میں ملا کرتا ہوں تو اُن کی تکذیب و تردید کیلئے ایک مجلس منعقد ہوئی اور اُن کے خلاف شدید ردعمل ظاہر ہوا جس کے نتیجہ میں انہوں نے جمعہ کے سوا گھر سے نکلنا چھوڑ دیا اور اسی کیفیت میں عالم بالا کا سفر اختیار کیا۔
- حضرت امام غزالیؒ پر کتاب احیاء العلوم لکھنے کے باعث تکفیر کا فتویٰ دیا گیا لیکن منکروں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی مدد کی اور بعدازاں لوگوں نے کتاب کو آبِ زر سے لکھا۔ فتویٰ دینے والوں میں قاضی عیاض اور ابن رُشد شامل تھے۔
- امام ابوالحسن شاذلیؒ کو مراکش سے نکال دیا گیا' اور آگے سکندریہ خبر پہنچا دی گئی کہ ''مغربی زندیق'' پہنچنے والا ہے تو لوگوں نے گالیوں سے استقبال کیا۔ اسی طرح شیخ احمد بن کبیر رفاعی (متوفی: ۵۷۸ھ) پر زندقہ' الحاد اور محرمات کو حلال قرار دینے کے الزامات لگائے گئے۔ انہوں نے رسالہ الحکم الرفاعیہ لکھا تھا جس کی بعض عبارتوں کو آج بھی علمائے ظواہر اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتے ہیں (رسالے کا اردو ترجمہ عبدالحکیم شرر نے کیا اور لاہور کے ایک ناشر نے ۱۹۶۷ء میں شائع کیا تھا۔ رسالے میں تصوف کی حقیقت' شریعت وطریقت کی وحدت و یگانگت صوفیائے عظام اور علمائے ظواہر کے باہم اختلاف کی موثر انداز میں مذمت کی گئی ہے۔ شیخ کا قول ہے کہ ''دو چیزیں دین میں ترقی دلاتی ہیں۔۔۔ ایک تنہائی میں ذکر اور دوسرے نعمت الٰہی کا حد سے زیادہ تذکرہ۔۔۔'' فرماتے ہیں: اے محتاج شخص! نمرود کے گھوڑے سے اتر کے پیادہ ہو ٥ یہ نہ

سمجھ کہ مہندی کا رنگ تیرے بڑھاپے کو چھپا دے گا ٥ صوفی وہ ہے جس کے نفس کا آئینہ ایسا صاف ہو گیا کہ اُسے دوسروں پر اپنی فضیلت نظر نہیں آتی۔ ٥ عارف کی پہچان یہ ہے کہ اپنے حال کو چھپائے ٥ شیخ وہ ہے جس کا ظاہر و باطن شرع ہو ٥ صوفیہ کے ہر قول و فعل سے ہوشیار و خبر دار رہنا' انکار نہ کرنا ٥ جو شخص بغیر مرشد کے راستے پر چلتا ہے' الٹے پاؤں واپس آتا ہے' یہ طریقت ورثے میں نہیں ملتی بلکہ اس کیلئے عمل و جہد' حدود معینہ پر قائم رہنا' اللہ جل شانہٗ کی درگاہ میں آنسو بہانا لازمی امور ہیں۔

(یہ واقعات مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر نقل کئے گئے ہیں۔ تفصیلات کیلئے دیکھیئے الطبقات الکبریٰ مُصنّفہ علامہ عبدالوہاب الشعرانی: نفیس اکیڈیمی۔ کراچی)

٥ خداوند تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے کہ نیکو کار بندے' شریروں کے ہاتھوں اور بدکاروں کی زبانوں سے اس دنیا میں سخت تکلیف اٹھائیں اور حقیر و مردار شخص بھی نیکی کرنے والے کے حق میں بدی اور بے ضرر آدمی کے ساتھ مکر و فریب کرے تاہم خدا کی مدد جب خلوص اور منکسر المزاج بندوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ ''آگاہ رہو کہ جو اللہ کے گروہ والے ہیں انہیں کیلئے فلاح ہے'' قرآن الحکیم میں اللہ کے نیک بندوں کی آزمائش و ابتلاء کی جو مثالیں بیان کی گئی ہیں وہ اس امر پر شاہد ہیں کہ جو شخص بھی رجوع الی اللہ کی بلند و بالا وسعتوں میں پرواز کا تمنائی ہو کر میدان میں اترے گا اُسے طرح طرح سے آزمایا جائے گا۔ چنانچہ فرمایا گیا:

> ٥ ''اور بے شک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے پس اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا انہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے تھے اور ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے (دعویداروں) کو (29 العنکبوت: 2-3)

اللہ تعالیٰ لوگوں کی ایذا رسانی اور پھر اپنی نصرت' ہر دو طریقوں سے آزماتا ہے تاکہ مؤمن اور منافق علیحدہ علیحدہ نظر آ جائیں۔ چنانچہ فرمایا گیا:

٥ ''اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ پر پھر جب ستایا جائے اسے راہ خدا میں تو بنا لیتا ہے لوگوں کی آزمائش کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر' اور اگر

آ جائے نصرت آپ کے رب کی طرف سے تو کہنے لگتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہر اُس چیز کو جو لوگوں کے سینوں میں ہے اور ضرور دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور ضرور دیکھ لے گا منافقوں کو'' (29۔العنکبوت:10-11)

- '' کیا تم خیال کر رہے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ نہیں گزرے تم پر وہ حالات جو گزرے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے ہوئے ہیں۔ پہنچی انہیں سختی اور مصیبت اور لرز اُٹھے یہاں تک کہ کہہ اُٹھا (اُس زمانے کا) رسول اور جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ' کب آئے گی اللہ کی مدد؟ سن لو! یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے''۔ (البقرة2:214)
- اللہ تعالیٰ کی آزمائش کبھی خوف اور بھوک اور کبھی مال جان اور پھلوں کی قلت کی صورت میں (155:2)'
- کبھی صالح اور غیر صالح افراد کو گناہوں اور نیکیوں کی شکل میں آزمایا جاتا ہے (168:7)'

آخر کار کامیابی و کامرانی صرف ان لوگوں کا مقدر ٹھہرتی ہے جو صبر و شکر کے ساتھ مذکورہ آزمائشوں سے گزر جاتے ہیں۔ فرمایا گیا:

- ''اور خوشخبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو جو کہ جب پہنچتی ہے اُنہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بیشک ہم صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن پر اُن کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ثابت قدم ہیں'' (البقرہ2:155 تا 157)

{☆☆☆}

باب-15

تہذیبوں کے مابین تصادم
(CLASH OF CIVILIZATIONS)
مغربی مفکروں کا نعرہ : ''اسلامی تہذیب کو ختم کردو''

تہذیبِ مغرب اور مسلم امہ
تصادم ...... یا ...... تعاون
(ہنٹنگٹن کی بدنامِ زمانہ تجزیاتی رپورٹ کی روشنی میں)

یہ بات محض ایک خیال آرائی نہیں بلکہ رفتارِ عالم مسلمانوں اور غیر مسلموں کو دوٹوک الفاظ میں ایسے نتائج سے روشناس کرا رہی ہے کہ ان دو قوتوں کے مابین بس پنجہ آزمائی ہوا چاہتی ہے حال ہی میں امریکہ' برطانیہ کا افغانستان اور عراق پر حملہ اور اُس کے نتیجہ میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں (عورتوں' بچوں اور بزرگوں) کا خونِ ناحق' لاکھوں افغانوں کا خانماں برباد ہونا' بے گناہ نہتے فلسطینیوں پر اسرائیل کے حملے' کشمیری مسلمانوں پر بھارتی جبر و استبداد' بوسنیا اور چیچنیا میں مسلمانوں کا بے دریغ قتلِ عام اور بہت سے دوسرے ناگفتہ بہ واقعات و حقائق ہمارے اس تجزیہ کے ناقابلِ تردید ثبوت ہیں۔ خاص طور پر امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کی طرف سے تو 11 ستمبر 2001ء کو جڑواں ٹریڈ ٹاورز نیویارک اور امریکی افواج کے ہیڈ کوارٹرز

پینٹاگون کی تباہی کے بعد غضبناک انداز میں دی گئی صلیبی جنگ کے چیلنج کی دھمکی کی تو اور کوئی تعبیر ہو ہی نہیں سکتی کہ دنیا اب مسلم و مغربی تہذیبوں کے مابین تصادم کے دہانے پر کھڑی ہے۔ اب اگر مسلمان اُمہ کے چھپن ممالک کے سربراہ خطرے کو دیکھ کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے رکھنے میں ہی عافیت سمجھتے ہوں تو پھر تباہی و بربادی کے سوا مسلم اُمہ کا اور کوئی مقدر ہو نہیں سکتا۔ یہاں یہ امر واقعہ اور حقیقت حالات بھی پیش نظر رہے کہ جڑواں ٹریڈ ٹاورز کی تباہی کے دن جو چار ہزار یہودی اس تجارتی مرکز میں کام کر رہے تھے وہ حیرت انگیز طور پر غیر حاضر تھے لہٰذا اسرائیل میں Twin Towers میں مرنے والوں کا کوئی سوگ نہیں منایا گیا۔ کیونکہ مرنے والوں میں یہودی تو موجود ہی نہیں تھے۔ دوسری جانب امریکہ نے حملہ آور ہوائی جہازوں میں موجود جن انیس (19) مبینہ ہائی جیکروں کی تصاویر شائع کیں اُن میں سے بعض زندہ موجود پائے گئے۔ لیکن حیرت ناک چُستی اور پھرتی دکھاتے ہوئے الزام اُسامہ بن لادن پر لگا دیا گیا اور بن لادن کی تنظیم القاعدہ کو اس دہشت گردی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے افغانستان پر بلا جواز حملہ کر دیا گیا جہاں طالبان کی حکومت تھی' جو شریعت اسلامیہ کو ملک میں نافذ کر چکے تھے۔ دنیا چیخ چیخ کر کہتی رہی کہ یہ سب سازش روس' اسرائیل اور بھارت کی ہو سکتی ہے' روس افغانستان اور چیچنیا میں اپنی شکست کا بدلہ افغانستانیوں اور مسلمانوں سے لینا چاہتا تھا اور اسرائیل پہلے سے مسلمانوں اور عیسائیوں کو نیست و نابود کرنے کے عزائم رکھتا تھا جب کہ بھارت' کشمیریوں کی جنگ آزادی سے تنگ آ کر پاکستان کو مشکل میں ڈالنے کی تدابیر ہمیشہ سے پیش نظر رکھتا ہے۔ چنانچہ افغانستان کو تباہ و برباد کیا جا چکا ہے۔ یہ طوفانِ بلا کدھر کا رُخ اختیار کرے گا' پردہ اٹھنے کی منتظر تھی نگاہ۔ کہ اِس طوفانِ بلا نے عراق کا رُخ اختیار کیا اور اُسے تاخت و تاراج کرنے کے بعد ایران اور شام کو دھمکایا جانے لگا۔ پاکستانی سائنسدانوں کو گرفتار کر لیا گیا جس پر پوری پاکستانی قوم سراپا احتجاج بن گئی لیکن حکمرانوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ گویا کہ عالم اسلام کی واحد ایٹمی قوت کی تباہی و بربادی کی شروعات کر دی گئیں۔۔۔ امریکی سول اور جنگی رہنما کھلم کھلا یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ دنیا کے کم سے کم ساٹھ ممالک میں القاعدہ نیٹ ورک کو تباہ کیا جائے گا۔ جن میں چھپن مسلمان ملکوں' خاص طور پر ایران' عراق' لیبیا' شام' صومالیہ' لبنان' فلسطین' سعودیہ' پاکستان' یمن کے علاوہ غیر مسلم انقلابی ممالک کیوبا اور شمالی کوریا وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس پس منظر میں یہاں ہم استاذی المحترم پروفیسر اشفاق علی خان مرحوم و مغفور کا ایک مضمون ہدیہء

قارئین کر رہے ہیں جس میں بھرپور طور پر اسی نتیجہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مضمون کا عنوان ہے'' تہذیب مغرب اور مسلم امہ ۔ تصادم یا تعاون''۔ یہ مضمون نوائے وقت کی ٦ تا ٩ اکتوبر 1994ء کی اشاعتوں میں نظر نواز ہوا جو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ

کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ
(اقبال)

اس تجزیاتی مضمون کی آخری قسط میں پروفیسر موصوف رقمطراز ہیں:

میں نے 1992ء کے وسط میں ہالینڈ کے ایک سرحدی قصبے میں ایک پڑھے لکھے سیاح کو یہ کہتے سنا کہ جرمنی میں ایک ایسا قانون بھی بنوایا گیا جس کی بنا پر اس شخص کو گرفتار کیا جا سکتا ہے جو کہے کہ ہولوکاسٹ میں ساٹھ لاکھ یہودیوں کا قتل ایک مبالغہ ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد جرمنی کا کچومر نکلا ہوا تھا اور وہ کسی طرح بھی اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں تھا چنانچہ خود جرمنی گورنمنٹ نے ایسے قوانین بنائے جن کی رو سے واپس آنے والے جرمن یہودیوں کو ان کی املاک سستے داموں منتقل کر دی گئیں۔ 1993ء (اگست ستمبر کے مہینوں میں) راقم الحروف امریکہ کی ریاست مشی گن میں تھا جب امریکہ میں انتہائی طاقتور اور دولت مند یہودیوں کے ایما پر ایک ہولوکاسٹ میوزیم کی بنیاد رکھی گئی۔ اس میں ان تمام یہودیوں کی تصاویر لٹکائی گئی تھیں جو متعلقہ کمیٹی کے مطابق جرمنی میں گیس کی بھٹیوں میں مارے گئے تھے۔ اس وقت بھی یہ خیال سننے میں آیا کہ تاریخ کے ہر موڑ پر لاتعداد انسان جان سے گئے لیکن ان کے بارے میں ان کے اس وقت کے مخالفین منافرت کی آگ بھڑکائے رکھنا انسانیت کے مستقبل کیلئے کوئی نیک فال تصور نہیں کرتے۔ امریکہ کا ہولوکاسٹ میوزیم تمام آریائی نسل کی اقوام کیلئے عموماً اور جرمن قوم کیلئے خصوصاً کبھی نہ بھلائی جانے والی جانی دشمنی کی یادگار ہے جسے یہودی ہر طرح سے سینچتے رہتے ہیں۔

اسلام واحد دین ہے جو غیر مسلموں کو مساوی شہری حقوق عطا کرتا ہے۔

مندرجہ بالا صورت حالات کے پیش نظر اسلامی اُمہ کے بارے میں جریدہ اکانومسٹ میں ایک سروے رپورٹ شائع ہوئی جس میں اسلام اور مغرب کے مابین صلح جوئی اور امن اور

آشتی کے قیام کیلئے اتفاق کا سوال اٹھایا گیا جو انتہائی مشکل اور پیچیدہ ہے۔ اندریں حالات صحیح تو یہ ہے کہ اسلام واحد دین ہے جس میں یہودیوں اور دیگر غیر مسلموں کو یکساں بنیادی حقوق خالق کائنات کی طرف سے دیئے گئے ہیں اور مسلمانوں کو اور تمام انسانیت کو ایک جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد قرار دے کر ان کے مابین مساوات اور ایک دوسرے پر حقوق کے نظام حیات کی اساس قائم کی گئی ہے لیکن یہودی بالادستی کے موجودہ دور میں اسلامی امہ کے ساتھ اقوام مغرب نے جو سلوک کیا اور اب بھی کر رہی ہے اس سے کس طرح آنکھیں بند کی جا سکتی ہیں؟

تہذیبوں کے مابین تصادم

(اکانومسٹ کی سروے رپورٹ)

اکانومسٹ کی زیر نظر سروے رپورٹ سے قبل بھی ایک یہودی مفکر اور تاریخ دان نے ٹھیک ایک سال پہلے کرہ ارض پر مستقبل کی جنگوں کے متعلق قیاس آرائی کی تھی۔ امریکہ کی سب سے زیادہ ساکھ والی ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر سیموئیل پی ہنٹنگٹن نے جریدہ فارن افیئرز کے موسم گرما کے شمارے میں نظریہ پیش کیا تھا کہ قوموں کے درمیان جنگوں کا دور جا چکا ہے۔ اب تہذیبوں کے مابین جنگیں ہوں گی۔ اور ان جنگجو تہذیبوں میں مغرب سے تصادم کی اولین باری اسلامی تہذیب کی ہوگی۔ راقم الحروف اسوقت امریکہ میں مشی گن ریاست میں مقیم تھا اور مجھے یہ رسالہ حاصل کرنے میں خاصی تگ و دو کرنا پڑی۔ لیکن میں اسے اس غور سے نہیں پڑھ سکا کہ جو ایک سنجیدہ طالب علم کیلئے ضروری ہے۔ وجہ یہ تھی کہ ہنٹنگٹن کا انداز اسلام مخالف تعصب سے نا قابل برداشت حد تک پر تھا اور میں اسے دو تین مرتبہ ورق گردانی سے زیادہ توجہ نہ دے سکا۔ اس آرٹیکل کا حوالہ چھ اگست 1994ء کے اکانومسٹ میں سروے کے صفحہ 3 پر ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی اور فارن افیئر کی ساکھ یہودی ابلاغ نے کچھ ایسی بنالی ہے کہ توقع کی جاتی تھی کہ ہنٹنگٹن کے مضمون کو امریکی کانگریس اور سینٹ کے ممبران کے علاوہ امریکہ کے چوٹی کے عالم طبقے کا ہر فرد پڑھتا ہے اور اس کی بنا پر پالیسی سازی کی جاتی ہے۔ اس لمبے مضمون کا عنوان ''کلیش آف سوی لائزیشنز'' (ترجمہ۔ تہذیبوں کے مابین تصادم) قائم کیا گیا تھا اور الجزائر، لیبیا، مصر، فلسطین، بوسنیا، عراق سے لے کر بحر الکاہل کے ممالک تک کے مسلم کش واقعات کے حوالے سے کلیہ قائم کیا گیا تھا

کہ اسلامی تہذیب کی سرحدیں خون آلودہ ہیں۔ لیکن اس سوال سے اغماض برتا گیا تھا کہ ہر جگہ خون مسلمانوں کا بہایا جا رہا ہے اور یہودی ابلاغ کا طوفان دنیائے اسلام کے خلاف فنڈ امینٹل ازم کے حوالے سے منافرت کی آندھی چلا رہا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس وقت تک یمن کے برادر کش واقعات رونما نہیں ہوئے تھے اور افغانستان میں مسلمانوں کی آپس کی جنگ کو سر فہرست نہیں رکھا جا رہا تھا۔ کیونکہ وہاں سب سے پہلے ہتھیار اور انگیخت امریکہ نے فراہم کی تھی۔ میں نے اس وقت بھی کلیش آف سوی لائزیشنز کو سطحی اور تضادات سے پُر پراپیگنڈہ سمجھا تھا جس کا مقصد امریکہ اور یورپ کے ممالک کو اسلامی دنیا کے خلاف بھڑکایا جا سکے اور یہودی اور ان کے آلہ کار خصوصاً میڈیا کے کارکن اس عمل میں شریک ہوں۔ میرے اندیشے صحیح نکلے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ابلاغ کی مہم تیز تر ہوگئی لیکن حتمی نتائج اسلام کے دشمنوں کی توقعات کے مطابق نہ نکلے۔ ہر اسلامی ملک میں دین کے طرف داروں اور پیروکاروں کی مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں میں اضافہ نظر آنے لگا اور عوام الناس نے لادینیت اور مادہ پرستی سے بیزاری ظاہر کی۔ تہذیبوں میں تصادم کے پالیسی ساز یہودی مزاج مفکر پروفیسر ہنٹنگٹن نے اہل مغرب کو یعنی مغربی ممالک کی حکومتوں کو پیغام دیا تھا کہ اسلامی تہذیب کو تباہ کرو کیونکہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام کے گروہوں میں عقیدے ایمان، ارادے اور ایثار کی وہ قوت نہیں ہے جو اسلامی دنیا میں ہے۔ چنانچہ دنیا کے ہر خطے میں مسلمانوں کا خون بہایا جانے لگا اور انہیں فساد اور تفرقے کی نئی ٹیکنالوجی کے استعمال سے خفیہ اداروں مثلاً موساد سی آئی اے اور ہندوستان کی را کے ذرائع کی مدد سے آپس میں لڑایا جانے لگا اور ان اندرونی خانہ جنگیوں کو باور کرایا جانے لگا کہ بس مسلمان اب ختم ہونے والے ہیں لیکن جب حقائق کو اعداد و شمار کی ذریعے پر رکھا گیا تو مسلم امہ مضبوط تر اور زیادہ طاقتور ہوتی دکھائی دی۔ ہنٹنگٹن کی تھیوری کے تضادات واضح تھے۔ عالمی ابلاغ کے مطابق یورپ میں ایک طرف جرمنی، برطانوی، فرانسیسی اطالوی وغیرہ بارہ یورپی ممالک کی آبادیاں اپنی صدیوں پرانی قوم پرستی پر مبنی رقابتوں کو پس پشت ڈال کر ایک واحد یورپی قومیت میں اپنا تمدنی تشخص غرق کرتی ظاہر کی گئیں لیکن دوسری طرف آئرلینڈ، فرانس، جرمنی، بالٹک کی ریاستیں، روسی قومیتیں اور بلقان میں سرب کروسیائی سلوواک بوسنیائی یونانی وغیرہ اپنے مقامی نیشنلزم کے دفاع میں لڑنے مرنے پر آمادہ نظر آئے۔ تعجب اس بات پر ہے کہ پروفیسر ہنٹنگٹن نے بوسنیا کی خونیں سرحدوں پر مسلمانوں کا استقلال دینی تو نوٹ کیا لیکن انہیں آئرلینڈ میں

پروٹسٹنٹ اور کیتھولک خانہ جنگی اور دہشت گردی نظر نہیں آئی۔ اسی طرح فرانس میں باسک اقلیت کی نسلی علیحدگی پسندی بھی قابل معافی دکھائی دی سربیائی قومیت کا جنون بھی مغربی تہذیب کی یکرنگی میں کھپ گیا۔ اسی طرح آذربائی جان نگورنو قراباغ میں آرمینیا کی دہشت گردی اس لئے قابل مذمت نہ سمجھی گئی کہ وہ ایک مسلم قومیت کے خلاف لامحدود تشدد کا مظہر تھی۔

اسلامی تہذیب لوہالاٹھ وحدت ہے: بیڈہم مغربی طاقتوں کا خوف خطرناک صورت اختیار کرتا گیا

اکانومسٹ کے سروے کے پہلے حصے کا مصنف بیڈہم لکھتا ہے کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ بیسویں صدی کے آخر میں اسلام ہی وہ واحد نظریہ ہے جو جدید مغربی فلسفۂ زندگی کا مقابلہ کرسکتا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام میں ''یقین'' (اللہ، رسولؐ اور آخرت پر ایمان) کا عنصر ایک چٹان کی طرح مضبوط ہے۔ کیونکہ وہ قرآن کریم کو اللہ کا کلام سمجھتے ہیں اور اس میں ان کے نزدیک دو آراء نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ اسلامی تہذیب ایک لوہالاٹھ وحدت ہے۔ یہ حقیقت روئے زمین پر کہیں اور نہیں ملتی اور لگاتار نئے لوگ بڑی تعداد میں اس پختہ یقین کے حلقے میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ گذشتہ پچیس سال میں مسلمانوں کو بہت سی ناکامیاں پیش آئی ہیں اور وہ ان کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ یورپ میں خوف پیدا ہورہا ہے کہ مسلم یقین وایمان پر مبنی دنیا کا آخری نظریہ ان سے ٹکراؤ کی طرف بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔ ہلال کی شکل میں ایک مسلم منطقے کے کنارے مغربی اور مشرقی یورپ کو اپنی لپیٹ میں لیتے نظر آرہے ہیں۔ ایک نئی کولڈ وار یعنی سرد جنگ شروع ہوسکتی ہے اور یہ سرد جنگ گرم جنگ میں تبدیل ہوسکتی ہے۔ (دلچسپ امر ہے کہ اب تو یہ گرم جنگ میں تبدیل ہوکر افغانستان کو ہڑپ کرلینے کے بعد عراق کی اینٹ سے اینٹ بجاچکی ہے اور ایران اور لیبیا کو سرنگوں کرچکی ہے اور شام، سعودی عرب اور پاکستان پر اپنے جبڑے کھولے ہوئے انہیں بھی اپنے پنجۂ استبداد میں جکڑ لینے میں سرگرم عمل ہے۔۔۔ مؤلف کتاب ھٰذا)

''راقم الحروف سمجھتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے ان خطرات کا احساس اہل مغرب کے دلوں میں گہرا جاگزین ہوچکا ہے اور یورپ اور امریکہ کے یہودی آقاان

اندیشوں کے خوف میں سینکڑوں سال سے مبتلا اور متحارب تدابیر میں مسلسل اضافہ کرتے چلے آئے ہیں لیکن ہر دور میں مسلمان قرآن اور سنت کی طرف لوٹتے رہے ہیں اور عبادات، رجوع الی اللہ میں سعی کرتے رہے ہیں۔ یہ دنیادار ذہن کو بھی سمجھ آتا ہے کہ عبادت الٰہی سے ایمان اور عقیدے میں وہ پختگی اور یقین حاصل ہوتا ہے کہ جسے زیر نظر سروے کے مصنف نے وحدت اسلامی کی سب سے بڑی وجہ قرار دیا ہے۔ آج جبکہ ہر اسلامی ملک اور مسلمانوں کو ہر جگہ زک پہنچائی جا رہی ہے۔ مسلمان عبادات کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ خود امریکہ میں مسجدیں نوجوانوں سے بھر رہی ہیں اور نئی مسجدیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ (اگرچہ 11 ستمبر کے واقعہ کے بعد بعض مساجد کو تاراج بھی کیا گیا اور وہاں مسلمان خود کو محفوظ شمار نہیں کر رہے۔ مؤلف) یعنی وہ اتحاد جو کسی ممکنہ صورتحال میں مسلمانوں کے دفاع کی بنیاد بن سکتا ہے اس اتحاد اور اخوت کی گہری بنیاد پھر قائم ہو رہی ہے۔ اکانومسٹ کے سروے کے صفحہ 3 پر وہ خیالات پیش کئے گئے ہیں جنہیں بین الاقوامی یہودیت کی طرف سے امن اور تعاون کی مشروط پیشکش کہا جا سکتا ہے۔ برائن بیڈہم لکھتا ہے کہ "ان دو تہذیبوں (یعنی اسلامی اور مغربی) میں بہت سی باتیں مشترک ہیں جو کہ کنفیوشیس یعنی چینی اور ہندو تہذیبوں میں نہیں دیکھی جا سکتیں۔ اگرچہ دونوں تہذیبوں (یعنی اسلامی اور مغربی) کا ماخذ ایسے مذاہب میں ہے جن کے ماننے والے ایک خدائے واحد پر ایمان رکھتے ہیں۔

یہودی اور مغربی ابلاغ، حقائق کو مسخ کرنے کے ماہر ہیں

راقم الحروف قارئین محترم کو یاد دلانا چاہتا ہے کہ یہ فقرے یہودی ہفتہ وار اکانومسٹ سے ترجمہ کئے جا رہے ہیں۔ راقم کی ان میں تائید شامل نہیں ہے۔ یہودی ابلاغ میں حقائق کو اپنے مفاد کے مطابق جھکا دینا عام مغربی ابلاغ کا معمول ہے۔ انگریزی زبان میں اس قدر مترادفات کو جگہ دی جا چکی ہے کہ راقم الحروف جو کہ نصف صدی سے زیادہ سے انگریزی پڑھتا اور پڑھاتا چلا آ رہا ہے۔ بعض دفعہ سوچتا ہے کہ آیا انگریزی زبان ایسے نپے تلے اظہار کا ذریعہ بن سکتی ہے جس میں ڈنڈی نہ ماری جا سکے؟ اس اعتبار سے اردو زبان بہتر نظر آتی ہے خصوصاً جب کہ وہ قرآن کریم کے محاورے کے نزدیک ہو۔ انگریزی زبان کے ایک سے زیادہ معنی ہونا بیان اور نطق کیلئے مضرت رساں ہے۔ اس کا ایک جیتا جاگتا ثبوت امریکی روزنامہ یو ایس اے ٹوڈے کے 23 اگست 94ء کے شمارے کے صفحہ 1/A پر دیکھیں۔ سابق صدر کلنٹن نے جرائم کی روک تھام کا

کرائم بل کانگریس کے ایوان زیریں سے منظور کرالیا جس پر سینٹ کے رکن اورن ہیچ نے مخالفت کی اور کہا اس بل کی ''زبان سوفٹ (نرم) اور'' اور فلفی'' (یعنی نرم بالوں والی) ہے جو جرائم کے خلاف کچھ نہیں کرے گی'' جدید دور کی انگریزی میں اس قدر لچک ہے کہ کسی معنی پر ٹھہرتی ہی نہیں' یہ تہذیب مغرب کے زوال کی ایک جھلک ہے۔

یہودی ابلاغ نے مغربی دنیا پر اسلام کا ہوّا مسلط کر دیا ہے

اس جملہ معترضہ کیلئے معذرت کے ساتھ اب ہم 6 اگست 1994ء کے اکانومسٹ کی سروے رپورٹ بعنوان اسلام اور مغرب کے صفحہ پانچ کالم ایک کی طرف لوٹتے ہیں اور چند فقروں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جن کے لفظی معانی میں ابہام ہے چنانچہ اصل معنی پیش خدمت ہیں۔ ''مغرب والے نہیں مانتے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کو اپنے الفاظ میں لکھوایا اور کوئی مسلم حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا نہیں سمجھتا۔ یہ اختلافات اہم ہیں لیکن اس کے ساتھ بہت سے عقائد مشترک ہیں۔ ایک مسلم فرد اور ایک مغربی فرد دونوں، دوسرے مذاہب والوں کے مقابلے میں زیادہ واضح طور پر سمجھتے ہیں کہ ہر فرد اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ وہ آپس میں نیکی اور بدی کی اصلیت کے بارے میں تبادلہ خیال کر سکتے ہیں۔ یا حقوق ملکیت یا ماحول کی حفاظت کے ضمن میں تقریباً برادرانہ ماحول میں بات کر سکتے ہیں۔''

زیر مطالعہ سروے کے دوسرے حصے میں الجزائر کی کشیدہ صورتحال کا ذکر کیا گیا ہے۔

الجزائر سولہویں صدی میں سلطنت عثمانیہ میں آیا اور انیسویں صدی میں اس پر فرانسیسیوں نے قبضہ کر لیا۔ 1962ء میں عرب مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کامیاب ہوئی۔ 1962ء میں جمہوری انتخابات کے نتیجے میں اسلامی طرز حیات کی حامی جماعت بڑی اکثریت سے کامیاب ہوئی جس پر فرانسیسی دور کے مغربی مزاج کے فوجی لیڈروں نے انتخابات کالعدم قرار دیدیئے۔ اس وقت سے اسلامیت اور مغربیت کے حامیوں میں مسلح کشمکش چل رہی ہے اور ہزاروں لوگ مارے جا چکے ہیں۔ یورپ کے لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر جمہوری طریقے سے منتخب ہونے والے اسلام کے حامی حکومت میں آ گئے تو تباہی آ جائیگی۔ (پاکستان میں بھی 2002ء کے انتخابات میں مذہبی جماعتوں (ایم ایم اے) کی حیرت انگیز کامیابیوں نے الجزائر جیسی ہی صورت حالات پیدا کر دی تھی۔۔۔ مؤلف) اکانومسٹ کے سروے کے مصنف کا خیال ہے کہ الجزائر میں اسلامی حکومت

بن جانے سے کرہ روم کے شمال کی یورپی طاقتوں اور جنوبی ساحل کے اسلامی ممالک میں جنگ چھڑ جائے گی جو اس امر کی دلیل ہے کہ اہل مغرب اس خوف اور گمراہی کے قیدی ہیں جو یہودی ابلاغ نے دنیا پر اسلام کے خوف' خصوصاً گذشتہ نصف صدی سے اسرائیل کے بن جانے کے بعد مسلط کر رکھا ہے ورنہ مسلمانوں نے بلقان میں چار سو سال سے زیادہ حکومت کی اور ان علاقوں کے لوگوں کو امن اور ترقی کی منازل سے ہمکنار کیا۔ یہ کیوں اور کیسے ہوا؟ اکانومسٹ میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔ البتہ دو سو سال سے اہل یورپ نے مشین سازی کے بل بوتے پر تمام اسلامی دنیا کو تاخت و تاراج کیا اور اب ان میں اکثر لوگ اسلام اور مغرب کے تصادم کی پیشگوئی کر رہے ہیں۔ دراصل یوں کہنا چاہئے کہ مغربی دنیا کے یہودی آقا مغرب اور اسلامی امہ کے مابین جنگ کی پیشگوئی کر رہے ہیں اور اکانومسٹ کی افہام وتفہیم کی باتیں اسلامی ممالک کے سربراہوں کی اس چوکسی اور ذہنی تیاری میں کمزوری پیدا کرنے کیلئے ہیں کہ جو کشمیر، بوسنیا، افغانستان، یمن (اور اب عراق کے غیر یقینی حالات کے پیش نظر) کے واقعات اور تلخ تجربات سے پیدا ہوئی ہے۔ اسلامی دنیا اس وقت مشین سازی، ہتھیاروں کی تیاری اور رائج الوقت اقتصادی فلسفہ کے مطابق خود کفالت سے دور ہے۔ چنانچہ مادہ پرست مورخین یہ سوچ سکتے ہیں کہ پیشتر اس کے کہ مسلمان ممالک ان تمام مدوں میں جدید پیشرفت کریں انہیں یورپ اور امریکہ کی مشترکہ طاقت سے ایسا کچل دینا چاہیے کہ پھر نہ اٹھ سکیں اور یہودی ذہنی یلغار سے ان کے تصور حیات اور عقائد کو بدل کر اسلام کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن الجزائر، مصر اور ترکی میں یہ پلان خیال خام ثابت ہوا ہے (افغانستان اور عراق کے موجودہ حالات بھی کچھ اور ہی نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ اگرچہ ایران اور لیبیا کی طرف سے ایٹمی طاقت کے پھیلاؤ کے ضمن میں گھٹنے ٹیک دینے اور پاکستان میں ایٹمی سائنسدانوں کی کمر توڑ دینے سے کچھ مایوس کن صورت بھی پیدا ہو چکی ہے۔۔۔مؤلف) اور اسلام کو جس قدر دبایا گیا اسی قدر اس کا ردعمل شدید ہوا۔ (مضمون پروفیسر اشفاق علی خان شائع کردہ 8-9 اکتوبر 1994ء)

(امت مسلمہ بیسویں صدی عیسوی کے آخری عشرہ یا اکیسویں صدی کے آغاز میں جن حالات سے دو چار ہوئی وہ پروفیسر صاحب کے مضمون سے کسی حد تک واضح ہے۔۔۔مؤلف)

رقص بسمل یعنی ڈیڈ مین ڈانسنگ

افغانستان میں امریکہ' برطانیہ' یورپ اور ان کے حواری ملکوں کی مچائی ہوئی تباہی اور اپنوں اور پرائیوں کی غداری' مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے اور انہیں خواب غفلت سے جگانے کیلئے کیا کافی نہیں؟ برطانوی اخبار سنڈے ٹائمز نے افغانستان میں مغربی طاقتوں کی اشیر باد اور اُن کے کمانڈوز کی باقاعدہ نگرانی میں ہونے والی بربریت کے کچھ لرزہ خیز نمونے پیش کیے جن میں ادنیٰ ترین درندگی یہ تھی کہ افغانی' پاکستانی' چیچن' عرب اور دوسرے غیر افغانی طالبان کے سر قلم کر کے ان کی گردنوں کے سوراخوں میں پٹرول بھر کر آگ لگائی جاتی' پھر شعلے اگلتا ہوا خون جب جسم سے باہر نکلتا تو کئی مجاہدین اسلام کی سرکٹی لاشیں رقص کرنے لگتیں جسے مہذب انگریزی اور شائستہ امریکی اصطلاح میں ڈیڈ مین ڈانسنگ (Dead-men Dancing) کہا جاتا۔ یہ غیر انسانی ظلم پرانے زمانے میں وحشی حکمرانوں کا مشغلہ ہوا کرتا تھا اور اسے رقص بسمل کہا جاتا تھا۔ نومبر 2001ء کے آخری عشرہ میں قندوز کے محصور مجاہدین سے پہلے حفاظت مال و جان کی امان کا وعدہ کیا گیا اور پھر اُن کے ساتھ یہی مہذب کھیل کھیلا گیا۔ ہزاروں غیر ملکی طالبان مجاہدوں کو گرفتار کر کے کھلی پک اَپ گاڑیوں میں جلوس کی صورت میں لے جا کر مزار شریف کے جھنگی قلعہ میں قید کیا گیا اور پھر تین دن تک مسلسل اُن پر امریکی درندہ صفت ہوابازوں نے بمباری جاری رکھی۔ مجاہدوں نے اپنے مخالف شمالی اتحاد کے فوجیوں سے اسلحہ چھین کر اُن پر حملہ کیا جس سے سینکڑوں درندے جہنم واصل ہو گئے۔ اور چند ایک امریکی بھی مارے گئے۔ اس طرح سے بی بی سی اور سی این این ٹیلی ویژن رپورٹوں کے مطابق ایک بھی مجاہد زندہ یا زخمی حالت میں گرفتار نہ کیا جا سکا کیونکہ مجاہدین اپنی گرفتاری پر شہادت کو ترجیح دینے پر ڈٹے ہوئے تھے' ایسی صورتِ حال پر فیض احمد فیض کی ایک نہایت خوبصورت رباعی ہے:

پھر حشر کا سامان ہے ایوانِ ہوس میں
بیٹھے ہیں عدل فہم۔۔ گنہگار کھڑے ہیں
ہاں جُرمِ وفا دیکھیے کس کس پہ ہو ثابت
وہ سارے خطا کار سرِدار کھڑے ہیں

مغرب اسلام کا خاتمہ چاہتا ہے' جنرل حمید گل

دو متضاد تہذیبوں کی جنگ میں اسلام کی بنیاد یقین کامل پر ہے

آئی ایس آئی کے سابق سربراہ اور ممتاز دانشور ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل حمید گل نے بھی ایک بیان میں کہا تھا کہ تہذیبوں میں تصادم کا آغاز ہو چکا' یہود و ہنود مل کر ساتھ اسلامی ممالک کو مفلوج کرنے کیلئے متحد ہو گئے ہیں۔ افغانستان میں قتل عام کے بعد امریکی صدر بش ماڈرن چنگیز خان کے روپ میں سامنے آئے۔ انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ ٹیکنالوجیز اسلام آباد میں ''تہذیبوں کے درمیان مذاکرات کی اہمیت'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ موجودہ جنگ روح و بدن اور مادیت پرستی و آفاقیت کے درمیان ہے۔ مذاکرات برابری کی بنیاد پر ہوتے ہیں لیکن موجودہ حالات میں یہود و ہنود اور عیسائی متحد ہو کر مسلم امہ کو کچلنے کے مشترکہ ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں۔ ایسے حالات میں مذاکرات ممکن نہیں اور نہ ہی مغرب مذاکرات کی میز پر آئے گا۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ صورت حال میں ہم امریکہ کے اتحادی نہیں بلکہ اپنے ہی برادر اسلامی ملک افغانستان کی تباہی اور مسلمانوں کے قتل عام میں مہرے کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ ہمیں ہماری اوقات امریکی صدر کئی بار یاد دلا چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ملا عمر نے گولڈن کارپٹ کے بجائے آگ پر چلنے کو ترجیح دی اور اپنی قومی و دینی غیرت و حمیت پر سودے بازی نہیں کی۔ جبکہ دیگر مسلم حکمرانوں نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اور ایک ٹیلیفون کال پر امریکہ کے احکامات کی تابع فرمانی کی۔ جنرل حمید گل نے کہا کہ موجودہ صورت حالات میں امریکہ اور روس نے چین کو دور رکھا ہے تا کہ مستقبل میں چین کا ناطقہ بند کیا جا سکے۔ ستر اور اسی کی دہائی میں روس اور امریکہ نے کارل مارکس اور ایڈم سمتھ کے فلسفوں کی بنیاد پر سرد جنگ لڑی لیکن 1985ء میں صدر ریگن کو سابق صدر نکسن نے خط لکھ کر متنبہ کیا کہ آپس میں لڑائی بند کرو اور اسلام کے خلاف جنگ کیلئے متحد ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ اسامہ بن لادن اور ملا عمر ایک بہانہ ہیں دراصل یہ دو متضاد فلسفہ ہائے زندگی کی جنگ ہے۔ اسلام کی بنیاد یقین کامل پر ہے جبکہ مغرب کی بنیاد منطق اور استدلال ہے لبرل ازم کوئی مذہب نہیں۔ مغرب ''فنڈامینٹل ازم'' کی اصطلاح استعمال کر کے دنیا کو عالم اسلام کے خلاف کارروائی کرنے پر قائل نہیں کر سکا تھا لیکن گیارہ ستمبر (2001ء) کو ایک سو دس منزلہ ٹریڈ ٹاور

پر حملہ) کے بعد اس نے بڑی ہوشیاری سے دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے جھنڈے تلے سب کو اکٹھا کرلیا ہے۔ کیونکہ ''فنڈامینٹل'' تو عیسائی ہندو' یہودی سبھی ہیں۔ جنرل حمید گل نے کہا مغربی عورت کو بے لباس ہونے کا پورا حق ہے تو ہماری خواتین کو با لباس ہونے کا بھی پورا حق ہونا چاہیے۔ لیکن لبرل اور مہذب معاشرے کے دعویدار مسلم خواتین کے سروں سے سکارف نوچ رہے ہیں اور بی-52 طیاروں کے ذریعے ڈیزی کلسٹر بم گرا کر تباہی پھیلا رہے ہیں۔ ایسے میں تہذیبوں کے درمیان مذاکرات کیسے ممکن ہو سکتے ہیں۔ دراصل امریکہ ٹیکنالوجی کی طاقت سے پوری دنیا پر اپنی حکمرانی چاہتا ہے جبکہ مغربی تہذیب اخلاقیات سے عاری ہے۔ ہنری کسنجر بھی کہتا ہے کہ مسلمانوں کو ختم کردو' جبکہ علامہ اقبالؒ ہمیں ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں مستقبل کے خطرات سے آگاہ کر چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں جب تک حریت پسند افغانی باقی ہیں اسلام زندہ رہے گا۔ اس وقت مغرب کی یہی کوشش ہے کہ افغانیوں کو کہساروں سے نکال دیں۔ حمید گل نے کہا شہادتیں اللہ کی طرف سے انعام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں شکست و فتح کے پیمانے اور ہیں۔ ملا عمر اور اسامہ بن لادن کے فلسفے کا صدر بش کے فلسفے سے کوئی موازنہ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا طالبان کے مزاحمت کرنے کی وجہ سے اس وقت امریکہ و یورپ میں اسلام کے بارے میں سب سے زیادہ کتب فروخت ہو رہی ہیں اور لوگ جاننا چاہتے ہیں کہ آخر وہ کیا فلسفہ ہے جس پر لوگ مرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور سرنڈر نہیں کرتے۔ اس لئے مادیت اور روحانیت کے درمیان ڈائیلاگ کبھی بھی نہیں ہو سکتے۔ جنرل حمید گل نے کہا کہ طالبان کی خواہش پر وہ 19 اگست 2001ء کو دورہ افغانستان پر گئے تو وہاں مثالی امن قائم تھا' انسانی ہمدردی' انصاف' امن' تحفظ کا احساس' ناموسِ خواتین اور چادر اور چار دیواری کا پورا تحفظ تھا۔ جبکہ طالبان تحریک کا آغاز بھی ایک لڑکی کے گینگ ریپ کے ردعمل کے طور پر ہوا تھا۔ یہ تحریک ملا عمر نے شروع کی تھی۔ حمید گل نے کہا کہ افغانستان میں تمام تر پابندیوں کے باوجود پاکستان کی نسبت آٹا' چینی' ڈیزل' بجلی کے نرخ کہیں زیادہ کم تھے۔ افیون کی کاشت بند ہو چکی تھی۔ ملا عمر نے افغان عوام سے تاریخ میں پہلی بار ہتھیار واپس لئے تھے۔ وہاں ایک نظام' ایک اسلامی معاشرہ تشکیل پا رہا تھا۔ یہی بات ان کی تباہی کا باعث بنی۔ طالبان نے پولیس کے بغیر افغانستان میں جرائم پر قابو پایا کیونکہ طالبان کرپٹ نہیں تھے۔ جبکہ ہمارے حکمرانوں نے طالبان کے مقابلے میں ملک کو بے دردی سے لوٹا۔ جنرل حمید گل نے کہا کہ ہمارے مسلم حکمران اور علمائے سو مسلم امہ کے نمائندے نہیں اس لئے دانشوروں کا ایک

فورم تشکیل دیا جائے اور ایک مضبوط ویب سائٹ لانچ کی جائے۔ جس کی پشت پناہی ایک مضبوط پریشر گروپ کرے جو اقتدار کا خواہش مند نہ ہو۔ مسلم ملت اسلامیہ خود ڈائیلاگ کرے اور مولویوں اور حکمرانوں کا انتظار نہ کرے۔ دراصل مغرب مسلم امہ میں جذبہ جہاد ختم کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں مغربی پالیسیوں سے اختلاف کر کے اصولی مزاحمت کرنی چاہیے اور اپنے دفاع کو مضبوط بنا کر نیوکلیئر صلاحیت کو بڑھانا چاہئے۔ (نوائے وقت 9 دسمبر 2001ء)

مظفر وارثی کا خوبصورت قطعہ ہے:

بکھری ہوئی ہیں آج بھی مسلم حکومتیں ملتی ہے شکل گزرے زمانے سے حال کی
کرنا ہے پار خون کا دریا ہمیں کچھ اور جیتیں گے ہم ہی جنگ، صلیب و ہلال کی

ساحر لدھیانوی کا مشہور شعر ہے:

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے خون پھر خون ہے بہتا ہے تو جم جاتا ہے

اس صورت حالات میں مسلمانوں کیلئے چارۂ عمل کیا ہونا چاہئے؟ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئیوں کی روشنی میں مسلمانوں کو کس طرز عمل کا پابند ہونا چاہیے وہ صرف اور صرف رجوع الی اللہ اور ''اتحادِ عمل'' ہے جس کے سوتے اصلاح قلوب اور اتحاد نظریات سے پھوٹ سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم فرقہ بازی کی لعنت میں مبتلا ہو کر یا علمی و فکری اناؤں کا شکار ہو کر ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہیں ہمیں بنیان مرصوص بن کر طاغوتی طاقتوں کے سامنے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ڈٹ جانا ہوگا تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار۔ موجودہ دور کے ایک صاحب دل نوجوان شاعر سیف علی سیف نے کیا خوب کہا ہے اور جو صوفیائے عظام کے طویل سفر پر نہایت عمدگی سے صادق آتا ہے۔

سوا نیزے پہ سورج سے لڑا ہوں
میں تانبے کی زمینوں پہ کھڑا ہوں

مری گہرائیاں پاتال تک ہیں
میں قامت میں ہمالہ سے بڑا ہوں

بہادر سب کے سب کام آ چکے ہیں
میں رن میں یکہ و تنہا کھڑا ہوں

کوئی کوتاہ قد کیا دیکھ پائے
میں سچ کی کس بلندی پہ کھڑا ہوں

حدیث جبریلؑ سے رہنمائی' رجوع الیٰ اللہ: کتب احادیث میں حدیث جبریلؑ کو اصول دین کے بیان میں بنیادی حیثیت حاصل ہے جس میں دین کو اسلام ایمان اور احسان سے مرکب بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ (کتاب الایمان) کے مطابق:

> ''جبریلؑ نے عرض کیا، مجھے احسان کے متعلق بتایئے، رسول اللہؐ نے فرمایا اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا اے عمرؓ! کیا تم جانتے ہو سائل کون تھا؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا گیا یہ جبریلؑ تھے۔ تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔''

اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے امام مالکؒ کا قول نقل فرمایا:

> ''امام مالکؒ نے فرمایا جس نے فقہ کے بغیر تصوف حاصل کیا وہ زندیق ہوا اور جس نے تصوف سیکھے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا وہ فاسق ہوا اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہوا۔ خوب سمجھ لو' دین کی بنیاد اور اس کی تکمیل کا انحصار فقہ، کلام اور تصوف پر ہے اور اس حدیث شریف میں تینوں کا بیان ہوا ہے۔ اسلام سے مراد فقہ ہے، ---- ایمان سے مراد عقائد ہیں ----- اور احسان سے مراد اصل تصوف ہے جو صدق دل کے ساتھ توجہ الیٰ اللہ سے عبارت ہے۔'' (اللمعات شرح مشکوٰۃ : شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ)

آگے فرماتے ہیں:

''خلیفۂ رسول صرف وہ شخص ہوگا جس نے دین کے تینوں شعبے جمع کئے ہوں''
(تفہیمات الٰہیہ : ۱۴)

مزید فرمایا:

> ''دین میں تصوف بہ منزلہ روح فی الجسد ہے'' (تفہیمات الٰہیہ)

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی طرف سے بھی کچھ اسی قسم کے اصول وقواعد بیان ہوئے ہیں شاہ صاحب نے فرمایا: تصوف وسلوک تواتر سے ثابت ہے اور اتنی بڑی جماعت کا تواتر ہے جو علم وعمل، زہد وتقویٰ اور خشیتِ الٰہی میں

اپنی نظیر نہیں رکھتی، درویشان خدامست کی ایسی اور اتنی بڑی جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا عقلاً محال ہے۔ اللہ کے ولیوں سے دشمنی اللہ سے جنگ کے مترادف ہے۔

مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں

عہدالست سے اب تک نسل انسانی جن مراحل سے گزری وہ اس امر پر شاہد ہیں کہ ہم ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں جس سے اگلا مرحلہ ظہور المہدیؑ کا ہوگا اور یہ وہ نکتہ ہے جس پر زبردست اجماعِ امت ہے اہل سنت، اہل حدیث اور اہل تشیع یکساں طور پر اس مسئلہ میں اعتماد و یقین رکھتے ہیں۔

دوسری طرف 6 اگست 94ء کے اکانومسٹ (Economist) کے تجزیہ کے مطابق دنیا اب ایک ایسی صورت حالات سے دوچار ہے کہ جہاں دو تہذیبیں آپس میں ٹکرانے والی ہیں یعنی اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب۔ اور اس ٹکراؤ کا آغاز سرد جنگ کی صورت میں شروع ہوا اور جو گرم جنگ کی صورت بھی اختیار کر چکا ہے۔ اگر مغربی دنیا یا اینگلو امریکن و یورپی تہذیب بحیثیت مجموعی غیر مسلم تہذیب کشت و خون سے بچنا چاہتی ہے تو اس کا صرف ایک راستہ ہے جو سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں سنیئے:

سید ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب ''مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں'' (شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی) میں لکھتے ہیں:

سن لیجئے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔ دنیا کے فساد کا ذمہ دار مذہب نہیں ہے دنیا کا فساد یہ نہیں ہے کہ مذہب مذہب سے لڑ رہا ہے، مذہب کے مذہب سے لڑنے کا دور ختم ہوا۔ صدیوں پہلے ختم ہوا آج بیچارے مذہب کو کون موقع دیتا ہے کہ وہ میدان میں آئے، آج غیر مذہبی انسان غیر مذہبی انسان سے لڑ رہا ہے آج غرض غرض سے لڑ رہی ہے آج ہوس ہوس سے ٹکرا رہی ہے، آج شیطان شیطان سے ٹکرا رہا ہے، آج مال سے مال ٹکرا رہا ہے، آج اقتدار اقتدار سے لڑ رہا ہے، آج حکومت حکومت سے لڑ رہی ہے، آج وزارت وزارت سے لڑ رہی ہے، آج پارٹی پارٹی سے لڑ رہی ہے۔

ساری لڑائی اغراض کی ہے:

آپ نے دو عظیم جنگوں کا نقشہ دیکھا ہے ان میں کون سا مذہب کس مذہب کے خلاف لڑا تھا، کہاں صلیبی جنگ تھی؟ کیا وہ اسلام و عیسائیت کی آویزش تھی؟ حاشا و کلا۔ مذہب اس سے

بری ہے، یہ مذہب کی خوبی ہو یا مذہب کی کمزوری ہو، مجھے اس سے بحث نہیں، مذہب آج اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ دوسرے مذہب سے ٹکرائے، خلوص خلوص سے کبھی نہیں ٹکرایا۔ روحانیت روحانیت سے کبھی نہیں ٹکرائی۔ یہ الزام ہے۔ اتہام ہے بہتان ہے۔ میں تاریخ کو چیلنج کرتا ہوں' تاریخ کے پروفیسروں کو چیلنج کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ بھی بتادیں کہ خلوص خلوص سے لڑا ہو' خلوص میں خلوص سے لڑنے کی صلاحیت ہی نہیں، خلوص جب خلوص کی طرف بڑھے گا، پہچان لے گا، بھائی بھائی کو پہچان لیتا ہے' نیک نیک کو پہچان لیتا ہے' ماں اپنے بیٹے کو پہچان لیتی ہے بیٹا اپنی ماں کو پہچان لیتا ہے' اس سے زیادہ مخلص مخلص کو پہچانتا ہے' کبھی مخلص مخلص سے نہیں لڑ سکتا کبھی روحانیت روحانیت سے نہیں لڑ سکتی' کبھی نیکی نیکی سے نہیں لڑ سکتی' کبھی صداقت صداقت سے نہیں لڑ سکتی، ہمیشہ جھوٹ جھوٹ سے لڑتا ہے' ہمیشہ نفاق نفاق سے لڑتا ہے' ہمیشہ باطل باطل سے لڑتا ہے' ہمیشہ اغراض اغراض سے لڑتی ہیں، سارا فساد دنیا میں اغراض کا ہے، اغراض کے سوا آج کچھ نہیں ہے، امریکہ میں اغراض کے سوا کچھ نہیں ہے' یورپ میں اغراض کے سوا کچھ نہیں ہے اور افسوس کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے اس برصغیر ہندو پاکستان میں اغراض کے سوا کچھ نہیں ہے' آج ساری دنیا میں اغراض کی کارفرمائی ہے آج لوگوں کو روٹی نہیں ملتی تو اغراض کی بدولت' آج لوگوں کو تن چھپانے کے لئے کپڑا نہیں ملتا تو اغراض کی بدولت' آج انسان انسان کے خون کا پیاسا ہے اغراض کی بدولت آج کل جو فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں وہ بھی اغراض کا کرشمہ ہیں' مذہب کا نام بدنام ہے، ۔۔۔۔ مذہب کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک شاہراہ کے سوا آج سارے راستے بند ہیں:

میں صاف کہتا ہوں کہ اسلام کا بھی اس سے کوئی تعلق نہیں، ہندو مذہب کا بھی تعلق نہیں، عیسائیت کا بھی تعلق نہیں ایک مذہبی اور انصاف پسند انسان کی حیثیت سے میں اعلان کرتا ہوں کہ مذہب کا کوئی قصور نہیں، احمد آباد میں اغراض اغراض سے لڑیں، انسانیت دشمنی تھی جو سامنے آئی' آج جہاں کہیں بھی کشت وخون ہو رہا ہے آج جہاں کہیں بدامنی ہے آج جہاں کہیں انسان انسان کو پامال کر رہا ہے' گھروں کو تاراج کر رہا ہے، بستیوں کو بے چراغ کر رہا ہے، وہاں صرف اغراض ہیں اور یہ سلسلہ کبھی بند نہیں ہو سکتا، اس کے بند کرنے کی طاقت دنیا کے کسی فلسفے میں نہیں' اس کے بند کرنے کی طاقت کسی مفکر کے پاس نہیں، راستے گم ہیں، دروازے بند ہیں، انسان کی قسمت پر مہر لگ

چکی ہے، صرف ایک راستہ ہے، اور وہ راستہ صرف انبیاء علیہم السلام کا بتایا ہوا راستہ ہے۔

اے یورپ کے داناؤ! اے امریکہ کے لال بجھکڑو! تم راستہ کھو چکے' مسیح علیہ السلام نے تم کو ایک راستہ بتایا تھا، جب تک محمد ﷺ کی بعثت نہیں ہوئی وہ راستہ بھی منزل تک پہنچانے کے لئے کافی تھا، مگر اے عقل وانسانیت کے دشمنو! تم نے مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا دامن چھوڑ دیا' کلیسا پر افتراء ہے' الزام ہے کلیسا میں ہزاروں خرابیاں سہی، کلیسا نے بہت غلط کردار ادا کیا، لیکن کلیسا جنگوں کا ذمہ دار نہیں، کلیسا نے وحدت پیدا کی یورپ کی منتشر طاقتوں کو ملایا اور وہاں کے لوگوں نے صاف صاف کہا کہ جب سے لوتھر کی تحریک دنیا میں آئی اس نے عیسائیت کو جو کچھ بھی فائدہ پہنچایا ہو' اس نے یورپ کی وحدت کو پارا پارا کر دیا، ایک کلیسائے اعظم ایک اسقف اعظم کے نیچے جو یورپی اقوام جمع ہوگئی تھیں' اور صدیوں سے زندگی گزار رہی تھیں، ان کا تار تار بکھر گیا' ان کی لڑی ٹوٹ گئی' وہ ایسی منتشر ہوئیں کہ آج کوئی طاقت کوئی فلسفہ کوئی نظام خواہ وہ اقتصادی نظام ہو' خواہ وہ کوئی سیاسی نظام ہو' خواہ وہ جمہوریت ہو، خواہ ڈکٹیٹر شپ ہو' کوئی اس وحدت کو دوبارہ لانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ہمارا علاج ہمارے اندر ہے:

دنیا کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ ہمارا مرض ۔۔۔۔۔ ہمارے اندر ہے اور ہمارا علاج بھی ہمارے اندر ہے' جس چیز کو ہم باہر تلاش کرتے پھرتے ہیں وہ ہمارے اندر ہے' وہی قصہ ہے کہ کسی کی کوئی چیز کھو گئی تھی گھر کے اندر اور باہر اس کو تلاش کر رہا تھا' کسی نے کہا کہ وہ چیز کہاں گری تھی؟ اس نے کہا گھر کے اندر' اُس نے کہا کہ گھر کے اندر کیوں نہیں تلاش کرتے؟ کہنے لگا گھر کے اندر روشنی نہیں' روشنی باہر ہے' اس لئے جہاں روشنی ہے وہاں میں تلاش کر رہا ہوں۔

آج ساری دنیا کے لال بجھکڑ یہی کر رہے ہیں' حقیقت گم ہوئی تھی ہمارے دل کے اندر' ہمارے وجود کے اندر' ہمارے ارادوں کی اندر' ہمارے یقین کا جو سرچشمہ ہے اس کے اندر لیکن چونکہ اس میں تاریکی ہے' اور تاریکی ہے ایمان نہ ہونے کی وجہ سے' تاریکی ہے اس وجہ سے کہ نبوت کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ گیا' لیکن ملے گی وہ چیز وہیں، باہر گیس کے ہنڈے کی روشنی سہی' لیکن جو چیز جہاں گری ہے وہ چیز وہیں ملے گی، تم نے جس چیز کو گھر کے اندر کھویا ہے اس کو گھر کے باہر مت ڈھونڈو، گھر کے اندر آؤ' چراغ جلاؤ' ایمان کی مشعل مانگ کر کے لے آؤ لیکن خدا کے لئے گھر میں آؤ اور تلاش کرو جو چیز جہاں گری ہے قانون خداوندی ہے عقل کا فیصلہ ہے وہ چیز وہیں ملے گی۔

دنیا کے دکھوں کا واحد علاج دل میں ایمان کا چراغ:

تم نے دل کی دنیا میں یقین کھویا، تم نے دل کی دنیا میں انسان کی محبت کھوئی، تم نے دل کی دنیامین ایمان کھویا، تم نے دل کی دنیا میں انسان پر اعتماد کھویا، تم نے دل کی دنیا میں خدا کی محبت کھوئی، اب تم اس کو باہر تلاش کر رہے ہو، تم اس کو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر تلاش کر رہے ہو، تم اس کو سیاسی کانفرنسوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو سیاسی پارٹیوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو یونیورسٹیوں کے ایوانوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو کتب خانوں کے گوشوں میں تلاش کر رہے ہو، خدا کا قانون ہے خدا کی قدرت کا فیصلہ ہے کہ جو چیز جہاں کھوئی ہے وہیں ملے گی، یہ کھوئی ہوئی چیز جسے تم نے دل میں کھویا ہے اور تم جانتے ہو کہ تم نے کیا کھویا ہے، تمہیں یاد ہے وہ دن جس دن تم نے اسے کھویا تھا، تمہیں وہ گھڑی یاد ہے جس گھڑی تم نے اس کو کھویا تھا، وہ چیز جب گری تھی اس کی آواز آئی تھی، شیشہ گرتا ہے تو اس کی جھنک پیدا ہوتی ہے وہ کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ ریت میں گر کر کھوگئی ہو اور آواز نہ آئی ہو اس کی رسید آئی، اس نے اعلان کیا کہ میں جارہی ہوں، ایمان جب کھویا تم کو معلوم ہے اس کی صدائے بازگشت تمہارے کانوں میں آئی، محبت جب کھوئی تو اس کی آواز آئی اس نے پکارا، اس نے تم کو دہائی دی کہ میں جارہی ہوں، نبوت کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو تم کو احساس ہوا اور بتانے والوں نے بتایا، تم نے سنی ان سنی کردی، یورپ کے داناؤ! یورپ کے لال بجھکڑو! تم نے اس وقت ایسا شور مچا رکھا تھا، ایسی گھنٹیاں بجا رکھی تھیں، ایسے ناقوس بجا رکھے تھے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کو عطا کی ہوئی چیز کھوئی تھی اور زمین پر گر کر اس نے آواز دی تھی تو تم نے اس کی آواز نہیں سنی لیکن مسلمان تم کو بتاتا ہے کہ وہ چیز تم نے کہاں کھوئی، ڈھونڈنے والوں کو وہیں ملے گی، آب حیواں کا چشمہ وہیں ملتا ہے جہاں ہوتا ہے، ہزار دریا سہی سمندر سہی، راوی و چناب سہی اور گنگا و جمنا سہی لیکن آب حیواں کا چشمہ تاریکیوں میں ملے گا، انہی تاریکیوں میں جانا پڑے گا، پہلے تاریکیاں پڑیں گی پھر آب حیواں کا چشمہ ملے گا۔

اب دنیا کا کوئی علاج، نہیں سننے والے سن لیں، لکھنے والے لکھ لیں، کرنے والے یاد کر لیں کہ اب دنیا کا کوئی علاج نہیں ہے، علاج صرف یہی ہے کہ رسول اللہ کا دامن پکڑا جائے اور اور پھر وہ چراغ بھی روشن کیا جائے جس سے دل کی کھوئی ہوئی چیز ملے، دل کا سرا گم ہو چکا، دل تک پہنچنے کا راستہ کسی کے پاس نہیں افسوس یہ ہے کہ راستہ نہیں، دل تک پہنچنے کا راستہ بہت نازک ہے یہ

بہت پتلی گلی ہے مگر راستہ وہی ہے۔

سن لو! کہ دماغ ہفت زباں ہے لیکن دل یک زبان' دماغ انگریزی جانتا ہے' دماغ فرانسیسی جانتا ہے' دماغ عربی جانتا ہے اعلیٰ سے اعلیٰ تقریریں کرو، لطیف نکتے پیدا کرو' بلند سے بلند فلسفیانہ بحثیں کرو، لیکن دل ایک زبان جانتا ہے' دل انصاف کی زبان جانتا ہے، دل محبت کی زبان جانتا ہے' دل۔۔۔۔۔۔۔۔ فلسفوں سے نہیں سمجھے گا، باریکیوں سے نہیں سمجھے گا، سائنس سے نہیں سمجھے گا' دل تو ایک ایمان کی زبان جانتا ہے خدا کا نام لو تو دل جاگ اٹھے گا، خدا کے نام سے پکارو، دل دوڑ پڑے گا، خدا کے نام کی دہائی دو، دل سب کچھ نچھاور کر دے گا اور جب دل تیار ہو جائے گا تو پھر کسی چیز کی کمی نہیں، وسائل کی کمی نہیں طاقت کی کمی نہیں، تنظیم کی کمی نہیں، دولت کی کمی نہیں، دانائی کی کمی نہیں' سب قدموں کے نیچے ہیں' لیکن دل کو جگا لو اور دل کو ایک مرتبہ خیر کے راستے پر ڈال دو اور دل میں انسان کی محبت پیدا کر دو، دل کی اس بنجر زمین میں پھر صلاحیت پیدا کرو، اور صلاحیت پیدا نہ ہوگی، جب تک اپنے سفلی اغراض و مقاصد کی کھاد اس میں نہ ڈالو، یہ تمہاری دولت پرستی، یہ تمہاری جاہ پرستی، یہ تمہاری غرض پرستی' یہ تمہاری حکومت پرستی' یہ کھاد ہے دل کی جب اس کو کھاد بنا کر زمین پر ڈالو گے تو دل کی کھیتی خزانہ اگلے گی' پھر خلوص پیدا ہوگا، کھاد ہوگی، ۔۔۔۔۔۔۔ تم نے دیکھا ہے کہ کھاد ہمیشہ گندی ہوتی ہے مگر کھاد سے جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ کیسی لطیف و نظیف ہوتی ہے' جب اغراض کی' غلط مقاصد کی کھاد، انسانیت دشمنی کی، ۔۔۔۔۔۔ جاہ پرستی کی، ۔۔۔۔۔۔ اور حکومت پرستی کی کھاد ڈالو گے تو اس سے خلوص برآمد ہوگا، اس سے صداقت برآمد ہوگی، اس سے انصاف برآمد ہوگا' اس سے انسانیت کی فلاح کی طلب برآمد ہوگی اور پھر دنیا میں بہار آئے گی اور یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے گی۔

پھر نظامِ گلستاں ہوگا جنوں والوں کے پاس
(واصف علی واصف کے قیمتی مشورے)

اگرچہ علی میاں (سید ندوی) نے یہ قیمتی مشورے مغرب کو دیئے ہیں لیکن امت مسلمہ کیلئے بھی سرفرازی اور سربلندی کا صرف یہی ایک راستہ ہے البتہ امت کی باہمی چپقلش کو دیکھتے ہیں تو واصف علی واصف کے یہ شعر بے اختیار لبوں پر آ جاتے ہیں:

مت پوچھ کہ میں کتنی بلندی سے گرا ہوں　　دے مجھ کو دلاسا کہ میں اب ٹوٹ چکا ہوں
اب جاں سے گزرنے کا ہے اک مرحلہ باقی　　رشتوں کی اذیت کا سفر کاٹ چکا ہوں

جب انہوں نے دیکھا کہ منزلیں گم ہو گئیں، رشتے فضا میں کھو گئے۔ شاہبازوں کے علاقے لے گئے زاغ و زغن تو ان کے لب پر حرف مدعا کچھ اس طرح سے آ جاتا ہے۔

پھر نظام گلستاں ہوگا جنوں والوں کے پاس　　باندھ کر نکلے گی پوری قوم جب سر سے کفن

جنابِ واصف چند برس قبل اپنے اللہ کے حضور حاضر ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔انہوں نے اپنا دیوان ''شب چراغ'' ازراہ محبت ۳۰ جولائی ۱۹۸۸ء کو راقم الحروف کو عطا کیا تو اس پر آخری شعر کا پہلا مصرع درج کرتے ہوئے لکھا" لودھی صاحب کو یاد دلانے کیلئے' ہم زبان و ہم خیال دوست واصف کا یہ دیوان جسے پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور دل و دماغ میں اللہ، حبیبؐ اللہ، اولیاؒ اللہ کی محبت اور پاکیزہ جذبوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ واصف (مرحوم) جانتے تھے کہ ہماری آپس کی گفتگوؤں کا محور و مرکز ہمیشہ ملک و ملت کی خیر و فلاح و سربلندی اور حلقہ ہائے صوفیہ میں جوش و جذبہ اور اتفاق و اتحادِ عمل و یقین پیدا کرنا اور نسل انسانی کو خلوص و محبت کے ذریعے اسلام کے ازلی و ابدی پیغام و نجاتِ اخروی سے روشناس کرانے پر مبنی ہوتا تھا۔

☆☆☆

باب-16

دورِ فتن سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیاں

پُر آشوب مادی ادوار میں اُمتیوں کو کیا کرنا چاہیے؟

”حرزِ جاں کن گُفتۂ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم“

............(ماخوذ از مشکوٰۃ المصابیح جلد دوم)............

اُمت کیلئے قیامت تک کا لائحہ عمل

حضرت حُذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور خطبہ فرمایا۔ اور جو باتیں اس وقت سے قیامت تک ہونے والی تھیں ان سب کا ذکر کیا۔ جن لوگوں نے یہ باتیں یاد رکھیں، یاد رکھیں اور جو بھول گئے، بھول گئے۔ حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ میرے یہ دوست، یعنی صحابہ اس سے واقف ہیں (یعنی ان میں سے بعض کو وہ باتیں یاد ہیں اور بعض بھول گئے ہیں اور میں بھی بھول گیا ہوں) لیکن جب کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے جس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی تو مجھے وہ بات یاد آ جاتی ہے جس طرح ایک غائب شخص ایک عرصے کے بعد پھر سامنے آ جائے اس کے چہرے کو دیکھ کر لوگ اسے پہچان لیتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

(۱) خبردار چٹائی کے تنکوں کی طرح فتنے ڈالے جائیں گے

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ فتنے ڈالے جائیں گے اس طرح لوگوں کے دلوں پر جس طرح کہ چٹائی کے تنکے ہوتے ہیں (یعنی برابر اور زیادہ تعداد میں) پس جو دل ان فتنوں کو قبول کرلے گا۔ ہم اسکے اندر ایک سیاہ نشان ڈال دینگے۔ اور جو دل ان فتنوں سے متاثر نہ ہوگا ہم اس پر ایک سفید نشان ڈال دینگے غرض دو قسم کے دل ہونگے ایک تو سفید مثلِ سنگ مرمر جن پر کسی قسم کا کوئی فتنہ اثر انداز نہ ہوگا۔ اس وقت جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں اور دوسرا دل سیاہ راکھ کی مانند جیسے الٹا برتن جس میں کچھ باقی نہ رہے یہ دل نہ تو امرِ معروف (نیک کاموں) سے آگاہ ہوگا اور نہ برے کاموں کو برا جانے گا۔ مگر صرف اس چیز سے واقف ہوگا' جو اس کے دل میں پیوست ہوگئی ہے (یعنی انسانی خواہشات میں سے)۔ (مسلم)

(۲) وقت آئیگا' دنیادار عقلمند کہلائے گا

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو باتیں بیان فرمائیں ان میں سے ایک کو دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی جڑ میں ڈالی گئی ہے پھر انہوں نے (ایمان کے نور سے) قرآن کو جانا پھر جب وہ دوبارہ سوئے گا تو اس کے دل سے امانت کا بقیہ اثر بھی نکال لیا جائیگا اور دل میں ایک ابلہ جیسا نشان رہ جائیگا۔ جیسے تو آگ کی چنگاری کو اپنے پاؤں پر ڈال دے اور اس پر آبلہ پڑ جائے جو بظاہر پھولا اور اٹھا ہوا ہوگا۔ لیکن اندر سے خالی ہوگا۔ پھر (ایسا ہونے کے بعد) جب لوگ صبح کو اٹھیں گے تو آپس میں حسب معمول خرید و فروخت کرینگے اور ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جو امانت ادا کرے (یعنی حقوق شرعیہ ادا کرے) یہاں تک کہ یہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امین و دیانت دار شخص ہے اور اس زمانے میں ایک شخص کو جسے دنیاداری میں کمال حاصل ہوگا' کہا جائے گا کہ کس قدر عقلمند ہے اور کس قدر ہوشیار ہے اور کس قدر خوبصورت ہے اور کس قدر چالاک ہے۔ حالانکہ اس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

(۳) فتنوں سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو جانے کا حکم

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں' کہ لوگ اکثر رسول اللہ ﷺ سے نیکی کا سوال کرتے تھے

(یعنی نیک باتوں اور نیک کاموں کو دریافت کرتے رہتے تھے) اور میں آپ سے برائیوں اور فتنوں کی بات پوچھا کرتا تھا۔ اس خیال سے کہ کہیں میں کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ ایک روز میں نے عرض کیا یا رسول اللہ علیہ وسلم! ہم جاہلیت میں مبتلا اور بدی کے زمانے میں تھے۔ پھر خداوند تعالیٰ نے ہمیں یہ بھلائی عطا فرمائی (یعنی اسلام) کیا اس بھلائی کے بعد بھی کوئی برائی پیش آنے والی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا کیا اس بدی و برائی کے بعد بھی بھلائی ہو گی؟ فرمایا ہاں۔ اور اس بھلائی میں جو برائی کے بعد ہوگی کدورت پائی جائے گی۔ فرمایا ہاں۔ عرض کیا وہ کدورت کیا ہوگی؟ فرمایا کدورت سے مراد وہ قوم ہے جو میرے طریقہ کے خلاف طریقہ اختیار کرے گی۔ اور لوگوں کو میری راہ کے خلاف راہ بتائے گی تو ان میں دین کو بھی دیکھے گی اور دین کے خلاف امور کو بھی (یعنی ان میں مشروع اور غیر مشروع دونوں باتیں پائی جائیں گی) میں نے عرض کیا کیا اس بھلائی کے بعد بھی برائی ہوگی؟ فرمایا ہاں۔ ایسے لوگ ہونگے جو دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو بلائیں گے (یعنی علانیہ گمراہی پھیلائیں گے) جو شخص ان کی جہنمی دعوت قبول کرے گا۔ وہ اسے جہنم میں دھکیل دیں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ علیہ وسلم! ان کی صفت بیان فرمایئے (یعنی وہ کون لوگ ہوں گے اور کیسے ہوں گے) فرمایا وہ ہماری قوم یا جنس میں سے ہوں گے اور ہماری ہر زبان میں گفتگو کریں گے۔ میں نے عرض کیا۔ اگر وہ زمانہ مجھے آئے تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ (یعنی اگر وہ لوگ میری زندگی میں ظاہر ہوئے تو اس وقت مجھے کیا کرنا چاہیے) فرمایا مسلمانوں کی حمایت کو لازم پکڑ اور ان کے امام کی اطاعت کر۔ میں نے عرض کیا اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت نہ ہو اور امام بھی نہ ہو (تو کیا کرنا چاہیے؟) فرمایا تو تمام فرقوں سے علیٰحدہ ہو جا۔ اگر چہ تجھے درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے یہاں تک کہ موت تجھے اپنی آغوش میں لے لے (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ حضور علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میرے بعد امام (خلیفہ یا بادشاہ) ہونگے جو میرے طریقہ پر نہ چلیں گے اور میری روش کو اختیار نہ کرینگے۔ اور ان میں سے چند لوگ ایسے ظاہر ہوں گے جن کی صورت آدمیوں کی ہوگی اور دل شیطانوں کے سے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں یہ زمانہ پاؤں تو کیا کروں: فرمایا۔ امیر جو کچھ کہے اسے سن اور امیر کی اطاعت کر۔ اگر چہ تیری پشت پر مارا جائے اور تیرا مال چھین لیا جائے۔ پھر بھی سننا اور اطاعت کرنا۔

(۴) فتنوں سے بچنے کیلئے نیک اعمال میں جلدی کرو

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اعمال (نیک) میں جلدی کروان فتنوں کے پیش آنے سے پہلے جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہونگے (کہ اس وقت) آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھیگا اور شام کو کافر ہو جائیگا اور شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا کہ اپنے دین ومذہب کو دنیا کی تھوڑی سی متاع پر بیچ ڈالے گا۔ (مسلم)

(۵) جہاں پناہ ملے گوشہ نشین ہو جاؤ

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا ان فتنوں کے زمانے میں کھڑا ہونے والا بہتر ہوگا۔ اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ جو شخص ان فتنوں کی طرف جھانکے گا فتنہ اسی کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ پس جو شخص (اس زمانے میں) پناہ کی کوئی جگہ پائے وہ وہاں جا کر پناہ حاصل کر لے (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ فتنہ آئے گا۔ جس میں سونے والا شخص جاگنے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والے سے جاگنے والا بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ پس (اسوقت) جو شخص پناہ کا کوئی ٹھکانا پائے وہاں جا کر پناہ حاصل کرے۔

(۶) فتنوں سے بھاگ جا، گوشۂ تنہائی اختیار کر لے

حضرت ابو بکرؓ کہتے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا اور یاد رکھو کہ پھر ان فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ پیش آئیگا اس بڑے فتنے میں بیٹھا ہوا شخص چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا فتنہ کی طرف دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ خبردار جب یہ فتنہ وقوع میں آئے تو وہ شخص جس کے پاس زمین ہو وہ اپنی زمین میں جا پڑے (یعنی تمام کاموں کو چھوڑ کر گوشۂ تنہائی اختیار کر لے اور ان چیزوں میں مشغول و منہمک ہو جائے ایک شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! جس کے پاس اونٹ بکریاں اور زمین نہ ہو وہ کیا کرے؟ فرمایا۔ وہ اپنی تلوار کی طرف متوجہ ہو اور اسے پتھر مار کر توڑ ڈالے (یعنی اسکی دھار کو بیکار کر دے۔ تا کہ جنگ و پیکار کا خیال دل میں پیدا نہ ہو) اور پھر اسے چاہیے کہ ان فتنوں سے نجات پانے کیلئے بھاگ نکلے

اگر وہ جلد ایسا کر سکے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے اللہ تعالیٰ! میں نے تیرے احکام تیرے بندوں کو پہنچا دیئے۔ تین مرتبہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اگر مجھ پر جبر کیا جائے اور مجھے ایک شخص اپنی تلوار سے مارے یا کوئی تیر آ کر لگے اور مجھے مار ڈالے تو میری نسبت آپ کا کیا خیال ہے: فرمایا تیرے قاتل پر اپنا اور تیرا دونوں کا گناہ ہوگا اور یہ شخص دوزخیوں میں شمار ہوگا۔ (مسلم)

(۷) جنگلوں میں چلا جا اور دین کو بچا لے

حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ وہ زمانہ قریب ہے۔ جب مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی کہ وہ انہیں لے کر پہاڑ کی چوٹی پر یا مینھ کے گرنے کی جگہ (جنگل کے نالوں پر چلا جائے گا اور فتنوں سے بھاگ کر اپنے دین کو بچا لے گا۔ (بخاری)

(۸) خبردار! فتنے تمہارے گھروں پر مینہ کی طرح برسیں گے

حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ مدینہ کے ایک بلند مکان پر چڑھے اور صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا تم اس چیز کو دیکھتے ہو جسے میں دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں فتنوں کو دیکھ رہا ہوں۔ جو تمہارے گھروں پر اس طرح برس رہے ہیں جس طرح مینھ برستا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۹) علم اُٹھ جائے گا، قتل عام ہوگا

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے زمانے باہم قریب ہوں گے (زمانہ دنیا اور زمانہ آخرت) اور علم اٹھا لیا جائے گا۔ اور الھرج کی کثرت یعنی ایسے فتنوں کا ظہور ہوگا۔ صحابہ نے پوچھا ہرج کیا چیز ہے؟ فرمایا۔ قتل (بخاری و مسلم)

(۱۰) قاتل و مقتول دونوں کو وجہ قتل معلوم نہ ہوگی

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ دنیا اس وقت تک فنا نہ ہوگی۔ جب تک لوگوں پر ایسا دن نہ

آ جائے۔ جس میں قاتل کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس نے مقتول کو کیوں قتل کیا اور نہ مقتول کو یہ معلوم ہو گا کہ اسے کیوں مارا گیا۔ صحابہؓ نے پوچھا یہ کیسے ہوگا۔ فرمایا۔ ہرج (یعنی فتنہ) قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گی۔ (مسلم)

(۱۱) فتنے میں عبادت گزار ہجرت کا ثواب پائیں گے

حضرت معقل بن یسارؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ فتنے کے زمانے میں عبادت کا ثواب اتنا ہوگا۔ جتنا میری طرف ہجرت کرنے کا ثواب ہے۔ (مسلم)

(۱۲) فتنہ انگیزی میں صبر بہترین طرزِ عمل ہوگا

حضرت زبیرؓ بن عدی کہتے ہیں کہ ہم انس بن مالکؓ کے پاس گئے اور ان سے حجاج کے مظالم کی شکایت کی۔ انہوں نے کہا۔ صبر کرو اس لئے کہ آئندہ زمانہ گزشتہ سے بدتر ہوگا (اور اسی طرح اس کے بعد کا زمانہ اس سے بدتر ہوگا) یہاں تک کہ تم اللہ سے جا ملو۔ یہ بات میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنی ہے۔ (بخاری)

(۱۳) فتنہ پردازوں سے متعلق حضور ﷺ کی پیش گوئی

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں قسم ہے اللہ کی میں نہیں کہہ سکتا میرے دوست (واقعی) بھول گئے ہیں یا بھول جانے کا اظہار کرتے ہیں (حقیقت میں نہیں بھولے) قسم ہے اللہ کی رسول اللہ ﷺ نے کسی ایسے شخص کا ذکر نہیں چھوڑا جو قیامت کے دن تک فتنے کا باعث ہوگا یعنی اس فتنہ برپا کرنے والے شخص کا جس کے ساتھیوں کی تعداد تین سو تک یا تین سو سے زیادہ ہو یہاں تک کہ ہمیں اس کا اس کے باپ کا اور اس کے قبیلہ تک کا نام بتا دیا۔ (ابوداؤد)

(۱۴) گمراہ کرنے والے ائمہ سے بچنا: حضور ﷺ کا ارشاد

حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کیلئے جن لوگوں سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ گمراہ کرنے والے امام ہیں اور جب میری امت میں تلوار چل جائے گی تو پھر قیامت تک نہ رکے گی (یعنی جب امت محمدیہ میں قتال شروع ہو جائے گا تو قیامت ہی پر جا کر ختم ہوگا' (ابوداؤد۔ ترمذی)۔

(۱۵) ''خلافتِ راشدہ تیس سال قائم رہے گی''

حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خلافت تیس سال تک رہے گی پھر یہ خلافت بادشاہت میں تبدیل ہو جائے گی۔ سفینہ راوی یہ حدیث بیان کر کے کہتا ہے' کہ حساب کر کے دیکھو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت دو سال حضرت عمرؓ کی خلافت دس سال حضرت عثمانؓ کی خلافت بارہ سال اور حضرت علیؓ کی خلافت چھ سال۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد)

(۱۶) فتنوں سے بچنے کیلئے کسی درخت کی جڑ میں بیٹھ جانا

خبردار! سلطنتوں اور حکومتوں کی بنیاد فساد و کدورتوں پر ہوگی

حضرت حُذیفہؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس زمانہ' خیر کے بعد کیا شر ہوگا۔ جیسے اب سے پہلے شر تھا (یعنی جس طرح اسلام سے پہلے برائی پھیلی ہوئی تھی کیا موجودہ زمانہ خیر کے بعد بھی بدی کا زمانہ آئے گا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ میں نے عرض کیا۔ پھر اس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ فرمایا۔ تلوار۔ میں نے عرض کیا۔ کیا تلوار کے بعد (یعنی لڑنے کے بعد) مسلمان باقی رہیں گے فرمایا۔ ہاں سلطنت اور حکومت ہوگی جس کی بنیاد فساد پر ہوگی اور صلح کی بنیاد کدورت پر۔ میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا؟ فرمایا۔ اس کے بعد گمراہی کی طرف بلانے والے لوگ پیدا ہونگے اگر اس وقت کوئی خلیفہ ہو اور وہ تیری کمر پر کوڑے مارے اور تیرا مال بھی چھین لے تو بھی تو اس کی اطاعت کر اور تو کسی درخت کی جڑ میں بیٹھ جا۔ (یعنی پناہ کی جگہ) اور وہیں مر جا۔ میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر دجّال نکلے گا۔ اس شان سے کہ اس کے ساتھ پانی کی نہر ہوگی اور آگ۔ پس جو شخص اس کی آگ میں پڑا اس کا اجر ثابت و قائم ہوگیا اور اس کے گناہ دور ہو گئے اور جو شخص اس کی نہر میں پڑا اس کا گناہ ثابت و قائم رہا اور اس کا اجر جاتا رہا۔ میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر گھوڑے کا بچہ جنایا جائے گا اور وہ سواری کے قابل ہوگا کہ قیامت قائم کی جائے گی اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس وقت صلح ہوگی ظاہر میں اور باطن میں کدورت ہوگی اور لوگوں کا اجتماع ناخوشی کے ساتھ ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کدورت پر صلح ہونے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا قوموں کے دل اس حال پر نہ ہونگے۔ جس پر پہلے تھے (یعنی لوگوں کے دل اتنے نرم نہ ہونگے جیسے آغاز اسلام میں تھے) میں نے عرض کیا۔ کیا بھلائی کے بعد کوئی برائی ہو

گی؟ فرمایا۔ ہاں۔ اور وہ ایک اندھا اور بہرا فتنہ ہے اس فتنے کی طرف لوگوں کو بلانے والے ہونگے۔ گویا وہ دوزخ کے دروازوں پر کھڑے لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ پس اگر اے حذیفہؓ اس وقت تو درخت کی جڑ کو اپنی پناہ بنالے اور وہیں مرجائے۔ تو یہ اس سے بہتر ہوگا کہ تو ان لوگوں میں سے کسی فریق کا اتباع کرے۔ (ابوداؤد)

(۱۷) پرہیزگاری، صبر، اور گوشہ نشینی بہترین حل

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں ایک روز گدھے پر رسول ﷺ کے پیچھے سوار تھا۔ جب ہم مدینہ کے گھروں سے آگے نکل گئے (یعنی مدینہ کے باہر) تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ ابوذرؓ۔ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب مدینہ میں بھوک (یعنی قحط) ہوگی۔ تو بستر سے نہ اٹھ سکے گا۔ اور اپنی مسجد تک (ضعف کے سبب) مشکل سے پہنچ سکے گا۔ میں نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ۔ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا۔ (اس وقت) پرہیزگاری اختیار کرنا (یعنی بھوک پر صبر کرنا اور حرام اور مشتبہ مال سے اپنے آپ کو بچانا) پھر آپ نے فرمایا۔ ابوذرؓ! اس وقت تیرا کیا حال ہوگا۔ جب مدینہ میں موت کا بازار گرم ہوگا اور مکان کی قیمت غلام کی قیمت کے برابر ہوگی۔ یہاں تک کہ قبر کی جگہ غلام کی قیمت کو بکنے لگے گی (یعنی کثرت اموات سے یہ حال ہوگا کہ ایک قبر کی جگہ غلام کی قیمت کے برابر ہو جائیگی) میں نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں (یعنی مجھے اس وقت کیا کرنا چاہیے اس کا حال اللہ اور اسکے رسولؐ ہی کو معلوم ہے میں نہیں جانتا) فرمایا۔ ابوذرؓ (اس وقت) صبر کرنا (یعنی اس مصیبت پر صبر کرنا کہ کہیں بھاگ کر نہ جانا) پھر حضورؐ نے فرمایا (ابوذرؓ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب کہ مدینہ میں قتل کا بازار گرم ہوگا جس کا خون مقامِ احجار الزیت کو ڈھانک لے گا (یعنی خون سے مقام مذکور بھر جائیگا گویا وہاں خون کی نالیاں بہہ نکلیں گی) میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں (کہ اس وقت مجھے کیا کرنا چاہیے) آپؐ نے فرمایا۔ تو اپنے اس امام کے پاس چلے جانا جس کا تو تابع ہے۔ میں نے عرض کیا اس وقت میں اپنے بدن پر ہتھیاروں کو سجالوں (اور فتنہ انگیز قوم سے لڑوں) فرمایا (اگر تو ایسا کریگا) تو تُو اس قوم (کے گناہ) میں شریک ہو جائیگا۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر میں کیا کروں؟ فرمایا۔ اگر تو تلوار کی چمک سے ڈر جائے تو اپنے منہ پر اپنے کپڑے کا ایک حصہ ڈال لینا تا کہ قاتل تیرا گناہ اور اپنا گناہ ساتھ لے کر واپس جائے (ابوداؤد)

(۱۸) خود کو سنبھالے رہنا' عوام سے دور رہنا' گوشہ نشینی اختیار کرنا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا۔ عبداللہ! تو اس وقت کیا کرے گا جب تجھے ناکارہ لوگوں میں چھوڑ دیا جائے گا (یعنی جب تجھے ناکارہ اور بُرے لوگوں میں زندگی بسر کرنی پڑے گی) ان کے عہد اور امانتیں مخلوط ہونگی (یعنی عہد شکن اور خائن ہونگے) اور آپس میں اختلاف رکھیں گے۔ اس طرح یہ کہہ کر آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے کے اندر داخل کیں اور فرمایا کہ وہ اس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہونگے عبداللہ نے عرض کیا (اگر میں وہ زمانہ پاؤں) تو آپ مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا۔ وہ چیز اختیار کر جسے تو حق جانتا ہے اور وہ چیز چھوڑ دے جسے تو بُرا جانتا ہے۔ اور اپنے آپ کو لازم پکڑ لے (یعنی صرف اپنے کو سنبھالے رہ) اور عوام سے دور رہ (یعنی عوام کے معاملات میں دخل نہ دے) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ اپنے گھر میں پڑا رہ۔ اپنی زبان کو قابو میں رکھ۔ وہ چیز اختیار کر جس کو تو اچھا جانتا ہے۔ اور عوام کے معاملات سے کوئی تعلق نہ رکھ۔ (ترمذی)

(۱۹) تلواریں توڑ ڈالنا' گھروں کے ٹاٹ ہو جانا' فسادی ہونے سے بچنا

حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت آنے سے پہلے فتنے وقوع میں آئیں گے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کے مانند ہونگے (یعنی ہر ساعت میں فتنہ پیدا ہوتا رہے گا) اس وقت آدمی صبح کو ایماندار اٹھے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا۔ اور شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائیگا (ان فتنوں میں) بیٹھا ہوا شخص کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے اس وقت تو اپنی کمانوں کو توڑ ڈالنا اور کمانوں کے چلّوں کو کاٹ دینا۔ تلواروں کو پتھر پر مار دینا (یعنی ان کی دھار کو بیکار کر دینا) پھر اگر کوئی شخص تم میں سے کسی کو مارنے آئے۔ تو اسے چاہیئے کہ وہ آدمؑ کے دو بیٹوں میں سے بہترین بیٹے کے مانند ہو جائے (یعنی مانند ہابیل کے (ابوداؤد)' اور ابوداؤد کی ایک اور روایت میں ہے "یہ چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے" کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ پھر صحابہؓ نے پوچھا آپؐ ہمارے لیے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا تم اپنے گھروں کے ٹاٹ ہو جانا (یعنی گھروں میں پڑے رہنا) اور ترمذی کی روایت میں یوں

ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فتنے کی بابت یہ فرمایا کہ تم اس میں اپنی کمانوں کو توڑ ڈالو اور ان کے چلّے کاٹ دو اور گھروں میں پڑے رہو اور آدمؑ کے بیٹے ہابیل کے مانند بن جاؤ۔ (ترمذی)

(۲۰) زبان درازی اور عیب جوئی کا فتنہ بدترین ہوگا

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریب ہے ایک فتنہ جو سارے عرب کو گھیرے گا۔ جس میں مقتول دوزخ میں جائیں گے۔ اس فتنے میں زبان درازی کا فتنہ (یعنی لوگوں کو برا کہنا اور عیب گیری کرنا' تلوار مارنے سے بھی سخت ہوگا۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

(۲۱) زبان درازی تلوار مارنے کے برابر فتنہ ہے

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ گونگے بہرے کا فتنہ ظہور میں آئے گا۔ جو شخص اس فتنے کے قریب جائیگا یا اسے دیکھے گا فتنہ اسے گھیرے گا اور اس کے قریب آ جائیگا' اس فتنے میں زبان درازی تلوار مارنے ہی کے برابر ہوگی۔ (ابوداؤد)

(۲۲) نااہلوں سے بیعت' اسراف' عیش و عشرت اور نفاق کے فتنوں میں پرہیزگاری کا حکم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فتنوں کا ذکر کیا اور بہت زیادہ ذکر کیا۔ یہاں تک کہ احلاس کے فتنہ کا بیان کیا۔ ایک شخص نے پوچھا۔ احلاس کا فتنہ کیا ہے' آپ نے فرمایا وہ بھاگنا ہے (یعنی لوگ ایک دوسرے کے خوف سے بھاگ نکلیں گے) اور زبردستی مال کا چھین لینا اور پھر "السَّرَّاْ" کا فتنہ ہوگا۔ (یعنی خوشحالی' اسراف اور عیش و عشرت کا فتنہ) اس فتنے کی تاریکی ایک شخص کے قدموں کے نیچے سے نکلے گی جو میرے اہلبیت میں سے ہوگا (یعنی یہ شخص فتنے کا بانی ہوگا) وہ شخص یہ خیال کرے گا کہ وہ میرے خاندان سے ہے لیکن حقیقت میں مجھ سے نہ ہوگا (یعنی وہ اگرچہ میرے خاندان سے ہوگا لیکن میرے طریقے پر نہ ہوگا) اس وقت میرے دوست پرہیزگار لوگ ہوں گے۔ پھر لوگ ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں گے جو کولہے کے اوپر پسلی کی مانند ہوگا (یعنی جس طرح پسلی کولہے کے اوپر غیر مستقیم ہوتی ہے اسی طرح وہ غیر مستقل مزاج ہوگا) اس کے بعد الدُّھَیْمَاءِ کا فتنہ ہوگا (یعنی سیاہ تاریک رات جیسا فتنہ) یہ فتنہ (یا مصیبت) میری امت میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑے گا اور ہر

شخص پر طمانچہ لگائے گا۔ پھر جب کہا جائے گا کہ فتنہ ختم ہو گیا تو اس کی مدت کچھ اور بڑھ جائیگی اور اسکے بعد یہ فتنہ طول کھینچے گا۔ آدمی صبح کو مومن اٹھے اور شام کو کافر ہو جائیگا۔ یہاں تک کہ آدمی دو خیموں میں تقسیم ہو جائیں گے (یعنی دو فرقوں میں منقسم ہو جائینگے) ایک خیمہ ایمان کا ہو گا۔ جس میں اتفاق رہے گا اور ایک خیمہ نفاق کا ہو گا۔ جس کا ایمان نہ ہو گا۔ جب ایسا وقوع میں آ جائے تو تم دجّال کا انتظار کرو۔ اسی روز یا دوسرے دن۔ (ابوداؤد)

(۲۳) فتنے میں ہاتھ کو روکے رکھنے والا کامیاب ہو گا

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا ہے بدنصیبی عرب کی کہ فتنہ قریب آ گیا۔ پس فتنے میں وہ شخص کامیاب ہو گا۔ جس نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ (ابوداؤد)

(۲۴) افسوس اُس شخص پر جو فتنے سے دور نہ ہوا

حضرت مقداد بن اسودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ خوش نصیب ہے وہ شخص جو فتنوں سے دور رکھا گیا۔ خوش نصیب وہ شخص ہے۔ جو فتنوں سے دور رکھا گیا۔ خوش نصیب وہ شخص ہے جو فتنوں سے دور رکھا گیا۔ اور (خوش نصیب ہے) وہ شخص جو فاقوں میں مبتلا ہوا اور صبر کیا (افسوس ہے اس شخص پر جو فتنے سے دور نہ ہوا اور صبر نہ کیا۔ (ابوداؤد)

(۲۵) تیس جھوٹے نبیوں کے خلاف صف آراء ہونے کا حکم

حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میری امت میں تلوار چلے گی تو قیامت تک اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے بعض قبائل مشرکوں میں نہ جا ملیں گے۔ اور میری اُمت کے بعض قبائل بتوں کی پرستش نہ کرنے لگیں گے۔ میری اُمت میں تیس جھوٹے نبی ظاہر ہونگے ان میں سے ہر شخص یہ خیال رکھتا ہو گا کہ وہ خدا کا نبی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ میں خاتم النبین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا اور میری امت میں سے ہمیشہ ایک جماعت حق پر رہے گی اور دشمنوں پر غالب۔ جو لوگ اس جماعت کی مخالفت کرینگے وہ اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ خدا کا حکم آ جائے (یعنی قیامت قائم ہو یا وقت آئے کہ اسلام سب پر غالب آ جائے (ابوداؤد۔ ترمذی)

-----O-----

باب۔ 17

صلحائے امت نے گوشہ نشینی کیوں اختیار کی؟

صوفیہ ۔۔۔ تصوّف ۔۔۔ اور زاویہ نشینی

ذیل میں ہم نہایت اختصار کے ساتھ صوفی کی نسبت' اصطلاحِ صوفی کی تحقیق' زوایہ نشینی کی وجوہ' احادیث میں گوشہ نشینی کے احکام' گوشہ نشینی کے فوائد' اصحاب تصوّف کے احوال محمودہ' بیعت توبہ وارشاد کے سلاسل' نبوت وخلافت وتصوّف کے فرائض پنجگانہ' تزکیۂ نفس کی اہمیت' اولیاء اللہ کے روحانی سلاسل کی اہمیت' خانقاہی نظام کا آغاز کب ہوا؟' خانقاہ کی اہمیت وفضیلت' تصوف کی خصوصیات واعمالِ چہارگانہ' زاویہ نشینوں کی اصحاب صُفہؓ سے مشابہت' شیخ زاویہ کے فرائض اور نظام تعلیم وتربیت کے موضوعات پر گفتگو کریں گے۔ اگرچہ ان میں سے بعض موضوعات کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم بعض دوسرے ابواب میں بھی ان پر تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں اس لئے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تکرار ہے بلکہ ان موضوعات کی اہمیت کا تقاضا سمجھ کر ان پر غور کیا جائے۔

صوفی کی نسبت کیا ہے؟

ابومحمد عبدالغنی بن سعید الحافظؒ نے کہا کہ ولید بن ابوالقاسمؒ سے پوچھا گیا: یہ صوفی کی نسبت کیا ہے؟''۔ انہوں نے کہا دورِ گذشتہ میں ایک قوم ایسی تھی جن کو صوفہ کہتے تھے' وہ لوگ اللہ

تعالیٰ کے واسطے الگ ہو گئے تھے اور کعبہ میں وطن کر لیا تھا' جو کوئی اُن سے مشابہ ہوا وہ صوفیہ کہلایا۔ علامہ ابن جوزی' اگرچہ صوفیہ کے ناقد ہیں لیکن اُن کی تحقیق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نسبت اسلام وایمان کی طرف ہوتی چنانچہ ایسی نسبت پر انہیں مسلم و مومن کہا جاتا' پھر بعد کے زمانہ میں زاہد و عابد وغیرہ نام دیا جانے لگا' پھر کچھ لوگوں میں زہد و عبادت سے شغف بڑھا تو دنیا سے انقطاع کر لیا گیا اور عبادات کے واسطے علیحدہ ہو گئے اور اس میں ایک طریقہ بنا کر منفرد نام و طریقت سے ممتاز ہوئے اور کچھ اخلاق اپنے لئے مخصوص کر لئے جو ان کے علاوہ دوسروں میں نہ ہوں۔ انہوں نے دیکھا کہ بیت اللہ کے پاس خدمت کے واسطے جو شخص سب سے اوّل منفرد ہوا تھا اُس کا لقب صوفہ اور نام غوث بن مُرّ تھا۔ پس اُس کی طرف منسوب ہوئے۔ یہ لوگ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف انقطاع میں اس کے ساتھ مشابہ ہوئے تو صوفیہ کہلانے لگے۔ (اس ضمن میں تفصیلی بحث کسی دوسرے مناسب باب میں ہو چکی ہے۔ مؤلف)

اصطلاح صوفی کی تحقیق

پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی معرکۃ الآرا تصنیف تاریخ مشائخ چشت'' میں تصوّف کے ماخذ' نشو ونما اور اثرات سے متعلق باب میں اپنی منفرد تحقیق و جستجو کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے بحوالہ ''مصارع العشاق'' (ص۔ 224۔ مطبوعہ الجوائب قسطنطنیہ) لکھتے ہیں: ابو جعفر بن احمد بن حسین القاری نے امیر معاویہؓ کا ایک خط نقل کیا ہے جو انہوں نے ابن ام الحکم گورنر مدینہ کے نام لکھا تھا۔ اس میں ایک شعر تھا:

قد کنت تشبهُ صوفیاً له' کتب'' (تو مشابہ تھا ایسے صوفی سے جس کے پاس کتابیں ہوں

من الفرائض او آیات فرقان جن میں فرائض اور آیات قرآن مذکور ہوں)

اس روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے (اور اسے صحیح نہ ماننے کا کوئی جواز نہیں' اس لئے کہ یہ روایت سند متصل کے طور پر ابو مخنف سے ہشام بن عروہ تک پہنچتی ہے) تو لفظ صوفی کا استعمال پہلی صدی ہجری (کے نصف اوّل) میں بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اور یہ شعر و علم و ادب میں اُس وقت بھی مستعمل تھا۔

تصوف کے دفاع میں لکھی گئی چوتھی صدی ہجری کی ایک معرکۃ الآراء تحقیقی

دستاویز۔۔۔۔ ''کتاب اللمع فی التصوف''۔۔۔ کے مصنف طاؤس الفقراء الشیخ عبداللہ بن علی یحییٰ ابوالنصر سراجؒ (م۔378ھ) اصطلاحِ صوفی کی تحقیق کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں: ''کسی نے پوچھا کہ صحابۂ کرام اور اُن کے بعد کے لوگوں میں تو صوفیہ کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا' اگر کوئی تذکرہ ہے تو فقط زاہدوں' عابدوں' سیاحوں' فقراء اور صحابۂ کرام کا۔۔۔ طاؤس الفقراء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت پاک سے مشرف ہونے کی جو اپنی حُرمت و خصوصیت ہے' اُس کے باعث صحابہؓ کو کسی اور نام سے موسوم کرنا کسی طرح بھی مناسب نہ تھا' تاہم صحابہؓ اپنے سے فیض یاب ہونے والے زاہدوں' عابدوں' توکل کرنے والوں' فقراء' مجاہدۂ نفس کرنے والوں اور صابروں کے امام تھے۔۔۔ یہ الزام کہ صوفی بعد کے زمانے کی ''خودساختہ اصطلاح'' ہے جسے بغدادیوں نے گھڑا' حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ حضرت حسن بن الحسن البصریؒ (م110ھ) جنہوں نے بعض صحابہؓ کا دور پایا' کہتے ہیں: میں نے طواف کعبہ کے دوران ایک صوفی کو دیکھا اور اُسے کچھ دینا چاہا مگر اُس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ ''میرے پاس چار درہم موجود ہیں جو میرے لئے کافی ہیں حضرت سفیان ثوریؒ (م161ھ) فرماتے ہیں: اگر ہاشم صوفی نہ ہوتے تو مجھے ریاء کی حقیقت معلوم نہ ہوتی''۔

صلحائے امت نے گوشہ نشینی کیوں اختیار کی؟

اسلامی تاریخ کے صفحات پر یہ ناقابل تردید حقیقت انمٹ نقوش کی طرح ثبت ہے کہ خلافتِ راشدہ کے آخری سسکتے ہوئے دور کے خاتمہ کے ساتھ ہی ملوکیت پر مبنی سیاسی نظام معرض وجود میں آ گیا' جس کے نتیجہ میں حکمرانوں کے دروازوں پر حاجب بٹھا دیئے گئے' مساجد میں زعمائے حکومت و مملکت کیلئے مقصورے بنا دیئے گئے' بیت المال کو ''امیر المؤمنین'' ''یا خلیفۃ المسلمین'' کہلانے والے حکمرانوں کی ذاتی ملکیت قرار دیا گیا۔ مملکتِ اسلامیہ کی بیشتر سرکاری جائیدادیں انہی مطلق العنان حکمرانوں کی جاگیریں سمجھی جانے لگیں۔ مسلمانوں کی اصلاحِ نفس اور اخلاقی تعلیم و تربیت کے فریضہ کو حکومتی نگرانی و ذمہ داری سے الگ نجی معاملہ سمجھا جانے لگا' اسلامی زندگی کے مختلف شعبوں میں اجتماعیت کا تصور رفتا کے گھاٹ اترنا شروع ہو گیا' جس کے باعث ملی یک جہتی پارہ پارہ ہونے لگی۔ عوامی فلاح و بہبود کے ضمن میں حکومتی سلوک بے حسی کا شکار ہونے لگا بلکہ حکومتی رویہ بے حسی اور جبر و اکراہ سے بدل گیا' منافقت عام ہو گئی' حکمرانوں کی

چاپلوسی کے بغیر اعلیٰ عہدوں پر پہنچنا ناممکن ہو گیا۔ فتوحات کے ہنگاموں میں دینی تقاضے نظر انداز ہونے لگے۔ بعض ادوار میں تو حجاج بن یوسف جیسے حکمرانوں کے تشدد اور سیاسی وانتظامی عہدوں سے کنارہ کشی اور حکومتی مناصب سے لاتعلقی کو دیگر وجوہ سے بھی بہت پہلے ہی سے جید صحابہؓ کرامؓ اور اُن کے دور سے متصل دور کے صلحائے امت' حق پرست محدثین' فقہاء وعلمائے محققین نے اپنا شعار بنا رکھا تھا کیونکہ حضور نبی مکرم ﷺ نے دورِ فتن سے اپنے دین وایمان کو بچائے رکھنے کا یہی نسخہ کیمیا احادیث مبارکہ میں تجویز فرما رکھا تھا۔ (مشکوٰۃ شریف' جلد دوم: کتاب الفتن پر الگ باب ملاحظہ ہو: ع ''حرز جاں کن گفتۂ خیر البشرؐ را'')

امت لاتعداد روحانی فوائد سے فیض یاب کیونکر ہوئی؟

مُشتے نمونہ از خروارے کے طور پر صرف دو احادیث پاک پیش ہیں: حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ فتنے ڈالے جائیں گے اس طرح لوگوں کے دلوں پر جس طرح کہ چٹائی کے تنکے ہوتے ہیں''۔ میں نے عرض کیا کہ اگر وہ زمانہ آئے تو آپؐ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا ''مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا اور ان کے امام کی اطاعت کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اُس وقت مسلمانوں کی جماعت نہ ہو اور امام بھی نہ ہو؟ فرمایا: ''تو تمام لوگوں سے علیٰحدہ ہو جاؤ اگر چہ تجھے درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے' یہاں تک کہ موت تجھے اپنی آغوش میں لے لے (بخاری ومسلم)۔ حضرت ابی بکرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب فتنوں کا ظہور ہوگا اور یاد رکھو' کہ پھر ان فتنوں میں سے بڑا فتنہ ہوگا جس میں بیٹھا ہوا شخص چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا فتنے کی طرف دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ خبردار جب یہ فتنہ وقوع میں آئے تو وہ شخص جس کے پاس اونٹ ہو اپنے اونٹ کے ساتھ ہو جائے اور جس کے پاس بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں مل جائے اور جس کے پاس زمین ہو وہ اپنی زمین پر جا پڑے (یعنی گوشۂ تنہائی اختیار کر لے)۔ عرض کیا گیا یا رسول ﷺ! جس کے پاس اونٹ بکریاں زمین نہ ہو' وہ کیا کرے؟ فرمایا: ''وہ اپنی تلوار کی طرف متوجہ ہو اور اسے پتھر مار کر توڑ ڈالے (یعنی جنگ کا خیال دل سے نکال دے) پھر اسے چاہیے کہ فتنوں سے نجات کیلئے بھاگ نکلے جتنا جلد وہ ایسا کر سکے۔ پھر فرمایا: اے اللہ تعالیٰ: میں نے تیرے احکام تیرے بندوں کو پہنچا دیئے''۔ تین مرتبہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے۔ (مشکوٰۃ۔ بحوالہ مسلم)۔

چنانچہ مورخین کا اتفاق ہے کہ اسلامی تاریخ کا یہی وہ مرحلہ ہے کہ جب صوفیہ کا پہلا طبقہ معرض وجود میں آیا۔ مورخین اس امر پر بھی یکساں رائے کے حامل ہیں کہ صلحائے امت کی سیاسی بکھیڑوں سے لاتعلقی حکومتی ریشہ دوانیوں سے علیحدگی اور گروہی کھینچا تانی سے کنارہ کشی کا یہ منفرد اعجاز ہے کہ امت لاتعداد روحانی فوائد سے فیض یاب ہوئی، جن میں سے چیدہ چیدہ فوائد یہ ہیں:

(1) اگر یہ بزرگ امت مسلمہ کی اصلاحِ نفس اور تعلیم و تربیت پر کمر بستہ نہ ہوتے اور تزکیۂ نفوس و عبادات پر زور نہ دیتے تو دینِ اسلامی صرف ایک سیاسی پروگرام بن کر رہ جاتا اور ملک گیری و کشور کشائی کے سوا کچھ باقی نہ بچتا۔

(2) تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے ملکوں کو فتح ضرور کیا لیکن انہوں نے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی۔ چنانچہ دینِ اسلام اس اتہام سے محفوظ رہا کہ مسلمانوں نے تلوار کے زور سے اسلام کو پھیلایا۔ اس کے برعکس اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے فریضہ کی انجام دہی بزرگانِ دین ہی کے روحانی فیضانِ نگاہ اور تعلیمی و تربیتی مساعی کا ثمرہ سمجھی گئی۔

(3) تاریخ اسلامی کی ایک مسلمہ حقیقت یہ بھی ہے کہ مسلمان حکمران اپنی مطلق العنانی کے باوجود بزرگانِ دین کے دبدبے سے ہمیشہ لرزہ براندام بھی رہے۔ ایک ناقابل تردید تاریخی شہادت یہ ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید جیسے مقتدر حکمران برملا اس امر کا اعتراف کرتے رہے کہ وہ اپنی فوجی و انتظامی قوت کے بل بوتے پر رعایا کے سروں پر حکومت کرتے رہے جب کہ عوام کے دلوں پر حکومت کرنے والے تو یہ بوریہ نشین فقراء اور بے سروسامان صلحائے امت ہیں۔

(4) تاریخ اسلام اس امر کی بھی گواہ ہے کہ ان صلحائے امت نے جس دور میں اور جہاں مناسب سمجھا وقت کے حکمرانوں کی زبانی یا تحریری طور پر گوشمالی سے گریز نہیں کیا۔ مسلمان حکمرانوں کو راہ راست پر رکھنے میں درویشانِ خدامست کا کردار و عمل روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ اور اس سے انکار چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے۔

(5) صلحائے امت کی طرف سے حکومتی مناصب سے عدم التفات اور حکومت اور حکمرانوں سے بے اعتنائی کے نتیجہ میں ظالم حکمرانوں کو اپنی اوقات میں رہنے کا سبق ملا اور وہ ہمیشہ خود چل کر ان فقیروں اور قلندرانِ بارگاہِ ایزدی کی بارگاہوں میں حاضری دیتے رہے۔

(6) حضور نبی مکرم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے بعد اسلام کو بحیثیت ایک مذہبی و دینی

تحریک انہی مخلصین وصلحائے امت نے زندہ و پائندہ رکھا۔ دور حاضر میں کچھ لوگوں کو اسلامی نظام حیات کے قیام کے نعرے لگانے کی جرأت ہوئی تو اُس کیلئے انہی دور یشان خدامست نے زمین ہموار کرر کھی تھی۔

پہلے طبقۂ صوفیہ: علم و عمل کے بحر بیکراں

شارحین و مورخین تصوّف' پہلے طبقۂ صوفیہ میں' علم و عمل کے پیکر جن صلحاء واصفیاء امت کو شامل کرتے ہیں اُن کی فہرست بہت طویل ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ان بزرگوں نے اپنی اپنی بساط کے مطابق انفرادی سطح پر رشد وہدایت کی شمعیں جلائے رکھیں علوم تصوّف پر گفتگو کرنے والے اور صحابہؓ کے بعد صوفیہ کے مقامات کا قولاً وعملاً احوال بیان کرنے والے تصوف کے موضوع پر کتابوں اور رسائل کے ذریعے علوم و اشارات پھیلانے والے اور معاملاتِ صوفیہ پر دلپذیر پند ونصائح کے گلدستے ترتیب دینے والے متعدد قابل ذکر اصحابؒ کا تذکرہ ہمیں صوفیہ کے عقائد واحوال پر مشہور ومعروف اور قدیم ترین کتاب ''التعرف لمذہب اھل التصوف'' میں ملتا ہے' اس کتاب کے مصنف امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلابازیؒ (م 385ھ بمطابق 995ء) ہیں۔ مذکورہ صلحاء واصفیاء میں سے چیدہ چیدہ نام درج ذیل ہیں:

صحابہؓ کے بعد صوفیہ کے مقامات اور علوم پر گفتگو کرنے والے

حضرت اویس قرنیؒ (م 37ھ)' امام علی بن حسین زین العابدینؒ (م 94ھ) خواجہ حسن بن ابی الحسن البصریؒ (م 110ھ)' محمد بن علی الباقرؒ بن زین العابدینؒ (م128ھ) امام جعفر بن محمد الصادقؒ (م 148ھ) حضرت کہمس بن حسین ہمدانیؒ (م 144ھ) حضرت سفیان بن سعید ثوریؒ (م 161ھ)' حضرت ابراہیم بن ادھمؒ (م163ھ)' حضرت داوَد طائیؒ (م 165ھ)' حضرت عبدالواحد بن زیدؒ (م 177ھ) حضرت عتبۃ الغلامؒ (حضرت عبدالواحد زید کے غلام تھے اور مرشد کی زندگی میں شہید ہوئے)' حضرت فضیل ابن عیاضؒ (م 187ھ)' علی بن فضیل ابن عیاضؒ (اپنے والد کی زندگی میں وفات پائی)' حضرت معروف کرخیؒ (م 200ھ) حضرت یوسف بن اسباطؒ (م199ھ)' حضرت محمد بن مبارک صوریؒ (م215ھ)' حضرت ابوسلیمان دارانیؒ (م215ھ)' حضرت

بشر بن حارث جانیؒ (م 227ھ)' حضرت سلیمان احمد بن ابی الحواری دمشقیؒ (م 230ھ)' حضرت مالک بن دینارؒ (م 227ھ)' حضرت احمد بن خضرویہ بلخیؒ (م 240ھ)' ابوبکر حسین بن علی بن یزدا ینار ( )' حضرت ذوالنون بن ابراہیم مصریؒ (م 245ھ)' حضرت ذوالکفل برادر ذوالنون مصریؒ (م 245ھ)' حضرت سری بن مفلس السقطیؒ (م 257ھ)' ابوحفص حداد نیشاپوریؒ (م 260ھ) ابویزید طفور بن عیسیٰ بسطامیؒ (م 261ھ)' ابوحذیفہ المرعشیؒ (276ھ)' سہل بن عبداللہ تستریؒ (م 283ھ)' یوسف بن حسین رازیؒ (م 304ھ)' علی بن سہل بن الازہر اصفہانیؒ (م 307ھ)' ابوبکر الکتانی دینوریؒ (م 322ھ)' ابوبکر طاہر ابہری (م 330ھ)' علی بن محمد البارزیؒ (م 338ھ)۔

تصوّف پر کتابوں اور رسالوں کے ذریعے علوم واشارات پھیلانے والے

ابوعبداللہ عمرو بن عثمان مکیؒ (م 291ھ)' ابو اسحاق ابراہیم بن احمد خواصؒ (م 291ھ)' ابوبکر شبلی (دلف بن حجدرؒ)' ابوعبداللہ الہاشمیؒ ' ابوسعید بن عیسیٰ خراز (م 277ھ)' ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنیدؒ (م 297ھ)' ابوالحسین احمد بن محمد بن عبدالصمد نوریؒ (م 295ھ)' ابومحمد رویم بن محمدؒ (م 303ھ)' ابویعقوب اسحاق بن محمد بن ایوب نہر جوریؒ (م 303ھ)' ابو یعقوب یوسف بن حمدان سوسی (م 303ھ)' ابوعبداللہ ہیکل قرشیؒ (م 305ھ)' ابوالعباس احمد بن عطاؒ (م 309ھ)' ابومحمد الحسن بن محمد جریریؒ (م 311ھ)' ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطیؒ (م 320ھ)' ابوعبداللہ محمد بن علی الکتانیؒ (م 322)' ابوعلی رودباریؒ (م 322ھ)' ابوبکر جوز جانیؒ (حکیم ترمذیؒ کے معاصر)' ابوبکر قحطبیؒ (م 334ھ)۔

معاملاتِ صوفیہ میں تصانیف کرنے والے

ابومحمد عبداللہ بن محمد انطا کیؒ ابوعبداللہ احمد بن عاصم انطا کیؒ عبداللہ بن خبیق انطا کیؒ (م 300ھ)' الحارث بن اسد المحاسبیؒ (م 343ھ)' یحییٰ بن معاذ رازیؒ (م 258ھ)' سعید بن اسمٰعیل رازیؒ (م 298ھ)' ابوعبداللہ محمد بن علی ترمذیؒ (م 318ھ)' ابوعبداللہ محمد بن الفضل بلخیؒ (م 319ھ)' ابوبکر محمد بن عمر بن الفضل الورّاق (م 347ھ)' ابوالقاسم بن

اسحاق بن محمد حکیم سمرقندیؒ (علوم میراث' علوم اکتساب دونوں کو جمع کیا حدیث سنی' فقہ' علم کلام' لغت اور علم القرآن کو جمع کیا' مشاہدۂ عینی رکھتے تھے)' متاخرین اور معاصرین کا ذکر ان میں شامل نہیں ہے۔

اصحاب تصوّف کے احوال محمودہ

جید علماء و کاملین کی غالب اکثریت کا اس امر پر بھی اجماع اور مکمل اتفاق ہے کہ صوف پہننے کی وجہ سے اصحابِ تصوّف کو صوفی کہا گیا۔ علاوہ ازیں یہ کہ صوف سے ہی یہ لفظ مشتق ہے۔ دوسری جانب صوفیہ اولین و آخرین کا یہ کہنا بھی اپنی جگہ مسلم و مستند ہے کہ صوفیہ کو کسی ایک صفت یا علم سے منسوب نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ معدن علم اور طرح طرح کے احوال محمودہ سے متصف ہوتے ہیں۔ ہمہ وقت روحانی منازل طے کرتے رہتے ہیں' معرفتِ الٰہی کے سفر و سلوک میں ایک حال سے دورے حال کی طرف منتقل ہوتے ہوئے ربّ تعالیٰ کی قربتوں سے فیضیاب ہوتے ہیں' لہٰذا ایسی کیفیات میں ان مشتاقانِ تجلیات الٰہیہ کو کسی مخصوص علم یا حال سے منسوب کرنا ممکن نہیں رہتا جیسا کہ دینی ماہرین متعلقہ علم حدیث کو محدثین' علم فقہ کے مرتبین کو فقہاء' علوم قرآن کی تشریح و توضیح پر دسترس رکھنے والوں کو مفسرین' زہد و تقویٰ و پرہیز گاری کے عاملین کو زاہدین' توکل کرنے والوں کو متوکلین اور صبر کرنے والوں کو صابرین کہا جاتا ہے۔ چنانچہ تصوّف کے موضوع پر سب سے پہلی جامع ترین تصنیف ''کتاب اللمع'' کے مصنف طاؤس الفقراء کہتے ہیں کہ انہوں نے صوفیہ کے ظاہری لباس ہی سے انہیں منسوب کیا ہے۔ (صوف یعنی اون کا لباس پہننے والے) کیونکہ اون کا لباس پہننا انبیاء علیہم السّلام اور اولیاء و اصفیاء کا شعار رہا ہے جیسا کہ بیشتر روایات اس کی مؤید ہیں۔ درحقیقت یہی لفظ ہے جو صوفیہ کے تمام علوم' اعمال اور اخلاقِ حمیدہ کی نشاندہی کرتا ہے۔

بیعت توبہ اور ارشاد کے سلاسل

ائمہ تصوّف قرونِ اولیٰ سے منکرین و معترفین تصوّف کے جواب میں صوفیہ کے علوم و فنون اور اُن کے مسلکِ فقر و درویشی کی وضاحت کرتے چلے آرہے ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک جونہی خلافتِ راشدہ کا مبارک دور حسب پیش گوئی نبی اکرم ﷺ اختتام پذیر ہوا اور

اس کی جگہ کاٹ کھانے والی ملوکیت قائم ہوئی تو اجتہاد اور قضاءِ شرعی کا فریضہ مجتہدین و فقہاء کو سنبھالنا پڑا اور تعلیم و تربیت روحانی، تزکیۂ نفوس اور تصفیہ و ارشادِ قلوب کیلئے صلحاء و اصفیاء کے طبقات معرضِ وجود میں آئے اور یہ امت مسلمہ کی ناگزیر ضرورت تھی۔ لہٰذا اصحاب طریقت و تصوّف کے ذریعے بیعت توبہ و ارشاد کے سلاسل کا آغاز ہوا جب کہ قبل ازیں مذکورہ ہر دو طبقات کے فرائض، خلافتِ نبویؐ اور خلافت راشدہ ہی کے جزو لاینفک تھے۔ خلافت راشدہ کے بعد سیاسی و حکومتی درباروں سے ان شعبوں کی علیٰحدگی اس لئے بھی ضروری سمجھی گئی کہ خالص سیاسی حکومتوں کے نزدیک نہ تو یہ فرائض ان کی مملکتوں کی وسعت اور نظم و انصرام کیلئے لازمی تھے اور نہ ہی وہ اپنے کردار و عمل کی پستی، کوتاہ علمی و بے بصیرتی کے باعث یہ فرائض انجام دینے کے اہل تھے۔

نبوت و خلافت و تصوّف کے فرائض پنجگانہ

نصِ صریح ہے کہ رسول مقبول ﷺ کے پانچ فرائض منصبی تھے: (۱) تلاوتِ آیات (۲) تزکیۂ نفوس (۳) تعلیم کتاب (قرآن حکیم) (۴) فیضانِ حکمتِ الٰہیہ (۵) عطائے ماوراء العقل علوم لدنیہ۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے سالتمآب ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد، آپ ﷺ کے نائبین کی حیثیت سے نبوت کے پانچوں فرائض منصبی کو حکومتی سطح پر کما حقہٗ انجام دینے کی بھرپور کوششیں جاری رکھی گئیں۔ لیکن خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے خاتمہ پر چونکہ مملکت اسلامیہ پر قبضہ جمائے رکھنے کے شائق سیاسیئن و مدبرین ملتِ اسلامیہ سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ مذکورہ فرائض نبوت میں سے کسی ایک فرض کو بھی نبھا سکیں گے بلکہ وہ عمومیت کے ساتھ اس کی صلاحیت ہی سے عاری تھے۔ اس لئے قرآن کی لغت کے مطابق صحابہ کرامؓ یعنی حوارئین پیغمبر ﷺ، تابعین و تبع تابعین اور امت میں موجود نجباء، رقباء، ربانیین، راسخون، راشدون، صادقین، قانتین، خاشعین، مخلصین، محسنین، خائفین، راجعین، وجلین، عابدین، ساعین، راضیّن، متوکلین، مجتبین، الابرار، مقربین، مشاہدین، سابقین، مقتصدین، مسارعین الی الخیرات، فقراء و اولیاء خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئے اور مقاصد نبوت کو بھرپور توانائیوں اور مکمل و اکمل آب و تاب رحیمانہ و کریمانہ کے ساتھ، حصہ بقدر انفرادی علم و عمل اپنی اپنی سطح پر جاری و ساری رکھنے میں ایسا تاریخی فریضہ انجام دیا کہ جس کی مثال سابقہ انبیاءؑ کی امتوں میں ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی۔ چونکہ ان

صلحاء واصفیاء امت کو شعوری طور پر خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ حضور ختم الرسل ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں اس لئے اب فرائض نبوت کو کماحقہ جاری رکھنے کی تمام تر ذمہ داری بحیثیت نائبین رسول ﷺ انہی کے کندھوں پر عائد ہو چکی ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہمیشہ اُن کے پیشِ نظر رہا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاءؑ کی ٹکر کے ہوں گے۔ یہاں اس امر کا بیان بھی سعی حاصل ہوگا کہ قرآن حکیم میں سابقہ انبیاءؑ اور نبی پاک ﷺ کے فرائض منصبی کے بیان میں کہیں بھی حکومتوں کے قیام کو شامل نہیں رکھا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص الخاص بندوں کے ساتھ تعلق باللہ اور رجوع الی اللہ کے استحقاق کی بنیاد اور کسوٹی پر زمین پر خلافت بمعنی حکومت کی عطا و انعام کا وعدہ ایک بدیہی حقیقت الامری کے طور پر ضرور کر رکھا ہے۔

قرآن حکیم کی رو سے تزکیہ نفس کی اہمیت

حضور ﷺ کے مقصدِ بعثت و نبوت اور امت مسلمہ کے برپا کرنے کے سلسلہ میں جو دعا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے مشترکہ طور پر فرمائی تھی وہ قرآن حکیم میں اس طرح سے بیان ہوئی ہے:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٥ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥

(سورۃ البقرہ۔2: 128 تا 129)

(اے ہمارے ربّ! ہم دونوں کو بھی اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی امت برپا کیجو جو تیری فرمانبردار ہو اور ہمیں تعلیم فرما ہماری عبادت کے طور طریقے اور قبول فرما ہماری توبہ یقیناً تو توبہ قبول کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور اے ہمارے ربّ! تو مبعوث فرمائیو ان میں' ان ہی میں سے ایک رسولؐ جو اُن کو سنائے تیری آیتیں اور انہیں تعلیم دے کتاب اور حکمت کی اور تزکیہ کرے ان کا۔ بے شک تو ہی ہے سب پر غالب اور کامل حکمت والا)

قرآن حکیم کی ان آیات سے واضح ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت و نبوت کے جو فرائض منصبی تھے وہی امتِ مسلمہ کے برپا کیئے جانے کے بنیادی اصول و مقاصد ہیں۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ ”تم وہ بہترین امت ہو جسے دنیا والوں کی بھلائی کیلئے اُٹھایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو“۔۔۔ یہاں البتہ نوٹ کرنے کے قابل یہ بات ہے کہ جدِ انبیاءؑ نے جو دعا فرمائی اُس میں مقاصد بعثت و نبوت کی جو ترتیب قائم کی وہ یہ تھی: (۱) تلاوتِ آیات (۲) کتاب کی تعلیم (۳) حکمت کی تعلیم (۴) تزکیۂ نفوس اور بس۔۔۔ جب کہ اللہ بزرگ و برتر کہ جو نہایت ہی غالب اور کامل حکمت والا ہے، اُس نے جب جدِ انبیاءؑ کی دعا قبول فرمائی تو نہ صرف یہ کہ ترتیب کو تبدیل فرما دیا بلکہ ایک مقصد بعثت کا اس میں اضافہ بھی فرما دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَo (سورہ البقرۃ 2:151)

(چنانچہ بھیج دیا ہے ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے جو سناتا ہے تمہیں ہماری آیات اور تزکیہ کرتا ہے تمہارا اور تعلیم دیتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت کی اور تعلیم دیتا ہے تمہیں اُن امور کی جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔)

گویا کہ قرآن حکیم نے پیغمبر ﷺ کے مقاصد بعثت و نبوت کی جو ترتیب قائم کی وہ یہ ہے: (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیۂ نفوس (۳) تعلیم قرآنِ عظیم (۴) تعلیم حکمت اور (۵) اُن امور کی تعلیم جو پہلے ہمارے علم میں نہ تھے (علوم لدنیہ)۔ چنانچہ دعائے ابراہیمیؑ میں تزکیۂ نفوس چوتھے نمبر پر رکھا گیا تھا، لیکن علیم و خبیر اللہ بزرگ و برتر نے اسے اُٹھا کر دوسرے نمبر پر رکھ دیا۔ جس کا صاف اور سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ تزکیۂ نفوس کے بغیر نہ تو کتاب کے علوم سے فیض یاب ہونے کا راستہ مل سکتا ہے اور نہ ہی انسان کے اندر ان علوم کی حکمتیں جاننے اور برتنے کی صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چار مراحل بخیر و خوبی طے کرنے والوں کیلئے یہ انعام بھی عطا فرمایا کہ اُن میں علوم لدنیہ کے جاننے کی صلاحیت و قدرت بھی پیدا کرنے کا سامان فراہم کر دیا جائے گا۔

علامہ اقبالؒ نے خوب کہا ہے:

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ سامان بھی ہے

اولیائے امت کے روحانی سلاسل کی اہمیت

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا' اسلام کو ایک دینی تحریک اور روحانی نظام کے طور پر متعارف کرانے کا کام جاری رکھنے میں ان نفوس قدسیہ یعنی اولیائے امت کے روحانی سلاسل کی اہمیت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ مطلب یہ کہ شیطان لعین نے انسان کی جس خلافتِ ارضی کو چیلنج کیا تھا اور اپنے دعوے کو سچا ثابت کرنے کیلئے قیامت تک کی جو مہلت لی تھی' ختم نبوت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے نائبین کی حیثیت سے ان بزرگوں نے ایک لحظہ کیلئے بھی گذشتہ چودہ سو برس میں یہ تاثر قائم نہیں ہونے دیا کہ شیطان اپنے دعوئ میں پرکاہ کے برابر حق بجانب تھا یا ہے یا ہوسکتا ہے۔ بصورت دیگر تو خلافتِ راشدہ کے بعد خلافت کا نظام پارہ پارہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ چنانچہ انہی نفوس قدسیہ نے آج تک خلافت کے تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے شیطان کے دعوئ کو باطل قرار دے رکھا ہے۔ اس پیغمبرانہ مقصد عظیم کیلئے اولیائے امت نے عین حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق ہر قسم کی تحریصات اور دنیاوی عیش و آرام سے کنارہ کشی اختیار کئے رکھی اور حضورؐ کے ارشاد کو حرز جاں بنائے رکھا۔ اُنہیں یہ انتباہِ پیغمبرؐ ہمیشہ یاد رہا کہ: ''فتنہ آئے گا جس میں سونے والا شخص جاگنے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والے سے جاگنے والا بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا پس (اس وقت) جو شخص پناہ کا کوئی ٹھکانہ پائے وہاں جا کر پناہ حاصل کرلے''۔ (مشکوٰۃ جلد دوم' باب الفتن)۔ اور حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ زمانہ قریب ہے جب مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی کہ وہ انہیں لے کر پہاڑ کی چوٹی پر یا بارش کے گرنے کی جگہ (جنگلی نالوں کے کنارے) چلا جائے گا اور فتنوں سے بھاگ کر اپنے دین کو بچالے گا (بخاری)۔

خانقاہی نظام کا آغاز اور اس کی اہمیت

چنانچہ دنیائے تصوّف کی مشہور زمانہ کتاب ''نفحات الانس'' کے مصنف مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ (817ھ تا 898ھ) اپنی عظیم الشان تصنیف میں طبقہ اوّل کے شیوخ کا تذکرہ کرتے ہوئے سب سے پہلے شیخ ابو ہاشم صوفی کوفی قدس سرہ' (م۔150ھ) کا ذکر فرماتے ہیں جو مملکت شام کے مرشد و شیخ کامل شمار ہوتے تھے اور جن کا مولد وطن کوفہ تھا۔ آپ شیخ

سفیان ثوریؒ کے ہمعصر تھے۔ حضرت سفیان ثوریؒ اُن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ہر چند کہ آپ سے پہلے ایسے بہت سے بزرگ گزرے ہیں جو زہد و تقویٰ' توکل و محبت اور معاملات میں باکمال تھے لیکن یہ انفرادیت اور وصف صرف آپ ہی کی ذات سے مختص ہے کہ آپ اپنے نام کے ساتھ صوفی کے القاب سے جانے پہنچانے جاتے تھے۔ آپ ہی وہ صوفی بزرگ ہیں جنہوں نے اپنے جیسے صوفیوں کیلئے رملہ (موجودہ ارضِ فلسطین) میں ذکر و فکر کیلئے سب سے پہلی خانقاہ قائم کی۔

ایک روز شیخ ابو ہاشم صوفی نے دیکھا کہ قاضی شریک (عہد بنو عباس کے مشہور عالم) یحییٰ خالد (برمکی) کے محل سے نکل رہے ہیں یہ دیکھ کر آپ رو دیئے اور فرمایا: ''میں اس علم سے جو نفع بخش نہ ہو' اللہ سے پناہ مانگتا ہوں''۔ یہ بھی انہی کا قول ہے: انسان کا اپنی ذات میں حُسنِ ادب اختیار کرنا' اپنے اہل و عیال کو ادب سکھانا ہے''۔

خانقاہ کی فضیلت و عظمت و اعزاز

خانقاہ کہنے کو تو ایک لفظ ہے لیکن یہ صوفیہ کے فلسفہ حیات کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ گھر جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اُس کی فضیلت قرآنِ حکیم میں اس طرح سے بیان کی گئی ہے:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝

(سورہ النور۔ 24 :36-37)

(ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کئے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام۔ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح شام۔ وہ (جواں) مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یادِ الٰہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے۔ وہ ڈرتے رہتے ہیں اُس دن سے' گھبرا جائیں گے جس میں قلوب اور آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی)۔

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ' ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں: ''فی بیوت یعنی یہ وہ گھر ہیں'' سے مراد مساجد ہیں۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے مراد مدینۃ الرسولؐ کے مکانات ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے مکانات ہیں اور کہتے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا ان گھروں میں علیؓ اور فاطمہؓ کا گھر بھی شامل ہے؟ فرمایا: ''ہاں! وہ ان میں بڑھ کر ہے''۔ حسینؓ فرماتے ہیں کہ زمین کے تمام گھر رسول ﷺ کیلئے سجدہ گاہ بنا دیئے گئے ہیں اور اس لئے کہ ذکر کرنے والے لوگوں کی تخصیص کی گئی ہے نہ کہ جگہوں کی' چہار دیواری کی (یعنی آیات مندرجہ بالا میں اہمیت ذاکرین کی ہے نہ کہ مخصوص چار دیواری یا گھر کی) پس جس جگہ اور جس مقام پر بھی ذاکرین جمع ہوں گے انہی مقامات کو ایسے گھروں سے تعبیر کیا جائے گا جن میں اللہ کے حکم سے ذکر صبح شام بلند کیا جاتا ہے''۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں کہ کوئی صبح اور شام ایسی نہیں گزرتی کہ زمین کے بعض حصے دوسرے حصوں سے نہ پوچھتے ہوں کہ آج تمہارے اوپر کوئی شخص گزرا جو اللہ کا ذکر کر رہا ہو یا اُس نے نماز پڑھی ہو؟ چنانچہ جس زمین پر کسی نے ذکر کیا ہو یا نماز پڑھی ہو وہ فخر کرتی ہے۔ حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے (یعنی سب کچھ اللہ کیلئے چھوڑ دیتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اُس کو روزی اور رزق ایسی جگہ سے دیتا ہے جو کہ وہم و گمان میں بھی نہیں ہو۔ جو کوئی دنیا کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہمہ تن دنیا کے سپرد کر دیتا ہے''۔ گویا کہ یہ ہے خانقاہ نشینوں کی فضیلت و اعزاز و عظمت۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ' سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نیک اور صالح مسلمان کے ذریعے اس کے سو گھر والوں اور پڑوسیوں سے بلاؤں کو ٹال دیتا ہے''۔ ایک اور حدیث پاک میں پڑوسی کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ جو بھی چاروں اطراف میں چالیس چالیس گھر موجود ہوں وہ پڑوسی ہوتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک نیک آدمی کی بدولت اس کی اولاد اولاد کی اولاد اس کے گھر والوں اور پڑوسیوں کے کاموں کو سیدھا کر دیتا ہے اور جب تک وہ نیک بندہ اُن کے درمیان رہتا ہے وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں رہتے ہیں''۔ اب ذرا قیاس کیجئے کہ جو خانقاہ نیکوں' پرہیز گاروں اور اللہ کے صالح بندوں اور ذاکرین کا مستقل ڈیرہ ہو اُس کی برکتوں کا کیا عالم ہوگا؟۔

خانقاہ کا متبادل لفظ رَباط

عربی لغت میں ''رِباط'' کے لفظی معنی ہیں سرائے یا مسافر خانہ۔ اور اگر اسے ''رَباط'' لکھا جائے تو اس کے معانی ہوتے ہیں باندھنا یا ایسا مقام یا جگہ جہاں گھوڑے باندھے جاتے ہیں۔ بعدازاں اسے اُن سرحدوں کیلئے استعمال کیا جانے لگا جو مملکتِ اسلامیہ اور مملکت کفار کی حد فاصل ہو۔ پس جس طرح سرحدی محافظ اور مجاہد اپنے ملک کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح ایک خانقاہ نشین اپنے نفس کی حفاظت کرتا ہے اور دوسروں کیلئے تزکیہ نفس کی مثال بنتا ہے۔ وہ رَباط میں رہتا ہے' ہر دم ذکر و فکر میں مشغول اور طاعت شعاری پر کمر بستہ نظر آتا ہے۔ لہٰذا وہ اور اس کے تمام دوسرے ہم مسلک ساتھی اپنی ریاضت' ذکر و طاعت' دعاؤں اور رجوع الی اللہ کے مشاغل کے باعث بندوں شہروں اور بستیوں سے بلاؤں کو دفع کرنے کا وسیلہ بنے رہتے ہیں' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ کے عبادت گزار بندے' شیر خوار بچے اور چرنے والے مویشی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ تم پر (کفار پر) ایسا عذاب نازل فرماتا کہ اس میں پس کر رہ جاتے''۔

خانقاہی نظام کی خصوصیات و اعمال چہارگانہ

رَباط نشینوں یا خانقاہوں کے مکینوں کی مثال قرآن حکیم کی اُس آیت سے بھی واضح ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا۔ وَٱتَّقُوا ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ٥

(آلِ عمران۔3 : 200)

(اے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلہ میں) اور کمر بستہ رہو (خدمتِ دین کیلئے) اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو جاؤ)

علامۂ دوراں جسٹس پیر کرم شاہ الازہریؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ جلیل القدر اور عظیم المرتبت سورہ آلِ عمران کی آخری آیت ہے اور اس میں نہایت مختصر اور بہت جامع الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ ان چار باتوں میں دنیاوی اور اخروی فلاح و کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔۔۔ (۱) صبر (۲) مصابرہ (۳) رباط اور (۴) تقویٰ۔ صبر کا معنی ہے نیک اعمال کرنے اور بُرے اعمال سے باز رہنے پر نفس کو پابند رکھنا۔۔۔ مصابرہ کا معنی ہے مصابرۃ الاعدا یعنی دشمن کے

پے در پے حملوں کے سامنے فولاد بن کر کھڑے رہنا اور رباط کا معنی ہے' نفس کو نیتِ حسنہ پر آمادہ رکھنا اور جسم کو عبادت پر کاربند رکھنا۔ اس کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ انسان جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کمر بستہ رہے اور گھوڑا تیار رکھے اور نفس کو نماز کا خوگر بنائے۔ تقویٰ اختیار کرنے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے وسیلہ تلاش کرنے کے علاوہ ہر دم مصروفِ جہاد رہے۔ جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر دونوں کیلئے تیار رہے۔ کفار اور نفسِ امارہ سے اور اُن تمام نظریات و افکار سے جو کسی بھی حیثیت سے اسلامی عقائد اور مسلّمات سے ٹکراتے ہوں مصروفِ جہاد رہے تب جا کر فلاح و کامرانی نصیب ہوگی۔ اقبالؒ نے خوب کہا ہے۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم   کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

جہاں تک وسیلہ کا مطلب ہے تو اس بارے میں یاد رہے کہ ایمان' نیک اعمال' عبادات' پیرویِ سنت اور گناہوں سے بچنا یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں اور مرشد کامل جو اپنی روحانی توجہ سے اپنے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے۔ دل میں یادِ الٰہی کی تڑپ پیدا کر دے' اس کے وسیلہ ہونے میں کون شُبہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ''اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ''۔ (المائدہ 35:5)۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد بیعت مرشد ہے۔ (قول جمیل صفحہ 32)۔

حضرت مولانا رومؒ فرما گئے:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم   تا غلامِ شمس تبریزیؒ نہ شد

اور یہ بھی کہ

قال رابگزار مرد حال شو   زیر پائے کاملاں پامال شو

جس کسی فرد یا قوم میں خانقاہی نظام کی یہ صفات پائی جاتی ہیں تو رحمت الٰہی اور نصرت خداوندی اس کی پاسبان ہوتی ہے' مشکلات کے پہاڑ از خود راستہ چھوڑ دیتے ہیں' دنیا کی عزت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی سرخروئی اُس کا مقدر ٹھہرتی ہے''۔

عوارف المعارف میں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت سری

سقطیؒ اس ارشادِ ربانی **"اصبروا و صابروا و رابطوا"** کی تشریح اس طرح سے کرتے ہیں:

''سلامتی کی توقع رکھتے ہوئے شدائد دنیوی پر صبر کرو اور جہاد (اکبر و اصغر) کے وقت ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو اور نفسِ لوامہ کی خواہشات کو روک دو اور ان باتوں سے بچو جن کا انجام ندامت ہے۔ جب یہ شرائط بجالاؤ گے تو امید ہے کہ عزت و کرامت کی بساط پر تم کامیابی حاصل کرسکو گے''۔

خانقاہ نشینوں کے فرائض

شیخ الشیوخؒ فرماتے ہیں: خانقاہ نشینوں کے فرائض میں داخل ہے کہ مخلوق سے قطع تعلق کرلیں اور حق کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑیں' ترک کسب کرکے مسبب الاسباب کی کفالت پر اکتفا کریں' میل جول اور ارتباط سے اپنے نفس کو روکیں' بُرے کاموں سے اجتناب کریں اور اپنی تمام پچھلی عادتوں کو ترک کرکے رات دن عبادت میں مشغول رہیں۔ اپنے اوقات کی نگہداری کریں۔ اوراد و وظائف میں مصروف رہیں' نمازوں کا انتظار کریں اور غفلتوں سے خود کو محفوظ رکھیں اگر ان باتوں سے خانقاہ و زاویہ نشین عمل پیرا ہوجائیں گے تو وہ ایک زبردست مجاہد (مرابط) بن جائیں گے۔

زاویہ نشینوں کی اصحاب صُفہ سے مشابہت

شیخ الشیوخ سہروردیؒ خانقاہ و زاویہ نشینوں کی اہل صُفہ کے اوصاف سے مشابہت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل رَباط بھی ایسے لوگ ہیں جن کا آپس میں ربط وضبط ہوتا ہے' ان کے ارادے یکساں اور عزم ایک جیسا ہوتا ہے اور سب کے احوال میں یک رنگی ہوتی ہے۔ ان کا یہ ربطِ باہمی' اہل جنت جیسا ہے جس کا قرآن میں اس طرح سے ذکر کیا گیا ہے:

''اور ان کے سینوں سے جو کینہ اور رنجش تھی اس کو نکال دیا اور وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں'' اہل صُفہ سے اہل رباط کی مشابہت کا ثبوت اس حدیث سے ملتا ہے جو حضرت ابوزرعہؒ نے اپنے مشائخ کی اسناد سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے' فرماتے ہیں:

''جب کوئی شخص مدینۃ الرسول ﷺ میں باہر سے آتا اور اس کا یہاں کوئی شناسا ہوتا تو

وہ اس کے یہاں قیام کرتا اور اگر کوئی جان پہچان نہ ہوتی تو وہ صُفّہ پر آ جاتا اور یہاں قیام کرتا"۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا "بیشک وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری پر رکھی گئی پہلے ہی دن سے اس بات کی مستحق تھی کہ آپ اس میں قیام فرمائیں، اس (مسجد) میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ خوب ہی پاک صاف ہوں، بیشک اللہ تعالیٰ اہل طہارت کو دوست رکھتا ہے" (سورہ توبہ) زاویوں، خانقاہوں اور رباط میں اپنے مصلوں (سجادوں) پر جمع ہونا سنت رسول ﷺ بھی ہے۔ جس کا ثبوت یہ حدیث پاک ہے کہ حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالرحمنؒ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے کھجور کی چھال کی چٹائی بنائی تھی جس پر آپؐ رات کی نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے"۔ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ مسجد میں اپنے لئے کھجور (کی چٹائی) کا ایک چھوٹا مُصلیٰ نماز پڑھنے کیلئے بچھایا کرتے تھے۔ خانقاہ نشینوں میں شیخ زاویہ اسی لئے سجادہ نشینی کی اس سنت پر تسلسل کے ساتھ عمل پیرا ہیں۔

خانقاہی نظام میں تعلیم وتربیت اور شیخ زاویہ کے فرائض

خانقاہوں میں نوجوان، بوڑھے، خادم اور تنہائی پسند ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن ان سب میں مشائخ ضعیف گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہیں برخلاف نوجوانوں کے کہ ان کی طبعیت زاویہ نشینی میں بیٹھنے سے عموماً گریزاں ہوتی ہے حالانکہ سعادت دارین اُس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک خانقاہ میں حفظِ اوقات، ضبط انفاس اور حواس کی نگہداشت کا انتظام واہتمام نہ ہو۔ لہٰذا خانقاہ میں جوانوں کو قابو میں رکھنے کا اہتمام ہونا چاہیے۔ اصحابؓ رسول ﷺ کو آخرت کی فکر اس طرح سے دامن گیر رہتی تھی کہ ان کو ایک دوسرے کے مال کی خبر نہیں ہوتی تھی پس ارباب صدق اور صوفیہ کیلئے سزاوار ہے کہ ان کے اجتماع ان کے تضیع اوقات کا موجب نہ ہوں۔ لہٰذا شیخ زاویہ کو چاہیے کہ وہ ایسے جوانوں کو گوشہ خلوت اور اوراد ووظائف عطا کرے تاکہ اس سے وابستہ ہوکر وہ اپنے نفس کو خواہشات اور فضول باتوں سے باز رکھ سکیں۔ شیخ کو بھی چاہیے کہ وہ زاویہ میں موجود رہے اس لئے کہ اُس کی حالت میں پختگی کے باعث وہ لوگوں کی مدارت کو گوارا کرسکتا ہے اور صحبت واختلاط کے ناپسندیدہ انجام سے مصئون ومحفوظ رہنے کی اس میں

صلاحیت موجود ہوتی ہے جس سے خانقاہ کو وقار و عظمت حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے اُس سے انضباط و ضبطِ نفس کا سبق حاصل کر کے خرابی و تکدر سے بچ سکتے ہیں۔ جو شخص خانقاہ میں نو وارد ہو اور ابھی علم (معرفت) کا ذائقہ نہ چکھا ہو اُس کیلئے ضروری عمل آغاز میں یہ ہونا چاہیے کہ وہ خانقاہ والوں کی خدمت کرے۔ اُس کی یہ خدمت بھی عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ خادم خدمت کے باعث بطالت اور کاہلی سے محفوظ رہتا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے "ہر کہ خدمت کرد مخدوم شد"۔ خدمت ایک ذریعہ ہے جس سے اوصاف جمیلہ حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن جو خادم ارباب تصوّف سے نہ ہو (یعنی ہم جنس نہ ہو) اور جو مخدوم سے ہدایت کا طالب نہ ہو ایسے شخص سے خدمت لینا مناسب نہیں ہے۔ مشائخ اور صوفیہ غیروں یا نااہلوں سے خدمت لینا تو درکنار اُن سے ارتباط و اختلاط بھی پسند نہیں کرتے۔ صوفیہ سے بتقاضائے بشریت ایسے افعال سرزد ہو جاتے ہیں کہ اغیار اپنی کوتاہی علم کے باعث ان سے کراہت کرتے ہیں۔ نو آموز و نو وارد ساتھیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص صوفیہ کی خدمت کرتا ہے لیکن ابھی اپنی خامیوں کے باعث ان کے مراتب عالیہ تک نہیں پہنچ سکا لیکن وہ خانقاہ کے محض چکر لگانے سے بھی مشائخ کی نگاہ لطف و کرم سے فیض یاب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

خلوت نشینی سے مقصود دین کی حفاظت' احوال نفس کی جستجو اور عبادت الٰہی ہے

شیخ الشیوخ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ "عوارف المعارف" میں فرماتے ہیں "صوفیائے کرام نے خلوت نشینی اور عزلت گزینی کو محض اپنے دین کی حفاظت' احوالِ نفس کی جستجو اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالانے کیلئے اختیار کیا ہے۔ پس طالب معرفت کیلئے ضروری ہے کہ وہ خلوت کے مواقع تلاش کرے تا کہ دوسرے مشغلے اس کی راہ میں حائل ہو کر اس کے اصل مقصد کو تباہ نہ کریں۔ حضرت ابوبکر ورّاقؒ نے فرمایا کہ "میں نے دنیا اور آخرت کو خلوت اور قلت میں پایا یعنی دنیا اور آخرت کی بھلائی خلوت اور قلت میں اور ان دونوں کی برائی کثرت اور بغیر خلوت نشین ہو جانے میں ہے اور جو اسی حالت میں ذکر اذکار کرنے لگتے ہیں وہ ایک عظیم فتنے میں

پڑ جاتے ہیں۔اس میں کوئی کلام نہیں کہ تنہائی اور خیالات کے یکسو ہونے سے انسان کا باطن صاف ہو جاتا ہے۔اب اگر باطن کی یہ صفائی مذہب کی اتباع اور رسول اللہ ﷺ کی سچی پیروی کے باعث حاصل ہوئی ہے تو اس صفا سے روشن ضمیری (صفائے قلب) ذکر الٰہی کی رہنمائی اور اتباع رسول ﷺ کا نتیجہ نہیں ہے تو اس سے محض صفائے نفس حاصل ہوگی اور اس صفائے نفس سے علوم ریاضیہ (علم سرود النفس یعنی دم کشی جو اکثر جوگیوں اور یوگیوں کا طرۂ امتیاز ہے) حاصل ہو سکیں گے۔شیطان ان کو فریب میں مبتلا کر دے گا اور وہ یہ سمجھنے لگیں گے کہ انہوں نے منزل مقصود پالی ہے۔حالانکہ یہ طریقہ برہمنوں اور عیسائی راہبوں کا ہے۔کسی بزرگ کا کیا خوب قول ہے ''حق سبحانہٗ تعالیٰ تم سے استقامت کا طلبگار ہے مگر تم اس سے کرامت کے طالب ہو''۔۔۔اس عاجز مؤلف کے پیر و مرشد خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ حافظ محمد صدیق السالمی چشتی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے الاستقامتُ فوق الکرامت''۔یعنی استقامت' کرامت پر فضیلت رکھتی ہے۔

............O............

باب۔18

خلافتِ ختم المرسلین ﷺ کے اہلِ صوفیہ عظیم الشان

کے

قرآنی القابات

نص صریح ہے کہ رسول مقبول ﷺ کے پانچ فرائض منصبی تھے
(۱) تلاوت آیات (۲) تزکیۂ نفوس (۳) تعلیم کتاب الٰہی
(۴) فیضان حکمت الٰہیہ (۵) عطائے ماوراالعقل علوم

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے رسالتمآب ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد آپؐ کے نائبین کی حیثیت سے پانچوں فرائض نبوت کو کما حقہٗ انجام دینے کی بھرپور کوشش جاری رکھی۔۔۔ خلافتِ راشدہ کے ختم ہوجانے پر چونکہ مملکتِ اسلامیہ پر قبضہ جمائے رکھنے کے شائق سیاسئین و مدبرین ملت اسلامیہ سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ مذکورہ فرائض نبوت میں سے کسی ایک فرض کو بھی نبھاسکیں گے اسلئے صحابہ کرامؓ، حوارئین پیغمبرؐ، تابعین و تبع تابعین اور

قرآن کی لغت کے مطابق امت میں موجود نجباء، رقباء، ربانیین، راسخون، راشدون، صادقین، قانتین، خاشعین، مخلصین، محسنین، خائفین، راجعین، وجلین، عابدین، سائحین، راضین، متوکلین، مجتبین، الابرار، مقربین، مشاہدین، سابقین، مقتصدین، مسارعین الی الخیرات، فقرا و اولیاء خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئے اور مقاصدِ نبوت کو بھرپور توانائیوں اور مکمل آب و تاب کے ساتھ حصہ بقدر انفرادی علم و عمل اپنی اپنی سطح پر جاری و ساری رکھنے میں ایسا تاریخی فریضہ انجام دیا کہ جس کی مثال سابقہ انبیاء کی امتوں میں ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔ چونکہ ان صلحاء و اصفیاء امت کو خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ حضور ختم الرسل ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں اس لئے اب فرائض نبوتؐ کو کما حقہ، جاری رکھنے کی تمام تر ذمہ داری بحیثیت نائبین رسول ﷺ انہی کے کندھوں پر عائد ہو چکی ہے اس لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہمیشہ اُن کے پیش نظر رہا کہ امت مسلمہ کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاءؑ کے مقام و مرتبہ کے ہوں گے۔ یہاں اس امر کا بیان بھی سعی لا حاصل نہ ہو گا کہ قرآن حکیم میں سابقہ انبیاءؑ اور نبی پاک ﷺ کے فرائض کے بیان میں کہیں پر بھی حکومتوں کے قیام کو شامل نہیں رکھا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص الخاص بندوں کے ساتھ تعلق باللہ اور رجوع الی اللہ کے استحقاق کی بنیاد پر زمین پر خلافت بمعنی امامت و سیادت اور اختیارِ حکومت کے عطا و انعام کا وعدہ ایک بدیہی حقیقت کے طور پر کر رکھا ہے چنانچہ فرمایا گیا:

o **يَقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا** o (4۔النساء:78) بتا دیجئے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی؟"

مولانا محمود الحسن اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ ان کو جواب دیدو کہ بھلائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے، سب باتوں کا موجد اور خالق اللہ تعالیٰ ہے، اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں اور پیغمبر ﷺ کی تدبیر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اللہ کا انعام ہے"۔ گویا کہ اگر حضور نبی مکرم ﷺ کے ذریعے خلافت قائم ہوئی تو وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے تھے حتیٰ کہ حضور ﷺ کی اس ضمن میں تدابیر اور حکمتِ عملی بھی اللہ ہی کا الہام تھی تا کہ

مشیت ایزدی پوری ہو۔

○ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِكَ الْخَیْرُ ط اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌo (3۔آل عمران:26)۔

''(اے حبیب! یوں) کہیئے اے اللہ! اے مالک سب ملکوں کے! تو بخش دیتا ہے ملک جسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے جس سے چاہتا ہے اور عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے' تیرے ہی ہاتھ ہے ساری بھلائی' بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

مفسرین نے اس آیت کا ترجمہ مختلف اسلوب میں کیا ہے۔سعودی عرب کے الملک فہد بن عبدالعزیز کی طرف سے تقسیم کئے گئے قرآن حکیم کے مترجم مولانا محمد جونا گڑھی نے آیت کا ترجمہ اس طرح سے کیا: آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔۔۔''اس آیت پر تفسیری حواشی میں مولانا صلاح الدین یوسف نے لکھا:''اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قوت و طاقت کا اظہار ہے' شاہ کو گدا بنا دے' گدا کو شاہ بنا دے تمام اختیارات کا مالک! وہی ہے''۔سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا:''کہو! خدایا! ملک کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے (حکومت) چھین لے' جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے''۔۔۔مولانا محمود الحسن اس آیت کا ترجمہ اس طرح سے کرتے ہیں:''تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیوے جسے چاہے اور سلطنت چھین لیوے جس سے چاہے اور عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے۔۔۔''مولانا شبیر احمد عثمانی اس ترجمہ پر حاشیہ میں کہتے ہیں: اصل یہ ہے کہ یہ مادی سلطنت و عزت کیا چیز ہے جب خداوند قادر و حکیم نے روحانی سلطنت و عزت کا آخری مقام یعنی منصب نبوت و رسالت بنی اسرائیل سے منتقل کر کے بنی اسمٰعیل میں پہنچا دیا تو روم و عجم کی ظاہری سلطنت کا عرب کے خانہ بدوشوں کی طرف منتقل کر دینا کیا مُستبعد ہے''۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ وہی نکتہ ہے جسے یہ فقیر پُرتقصیر ثابت کرنے میں کوشاں ہے کہ خلافت درحقیقت نہ حکومت ہے نہ سلطنت ہے نہ بادشاہت بلکہ یہ ایک ایسا عدیم النظیر اور بے مثال ذمہ دارانہ منصبِ امامت و مقام سیادت و عظمت و امتیاز ہے

جو کلیتاً روحانی حقیقت کا حامل ہے اگر چہ اس کی ایک جہت مادی بھی ہے' یہ مادی جہت عارضی اور فانی ہے اور آنی جانی' جب کہ روحانی جہت ہی حقیقی' مستقل اور ابدی ہے' اسی لئے دانشمند اور عقل وخرد کے حامل اللہ کے نیک بندے روحانی جہت میں کامیابی و کامرانی کو اپنے جہد و عمل سے استوار رکھنے میں زندگیاں کھپاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہؒ نے بھی کیا خوب فرمایا ہے:

خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی — یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی

اور یہ بھی کہ۔

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے — حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے!
ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق! — جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے!
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست — زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے!
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے — فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے!
فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اس کی — جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے!

حضرت اقبالؒ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے — ترے دماغ میں بتخانہ ہو تو کیا کہیے!
وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لاالہ میں ہے — طریقِ شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیے!
مقامِ فقر ہے کتنا بلند شاہی سے — روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے!

حافظ ابن کثیر متذکرہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ آپ اپنے رب کی تعظیم کے طور پر اور اس کا شکر یہ بجالانے کیلئے اور اسے اپنے تمام کام سونپ دینے کیلئے اور اس کی ذات پاک پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے ان الفاظ میں اس کی بڑائیاں بیان کیجئے جو آیت مذکورہ میں بیان ہوئے یعنی اے اللہ' مالک ملک تو ہے' تمام ملک تیری ملکیت میں ہے جسے تو چاہے دے اور جس سے تو چاہے دیا ہوا بھی لے لے' تو ہی دینے والا ہے' تو جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے' ہو نہیں سکتا'' (دلچسپ اور خوبصورت بیان ہے پڑھنے کے لائق ہے مزید تفصیلات کیلئے تفسیر ابن کثیر حصہ اوّل شائع کردہ ناشرانِ قرآن لاہور صفحہ۔ 449)۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''کسی فرد یا قوم کو یہ

حق حاصل نہیں کہ وہ حکومت اور عزت کو اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگے (یا یہ سمجھے کہ وہ کوشش اور جدوجہد سے حکومت یا عزت چھین سکتا ہے) اور اس فریب میں مبتلا رہے کہ اعمال خواہ کتنے سیاہ کیوں نہ ہوں اُس سے حکومت چھینی نہیں جاسکتی اور نہ اُسے عزت سے محروم کیا جاسکتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ سب کچھ اس مالک حقیقی کے دستِ قدرت میں ہے۔۔۔اُس کی سنت یہ ہے کہ جو فرد یا قوم اپنے عمل سے اپنے آپ کو اس نعمت کا نا اہل ثابت کر دیتی ہے تو اُسے ذلت وخواری کے گڑھے میں پھینک دیا جاتا ہے"۔

حکومت وسلطنت کے اللہ تعالیٰ کی عطا ہونے کے نظریہ سے حکومتوں اور سلطنتوں کے رسیا افراد کا عدم اتفاق تو سمجھ میں آتا ہے لیکن ہمارے ایک اسلام پسند فاضل دوست (جو اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں) نے اس مقام پر یہ سوال اُٹھایا کہ حکومت وسلطنت "بلاشبہ یہ اللہ کی عطا ہے لیکن کیا یہ عطا ہمیشہ کفار وفساق وفجار کے لئے ہے؟ اہل صدق وصفاء کے لئے نہیں؟ کیا اس کی طلب معصیت ہے؟ اور اس کے حصول کی جدوجہد کیا بے دینی ہے؟" ناچیز مؤلف عرض گزار ہوا کہ ظاہر ہے کہ جب کفار اور فساق وفجار خود کو "مادی رہنمائی" کا اہل ثابت کر دیں گے تو حکومت وسلطنت اُنہی کا مقدر ٹھہرے گی کیونکہ روحانی سربلندی ایسے قبیلے کا مقصود ہی نہ تھا۔۔۔۔دوسری طرف خلافتِ الٰہیہ کے اہل لوگوں کو ہر دو جہتوں (یعنی روحانی اور مادی) میں خود کو اہل ثابت کرنا ہوگا۔ جو یقیناً شاذ کے زمرے میں آتا ہے اس لئے اہل صدق وصفا کم کم ادوار میں یہ منصب حاصل کر پاتے ہیں۔ علاوہ ازیں انسانوں کے لئے حکومت کا منصب ایک آزمائش بھی ہے' جس کا آخرت میں حساب اور مواخذہ بھی اُتنا ہی سخت ہوگا اسلئے اہل صدق وصفاء آخرت میں محاسبہ کے خوف سے خود بھی یہ منصب قبول کرنے سے گریزاں رہے۔ تاریخ شاہد ہے' پھر انفرادی سطح پر حکومت کی طلب یقیناً معصیت ہے کیونکہ خود مولانا مودودی کے فکر ونظر میں ایسے لوگوں کو خائن کہا جاتا رہا ہے۔ کیا علماءِ اسلام کا روپ دھار کر اسلامی حکومت کے قیام وانصرام کا عوام کو جھانسہ دینے والے سیاسیین اہل صدق وصفاء کہلانے کے حق دار ہو سکتے ہیں؟ اگر یہ لوگ اہل صدق وصفاء ہیں تو خلافتِ راشدہ کا شیرازہ کیوں منتشر ہوا؟ ہمارے ایک فاضل دوست نے جو اعتراض کیا ہے' افسوس کہ انہوں نے ایک جملے کو نشانۂ تنقید بنایا۔ پورا پیراگراف پڑھ کر اپنی رائے قائم نہیں کی۔ (مؤلف)

اندریں حالات اس میں شک نہیں کہ حکومت وسلطنت کا جہاں تک تعلق ہے' یہ محض

اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جسے وہ چاہے عطا کردے۔ رہی خلافت تو یہ چونکہ انسان کی روحانی و مادی' دونوں جہتوں پر محیط ہے اس لئے اس کے حصول پر دورِ حاضر کے سیاسی و انتخابی طریقوں کا اطلاق ہی حماقت ہے اگرچہ اس کا ارتکاب عصرِ حاضر کے بعض دانشور کر رہے ہے۔ یہ لوگ علماء اسلام کا روپ دھار کر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام و انصرام کا عوام کو جھانسہ دے کر سیاسی تنظیمیں قائم کئے بیٹھے ہیں جب کہ یہ روحانی امامت و سیادت کے اوصاف سے چونکہ خود عاری ہیں اس لئے اپنی تنظیموں اور جماعتوں میں شامل ہونے والے افراد کی تعلیم و تربیت اور ان کے تزکیۂ نفوس کا کیا اہتمام کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کی جدوجہد سے غلبۂ اسلام کی توقع رکھنا ہی عبس ہے۔ الٹا یہ بھانت بھانت کی بولیاں بول کر اور دین اسلام' قرآن و سنت اور مسلمہ فقہی مسائل کی من مانی تعبیرات کر کے امتِ مسلمہ میں شر و فساد پھیلانے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ان میں سے ہر تنظیم اور ہر جماعت کا اپنا نقطہ نگاہ ہے' ظاہر ہے کہ ان کے ذریعے سے آیا ہوا کوئی ''اسلامی انقلاب'' (بشرطیکہ ایسا معجزہ رونما ہو سکے) مسلمہ فقہی مسالک کا ترجمان کیونکر ہو سکے گا؟ ان میں سے ہر جماعت و تنظیم اسلام کی من مانی تشریحات اور قرآن و سنت کی تفاسیر بالرائے کے باعث اپنی اپنی جگہ پر ایک گمراہ فرقے کا روپ دھار چکی ہے۔ ان کی حالت تو بقول حضرت علامہؒ یہ ہے کہ:

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے — نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکار عمیق!
خود بدلتے نہیں' قرآن کو بدل دیتے ہیں! — ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

پاکستان کی تاریخ شاہد ہے کہ عامۃ المسلمین نے آج تک دین متین اور مذہب اسلام کے ناموں اور انقلاب اسلامی کے دعاوی پر قائم جماعتوں اور تنظیموں کو انتخابات میں کبھی پذیرائی عطا نہیں کی کیونکہ اُن کے نزدیک مذکورہ تنظیمیں اور جماعتیں نہ صرف یہ کہ مسلم عوام الناس کے متفقہ' علیہ فقہی مسالک سے متضاد افکار و نظریات کی حامل ہیں بلکہ اُن کے امامانِ سیاست و سیادت اراکین و لیڈر' دین اسلام میں مقرر کردہ امامت و سیادت کے معیارات اور سنتِ اللہ و سنت رسول مقبول ﷺ کے مطابق تربیت و تزکیۂ نفوس پر یقین نہ رکھنے کے باعث وہ معیاری کردار و عمل کے پیکر ہو سکتے ہیں۔ حضرت علامہؒ نے اسی لئے ہمیں بہت پہلے سے خبردار کر رکھا ہے:

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی! — آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلہ علم کلام!
روشن اس ضو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو! — خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے — قُل ھُوَاللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ! اس راز سے واقف ہے نہ مُلّا' نہ فقیہہ — وحدت افکار کی' بے وحدتِ کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے' قوموں کی امامت کیا ہے؟ — اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

دینی امامان سیاست کے بالمقابل ذرا دیکھئے کہ صوفیہ کے نزدیک تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس کی کٹھالی میں ڈھالنے والے رہنماؤں' درویشوں' فقیروں کی شان کیا ہے۔ چنانچہ حضرت سلطان باہو فنائی الہُو' اسی نکتے کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

م مرشد و انگ سنیارا ہووے' جیہڑا گھت کٹھالی گالے ہُو
پا کٹھالی' باہر کڈھے' بُندے گھڑے' یا والے ہُو

کنیں خُوباں دے تدوں سہاون' جدوں کٹھے پا اجالے ہُو
نام فقیر تنہاں دا باہُو' جیہڑا دم دم دوست سمہالے ہُو

ترجمانی: (مرشد زیور بنانے والے سنیارے کی طرح ہونا چاہیے جو مرید کو عشق کی کٹھالی میں ڈال کر گلائے اور کثافتوں یعنی دل و دماغ کے میل کچیل سے پاک صاف کر کے کٹھالی سے نکالے۔ ایسے مُزکی و پاک صاف یعنی باصفا صوفی صافی) مرید کی مثال ایسی ہی ہے جیسے سنیارے کی کٹھالی سے نکلا ہوا خالص سونا جس سے اب ماہر زرگر کانوں میں ڈالنے والے بندے بالیاں (جو زیور چاہے) بنائے۔ اسی طرح مرشد اپنے باصفا مرید کو روحانیت کے جس مقام کے قابل چاہے اس پر فائز المرام کر دے۔ جیسے زیور محبوبوں کی زیب و زینت کا ذریعہ اُس وقت بنتے ہیں جب کٹھالی میں ڈال کر سونے کی کثافت کو دور کر دیا جاتا ہے اسی طرح مرید جسمانی و روحانی کثافتیں دور ہونے کے بعد ہی رشد و ھدایت اور تبلیغ و ارشاد کے قابل بن سکتا ہے۔ اے باھُو! فقیر کہلانے کے مستحق وہی شخص ہوتے ہیں جو ہر دم ذکر و فکر میں مشغول رہیں' پل بھر کیلئے بھی وہ ذکر اللہ سے غافل نہ ہوں)۔

صوفیہ کے قرآنی القابات

۱۔ الصادقین (سچے):

الصدق، الکذب کی ضد ہے۔ اصل میں یہ دونوں قول کے متعلق استعمال ہوتے ہیں خواہ اس کا تعلق زمانہ ماضی کے ساتھ ہو یا مستقبل کے ساتھ۔ وعدہ کے قبیل سے ہو یا وعدہ کی قبیل سے نہ ہو۔ الغرض بالذات یہ قول ہی کے متعلق استعمال ہوتے ہیں۔ پھر قول میں بھی صرف خبر کیلئے آتے ہیں اور اس کے ماسوا دیگر اصنافِ کلام میں استعمال نہیں ہوتے اسی لئے ارشاد ہے:

o **وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا** (4۔النسآء:122) اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے۔

اس آیت کے ابتدائی حصہ میں یہ فرمایا گیا تھا: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے داخل کریں گے ہم انہیں ان باغوں میں جن کے نیچے نہریں (بہتی ہیں) ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے' یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے''۔ گویا کہ اللہ کی جانب سے اجرِ عظیم اور جنت کے وعدہ کو یہ صادقین لوگ بالکل سچ اور حق جانتے ہوئے اپنے فرصت کے لمحات کو ضائع نہیں کرتے بلکہ وہ ہمیشہ ایمان کے تقاضے پورے کرنے پر کمربستہ رہتے ہیں اور سچے مومن بن کر زندگی گزراتے ہیں۔ وہ اس خودفریبی میں کبھی مبتلا نہیں ہوتے کہ عمل صالح کے بغیر نجات ممکن ہے۔ دعویٰ عشق و محبت اور محبوب کی اطاعت میں سستی اور کاہلی کے نتائج بد سے وہ ہمیشہ خبردار رہتے ہیں۔

o **اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ** (19مریم:54) وہ وعدے کے سچے۔۔۔۔ تھے۔

آیت مبارکہ کا پورا ترجمہ یہ ہے: ''اور ذکر کیجئے کتاب میں اسمٰعیل کو بیشک وہ وعدے کے سچے تھے اور رسول اور نبی تھے''۔۔۔ بنی اسرائیل کا دعویٰ تھا کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تو نبی تھے' جب کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پیغمبر نہیں تھے۔ قرآن حکیم نے اُن کے اس دعوے کی تردید کردی اور فرمایا کہ حضرت اسماعیل نہ صرف نبی تھے بلکہ رسول بھی تھے۔۔۔ اور صادق الوعد یوں تھے کہ انہوں نے اللہ اور اللہ کے بندوں سے جو وعدہ بھی کیا وہ پورا کر دکھایا' یہی صادقین کا حقیقی وصف ہے۔ سب سے اہم وعدہ جو اپنے والد بزرگوار علیہ السلام سے کیا یعنی ''مجھے ذبح کرنے کا جو حکم اللہ نے آپ کو دیا ہے اُس کی تعمیل کیجئے اور آپ انشاء اللہ مجھے صابروں میں سے

پائیں گے''۔معلوم ہوا کہ صادقین ہی صابرین ہوتے ہیں۔''

o قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمَ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (5۔المائدہ:119)اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئیگا۔

آیت مبارکہ کا پورا ترجمہ یہ ہے: فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو اُن کا سچ ان کیلئے باغات ہیں جن کے نیچے رواں ہیں نہریں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے' یہی ہے بڑی کامیابی''۔ابن حیان نے فرمایا کہ اللہ کی رضا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔کیونکہ اس نعمت عظمیٰ کے سامنے جنت اور جنت نعیم کی کیا وقعت ہے''۔

o مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ (4۔النسآء:69)یعنی انبیاء وصدیقین اور شہداء' میں صدیقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو فضیلت میں انبیاء سے کچھ کم درجہ کے ہوتے ہیں۔

آیت مبارکہ کا پورا ترجمہ یہ ہے:''اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اُس کے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہدا اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔''اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ حضور ﷺ کے عاشق زار حضرت ثوبانؓ حاضر ہوئے تو چہرہ اترا ہوا اور رنگ اڑا ہوا دیکھ کر حضورؐ نے وجہ پوچھی تو درد مند عاشق نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! نہ کوئی جسمانی تکلیف ہے اور نہ کہیں درد۔بات یہ ہے کہ رُخ انور جب آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے تو دل بے تاب ہو جاتا ہے۔فوراً زیارت سے اس کو تسلی دیتا ہوں۔اب رہ رہ کر مجھے یہ خیال ستاتا ہے کہ جنت میں حضور ﷺ کا مقام بلند کہاں ہوگا اور یہ مسکین کس گوشہ میں پڑا ہوگا۔اگر روئے تاباں کی زیارت نہ ہوئی تو میرے لئے جنت کی ساری لذتیں ختم ہو جائیں گی۔فراق وہجر کا یہ جانکاہ صدمہ تو اس دل ناتواں سے برداشت نہ ہو سکے گا۔ حضورؐ پرنور یہ ماجرا سن کر خاموش ہو گئے یہاں تک کہ جبریل امینؑ یہ مژدہ لے کر تشریف لائے کہ ہم اطاعت گزار عشاق کو جنت میں جدائی کا صدمہ نہیں پہنچائیں گے بلکہ ان کو اپنے محبوب کی معیت و وصال میسر ہوگا۔جسٹس پیر کرم شاہ الازہریؒ لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ عشقِ مصطفویؐ میں صرف ثوبانؓ کی یہ کیفیت نہ تھی بلکہ تقریباً سب کا یہی حال تھا چنانچہ علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین جنہوں نے یہ روایت لکھی ہے انہوں نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جملہ صحابہؓ کے شکوہ فراق پر یہ آیت

نازل ہوئی۔

o رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (33۔الاحزاب:23) یعنی ایسے شخص بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو اپنے عمل سے سچ کر دکھایا"۔

رِجَـــال " پر تنوین تعظیم کی ہے اس سے مراد وہ مردانِ کار ہیں جو قوت و مردانگی و جوانمردی میں بے نظیر و بے مثال تھے' یعنی ایسے پاکباز عشاق جنہوں نے اپنے رب کریم سے جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا کر دکھایا۔ مفسرین کے مطابق ان میں وہ بیدار بخت ہیں کہ جنہوں نے سرفروشی و جانبازی کی جو نذر مانی تھی اُسے پورا کر دیا اور جان دے کر شہدا کی صف میں شامل ہو گئے۔ انہی میں حضرت مصعب بن عمیرؓ اپنے مالدار ارباپ کے لاڈلے بیٹے تھے' بڑے خوش پوش' نازونعم میں پلے ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم نے انہیں اسلام کیلئے چن لیا تو سب کچھ چھوڑ کر درِ مصطفیؐ کی غلامی اختیار کر لی۔ حضورؐ نے انہیں اوس وخزرج قبائل میں تبلیغ کیلئے بھیجا تو گھر گھر نورِ توحید سے روشن ہو گیا۔ جنگ احد میں دیگر غلامانِ حبیبؐ کبریا کی طرح شوق شہادت سے جھومتے ہوئے دادِ شجاعت دینے لگے۔ کیف و مستی کے عالم میں زخموں سے چور ہو کر گرے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ جنگ ختم ہوئی تو محبوب رب ﷺ اس بہادر سپاہی کے قریب کھڑے ہو گئے اور دعا فرمائی: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ لوگ قیامت تک شہید ہیں پس ان کے پاس آؤ۔ ان کے مزارات کی زیارت کرو۔ اس ذات پاک کی قسم کہ جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی انہیں سلام کرے گا وہ جواب دیں گے"۔

حضرت انس بن نضر کو بدر میں شریک نہ ہونے کا ملال تھا۔ ہمیشہ کہتے کہ میں کفر و اسلام کے پہلے معرکہ میں شرکت سے محروم رہا۔ چنانچہ جنگ احد میں شامل ہوئے۔ لشکر اسلام میں جب حضور ﷺ کی شہادت کی بے بنیاد خبر سے کھلبلی مچ گئی تو بعض مسلمان دل شکستہ ہو کر بیٹھ گئے۔ یہ پاس سے گذرے' پوچھا یوں کیوں بیٹھے ہو؟ کہا حضور ﷺ شہید ہو گئے۔ آپ نے انہیں للکارا کہ رسول پاکؐ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ پھر تلوار بے نیام کی اور دشمن پر ٹوٹ پڑے اور کہتے جاتے: سعد نضر کے رب کی قسم! مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے اور مجھے یہ خوشبو کوہ اُحد کے پیچھے سے آ رہی ہے یہی کہتے کہتے شہید ہو گئے جب ان کے زخم گنے گئے تو اسّی (80) سے زیادہ تھے اور کوئی عضو بھی سلامت نہ تھا کہ ان کی پہچان ہو سکے۔ اُن کی بہن نے اُن کی انگلیوں کے پورے دیکھ کر اُنہیں پہچانا۔ جو لوگ میدان جہاد سے زندہ سلامت واپس آئے وہ شہادت سے محرومی کے باعث

غمزدہ اور دل گرفتہ تھے۔۔۔ چنانچہ آیت کا پورا ترجمہ پڑھیئے اور لطف اُٹھایئے' فرمایا گیا: ''جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ ان جوانمردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں' (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی''۔ (23:33)۔

o وَ الَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ۔ (39۔الزمر:33) یعنی وہ شخص جو سچائی لوگوں کے پاس لے کر آئے اور پھر اسے اپنے عمل سے بھی سچ کر دکھائے۔ یہی لوگ ہیں جو پرہیز گار ہیں''۔

یعنی وہ نبی مکرم ﷺ جو ابدی صداقت کو لے کر تشریف لائے اور وہ اہل ایمان جنہوں نے سچے دل سے اس صداقت کو قبول کیا' یہ ہی متقی و پرہیز گار ہیں۔۔۔ اور سورہ الزمر کی آیت (34-35) میں فرمایا گیا: ''انہیں ملے گا وہ جو چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے صلہ ہے محسنوں کا تا کہ ڈھانپ لے اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بدترین اعمال کو اور عطا فرمائے انہیں اجر ان کے بہترین اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔۔۔ دیکھا آپ نے یہ پاک لوگ ہیں اور کیا مقام ہے نبی کریم ﷺ کا اور شان ہے آپ کے دامنِ کرم سے وابستہ ہونے والوں کی اور آپ کی دعوت پر صدق دل سے ایمان لانے والوں اور قربان ہونے والوں کی کہ وہ جو دعا کریں گے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ پوری کرے گا۔ ان پر مزید کرم یہ کیا جائے گا کہ ایمان لانے سے پہلے جو سنگین جرم اُن سے سرزد ہوئے تھے اُن کو بھی اس طرح سے ڈھانپ لیا جائے گا کہ سراغ تک بھی کسی کو معلوم نہ ہوگا۔ آج بھی' جو شخص صدقِ دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اس کے سابقہ نامۂ اعمال کی سیاہی دھو دی جاتی ہے اور اُس پر ایسے ایسے کرم بے حساب فرمائے جاتے ہیں کہ دنیا دیکھ کر حیران ہو جاتی ہے۔

o وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ (10۔یونس:2) ''اور خوش خبری دو انہیں جو ایمان لائے کہ ان کے ربّ کے ہاں ان کا مرتبہ بلند ہے''۔

زجاج نے قدم صدق کا معنی درجہ عالیہ (یعنی بلند مقام) کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کا معنی اچھی جزاء بتایا ہے جو ان کے اعمال حسنہ پر ملے گی (مظہری) حضرت زیدؓ بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضور پر نور ﷺ کی شفاعت ہے۔ امام حسن بصریؒ اور قتادہؒ کا قول ہے: یعنی قدم صدق سے مراد حضور کریم ﷺ کی ذات اقدس ہے کیونکہ حضورؐ ہی ایسے شفیع ہیں جن کی شفاعت یقیناً

قبول کی جائے گی اور حضور ﷺ اپنی امت سے پہلے حوض کوثر پر تشریف فرما ہوں گے تا کہ اپنی پیاسی امت کو سیراب فرما سکیں۔ امام بخاری نے یہی قول حضرت زید بن اسلم سے نقل کیا ہے۔

- وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿26۔ الشعرا:84﴾ اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک (جاری) کر یعنی مجھے ایسا صالح بندہ بنا دے کہ میری موت کے بعد جب میری تعریف کریں تو ان کی تعریف غلط نہ ہو۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین فرماتے ہیں: لسان صدق سے مراد ہے 'الثناء الحسن'، یعنی بہترین تعریف یعنی نیک بندوں کی زبانیں میری ستائش کرتی رہیں۔ اظہار بندگی میں جن توفیقاتِ مخصوصہ اور کمالاتِ عظیمہ سے تو نے مجھے سرفراز فرمایا ہے رہتی دنیا تک ان کا ذکر ہوتا ہی رہے۔ قشیری نے لسان صدق کا معنی الدعا الحسن یعنی نیک دعا کیا ہے۔ یعنی لوگ اپنی نیک دعاؤں میں مجھے ہمیشہ یاد رکھیں اگرچہ لسان کا معنی زبان ہے لیکن اس کا اطلاق اس بات پر بھی ہوتا ہے جو زبان سے نکلتی ہے۔ جیسے سخاوت کو ید کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا تھی اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا۔ آپ کے بعد جتنے نبی آئے سب آپ کی عظمت و رفعت شان کا اعتراف کرتے رہے۔ آج بھی سلسلہ نبوت و رسالت پر ایمان رکھنے والی قومیں بلا استثناء آپ کی تعریف اور توصیف میں رطب اللّسان ہیں۔ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے آپ کی اس دعا کو چار چاند لگ گئے۔ آپ کے دین حنیف کا احیاء ہوا آپ کے عقائد حقہ کی اشاعت ہوئی ہر مسلمان جب نماز میں درود ابراھیمی پڑھتا ہے تو حضورؐ کے ساتھ حضرت ابرہیمؑ پر اور آپ علیہم السلام کی آل پاک پر بھی درود پڑھتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے نیک بندوں کی یاد بھی اللہ پاک قائم رکھنے کا اہتمام فرماتا ہے۔

۲۔ القانتین (ادب والے، فرمانبردار)

اَلْقُنُوْتُ کے معنی خضوع کے ساتھ اطاعت کا التزام کرنے کے ہیں: اس بنا پر آیت:

- وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿2۔ البقرہ:238﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے آگے ادب سے (عاجزی کرتے ہوئے) کھڑے رہا کرو''۔ بعض نے قانتین کے معنی طائعین کئے یعنی اطاعت کی حالت میں اور بعض نے خاضعین یعنی خشوع و خضوع کے ساتھ۔ اسی طرح فرمایا گیا:

○ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (2۔البقرہ:116) ''سب اس کے فرمانبردار ہیں''۔۔۔
میں بعض نے طائعُونَ (فرمانبردار) اور بعض نے سَاکِتُونَ یعنی خاموش اور چپ چاپ اور اس طرح سے بالکل خاموش کھڑے رہنا مراد نہیں ہے بلکہ اللہ کی تسبیح وتحمید کا نام ہے اور اس میں کسی طرح کی انسانی گفتگو جائز نہیں ہے۔اسی بنا پر جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ کونسی نماز افضل ہے تو آپ نے فرمایا طولُ القُنُوتِ یعنی عبادت میں ہمہ تن مصروف ہو جانا اور اس کے ماسوا سے توجہ پھیر لینا۔اسی طرح قرآن میں ہے:

○ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا (16النحل:120) بے شک حضرت ابراہیمؑ لوگوں کے امام (مردکامل) اور اللہ کے مطیع (فرمانبردار) تھے۔

لغت عرب میں امت کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے: (۱) وہ انسان جو تمام خوبیوں کا جامع ہو (۲) امام اور پیشوا (۳) علمبردار حق وصداقت (۴) جو دنیا بھر سے الگ تھلگ ہو (۵) اس قوم کو بھی اُمت کہتے ہیں جس کی طرف رسول بھیجا گیا ہو۔ان تمام معنی کے اعتبار سے حضرت خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات کو امۃ کہا جا سکتا ہے۔اگر چہ آپ فرد واحد تھے لیکن اپنے اوصاف وشمائل کے اعتبار سے آپ کسی قوم سے کم نہ تھے۔قانتاً کے معنی اطاعت گزار' فرمانبردار' حنیف کے ہیں جو ہر باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف متوجہ ہو۔

مریم علیہ السّلام کے متعلق فرمایا:

○ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ (66۔التحریم: 12) اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھیں۔

آیت مبارکہ کا پورا ترجمہ یہ ہے: (اہل ایمان کیلئے فرعون کی بیوی کی ایک مثال پیش کرنے کے بعد) ''اور (دوسری مثال) مریم دختر عمران کی ہے جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے روح اور مریمؑ نے تصدیق کی اپنے رب کی باتوں کی اور کتابوں کی اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھی''۔۔۔سورۃ التحریم کا اختتام اسی آیت پر ہوتا ہے۔مریمؑ جو ایک پارسا والدین کی بیٹی تھی۔جنہوں نے اسے بیت المقدس کی خدمت کیلئے وقف کر دیا تھا۔عمر بھر سب لوگوں میں سے الگ ایک حجرہ میں ذکر وفکر میں مشغول رہی۔جس کی نگرانی اللہ کے پیارے نبی حضرت ذکریا علیہ السّلام کے سپرد تھی۔اسے کنوارپنے میں

حاملہ کر دیا گیا۔ یہاں تک اس کے ہاں ایک خوبرو اور صحت مند بچہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے طوفان برپا کر دیا۔ طعن و تشنیع کے تیروں کی ہر طرف سے بارش ہونے لگی۔ لیکن اللہ کی یہ بندی پیکر تسلیم و رضا بنے اپنے رب کی مشیت کو پورا ہوتے دیکھتی رہی۔ ایسی آزمائش میں پورا اترنا مریم کا ہی کام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں اس کی پاکدامنی کی شہادت دی' فرمایا وہ بڑی عفیفہ تھی۔

- اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا (39۔الزمر:9) یا وہ جو رات کے وقتوں میں زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا ہے۔

آیت مبارکہ کا پورا ترجمہ یہ ہے: ''بھلا جو شخص عبادت میں بسر کرتا ہے رات کی گھڑیاں' کبھی سجدہ کرتے ہوئے' کبھی کھڑے ہوئے (بایں ہمہ) ڈرتا ہے آخرت سے اور امید رکھتا ہے اپنے رب کے رحم کی' آپ پوچھیئے کیا کبھی برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل' البتہ صرف عقلمند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں''۔۔۔جسٹس پیر کرم شاہ الازہری اس آیت کے پہلے ٹکڑے کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (صلحاء و انبیاء میں سے قانتین کی صفت پر پورا اترنے والے) مومنین کے شب و روز کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ نیاز مندیوں کا یہ عالم ہے کہ رات بھر درد انگیز نالے کرتے رہتے ہیں اور درِ اقدس پر جبین نیاز جھکائے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود اپنی عبادت پر نازاں نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے ہر وقت ڈرتے بھی ہیں اس کی رحمت کے امیدوار بھی رہتے ہیں۔ آیت مبارکہ کے درمیانی حصہ کی تشریح کرتے ہوئے پیر صاحب کہتے ہیں: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی کو جانتے ہیں اُن کی بیم و رجاء کا یہ حال ہے اور جو شان الٰہی سے بالکل غافل ہیں اُن کی سرکشی کی حد نہیں۔ کیا یہ دونوں گروہ یکساں ہو سکتے ہیں۔ دراصل غافل لوگ ہی جاہل اور احمق ہیں۔ بصورت دیگر عقلمند تو نصیحت قبول کرتے ہیں' حقیقی اہل علم تو وہی لوگ ہیں جو راتیں اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر عبادت میں گزارتے ہیں' کبھی سجدہ کرتے اور کبھی کھڑے ہوئے۔ جن کے اندر یہ صفت موجود نہیں قرآن کے نزدیک علم سے عاری ہیں خواہ وہ دنیاوی اعتبار سے چاند اور مریخ پر ہی کیوں نہ پہنچ چکے ہوں''۔

- اُقْنُتِیْ لِرَبِّكِ (3۔آلِ عمران:43) اپنے رب کی فرمانبرداری کرنا۔

آیت مبارکہ کا پورا ترجمہ یہ ہے: اے مریم اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو اُن لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں''۔۔۔قنوت کا لفظ ہے' اس سے مراد اطاعت گذاری ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السّلام نماز میں اتنا لمبا

قیام کرتی تھیں کہ دونوں ٹخنوں پر ورم آجاتا تھا۔

- وَمَن يَقنُت مِنكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوله (33۔الاحزاب:31) اور جو تم میں سے اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبردار رہے گی۔

آیت مبارکہ کا پورا مضمون ہے: نبی کریم ﷺ کی بیبیوں سے خطاب چل رہا تھا' چنانچہ فرمایا گیا: ''اور جو تم میں سے فرمانبردار بنی رہی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نیک عمل کرتی رہی تو ہم اُس کو اجر بھی دوچند دیں گے''۔

- وَالقٰنِتِينَ والقٰنِتٰت (33۔الاحزاب:35) اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں۔

آیت مبارکہ کا مکمل ترجمہ یہ ہے: ''بیشک (۱) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' (۲) مومن مرد اور مومن عورتیں' (۳) فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں' (۴) سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں' (۵) صابر مرد اور صابر عورتیں' (۶) عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں' (۷) خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں' (۸) روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں' (۹) اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں' (۱۰) اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں'۔۔۔تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان سب کیلئے مغفرت اور اجر عظیم'' o یہ اُس امت کے افراد کی دس صفاتِ صالحہ ہیں کہ جسے خیرالامم کے لقب سے بھی نوازا گیا ہے۔ یہاں یہ امر خاص طور پر نوٹ کرنے کا ہے کہ ان صفات میں مرد اور عورت کی کوئی تمیز نہیں اور یہ کہ ان صفات کو اپنے نفوس میں اجاگر کرنے کا کوئی حکم بھی نہیں دیا گیا بلکہ یہ بات امر مسلمہ کے طور پر بیان کردی گئی ہے کہ مسلمان مردوں اور عورتوں میں یہ اخلاقی اقدار موجود ہوں گی تو وہ مسلمان کہلانے کے حقدار ہوں گے۔۔۔اپنی صفات عالیہ میں قانتین اور قانتیات ہیں جس کا مطلب جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں ''جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے ہوں' ایسا نہیں کہ جی میں آیا تو دست بستہ حاضر ہو گئے اور جی چاہے تو ہفتوں غیر حاضر رہے۔ قنوت ایسی اطاعت کو کہتے ہیں جس میں مرد و زن تیار کرنے میں اپنی زندگیاں کھپاتے چلے آئے ہیں اور اُن کا یہ جہادِ زندگانی منفرد اور تسلسل کے ساتھ خلافتِ راشدہ کے بعد سے آج تک جاری وساری ہے۔

- فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ'' (4۔النساء:34) تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر

چلتی ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں عورت کے مقابلہ میں مرد کو **اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَآءِ** (یعنی مرد محافظ و نگران ہیں عورتوں پر) کے بنیادی اسلامی معاشرتی و خاندانی وصف کی صراحت کے ساتھ یہ واضح کیا گیا ہے کہ ''نیک عورتیں' اطاعت گزار ہوتی ہیں' حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں (مردوں کی) غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت سے''۔۔۔حضور ﷺ اس نکتے کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ ''بہترین بیوی وہ ہے جسے جب تو دیکھے تو مسرور ہو جائے۔ اُسے حکم کرے تو وہ تیری اطاعت کرے اور اگر تو کہیں باہر جائے تو وہ تیری غیر حاضری میں اپنی عصمت اور تیرے مال کی حفاظت کرے''۔ (ابن جریر۔ ابی ہریرہؓ) یہ وہ بلند معیار ہے جس کا اسلام ایک بیوی سے تقاضا کرتا ہے۔ اور جس معاشرے میں میاں بیوی کے باہمی روابط و مراسم اس سطح پر ہوں گے وہ دنیا ہی میں جنت کا نمونہ کیوں نہ ہو گی۔

۳۔ الخاشعین (عاجزی کرنے والے)

اَلْخُشُوْعُ کے معنی **ضَرَاعَةٌ** یعنی عاجزی کرنے اور جھک جانے کے ہیں۔ مگر زیادہ تر **خُشُوع** '' کا لفظ جوارح اور **ضَرَاعت** کا لفظ قلب کی عاجزی پر بولا جاتا ہے۔ **اَلْخَشْیَة**: اس خوف کو کہتے ہیں جو کسی کی عظمت کی وجہ سے دل پر طاری ہو جائے یہ بات عام طور پر اس چیز یا ہستی کا علم ہونے سے ہوتی ہے جس سے انسان ڈرتا ہے۔ اسی لئے ایک روایت میں ہے جب دل میں فروتنی ہو تو اسی کا اثر جوارح پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

○ **وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا** (17۔ بنی اسرائیل:109) ''اور اس سے ان کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے''۔

قرآن حکیم کی اس آیت کا مکمل ترجمہ یہ ہے: ''اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ زاری کرتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے خضوع و خشوع کو بڑھا دیتا ہے''۔۔۔ اللہ کے عبادت گزار بندوں کے قلوب و ارواح پر برکاتِ قرآنی کا نزول ہوتا ہے' جب رحمت کے انوار برستے ہیں۔ تو ان پر وجد و کیف کا عالم طاری ہو جاتا ہے' دلوں میں عجیب قسم کی حرارت اور روح میں گداز پیدا ہو جاتا ہے۔ سر بارگاہِ رب العزت میں بیساختہ جھک جاتے ہیں۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری ہو جاتا ہے اور جوں جوں قرآن سنتے ہیں اُن کے جذبات نیاز میں اضافہ ہوتا

جاتا ہے۔ اگرچہ اس آیت کا اطلاق ہر قرآن پڑھنے والے یا سننے والے پر ہوتا ہے۔ تاہم درحقیقت آیت نمبر 107 میں اُن لوگوں کا ذکر ہو رہا تھا جنہوں نے نزول قرآن سے قبل کتب سابقہ پڑھ رکھی تھیں اور وہ وحی کی حقیقت اور رسالت کی علامات سے واقف تھے' وہ قرآن سنتے ہی سجدہ ریز ہو گئے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ انہیں آخری رسول ﷺ کی پہچان کی توفیق ہوئی اور قرآن و رسالت پر ایمان لانے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔ البتہ آیت نمبر 109 میں قرآن کی تلاوت اور قرآن سن کر جو رقت اور خشیت عمومیت کے ساتھ اہل ایمان پر طاری ہوتی ہے اُس سے وہ بھی بے ساختہ اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں۔

o قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (23۔المؤمنون:1-2) بیشک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے (عجز و نیاز کرتے) ہیں۔

نماز میں عجز و نیاز کرنے والے مومنین کو اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں بامراد ہونے کی خوش خبری سنا رہا ہے۔ سورہ المؤمنون کی ابتداء ہی مذکورہ دو آیات سے کی گئی ہے۔ علمائے حق نے خشوع کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ انسان اپنی ساری توجہ نماز میں مرکوز رکھے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے منہ پھیر لے اور اپنی زبان سے جو تلاوت اور ذکر کرے ان کے معانی میں غور و تدبر کرے۔ اور ظاہری آداب بھی پیش نظر رکھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں ڈاڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اگر اس شخص کے دل میں عجز و نیاز ہوتا تو اس کے ظاہری اعضاء بھی اظہار عجز کرتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضورؐ کے اخلاق و عادات کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا حضورؐ کا خلق قرآن تھا پھر آپ نے سورہ مومنون کی پہلی نو آیات یُحَافِظُوْن تک تلاوت فرمائیں۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:

"بے شک دونوں جہان میں بامراد ہو گئے ایمان والے۔ (۱) وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں (۲) اور وہ جو ہر بیہودہ امر سے منہ پھیرے ہوتے ہیں (۳) اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (۴) اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں (۵) بجز اپنی بیبیوں کے اور اُن کنیزوں کے جو اُن کے ہاتھوں کی ملکیت ہیں تو بیشک انہیں ملامت نہ کی جائے گی (۶) اور جس نے خواہش کی ان دو کے ماسوا تو یہی لوگ حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے

ہیں (۷) نیز وہ (مومن با مراد ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں (۸) اور وہ جو اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں (۹) یہی لوگ وارث ہیں (۱۰) جو وارث بنیں گے فردوس (بریں) کے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (۱۱) (ہم نے یہاں دو مزید آیات بھی درج کر دی ہیں تاکہ اُس انعام کا ابھی پتہ چل جائے جو نو کاموں کی پابندی و پاسداری کرنے والے مومنین کو حاصل ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔''

- وَكَانُوا لَنَا خٰشِعِيْنَ (21۔الانبیاء:90) ''اور ہمارے حضور گڑگڑاتے تھے۔''

آیت مبارکہ (90) بمع آیت نمبر 89 کا پورا ترجمہ' مفہوم زیادہ واضح کرنے کیلئے' دیا جا رہا ہے' فرمایا گیا: ''اور یاد کرو زکریاؑ کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے (89) تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما لیا اور اُسے یحییٰؑ (جیسا فرزند) عطا فرمایا اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو بیشک وہ بہت سبک رو تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف (رَغَباً وَّ رَهَباً) اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز (خٰشِعِيْن) کیا کرتے تھے'۔۔۔ مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: لوگو! میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور پوری ثناء وصفت بیان کرتے رہنے کی اور لالچ اور خوف سے دعائیں مانگنے کی اور دعاؤں میں خشوع و خضوع کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ دیکھو! اللہ عزوجل نے حضرت زکریاؑ کے گھرانے کی یہی فضیلت بیان فرمائی ہے' پھر آپ نے سورۃ انبیاء کی آیت (90) تلاوت فرمائی۔

- وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ (20۔طٰہٰ:108) ''اور۔۔۔سب آوازیں رحمٰن کے حضور (خشیت کے باعث) پست ہو کر رہ جائیں گی۔

سورۃ طٰہٰ کی آیت (108) کا یہ ٹکڑا درحقیقت قرآن حکیم میں بیان کئے گئے سیاق و سباق کو سمجھے بغیر حقیقی لطف و عبرت کا سامان فراہم نہیں کر سکتا چنانچہ ہم اس پس منظر و پیش منظر کو قرآن کے الفاظ میں مکمل طور پر یہاں بیان کرتے ہیں۔ فرمایا گیا:

''جس روز صور پھونکا جائے گا اور ہم جمع کریں گے مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی (102) چپکے چپکے آپس میں کہیں گے کہ نہیں

رہے تم دنیا میں مگر صرف دس دن (103) ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب کہ ان میں سب سے زیادہ زیرک کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر صرف ایک دن (104) اور وہ آپؐ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں' آپ فرما دیجئے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھاڑ پھینکے گا (105)۔ پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہموار میدان (106) نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلا (107) اس روز سب لوگ پیروی کریں گے پکارنے والے کی' کوئی روگردانی نہیں کر سکے گا اس سے اور خاموش ہو جائیں گی سب آوازیں رحمٰن کی ہیبت سے پس تو نہ سُنے گا (اس روز) مگر مدھم سی آہٹ (108) اُس دن نہیں نفع دے گی کوئی سفارش سوائے اُس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن نے اجازت دی اور پسند فرمایا ہو اس کے قول کو (109)۔۔۔اور جو شخص کرتا ہے نیک اعمال اور ایماندار بھی ہو تو اُسے اندیشہ نہ ہو گا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا (112)۔"

دنیا پرستوں کی حالت کا یہ عبرتناک نقشہ قرآن نے جن الفاظ میں کھینچا ہے وہ غور طلب ہے' سیّد ابوالاعلیٰ مودودی اس صورتِ حال کو کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں: "یہ لوگ خود اَزرق (سفیدی مائل نیلگوں) ہو جائیں گے کیونکہ خوف و دہشت کے مارے ان کا خون خشک ہو جائے گا اور ان کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ گویا ان کے جسم میں خون کا ایک قطرہ تک نہیں ہے۔ بعض دوسرے لوگوں نے "ازرق العین" کا مطلب یہ لیا ہے کہ شدت ہول سے ان کے دیدے پتھرا جائیں گے جب کسی شخص کی آنکھ بے نور ہو جاتی ہے تو اس کے حدقۂ چشم کا رنگ سفید پڑ جاتا ہے۔۔۔ یہ سٹپٹائے ہوئے اور خوفزدہ لوگ اپنی دنیاوی زندگیوں کا اندازہ لگائیں گے کہ وہ بہت تھوڑی تھی۔ دنیا کی زندگی کے متعلق وہ اس لئے یہ باتیں کریں گے کہ اپنی امیدوں کے بالکل خلاف جب اُنہیں آخرت کی ابدی زندگی میں آنکھیں کھولنی پڑیں گی اور جب وہ دیکھیں گے کہ یہاں کیلئے وہ کچھ بھی تیاری کر کے نہیں آئے ہیں تو انتہاء درجہ کی حسرت کے ساتھ وہ اپنی دنیوی زندگی کو پلٹ کر دیکھیں گے اور کفِ افسوس ملیں گے کہ چار دن کے لطف و مسرت اور فائدہ و لذت کی خاطر ہم نے ہمیشہ کیلئے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لی"۔۔۔ان دنیا پرستوں کے مقابلہ میں وہ سعید روحیں جو اپنے عہد الست کو یاد رکھتے ہوئے دنیا کی زندگی کو اپنی آزمائش اور عارضی سمجھتے

ہوئے دن رات اپنے اللہ کے حضور جھکی رہیں گی اُنہیں کوئی اندیشہ نہ ہوگا''۔

o خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ (68۔القلم:43) ''ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔''

دنیا پرستوں اور اہل اللہ کا تقابلی مطالعہ کرنے میں یہ آیت مبارکہ اور اس سے پہلی آیت بھی بہت اہم ہے' جن کا پورا ترجمہ یہ ہے: ''جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کیلئے بلائے جائیں گے تو (سجدہ) نہ کر سکیں گے (41:68) نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ہیبت اور ذلت وخواری طاری ہوگی حالانکہ یہ سجدے کیلئے (اس وقت بھی) بلائے جاتے تھے جب کہ صحیح سالم تھے۔۔۔(42:68)۔

مفسرین نے پنڈلی سے مراد قیامت کے شدائد اور ہولناکیاں لی ہے لیکن ایک صحیح حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح بیان ہوئی ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا (جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے) تو ہر مومن مرد اور عورت اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے گا۔ البتہ وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دکھلاوے اور شہرت کیلئے سجدے کرتے تھے۔ وہ اب سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن اُن کی ریڑھ کی ہڈی کے منکے' تختے کی طرح ایک ہڈی بن جائیں گے۔ جس کی وجہ سے ان کیلئے جھکنا ناممکن ہو جائے گا۔ (صحیح بخاری' تفسیر سورہ نٓ والقلم)۔ ایسے لوگ جو قیامت کی مذکورہ ساعت میں سجدہ کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور جھکنے میں ناکام رہیں گے اُن کی یہ کیفیت اس لئے ہوگی کہ دنیا میں تکبر وعناد وجاہ پرستی وظاہر داری کی بیماریوں میں مبتلا تھے ان کرانک مریضوں کی گردنیں اکڑی رہتی تھیں جب کہ سعید روحیں' عہد الست کو پورا کرنے میں دن رات اللہ کے حضور عبادت وریاضت میں خود کو مشغول رکھ کر خود کو اللہ کے پُر کیف سجدے کی سعادت کا انعام پانے میں کامیاب نظر آئیں گی۔

o اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ (79۔النّٰزعٰت:9) ''اور جھکی ہوئی آنکھیں مضطرب ہونے سے۔''

سورۃ النّٰزعٰت کی پہلی نو آیات پھر اللہ تعالیٰ سے غافل اور اللہ کے فرمانبرداروں کا ایک سبق آموز موازنہ پیش کرتی ہیں' جن کا مکمل ترجمہ یہ ہے: ''قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں (۱) اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں (۲) اور تیزی سے پیرنے والے ہیں (۳) پھر (تعمیل ارشاد میں) جو دوڑ کر سبقت لے جانے والے ہیں (۴) پھر (حسب حکم) ہر کام کا انتظام کرنے والے ہیں (۵) جس روز تھرتھرائے گی تھرانے والی (۶) اس کے پیچھے

ایک اور جھٹکا ہوگا (۷) کتنے دل اس روز (خوف سے) کانپ رہے ہوں گے (۸) ان کی آنکھیں (ہیبت سے) جھکی ہوں گی (۹)۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری پہلی پانچ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''پہلا قول تو یہ ہے کہ یہ ملائکہ کی صفات ہیں۔۔۔ جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صفات نفوس فاضلہ اور ارواحِ کاملہ کی ہیں اور انہی کی قسم اُٹھائی گئی ہے۔ نازعات سے مراد ان کا جسموں سے اپنا تعلق منقطع کرنا ہے۔ جس جسم کے گھوڑے پر سوار ہوکر انہوں نے رضائے الٰہی اور قرب خداوندی کی منزلیں طے کی ہیں۔ اس سے جدائی انہیں شاق گذرتی ہے۔ عالم ملکوت کی طرف رجوع کرنے کا جب انہیں حکم ملتا ہے تو ان کی خوشی ونشاط کی حد نہیں رہتی۔ شاداں وفرحاں وہاں سے وہ روانہ ہوتے ہیں۔ فضائے بسیط میں تیرتے ہوئے وہ حظائر قدس کی طرف تیزی سے پرواز کرتے ہیں۔ اپنے شرف اور قوت روحانی کے باعث انہیں المدبرات کے زمرے میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ تدبیر کے اسی مقام پر فائز ہونے کے باعث دنیا سے مفارقت کے باوجود ان سے ایسے آثار و احوال ظاہر ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ اہل دنیا کرتے رہتے ہیں۔ یہ بیان کرنے کے بعد علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص ان کی زیارت کیلئے جاتا ہے ان کی برکت سے اسے روحانی مدد نصیب ہوتی ہے اور اکثر مشکل امور کی پیچیدہ گرہیں اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کی حرمت کے وسیلہ سے کھل جایا کرتی ہیں۔''

آیات 6 تا 9 میں قیامت اور یوم الحشر کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب نفخۂ اولیٰ کے ساتھ نظام کائنات درہم برہم ہونے کا حکم صادر ہوگا تو یوں محسوس ہوگا کہ زبردست زلزلہ کے جھٹکوں سے زمین، پہاڑ، قلعے مکانات اور اونچے درخت سب لرزنے لگیں گے۔ اس کے ساتھ ہی عالم بالا میں کہرام مچ جائے گا، آسمان ستارے مہر و ماہ آپس میں ٹکرانے لگیں گے اور ہر شے اپنی جگہ سے اکھڑنے لگے گی۔ ازاں بعد نفخۂ ثانیہ (دوسرا صور پھونکنے کے ساتھ) سب مردے زندہ ہو جائیں گے بڑے بڑے شیر دل اور بہادر لوگوں کے دل دھڑکنے لگیں گے اور ان کی آنکھیں فرط خوف سے جھکی ہوں گی، اوپر آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی اُنہیں ہمت نہ ہوگی۔

یہ حال کفار و منافقین کا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کے نیک بندے (اولیاء اللہ) اس روز ہر حزن وغم سے محفوظ ہوں گے۔ ان کے دل مطمئن ہوں گے ان کی طبیعتوں میں کسی قسم کا اضطراب نہ ہوگا سورہ الانبیاء کی آیت 103 کے مطابق ''نہ غمناک کرے گی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ اور

فرشتے ان کا استقبال کریں گے' انہیں بتائیں گے یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔"

o **اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا** (35۔فاطر:28) "اور اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔" (یہاں خشیت الٰہی کے ساتھ علماء کو خاص کیا گیا ہے' ظاہر ہے کہ عالم باعمل تو صوفیہ ہی ہیں)۔

مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ کی ان قدرتوں (جو ہمارے چہار سو پھیلی ہوئی ہیں) اور اس کے کمال صناعی کو وہی جان اور سمجھ سکتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔ اس علم سے مراد کتاب و سنت اور اسرار الٰہیہ کا علم ہے اور جتنی انہیں رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے اتنا ہی وہ رَبّ سے ڈرتے ہیں گویا جن کے اندر خشیت الٰہی نہیں ہے' سمجھ لو کہ علم صحیح سے بھی محروم ہیں۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ علماء کی تین قسمیں ہیں عالم باللہ اور عالم بامر اللہ یہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اُس کی حدود و فرائض کو جانتا ہے۔ دوسرا صرف عالم باللہ جو اللہ سے تو ڈرتا ہے لیکن اُس کے حدود و فرائض سے بے علم ہے۔ تیسرا صرف عالم بامر اللہ' جو حدود و فرائض سے باخبر ہے لیکن خشیت الٰہی سے عاری ہے (ابن کثیر)۔

حکمائے اسلام کے نزدیک علم کی حقیقت کیا ہے' ان کے چند اقوال ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا: زیادہ باتیں بنانا علم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے خشیت (ڈرنے) کو علم کہتے ہیں۔

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بکثرت روایت کرنے کا نام علم نہیں' بلکہ علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

(۳) مجاہد فرماتے ہیں: عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ عزوجل سے ڈرتا ہے۔

(۴) ربیع بن انس کا ارشاد ہے: جس کے دل میں اللہ کا خوف نہیں وہ عالم نہیں۔

(۵) حضرت ابن مسعودؓ سے ایک قول مروی ہے: اگر دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جائے تو انسان کے لئے اتنا علم ہی کافی ہے اور اس سے بڑی جہالت اور کوئی نہیں کہ انسان اللہ سے غرور کرنے لگے۔

(۶) سعد بن ابراہیمؒ سے پوچھا گیا کہ شہر میں سب سے بڑا فقیہہ کون ہے: فرمایا: صحیح معنوں میں فقیہہ اور عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور اللہ کی

نافرمانی پر انہیں جری نہ ہونے دے۔ اللہ کے عذاب سے انہیں بے خوف نہ کردے اور قرآن کے بغیر اسے کوئی چیز اپنی طرف راغب نہ کرسکے۔

o **وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى o وَهُوَ يَخْشٰى (80۔عبس:8-9)** اور جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور (اللہ سے) ڈرتا بھی ہے۔

سورہ عبس میں وعظ و نصیحت اور تبلیغ دین سے متعلق ایک اہم واقعہ کا تذکرہ ہے۔ (قرطبی بحوالہ ضیاء القرآن) اوپر دی گئیں دو آیات کو ملا کر پہلی بارہ آیات سے مضمون پورے کا پورا کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ جو یہ ہے: ''چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (۱) (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا (۲) اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہوجاتا (۳) یا وہ غور و فکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت (۴) لیکن وہ جو پروا نہیں کرتا (۵) آپ اُس کی طرف تو توجہ کرتے ہیں (۶) اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سُدھرے (۷) اور جو آپ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا (۸) اور وہ ڈر بھی رہا ہے (۹) تو آپ اس سے بے رُخی برتتے ہیں (۱۰) ایسا نہ چاہیے یہ تو نصیحت ہے (۱۱) سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرلے (۱۲) **(عبس:1 تا 12)**

ایک روز بارگاہ رسالت میں رؤسائے قریش عتبہ، شیبہ پسران ربیعہ، ابو جہل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ حاضر تھے۔ حضورﷺ انہیں دعوت اسلام دے رہے تھے کہ اچانک عبداللہ بن ام مکتوم (نابینا صحابیؓ) آگئے اور آداب مجلس کی رعایت کئے بغیر عرض کرنے لگے یا رسول اللہﷺ اقرائنی و علمنی مما علمک اللہ (یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو سکھایا ہے، مجھے بھی سکھایئے اور مجھے پڑھ کر سنایئے۔ ان کا یہ انداز گفتگو حضور سرور عالمﷺ کو ناگوار گزرا۔ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ گوارا نہ ہوا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

امام فخر الدین رازی یہاں ایک سوال اٹھاتے ہیں اور پھر خود ہی اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ سوال یہ کہ غلطی حضرت عبداللہ سے ہوئی تھی، حضورﷺ کفار کو دعوت دے رہے تھے، قطع کلام کر کے انہوں نے اپنی بات چھیڑ دی۔ دعوت اسلام دینا ایک مسلمان کو قرآن کی تعلیم دینے سے مقدم ہے۔ نیز بارگاہِ رسالت کے آداب بھی پیش نظر نہ رکھے گئے تھے ان تمام باتوں کے پیش نظر زیرِ عتاب حضرت عبداللہ کو ہونا چاہیے تھا۔ حضورﷺ کو عتاب کرنے میں کیا حکمت ہے؟ رازی فرماتے ہیں کہ مذکورہ صدر ساری باتیں بجا اور عتاب کی اس کے بغیر حکمت نہیں کہ وہ کفار جو اُس وقت حاضر تھے وہ مکہ کے سردار اور دولت مند تھے، انہیں اپنی حیثیت اور دولتمندی کا گھمنڈ بھی تھا۔

اُن کی موجودگی میں اپنے کسی نیازمند اور اللہ سے ڈرنے والے سے بے اعتنائی عام لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر سکتی تھی کہ یہ بے رخی دولت و ثروت کی رعایت سے نہ کی گئی ہو۔ جس نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہی غریب نواز بنا کر ہو اُس کا مقصد اولین ہی شکستہ دلوں اور غمزدوں کی دل جوئی و دلداری ہو اور جو تشریف ہی اس لئے لایا ہو کہ فقراء مساکین کی عزت افزائی کرے اُس ہستی سے کسی ایسی بات کا صدور جس سے منصب رفیع کے خلاف کوئی واہمہ پیدا ہو اللہ تعالیٰ کو ہرگز گوارا نہیں۔

ان آیات کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ کے حضور جب حضرت عبداللہ حاضر ہوتے تو حضور فرماتے مرحبا! اے وہ شخص جس کے بارے میں مجھے میرے ربّ نے عتاب فرمایا۔ پھر پوچھتے کوئی کام ہو بتاؤ۔ کسی مہم کے سلسلہ میں حضورؐ بیرون مدینہ تشریف لے جاتے تو مدینہ میں اپنا خلیفہ (نائب) بنا جاتے۔ حضرت عبداللہ کو یہ شرف دوبار حاصل ہوا۔ (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحات۔ 491-492)

o مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (50۔قٓ:33) جو اللہ رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ (یعنی اس کے دل میں ایسا خوف ہو جو معرفت الٰہی کا تقاضا ہے۔

سورۃ قٓ کی مذکورہ بالا آیت سے قبل کی دو آیات بھی پیش نظر رہیں، جن میں فرمایا گیا تھا: ''اور قریب کردی جائے گی جنت پرہیزگاروں کیلئے وہ (ان سے) دور نہیں ہوگی (31) یہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا یہ ہر اُس شخص کیلئے ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اپنی توبہ کی حفاظت کرنے والا (اَوَّابٍ حَفِيظٍ) ہے۔ (50:31-32)۔ ان آیات سے پہلے جہنمیوں کا ذکر کیا جا رہا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا تذکرہ فرما رہا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گذارتے رہے اور تمام عمر احکام الٰہی کی انجام دہی میں کوشاں رہے۔ قیامت کے دن ان کی عزت افزائی کا عجیب منظر ہوگا۔ یوں سمجھئے کہ جنت اُن کے قدموں میں ڈال دی جائے گی۔ شعبی اور مجاہد نے اوّاب کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا یعنی جو شخص تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کرے اور روئے اور استغفار کرے۔ اور حفیظ اُسے کہتے ہیں جو اپنی توبہ پر قائم رہے اور اُس کی حفاظت کرے۔ اب اوپر جس آیت نمبر 33 کا ذکر تھا اسے ان دو آیات سے ملا کر پڑھا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خداوند رحمٰن سے اُس وقت بھی ڈرتا ہے جب اُسے کوئی آنکھ دیکھ نہ رہی ہو۔ وہ بندہ جانتا ہے اُس کا اللہ رحمٰن ہے۔ جس کی رحمت کے سامنے اُس کے بے شمار

گناہوں کی بھی کوئی وقعت نہیں لیکن اپنے ربّ کی رحمانیت پر یقین محکم کے باوجود وہ گناہ اور نافرمانی کی راہ پر قدم تک نہیں رکھتا۔ اسے حیا آتی ہے کہ وہ اپنے کریم مالک کی نافرمانی کرے۔ پھر وہ ہر وقت اپنے ربّ کی طرف مائل رہتا ہے۔ حوادث دہر اُسے کتنا پریشان کریں۔ مصائب و آلام کے پہاڑ ہی نہ ٹوٹیں اُس کے دل کی کیفیت نہیں بدلتی۔ وہ پورے قلبی اخلاص (بقلب منیب) کے ساتھ اطاعت پر کمر بستہ رہتا ہے۔

o فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ (2۔البقرہ:150) سو ان سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔

سورۃ بقرہ کی آیت 150 کے جس ٹکڑے کو اوپر درج کیا گیا اُسی سے متعلق اس سے پہلے کا حصہ اور بعد والا ٹکڑا ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا: ''بجز اُن لوگوں کے جو ناانصافی کریں ان سے سو نہ ڈرو تم ان سے (بلکہ صرف) مجھ سے ڈرا کرو' کہ میں پورا کردوں اپنا انعام تم پر تا کہ تم براہ راست ثابت قدم رہو''۔ (2۔البقرۃ:150)۔ گویا کہ ان اہل ایمان وخشیت کی شان یہ ہوتی ہے کہ یہ معاندین (عناد رکھنے والے) اہل کتاب کے طعن و تشنیع سے خوف نہیں کھاتے۔ اہل کتاب کا وطیرہ یہ ہے کہ وہ اہل ایمان کو مرعوب کرنے کیلئے بطور عناد ایسے دلائل دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ مان کر گویا مشرکین مکہ کی پیروی اختیار کر رکھی ہے' وہ اپنی بات منوانے کیلئے ہر ظلم روا رکھ سکتے ہیں لیکن مومنین ہرگز اُن کی پروا نہیں کرتے۔ تاہم اگر مومنین مشرکین کی بجائے صرف اللہ سے ڈرتے رہیں گے اور اللہ کا وعدہ ہے وہ اپنی نعمت ان پر پوری کرے گا اور اُن کو راہ راست پر رہنے کا مزید حوصلہ وہمت کرے گا۔

o وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ (33۔الاحزاب:39) جو اللہ تعالیٰ کے پیغام (جوں کے توں) پہنچاتے اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

جن اولوالعزم ہستیوں کو اللہ تعالیٰ منصب رسالت پر فائز کرتا ہے اور اپنے پیغامات پہنچانے کی ذمہ داری سونپتا ہے وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں اور کسی سے ان کے دل میں خوف و ہراس پیدا ہی نہیں ہوتا اور اگر وہ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے میں لوگوں سے ڈرنے لگیں تو رسالت و نبوت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اس لئے وہ احکام الٰہی کی تبلیغ میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ عہد رسالت و نبوت ﷺ کے بعد اہل اللہ' انبیاء کے وارث ہونے کے باعث

رشد و ہدایت اور احکام الٰہی کی تبلیغ میں سنت انبیاء ہی کی پیروی کرتے ہیں۔

٤۔ المؤقِنینَ (یقین والے)

اَلْیَقِیْنُ کے معنی کسی امر کو پوری طرح سمجھ لینے کے ساتھ اس کے پایۂ ثبوت تک پہنچ جانے کے ہیں۔ اسی لئے یہ صفت علم سے ہے اور معرفت' درایۃ وغیرہ سے اس کا درجہ اوپر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''علم الیقین'' کا محاورہ تو استعمال ہوتا ہے لیکن ''معرفت الیقین'' نہیں بولتے۔ علم الیقین' معرفت الیقین وحق الیقین میں قدرے معنوی فرق پایا جاتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں ہے:

○ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ (51۔الذاریات:20) اور یقین کرنے والوں کیلئے زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

حافظ اسمٰعیل ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یقین رکھنے والوں کیلئے زمین میں بہت سے نشاناتِ قدرت موجود ہیں جو خالق کی عظمت وعزت' ہیبت وجلالت پر دلالت کرتے ہیں۔ دیکھو کہ کس طرح اس میں حیوانات اور نباتات کو پھیلا دیا ہے اور اس طرح پہاڑوں اور میدانوں' سمندروں اور دریاؤں کو رواں کیا ہے۔ پھر انسان پر نظر ڈالو ان کی زبانوں کے اختلاف کو ان کے رنگ وروپ کے اختلاف کو ان کے ارادوں اور قوتوں کے اختلاف کو ان کی عقل وفہم کے اختلاف کو ان کی حرکات وسکنات کو ان کی نیکی و بدی کو دیکھو ان کی بناوٹ پر غور کرو کہ ہر عضو کیسی مناسب جگہ پر ہے اسی لئے زیرِ نظر آیت کے بعد ہی اگلی آیت میں فرمایا گیا' خود تمہارے وجود میں ہی اس کی بہت سی نشانیاں ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ تاہم المؤقنین کو چونکہ مکمل یقین ہوتا ہے اس لئے اُن کی توجہ ہمیشہ تکوینی آفاقی دلائل پر رہتی ہے جو زبانِ حال سے شہادت دے رہے ہوتے ہیں کہ اللہ کا فرمان سچا ہے اس لئے اپنے اعمال کو ہمیشہ رجوع الی اللہ کی سان پر چڑھائے رکھتے ہیں اور کبھی غافل نہیں ہوتے۔

صاحب تفسیر مظہری علامہ ثناء اللہ پانی پتی' درج بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس سے پہلے گزری ہوئی آیات مضامین کو زیرِ نظر آیت کا حقیقی پس منظر قرار دیتے ہیں۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

○ ''بے شک متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں پر ہوں گے اور ان کے رب نے جو ثواب

ان کو عطا کیا ہوگا وہ اس کو خوشی خوشی لے رہے ہوں گے۔ وہ لوگ اس سے پہلے دنیا میں نیکوکار تھے۔ وہ رات کو بہت کم سوتے تھے اور آخیر شب میں استغفار کرتے تھے ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا"۔۔۔(الذاریات: 15 تا 19) حضرت علامہؒ فرماتے ہیں: میرے نزدیک آیت مذکورہ (20) کا عطف ان مدحیہ جملوں پر ہے جو سابق کلام میں محسنین کے حالات کی تشریح میں ذکر کیے گئے۔ اصل مطلب یہ ہے کہ زمین میں ان محسنین کیلئے (اللہ کی قدرت تامہ' علم محیط اور ربوبیت والوہیت کی) نشانیاں ہیں۔ وہ ان نشان ہائے قدرت کو اندھوں بہروں کی طرح دیکھ کر گزر نہیں جاتے بلکہ بینا آنکھوں سے دیکھ کر غور کرتے اور سوچتے ہیں کہ زمین کیسے پیدا ہوئی' کیسے بچھائی گئی' آدمیوں کے رہنے کیلئے اس کا کچھ خشک حصہ کیسے ابھار دیا گیا ہے؟ زمین کے مختلف اجزاء کی مختلف کیفیات' حالات اور متضاد خاصیات کیسے اور کیوں ہیں؟ چشمے پھوٹ کر' نہریں بن کر دریا کس طرح اور کس حکمت کے زیر اثر بہتے ہیں۔ زمین کے اندر قیمتی جواہر کی کانیں کیسے بن جاتی ہیں' زمین کے اوپر غیر محدود' ان گنت نباتات اور حیوانات کا پھیلاؤ کتنا ناقابل فہم ہے۔ یہ سب انواع' اجناس' کیفیات' خاصیات' اشکال اور الوان کا تعدد دلالت کرتا ہے کہ ان کا کوئی بنانے والا واجب الوجود' خالقِ کل' ہمہ گیر علم اور قدرت کاملہ کا مالک ہے۔ اسی نے اپنی رحمت اور حکمت سے ان چیزوں کو بنایا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ زمین پر اور زمین کی موجودات پر اللہ کی رحمت کی کیسی بارش ہو رہی ہے وجود اور بقائے وجود کی اللہ کی طرف سے کس قدر برکتیں نازل ہو رہی ہیں اور موجودات ارضی کی ہر چیز اپنی ساری ضرورتوں اور حاجتوں کیلئے اللہ کی رحمت کے سامنے دست سوال پھیلا رہی ہے۔ كُلَّ يَومٍ هُوَفِي شَان۔

o اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ (45۔الجاثیہ:4) ان میں بھی نشانیاں (آیات) ہیں یقین کرنے والوں کیلئے (آیات سے مراد دلیلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت' اس کے علم' اس کی قدرت' اس کے ارادے' اس کی وحدانیت اور اس کی کثرتِ رحمت پر دلالت کرتی ہیں' جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ہر شے میں اس کی ایک نشانی موجود ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ واحد ہے۔ اور صوفی اس بارے میں حق الیقین کے مقام پر فائز

ہوتا ہے)۔

- ''اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو دکھاتے ہیں آسمان اور زمین کی مخفی طاقتیں (جنت' دوزخ' سدرۃ المنتہیٰ' انبیاء' صدیقین' شہداء صالحین اور اولیاء کے مقامات وغیرہ) اس لئے کہ انہیں حق الیقین حاصل ہو جائے (**وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ**) (6۔الانعام:75)

- **اِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ** (26۔الشعراء۔24۔الدخان:7) اگر تم یقین رکھتے ہو (ایقان درحقیقت اسے کہتے ہیں جو استدلال سے حاصل ہو اور دل میں گھر کر جائے اور انسان اس پر جم جائے اور کبھی متزلزل نہ ہو)۔

- **وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوقِنِينَ** (51۔الذٰریٰت:20) اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کیلئے۔

- ''اللہ کام کی تدبیر کرتا ہے اور آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ **لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ**۔ تا کہ تم اپنے رب کے دیدار کا یقین کرو (13۔الرعد:2)۔

- **قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوقِنُونَ**۔ (2۔البقرہ:118) بے شک ہم نے نشانیاں ظاہر کر دی ہیں یقین والوں کیلئے۔

- ''ہدایت اور خوش خبری ہے ایمان والوں کیلئے (27۔النمل:2) وہ جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ **وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ** (27۔النمل:3) اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (یہی مضمون 31 لقمٰن:4 میں بھی ہے۔)

- ''اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جب کہ انہوں نے صبر کیا **وَكَانُوا بِاٰيٰتِنَا يُوقِنُونَ** (32۔السجدہ:24) اور وہ ہماری آیتوں پر یقین کرتے تھے (کیونکہ انہوں نے آیات الٰہی کا مطالعہ گہری نظر سے کیا تھا)''۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سنت اللہ ہے انبیاء کے پیروکاروں کو بھلائی کے کاموں کیلئے **اَئِمَّةً** مقرر کئے جاتے ہیں جو اللہ ہی کی دی ہوئی توفیق سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں اور پھر یہ بھی شدائد و مصائب پر صبر کرنے والے لوگوں کے پیشوا بن جاتے ہیں۔ یہی تصوف' ائمہ' صوفیہ اور مصلحین امت کے وجود اور ان کی

ضرورت وافادیت پر قرآن سے استدلال ہے۔

۵۔ اَلمُخلَصِینَ (فقط اللہ کی بندگی کرنے والے):

اَلخَالِصُ (خالص) اور اَلصَّافِي دونوں مترادف ہیں مگر الصافی کبھی ایسی چیز کو بھی کہہ دیتے ہیں جس میں پہلے ہی سے آمیزش نہ ہو اور خالص اسے کہتے ہیں جس میں پہلے آمیزش ہو مگر اس سے صاف کرلیا گیا ہو۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

o وَنَحنُ لَهُ مُخلِصُونَ (2۔البقرہ:139) اور ہم تو خلوص سے اُس کے ہو چکے۔

فقط اللہ کی بندگی کرنے والے یا خلوصِ دل و نیت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہو جانے والے ان پُرعظم لوگوں کی شان یہ ہے کہ وہ مخالفین جب اُن سے اللہ پر ایمان رکھنے اور اُسی واحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے پر نکتہ چینی کرتے ہیں تو اُنہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم یاد آ جاتا ہے کہ ''آپ کہہ دیجئے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے' ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال' ہم تو اُسی کیلئے مخلص ہیں''۔ (2۔البقرہ :139)۔ یا پھر وہ قرآن حکیم سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اُنہیں سناتے ہیں: ''اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے اچھا رنگ کس کا ہوگا' ہم تو اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں (وَنَحنُ لَهُ عٰبِدُونَ) (138:2)۔ یہ اس لئے کہ عیسائیوں نے ایک زرد رنگ کا پانی مقرر کر رکھا تھا جو ہر عیسائی بچے کو بھی اور ہر اُس شخص کو دیا جاتا تھا جس کو عیسائی بنایا جاتا یا جس کو بپتسمہ دیا جانا مقصود ہوتا۔ یہ اُن کے نزدیک پاک کرنے کا ایک طریقہ تھا اور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طریقے کی تردید فرمائی گئی اور فرمایا گیا کہ رنگ تو بس اللہ کا رنگ ہے' مراد یہ ہے کہ دین فطرت اسلام ہے جس کی طرف ہر نبی و رسول اپنے اپنے دور میں اپنی امتوں کو پکارتا رہا اور اسے اختیار کرنے کی دعوت دیتا رہا۔

o لِنَصرِفَ عَنهُ السُّوٓءَ وَالفَحشَآءَ اِنَّهٗ مِن عِبَادِنَا المُخلَصِینَ (12۔یوسف:24) اور ایسے ہی ہم نے اس سے (حضرت یوسف علیہ السّلام سے) برائی اور بے حیائی کو دور رکھا۔ بیشک وہ ہمارے برگزیدہ (مخلص و چنیدہ) بندوں میں سے تھے۔ امام راغب اصفہانی کے مطابق مخلص بندہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہ تو یہود کی طرح تشبیہ کا عقیدہ رکھتا ہے اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح تثلیث کا قائل ہو۔

چنانچہ تثلیث کے متعلق فرمایا گیا: ''وہ لوگ کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے اور مسلمانوں کے متعلق فرمایا: **مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** (98۔البینۃ:5) (کہ اللہ کی عبادت کریں) ''خالص اسی کے ہوکر''۔

مُخلِصین اور مُخلَصین: دو قرأتوں میں ہے۔ پہلی قرأت کے مطابق اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے اپنے آپ کو خالص کر لیا۔ اور دوسری قرأت کے مطابق وہ مراد ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت و نبوت کیلئے چن لیا ہے اور حضرت یوسفؑ ان دونوں وصفوں سے موصوف تھے۔

علاوہ ازیں فرمایا گیا:

○ **اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔** (4۔النساء:146) ''مگر وہ جنہوں نے توبہ کی اصلاح کی اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لیا اور اپنے دین کو اللہ کیلئے خالص کر لیا تو یہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں: **وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا** ○ ''اور اللہ مسلمانوں کو بڑا اجر دے گا''۔ (آیت مذکورہ کا آخری ٹکڑا)۔ اور حقیقتاً اخلاص ماسوی اللہ سے بیزار ہونے کا نام ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عقیدۂ توحید کی دعوت دی ہے، وہ کوئی نئی دعوت نہیں۔ پہلے انبیاء و رُسل نے بھی اپنی اپنی قوموں کو یہی درس دیا اور اس پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی۔ ہر باطل سے منہ موڑ کر جو شخص صرف حق کی طرف متوجہ ہو جائے، اُسے حنیف کہتے ہیں۔ **حُنَفَا** اس کی جمع ہے۔ یعنی مسلمان وہ ہے جو یہ شعور بھی رکھتا ہو کہ اُس کے گرد و پیش باطل اپنی مختلف صورتوں میں موجود ہے۔ ہر باطل سے دامن چھڑا کر وہ پوری یکسوئی کے ساتھ حق کی طرف متوجہ رہے۔ عقیدہ کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عبادات، نماز، زکوٰۃ وغیرہ پر مضبوطی سے قائم رہے۔

۶۔ المُحسنین (نیکی و پرہیزگاری والے)

اَلْحَسَنُ: ہر خوش کن اور پسندیدہ چیز کو **حَسَن** '' کہا جاتا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) وہ چیز جو عقل کے اعتبار سے مستحسن ہو (۲) وہ جو خواہش نفسانی کی رو سے پسندیدہ ہو (۳) صرف نگاہ میں بھلی معلوم ہو۔ **اَلْحَسَنَةُ:** ہر وہ نعمت جو انسان کے نفس یا بدن یا اس کی کسی

حالت میں حاصل ہو کر اس کیلئے مسرت کا سبب بنے حَسَنَة'' کہلاتی ہے۔ اس کی ضد سَیِّئَة''
ہے اور یہ دونوں الفاظ مشترکہ '' قبیل سے ہیں جیسا کہ فرمایا گیا: '' (اے آدم زاد!) تجھ کو جو فائدہ
پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامت اعمال کی) وجہ سے ہے''۔
تاہم قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

- الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (39۔الزمر۔ 18) جو کان لگا کر آپ کی بات کو سنتے اور بہت اچھے طریقہ سے اس کی پیروی کرتے ہیں'' جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس چیز میں تجھے شبہ ہو اسے ترک کر دے۔
- وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ (2۔البقرہ:83) ''اور لوگوں سے اخلاق سے پیش آؤ اور نماز قائم کرو''۔ (اس سے مراد ہے کہ اللہ کی طرف پورے طور پر متوجہ ہو جانا اور تزکیہ نفس حاصل کرنا ہے یعنی جب نماز کیلئے کھڑے ہو تو پورے طور پر اپنا تصور قائم کر لو یعنی دھیان جما لو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اُس کے حضور دست بستہ باادب ہوں۔ یہ تصور جتنا ترقی کرتا جاتا ہے اتنا ہی اللہ سے اُس کا تعلق مضبوط اور قرب الٰہی حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اس یقین کامل کے ساتھ اس کے اخلاق بھی پاکیزہ اور خلق اللہ کے ساتھ حُسن سلوک بہتر ہوتا جاتا ہے۔
- وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا (29۔العنکبوت:8) اور ہم نے انسان کو تاکید کی ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی۔
- اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ (17۔الاسراء:7) اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنے ہی نفس کیلئے بھلائی کرو گے۔ (احسان انعام سے اعم ہے)۔
- اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (16۔النحل:90) بیشک اللہ حکم فرماتا ہے۔ انصاف اور نیکی کا۔
- وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (4۔النساء:125) اور اس شخص سے بہتر کس کا دین ہے کہ جو پورے طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور اپنی پوری زندگی اس کی اطاعت کیلئے وقف کر دی ہو (اور دین ابراہیمی پر ہو جو ہر باطل دین سے جدا تھا) (2۔البقرۃ:195)۔
- وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (2۔البقرہ:195) اور ہر ایک

سے بھلائی کرو بے شک اللہ تعالیٰ بھلائی کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

o وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (29۔العنکبوت:69) اور جنہوں نے ہمارے قرب کیلئے کوشش کی (جَاهَدَ) تو ہم یقیناً انہیں اپنے رستوں پر چلائیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (رستوں پر چلانے کا مطلب یہ ہے اللہ کی طرفداری کے انعام کے طور پر اپنا مقرب بنائے گا اور حدیث شریف کے مطابق ''اللہ تعالیٰ ایسے محسنین کو اس علم کا بھی وارث کر دیتا ہے جس کو وہ نہ جانتا ہو'' جس سے مراد علم لدنی ہے)۔

o مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ (9۔التوبہ:91) نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے۔

o قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ۔ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ۔ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ o (39۔الزمر:10) آپ فرمادیں اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو اپنے ربّ سے ڈرو' جنہوں نے بھلائی کی اُن کیلئے اس دنیا میں بھلائی ہے اور اللہ کی زمین وسیع ہے اور صابروں کو ہی ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بغیر حساب کے)۔

۷۔ الخائفین (اللہ کا خوف رکھنے والے)

اَلْخَوْفُ کے معنی ہیں قرائن وشواہد سے کسی آنے والے خطرہ کا اندیشہ کرنا جیسا کہ رَجَاء اور طَمَعَ کا لفظ قرائن وشواہد کی بنا پر کسی فائدہ کی توقع پر بولا جاتا ہے۔ خوف کی ضد امن سے آتی ہے اور یہ امور دنیوی اور اُخروی دونوں کے متعلق استعمال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

o وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ (17۔بنی اسرآءیل:57) اور اُس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اُس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں۔

o تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّمِمَّا (32۔السجدہ:16) ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں اور اپنے رب کو

پکارتے ہیں ڈر سے' خوف سے' اور امید سے۔ (جو لوگ ایمان میں کامل ہیں اور اللہ پاک کی محبت سے سرشار ہیں یہ آیت اُن کی شان میں نازل ہوئی ہے' ان کی اس شان کا اظہار اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس میں بھی کر دیا ہے اور متعدد دوسری آیات میں یہ اطلاع بھی دیدی گئی ہے کہ اللہ ان سے راضی ہو کر ان کو جنت میں داخل کرے گا اور ان کو خوف سے مامون کر دے گا)۔

- **الْخَوْفُ مِنَ اللّٰهِ:** اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ جس طرح انسان شیر کے دیکھنے سے ڈر محسوس کرتا ہے اسی قسم کا رعب اللہ تعالیٰ کے تصور سے انسان کے قلب پر طاری ہو جائے۔ بلکہ خوف الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ انسان گناہوں سے بچتا رہے اور طاعات کو اختیار کرے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ جو شخص گناہ ترک نہیں کرتا وہ خائف یعنی اللہ سے ڈرنے والا نہیں ہو سکتا۔
- **الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ** (21۔الانبیاء:49) وہ لوگ جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور قیامت کا بھی خوف رکھتے ہیں۔
- **وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ** (36۔ یٰسین:11) اور رحمٰن سے بے دیکھے ڈرنے والے کو بخشش اور عزت کے صلے کی خوش خبری سنا دو۔

۸۔ الراجین (امید رکھنے والے)

رَجَاء'' ایسے ظن کو کہتے ہیں جس میں مسرت حاصل ہونے کا امکان ہو چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا: **وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ** (4۔النساء:104) اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ (کافر) نہیں رکھتے۔

- **مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا** (71۔نوح:13) تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کے سامنے عزت (وقار) حاصل کرنے کی آرزو نہیں کرتے۔
- **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا** (18۔الکہف:110) تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے

چاہیے کہ نیک عمل (عمل صالح) کرے اور اپنے ربّ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ (اور ریا سے بھی بچے جو شرک اصغر ہے)۔

- مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ (29۔العنکبوت:5) جو اللہ کے دیدار کی امید رکھتا ہو تو بیشک اللہ کا وہ مقرر کردہ وقت آنے والا ہے۔
- لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (33۔الاحزاب:21) جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت (کثرت سے) یاد کرے۔
- اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ o (39۔الزمر:9) کیا وہ جس نے رات کی گھڑیاں فرمانبرداری میں گزاریں، سجود میں اور قیام میں، آخرت کے ڈر سے اور وہ اپنے رب کی رحمت کی آس لگائے ہوئے ہے کیا وہ نافرمانوں جیسا ہو جائیگا؟ آپ فرمادیں کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔ نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

۹۔ الوجلین (ڈرنے والے)

اَلْوَجَلُ کے معنی دل ہی دل میں خوف محسوس کرنے کے ہیں اور یہ باب وَجَلَ يَوْجَلُ کا مصدر ہے۔ جس کے معنی ڈرنے یا گھبرانے کے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

- اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (8۔الانفال:2) ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔
- وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (23۔المؤمنون:60) ان کے دل ڈرتے ہیں اس بات سے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ (حضور ﷺ سے منقول ہے کہ یہ ان کا بیّن درجہ ہے کہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے

اعمال قبول نہ کئے جائیں نیز یہ کہ اگر تم سے ہوسکتا ہے تو تم مشہور نہ ہوتو اس طرح کرو کیونکہ تم پر کوئی الزام نہیں ہے کہ لوگ تمہاری ثناء اور تعریف نہ کریں اور اس پر کہ تم لوگوں کی نظروں میں بُرے ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل تعریف ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ سوائے دو شخصوں کے اور کسی کی زندگی میں خیر و خوبی نہیں ہے۔ ایک وہ شخص جو روزانہ نیکی میں زیادتی کرتا رہے۔ اور دوسرا وہ شخص جو اپنی بدیوں کا تدارک اپنی توبہ سے کرتا رہے۔ خدا کی قسم اگر کوئی سجدے کرتے کرتے اپنی گردن توڑ ڈالے اور اس کے دل میں اللہ کی محبت اور رسول ﷺ کا اُنس نہ ہو تو اللہ اُس کی توبہ ہرگز قبول نہیں کرے گا جب تک کہ ربّ تعالیٰ کی ذات پر پورا یقین اور محبت نہ رکھتا ہو، یاد رکھو! کہ جب دل میں اللہ کی محبت نہیں ہوتی۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور حکماء کے نزدیک اجتماع ضدین محال ہوتا ہے۔ اللہ کی محبت کی پہچان یہ ہے کہ ہر حالت میں یہ لوگ اللہ سے ڈرتے رہیں یہ اس بات کو پسند کرتے ہوں کہ ان کا حصہ دنیا میں اتنا ہی ہو تو اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کی یہ صفت بیان کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی اطاعت کا ثبوت دیا اور پھر وہ اس سے ڈرتے رہے مگر ان کا خوف شک کا خوف نہیں بلکہ ان کو اس کا خوف رہا کہ کہیں وہ اللہ کی محبت اور طاعت میں قاصر تو نہیں رہے۔

۱۰۔ العابدین (عبادت کرنے والے)

اَلعُبُودِيَّةُ کے معنی ہیں کسی کے سامنے ذلت و انکساری ظاہر کرنا مگر **اَلعِبَادَةُ** کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت و انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ معنوی اعتبار سے **اَلعِبَادَةُ** کا لفظ **اَلعُبُودِيَّةُ** سے زیادہ بلیغ ہے لہٰذا عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہے جو بے حد صاحبِ افضال و انعام ہو اور ایسی ذات صرف ذات الٰہی ہی ہوسکتی ہے اسی لئے فرمایا گیا:

○ **اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ** (17۔بنی اسرآءیل:23) کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ عِبَادَة دو قسم پر ہے (۱) عبادت بالتسخیر جسے ہم سجود کہہ سکتے ہیں۔ السّجود کے اصل معنی فروتنی اور عاجزی کرنے کے ہیں اور اللہ کے سامنے عاجزی اور اُس کی عبادت کرنے کو سُجُود کہا جاتا ہے اور یہ انسان، حیوانات، جمادات، نباتات سب کے حق

میں عام ہے تاہم سجودِ اختیاری جو انسان کے ساتھ خاص ہے اور اسی سے وہ ثوابِ الٰہی کا مستحق ہوتا ہے جب کہ سجودِ تسخیری تمام مخلوقاتِ عالمین کیلئے عام ہے۔ (۲) عبادت بالاختیار جس کا تعلق صرف ذوی العقول کے ساتھ ہے کیونکہ کوئی دوسری مخلوق اس کی مکلف نہیں۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

- **اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ** (2۔البقرہ:21) ''اپنے پروردگار کی عبادت کرو''۔۔۔ **اَلْعَبْدُ** (بندہ، غلام) کا لفظ چار معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) **اَلْعَبْدُ مَمْلُوْكاً** بمعنی غلام یعنی وہ انسان جسے ابتداءِ اسلام میں خریدنا اور بیچنا شرعاً جائز تھا (اگرچہ اسلام کا ایک انعام یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی بدولت انسانی شرف بحال ہوا اور بتدریج اس تجارت کا قلع قمع ہو گیا) (۲) **اَلعَبد'' بِالاِ یجَاد** یعنی وہ بندہ جسے اللہ نے پیدا کیا ہے اس معنی میں **عَبُودِیة** اللہ کے ساتھ مختص ہے جیسا کہ کہا گیا: تمام شخص جو آسمان اور زمین میں ہیں اللہ رحمٰن کے رو برو بندے ہو کر آئیں گے (19۔مریم:93) (۳) **عَبد**'' وہ ہے جو عبادت اور خدمت کی بدولت عبودیت کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے **عَبد**'' کا لفظ بولا جاتا ہے وہ دو قسم پر ہے ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے ہیں چنانچہ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا: اور ہمارے بندے ایوبؑ کو یاد کرو (38۔صٓ:40) بیشک نوحؑ ہمارے شکر گزار بندے تھے (17۔بنی اسرآءیل:3) جس کے اپنے بندے (**عَبْدِهٖ**) پر قرآن نازل کیا (25۔الفرقان:1) جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر یہ کتاب نازل کی۔ چنانچہ عمومیت کے ساتھ فرمایا گیا:
- **اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ** (17۔الاسراء:65) جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا (شیطان کا) کچھ زور نہیں۔
- **اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ** (15۔الحجر:40) ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں۔
- **وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ** (19۔مریم:61) جس کا اللہ رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے۔
- **وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ**

هـونـا (25۔الفرقان:63) اور اللہ رحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی (تضرع اور انکساری) سے چلتے ہیں:

- وَّنَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ (2۔البقرہ:138) اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔
- اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰكِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔ (9۔التوبہ:112)۔توبہ کرنے والے' اور اس کی حمد وثنا کرنے والے' اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے السَّـآئِـحُـوۡن اللہ کیلئے روزہ رکھنے والے کیلئے اور السائحات روزہ رکھنے والی عورت کیلئے بھی آتا ہے' رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے اور بھلائی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے اور خوشخبری دیجئے (ایسے) مومنوں کو۔(یہ وہ لوگ ہو سکتے ہیں کہ ہر چھوٹی بڑی' موٹی اور باریک حدود کو سمجھتے اور جانتے ہوں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ علم کو پورا پورا سمجھنے والے' کہتا ہے۔ جو محض عالم ہونے کا دعویٰ کرتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان حدود کا تعلق تو ایمان ویقین کے ساتھ ہے۔ انہی لوگوں کو اولیاء اللہ یا مجدّد کہا جاتا ہے اور جن کا درجہ انبیاء کے بعد ہوتا ہے۔
- وَكَانُوۡا لَنَا عٰبِدِيۡنَ (21۔الانبیاء:73) اور وہ ہماری ہی عبادت کرتے ہیں۔
- فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَكَشَفۡنَا مَا بِهٖ مِنۡ ضُرٍّ وَّاٰتَيۡنٰهُ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَذِكۡرٰى لِلۡعٰبِدِيۡنَ (21۔الانبیاء:84) تو ہم نے اس کی دعا سُن لی پس ہم نے وہ تکلیف دور کر دی جو اُسے پہنچی تھی اور ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو اور اُس کے ساتھ والوں کو اپنی طرف سے رحمت عطا کی اور ذکر (کی لذت) عبادت کرنے والوں کیلئے۔
- قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ (43۔الزخرف:81) آپ فرمادیں اگر رحمٰن کے کوئی بیٹا ہوتا' تو سب سے پہلا عبادت کرنے والا تو میں ہوں۔(سیّد محمد رفاعی عرب اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ

ہے کہ اس بات کا سب سے پہلا انکار کرنے والا میں ہوں۔ نیز یہ کہ ازل میں حضورؐ کے نور نے ذات کے بالمقابل اس کی حمد وثناء کی۔ سب سے پہلا اللہ کی حمد وثناء کرنے والا نورِ محمدؐ ہی ہے۔ تو مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو اس کی بھی حمد وثناء کرتا۔ آنحضرت ﷺ کا اپنے آپ کو اوّل العابدین کہنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ ہی اوّل مخلوق ہیں۔ کیونکہ آیۂ مجیدہ کے مطابق کوئی شے ایسی نہیں جو اس کی تسبیح نہ کرتی ہو اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر شے جو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمائی اس کی عبادت کر رہی ہے اور جب سے خلق ہوئی ہے' اُس وقت سے کر رہی ہے۔ پھر پہلا عبادت کرنے والا وہی ہوسکتا ہے جو ہر شے سے پہلے پیدا ہوا ہو۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہوتی تو کیا مجھے پتہ نہ چلتا چونکہ میں اوّل مخلوق ہوں۔ یہ نہایت معقول دلیل ہے جو مشاہدہ پر مبنی ہے)۔

۱۱۔ السائحین (روزے رکھنے والے)

اَلسَّاحَۃُ (37۔الصافات:177) کے معنی فراخ جگہ کے' **فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ** (9۔التوبہ:12) زمین میں چل پھر لینے' **سَائِحٌ** '' یا **سَیَّاحٌ** '' ہمیشہ سفر کرنے والے آدمی کو' اور **السَّائِحُوْنَ** بمعنی **صَائِمُوْنَ** بھی آتا ہے (جیسا کہ آیت التوبہ:112 میں روزہ رکھنے والے کیلئے آیا ہے اور **السَّائِحَاتِ** (66۔التحریم:5) سے روزہ رکھنے والی عورتیں مراد ہے۔ تفصیلات زیرِ عنوان درج بالا دیکھئے۔ بعض نے کہا ہے کہ روزہ دو قسم پر ہے۔ ایک حقیقی روزہ جو کھانے پینے اور جماع وغیرہ کو ترک کرنے سے عبارت ہوتا ہے اور دوسرا روزہ حکمی ہے جو کہ جوارح یعنی آنکھ' کان اور زبان وغیرہ کو معاصی اور گناہوں سے روکنے کا نام ہے تو **سَائِحُوْنَ** سے دوسری قسم کے روزہ دار مراد ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ **سَائِحُوْنَ** سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا قرآن میں ذکر ہے کہ:

○ **اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا** (22۔الحج:46) کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی تاکہ ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ ان سے سمجھ سکتے اور کان (ایسے) ہوتے کہ ان

سے سُن سکتے۔ (یعنی اس آیت کے مقتضیات کے تحت زمین میں سفر کرنے اور قدرت الٰہی کے آثار وعجائبات دیکھتے اوران پر غور وفکر کرتے رہتے۔

- مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ (66۔التحریم:5)
اطاعت والیاں اور ایمان والیاں ادب والیاں توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں روزہ رکھنے والیاں۔

۱۲۔ اَلصّٰابِرِیْنَ (صبر کرنے والے)

اَلصَّبرو کے معنی ہیں کسی کو تنگی کی حالت میں روک رکھنا۔ عقل وشریعت دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے تقاضا کے مطابق اپنے آپ کو روک رکھنے کو بھی اَلصَّبرو کہتے ہیں۔

- وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ (2۔البقرہ:177)
اور کمال نیک ہیں جو صبر کرتے ہیں (یعنی ثابت قدم رہتے ہیں) مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت"۔۔۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْ۔ یہی لوگ ہیں جو راستباز ہیں۔

- الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَاللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَهُمْ (22۔الحج:35) کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور مصیبت پر صبر کرنے (ثابت قدم رہنے) والے ہیں۔

- وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ (35۔الاحزاب:35) صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔

- یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا۔ وَاتَّقُوااللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (3۔آل عمران:200) اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں قائم رہو اور آپس میں رابطہ قائم رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (صاحب ضیاء القرآن جسٹس پیر کرم شاہ الازہریؒ فرماتے ہیں: یہ ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت سُورۃ (آل عمران) کی آخری آیت ہے اور اس میں نہایت مختصر اور بہت ہی جامع الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ دنیوی اور اُخروی فلاح وکامیابی کا راز چار باتوں میں پنہاں و پوشیدہ ہے (۱) صبر (۲) مصابرۃ (۳) رباط اور (۴) تقویٰ۔ صبر کا معنی ہے نیک

اعمال کرنے اور بُرے اعمال سے باز رہنے پر نفس کو پابند رکھنا۔ مصابرہ کا معنی ہے ''مصابرۃ الاعدا'' یعنی دشمن کے پے در پے حملوں کے مقابلہ میں فولاد بن کر کھڑے رہنا اور رباط کا معنی ہے نفس کو نیت حسنہ پر آمادہ رکھنا اور جسم کو عبادت پر کاربند رکھنا۔ اس کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ انسان جہاد فی سبیل اللہ کیلئے کمربستہ رہے اور گھوڑا تیار رکھے اور نفس کو نماز کا خُوگر بنائے اور تقویٰ کا مطلب یوں ادا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی اطاعت کی جائے کہ اس میں نافرمانی کا شائبہ نہ ہو' اُس کو ایسا یاد کیا جائے کہ غفلت طاری نہ ہو اور اُس کا یوں شکریہ ادا کیا جائے کہ اس میں ناشکری کی آمیزش نہ ہو گویا کہ تم اپنی طرف سے تقویٰ کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھو۔

- فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ (19۔مریم:65) تو اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کی بندگی پر ثابت قدم رہو۔ اِصطَبِر کے معنی مشقت کے ساتھ صبر کرنے کے ہیں۔ فَصَبْرٌ '' جَمِیل '' (12۔یوسف:18) پس صبر ہی اچھا ہے۔
- وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ (2۔البقرہ:45) صبر اور نماز (اُس کی یاد) کو اپنا شعار بناؤ اور بیشک نماز بہت بڑی چیز ہے ان لوگوں کیلئے جو دل میں خوف الٰہی رکھتے ہیں۔
- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (2۔البقرہ:153) اے ایمان والو! صبر (مستقل مزاجی) اور نماز سے اللہ تعالیٰ کی مدد چاہو' بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
- ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۔(90۔البلد:17) پھر ان میں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے آپس میں صبر کی نصیحتیں کیں اور آپس میں رحم کی وصیتیں کیں۔
- وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (103۔العصر:3) اور ایک نے دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔
- وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ (16۔النحل:127) اور اے حبیب آپ صبر کریں اور آپ کا صبر اللہ کی توفیق سے ہے اور غم نہ کریں ان کے فریبوں سے تنگ دل نہ ہوں۔

- وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْن (2۔البقرہ:249)۔اوراللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
- رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (7۔الاعراف:126)اے ہمارے ربّ! انڈھیل دے ہم پر صبر جمیل اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں۔

۱۳۔ الراضین (راضی رہنے والے)

رَضِيَ راضی ہونا۔جیسا کہ حدیث میں ہے رَضَا فَھُوَ مَرضِيٌّ" وَمَرضُوٌّ"۔۔۔بندے کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا یہ ہے کہ اسے اپنے اوامر کا بجالانے والا اور منہیات سے رُکنے والا پائے۔چنانچہ قرآن العزیز میں ہے:

- رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (5۔المائدہ:119)اللہ تعالیٰ ان سے خوش اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش۔(پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا' ان کیلئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے' اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی' یہی سب سے بڑی کامیابی (الفوز العظیم) ہے علاوہ ازیں آیت مذکورہ کے یہی الفاظ (9۔التوبہ:100) میں بھی وارد ہوئے
- لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (48۔الفتح:18) تو اللہ تعالیٰ ضرور ان مؤمنین سے خوش ہوتا ہے۔
- اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ (9۔التوبہ:109) تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی پرہیز گاری پر اور اللہ کی رضا پر وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی بنیاد تعمیر کی ایک گرنے والے گڑھے کے کنارے پر اور وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر اپڑا۔
- يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا (20۔طٰہٰ:109) اُس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اُس کی' جسے رحمٰن نے

اذن دیدیا ہے اور اُس کی بات پسند فرمائی ہے۔

- لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (48۔الفتح:18) یقیناً اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے راضی ہوا جو درخت کے نیچے آپؐ سے بیعت کررہے تھے۔
- رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (58۔المجادلۃ:22) اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں یہی اللہ والے لوگ ہیں اور یقیناً اللہ ہی کی جماعت فلاح پانے والی ہے۔
- رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ (98۔البینۃ:8) ''اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی'' یہ سعادت اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

جسٹس پیر کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ سعادت اور مقام بلند ورفیع ہر ایک کو نہیں بخشا جاتا۔ جھوٹی آرزوئیں کرنے والوں کو اس پر فائز نہیں کیا جاتا یہ شرف ان سعادت مندوں کا حصہ ہے جو زندگی بھر اُس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس کی حکم عدولی کی انہیں جرأت ہی نہیں ہوتی۔ اگر بھولے سے کوئی لغزش ہو جائے تو خوف اور ندامت کے باعث رو رو کر دریا بہا دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ پہنائی جاتی ہے۔

۱٤۔ المتوکلین (توکل والے)

اَلتَّوَكِیْلُ کے معنی کسی پر اعتماد کر کے اسے اپنا نائب مقرر کرنے کے ہیں اور وَکیل''۔ فَعیل'' کے وزن پر ہے (بمعنی مفعول)۔ قرآن میں ہے: وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا (4۔النساء:81) اور اللہ پر بھروسہ کریں اور اللہ بہتر کام بنانے والا (یعنی کارساز) ہے''۔ مطلب یہ کہ اپنے تمام کام اسی کے سپرد کر دیجئے اور کارسازی کیلئے اسی کو کافی سمجھئے۔ قرآن حکیم میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

- حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ (3۔آلِ عمران:173) ''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ

اچھا کارساز ہے''۔ (حمراء الاسد اور بدرِ صغریٰ کے موقع پر کفار نے بعض لوگوں کی خدمات مالی معاوضہ دے کر حاصل کیں اور ان کے ذریعے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیلائی کہ مشرکین مکہ لڑائی کیلئے بھرپور تیاری کر رہے ہیں تاکہ یہ سن کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ بعض روایات میں یہ کام شیطان کے چیلے چانٹوں کے ذریعے سے لیا گیا۔ لیکن مسلمان اس قسم کی افواہیں سن کر خوف زدہ ہونے کی بجائے مزید عزم و ولولہ سے سرشار ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ ابتلا و مصیبت کے وقت اہلِ ایمان کا شیوہ اللہ پر اعتماد و بھروسہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اس آیت کے ورد کی فضیلت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ حصن حصین میں ہے کہ جو شخص کسی مصیبت یا غم میں مبتلا ہو وہ اس مقدس آیت کو بکثرت پڑھے۔

- وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (14۔ابراہیم:11) ''اور مومن اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں''۔ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا (14۔ابرہیم:12) ''اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اللہ پر بھروسہ کیوں نہ کریں جب کہ اُس نے ہم کو ہماری راہیں دکھا دی ہیں''۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ کیوں نہ کریں جب کہ اُس نے ہمیں انجام سے واقف کر دیا اور تمہاری اذیتوں پر صبر کرنے کے اجر سے باخبر کر دیا' ہمیں وہ بصیرت عطا فرمائی جس سے ہم راہ راست کو پا گئے اور حقائق ہماری نظر میں آ گئے اور یہ ایمان کی ایک روشن دلیل ہے)۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (14۔ابراہیم:12) اور اہل توکل کو اللہ ہی پر توکل کرنا لازم ہے'' (یعنی ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ اللہ ہی پر توکل کریں)۔
- وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (65۔الطلاق:3) ''اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس (کی تسہیل مہمات) کے لئے کافی ہے''۔ (فَهُوَ حَسْبُهٗ) یعنی اس کے تمام فکر آگیں امور کیلئے کافی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے: اگر تم لوگ اللہ پر ایسا بھروسہ کر لو جیسا بھروسہ کرنے کا حق ہے (یعنی کامل بھروسہ کر لو) تو اللہ تم کو اس طرح

رزق عطا فرمائے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس آتے ہیں' رواہ الترمذی و ابن ماجہ' حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو منتر نہیں کراتے' شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ متفق ''علیہ اور ایک روایت میں اتنا زائد ہے'' اور داغ نہیں لگواتے۔

- فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (3۔آلِ عمران:159) ''پھر جب مشورہ کے بعد تمہارا ارادہ محکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو''۔ (اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو اور اس پر اعتماد رکھو۔ رسول اللہ ﷺ کی یہی حالت تھی۔ توکل کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کے سپرد کر دی جائے۔ اسی سے درخواست کی جائے کہ کوشش کا اچھا نتیجہ نکلے) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آیت 159 کا آخری ٹکرا) جو لوگ اللہ پر توکل کرتے ہیں اللہ ان سے محبت کرتا ہے''۔ (اور اللہ کا محبوب ہونا ہی سب سے اونچا مقصد ہے۔ اس کے علاوہ توکل علی اللہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ مدد فرماتا ہے اور دین و دنیا کی اصلاح کا راستہ دکھا دیتا ہے۔ حدیث قدسی ہے ''میں اپنے بندہ کے گمان کے پاس ہوں''۔

- عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ۔ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔ (12۔یوسف:67) اس پر میرا بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ کرنے والوں کو توکل کرنا چاہیے۔ (نیز دیکھیئے سورۃ الانفال: 2' 49' سورہ ھود: 123' الفرقان: 58' الاحزاب: 48' شوریٰ: 10' آلِ عمران: 122)

۱۵۔ اَلْمُخْبِتِيْن (تواضع والے)

اَلْخَبْتُ نشیبی اور نرم زمین کو کہتے ہیں' اَخْبَتَ الرَّجُلُ کے معنی نشیبی اور نرم زمین کا قصد کرنے یا وہاں اترنے کے ہیں۔ اس کے بعد لفظ اَلْاِخْبَات'' (افعال) نرمی اور تواضع کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا۔

- وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ (22۔الحج:34) اور (اللہ کے سامنے) خشوع و خضوع کرنے

والوں کو (جنت اور مرضیٔ رب کی) خوش خبری دیدو"۔ (صاحب تفسیر مظہری علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ خبیت' حقیر چیز' جو خشوع و خضوع کرے اور اللہ کے سامنے اپنے آپ کو عاجز و حقیر قرار دے' وہ مخبت ہے۔ صاحب قاموس نے کہا کہ اَخبَت کے معنی عاجزی و فروتنی کرنے کے ہیں۔ اس معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت ابن عباس اور قتادہ نے ترجمہ کیا ہے' عاجزی کرنے والے' تواضع کرنے والے۔ اخفش نے ترجمہ کیا: خشوع کرنے والے۔ بعض اہل لغت نے کہا کہ "خبت"، نشیبی مقام کو کہتے ہیں جیسا کہ ابتداء ہی میں صاحب مفردات القرآن علامہ راغب اصفہانی کی رائے دی گئی ہے۔ اس معنی کی رعایت سے مجاہد نے ترجمہ کیا: "اللہ کی یاد میں مگن' مطمئن نخعی نے ترجمہ کیا: اہل اخلاص۔ اطمینان اور اخلاص کا ایک ہی معنی ہے۔ کلبی نے کہا: نرم دِل لوگ۔ عمرو بن اوس نے کہا مخبتین وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور ان پر ظلم کیا جائے تو انتقام نہیں لیتے مخبتین وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل خوف سے ڈر جاتے (وَجلَت) ہیں یعنی جلال خداوندی کی شعائیں ان کے دلوں پر پڑتی ہیں اور عظمت الٰہیہ کے انوار پرتو انداز ہوتے ہیں اس لئے ان کے دل ہیبت زدہ ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس سے متعلقہ آیت (22۔الحج:38) پر بحث الوجلین کے تحت عنوان ہو چکی ہے۔

o تواضع سے متعلق احادیث مبارکہ میں فرمایا گیا: حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی "آپ تواضع اختیار کیجئے اور کوئی شخص ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے"۔ حضور ﷺ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ آزاد اور غلام سب کی دعوت قبول فرماتے تھے خواہ وہ دودھ کا ایک گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران ہی کیوں نہ ہوتی۔ آپ فرمایا کرتے کہ تواضع کی چوٹی کی بات یہ ہے کہ جس سے تم ملو اس کو پہلے سلام کرو۔ اسی لئے اخلاق صوفیہ میں سب سے بہتر خلق تواضع ہے۔ ابوحفص فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کا دل تواضع اختیار کر لے تو اس کو چاہیے کہ صالحین کی صحبت اختیار کرے اور ان کی عزت و حرمت کرے۔ حضرت لقمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہر چیز کیلئے ایک سواری ہے اور عمل کی سواری تواضع ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

o إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۱۱۔ھود:۲۳) بیشک جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اپنے ربّ کی طرف رجوع ہوئے وہی لوگ جنت والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

o وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ (22۔الحج:54) اور تا کہ جن لوگوں کو فہم (صحیح) عطا ہوا وہ یقین کر لیں کہ یہ (جو نبیؐ نے پڑھا ہے) بلاشک وشبہ آپؐ کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور اس یقین کی وجہ سے ایمان پر (اور زیادہ) قائم ہو جائیں پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک جائیں'۔ فَتُخْبِتَ کا مطلب یہاں پر یہ ہے کہ پس وہ عاجزی کریں۔ یعنی ان کے دلوں میں خشیت پیدا ہو جائے اور وہ مطیع فرمان ہو جائیں اور ان کے دلوں میں اطمینان وسکون کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ دوزخ کی آگ کس پر حرام ہے؟ (سنو!) ہر ایک نرم (خو) سہل (وہ جو لوگوں کیلئے نرم، ملاقات کیلئے سہل اور ملنے جلنے میں آسان ہو) اور قریب پر (یہ آگ حرام ہے)۔

۱۶۔ الاولیاء (اللہ کے ولی)

اَلْوِلَاءُ وَالتَّوَالِي کے اصل معنی دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا اس طرح یکے بعد دیگرے آنا کہ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہ آئے جو ان میں سے نہ ہو۔ پھر استعارہ کے طور پر قرب کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ خواہ وہ قرب بلحاظ مکان یا نسب اور یا بلحاظ دین اور دوستی اور نصرت کے ہو اور یا بلحاظ اعتقاد کے۔ اَلْوِلَايَةُ (بکسر واؤ) کے معنی نصرت اور وَالْاَيَة (بفتح الواؤ) کے معنی کسی کام کا متولی ہونے کے ہیں۔ اَلْوَلِيُّ وَالْمَوْلىٰ ۔ یہ دونوں بھی اسم فاعل یعنی مُوَالٍ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اسم مفعول یعنی مُوَالىً کے معنی میں آتے ہیں اور مومن کو ولی اللہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن مولی اللہ کہنا ثابت نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے متعلق وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْن وَمَوْلَاهُم دونوں طرح بول سکتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا:

o اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

(2البقرہ:257) ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔

- اِنَّ وَلِیِّ ےَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ۔ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ (7۔الاعراف:196) یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔
- وَھٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْاط وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (3۔آل عمران:68) اور یہ نبیؐ اور جو لوگ ایمان لائے' مومنوں کا ولی اور کارساز اللہ ہی ہے۔ (حضور ﷺ نے فرمایا کہ نبی کے نبیوں میں سے کچھ دوست ہوتے ہیں' میرے ولی (دوست) ان میں سے میرے باپ اور رب کے خلیل (ابراہیم علیہ السلام) ہیں۔ پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی (ترمذی بحوالہ ابن کثیر) اس آیت کی رو سے ایمان لانے والوں کو بھی اللہ کے ولی اور کارساز ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔
- ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (47۔محمدؐ:11) وہ اس لئے کہ جو مؤمن ہیں اُن کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے۔
- اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰکُمْ۔ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ (8۔الانفال:40) تو یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے' وہ بہت اچھا کارساز ہے اور خوب مددگار ہے۔ (یعنی تمہارے دشمنوں پر تمہارا حامی و محافظ ہے۔ پس کامیاب بھی وہی ہوگا جو جس کا مولیٰ اللہ ہو اور غالب بھی وہی ہوگا جس کا مددگار وہ ہو۔)
- وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (9۔التوبہ:71) ''اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق''۔ ''بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم مانتے ہیں' یہ ہیں وہ جن پر اللہ عنقریب رحم کرے گا۔ بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے'' (ترجمہ بقیہ آیت)۔
- اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ (10۔یونس:62) ''یقیناً اللہ تعالیٰ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے''۔ (درحقیقت اولیاء اللہ بھی شہید راہ حق ہوتے ہیں کیونکہ یہ عشق الٰہی کی تلوار سے

قتل ہوتے ہیں اس لئے انہیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے اور شہدا کفار کی تلوار سے قتل ہوتے ہیں لیکن دونوں کو یکساں حقیقی زندگی حاصل ہوتی ہے کیونکہ دونوں مقتول فی سبیل اللہ ہوتے ہیں)۔صاحب تفسیر مظہری علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیت کی تفسیر و ترجمہ کچھ اس اسلوب سے کرتے ہیں' ترجمہ: خوب سُن لو کہ (قیامت کے دن جب سب لوگوں کو مصیبت میں مبتلا ہونے کا خوف ہوگا) اللہ کے دوستوں کو (عذاب کا) کوئی اندیشہ نہ ہوگا اور نہ وہ (اپنی کسی امید کی ناکامی کے) غم میں مبتلا ہوں گے۔(یعنی ان کی ہر امید پوری کی جائے گی)۔

قرب کے غیر محدود درجات

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں: یوں تو ہر شخص بلکہ ہر چیز کا اللہ سے قرب ہے جس کی کیفیت نہیں جانی جا سکتی۔اللہ نے فرمایا ہے۔ **نَحنُ اقرَبُ اِلَیہِ مِن حَبلِ الوَرِیدِ** رگِ جان سے بھی زیادہ ہم بندہ کے قریب ہیں۔اِسی قُرب کی وجہ سے یہ کائنات جامۂ ہستی پہنتی اور دائرہ وجود میں آتی ہے۔اگر یہ قرب نہ ہوتا تو کوئی وجود کی بو بھی نہیں سونگھ سکتا تھا۔اصل عدم ہے لیکن خاص بندوں کو ایک بے کیف قرب اور بھی حاصل ہے' یہ قرب محبت ہے عالم مثال میں اہلِ کشف کو یہ پُر کیف محبت' قربِ جسمانی کی شکل میں نظر آتی ہے۔لفظ قرب کا قرب خلقی اور قرب محبت دونوں پر اطلاق بطور اشتراک لفظی کے ہوتا ہے۔حقیقت قرب دونوں جگہ جدا جدا ہے۔مؤخر الذکر قرب کے اَن گنت غیر محدود درجات ہیں ایک حدیث قدسی ہے (اللہ نے فرمایا) میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے پیار کرنے لگتا ہوں جب میں اس کو پیار کرتا ہوں تو پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔الی آخر الحدیث (یعنی اس وقت وہ جو کام کرتا ہے وہ گویا میرا عمل ہوتا ہے) رواہ البخاری عن ابی ہریرہؓ۔

اس قرب کا ابتدائی درجہ صرف ایمان سے حاصل ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِینَ اٰمَنُوا** ۔اور آخری انتہائی درجہ انبیاء کا خصوصی حصہ ہے جن کے سردار رسول اللہؐ ہیں۔رسول اللہؐ کے درجات ترقی پذیر ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں۔

صوفیہ کی اصطلاح میں کم سے کم وہ درجہ' جس پر لفظ ولی کا اطلاق ہو سکتا ہے' اس شخص کا

ہے جس کا دل اللہ کی یاد میں ہر وقت ڈوبا رہتا ہے۔ وہ صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرنے میں مشغول رہتا ہے۔ اللہ کی محبت سے سرشار رہتا ہے کسی اور کی محبت کی اس میں گنجائش نہیں ہوتی' خواہ باپ ہو یا بیٹا یا بھائی یا بیوی یا دوسرے کنبہ والے' کسی سے اس کو محبت نہیں ہوتی۔ اگر کسی کو کچھ دینا ہے تو صرف اللہ کیلئے اور نہیں دینا ہے تب بھی اللہ کی مرضی کیلئے اس گروہ کی آپس میں محبت لوجہ اللہ ہوتی ہے۔ صوفیہ کی اصطلاح میں اس صفت کو فناء قلب کہا جاتا ہے۔ ولی کا ظاہر یا باطن تقویٰ سے آراستہ ہوتا ہے جو اعمال و اخلاق اللہ کو ناپسند ہیں ان سے وہ پرہیز رکھتا ہے۔ شرک خفی و جلی سے پاک رہتا ہے۔ بلکہ وہ شرک جو چیونٹی کی رفتار کی آواز سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے اس سے بچتا ہے۔ غرور' کینہ حسد حرص اور ہوس سے منزہ ہوتا ہے اور انہی کے ساتھ عمدہ اخلاق و اعمال سے متصف ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کو صوفیہ فناء نفس کا مرتبہ دیتے ہیں۔ صوفیہ کا قول ہے کہ اس درجہ پر جب ولی پہنچ جاتا ہے تو اس کا شیطان اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور فرماں بردار بن جاتا ہے۔ ولایت کے ابتدائی درجہ کی طرف اللہ نے اَلَّذِينَ اٰمَنُوا سے ارشاد فرمایا۔ اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان لے آئے یعنی حقیقت ایمان ان کے اندر پیدا ہو گئی ایمان کا محل قلب ہے۔ کمال ایمان یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے دل میں اطمینان پیدا ہو جائے' اللہ کے ذکر سے لحہ بھر غافل نہ ہو کسی دوسرے کی طرف توجہ ہی نہ ہو۔ دوسرے مرتبہ کی طرف اشارہ فرمایا: وَكَانُوا يَتَّقُونَ ○ اور (شرک و معاصی سے) پرہیز رکھتے ہیں۔ یعنی اللہ کے اوامر و نواہی کی ظاہری اور باطنی ہر طرح پابندی کرتے ہیں۔

ابوداؤد نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء لیکن قیامت کے دن ان کے مرتبۂ قرب کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا جو بندگانِ خدا سے محض اللہ کیلئے محبت رکھتے ہیں آپس میں نہ ان کی باہم رشتہ داریاں ہیں۔ نہ مالی لین دین (کہ قرابت یا مالی لالچ کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے محبت ہو) خدا کی قسم ان کے چہرے (قیامت کے دن مجسم) نور ہوں گے بالائے نور۔ جب اور لوگوں کو (عذاب کا) خوف ہوگا ان کو خوف نہ ہوگا جب اور لوگ غم میں مبتلا ہوں گے وہ غمگین نہیں ہوں گے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (10۔ یونس: 62) بغوی نے ابو مالک اشعری کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی

طرح نقل کی ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہی لکھا ہے۔

حضرت ابوہرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے آیت اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ کا معنی دریافت کیا گیا۔ فرمایا' یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ ابن مردویہ نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

حصولِ ولایت کے ذرائع

مرتبۂ ولایت کا حصول رسول اللہ ﷺ کی پرتو اندازی سے ہوتا ہے خواہ عکسِ رسالت براہ راست پڑے' یا کسی ایک واسطہ سے یا چند واسطوں سے۔ رسول اللہؐ یا آپؐ کے نائبوں سے محبت اور ان کی ہم نشینی واطاعت' حصولِ ولایت کیلئے ضروری ہے۔ رسول اللہؐ کے قلب' نفس اور جسم کا رنگ ولی کے قلب' قالب اور جسم پر ان ہی دونوں اوصاف کی وجہ سے چڑھ جاتا ہے اور یہی صبغۃ اللہ ہے جس کے متعلق فرمایا' صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۔ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَة (2۔سورۃ البقرہ:138) ''اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے اچھا کس کا رنگ ہوسکتا ہے'' طریقِ مسنون کے مطابق ذکر اللہ کی کثرت عکس پذیری کیلئے مددگار ہوتی ہے' اس سے دل کا میل دور ہو جاتا ہے اور آئینۂ قلب کی صفائی ہو کر عکس پذیری کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا' ہر چیز کی منجھائی ہوتی ہے اور دل کو مانجھنے والا اللہ کا ذکر ہے۔ رواہ البیہقی۔

عن عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔ امام مالکؒ۔ امام احمدؒ اور بیہقی نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے بیان کیا۔ حضرت معاذ نے فرمایا' میں نے خود' حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ نے فرمایا جو آدمی میرے لئے باہم محبت کرتے ہیں میرے لئے مل کر بیٹھتے ہیں میرے لئے خرچ کرتے ہیں اُن سے میری محبت واجب ہو جاتی ہے۔

امام احمد طبرانی اور حاکم نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا' یارسول اللہؐ اس شخص کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے مگر اس قوم (کے عمل) تک اس کی رسائی نہیں ہوئی فرمایا آدمی کا شمار انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے ان کو محبت ہوگی۔ رسائی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے عمل اس قوم کے اعمال کی طرح نہ ہو سکے ہوں۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں لکھا ہے کہ حضرت ابورزین نے بیان کیا مجھے رسول اللہؐ نے فرمایا میں تجھے بتاؤں کہ اس کام کا مدار کس چیز پر ہے جس سے تجھے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل جائے (مدار خیر یہ ہے کہ) اہلِ ذکر کی مجلسوں میں حاضری کی پابندی کر اور تنہائی ہو تو جہاں تک ہو سکے اللہ کے ذکر سے زبان کو ہلاتا رہ اور اللہ کے واسطے محبت اور اللہ کے واسطے نفرت کر (یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے لوگوں سے محبت و عداوت رکھ ذاتی غرض کوئی نہ ہو)۔

امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے پیارا عمل یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی کیلئے محبت اور بغض کیا جائے۔

اللہ کی محبوبیت کا درجہ کیسے حاصل ہے؟

اولیاء میں ایک جماعت اللہ کی محبوبیت کے درجہ پر بھی فائز ہو جاتی ہے۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اللہ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل کو طلب فرما کر حکم دیتا ہے میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ حسب الحکم جبرائیل اُس بندے سے پیار کرنے لگتے ہیں پھر جبرائیلؑ آسمان پر (اہل سمٰوات کو) ندا دیتے ہیں کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے۔ تم بھی اس سے محبت کرو۔ حسبِ الارشاد اہل سمٰوات اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

پھر زمین والوں میں اس کو مقبولیت عطا کر دی جاتی ہے۔ اور جب اللہ کسی بندہ سے نفرت کرتا ہے تو جبرائیلؑ کو طلب فرما کر حکم دیتا ہے میں فلاں شخص سے نفرت کرتا ہوں تو بھی اس سے نفرت کر۔ حسب الحکم جبرائیلؑ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ پھر آسمان والوں کو جبرائیلؑ ندا کرتے اور کہتے ہیں: اللہ فلاں شخص سے نفرت کرتا ہے تم بھی اس سے نفرت کرو۔ لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والوں میں اس سے نفرت پیدا کر دی جاتی ہے (اور زمین والے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

اولیاءاللہ کی علامات کیا ہیں؟

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں؟ فرمایا جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے (بغوی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا میرے بندوں میں میرے اولیاء وہ ہیں جن کی یاد میرے ذکر سے اور میری یاد ان کا ذکر کرنے سے ہوتی ہے۔ (بغوی)

حضرت اسماءؓ بنت یزید نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا' سنو! کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھے کون لوگ ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ ﷺ ضرور فرمایئے' فرمایا جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔ (رواہ ابن ماجہ)

اولیاء اللہ کی ہم نشینی کا فائدہ

اس کا گُر یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو اللہ سے قرب اور بے کیف مصاحبت حاصل ہوتی ہے اسی وجہ سے ان کی ہم نشینی گویا اللہ کی ہم نشینی اور ان کا دیدار اللہ کی یاد دلانے والا اور ان کا ذکر اللہ کے ذکر کا موجب ہوتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے سورج کے سامنے رکھا ہوا آئینہ' جو سورج کی شعاعوں سے جگمگا جاتا ہے اور اس آئینہ کے سامنے جو چیز رکھی جاتی ہے آئینہ کی عکس ریزی سے وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے اور سورج چونکہ دور ہوتا ہے اس لئے دھوپ میں روئی نہیں جلتی۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ نے اولیاء کے اندر اثر پذیری اور اثر اندازی کی قوی طاقت رکھی ہے۔ اللہ سے قرب اور پُر کیف مناسبت رکھنے کی وجہ سے اولیاء میں اثر پذیری کی صلاحیت زیادہ قوی ہوتی ہے اور جنسیت نوعیت اور شخصیت کے اشتراک کی وجہ سے دوسرے ہم جنس ہم نوع اور مناسب حالت شخص افراد پر اثر اندازی کی استعداد بھی ان میں قوی ہوتی ہے یہی تاثر و تاثیر کا تعلق اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ ان کا حضور' اللہ کے سامنے حضوری کا ذریعہ اور ان کو دیکھنا اور ان کے ساتھ بیٹھنا اللہ کی یاد کا موجب ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ دیکھنے والے اور بیٹھنے والے کے دل میں انکار نہ ہو (منکروں کو کوئی فیض حاصل نہیں ہوتا) وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔ اللہ ایمان و اطاعت کی حدود سے باہر نکل جانے والوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے فرمایا جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں نے اس کو (اپنی طرف سے) جنگ کا الٹی میٹم دے دیا ہے۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرہؓ۔

حضرت حنظلہؓ نے عرض کیا تھا' یا رسول اللہ ﷺ! جب ہم حضور ﷺ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ دوزخ اور جنت کی ہم کو یاد دلاتے ہیں تو گویا ہم اپنی آنکھوں سے جنت و دوزخ کو دیکھ لیتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے نکل کر ہم باہر جاتے ہیں اور بیویوں' بچوں

اور زمینوں کے جھگڑوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ (جنت و دوزخ) کو بھول جاتے ہیں' فرمایا' قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر ہر وقت تم اسی حالت پر رہو' جس حالت پر میرے پاس اور میرے نصیحت کرنے کے وقت ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کریں مگر حنظلہ وقت وقت ہوتا ہے (ایک حضور کا وقت ایک غیوبت کا وقت) یہ الفاظ حضور نے تین مرتبہ فرمائے۔ رواہ مسلم۔

کیا کشف و کرامات معیارِ ولایت ہے؟

عام لوگ کشف و کرامت کو ولایت کی خصوصی نشانی سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے۔ بہت سے اولیاء کشف و کرامت سے خالی ہوتے ہیں اور کبھی بطور استدراج دوسرے لوگوں میں اولیاء کے علاوہ بھی خرقِ عادات اور انکشافِ غیبی پایا جاتا ہے (اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ کشف و کرامت معیارِ ولایت نہیں ہے) اگر بعض اولیاء سے اتفاقاً کشف و کرامت کا ظہور ہو جائے تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کشف و کرامت معیارِ ولایت ہے اللہ نے اپنے رسولِ مکرم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا: **قُل اِنَّمَا اَنَا بَشَر" مِثلُکُم یُو حیٰ اِلَیَّ** 'آپ کہہ دیجئے کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تم جیسا انسان ہوں (مگر مجھے یہ امتیاز ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے۔ دوسری جگہ خطاب کر کے فرمایا: **قُل لَّو کُنتُ اَعلَمُ الغَیبَ لَا ستَکثَرتُ مِنَ الخَیرِ وَمَامَسَّنِیَ السُّوءُ** اگر میں غیب داں ہوتا تو کثیر بھلائی سمیٹ لیتا اور برائی مجھے چھو بھی نہ جاتی۔ ایک جگہ اور خطاب فرمایا ہے **قُل اِنَّمَا الاٰیٰتُ عِندَ اللّٰہِ** آپ کہہ دیجئے کہ معجزات تو اللہ کے قبضہ میں ہیں۔

صوفیاء کرام کا قول ہے' کرامت تو مردوں کا حیض ہے' اس کو چھپانا ہی ضروری ہے۔ کرامت کی وجہ سے ایک ولی کو دوسرے ولی پر فضیلت نہیں ہوتی اسی لئے جن اولیاء کے ہاتھوں سے کرامات کا ظہور زیادہ ہوا ان کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی۔

١٧۔ المتقین (تقویٰ والے)

وَقَیتُ الشَّیءَ۔ وِقَایَۃً وَ یَۃً وَوِ کَاءً کے معنی کسی چیز کو مضر اور نقصان پہنچانے والی چیزوں سے بچانے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے: **فَوَقٰھُمُ اللّٰہُ شَرَّ ذٰلِکَ الیَومِ وَلَقّٰھُم نَضرَۃً وَّسُرُورًا** (76۔الدھر:11) پس انہیں اللہ تعالیٰ نے اس دن کی برائی سے بچا

لیا اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی"۔ (جیسا کہ وہ اس کے شر سے ڈرتے تھے اور اس سے بچنے کیلئے اُس کی مغفرت کے طلب گار تھے اب اُن کی محنت اور رجوع الی اللہ کے ثمرات کے نتیجہ میں اُن کے چہروں پر تازگی ہوگی اور خوشی دلوں میں' جب انسان کا دل خوشی سے لبریز ہوتا ہے تو اُس کا چہرہ بھی مسرت و انبساط سے پُر نور ہو جاتا ہے۔ احادیث میں ہے کہ حضور ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک اس طرح روشن ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔

التقویٰ: اس کے اصل معنی نفس کو ہر اس چیز سے بچانے کے ہیں جس سے گزند پہنچنے کا اندیشہ ہو لیکن کبھی کبھی الفاظ تقویٰ اور خوف ایک دوسرے کے ہم معنی سمجھے جاتے ہیں۔ جس طرح سے سبب بول کر مسبب اور مسبب بول کر سبب مراد لیا جاتا ہے اور اصطلاح شریعت میں نفس کو ہر اُس چیز سے بچانے کا نام تقویٰ ہے جو گناہ کا موجب ہو اور یہ بات محظورات شرعیہ کے ترک کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے مگر اس میں درجہ کمال حاصل کرنے کیلئے بعض مباحات کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے (رواہ النسائی) مروی ہے: "کہ حلال بھی بین ہے اور حرام بھی بین ہے اور جو شخص چراگاہ کے اردگرد چرائے گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس میں داخل ہو جائے"۔ (یعنی مشتبہ چیزیں اگرچہ درجہ اباحت میں ہوتی ہیں لیکن ورع کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں بھی چھوڑ دیا جائے۔ قرآن حکیم میں ہے:

- فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (7۔الاعراف:35) تو جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور اپنی حالت درست رکھے گا ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ غمناک ہوں گے"۔ (یہاں ان اہل ایمان کا حُسن انجام بیان کیا گیا ہے جو تقویٰ اور عمل صالح سے آراستہ ہوں گے۔ قرآن نے ایمان کے ساتھ' اکثر جگہ' عمل صالح کا ذکر ضرور کیا ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عنداللہ ایمان وہی معتبر ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہوگا۔
- اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (16۔النحل:128) یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔
- وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ (39۔الزمر:73) اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے

ان کے گروہ کے گروہ جنت کی طرف روانہ کئے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آ جائیں گے اور دروازے کھول دیئے جائیں گے اور وہاں کے نگہبان ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو تم خوش حال رہو تم اس میں ہمیشہ کیلئے چلے جاؤ" (اہل ایمان وتقویٰ بھی گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لیجائے جائیں گے۔ پہلے مقربین پھر ابرار اسی طرح درجہ بدرجہ ہر گروہ ہم مرتبہ لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ مثلاً انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ صدیقین شہداء صالحین اپنے ہم مقاموں کے ساتھ علماء اپنے اقران کے ساتھ (ابن کثیر)۔ حدیث میں آتا ہے جنت کے آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک ریان (روزہ داروں کیلئے) ہے باب الصدقہ باب الجہاد وغیرہ۔ ہر دروازے کی چوڑائی چالیس سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔ اس کے باوجود یہ بھرے ہوئے ہوں گے۔ (صحیح مسلم باب الزھد)۔

تقویٰ کے چونکہ بہت سے مدارج ہیں اس لئے صاحب مفردات القرآن امام راغب الصفہانی ان مدارج سے متعلق آیات کو الگ الگ بیان کرتے ہیں:

- وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ (2۔البقرہ:281) اور اس دن سے ڈور جب تم سب اللہ تعالیٰ کے حضور میں لوٹ کر جاؤ گے" (بعض آثار میں ہے کہ یہ قرآن کریم کی آخری آیت ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی اس کے چند دن بعد ہی آپ دنیا سے رحلت فرما گئے (ابن کثیر)۔
- يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (31۔لقمان:33) لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اُس دن کا خوف کرو جس دن باپ اپنے بیٹے کو کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا ذرا سا بھی نفع کرنے والا ہوگا۔ (یادرکھو) اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ (دیکھو) تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ دھوکے باز (شیطان) تمہیں فریب میں مبتلا کر سکے"۔
- وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (24۔النور:52) جو بھی اللہ تعالیٰ کی اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری

کریں، خوف الٰہی رکھیں اور حکم عدولی سے بچ کر چلیں، وہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں"۔

- وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَآءَلُونَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (4النساء:1) (اے لوگو) اس اللہ سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو۔ اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو"۔ (اَرحام، رحم کی جمع ہے، مراد رشتے داریاں ہیں جو رحم مادر کی بنیاد پر قائم ہوتی ہیں۔ اس سے محرم اور نامحرم دونوں رشتے مراد ہیں۔ رشتوں ناطوں کا توڑنا سخت گناہ کبیرہ ہے جسے قطع رحمی کہتے ہیں۔ احادیث میں قرابت داریوں کو ہر صورت قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید اور فضیلت بیان کی گئی ہے جسے صلۂ رحمی کہتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ صلۂ رحمی یہ ہے کہ مذکورہ رشتے دار اور قرابت دار اگر تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہ بھی روا رکھیں تو تم اُن کے ساتھ صلۂ رحمی سے پیش آؤ۔

- اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (3۔آل عمران:102) اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام و فرائض پورے طور پر بجالائے جائیں اور منہیات کے قریب نہ جایا جائے۔ اس آیت سے کہا جاتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم) پریشان ہوئے تو آیت فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ("اللہ سے اپنی طاقت کے مطابق ڈرو") نازل ہوئی۔ گویا کہ اب دونوں آیات میں تطبیق سے جو مفہوم سامنے آیا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنی طاقت کے مطابق ڈرنے کا حق ہے۔

- الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (2۔البقرہ:1) (الم! اس کتاب میں کوئی شک نہیں پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے (الم، حروف مقطعات ہیں یعنی علیحدہ علیحدہ پڑھے جانے والے حروف۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کے ہر حرف پر ایک نیکی اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے (سنن ترمذی)، ویسے تو یہ کتاب الٰہی تمام انسانوں کیلئے ہدایت و رہنمائی کیلئے نازل ہوئی ہے لیکن اس چشمۂ فیض سے سیراب وہی لوگ ہوتے ہیں جو آب حیات کے متلاشی اور خوف الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں)۔

o هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ
(3۔عمران:138) عام لوگوں کیلئے تو یہ (قرآن) بیان ہے اور پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ونصیحت ہے۔

o ''اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف لپکو' جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے' اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (جو پرہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے''۔ (3۔آلِ عمران:133)۔

o ''آخرت کا یہ بھلا گھر ہم انہی کیلئے مقرر کردیتے ہیں جو زمین میں اونچائی' بڑائی اور فخر (عُلُو) نہیں کرتے نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں' وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (پرہیزگاروں کیلئے نہایت ہی عمدہ انعام ہے''۔(28۔القصص:83)۔

عُلُوًّا کا مطلب ہے ظلم وزیادتی' لوگوں سے اپنے کو بڑا اور برتر سمجھنا اور باور کرانا' تکبرّ اور فخر وغرور کرنا اور فساد کے معنی ہیں ناحق لوگوں کا مال ہتھیانا یا نافرمانیوں کا ارتکاب کرنا کہ ان دونوں باتوں سے زمین میں فساد پھیلتا ہے' فرمایا گیا کہ متقین کا عمل واخلاق' ان برائیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہوتا ہے اور تکبر کی بجائے ان کے اندر تواضع' فروتنی اور معصیت کیشی کی بجائے اطاعت کیشی ہوتی ہے اور آخرت کا گھر یعنی جنت اور حُسنِ انجام انہی کے حصہّ میں آئے گا۔ جو تواضع اور فروتنی کا وطیرہ اختیار کریں گے۔

۱۸۔ اَلْمُصطَفَیْنَ (منتخب وچنیدہ)

اَلصَّفَاءُ کے اصل معنی کسی چیز کا ہر قسم کی آمیزش سے پاک اور صاف ہونا کے ہے' اسی سے الصَّفَا وَالْمَرْوَة الاِ صطِفَاءُ ہے جس کے معنی صاف اور چکنے پتھر کے ہیں چنانچہ قرآن حکیم میں ہے: '' اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ (2۔البقرة:158) بے شک کوہِ صفا اور مروہ' اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں''۔ اَلاِصطِفَاءُ کے معنی صاف اور خالص چیز لے لینا کے ہیں جیسا کہ اِختِیَارٌ' کے معنی بہتر چیز لے لینے کے ہیں اور اَلاجتِبَاءُ کے معنی جِبَایَة یعنی عمدہ چیز منتخب کر لینے کے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کسی بندہ کو چن لینا کبھی بطور ایجاد کے ہوتا ہے یعنی اسے ان اندرونی کثافتوں سے پاک وصاف پیدا کرتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور کبھی بطریق اختیار اور حکم کے ہوتا ہے گو یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی۔ قرآنِ حکیم میں

ارشاد ہے:

- اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (22۔الحج:75) اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول''۔ (ولید وغیرہ کہا کرتے تھے کہ اگر انسانوں میں سے کسی کو رسول بنانا تھا تو ہم رؤساءِ قریش ہیں ہمیں بنایا ہوتا۔ ارشاد ہے کہ یہ انتخاب اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے تمہاری پسند اور ناپسند کو دخل نہیں۔ تم نہیں جان سکتے کہ کون اس بار امانت کو اٹھانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر جو سمیع بھی ہے اور بصیر بھی تمہارا معترض ہونا تمہاری کج فہمی کی انتہاء ہے۔

- اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (3۔آل عمران:33) بیشک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر''۔ (صاحب ضیاء القرآن جسٹس پیر کرم شاہ الازہریؒ بحوالہ قرطبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصطفاء کا مفہوم ہے کہ انہیں نعمتِ نبوت کیلئے سارے جہان سے چن لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا مقام درجۂ اصطفاء سے بھی بلند ہے کیونکہ حضور ﷺ حبیب اور رحمت ہیں دوسرے انبیاء رحمت کیلئے پیدا کئے گئے اور سرورِ عالم ﷺ کو سراپا رحمت پیدا کیا گیا اور حضور ﷺ کی تشریف آوری سے خلق اللہ کو امان مل گئی۔ آلِ عمران سے مراد حضرت مریم کے والد محترم عمران بن ماثان ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السّلام کی نسل سے تھے)۔

- یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ (3۔آلِ عمران:42) اے مریمؑ! بے شک اللہ نے تمہیں برگزیدہ اور پاکیزہ کیا اور سارے جہان کی عورتوں پر تجھے بزرگی دی''۔ صاحب تفسیر مظہری علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کے ابتدائی ٹکڑے کا ترجمہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔''اے مریمؑ اللہ نے بلاشبہ تجھے اپنے لئے چھانٹ لیا یعنی دوامی تجلیات ذاتیہ کے ساتھ برگزیدہ کر دیا۔ صوفیہ نے تجلیات ذاتیہ کی تعبیر کمالاتِ نبوت سے کی ہے جو انبیاء کو بالذات بلاواسطہ حاصل ہوتے ہیں اور ذیلی طور پر انبیاء کی وساطت سے

صدیقین کو ملتے ہیں۔ حضرت مریم صدیقہ تھیں اس لئے آپؑ کو کمالات نبوت حاصل تھے۔ حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اللہ تعالیٰ کے حکم سے مریم علیہا السلام کو فرشتوں نے خبر پہنچائی کہ اللہ نے انہیں ان کی عبادت کی کثرت‘ ان کی دنیا سے بے رغبتی‘ ان کی شرافت اور شیطانی وساوس سے دوری کی وجہ سے اپنے قرب خاص کا درجہ عنایت فرما دیا ہے اور تمام جہان کی عورتوں پر انہیں فضیلت دے رکھی ہے۔ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ فرشتے فرماتے ہیں کہ اے مریم تو خشوع و خضوع‘ رکوع و سجود میں رہا کر‘ اللہ تبارک وتعالیٰ تجھے اپنی قدرت کا عظیم الشان نشان بنانے والا ہے اسلئے تجھے ربّ تعالیٰ کی طرف پوری رغبت رکھنی چاہیے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ مریم علیہا السلام نماز میں اتنا لمبا قیام کرتی تھیں کہ دونوں ٹخنوں پر ورم چڑھ آتا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ ''اپنے ربّ کی عبادت میں مشغول رہ اور رکوع و سجود کرنے والوں میں سے ہو جا''۔)

- وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ (38۔صٓ:47) ''بیشک یہ لوگ ہمارے منتخب اور پسندیدہ ہیں''۔

- قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (27۔النمل:59) (اے محمد ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے سزاوار ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلامتی نازل ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا ہے''۔ (صاحب تفسیر مظہری علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس آیت سے قبل کی آیات میں تمام انبیاءؑ اور اُن کی امتوں کے احوال جب اللہ نے بیان کر دیئے جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور عظمتِ ظاہرہ ثابت ہو رہی ہے اور انبیاء کو جن معجزات و اعزازت سے نوازا تھا ان کا بھی اظہار ہو گیا تو آخر میں خاص طور پر اپنے رسول ﷺ کو خطاب کر کے اللہ کی ستائش کرنے کا حکم دیا کہ اس نے سابق امتوں میں سے کافروں کو غارت کر دیا اور انبیاء کو نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور رسول اللہ ﷺ کو ان کے احوال سے مطلع فرمایا پھر ان نیک بندوں کے لئے دعاءِ سلامتی کا بھی حکم دیا جن کو اللہ نے منتخب فرمالیا تا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعریف سے ان کے فضائل اور دینی سعی و عمل کا اعتراف ہو جائے۔۔۔ مقاتل نے کہا الذین اصطفیٰ

سے مراد انبیاء و مرسلین ہیں کیونکہ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''**وسلام علی المرسلین**'' ـ ـ ـ رواہٗ امام مالکؒ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے: کہ اس سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں' سفیان ثوریؒ کا بھی یہی قول ہے ـ کلبی نے کہا کہ ساری امتِ محمدیہ مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساری امت کیلئے فرمایا ہے: **ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ** (35 ـ فاطر:32) ''پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے برگزیدہ بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی درمیانی چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت لے گیا ہے' یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے'' ـ ـ ـ لہٰذا بعض نے کہا کہ گذشتہ اور آئندہ سب مومن مراد ہیں' تاہم بعض اہل تفسیر نے اسے حضرت لوطؑ کے قصہ کا تتمہ کہتے ہوئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ محمد ﷺ اور امتِ محمد ﷺ کیلئے (لوط علیہ السّلام سے فرمایا گیا) دعاءِ سلامتی کرو کیونکہ انبیاء اور اُن کی امتوں کو جن آفتوں سے اللہ نے بچایا اور عزت و کرامت عطا فرمائی وہ سب کچھ نورِ محمدی ﷺ کی برکت سے ہوا ـ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں (آغاز) آفرینش کے لحاظ سے سب سے پہلا ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب سے بعد (رواہ ابو سعد عن قتادہ مرسلاً) ـ

۱۹ ـ المجتبین (چنے ہوئے برگزیدہ)

اَلْاِجْتِبَآءُ (افتعال) کے معنی انتخاب کے طور پر کسی چیز کے جمع کرنے کے ہیں ـ چنانچہ **اِجْتِبَآء** کے معنی میں چن لینا اور اللہ تعالیٰ کا کسی بندہ کو چن لینے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اسے اپنے فیض کیلئے برگزیدہ کر لیتا ہے جسے گوناگوں نعمتیں جدوجہد کے بغیر حاصل ہو جاتی ہیں ـ یہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے اور صدیقوں' شہداء کیلئے جو ان کے قریب درجہ رکھتے ہیں' جیسا کہ یوسف علیہ السّلام کے متعلق قرآن حکیم میں فرمایا گیا:ـ

- **وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ** (12 ـ یوسف:6) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں برگزیدہ (وممتاز) کرے گا'' ـ
- **فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ** (68 ـ القلم:50) پھر پروردگار نے ان

کو برگزیدہ کر کے صالحین (نیکوکاروں) میں کرلیا۔

- وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (6۔الانعام:87)(اور نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو)''اور ہم نے ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا راستہ بھی دکھایا تھا''۔ (یعنی ان میں سے بہت سوں کو ہم نے مقامِ اجتباء اور ہدایت سے نوازا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا اجتِبَاء کے معنی ہیں چن لینا اور خاص بندوں میں شمار کرنا اور ان کے ساتھ ملا لینا۔ یہ جَبَيْتُ فِي الْحَوْضِ (میں نے حوض میں پانی جمع کرلیا) سے مشتق ہے پس اجتباء کا مطلب ہوگا اپنے خاص بندوں میں ملا لینا۔ اصطِفاء تخلیص اور اختیار بھی اسی معنی میں مستعمل ہے جس کا مفعول مصطفیٰ (مجتبیٰ) مخلص اور مختار ہے۔

- ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (20۔طٰہٰ:122) پھر ان کے پروردگار نے (آدم علیہ السلام کا ذکر ہے) ان کو نوازا مقام اجتباء پر فائز کردیا تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی''۔

- يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (42۔الشوریٰ:13) اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے''۔ (یعنی جس کو ہدایت کا مستحق سمجھتا ہے اسے ہدایت کیلئے چُن لیتا ہے اور اپنا دین اپنانے کی اور عبادت کو اللہ کیلئے خالص کرنے کی توفیق اس شخص کو عطا کردیتا ہے جو اس کی اطاعت و عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں جس کو اللہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے وہ آدمی بے اختیار اس کی طرف کھینچ جاتا ہے تو ایسا آدمی مراد خداوندی ہوتا ہے۔ یہ گروہِ انبیاء و صدیقین کا ہوتا ہے اور جو شخص اپنے ارادہ سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر اللہ اُس کو اپنی ذات تک رسائی کی توفیق ارزانی فرما دیتا ہے ایسے شخص کو مرید کہا جاتا ہے۔ یہ گروہ اولیاء اللہ اور نیک بندوں کا ہوتا ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ کا مطلب یہ ہے کہ جس کو چاہے خواہ چنا جانے والا شخص کوشش اور ارادہ کرے یا نہ کرے)۔ اس اجتباء کو دوسرے مقام پر اخلاص سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

- اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ (38۔صٓ:46) ہم نے ان کو ایک

(صفت) خاص (آخرت کے) گھر (الدَّارِ) کی یاد سے ممتاز کیا''۔ (یعنی ہم نے ان کو آخرت کی یاد کیلئے چن لیا تھا) وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ (38۔ص:47) ''اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور سب سے اچھے لوگوں میں سے تھے''۔ (صاحب تفسیر مظہری قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: ذِكْرَى الدَّار یعنی ہمیشہ دارِ آخرت کی یاد رکھنے اور لوگوں کو یاد دلانے کے لئے ہم نے ان کو مخصوص کرلیا تھا۔ انبیاء کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔ یہ یادِ آخرت خلوصِ طاعت کے ذریعہ ہو جاتی ہے۔ انبیاء کے پیش نظر اور مطمعٔ نظر اللہ سے ملنا اور مقام قرب میں پہنچنا ہوتا ہے اس لئے وہ آخرت کی یاد رکھتے ہیں۔ ذکری الدار کا مطلب ذکرٰی صاحب الدار (بحذف مضاف) بھی بیان کیا گیا ہے۔ یعنی دارالآخرت کے مالک کی یاد کیلئے اللہ نے ان کو مخصوص کرلیا تھا۔ صرف الدار بول کر دارِ آخرت مراد لینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حقیقت میں رہنے کا ٹھکانا تو آخرت ہی ہے۔ دنیا تو ایک گزرگاہ اور پُل ہے رہنے کا مقام نہیں ہے۔ اس کو دار کہا ہی نہیں جا سکتا۔ مالک بن دینارؒ نے یہ مطلب بیان کیا کہ ہم نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت اور رغبت نکال دی اور آخرت کی یاد و محبت (ذوق و شوق) کیلئے ان کو مخصوص کرلیا گیا تھا۔ مقاتل نے کہا: وہ لوگوں کو آخرت کی طرف بلاتے تھے اور اللہ کی طرف آجانے کی دعوت دیتے تھے۔ سعدی نے کہا: آخرت کا ڈر رکھنے کیلئے ان کو مخصوص کرلیا گیا تھا۔ ابن زید نے کہا: یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ہم نے آخرت کی بہترین چیزوں کی یاد کیلئے ان کو مخصوص کرلیا تھا۔ وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا یعنی ان کو ان جیسے دوسرے لوگوں پر اللہ نے برگزیدگی عطا کی تھی اور ان سے انہیں منتخب کرلیا تھا۔

o هُوَاجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (22۔الحج:78) اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی''۔ (یعنی ایسا حکم نہیں دیا جس کا متحمل نفسِ انسانی نہ ہو ورنہ تھوڑی بہت مشقت تو ہر کام میں ہی اٹھانی پڑتی ہے بلکہ پچھلی شریعتوں کے بعض سخت احکام بھی اس سے منسوخ کر دیئے۔ علاوہ ازیں بہت آسانیاں مسلمانوں کو عطا کر دیں جو پچھلی شریعتوں میں نہیں تھیں۔

o اِجتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّستَقِیمٍ (16۔النحل:121) اللہ نے انہیں اپنا برگزیدہ کرلیا تھا اور انہیں راہ راست جھادی تھی"۔

o وَمِن ذُرِّیَّةِ اِبرٰهِیمَ وَاِسرَآءِیلَ وَمِمَّن هَدَینَا وَاجتَبَینَا (19۔مریم:58) اور اولاد ابراہیمؑ و یعقوبؑ سے اور ہماری طرف سے راہ یافتہ اور ہمارے پسندیدہ لوگوں میں سے۔

o وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطلِعَکُم عَلَی الغَیبِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجتَبِی مِن رُّسُلِهٖ مَن یَّشَآءُ فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (3۔آل عمران:179) اور نہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ تمہیں غیب سے آگاہ کردے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کا چاہے انتخاب کرلیتا ہے اس لئے تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو"۔

۲۰۔ الابرار (خوب پرہیزگار)

اَلبَرُّ' بَحر" کی ضد ہے (جس کے معنی خشکی کے ہیں) پھر معنی وسعت کے اعتبار سے اس سے اَلبِرّ" کا لفظ مشتق کیا گیا جس کے معنی وسیع پیمانے پر نیکی کرنے کے ہیں۔ اس کی نسبت کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے جیسے اِنَّهٗ هُوَ البَرُّ الرَّحِیمُ (52۔الطور:28) بیشک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے' اور کبھی بندہ کی طرف جیسے بَرُّالعَبدَ رَبَّه' یعنی بندے نے اپنے رب کی خوب اطاعت کی۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہو تو اس کے معنی ثواب عطا کرنے کے ہوتے ہیں اور جب بندہ سے منسوب ہو تو اطاعت اور فرمانبرداری کے ہوتے ہیں۔

اَلبِرُّ: نیکی دو قسم پر ہے' اعتقادی اور عملی لہٰذا قرآن میں ہے:

o لَیسَ البِرَّ اَن تُوَلُّوا........ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ المُتَّقُونَ (2۔البقرہ:177) اصل نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو' مگر اصل نیکی یہ ہے کہ جو شخص ایمان لائے' اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب (قرآن) پر اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے اپنے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں' اور نماز کو قائم رکھنا اور زکوٰۃ دینا اور اپنے عہد کو پورا کرنا' جب کسی سے عہد کریں اور صبر کرنے والے مصیبت اور مجروح ہونے کی حالت میں اور ہر تکلیف کے وقت

پس یہی لوگ ہیں جو اپنے قول پر قائم رہے اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں''۔ صاحب مفردات القرآن امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ سے **بِرّ**'' کی تفسیر دریافت کی گئی تو آن جناب ﷺ نے جواباً یہی آیت تلاوت فرمائی کیونکہ اس آیت میں عقائد و اعمال، فرائض و نوافل کی پوری تفصیل آ گئی ہے۔ ابنِ کثیر کے مطابق حضور ﷺ سے سوال کرنے والے حضرت ابوذرؓ تھے۔ دوسری بار یہی سوال ہوا تو پھر حضور نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ جب تیسری بار استفسار کیا گیا تو ارشاد ہوا: سُن! نیکی کی محبت اور برائی کی عداوت ایمان ہے۔ (تفصیلات کیلئے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ ہو)۔

- **اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ** (82۔الانفطار:13) بلاشبہ ابرار (نیک لوگ) نعمتوں میں ہوں گے''۔ (ابرار وہ لوگ جو اپنے ایمان میں سچے ہیں۔ غلط عقائد بُرے اخلاق اور قبیح کردار، غرض ہر ممنوع سے پرہیز کرتے اور اللہ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے ان کو ابرار اس لئے فرمایا کہ انہوں نے باپ اور بیٹوں کے ساتھ نیک سلوک کیا)۔
- قرآن حکیم میں فرمایا گیا: **وَبَرًّا بِوَالِدَیْهِ** (19۔مریم:14) اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے''۔ نیز فرمایا گیا **وَّبَرًّام بِوَالِدَتِیْ** (19۔مریم:32) (عیسیٰؑ ابن مریم نے کہا کہ اللہ نے اپنی ماں کے ساتھ حُسن سلوک کرنے کی (تاکید کی)۔''
- **كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا عِلِّیُّوْنَ ○ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ○ یَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ** (83۔المطففین:18 تا 21) اور یہ بھی سُن رکھو کہ نیکوکاروں کے عمل علیّین میں ہیں، اور آپ تو جانتے ہیں کہ علیّین کیا ہے؟' وہ ایک لکھا ہوا نوشتہ ہے کہ مقرب اس سے واقف ہیں''۔ **اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ** (83۔المطففین:22) یقیناً نیکوکار نعمتوں میں ہوں گے''۔ (حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعبؓ سے سجین کا سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ساتویں زمین ہے اور اس میں کافروں کی روحیں ہیں اور علیّین کے سوال کے جواب

میں فرمایا: یہ ساتواں آسمان ہے اور اس میں مومنین کی روحیں ہیں مراد اس سے جنت ہے۔ عوفی سے آپ روایت کرتے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسمان میں ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں یہ عرش کا داہنا پایہ ہے اور لوگ کہتے ہیں یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ عُلُوّ یعنی بلندی سے ماخوذ ہے۔ جس قدر کوئی چیز اونچی اور بلند ہوگی اسی قدر بڑی اور کشادہ ہوگی اسی لئے اس کی عظمت و بزرگی کے اظہار کیلئے فرمایا تمہیں کیا معلوم علیین کیا ہے؟ پھر اس کی تاکید ہے کہ یہ یقینی کتاب میں لکھی جا چکی ہے کہ یہ لوگ علیین میں جائیں گے جس کو مقرب فرشتے جانتے ہیں۔ (تفصیلات کیلئے دیکھیے تفسیر ابن کثیر)۔

جسٹس پیر کرم شاہ الازہری' تفسیر ضیاء القرآن میں ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: جس دیوان میں ابرار و صالحین کے اعمال حسنہ لکھ کر محفوظ کر دیئے جائیں گے اس کا نام علّیین ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ علّیین سبز رنگ کے زبرجد کی ایک لوح ہے جو عرش کے ساتھ معلق ہوگی اور اس میں صالحین کے اعمال مرقوم ہوں گے۔ اس مقام پر علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: بعض احادیث میں مرکوز ہے کہ شہدا اور مومنین کی ارواح جنت کے سبز رنگ پرندوں میں ہوں گی۔ بعض احادیث کے مطابق مومنین کی ارواح اُن کے جسموں میں لوٹا دی جائیں گی۔

o ''اے ہمارے رب ہم نے ایک منادی کرنے والے کی منادی کو سنا کہ وہ ایمان کیلئے بلاتا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ' تو ہم ایمان لائے' اے ہمارے رب تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں محو فرما دے **وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ** (3-آل عمران: 193) اور ہماری موت ابرار (یعنی برگزیدہ لوگوں) کے ساتھ کرنا۔''

(حضرت ابن مسعودؓ ابن عباسؓ اور اکثر علمائے تفسیر کے نزدیک منادی سے مراد رسول ﷺ ہیں۔ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں رسول ﷺ کا متواتر فرمان سننا ہی ایسا ہے جیسے کسی نے خود حضورؐ سے سنا۔ پکارنے والے کو سنا۔ اسی طرح کوئی فرمان تواتر کے ساتھ کسی کے پاس پہنچے تو وہ بھی خود زبانِ مبارک سے سننے کی طرح مفید یقین ہے۔ سو ہم اس پر ایمان لائے (الحمدللہ) فقط دعوتِ ایمان پر ایمان لانا بتا رہا ہے کہ ایمان کی بنا عقلی دلیلوں پر نہیں ہے۔ صرف شارع کی طرف سے دیئے ہوئے حکم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگنے کے بعد یہ دعا کی جارہی ہے کہ ہمیں مع

الابرار (نیکوں کے گروہ) میں شامل کر کے موت دے۔ ابرار جمع ہے بَرٌّ''یا بَارٌّ'' کی۔ مراد ہیں سچے اور بکثرت نیکی کرنے والے اور بھلائی والے لوگ۔ اپنے آپ کو نیکوں میں شامل کرنے کی دعا کی اور خود کو نیک نہیں کہا محض عاجزی اور خضوع اور انکسار نفس کی وجہ سے کیونکہ خضوع ہی اللہ کو محبوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں بھی نیکوں کے زمرے میں شامل کر کے اور نیک بنا کر موت سے ہمکنار کرنے کی التجا ہے۔

- وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (3۔آل عمران:198) اور ابرار (نیکوں) کیلئے ہمارے پاس اچھا ہی اچھا ہے''۔
- اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا (76۔الدھر:5) بیشک ابرار (نیک بندے) پئیں گے اس گلاس سے جو کافور کا بنا ہے''۔

اشقیا (بدکار) کے مقابلے میں ابرار (نیک لوگوں) کا ذکر ہے۔ کاس اس جام کو کہتے ہیں جو بھرا ہوا ہو اور چھلک رہا ہو۔ کافور ٹھنڈی اور مخصوص خوشبو کو کہتے ہیں جس کی آمیزش سے مشروب کا ذائقہ دوآتشہ اور اس کی خوشبو مشام جاں کو معطر کرنے والی ہو جائے گی۔ اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ یہ مشروب دو چار صراحیوں یا مٹکوں میں نہیں ہوگا بلکہ اس کا چشمہ ہوگا جس سے جنتی لوگ اپنی مرضی کی جگہوں کی طرف نہریں نکال کر لے جائیں گے۔ (تفصیلات کیلئے سورہ 76۔الدھر (یا الانسان) ملاحظہ ہو۔

۲۱۔ المقربین (قرب والے)

اَلْقُرْبُ وَالْبُعْدُ: یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوتے ہیں، قرب مکانی بھی ہوسکتا ہے اور زمانی بھی، اسی طرح قرب نسبی اور قرب مقام و مرتبہ بھی ہوسکتا ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کا کسی بندہ کے قریب ہو جانا باعتبار مکان کے نہیں ہوتا بلکہ اُس پر فضل و کرم اور فیض (خاص) جاری کرنا مراد ہوتا ہے۔ اس لئے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ باری تعالیٰ کیا تو قریب ہے کہ میں تجھ سے مناجات کروں یا دور ہے کہ میں تمہیں پکاروں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر میں تیرے لئے دوری معین کردوں تو وہاں تک پہنچ سکو گے اور اگر قرب معین کردوں تو تجھے اس پر قدرت نہیں ہوگی۔ چنانچہ فرمایا گیا:

o وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ (50-ق:16) ''اور ہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں''۔

صاحبِ تدبرِ قرآن مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی مختصر سی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''یہ عربی زبان کا ایک معروف محاورہ ہے جو غایت درجہ قرب کے اظہار کیلئے آتا ہے' فرمایا کہ کوئی شخص اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اگر وہ ہم کو نہیں دیکھ رہا ہے تو ہم اس سے دور ہیں' ہم ہر شخص کی رگ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔ ہمارا علم اور ہماری قدرت ہر شخص کا ہر پہلو سے احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس کا تمام ظاہر و باطن ہر لحہ ہماری نگاہوں میں ہے''۔

صاحبِ تفہیم القرآن سیّد ابوالاعلیٰ مودودی بھی اس آیت کی مختصر سی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یعنی ہماری قدرت اور ہمارے علم نے انسان کو اندر اور باہر سے اس طرح گھیر رکھا ہے کہ اس کی رگ گردن بھی اُس سے اتنی قریب نہیں ہے جتنا ہمارا علم اور ہماری قدرت اس سے قریب ہے۔ اُس کی بات سننے کیلئے ہمیں کہیں سے چل کر نہیں آنا پڑتا' اُس کے دل میں آنے والے خیالات تک کو ہم براہ راست جانتے ہیں۔ اسی طرح اگر اسے پکڑنا ہوگا تو ہم کہیں سے آکر اس کو نہیں پکڑیں گے۔ وہ جہاں بھی ہے ہر وقت ہماری گرفت میں ہے' جب چاہیں گے اسے دھر لیں گے''۔

تفسیر ابن کثیر میں اس آیت پر نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ حافظ عمادالدین اسماعیل بن کثیر رقمطراز ہیں: ''اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ وہی انسان کا خالق ہے اور اس کا علم تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے' یہاں تک کہ انسان کے دل میں جو بُرے بھلے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں بھی وہ جانتا ہے۔ اس ضمن میں طویل تشریح و توضیح کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام حسن بصریؒ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے تھے: اے ابن آدمؑ تیرے لئے صحیفہ کھول دیا گیا ہے اور دو معزز فرشتے تجھ پر مقرر کر دیئے گئے ہیں' دائیں طرف والا تو تیری نیکیوں کی حفاظت کرتا ہے اور بائیں والا برائیوں کو لکھتا رہتا ہے۔ اب تو جو چاہے عمل کر۔ جب تو انتقال کرے گا تو یہ دفتر لپیٹ کر تیرے ساتھ تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا اور قیامت کے دن جب تو اُٹھے گا تو تیرے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر انسان کی شامتِ اعمال ہم نے اس کے گلے میں ڈال دی ہے اور قیامت کے دن وہ خود ہی اپنا حساب لینے کیلئے کافی ہوگا۔ اس طرح سے انسان اپنا محاسب ہوگا مزید (تفصیلات کیلئے تفسیر کی

جلد پنجم ملاحظہ ہو)

صاحبِ ضیاء القرآن جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''ارشاد ہے کہ انسان کو ہم نے پیدا فرمایا ہے۔ اس کی خوبیاں اور کمزوریاں ہم پر عیاں ہیں۔ اس کا کوئی قول اور عمل ہم سے مخفی نہیں حتیٰ کہ وہ وسوسے جو اس کے نہاں خانۂ دل میں پیدا ہوتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ وہ خود اپنے احوال سے بے خبر ہو سکتا ہے۔ اس کے نفس کے کئی گوشے اس کی اپنی نگاہ سے اوجھل ہو سکتے ہیں لیکن ہمارا علم اس کے ظاہر و باطن پر محیط ہے۔ صد حیف کہ اتنے قرب کے باوجود ہم بے خبر ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

دوست نزدیک تر از من بمنست — ویں عجب تر کہ من ازوی دورم

چہ کنم باکہ تواں گفت کہ او — درکنار من و من مہجورم

یعنی دوست مجھ سے بھی زیادہ میرے نزدیک ہے۔ تعجب اس پر ہے کہ میں اس سے دور ہوں۔ میں کیا کروں اور کس سے یہ بات کہوں کہ محبوب تو میرے آغوش میں ہے اور میں ہجر کی سختیاں برداشت کر رہا ہوں۔

علمائے ظاہر نے تو اس سے قرب علمی مراد لیا ہے لیکن اولیاء کرام نے اس قرب کی حقیقت کو جس طرح بیان فرمایا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔

صاحبِ تفسیر مظہری علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی' اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علمی سطح پر طویل تشریح و توضیح کے بعد لکھتے ہیں: صوفیہ کہتے ہیں کہ مخلوق سے اللہ کی اقربیت ذاتی ہے نہ زمانی ہے نہ مکانی نہ کیفی (نہ مقداری) اللہ کی اس اقربیت کا ادراک نورِ فراست سے حاصل ہوتا ہے۔ حواس یا عقلی استدلال سے حاصل نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ اقربیت باری تعالیٰ کو قابل فہم بنانے کیلئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ سارا جہان اپنے وجود اور بقائے وجود کے لئے واجب کا ایسا ہی محتاج ہے جیسے سایہ اصل کا محتاج ہوتا ہے۔ بغیر اصل کے سایہ کا نہ وجود ہوتا ہے نہ بقائے وجود' اصل ظل سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ ظل اپنی ذات سے بھی اتنا قریب نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔ یاد رکھیئے کہ وجود سے مراد مصدری معنی نہیں بلکہ وہ صفت مراد ہے جس سے کسی چیز کی موجودیت ہوتی ہے۔ صوفیہ تمام عالم کی نسبت دائرہ ظلال کی جانب اور ظلال کی نسبت صفات کی جانب اور صفات کی نسبت ذات کی جانب کرتے ہیں۔ اور ظلال کے مدارج بہت ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے

ارشاد فرمایا اِنَّ لِلّٰهِ سبعین الف اللہ کیلئے نور وظلمات کے ستر حجاب ہیں۔ اگر وہ کھول دے تو اس کے روئے انور کے چمکارے (جلوے یا تجلی سے) حدِ نظر تک ساری مخلوق بھسم ہو جائے۔ اسی طرح صفات کے مدارج غیر متناہی ہیں۔۔۔۔۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا: اللہ سبحانہٗ وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے' پھر وراء الوراء ہے' اس کی جہت میں قُرب ہے دوری نہیں ہے' یعنی ظلال صفات کا ممکن سے قرب اتنا زیادہ ہے کہ ممکن کا اپنی ذات سے بھی اتنا قرب نہیں ہے اور صفاتِ باری تعالیٰ کا ممکن سے قرب اتنا زائد ہے کہ نہ اتنا قرب ممکن کا اپنی ذات سے ہے نہ ظلال کا ممکن کی ذات سے اور اللہ کا قرب ممکن سے اتنا زیادہ ہے کہ اتنا قرب نہ ممکن کا اپنی ذات سے ہے نہ ظلال صفات کا نہ صفات کا۔۔۔ آیت میں انسان سے اللہ کا قرب جو مستفاد ہو رہا ہے اس کو خصوصیت نہیں' نہ کافر کی' نہ مومن کی' نہ کسی اور مخلوق کی' ساری کائنات سے اللہ قریب تر ہے۔ یہاں تک کہ کافروں سے بھی۔ اس قربِ عام کے علاوہ اللہ کا ایک قربِ خاص بھی ہے' مذکورہ قرب عمومی اور اس قربِ خصوصی میں صرف نام کا اشتراک ہے لیکن حقیقت دونوں کی جدا جدا ہے۔ اس قرب کا ادراک بھی نورِ فراست اور کتاب وسنت سے ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَاسجُدْ وَاقترِب دوسری جگہ فرمایا اللّٰهُ مَعَنَا' تیسری آیت میں فرمایا: انَّ مَعِیَ رَبِّیْ' ایک اور آیت میں آیا ہے: عِندَ ذی العَرشِ مَکِین۔ ایک اور جگہ آیا ہے: عِندَ مَلِیكٍ مُّقتَدِرٍ۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا: فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوسَینِ اَواَدنٰی۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول نقل فرمایا ہے گیا: نوافل کے ذریعے سے بندہ برابر میرے قریب ہوتا جاتا ہے۔ اسی مقام قرب کو ولایت کہتے ہیں۔ اس کے مدارج ومراتب بے شمار ہیں۔ اس کے برعکس وہ بُعد (دوری) ہے جو کافروں کیلئے مخصوص ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے: اَلَابُعدًا لِعَادٍ قَومِ هُودٍ۔۔۔ اَلَابُعدَ الِثَمُودَ۔۔۔ اَلَابُعدَ الِلقَومِ الظّٰلِمِینَ۔

صاحبِ مفردات القرآن امام راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ کسی بندہ کے مقرب الٰہی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ بہت سی ایسی صفات اپنے اندر پیدا کر لے جن کے ساتھ ذات الٰہی متصف ہوتی ہے گو وہ صفات انسان میں اس درجہ نہ پائی جائیں جس میں کہ ذاتِ الٰہی میں وہ صفات متحقق ہوتی ہیں۔ مثلاً انسان علم وحکمت' حلم ورحمت اور بے نیازی ایسی صفات اپنے اندر پیدا کر لے اور یہ ان کے اضداد یعنی جہالت' طیش وغضب اور احتیاج نفسانی کی میل کچیل سے پاک ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہیں اور یہ قرب جسمانی کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ قرب روحانی

ہے۔جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بالشت بھر میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ذراع (بازو بھر) اُس کے قریب ہو جاتا ہوں اور نیز ایک روایت میں ہے کہ تقرب الٰہی حاصل کرنے کیلئے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے اور بندہ فرائض کے بعد میرا تقرب نوافل کے ذریعے حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اُسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں متفقہ" علیه من حدیث ابی هریرة۔

- وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ (3۔آل عمران:45) (مسیح عیسیٰ بن مریم) جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے اور وہ میرے مقربین سے ہے"۔(اللہ تعالیٰ جسے اپنے مقربانِ خاص میں شمار فرمالیتا ہے، پھر اُس پر بڑی بڑی مہربانیاں نازل فرماتا ہے)۔
- وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ۔۔۔يَرْشُدُوْنَ (2۔البقرہ:186) اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (آپ میری طرف سے فرما دیجئے) میں قریب ہی ہوں۔ اور باستثنا نامناسب (درخواست کے تمام عرضداشتیں) منظور کر لیتا ہوں (ہر) عرضداشت پیش کرنے والے کی جب وہ میرے حضور درخواست گزار ہو۔ سو ان کو چاہیئے کہ احکام کو قبول کیا کریں اور مجھ پر ایمان (ویقین) رکھیں، امید ہے کہ لوگ رشد (وہدایت) حاصل کر سکیں گے)"۔(حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے پوچھا تھا، کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہے تو ہم سرگوشی کر لیا کریں اور اگر دور ہے تو ہم اونچی آواز سے اُسے پکاریں۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم)۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور اُس کے ہونٹ میرے ذکر میں ہلتے ہیں، میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (رواہ امام احمد) حضرت سلیمان فارسیؓ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو وہ ارحم الراحمین اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرتے ہوئے شرماتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ نہ ہو اور نہ رشتے ناتے ٹوٹتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے تین صورتوں میں سے کسی

ایک صورت میں ضرور قبول فرماتا ہے۔ یا تو فوری قبول فرما کر منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے' یا اسے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی آنے والی بلا اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ لوگوں نے سن کر کہا کہ حضور پھر تو ہم کثرت سے دعا مانگا کریں! آپؐ نے فرمایا پھر اللہ کے ہاں کیا کمی ہے؟ (مُسند احمد)

معلوم ہوا کہ دعا بھی قربِ الٰہی کا مؤثر طریقہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے' حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص دعا میں جلدی نہ کرے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے' جلدی کرنا یہ ہے کہ کہنے لگے میں نے ہر چند دعا مانگی لیکن اللہ قبول نہیں فرماتا۔ (موطا۔ امام مالک)

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے دعا کی کہ میرے اللہ! عائشہؓ کے اس سوال کا جواب عطا فرما؟ جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے اور اور فرماتا ہے' مراد اس سے وہ شخص ہے جو نیک اعمال کرنے والا ہو اور سچی نیت اور نیک دلی سے مجھے پکارے تو میں لبیک کہہ کر اس کی حاجت پوری کرتا ہوں (ابن مردویہ)۔ (حدیث اسناد کی رو سے غریب ہے)۔

حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی' پھر فرمایا: یا اللہ تو نے دعا کا حکم دیا ہے اور اجابت دعا کا وعدہ فرمایا ہے' میں حاضر ہوا' الٰہی میں حاضر ہوا' میں حاضر ہوں اے **لاشریك الله**' میں حاضر ہوں حمد و نعت اور ملک تیرے ہی لئے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میری گواہی ہے کہ تو نرالا ہے' یکتا ہے' بے مثل ہے اور ایک ہی ہے۔ تو پاک ہے۔ بیوی اور اولاد سے بے نیاز ہے۔ نہ تیرا ہمسر کوئی' نہ تیری کفو کا کوئی' نہ تجھ جیسا کوئی۔ میری گواہی یہ ہے کہ تیرا وعدہ سچا ہے' تیری ملاقات برحق' جنت دوزخ اور دوبارہ جینا یہ سب امور برحق ہیں (ابن مردویہ)۔

حدیث میں ہے تین لوگوں کی دعا رد نہیں ہوتی (۱) عادل حکمران (۲) روزے دار شخص اور (۳) مظلوم۔

- **اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ** (7۔الاعراف:56) بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں کے''۔ (گویا کہ اللہ کی رحمت نیکوکاروں کے سروں پر منڈلا رہی ہے جو اس کے احکام بجالاتے ہیں۔ اس کے منع کردہ کاموں سے باز رہتے ہیں)۔

○ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۔ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ (34۔سباء:37) نہ تمہارے اموال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخش دیں' مگر جو ایمان لایا' نیک عمل کرتا رہا (اُسے ہی ہمارا قرب نصیب ہوگا) پس یہی لوگ ہیں جن کیلئے دوگنا صلہ ہے' ان عملوں کا' وہ بالاخانوں میں امن وامان سے رہیں گے''۔(یعنی یہ نہ سمجھو کہ تمہارے پاس مال بکثرت ہوگا اور بچوں کی تعداد زیادہ ہوگی تو تم اللہ کے مقرب بن جاؤ گے۔ یہاں تو شرف پذیرائی اسے بخشا جاتا ہے جس کے دل میں ایمان کا چراغ روشن ہوتا ہے اور جو اپنے حسنِ عمل سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی فلاح و بہبود میں اضافہ کر رہا ہو۔ ایسے نیک بختوں کیلئے ان کے اعمال حسنہ کا کئی گنا اجر ملے گا۔ فردوس بریں کے بالا خانوں میں وہ قیام کریں گے۔ کسی قسم کا غم واندیشہ ان کی راحتوں میں خلل انداز نہ ہوگا (ضیاءالقرآن) صاحب تفہیم القرآن سیّد مودودی نے مال واولاد کے دو مطلب لئے ہیں اور اُن کے نزدیک دونوں صحیح ہیں ایک یہ کہ اللہ سے قریب کرنے والی چیز مال و اولاد نہیں ہے بلکہ ایمان و عمل صالح ہے' دوسرے یہ کہ مال و اولاد صرف اُس مومنِ صالح کیلئے ذریعہ تقرب الٰہی بن سکتے ہیں جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اپنی اولاد کو اچھی تعلیم وتربیت سے خداشناس اور نیک کردار بنانے کی کوشش کرے)۔

○ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (56۔الواقعہ:88) پھر (قیامت کے دن) جو شخص مقرب لوگوں میں سے ہوگا''۔(''تو اس کیلئے راحت ہے' اور عمدہ غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے''۔۔۔مقربین سے مراد وہ سابقین ہیں جن کا ذکر اسی سورہ کی ابتدائی آیات میں کیا گیا ہے اور جن کو تین گروہوں میں افضل بتایا گیا ہے)۔وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ (56۔الواقعہ:90-91) اور جو شخص دائیں والوں میں سے ہوگا (تو اس سے کہا جائے گا کہ) تیرے لئے امن وامان ہے کہ تو دائیں والوں میں سے ہے''۔ (ابوالعالیہ نے کہا جو شخص مقربین میں ہوتا ہے اُسے دنیا چھوڑنے سے پہلے جنت کی کوئی خوشبودار چیز سنگھائی جاتی ہے پھر اُس کی روح قبض کی جاتی ہے۔(کہا جاتا

ہے) اے دائیں والے! تجھ پر تیرے بھائیوں کی طرف سے یعنی اصحابِ یمین کی جانب سے سلام ہو۔ مطلب یہ ہے کہ دائیں طرف والے تجھے سلام کہتے ہیں۔ بغوی نے اس کا یہ مطلب بیان کیا: اے محمد ﷺ آپ کو اصحاب الیمین کی طرف سے اطمینان رہے۔ آپ ان کی کوئی فکر نہ کریں وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہیں۔ آپ ان کی سلامتی کو دیکھ کر خوش اور راضی ہوں گے۔ مقاتل نے کہا اللہ ان کے قصوروں سے درگزر فرمائے گا اور نیکیوں کو قبول کرے گا۔ فراء وغیرہ نے یہ مطلب لیا ہے: کہ اے محمد ﷺ آپ کو اصحاب الیمین کی طرف سے سلام ہو یا یہ مطلب ہے کہ صاحب الیمین سے کہا جائے گا تو اصحاب الیمین سے ہے تیرے لئے سلامتی ہے''۔ (تفسیر مظہری)

۲۲۔ اَلیَمِینُ (دائیں والے)

صاحبِ مفردات القرآن علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ اس کے اصل معنی دایاں ہاتھ یا دائیں جانب کے ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا: **وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ** (39۔الزمر:67) ''اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے''۔ یہاں حق تعالیٰ کی طرف یمین کی نسبت مجازی ہے۔ بعض نے کہا کہ انسان کا دایاں ہاتھ چونکہ اعضاء میں افضل ہے اس لئے فرمایا گیا: **اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ٥ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ** (56۔الواقعہ:26-27) ''سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے کہ سلامتی ہو سلامتی ہو اور داہنی طرف والے کیسے اچھے ہوں گے داہنی طرف والے''۔ (مفسرین کہتے ہیں اصحاب یمین کہتے ہیں پاک نفوس مطمئنہ متقین کو' جن کے دِل روشن ہیں۔ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ آخرت میں انہیں کے ساتھ گنہگار اہل ایمان کو بھی شامل کر دیا جائے گا۔ اور انبیاء و صلحاء کی سفارش سے ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے یا اللہ بغیر شفاعت کے ان کی خطاؤں کو بخش دے گا یا عذاب دینے کے بعد پاک صاف کر کے صلحاء اور اہل تقویٰ کے ساتھ ملا دے گا۔ کیونکہ جہنم سے مومن کے گناہوں کا میل کچیل ایسا صاف ہو جائے گا جیسے لوہار کی بھٹی سے لوہے کا میل صاف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیت 27 سے آگے آیت 40 تک ان نوازشات و انعامات کا ذکر ہے جن سے اصحابِ یمین کو نوازا جائے گا۔ (قرآن حکیم سے ملاحظہ کیجئے)۔ صاحب

مردات القرآن کہتے ہیں کہ داہنی سمت والوں سے مراد اہل برکت وسعادت ہیں۔حدیث میں حجر اسود کو یمین اللہ کہا گیا ہے کیونکہ اس کے ذریعے قرب الٰہی کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

o عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنظُرُونَ o تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ o يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ o خِتَامُهُ مِسْكٌ۔ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ o وَ مِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ o عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ o (83۔المطففین :28:23) پلنگوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہوں گے o آپ پہچان لیں گے ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی o انہیں پلائی جائے گی سربمہر خالص و پاکیزہ شراب o اس پر مُہر کستوری کی ہو گی o اس کیلئے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لیجانے والے o اس میں تسنیم کی آمیزش ہو گی o عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ o (83۔المطففین :28) یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقربین پئیں گے''۔(سابقون' ابرار و صالحین اور مقربین پر جو لطف و کرم فرمایا جائے گا اس کا بیان ہو رہا ہے۔اور ساتھ ہی یہ تحریک بھی دی جا رہی ہے کہ اس مقام بلند و بالا کیلئے سبقت لیجانے والے' سبقت لیجانے کی کوشش کریں۔'' یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا''۔

۲۳۔ شاهدین (کان لگائے ہوئے' متوجہ)

اَلْمَشْهُودُ وَالشَّهَادَةِ کے معنی کسی چیز کا مشاہدہ کرنے کے ہیں خواہ بصر سے ہو یا بصیرت سے اور صرف حاضر ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔قرآن حکیم میں ہے:

o عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (59۔الحشر:22) ''چھپے' کھلے کا جاننے والا''۔ (یہاں چھپے یا غائب سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا ادراک نہ تو ظاہری حواس سے ہو سکتا ہو اور نہ بصیرت سے اور شہادت سے مراد وہ اشیاء ہیں جنہیں لوگ ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

o شَهِدَ اللَّهُ اَنَّهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (3۔آل عمران:18) اللہ تعالیٰ' فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے''۔(صاحبِ

مفردات القرآن امام راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اپنی وحدانیت کی شہادت دینے سے مراد عالم اور انفس میں ایسے شواہد قائم کرنا ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ باری تعالیٰ کے اپنی ذات کیلئے شہادت دینے سے مراد یہ ہے کہ اس نے ہر چیز کو نطق بخشا اور ان سب نے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ جیسا کہ کہا گیا: **اَلَسْتُ بِرَبِّكُم قَالُوا بَلٰى** ۔ اور فرشتوں کی شہادت سے مراد ان کا ان افعال کو سرانجام دینا ہے جن پر وہ مامور ہیں جیسا کہ فرمایا گیا **فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا** (79۔النّٰزِعٰت:5) ''پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم!'' اور اُولوالعلم کی شہادت سے مراد ہے کہ وہ مخلوق کے رموز و اسرار پر مطلع ہوتے اور ان کا اقرار کرتے ہیں اور شہادت بایں معنی اہل علم کے ساتھ ہی مخصوص ہے کیونکہ جہلاء اس قسم کی شہادت سے کوسوں دور ہیں جیسا کہ کفار کے متعلق فرمایا گیا: **مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ** (18۔الکھف:51) ''میں نے انہیں آسمانوں و زمین کی پیدائش کے وقت موجود نہیں رکھا تھا اور نہ خود ان کی اپنی پیدائش کے وقت بلایا تھا''۔

صاحب تفسیر رفاعی (سیّد محمد رفاعی عرب) آیت مذکورہ بالا (3۔آلِ عمران:18) پر مختصر سی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ہی تمام کائنات کو پیدا کیا' تو یہ کائنات اُس کی وحدانیت پر گواہ ہے۔ یہی اللہ کی گواہی ہے کیونکہ اگر کوئی دوسرا اس میں شریک ہوتا تو یقیناً اس میں تبدیلی لاتا۔ اس پر ملائکہ بھی گواہ ہیں' پھر علم والے جنہیں علم ربانی و روحانی یعنی معرفت حاصل ہے' وہ گواہ ہیں۔

صاحب تفسیر ضیاء القرآن (جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری) رقمطراز ہیں: **''قآئمًا بالقسط''** کی ایک ترکیب یہ ہے کہ یہ حال ہے اور اللہ ذوالحال اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ **''لا الٰہ الا ھو''** میں ہو ضمیر اس کا ذوالحال ہے اور یہ حال معناً اس کی صفت ہے۔ اس صورت میں یہ مشہود بہ میں داخل ہوگا۔ یعنی ان سب گواہوں نے اس کی واحدنیت کی گواہی دی اور اس کے ساتھ اس کے عدل وانصاف کی بھی شہادت دی۔

صاحب تفسیر مظہری (علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی) کہتے ہیں کہ بغوی نے بروایت کلبی بیان کیا ہے کہ شام کے یہودی علماء میں دو عالم رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے

ارادہ سے آئے۔ مدینہ کو دیکھ کر ایک نے دوسرے سے کہا یہ شہر تو اُس شہر سے بہت مشابہ ہے جہاں نبی آخرالزماں ﷺ کا ظہور ہوگا۔ جب دونوں خدمت گرامی میں پہنچے تو اپنی کتاب میں بیان کردہ صفات کو حضور ﷺ کی صفات سے مطابق پا کر پہچان لیا اور عرض کیا' کیا آپ محمدؐ ہیں؟ رسول ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ بولے کیا آپ احمدؐ بھی ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا: میں محمد ﷺ بھی ہوں اور احمد ﷺ بھی۔ کہنے لگے: ہم آپؐ سے کچھ پوچھتے ہیں' اگر آپؐ نے بتا دیا تو ہم آپ کو مان لیں گے اور سچا قرار دیں گے۔ فرمایا: پوچھو! کہنے لگے' بتائیں اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کونسی ہے؟ اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا اور وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اللہ نے اجسام سے چار ہزار سال پہلے ارواح کو پیدا کیا۔ اور ارواح سے چار ہزار سال پہلے رزق کو پیدا کر دیا اور مخلوق سے پہلے جب کہ وہ خود ہی تھا۔ نہ آسمان تھا نہ زمین' نہ نیک نہ بد' خود ہی اپنے ایک ہونے کی شہادت دی جیسا کہ آیت کے ابتدائی جزو میں ارشاد ہوا۔

صاحب تدبر قرآن (مولانا امین احسن اصلاحی) نے اس آیت (18:3) پر نہایت ہی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے' کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور قائم بالقسط ہونے پر اپنی' اپنے فرشتوں اور اہل علم کی شہادت کا حوالہ دیا ہے۔ اسی آفاقی شہادت کے ذیل میں قوموں کی تاریخ بھی آتی ہے۔ دوسری شہادت انفس کی شہادت ہے۔ تیسری شہادت وحی کی شہادت ہے۔ ان سب شہادتوں سے اللہ کی وحدانیت اور اُس کا قائم بالقسط ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شہادت کے ساتھ یہاں ملائکہ کی شہادت کا بھی حوالہ دیا ہے کیونکہ کائنات میں اللہ کے ارادوں کے نفاذ کا ذریعہ' اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں تک اس ہدایت پہچانے کا واسطہ ملائکہ ہی بنتے ہیں اسلئے اس کی مخلوقات میں شاہد اوّل وہی بنتے ہیں۔ ملائکہ کے بعد اولوالعلم کی شہادت کا ذکر ہے۔ یہ مصلحین ومجددین کے گروہ کی طرف اشارہ ہے جو ہر دور میں پیدا ہوئے۔

صاحب تفسیر القرآن العظیم (حافظ اسماعیل ابن کثیر) کہتے ہیں: یوں تو اللہ کی شہادت کافی ہوتی ہے۔ پھر اپنی شہادت کے ساتھ فرشتوں کی اور علماء کی شہادت کو ملا رہا ہے۔ یہاں سے علماء کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس آیت کے پڑھنے والے کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اللہ عزوجل فرمائے گا میرے اس بندے نے میرا عہد لیا ہے اور میں عہد پورا کرنے میں سب سے زیادہ ہوں۔ میرے اس بندے کو جنت میں لے جاؤ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس کے نزدیک دین صرف اسلام ہے جسے وہ قبول فرماتا ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

- رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ (3۔آل عمران: 53) ''اے ربّ ہمارے ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے اتارا اور رسول کے فرمانبردار ہوئے اور تو ہمیں لکھ لے (حق پر) گواہی دینے والوں کے ساتھ''۔ (یعنی پیروی کرنے والوں میں شامل کر لے) تفسیر مظہری کے مطابق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا الشاہدین یعنی محمد ﷺ اور آپؐ کی امت یعنی امتِ محمدیہؐ کیونکہ (قیامت کے دن) انبیاء کی رسالت و تبلیغ کی شہادت دے گی۔ (آیت مبارکہ میں اسی امر واقعہ کی طرف اشارہ ہے)۔
- ''اور جب وہ سنتے ہیں اُس کو جو رسولؐ کی طرف نازل ہوا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ابل پڑتی ہیں اس لئے کہ وہ حق کو پہچان گئے ہیں۔ کہتے ہیں اے ہمارے ربّ ہم ایمان لائے فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ (5۔المائدہ: 83) تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے''۔ (اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ جب جعفر بن ابو طالبؓ حبشہ کی ہجرت سے مدینہ واپس ہوئے تو نجاشی شاہ حبشہ نے چند عیسائیوں کو بھی اُن کے ساتھ کر دیا تا کہ وہ انہیں مدینہ پہنچا دیں اور حضور رحمتِ عالمیان ﷺ کے متعلق خود تصدیق کریں۔ جب یہ عیسائی رحمت عالمیان ﷺ کے حضور پیش ہوئے تو انہوں نے قرآن پاک سننے کی خواہش ظاہر کی۔ حضور ﷺ نے انہیں سورۃ یٰسین سنائی جب انہوں نے اس کلام کو سنا تو اُن کے آنسو جاری ہو گئے ظلمت کے پردے چاک ہو گئے اور نورِ حق نے اس حقیقت کو واشگاف کر دیا جس کا تعلق پروردگارِ عالم کے ساتھ ہے۔ بس یہی اہل ایمان کی پہچان ہے۔ اب جو بھی اس آیت کو ایمان کی چاشنی کے ساتھ تلاوت کرتا ہے وہ گویا کہ روحانی طور پر حضور ﷺ کی صحبت میں بیٹھنے والوں میں شمار ہوگا۔ انشاء اللہ اور اُس کی یہ دعا ہوگی کہ اللہ پاک اُسے حق کی گواہی دینے والوں میں شامل فرما لے)۔
- قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَاَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ (3۔آل عمران: 81) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ تم ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں تم پر گواہ ہوں''۔
- ''آپؑ نے (یعنی ابراہیمؑ نے) فرمایا' بیشک تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا

رب ہے جس نے انہیں پیدا کیا' ذٰلِكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (21۔الانبیاء:56)
اور میں اس پر یقین کے ساتھ شہادت دیتا ہوں''۔

- ''بیشک اس میں نصیحت ہے اس کیلئے جو صاف دل رکھتا ہو اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ (50۔ق:37) یا جو کان لگا کر سنے اور متوجہ ہو''۔
- ''اور جو اللہ پر اور اُس کے سب رسولوں پر ایمان لائے وہی سچے لوگ ہیں وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ (57۔الحدید:19) اور وہی گواہ ہیں اپنے رب کے یہاں''۔

۲۴۔ المطمئنین (اللہ کے ساتھ راضی اور چین پائے ہوئے)

اَلطَّمَانِيْنَةُ وَالاِطْمِيْنَانُ کے معنی ہیں خلجان کے بعد نفس کا سکون پذیر ہو جانا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ (3۔آل عمران:126) اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اس سے تسلی حاصل ہو''۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (2۔البقرۃ:260) لیکن (میں دیکھنا) اس لئے چاہتا ہوں کہ مجھے اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے''۔ مزید ارشاد ہوا:

- يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ہ اے اطمینان والی روح'' (89۔الفجر:27) ''ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ہ (89۔الفجر:28) تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش''۔ (منقول ہے کہ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا تھا کہ کیا مومن کو اپنی روح کا قبض ہونا ناگوار گزرتا ہے؟ آپؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم نہیں' جب اُس کے پاس ملک الموت اس غرض سے آتا ہے کہ اس کی روح قبض کرے تو مومن اس وقت پریشان ہو جاتا ہے۔ ملک الموت اس سے کہتا ہے ''اے اللہ کے ولی! پریشان نہ ہو' اُس کی قسم جس نے آنحضرت ﷺ کو مبعوث فرمایا اگر تیرا رحمدل باپ اس وقت موجود ہوتا تو جتنی مہربانی اور شفقت وہ تجھ پر کرتا میں اس سے زیادہ مہربان اور شفیق ہوں۔ اپنی دونوں آنکھیں کھول اور دیکھ''۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اُس کے سامنے آنحضرت ﷺ کی صورت مبارک کر دی جائے گی اور اس سے کہا جائے گا کہ یہ جناب رسول ﷺ ہیں یہ تیرے رسولؐ اور شفیع

ہیں۔ پس وہ آنکھیں کھول کر دیکھے گا اور ایک منادی اللہ پاک کی طرف سے اس کی روح کو ندا دے کر فرمائے گا کہ اے وہ نفس جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے سبب مطمئن ہو چکا تو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے خوش۔ پس تو میرے مقرب بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا پس اسے کوئی چیز اس سے زیادہ پیاری نہ ہوگی کہ اس کی روح قبض ہو اور اس ندا دینے والے سے جا ملے۔ (ماخوذ از تفسیر رفاعی)۔

صاحب تفسیر مظہری علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: **مُطمَئِنَّه** وہ نفس ہے جس کو اللہ کی یاد اور طاعت سے ایسا سکون حاصل ہوتا ہے جیسا مچھلی کو پانی میں حاصل ہوتا ہے۔ ایسا سکون اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب نفس کو امارہ بنانے والی رذیل صفات سے بالکل پاک کر لیا جائے اور اوصافِ قبیحہ زائل کر دیئے جائیں مگر ان ناپاک اوصاف کا ازالہ اسی وقت ممکن ہے جب اللہ کے اوصافِ حسنہ کا پرتو پڑ جائے اور نفس ان جلوہ پاشیوں میں فنا ہو کر بقا باللہ حاصل کر لے۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر ہی حقیقی ایمان حاصل ہوتا ہے۔ **ارجِعِي اِلىٰ رَبِّكِ** کا مطلب ہے کہ اسماء اور صفات کے پردوں کو ہٹا کر رب کی ذاتِ محض کی طرف لوٹ آ۔ **رَاضِيَةً**: یہ ارجعی کے فاعل سے حال ہے' مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ربوبیت' محمد ﷺ کی رسالت' اسلام کی ملت اور اللہ نے جو کچھ تیرے لئے مقدر کر دیا ہے اس پر راضی رہتے ہوئے اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص نے ایمان کی لذت پالی جو اللہ کے رب ہونے پر' محمد ﷺ کے رسول ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہو گیا (بخاری و مسلم) ایمان کی لذت پانے سے مراد حقیقی ایمان کا حاصل ہونا ہے۔ **مَرضِيَّةً** کا مطلب ہے: اور اس حالت میں اللہ کی طرف آ کہ اللہ تجھ سے راضی ہو کیونکہ بندہ جب اللہ کی الوہیت سے راضی ہوتا ہے تو اللہ بھی اُس سے راضی ہو جاتا ہے بلکہ اللہ سے بندہ کا راضی ہونا ہی رضا من جانب اللہ کی علامت ہے۔ خواجہ حسن بصریؒ نے کہا: جب اللہ نفس مطمئنہ کو قبض کرنا چاہتا ہے تو نفس کو اس سے سکون حاصل ہوتا ہے اور وہ اس پر راضی ہوتا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو اللہ کی ملاقات پسند کرتا ہے اللہ بھی اُس سے ملنا پسند کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ (اللہ سے راضی اور جس سے اللہ راضی ہو وہ روح) مُشک کی پاکیزہ ترین خوشبو کی طرح (مہکتی ہوئی) نکلتی ہے۔ فرشتے اس کو دست بدست لے کر

آسمان کے دروازوں تک پہنچتے ہیں آسمان والے فرشتے کہتے ہیں یہ کیسی پاکیزہ خوشبو ہے جوزمین کی طرف سے تم کو پہنچی ہے، روح لے جانے والے ملائکہ اس روح کو مؤمنوں کی روحوں تک پہنچا دیتے ہیں ان کو اس کے پہنچنے سے اتنی خوشی ہوتی ہے کہ تم کو اپنے غائب مسافر آ جانے سے بھی اتنی خوشی نہیں ہوتی مومن پوچھتے ہیں (دنیا میں) فلاں شخص کا کیا حال ہے؟ دوسرے مؤمن کہتے ہیں (معلوم ہوتا ہے کہ) اس کو اس کے اصلی ٹھکانے یعنی ہاویہ (گڑھا۔دوزخ کا نچلا طبقہ) کی طرف پہنچا دیا گیا۔۔۔دوسری جانب کافر کی موت کے وقت عذاب کے فرشتے ٹاٹ لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں (اے خبیث روح) اللہ کے عذاب کی طرف نکل (آنے والا عذاب) تجھے ناگوار اور اللہ تجھ سے ناخوش۔روح فوراً سڑے ہوئے بدبودار مردار جیسی (پھیلی ہوئی) نکلتی ہے۔فرشتے اس کو لے کر زمین کے دروازے تک پہنچتے ہیں۔زمین والے (ملائکہ کہتے ہیں یہ کس قدر سڑی ہوئی بدبو ہے۔(اس طرح سے) فرشتے اس روح کو کافروں کی روحوں کے ساتھ شامل کر دیتے ہیں۔ (احمد و نسائی)۔

ابن ماجہؒ کی حدیث بھی اسی طرح کی ہے۔اس میں اتنا زائد ہے کہ پھر مومن کی روح کو آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے آسمان کا دروازہ اس کیلئے کھول دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے۔۔۔''پاکیزہ روح کیلئے مرحبا جو پاکیزہ جسم میں تھی''۔۔۔اور کافر روح کیلئے آسمان کا دروازہ کبھی نہیں کھولا جاتا اور کہا جاتا ہے:''ذلیل حالت میں لوٹ جا''۔۔۔پھر اس کو قبروں کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔

o **اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ** (13۔الرعد:28) جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، یاد رکھو! اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے''۔(جسم کی غذا مادی اشیاء ہیں جب کہ روح کی غذا ذکر اللہ ہے۔ انسان کی کامیابی یہ ہے کہ انسان جسم کو روح پر حاوی نہ ہونے دے اور روح کو ہمیشہ اور ہر آن توانا اور مضبوط بناتے رہنے کیلئے عبادات، تلاوت، نوافل، دعا و مناجات اور تسبیح و سجود میں مشغول رہے جس سے اُس کا ایمان مضبوط ہوگا اور اس میں تقویٰ و پرہیز گاری مسلم ہوتی چلی جائے گی اور بالآخر وہ سکون و اطمینان کی اُس منزل پر پہنچ جائے گا جو ساری انسانی جدوجہد کا مقصود ہے۔لہٰذا آیت مذکورہ میں یہ تنبیہ بھی کی گئی ہے کہ

معرفت الٰہی اور قلبی سکون و اطمینان کثرت عبادت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ جس قسم کی تسکین کا مذکورہ آیت میں حضرت ابراھیمؑ نے سوال کیا تھا۔

صاحب تفسیر مظہری علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

اللہ کی طرف رجوع کرنے والے' وہ لوگ ہیں جو ایمان لے آئے اور ان کے دل اللہ کی یاد میں مطمئن ہو جاتے ہیں یعنی اِن کے دلوں میں ایمان و یقین جم جاتا ہے' ہر طرح کا شک زائل ہو جاتا ہے۔ **ذکر** سے مراد ہے قرآن مجید اور **اطمینان** سے مراد ہے۔ ایمان کیونکہ ایمان دلوں کا سکون ہے اور نفاق دلوں کی بے چینی۔ یا یہ مطلب ہے اللہ کی یاد سے شیطانی وسوسے زائل ہو جاتے ہیں (اس مطلب پر ذکر سے مراد ہو گی اللہ کی یاد' صرف قرآن مراد نہ ہو گا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر آدمی کے دل کے دو خانے ہوتے ہیں۔ ایک خانہ میں فرشتہ (کا ظہور) ہوتا ہے اور دوسرے خانہ میں شیطان (کا ظہور)' جب آدمی اللہ کی یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے سمٹ جاتا ہے۔ اور جب وہ اللہ کی یاد نہیں کرتا یعنی ذکر سے اغماض برتتا ہے تو شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل کے اندر رکھ دیتا ہے' اس طرح سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے (رواہ بخاری) کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کے پاک صاف دلوں کی روزی اللہ کی یاد ہے' جس سے ان کو چین اور سکھ ملتا ہے جیسے مچھلیوں کو پانی میں اور پرندوں کو ہوا میں اور وحشی جانوروں کو جنگل میں' لیکن اگر غفلت آفریں کوئی اندرونی خیال دل میں آ جاتا ہے یا اہل غفلت کی صحبت اثر انداز ہو جاتی ہے تو دلوں کا چین جاتا رہتا ہے۔ بے چینی اور عدم سکون پیدا ہو جاتا ہے جیسے پانی سے باہر مچھلی کو اور خشکی کے جانور کو پانی کے اندر اور وحشی جانوروں کو پنجرے میں اضطراب ہوتا ہے۔ **صوفیہ صافیہ** کے خادموں کیلئے ان حالات کا مشاہدہ بالکل بدیہی ہے۔ ہر مرشد برحق کا خدمت گزار ان حالات کو دیکھا کرتا ہے۔ اس مطلب پر **الَّذِينَ اٰمَنُوا** سے مراد ہوں گے پاک باطن' روشن دل صوفیہ۔

جہاں تک آیت کے اُس حصہ کا تعلق ہے جس کے معنی ہیں: ''خوب سُن لو! اللہ کی یاد سے ہی (پاک صاف) دلوں کو چین ملتا ہے''۔ بغوی نے اس جگہ ایک شبہ اور اس کا جواب لکھا ہے۔ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: **انما المؤمنون الذين إذا ذُكِرَ الله وَجِلَتْ قُلُوبُهم**: بس مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں''۔ اور اس جگہ ذکر الٰہی کو مومن کے قلب کا اطمینان فرمایا گیا ہے۔ ایک حالت میں خوف اور اطمینان ایک دل میں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ اس شبہ کا جواب اس طرح سے دیا گیا ہے

کہ عذاب کے ذکر کے وقت مومن کا دل ڈر جاتا ہے اور ثواب کے وعدہ پر اُس کے اندر اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ڈرتا ہے اللہ کے عذاب اور انصاف سے اور چین پاتا ہے اللہ کے فضل و کرم کے ذکر سے۔ تاہم طمانیت اور خوف میں کوئی تضاد نہیں (علامہ پانی پتی فرماتے ہیں) طمانیت انس سے پیدا ہوتی ہے اور انس خوف کی حالت میں بھی ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک جوان کے مرنے کے وقت حضورﷺ اُس کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا تجھے اپنے دل کی کیا کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہﷺ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کا مجھے خوف بھی ہے۔ فرمایا: ایسے موقع پر جس بندہ کے دل میں دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں، اللہ ضرور اس کو اُس کی امید کے مطابق عطا فرماتا ہے اور جس چیز کا خوف اُس کو ہوتا ہے اس چیز سے محفوظ رکھتا ہے (رواہ ترمذی و ابن ماجہ، ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے)

صاحب ضیاء القرآن جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جب تک دل میں شک کا کانٹا چبھتا رہتا ہے انسان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا اور جب یقین کا اجالا ہوتا ہے تو سارے اضطراب ختم اور ساری بے چینیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذکرِ الٰہی سے ہی دل میں سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ یہی وہ نور ہے جس سے شبہات کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ یہی وہ غذا ہے جس سے روح کو تقویت ملتی ہے۔ اور ان میں نیکی کی مضمر صلاحیتیں نشوونما پاتی اور جوان ہوتی ہیں۔ اس سے انسان میں وہ جلال اور وہ قوت نمودار ہوتی ہے جس سے شیطان پر لرزہ طاری ہوتا ہے اور اس کے منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں۔ دنیا کی ساری نعمتوں میں سے اطمینان قلب سب سے عظیم نعمت ہے، دولت، عزت، صحت اور کثرتِ اولاد کے باوجود بھی روح اور دل کو چین نصیب نہیں ہوتا صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی وہ آبِ حیات ہے کہ جس سے سیر کام ہونے والا پھر کبھی کوئی خلجان اور کوئی گھبراہٹ محسوس نہیں کرتا۔ وہ تختۂ دار پر بھی، وہ آتش کدہ نمرود میں بھی مسکراتا ہے۔ یہ حالت صوفیائے کرام کے نزدیک وجدانیات میں سے ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد صوفیائے کرام ہی ہیں۔

وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ م بِالْاِيْمَانِ (16۔النحل:106) اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔

۲۵۔ السابقین (سبقت لیجانے والے):

اَلسَّبق ُ کے اصل معنی چلنے میں آگے بڑھ جانے کے ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے: فَالسّٰبِقٰتِ سَبقًا ٥(79۔النزٰعٰت:4) ''پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم''! (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کی قسم اُٹھاتا ہے کہ جو حکم الٰہی کو سننے کیلئے لپکتے ہیں۔ یہ سورۃ نازعات مکی کی چوتھی آیت ہے۔ ٥ پہلی آیت میں کہا گیا: ''ڈوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم!'' یعنی یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی طرف اشارہ ہے جو جسم کے اندر ڈوب کر نہایت سختی کے ساتھ کافروں کی جان نکالتے ہیں۔ ٥ دوسری آیت میں کہا گیا: ''بند کھول کر چھڑا دینے والوں کی قسم!'' یعنی یہ اُن فرشتوں کا تذکرہ ہے جو مومن کی جان بہ سہولت نکالتے ہیں جیسے کسی چیز کی گرہ کھول دی جائے۔ ٥ تیسری آیت میں ہے: ''اور تیرتے پھرنے والوں کی قسم!'' فرشتے روح نکالنے کیلئے انسان کے بدن میں اس طرح تیرتے پھرتے ہیں جیسے غواص سمندر سے موتی نکالنے کیلئے گہرائیوں میں غوطے لگاتا ہے یا مطلب ہے کہ نہایت سرعت رفتاری کے ساتھ اللہ کا حکم لے کر آسمان سے اترتے ہیں۔۔۔ جب کہ چوتھی آیت میں اُن فرشتوں کا ذکر ہے جو انبیاءؑ کو دوڑ کر وحی پہنچاتے ہیں یا مومنوں کی روحیں جنت کی طرف لیجانے میں سرعت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ لوگ بھی خوش نصیب ہیں جو احکام الٰہی معلوم کرنے یا ان کا مطالعہ کرنے اور پھر اپنی ذات کی حد تک ان احکام کی تعمیل کرنے اور دوسروں کو بھی اس کی وعظ و نصیحت کرنے میں اپنی زندگیاں کھپا دیتے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ کا قول مروی ہے کہ السّابقات سے مراد ہیں اہل ایمان کے نفوس جو قبض کرنے والے ملائکہ کی جانب اللہ کی ملاقات کے شوق و ذوق اور انتہائی فرحت و انبساط کے عالم میں بڑھتے ہیں۔

٥ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْن ٥ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ٥ (56۔الواقعہ:10-11)

''اور جو آگے والے ہیں وہ تو آگے والے ہی ہیں (یعنی آگے نکل جانے والے ہی اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں) یہی اللہ کے مقرب ہیں''۔

ان سے مراد خواص مومنین ہیں جو ایمان قبول کرنے میں سبقت کرنے اور نیکی و پرہیزگاری کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو قرب خاص سے نوازے گا۔ یہ ترکیب ایسے ہی ہے جیسے محاورہ کے طور پر کہا جائے ''تو تو ہے اور زید زید'' اس میں

گویا زید کی فضیلت واہمیت بیان کرنا مقصود ہے۔

صاحب تفسیر مظہری ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اسلام طاعت اور قرب الٰہی کی طرف سبقت کرنے والے گروہ انبیاءؑ سب کے پیشوا اور سب سے آگے ہیں۔ ان کی امتیں ان کی تابع ہیں۔ انبیاء کا کامل اتباع کرنے والے اور وراثت کمالاتِ نبوت حاصل کرنے والے اور خاص انوارِ ذاتیہ سے مشرف ہونے والے صحابہ کرامؓ اور اُن کے بعض متبعین ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو ہجرت میں سبقت کرنے والے تھے وہی آخرت میں پیش رو ہوں گے۔ عکرمہ نے کہا کہ سابقین اولین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام میں سبقت کرنے والے تھے یعنی صحابہؓ۔ ابن سیرین نے کہا وہ مہاجر وانصار مراد ہیں۔ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ ربیع بن انس نے کہا' دنیا میں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق میں سبقت کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: پانچوں نمازوں کی طرف پیش قدمی کرنے والے مراد ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا صحابی سب کے سب کمالاتِ نبوت میں ڈوبے ہوئے تھے اور تابعین میں سے اکثر حضرات اور تبع تابعین میں بعض اشخاص بھی کمالاتِ نبوت میں مستغرق تھے لیکن اس کے بعد ایک ہزار سال تک انوار نبوت مدھم اور ہلکے ہوتے رہے اور کمالاتِ ولایت کا ظہور ہونے لگا۔ اور وہ انوارِ ولایت جو صفائی اور ظلی تجلیات سے مستفاد تھے' نمودار ہونے لگے۔ پھر ہجری ہزار سال کے بعد بعض افراد امت کو نبی ﷺ کی سرشت پر پیدا کیا گیا اور اللہ نے کمالات نبوت سے انہیں سرفراز فرمایا اسی وجہ سے امت کا آخری دور' اول دور کی طرح اور اس کے مشابہ ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میری امت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش' معلوم نہیں ہوتا کہ بارش کا ابتدائی حصہ زیادہ بہتر (مفید) ہے یا آخری حصہ (رواہ الترمذی عن انس)۔

o أُولَـٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ (23۔المؤمنون:61) یہی لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے اور ان کیلئے لپکتے ہیں"۔ (آیت کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ طاعتوں کی بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں اس لئے جلدی جلدی طاعتیں کرتے ہیں تاکہ کوئی طاعت فوت نہ ہو جائے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ طاعتوں میں پیش قدمی کرنے پر جن اخروی بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے اور نیک اعمال میں تیزی کرنے سے جن دینوی فوائد کو وابستہ کیا گیا ہے سب فائدوں کے حاصل کرنے کیلئے وہ بصد ذوق وشوق لپکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا' مصیبت کو کوئی چیز رد نہیں کرتی سوائے دعا کے اور عمر میں کوئی چیز زیادتی نہیں کرتی مگر نیکی (یعنی خیر' خیرات' حُسنِ سلوک)۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ بھلائیوں کی طرف دنیا میں مومن تیزی سے بڑھتے ہیں۔ ان سے مراد شاید یہ ہو کہ مومن کو اللہ کی یاد میں لذت آتی ہے' اُس کے دل کو چین وسکون ملتا ہے۔ وہ بقدر کفاف (اندازہ) رزق پر قناعت کرتا اور سیر ہو جاتا ہے۔ اس کو خواب میں بطور الہام مبشرات پہنچتی رہتی ہیں۔۔۔ وَھُم لَھَا سٰبِقُونَ یعنی وہ نیکیوں کی طرف پیش قدمی کی وجہ سے جنت کی طرف سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ یا سابقون سے مراد سب سے آگے بڑھنا اور سبقت کر جانا نہیں بلکہ مراد ہے طاعتوں کی طرف یا ثواب کی طرف یا جنت کی طرف بڑھنا یا یہ مراد ہے کہ آخرت سے پہلے وہ دنیاوی فائدوں کی طرف بڑھنے والے ہیں کیونکہ ثواب آخرت سے پہلے فوری طور ان کیلئے دنیاوی فائدے فراہم کر دیئے جاتے ہیں' حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے: اللہ کی طرف سے ان کیلئے سعادت پہلے ہی سے مقدر ہو چکی ہے۔

○ **وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ** (9۔التوبہ:100) اور مہاجرینؓ اور انصارؓ میں سے پہلے پہل سبقت لے جانے والے اور جو (ہجرت و نصرت میں) بھلائی کے ساتھ اُن کے پیروکار ہوئے'' (سعید بن میتبؒ ' قتادہ ابن سیرین اور ایک جماعت تابعین کے نزدیک بدری اصحابہؓ مراد ہیں۔ شعبی کے نزدیک حدیبیہ کی بیعت رضوان میں شریک ہونے والے مراد ہیں۔ آیت کے آخری ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ بقیہ اُمت میں جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اور قیامت تک جتنے لوگ سابقین اولین کی راہ پر چلنے والے ہوں گے یعنی ایمان میں' ہجرت میں اور رسول ﷺ کے دین کی توسیع و ترویج میں جدوجہد کرنے والے' وہ سب مراد ہیں۔ مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ سابقین سے مراد وہی مقربین ہیں جن کا تذکرہ آیت 11-10:56 میں ہوا (اوپر اس آیت کی تفصیل گزر چکی ہے)۔ صحابہؓ' تابعین اور تبع تابعین کا امتِ اسلامیہ میں تقدم تو مُسلم ہے۔ اس کے بعد ایک ہزار برس کے بعد جو تھوڑے آدمی کمالات نبوت کے حامل ہوں گے۔ ابتدائی دور میں تو کمالاتِ نبوت

کے حاملین کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن پچھلے دور میں یعنی دوسرے ہزار برسوں میں باکمال لوگوں کی تعداد کم ہوتی گئی۔

○ سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ(57۔الحدید:21) تیزی سے بڑھو اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے برابر ہے۔ وہ ان لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ وہ اپنا فضل جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے''۔ (مطلب یہ ہے کہ ایمان' خوف' امید اور اعمال صالحہ کے ساتھ مغفرتِ رب اور جنت کی طرف تیزی سے بڑھو! اس آیت مبارکہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ صرف ایمان استحقاق جنت کیلئے کافی ہے اور اللہ پر ایمان اُس وقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک کہ رسولوں پر ایمان نہ ہو۔ اس آیت سے یہ امر بھی واضح ہے کہ جنت عطا فرمانا اللہ پر کسی کا وجوبی حق نہیں ہے تاہم اللہ نے چونکہ وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو اس کا (نیک) عمل (دوزخ سے) نہیں بچائے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کو بھی نہیں' فرمایا (ہاں) مجھے بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ اپنی رحمت اور فضل سے مجھے ڈھانک لے۔ قرآن حکیم میں مزید ارشاد ہے:

○ وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ(2۔البقرۃ:148) اور ہر ایک کیلئے توجہ کی ایک سمت ہے اور وہ اُس کی طرف منہ کرتا ہے پس تم کوشش کرو نیکیوں میں آگے نکل جاؤ''۔ آیت مبارکہ کے پہلے ٹکڑے کی تشریح کرتے ہوئے جسٹس پیر کرم شاہ الازہری رقمطراز ہیں: تحویل قبلہ کے بعد یہود اور منافقین نے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی اور سادہ لوح مسلمانوں کو طرح طرح کے مکر وفریب سے اسلام سے برگشتہ کرنا شروع کر دیا بلکہ اسے اپنا مشغلہ بنالیا۔ قرآن نے ان کے سب شور و شغب کا ایک ہی مُسکت جواب دیا کہ اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ مسلمانوں سے پہلے جتنی امتیں گزری ہیں سب کیلئے ایک ایک سمتِ عبادت مقرر کی گئی تھی۔ اگر

پیغمبرِ اسلام نے اپنے رب کے حکم سے کعبہ کو اپنی امت کا قبلہ مقرر فرما دیا تو اس میں کیا انوکھی بات ہے کہ تم سیخ پا ہو گئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کعبہ جسے حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل علیہما السّلام کے مقدس ہاتھوں نے تعمیر کیا' ملتِ ابراہیمیؑ کے علمبردار اور نسلِ اسمٰعیلؑ کے نبی ﷺ کا قبلہ بنایا جائے"۔۔۔ ستم ظریفی کی انتہاء یہ ہے آج کل تجدد پسند اس آیت کی تشریح کچھ اس انداز سے کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مسلمہ فقہی مذاہب پر اس کا اطلاق کر کے مسلمانوں کو شتر بے مُہار بنانے کی جسارت کی جارہی ہے تا کہ ہر "مسلمان" کو اپنا فقہی مسلک اختیار کرنے کی آزادی حاصل ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت حال تو ایک افتراق و انتشار کا ہی پیش خیمہ ہو گی۔۔۔ تاہم آیت کے دوسرے ٹکڑے کی تشریح کرتے ہوئے جسٹس پیر کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں: یہ معمولی سی بات (یعنی تحویل قبلہ) جسے یہود و منافقین یوں اچھال رہے تھے موضوعِ سخن بنانے کے لائق نہیں۔ بات تو یہ ہے کہ وہ خیرات یعنی ازلی و ابدی نیکیاں جن پر سب ادیان متفق ہیں ان کو عملی جامہ پہنانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ لیکن یہ کام تو مشکل ہے۔ اس میں نفس کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اپنی خواہشات کا خون کرنا پڑتا ہے جو ان کے بس کا روگ نہیں۔ اس لئے وہ ان حقیقی امور سے روگردانی کئے ہوئے ہیں اور فروعی اور غیر اہم چیزوں کو یوں اہمیت دے رہے ہیں گویا دین کا اصل الاصول بس یہی ایک چیز ہے نیز قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

o "مگر اللہ تعالیٰ تمہیں آزمانا چاہتا ہے کہ جو تمہیں عطا کیا گیا ہے اس میں تم کہاں تک پورے اترتے ہو فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (5۔المائدہ:48) تو تم نیکی کی طرف سبقت کرو"۔

۲۶۔ المقتصدین (میانہ رو)

اَلْقَصْدُ کے معنی ہیں راستہ کا سیدھا ہونا۔ اعتدال اور درمیانہ درجہ کے معانی بھی اس سے نکلتے ہیں جیسے سخاوت' اسراف اور بخل کے مابین کو کہتے ہیں اور شجاعت جو لاپروائی اور بزدلی کے درمیانی درجہ کا نام ہے چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا:

o وَاقصِد فِي مَشيِكَ وَاغضُض مِن صوتِك (31۔لقمان:19) اور چال میں میانہ روی اختیار کر اور پست آواز میں بات کر''۔ (یہ سورۂ لقمن کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے' حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحت کی تھی وہ پوری کی پوری اصلاح نفس کیلئے سونے کے حروف سے لکھی جانے والی وصیت ہے قرآن حکیم کے مطابق حضرت لقمان نے فرمایا: ''اے میرے پیارے بیٹے! وہ عمل جو اگر رائی کے دانے کے برابر ہو' پھر وہ پتھر کی چٹان میں یا آسمان میں یا زمین میں کسی بھی جگہ ہو اللہ اُسے لے آئے گا' بیشک اللہ ہر باریکی کا جاننے والا اور ہر بات سے خبردار ہے۔ اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم رکھ اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر۔ بیشک یہ بڑے عزم و ہمت کے کام ہیں۔ اور لوگوں کو دکھانے کیلئے اپنے گال نہ پھلا اور زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چل' بیشک اللہ تعالیٰ اترانے اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور چال میں میانہ روی اختیار کر اور پست آواز میں بات کر' بیشک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی آواز ہے''۔ (آیات۔16 تا 19)۔

درحقیقت حضرت لقمان کی یہ نصیحت تھی حکمتوں سے بھرپور اور صوفیہ کا بھی تزکیۂ نفس کیلئے یہی منشور اور لائحہ عمل ہے۔ دراصل حضرت لقمان کے بیٹے نے کہا تھا: اے والد گرامی! اگر میں چھپ کر کوئی گناہ کروں کہ کسی کو اطلاع نہ ہو تو اس کو اللہ کیسے جان لے گا؟ اس کے جواب میں حضرتِ لقمان نے مذکورہ نصیحت کی۔ حضرت علامہ پانی پتی نے کہا کہ بغوی نے لکھا ہے: بعض کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت لقمان کے یہ آخری الفاظ تھے' اس کے بعد اُن پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ پتہ پھٹ گیا۔ وَاقصِد فی مَشیِکَ کا مطلب ہے کہ اپنی چال درمیانی رکھو یعنی نہ رینگتے چلو کہ یہ غرور کی علامت ہے اور اہل غرور کی چال ہے' نہ بہت لپک کر چلو کہ یہ چھچھوروں کی چال ہے' وقار کو زائل کر دیتی ہے''۔ جس تیز رفتاری کی ممانعت کی گئی ہے اس سے مراد سرعتِ رفتار ہے جو طبعی چال سے بڑھ کر کوشش کر کے اختیار کی جائے۔ معمولی تیز رفتاری جس کی عادت ہو وہ مستحب ہے۔ ابن سعد نے حضرت یزید بن مرشد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب چلتے تھے تو اتنی تیزی سے چلتے تھے کہ آپ کے پیچھے لپکنے والا آپ تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ وہب نے کہا لقمان نے اپنے کلام میں حکمت کے بارہ ہزار دروازے کھول دیئے یعنی بارہ ہزار پُرحکمت مقولے ہیں جن کو لوگوں نے اپنے کلام اور معاملات میں شامل کر لیا ہے۔

○ ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌ م بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (35۔فاطر:32) پھر ہم نے وارث بنایا اس کتاب کا ان کو جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں میں سے' پس ان میں سے کچھ تو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ ان میں متوسط درجہ کے ہیں اور کچھ ان میں ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں''۔ (ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ یعنی عمل میں کوتاہی کرنے والے۔ مُقۡتَصِد''۔ یعنی ظاہر قرآن پر عمل کرنے والے ہیں حقیقت تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ بعض علماء تفسیر کہتے ہیں کہ مقتصد وہ لوگ ہیں جو اکثر قرآن کے موافق عمل کرتے ہیں اور سَابِق'' بِالخَیراتِ' وہ ہیں جو عمل بھی کرتے ہیں اور دوسروں کو تعلیم بھی دیتے ہیں اور ہدایت بھی کرتے ہیں۔ بغوی نے اپنی سند سے ابو عثمان کی روایت سے بیان کیا کہ میں نے خود حضرت عمرؓ سے سنا۔ آپؓ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہم میں کے جو سابق ہیں وہ آگے بڑھنے والے ہیں اور جو مقتصد ہیں' وہ نجات پانے والے ہیں اور جو ہم میں ظالم ہیں ان کی مغفرت کردی جائے گی۔

صاحبِ ضیاء القرآن جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے متعلق یہ قول نقل کیا ہے: ''ہم امت محمد ﷺ یعنی جن لوگوں کو کتاب کا وارث کیا گیا وہ حضور ﷺ کی امت ہے۔ اس امت میں ایک گروہ وہ ہے جس سے غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور فرائض کی ادائیگی میں بھی سستی ہو جاتی ہے اور بعض وہ ہیں جو درمیانہ رو ہیں' جو فرائض کو ادا کرتے ہیں محرمات کے نزدیک نہیں پھٹکتے لیکن مستحبات میں سستی کرتے ہیں اور بعض مکروہ چیزیں ان سے سرزد ہو جاتی ہیں اور تیسرا گروہ ان پاک بازوں اور وفا شعاروں کا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے تن من دھن کی بازی لگا دی ہے۔ دنیا کی لذتوں سے انہیں کوئی سروکار نہیں دنیا کے مشاغل یادِ حق سے انہیں غافل نہیں کر سکتے۔ ہر نیک کام میں سب سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا سارا وقت' ان کا سارا مال' بلکہ ان کے دل و جان بھی رضائے جاناں پر قربان ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی یہی تفسیر پسند کی ہے۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر یوں نقل کی ہے: اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ امت محمدیہؐ ہے۔ ان میں جو گنہگار ہیں ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جو درمیانہ رو ہیں ان سے آسان حساب لیا جائے گا۔ جو سابقین ہیں ان کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

صاحب تفہیم القرآن سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک مذکورہ آیت سے مراد یہ ہے کہ مسلمان پوری نوع انسانی میں سے چھانٹ کر نکالے گئے ہیں۔ تاکہ وہ کتاب اللہ کے وارث ہوں اور محمد ﷺ کے بعد اُسے لے کر اُٹھیں۔ اگرچہ کتاب پیش تو کی گئی ہے سارے انسانوں کے سامنے۔ مگر جنہوں نے آگے بڑھ کر اسے قبول کر لیا وہی اس شرف کیلئے منتخب کر لیے گئے کہ قرآن جیسی کتاب عظیم کے وارث اور محمد عربی ﷺ جیسے رسولِ عظیم کی تعلیم و ہدایت کے امین بنیں۔ یہ مسلمان سب کے سب ایک ہی طرح کے نہیں ہیں' بلکہ یہ تین طبقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں:

(۱) اپنے نفس پر ظلم کرنے والے: یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سچے دل سے اللہ کی کتاب اور محمد ﷺ کو ایمانداری کے ساتھ اللہ کا رسول تو مانتے ہیں' مگر عملاً کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی پیروی کا حق ادا نہیں کرتے۔ مومن ہیں مگر گناہ گار ہیں۔ مجرم ہیں مگر باغی نہیں ہیں۔ ضعیف الایمان ہیں مگر منافق اور دل و دماغ سے کافر نہیں ہیں۔ اسی لیے ان کو ظلم لنفسہٖ ہونے کے باوجود وارثینِ کتاب میں داخل اور خدا کے چُنے ہوئے بندوں میں شامل کیا گیا' ورنہ ظاہر ہے کہ باغیوں اور منافقوں اور قلب و ذہن کے کافروں پر ان اوصاف کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ تینوں درجات میں سے اس درجہ کے اہل ایمان کا ذکر سب سے پہلے اس لیے کیا گیا ہے کہ تعداد کے لحاظ سے اُمت میں کثرت انہی کی ہے۔

(۲) بیچ کی راس: یہ وہ لوگ ہیں جو اس وراثت کا حق کم و بیش ادا تو کرتے ہیں مگر پوری طرح نہیں' فرماں بردار بھی ہیں اور خطا کار بھی' اپنے نفس کو بالکل بے لگام تو انہوں نے نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اسے خدا کا مطیع بنانے کی اپنی حد تک کوشش کرتے ہیں' لیکن کبھی یہ اس کی باگیں ڈھیلی بھی چھوڑ دیتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی زندگی اچھے اور بُرے دونوں طرح کے اعمال کا مجموعہ بن جاتی ہے۔ یہ تعداد میں پہلے گروہ سے کم اور تیسرے گروہ سے زیادہ ہیں اس لیے ان کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے۔

(۳) نیکیوں میں سبقت کرنے والے: یہ وارثینِ کتاب میں صفِ اوّل کے لوگ ہیں۔ یہی دراصل اس وراثت کا حق ادا کرنے والے ہیں۔ یہ اتباعِ کتاب و سنت میں بھی پیش

پیش ہیں' خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے میں بھی پیش پیش' دین حق کی خاطر قربانیاں کرنے میں بھی پیش پیش' اور بھلائی کے ہر کام میں پیش پیش۔ یہ دانستہ معصیت کرنے والے نہیں ہیں' اور نادانستہ کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر متنبہ ہوتے ہی ان کی پیشانیاں شرم سے عرق آلود ہو جاتی ہیں۔ ان کی تعداد اُمت میں پہلے دونوں گروہوں سے کم ہے اس لیے ان کا آخر میں ذکر کیا گیا ہے اگرچہ وراثت کا حق ادا کرنے کے معاملہ میں ان کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔

''یہی بہت بڑا فضل ہے''۔ اس فقرے کا تعلق اگر قریب ترین فقرے سے مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نیکیوں میں سبقت کرنا ہی بڑا فضل ہے اور جو لوگ ایسے ہیں وہ اُمت مسلمہ میں سب سے افضل ہیں۔ اور اس فقرے کا تعلق پہلے فقرے سے مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ کتاب اللہ کا وارث ہونا اور اس وراثت کے لیے چُن لیا جانا بڑا فضل ہے' اور خدا کے تمام بندوں میں وہ بندے سب سے افضل ہیں جو قرآن اور محمد ﷺ پر ایمان لا کر اس انتخاب میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

مفسرین میں سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اس فقرے کا تعلق قریب ترین دونوں فقروں سے ہے' یعنی نیکیوں پر سبقت کرنے والے ہی بڑی فضیلت رکھتے ہیں اور وہی ان جنتوں میں داخل ہوں گے۔ رہے پہلے دو گروہ' تو ان کے بارے میں سکوت فرمایا گیا ہے تا کہ وہ اپنے انجام کے معاملہ میں فکر مند ہوں اور اپنی موجودہ حالت سے نکل کر آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ اس رائے کو علامہ زمخشری نے بڑے زور کیساتھ بیان کیا ہے اور امام رازی نے اس کی تائید کی ہے۔

لیکن مفسرین کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اس کا تعلق اوپر کی پوری عبارت (تینوں گروہوں) سے ہے' اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اُمت کے یہ تینوں گروہ بالآخر جنت میں داخل ہوں گے' خواہ محاسبہ کے بغیر یا محاسبہ کے بعد' خواہ ہر مواخذہ سے محفوظ رہ کر یا کوئی سزا پانے کے بعد۔ اسی تفسیر کی تائید قرآن کا سیاق و سباق کرتا ہے' کیونکہ آگے چل کر وارثین کتاب کے بالمقابل دوسرے گروہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے جہنم کی آگ ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس کتاب کو مان لیا ہے ان کے لیے جنت ہے اور جنہوں نے اس پر ایمان لانے سے انکار کیا ہے ان کے لیے جہنم۔ پھر اسی کی تائید نبی ﷺ کی وہ حدیث کرتی ہے جسے حضرت ابوالدّرداء نے روایت کیا ہے اور امام احمد' ابن جریر' ابن ابی حاتم'

طبرانی، بیہقی اور بعض دوسرے محدثین نے اسے نقل کیا ہے۔اس میں حضور فرماتے ہیں:

فامّا الذین سبقوا فاولٰئك الذین یدخلون الجنة بغیر حساب، وامّا الذین اقتصدوا فاؤلٰئك الذینَ یُحاسَبون حسَابًا یسیرا، وامّا الذین ظلموا انفسهم فاؤلٰئك یُحبَسُون طول المحشر ثم هم الذین تتلقاهم الله برحمة فهم الذین یقولون الحمد للّٰهِ الذی اذهب عنا الحزن۔

جو لوگ نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں وہ جنت میں کسی حساب کے بغیر داخل ہوں گے۔اور جو بیچ کی راس رہے ہیں ان سے محاسبہ ہوگا مگر ہلکا محاسبہ۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو وہ محشر کے پورے طویل عرصہ میں روک رکھے جائیں گے پھر انہی کو اللہ اپنی رحمت میں لے لے گا اور یہی لوگ ہیں جو کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔

اس حدیث میں حضورﷺ نے اس آیت کی پوری تفسیر خود بیان فرمادی ہے اور اہل ایمان کے تینوں طبقوں کا انجام الگ الگ بتادیا ہے۔ بیچ کی راس والوں سے ''ہلکا محاسبہ'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو تو ان کے کفر کے علاوہ ان کے ہر ہر جرم اور گناہ کی جُداگانہ سزا بھی دی جائے گی، مگر اس کے برعکس اہل ایمان میں جو لوگ اچھے اور برے دونوں طرح کے اعمال لے کر پہنچیں گے ان کی نیکیوں اور ان کے گناہوں کا مجموعی محاسبہ ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ ہر نیکی کی الگ جزا اور ہر قصور کی الگ سزا دی جائے۔اور یہ جو فرمایا کہ اہل ایمان میں سے جن لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہوگا وہ محشر کے پورے عرصے میں روک رکھے جائیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہنم میں نہیں ڈالے جائیں گے بلکہ ان کو ''تابر خاست عدالت کی سزا دی جائے گی'' یعنی روز حشر کی پوری طویل مدت (جو نہ معلوم کتنی صدیوں کے برابر طویل ہوگی) اُن پر اپنی ساری سختیوں کے ساتھ گزر جائے گی۔ یہاں تک کہ آخر کار اللہ ان پر رحم فرمائے گا اور خاتمہ عدالت کے وقت حکم دے گا کہ اچھا انہیں بھی جنت میں داخل کر دو۔اسی مضمون کے متعدد اقوال محدثین نے بہت سے صحابہ، مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوسعیدؓ خدری، اور حضرت براءؓ بن عازب سے نقل کئے ہیں اور ظاہر ہے

صحابہ ایسے حالات میں کوئی بات اس وقت تک نہیں کہہ سکتے تھے جب تک انہوں نے خود نبی ﷺ سے اس کو نہ سنا ہو۔

سید مودودی کے درج بالا تفسیری نکات کے بالمقابل دور حاضر میں فراہی مکتب فکر کے ایک مفسر صاحب تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی کلیتاً مختلف نقطۂ نگاہ رکھتے ہیں۔ جمہور مفسرین قرآن کے خلاف اُن کا نظریہ یہ ہے کہ بنی اسمٰعیل کا رویہ من حیث الافراد خود کو کتاب کا وارث بنائے جانے کے جواب میں یہ ہے کہ تین قسم کے گروہوں میں سے پہلا گروہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والا ہے یعنی ایڑی چوٹی کا زور مخالفتِ اسلام پر صرف کر رہا ہے نہ خود اس کو قبول کرنے کیلئے تیار ہے نہ کسی دوسرے ہی کو قبول کرنے دینا چاہتا ہے لہٰذا یہ اپنی اس مخالفت کے باعث اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں اور جہنم کا سامان کر رہے ہیں۔ وہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

''یہ اُس انتظام کا ذکر ہے جو اپنی ہدایت سے خلق کو بہرہ یاب کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا' سے یہاں بنی اسماعیل یا بالفاظ دیگر امیین عرب' من حیث الجماعت مراد ہیں جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے اپنا وہ آخری رسول ﷺ بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا جس کے ذریعے سے خلق کو آخری اور کامل شریعت ملنے والی تھی۔ فرمایا کہ ہم نے اپنے بندوں میں سے ایک دوسرے گروہ کو چنا اور اس کو اپنی کتاب کا وارث بنایا۔ ''وارث بنایا'' کے الفاظ اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس سے پہلے جو لوگ کتاب الٰہی کے وارث بنائے گئے تھے (یعنی بنی اسرائیل) ان سے یہ امانت چھینی اور ایک دوسرے گروہ کو جس کو اس شرف کیلئے منتخب کیا' یعنی بنی اسرائیل کو یہ امانت بخشی۔

'فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ'' لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ'' سَابِقٌ'' بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ' یہ من حیث الافراد ان کا وہ رویہ بیان ہوا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے جواب میں اختیار کیا۔ فرمایا کہ ان میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے ہیں یعنی اپنا ایڑی چوٹی کا زور اس کی مخالفت میں صرف کر رہے ہیں۔ نہ خود اس کو قبول کرنے کیلئے تیار ہیں نہ کسی دوسرے ہی کو قبول کرنے دینا چاہتے ہیں۔ سورۂ نساء کی مذکورہ بالا آیت میں اسی گروہ کا ذکر وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ' کے الفاظ سے ہوا ہے یعنی خود بھی اس سے اعراض کیے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی اس سے روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ امر

واضح رہے کہ لفظ صدؔ رُکنے اور روکنے دونوں معنوں میں آتا ہے۔اسی گروہ کو یہاں ظَالِم '' لِنفسِہٖ ' کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔یعنی یہ اپنی اس مخالفت سے اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں کہ اپنے لیے خدا کے سب سے بڑے فضل سے محرومی اور جہنم کے عذاب کا سامان کر رہے ہیں ورنہ جہاں تک خدا کے دین کا تعلق ہے اس کو ان کی مخالفت سے کوئی گزند پہنچنے والا نہیں ہے۔لفظ ''ظلم'' سے قرآن مجید میں بالعموم شرک کو تعبیر کیا گیا ہے۔سورۂ صافات میں ہے: ''وَمِن ذُرِّیَّتِهِمَا مُحسِن '' وَّ ظَالِم '' لِّنفسِهٖ مُبِین '' (113)''(اور ان دونوں (ابراہیم و اسحاق) کی ذریت میں نیکوکار بھی ہیں اور اپنی جانوں پر کھلا ہوا ظلم ڈھانے والے بھی) مفسرین نے عام طور پر '' اَلَّذِینَ اصطَفَینَا مِن عِبَادِنَا'' سے امت مسلمہ کو مراد لیا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ بھی، معلوم نہیں، کس طرح نکال لیا ہے کہ یہ ظالمین بھی بخش دیئے جائیں گے۔ہم نے آیت کا صحیح موقع و محل معین کر دیا ہے اس درجہ سے اس خیال کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ہماری تائید میں حضرت ابنِ عباسؓ اور مجاہد سے روایات بھی ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو تفسیر ابن کثیر یا تفسیر ابن جریر میں دیکھ لیجئے۔ ان بزرگ مفسرین نے ان لوگوں کو مراد لیا ہے جن کا ذکر سورۂ واقعہ میں ''أَصحَابُ المَشئَمَة'' سے ہوا ہے۔

وَمِنهُم مُقتَصِد'' ۔یہ دوسرے گروہ کا ذکر ہے۔ مقصد میانہ رو کو کہتے ہیں۔یعنی یہ لوگ مخالفت تو نہیں کرتے ہیں لیکن آگے بڑھ کر اس دعوتِ حق کی حمایت کا حوصلہ بھی نہیں کرتے۔ان کا مخالفت نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو اس دعوتِ حق ہونے کا احساس ہے لیکن یہ احساس اتنا قوی نہیں ہے کہ وہ تمام پیش و عقب سے بالکل بے پروا ہو کر اس کی حمایت کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔قرآن نے ان کیلئے یہ لفظ استعمال کر کے فی الجملہ ان کے متعلق یہ امید دلائی ہے کہ یہ لوگ پہلے گروہ (ظَالِم '' لِّنفسِہٖ) کی طرح اس نعمت سے محروم رہنے والے نہیں ہیں بلکہ دیر سویر ان کا تردد رفع ہو جائے گا اور اللہ نے چاہا تو یہ اس دعوت کے پُر زور حامیوں میں بن جائیں گے۔

''وَمِنهُم سَابِق'' بِالخَیرَاتِ''۔یہ تیسرے گروہ کا ذکر ہے۔یہ لوگ ہیں جن کے اندر حق کا شعور اتنا قوی ہوتا ہے کہ ہر دعوتِ حق ان کو فوراً اپیل کرتی ہے اور ان کی قوتِ ارادی اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ جب ان کو کوئی چیز اپیل کر لیتی ہے تو اس کی خاطر راہ کے تمام عقبات ایک ہی جست میں پار کر جاتے ہیں اور اس کی حمایت یا مدافعت میں کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی

دریغ نہیں کرتے بلکہ تمام رکاوٹوں کا پوری دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے نیکی اور بھلائی کے ہر میدان میں گوئے سبقت لے جانے کیلئے سردھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ یہ اشارہ اسلام کے سابقون اوّلون کی طرف ہے جن کے سرخیل سیّدنا ابوبکر صدیقؓ تھے۔

اس گروہ کی سبقت بالخیر کے ساتھ **بِاِذْنِ اللّٰهِ** کی قید اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اس رتبہٗ بلند کی سرفرازی ہر ایک کا حصہ نہیں ہے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہے یہ رتبہ بخشتا ہے۔ یہ اس سنتِ الٰہی کا حوالہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں تقدم اور تاخر کیلئے مقرر کر رکھی ہے۔

ذٰلِكَ هُوَالْفَضْلُ الْكَبِيرُ"۔ یہ مذکورہ آیت کا آخری ٹکڑا ہے اور یہ اس مرتبہٗ بلند کا بیان ہے جو ان سابقون بالخیرات کو حاصل ہوگا۔ اور اس میں نہایت بلیغ انداز میں مقتصدین کے لیے دعوت بھی ہے کہ ابھی موقع ہے کہ وہ بھی اس فضل کبیر میں حصہ دار بننے کیلئے قسمت آزمائی کر سکتے ہیں، تو وہ تذبذب کو چھوڑیں اور ہمت کر کے آگے بڑھیں۔

جمہور مفسرین کی متفقہ' علیہ تعبیر (کہ امت مسلمہ کے مذکورہ تینوں گروہ جنتی ہیں) کے خلاف مولانا امین احسن اصلاحی کا یہ دعویٰ بھی اب قارئین کرام کی نظر سے گزر چکا ہے کہ ابن کثیر اور ابن جریر وغیرہ بھی اُن کے نظریہ کی تائید کر سکتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر ابن کثیر سے بھی براہ راست استفادہ کر لیا جائے۔ (جس سے انشاء اللہ مولانا اصلاحی کا یہ انتہائی دعویٰ کلیتًا باطل ہو جائے گا) چنانچہ حافظ ابن کثیر مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس کتاب یعنی قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے چنیدہ بندوں کے ہاتھوں میں دیا۔ یعنی اس اُمت کے چنیدہ بندوں کے ہاتھوں میں دیا پھر ان میں تین قسم کے لوگ ہو گئے۔ بعض تو ذرا کچھ آگے پیچھے ہو گئے۔ وہ ظالم نفوس کہلائے۔ ان سے کچھ غیر مناسب کام بھی سرزد ہو گئے۔ بعض درمیانہ درجہ کے رہے۔ جنہوں نے محرمات سے اجتناب کیا۔ واجبات بجالاتے رہے۔ لیکن کبھی کبھی کوئی مستحب کام ان سے چھوٹ بھی گیا اور کبھی کوئی ہلکی سی نافرمانی بھی سرزد ہوگئی۔ بعض درجوں میں بہت ہی آگے نکل گئے۔ واجبات کے ساتھ مستحبات کو بھی انہوں نے نہ چھوڑا اور محرمات چھوڑ کر مکروہات سے یکسر الگ رہے۔ بلکہ بعض مرتبہ مباح چیزوں کو بھی ڈر کر چھوڑ دیا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پسندیدہ بندوں سے مراد اُمت محمدیہؐ ہے۔ جو اللہ کی ہر کتاب کی وارث بنائی گئی ہے۔ ان میں جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ انہیں بخشا جائے گا۔ اور ان میں جو درمیانہ لوگ ہیں، ان سے آسانی سے حساب لیا جائے گا اور ان میں جو نیکیوں میں بڑھ جانے والے ہیں

انہیں بے حساب جنت میں پہنچایا جائے گا۔

طبرانی میں ہے حضورؐ نے فرمایا' میری شفاعت میری اُمت کے کبیرہ گناہوں والوں کیلئے ہے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں' سابق بالخیرات لوگ تو بغیر حساب کتاب کے داخل جنت ہوں گے اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے اور اصحاب اُعراف محمد ﷺ کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔ الغرض اس اُمت کے ہلکے گنہگار بھی اللہ کے پسندیدہ بندوں میں داخل ہیں۔ فالحمدللہ۔ گو اکثر سلف کا قول یہی ہے۔ لیکن بعض سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ لوگ نہ تو اس امت میں داخل ہیں اور نہ چنیدہ اور پسندیدہ ہیں۔ نہ وارثین کتاب ہیں۔ بلکہ مراد اس سے کافر منافق اور بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے والے لوگ ہیں۔ پس یہ قسمیں وہی ہیں' جن کا بیان سورۂ واقعہ کے اوّل وآخر میں ہے۔ یعنی یہ جو تین اقسام گنائی گئی ہیں یہ برگزیدہ بندوں کی نہیں' بلکہ بندوں کی ہیں۔ یعنی عِبَادِ نَا کی۔ کہ کن کن قسموں کے ہوتے ہیں۔ لیکن قول یہی صحیح ہے کہ یہ اسی امت میں ہیں۔

امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ حدیثوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ یہ تینوں گویا ایک ہیں اور تینوں ہی جنتی ہیں (مسند احمد)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اور اس کے راویوں میں ایک راوی ہیں' جن کا نام مذکور نہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس امت میں ہونے کے اعتبار سے اور اس اعتبار سے کہ وہ جنتی ہیں' گویا ایک ہی ہیں۔ ہاں مرتبوں میں فرق ہونا لازمی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا' سابقین تو بے حساب جنت میں جائیں گے۔ اور درمیانہ لوگوں سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا۔ اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے طول محشر میں روکے جائیں گے۔ پھر خدا کی رحمت سے تلافی ہو جائے گی۔ اور یہ کہیں گے خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم سے غم ورنج دور کر دیا۔ ہمارا رب بڑا ہی غفور وشکور ہے۔ جس نے اپنے فضل وکرم سے رہائش کی ایسی جگہ عطا فرمائی' جہاں ہمیں کوئی دکھ درد نہیں (مسند احمد)۔ ابن ابی حاتم کی اس روایت میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی ہے۔ ابن جریر نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں ہے کہ حضرت ابو ثابت مسجد میں آتے ہیں اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدایا میری وحشت کا انیس میرے لئے مہیا کر دے اور میری غربت پر رحم کر اور مجھے کوئی اچھا رفیق عطا فرما۔ یہ سُن کر صحابی ان کی طرف

متوجہ ہوتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ میں تیرا ساتھی ہوں۔ سُن میں تجھے آج وہ حدیثِ رسولؐ سناتا ہوں۔ جسے میں نے آج تک کسی کو نہیں سنایا۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا **سابِق** "**بِالْخَیراتِ** تو جنت میں بے حساب جائیں گے۔ اور **مُقتَصِد** "لوگوں سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا اور **ظَالِم** "**لِنَفسِہٖ** لوگوں کو اس مکان میں غم و رنج پہنچے گا۔ جس سے نجات پا کر کہیں گے خدا کا شکر ہے، جس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا۔

تیسری حدیث میں ہے کہ حضورﷺ نے ان تینوں کی نسبت فرمایا کہ یہ سب اسی اُمت سے ہیں۔

چوتھی حدیث میں ہے، میری اُمت کے تین حصے ہیں ایک بے حساب و بے عذاب جنت میں جانے والا۔ دوسرا آسانی سے حساب لیا جانے والا، اور پھر بہشت نشیں ہونے والا۔ تیسری وہ جماعت ہوگی، جن سے باز پرس تو ہوگی لیکن پھر فرشتے حاضر ہو کر کہیں گے کہ ہم نے انہیں **لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ** کہتے ہوئے پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، سچ ہے میرے سوا کوئی معبود نہیں اچھا میں نے ان کے اس قول کی وجہ سے چھوڑا۔ جاؤ انہیں جنت میں لے جاؤ۔ اور ان کی خطائیں جہنمیوں پر لاد دو۔ اسی کا ذکر آیت **وَلَیَحمِلُنَّ مَعَ اَثقَالِھِم** میں ہے۔ یعنی وہ ان کے بوجھ اپنے بوجھ کے ساتھ اُٹھائیں گے۔ اس کی تصدیق اس میں ہے جس میں فرشتوں کا ذکر ہے۔

ابن کثیر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جنہیں وارثین کتاب بنایا، ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تین قسمیں بتائی ہیں کہ اس امت کی قیامت کے دن تین جماعتیں ہوں گی۔ ایک بے حساب جنت میں جانے والی، ایک آسانی سے حساب لئے جانے والی۔ ایک گنہگار جس کی نسبت خدا تعالیٰ دریافت فرمائے گا۔ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ کون ہیں؟ فرشتے کہیں گے خدایا ان کے بڑے بڑے گناہ ہیں۔ لیکن انہوں نے کبھی بھی تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ رب عزّ و جل فرمائے گا، انہیں میری رحمت میں داخل کر دو۔ پھر حضرت عبداللہ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی (ابن جریر)

دوسرا اثر حضرت عائشہؓ سے ہے۔ اس آیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ فرماتی ہیں، بیٹا! یہ سب جنتی لوگ ہیں **سَابِق** "**بِالخَیراتِ** تو وہ ہیں جو رسول اللہﷺ کے زمانے میں تھے۔ جنہیں خود آپ نے جنت کی بشارت دی۔ **مُقتَصِد** "وہ ہیں جنہوں نے آپ

کی پیروی کی۔ یہاں تک کہ ان سے مل گئے۔اور ظَالِم "لِنَفسِہٖ مجھ تجھ جیسے ہیں۔(ابوداؤد طیالسی) خیال فرمائیے کہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باوجود یہ کہ سَابِق "بِالخَیرَاتِ میں سے' بلکہ ان میں بھی بہترین درجے والوں میں سے ہیں۔لیکن کس طرح اپنے آپ کو متواضع بناتی ہیں۔حالانکہ حدیث میں آچکا ہے کہ تمام عورتوں پر ام المومنین حضرت عائشہؓ کو وہی فضیلت ہے جو فضیلت ثرید کو ہر قسم کے کھانوں پر ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ظَالِم "لِنَفسِہٖ تو ہمارے بدوی لوگ ہیں۔اور مُقتَصِد" ہمارے شہری لوگ ہیں اور سَابِق " ہمارے مجاہد ہیں۔(ابن ابی حاتم)۔حضرت کعب حبارؒ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کے لوگ اسی اُمت میں سے ہیں اور سب جنتی ہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسم کے لوگوں کے ذکر کے بعد جنت کا ذکر کر کے پھر فرمایا ہے وَالَّذِینَ کَفَرُوالَھُم نَارُ جَھَنَّمَ۔پس یہ لوگ دوزخی ہیں(ابن جریر) حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کعبؓ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا' تو آپ نے فرمایا' کعب کے رب کی قسم یہ سب ایک ہی زمرے میں ہیں۔ہاں اعمال کے مطابق ان کے درجات کم و بیش ہیں۔ ابو اسحٰق سبیعی بھی اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ تینوں جماعتیں ناجی ہیں۔محمد بن حنفیہؒ فرماتے ہیں یہ اُمت مرحومہ ہے ان کے گنہگاروں کو بخش دیا جائے گا اور ان کے مقتصد خدا کے پاس جنت میں ہوں گے۔اور ان کے سابق بلند درجوں میں ہوں گے۔محمد بن علی باقرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں جن لوگوں کو ظَالِم "لِنَفسِہٖ کہا گیا ہے۔یہ وہ لوگ ہیں' جنہوں نے گناہ بھی کئے تھے اور نیکیاں بھی۔

ان احادیث اور آثار کو سامنے رکھ کر یہ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس آیت میں عموم ہے اور اس اُمت کی ان تینوں قسموں کو یہ شامل ہے۔پس علماء اس نعمت کے ساتھ سب سے زیادہ رشک کے قابل ہیں اور اس رحمت کے زیادہ حقدار ہیں۔جیسے کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص مدینے سے دمشق میں حضرت ابوداؤدؓ کے پاس جاتا ہے اور آپ سے ملاقات کرتا ہے تو آپ دریافت فرماتے ہیں کہ پیارے بھائی یہاں کیسے آنا ہوا؟ وہ کہتے ہیں اس حدیث کو سننے کیلئے آیا ہوں۔جو آپ بیان کیا کرتے ہیں۔پوچھا کیا کسی تجارت کی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا کہ نہیں۔پوچھا پھر کوئی اور مطلب بھی ہوگا؟ فرمایا کوئی مقصد نہیں۔پوچھا پھر کیا حدیث کی طلب کیلئے یہ سفر کیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔فرمایا سنو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔جو شخص علم

کی تلاش میں کسی راستے کو طے کرے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے باغوں میں چلائے گا۔ خدا کی رحمت کے فرشتے طالب علموں کے راستے میں اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اُن سے بہت ہی خوش ہوتے ہیں۔ اور ان کی خوشی کے خواہاں ہیں۔ عالم کیلئے آسمان وزمین کی ہر چیز استغفار کرتی ہے۔ یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی' عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی چاند کی فضیلت تاروں پر۔ علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم السّلام نے اپنے ورثے میں درہم و دینار نہیں چھوڑے۔ ان کا ورثہ علم دین ہے۔ جس نے اسے لیا اس نے بڑی دولت حاصل کر لی (ابوداؤد ترمذی وغیرہ)۔ اس حدیث کے تمام طریق اور الفاظ اور شرح میں نے صحیح بخاری کتاب العلم سے لئے ہیں فالحمد للہ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علماء سے فرمائے گا' میں نے اپنا علم وحکمت تمہیں اس لئے ہی دیا تھا کہ میں تمہیں بخش دوں۔ گو تم کیسے ہی ہو۔ مجھے اس کی کچھ پرواہی نہیں۔

آخر میں ہم اس آیت مبارکہ کی وہ عظیم الشان تفسیر نقل کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں جو صاحب تفسیر مظہری عارفِ ربانی مولانا قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے فرمائی ہے۔ آپ کہتے ہیں:

ثُمَّ اَورَثنَا الكِتٰبَ الَّذِينَ اصطَفَينَا مِن عِبَادِنَا پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھ میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے تمام بندوں میں سے منتخب کرلیا۔

اِرث کا معنی ہے کسی کے پاس سے ایک چیز کا دوسرے کے پاس منتقل ہو جانا۔ **اَورَثنَا** کا ترجمہ **اَخَّرنَا** بھی کیا گیا ہے اسی معنی کے لحاظ سے میراث کو میراث کہتے ہیں اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ گذشتہ امتوں سے اس قرآن کو مؤخر کر دیا اور اپنے منتخب بندوں کو دیا **مِن عِبَادِنَا** میں **مِن تبعيضيه** اور **عِبَادِنَا** میں اضافت عباد کی عزت و عظمت کو ظاہر کر رہی ہے۔

عباد سے مراد ہیں صحابہ کرام اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے علماءِ امت۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک پوری امت اسلامیہ مراد ہے۔ اللہ نے امت کو امت وسط بنایا اور تمام امتوں پر برتری عطا فرمائی ہے۔ یہی سب لوگوں پر شہادت دینے والی ہے اور سیّد الانبیاء کو مبعوث فرما کر اس امت کو یہ شرف عنایت کیا۔

فَمِنهُم ظَالِم'' لِّنَفسِهٖ وَمِنهُم مُّقتَصِد'' وَمِنهُم سَابِق''

بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط سو ان میں سے کچھ تو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ ان میں متوسط درجہ کے ہیں اور کچھ ان میں ایسے ہیں جو خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔

ظَالِم" لِنَفْسِہٖ ۔یعنی عمل میں کوتاہی کرنے والے بعض علماء کا قول ہے کہ مقتصد وہ لوگ ہیں جو اکثر قرآن کے موافق عمل کرتے ہیں اور سابق بالخیرات وہ ہیں جو عمل بھی کرتے ہیں اور دوسروں کو تعلیم بھی دیتے اور ہدایت بھی کرتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید کی روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ سب (تینوں قسم کے لوگ) اسی امت کے ہوں گے بیہقی نے بھی یہ حدیث حضرت اسامہ کی روایت سے بیان کی ہے' اسی طرح کعب وعطاء کی روایت سے بیان کیا ہے کہ تینوں قسمیں جنت میں جائیں گی۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول اس آیت کی تشریح میں نقل کیا ہے کہ یہ سب امت محمدیہؐ ہوگی' اللہ نے جو کتاب بھی نازل فرمائی سب کا وارث اس امت کو بنایا ان میں سے جو لوگ ظالم لِنفسہٖ ہیں ان کی مغفرت کردی جائے گی جو لوگ مقتصد ہیں ان کا ہلکا سا حساب ہو جائے گا اور جو لوگ سابق ہیں وہ بلا حساب جنت میں چلے جائیں گے۔

امام احمد' ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ اس آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ سب لوگ بمنزلۂ ایک جماعت کے ہونگے اور سب جنت میں جائیں گے۔فریابی نے حضرت براء بن عازب کا قول بیان کیا ہے حضرت براء نے آیت **فمنهم ظالم لنفسه الخ** کی تشریح میں فرمایا: میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ان سب کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

ابن ابی عاصم اور اصبہانی نے حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ بندوں کو اٹھائے گا پھر علماء کو الگ کرکے فرمائے گا اے گروہِ علماء میں نے تمھارے اندر علم اس لیے رکھا تھا کہ میں تم کو جانتا تھا (تم کو جانے بغیر میں نے تم کو عالم نہیں بنایا تھا) اور نہ اپنا علم تمہارے اندر اس لیے رکھا کہ (علم دینے کے بعد) پھر تم کو عذاب دوں۔جاؤ میں نے تم کو بخش دیا۔

طبرانی نے ثقہ راویوں کے سلسلہ سے حضرت ثعلبہ بن حکم کی روایت سے بیان کیا کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ جب اپنی کرسی پر اپنے بندوں کے فیصلہ کیلئے بیٹھے گا تو علماء سے فرمائے گا میں نے تم کو اپنا علم اور حکم صرف اس لیے دیا تھا کہ تمہاری مغفرت کرنا چاہتا تھا جو عمل بھی تم سے صادر ہوا' سو ہوا' (سب کو میں نے بخش دیا) اور مجھے پروا نہیں۔

ابن عساکر نے ابو عمر صنعانی حفص بن میسرہ کی روایت نقل کی ہے کہ قیامت کا دن ہو گا تو علماء کو الگ کر دیا جائے گا' جب اللہ حساب فہمی کر چکے گا تو علماء سے فرمائے گا میں نے اپنی حکمت تمہارے اندر رکھی تھی وہ ایک بھلائی کیلئے رکھی تھی جو آج میں تم سے کرنا چاہتا ہوں تم سے جو کچھ بھی ہوا ہوا اس کے باوجود تم جنت میں چلے جاؤ۔

عقبہ بن صہبان کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہؓ سے آیت **أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا** کے متعلق دریافت کیا ام المؤمنین نے فرمایا میرے بیٹے یہ سب جنت میں جائیں گے۔ سابق بالخیرات تو وہ تھے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں گذر گئے حضور نے ان کیلئے جنت کی شہادت دے دی تھی اور مقتصد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ کے نشانِ قدم پر چل کر آپ سے جا ملے اور ظالم لنفسہٖ مجھ جیسے اور تم جیسے لوگ ہیں' ام المؤمنین نے اپنے آپ کو بھی ہمارے ساتھ شامل کر دیا۔

میں کہتا ہوں تینوں قسمیں اگر اکابر امت اسلامیہ کی قرار دی جائیں تب بھی ممکن ہے یعنی تینوں اقسام اولیاء امت ہی کے مانے جائیں' پہلی قسم ظالم لنفسہٖ کی ہے یہ وہ گروہ ہے جو اپنے نفوس کو لذتوں سے تو محروم کر ہی دیتا ہے جائز حقوق سے بھی محروم کر دیتا ہے یہ وہ اہلِ رہبانیت ہیں جو سخت ریاضتیں اور مجاہدے کرتے ہیں اور یہ رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر رکھی ہے دوسرا گروہ اہلِ اقتصاد کا ہے جو لذتوں (میں ڈوبنے) سے تو اپنے نفوس کو روکتا ہے لیکن حقوقِ نفوس ضرور دیتا ہے روزہ بھی رکھتا ہے ناغہ بھی کرتا ہے' نماز بھی پڑھتا ہے سوتا بھی ہے نکاح بھی کرتا ہے اور جائز چیزیں کھاتا پیتا بھی ہے غرض پورے طور پر اتباع سنت کرتا ہے یہ وہی گروہ ہے جس کے متعلق حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے نشانِ قدم پر چلتا ہے یہاں تک کہ آپ سے جا ملتا ہے تیسرا گروہ سابق بالخیرات کا ہے جو کمالاتِ نبوت میں ڈوبا ہوتا ہے یہ گروہ صحابہ کا اور صدیقوں کا ہے حضرت عائشہؓ نے ظالم لنفسہٖ گروہ میں اپنے آپ کو محض انکسار کے طور پر شامل کیا اور مخاطب جیسے لوگوں کو اس گروہ میں اس لیے شامل کیا کہ وہ لوگ سخت ریاضتیں کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ احادیث مبارکہ سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ تینوں قسمیں (جن کا ذکر آیت

میں کیا گیا ہے) اس امت کی ہیں یا علماء کی ہیں۔ اس تفصیل کے بعد بھی جو شخص کہتا ہے کہ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ" لِّنَفۡسِهٖ سے مراد کافر یا منافق ہیں اس کا قول واجب الرد اور نا قابلِ قبول ہے۔ (جیسا کہ صاحب تدبر قرآن کا نکتۂ نگاہ پہلے دیا جا چکا ہے)۔ امام ابو یوسف سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا یہ سب مومن ہیں۔ رہے کفار تو ان کی حالت اگلی آیت وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ نَارُ جَهَنَّمَ الخ میں بیان فرمائی ہے' تینوں طبقات مومنوں کے ہوں گے' اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے منتخب بندوں کے تین طبقات ذکر فرمائے ہیں تینوں جگہ منہم منہم منہم میں ضمیریں منتخب کردہ بندوں ہی کی طرف راجع ہیں جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ سابق بالخیرات کو سب سے آخر میں اور ظالم لنفسہٖ کو پہلے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ظالمین کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور سابقین کی تعداد بہت کم اور مقتصدین کی تعداد متوسط ہے یا یوں کہا جائے کہ اپنے اوپر ظلم یعنی خواہشات نفس کی طرف جھکاؤ پیدائشی اور فطری ہوتا ہے۔ باقی دونوں اُمور یعنی اقتصاد اور سبقت بالخیرات عارضی ہیں اور اقتصاد کا درجہ پھر بھی کسی قدر توسط کا ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ۝ یہی (اللہ کا) بڑا فضل ہے یعنی کتاب کا وارث بنانا' یا بندوں کو منتخب کر لینا' بڑی مہربانی ہے۔

۲۸۔ اَلۡفُقَرَآء (دنیاوی عیش و آرام سے بے نیاز)

اَلۡفَقۡرُ کا لفظ کئی طرح سے استعمال ہوتا ہے (۱) زندگی کی بنیادی ضروریات کا نہ پایا جانا۔ اس اعتبار سے انسان کیا' کائنات کی ہر شے فقیر (محتاج) ہے۔ چنانچہ اس معنی میں فرمایا گیا:

۝ لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا ۔۔۔۔ مِنَ التَّعَفُّفِ (2۔البقرۃ:273) جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے' جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے۔ نادان لوگ ان کی بے نیازی (بے سوالی رویہ) کی وجہ سے انہیں مالدار خیال کرتے ہیں"۔ (یعنی ایسے لوگوں کی خدمت میں بڑا ثواب ہے جو اللہ کی راہ اور دین کے کام میں مقید ہو کر چلنے پھرنے' کھانے کمانے سے رُک رہے ہیں اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے جیسے حضور ﷺ کے اصحاب صُفّہ تھے۔ اہل صفہ نے گھر بار چھوڑ کر حضور ﷺ کی صحبت اختیار کی تھی علم دین سیکھنے کو اور مفسدین فتنہ پردازوں کے خلاف جہاد کرنے کو اپنا مقصد زندگی بنا رکھا تھا۔ اسی طرح اب بھی جو کوئی قرآن حفظ کیلئے' دینی تعلیم کیلئے' رشد و

ھدایت کی سرگرمیوں میں مشغول ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد کریں اور چہروں سے اُن کو پہچاننے کا مطلب یہ ہے کہ اکثر عسرت و افلاس انسانوں کے چہروں سے عیاں ہو جاتے ہیں لیکن ایسے لوگ کسی سے سوال کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ گویا اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ فقر و افلاس کے باوجود تعفف (سوال سے بچنا) اختیار کرتے ہیں۔ ان کی یہ صفت بھی بیان کی جاتی ہے کہ وہ عزتِ نفس اور عفت و خودداری کے باعث الحاح وزاری نہیں کرتے۔ بعض احادیث میں کہا گیا ہے کہ مسکین وہ نہیں جو در در پر جا کر سوال کرتا ہے، مسکین تو وہ ہے جو سوال سے بچتا ہے۔ لہٰذا ضرورت مند سفید پوشوں کی تلاش مومن مالداروں کو خود کرنی چاہیے۔

○ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبۡدًا مَّمۡلُوۡكًا لَّا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّمَنۡ رَّزَقۡنٰهُ مِنَّا رِزۡقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنۡفِقُ مِنۡهُ سِرًّا وَّجَهۡرًا۔ هَلۡ يَسۡتَوٗنَ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ۔ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ (16۔النحل:75) بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال (وہ یہ کہ) ایک بندہ ہے جو مملوک (غلام) ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور (اس کے مقابلے میں) ایک وہ بندہ ہے جسے ہم نے رزق دیا اپنی جناب پاک سے رزقِ حسن پس وہ خرچ کرتا ہے اس سے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر (اب تم ہی بتاؤ) کیا یہ برابر ہیں؟ الحمد للہ! (حقیقت حال واضح ہو گئی) بلکہ ان میں سے اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے''۔

اس سے پہلے دی گئی آیت میں دولتِ دنیا اور مال و منال کا ذکر تھا اور ایسے افراد کا ذکر تھا، جو بوجوہ اس مال و منال سے محروم ہونے کے باوجود اس کی کوئی حرص و طمع نہیں رکھتے اور دستِ سوال دراز نہیں کرتے اور ان کی اسی بے نیازی کے سبب ناواقف لوگ انہیں اغنیا میں شمار کر لیتے ہیں۔ پیش نظر جو آیت ہے اس میں ظاہری اور باطنی نعمتوں (رِزۡقًا حَسَنًا) کی مثال بیان کی گئی ہے۔

صاحب ضیاء القرآن جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں:

اس آیت سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے سب بندے ایک ہی حیثیت کے نہیں۔ بعض وہ ہیں جو زر خرید غلام کی طرح بے بس، بے اختیار، مفلس و نادار اور مادی اعتبار سے بے فیض ہیں۔ نہ اُن کے پاس کچھ ہے اور نہ وہ کسی کو کچھ دے سکتے ہیں لیکن بعض

وہ مقبول ومحبوب بندے بھی ہیں جو من رزقناہ منا رزقاً حسناً کی عنایت سے بہرہ ور ہیں اور فھو ینفق منه سِرّاً و جھراً کی شانِ رفیع کے حامل ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے خزانوں سے انہیں مالا مال فرما دیا ہے۔ ظاہری اور باطنی نعمتوں سے ان کا دامن بھر دیا ہے۔ علمی اور روحانی فتوحات کی ان پر موسلا دھار بارش کی ہے۔ ''منّا'' (اپنی جنابِ خاص سے) اور ''رزقاً حسناً'' کے الفاظ میں آپ جتنا غور کریں گے ان مواہبِ ربّانی اور عطیاتِ خداوندی کی نفاست وعمدگی اور کثرت وفراوانی کی حقیقت کھلتی جائیگی۔ جن محبوبوں کو ان لامحدود عنایات سے سرفراز فرمایا گیا ہے انہیں ان کو خرچ کرنے کی بھی ہمت مرحمت فرما دی ہے چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے خزانوں اور نعمتوں کو بڑی فیاضی اور دریا دلی سے محتاجوں' فقیروں اور سائلوں میں بانٹ رہے ہیں۔ نہ وہ خزانے ختم ہوتے ہیں اور نہ کریموں کے ہاتھ تھکتے ہیں۔ ان کے در پر مانگنے والوں کی بھیڑ لگی ہے۔ ہر کوئی اپنی ہمت' حوصلہ اور سمجھ کے مطابق مانگ رہا ہے اور اپنے ظرف کے مطابق لے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم' حبیب معظم' سرور عالم ﷺ کو کیا دیا۔ اس کی حقیقت کسی غیر سے نہ پوچھیئے کوئی کیا جانے خود اس رب کریم سے پوچھیئے کہ اے غنی جس کے قبضۂ اختیار میں زمین وآسمان کے سارے خزانے ہیں اے کریم جس کی جود وسخا کی ایک جھلک ''یرزق من یشاء بغیر حساب'' میں نظر آتی ہے جس کی صفت کمال صرف واھب (عطا فرمانے والا ہے) نہیں بلکہ ''انك انت الوھاب'' (بے اندازہ عطا فرمانے والا ہے) اے اکرم الاکرمین تو خود بتا کہ تو نے اپنے پیارے بندے محمد عربی ﷺ کو کیا دیا اور کتنا دیا تو جواب ملتا ہے انا اعطیناك الکوثر اے حبیب ہم نے آپ کو جو دیا بے انداز دیا۔ پھر ندا آتی ہے علمك مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیك عظیما یعنی اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

شاید اسی قسم کے ارشادات ربانی کو دیکھ کر شاہ اسمٰعیل صاحب دہلوی جیسے آدمی کو کتاب صراط مستقیم میں اسد اللہ الغالب سیّدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق لکھنا پڑا:

قطب وغوثیت وابدالیت وغیر ہا ہمہ از عہدِ کرامت مہد حضرت مرتضٰی تا انقراضِ دنیا ہمہ بواسطۂ ایشاں است ودر سلطنتِ سلاطین وامارتِ امراء ہم ہمت ایشاں را دخل است کہ بر سیّا

حینِ عالم ملکوت مخفی نیست۔ (صراط مستقیم صفحہ ۵۸ فخر المطابع)

ترجمہ: کہ حضرت مرتضٰی کے مبارک زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک قطبیت غوثیت ابدالیت اور دیگر مدراج ولایت سب آپ کے واسطہ سے عطا ہوتے ہیں۔ نیز بادشاہوں کی سلطنت اور امراء کی امارت میں بھی آپ کی ہمت کو بڑا دخل ہے اور یہ حقیقت عالم ملکوت کے سیاحوں پر مخفی نہیں۔

دوسری جگہ اولیائے کاملین کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''وہم چنیں اصحاب ایں مراتب عالیہ و ارباب ایں مناصبِ رفیعہ ماذون مطلق درتصرّف عالم مثال وشہادت می باشند۔ (صراط مستقیم صفحہ ۱۰۱ فخر المطابع) یعنی اسی طرح ان عالی مرتبت اولیاء کرام کو عالم مثال وشہادت میں تصرف کرنے کا مطلق اذن مرحمت ہو چکا ہے۔ **الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلوۃ و السلام علی حبیبہ شفیع المذنبین و اولیاء ملتہٖ الکاملین الی یوم الدین ربنا الحقنا معھم انک اکرم الاکرمین۔ آمین''۔**

چنانچہ فقر کی فضیلت تو یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''**اَللّٰھُمَّ اَحیِنِی مِسکیناً وَّاَمِتنِی مِسکِیناً وَّ احشُرنِی فِی زُمرَۃِ المَسٰکِینِ** ۔یعنی اے اللہ مجھے فقیری کی حالت میں زندہ رکھ اور فقیری کی حالت میں مار اور فقیروں کے زمرہ میں میرا حشر فرما''۔ نیز یہ فرمایا کہ اللہ عزوجل قیامت کے روز فرمائے گا: میرے دوستوں کو میرے پاس لاؤ۔ پس فرشتے کہیں گے۔ تیرے کون دوست ہیں؟ پس فرمائے گا اللہ عزوجل کہ وہ فقراء اور مساکین کی جماعت ہے''

o **وَلَا تَطرُدِ الَّذِینَ یَدعُونَ رَبَّھُم بِالغَدٰوۃِ وَالعَشِیِّ یُرِیدُونَ وَجھَہٗ ....فَتَکُونَ مِنَ الظّٰلِمِینَ (6۔الانعام:52)** آپ ان لوگوں کو فراموش نہ کریں جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں اور صرف اُسی کی رضا کے متلاشی ہیں ..... نہیں ان کے حساب سے کوئی چیز اور نہ آپ کے حساب سے اُن پر کوئی چیز ہے تو پھر بھی اگر آپ انہیں دور ہٹائیں تو ہو جائیں گے آپ بے انصافی کرنے والوں سے''۔ (جسٹس پیر کرم شاہ الازہری ضیاء القرآن میں اس آیت کی تفسیر اس طرح سے فرماتے ہیں: حضرت بلال، عمار بن یاسر، خبیب وغیرہ غریب و مسکین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر وقت شمع رسالت پر پروانہ وار نثار ہوتے رہتے تھے۔

کفار جو نسلی برتری کے قائل تھے انہیں ہرگز یہ گوارا نہ تھا کہ وہ ان غریبوں کے پاس بیٹھیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ حضور پر نورﷺ کی خدمت اقدس میں کہلوایا کہ ہم آپؐ کے پاس حاضر ہونا تو چاہتے ہیں لیکن آپ کے گرد گنواروں اور ناداروں کا ہجوم ہوتا ہے۔ اور ان کے ساتھ بیٹھنا ہمیں گوارا نہیں۔ اگر آپ ان کو اپنی مجلس سے اُٹھا دیں تو ہم حاضر ہو سکتے ہیں۔ حضورﷺ کے خاطر مبارکہ میں خیال گزر رہا تھا کہ فوراً جبریلؑ یہ حکم لے کر حاضر ہو گئے اور ساری دنیا کو بتا دیا کہ یہی وہ بارگاہِ بے کس پناہ ہے جہاں حاضر ہونے والوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ان کے زرق برق لباس اور ان کی دولت و ثروت کی بنا پر نہیں لگایا جاتا بلکہ ایمان و تقویٰ کی بنا پر لگایا جاتا ہے۔ **فتکون من الظالمین** کے الفاظ سے قیامت تک آنے والی امت کو بھی اس طرز عمل پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کر دی گئی۔ ''اگر آپ ایسا کریں تو آپ ظلم کا ارتکاب کریں گے'' پناہ بخدا کہ ایسا فعل حضور سرور عالمﷺ سے صادر ہو۔ یہ تو محض احکام الٰہی کا بیان ہے تاکہ حضورؐ کے علاوہ کسی فرزند اسلام سے بھی ایسی حرکت صادر نہ ہو)۔

○ **وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** (18۔الکھف:28) اور روکے رکھیئے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام طلب گار ہیں اس کی رضا کے اور نہ ہٹیں آپﷺ کی نگاہیں ان سے۔ کیا آپ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت''۔ (صاحب ضیاء القرآن اس آیت کی تفسیر بھی اپنے مرصع اندازِ بیان میں کچھ اس طرح سے فرماتے ہیں:

عیینہ بن حصن الفزاری جو قبیلہ مضر کا سردار تھا اسلام لانے سے پہلے ایک دفعہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ وہاں سلمان فارسی، ابوذر اور دیگر فقراء صحابہ نعمت دیدار حبیب سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ پسینے کی بُو اُونی جبّوں سے اُٹھ رہی تھی۔ عیینہ کہنے لگا کیا یہ بدبُو آپ کو تنگ نہیں کرتی۔ ہم قبیلہ مضر کے سردار ہیں۔ اگر ہم آپ کا دین قبول کر لیں تو سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ ہمارا آپ کے پاس آنے کو جی تو چاہتا ہے لیکن جب آتے ہیں تو

غلیظ اور بدبودار کپڑوں والے آپ کے اردگرد حلقہ بنائے ہوتے ہیں۔ انہیں یہاں سے اٹھادیں ہم آپ پر ایمان لانے کیلئے تیار ہیں یا ان کیلئے کسی الگ مجلس کا انتظام کریں۔ تاکہ ان کا تعفن ہمارے دماغوں کو پریشان نہ کرے۔ فوراً جبرئیل امین فرمانِ الٰہی لے کر نازل ہوگئے۔ **اصبر نفسك مع الذين الخ** اللہ تعالیٰ کو ان مغرور اور متکبر لوگوں کی ہم نشینی پسند نہیں۔ آپ ان کے لیے ان لوگوں کی صحبت ترک نہ کریں جن کی زندگی کا مقصد وحید صرف اپنے رب کریم کی رضا جوئی ہے جو صبح و شام بلکہ ہر لحہ اس کی یاد اور اس کی محبت میں محو رہتے ہیں۔ وہ تیری نگاہ کرم کے پیاسے ہیں۔ وہ تیری نظر محبت کے بھوکے ہیں جب تو ان کو ایک مرتبہ شفقت و محبت بھرے انداز سے دیکھ لیتا ہے تو یہ سب رنج و غم بھول جاتے ہیں۔ اے محبوب! ایسا نہ ہو کہ تیری نگاہِ عنایت ان سے پھر جائے۔ ان سے یہ صدمہ برداشت نہ ہوگا۔ **لاتعد عيناك عنهم** کے اس جملہ سے دلنوازی اور دلربائی کے جو انداز سکھائے جارہے ہیں ان کی کشش کسی درد کے مارے سے پوچھو وہ تمہیں بتائے گا کہ اس کی ساری خوشیاں اس کی نگاہِ کرم کے ایک گوشہ میں سمٹ کر آگئی ہیں۔ اسی ایک سہارے پر وہ ہجر کے صدمے اور جدائی کی طویل گھڑیاں خوشی خوشی گزار دیتے ہیں۔ اے دردِ محبت کے بیمارو! مژدہ باد! نگاہ حبیبؐ سے تم محروم نہیں ہوئے۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی نے کیا خوب لکھا ہے:

''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا فائدہ تو ان فقراء کو حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بارگاہِ الٰہی کے عشاق ہیں۔ اور حضور ﷺ انوارِ الٰہی کے لیے آئینہ اور اس کی تجلیات کیلئے عرش اور اس کے اسرار کا معدن اور اس کے انوار کا مشرق ہیں۔ صحابہ کرامؓ جب حضورؐ کے روئے زیبا کو دیکھتے تھے تو انہیں زندگی کا لطف حاصل ہوتا تھا اور جب حضور ﷺ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے تھے تو وہ رنجیدہ خاطر اور پریشان ہو جاتے تھے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اور لوگ جو ان فقراء کی صحبت سے مشرف ہوتے ہیں۔ اس صحبت کا فائدہ انہیں نصیب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والے وہ گروہ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں رہتا۔

لاتعد عيناك عنهم پر غور فرمائیے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ اپنی نگاہیں ان سے نہ پھیر لیں۔ کیوں کہ تعد مخاطب کا صیغہ نہیں بلکہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل حضور نہیں بلکہ عینك ہے اور تعد یہاں متعدی مستعمل نہیں بلکہ تصرف کے معنی میں لازمی ہے۔ مدّعا یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں اور اپنے غلاموں سے دانستہ اور قصداً تو نگاہ نہیں

پھیرتے لیکن کہیں بے دھیانی کے عالم میں نگاہیں نہ پھر جائیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

''حضورؐ نے زینتِ دنیا کا ارادہ نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ارادہ کرنے سے نہی فرمادی۔ یہ بعینہ اسی طرح ہے **لئن اشرکت** یعنی اگر آپ شرک کریں گے تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے حالانکہ شرک کا صدور حضورؐ سے محال ہے۔ بے خبر لوگ آپ کے سامنے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ ان غریب و مسکین لوگوں کو اپنی مجلس میں شرفیاب ہونے سے روک دیجئے تاکہ رؤسأ اور امراء آپ کے پاس بیٹھ سکیں۔ یہ لوگ ایسے نہیں کہ ان کی بات مانی جائے بلکہ ہم نے ان کے دلوں کو اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے۔ یہ عقل سلیم کے تقاضوں سے سراسر غافل ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ خوب و ناخوب، روا و ناروا، صحیح اور غلط کی تمیز ان میں نہیں۔

صاحبِ کشف المحجوب سیّد ہجویریؒ المعروف بہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مؤلف سیّد متین ہاشمی لکھتے ہیں: ''یہ فقیر غیور تھا جس کے حاملین صرف اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ صابرین کی جماعت تھی جس کا ہر فرد اپنی جگہ پر پہاڑ تھا۔ یہ لوگ رسم کے پجاری نہیں تھے۔ صحیح معنوں میں متوکلین تھے، انہوں نے موجودات سے منہ پھیر کر اپنی ہر طلب اور ہر خواہش کو رضائے الٰہی میں فنا کر دیا تھا۔ حضرت ہجویریؒ کے نزدیک فقیر (درویش) وہ ہے جو اسباب پر انحصار کرے نہ اسباب کو جمع کر کے رکھے۔ اسباب کا ہونا نہ ہونا اُس کی نظر میں برابر ہو۔ اس لئے کہ اس کی نظر اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ درویش جتنا تنگدرست ہوتا ہے اتنا ہی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے اس لئے کہ اس وقت اس پر اللہ تعالیٰ کی شانِ رزاقی کا اظہار ہوتا ہے۔ صوفی کو چاہیے کہ خود کو اپنے محبوب حقیقی کی محبت سے وابستہ رکھے۔ اور اسباب و علل کی زنجیروں سے آزاد رہے۔ فقیر کی عزت اسی میں ہے کہ وہ ہر اعتبار سے محفوظ الجوارح ہو یعنی اس کے جسم کا کوئی حصہ ضروریات کا احساس کر کے جادۂ صبر و انصاف سے انحراف نہ کرے۔ اگر فقر رسمی نہیں ہے یا ریاکاری کا شائبہ اس کے فقر میں نہیں ہے تو ایسا فقیر دنیا اور دولتِ دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے''۔

صاحب کشف المحجوب سیّدنا علی بن عثمان الہجویری، باب الفقر میں ایک حکایت بیان فرماتے ہیں: ایک بادشاہ نے ایک فقیر سے کہا کہ مجھ سے کچھ مانگ۔ فقیر نے کہا کہ میں اپنے

غلاموں سے کچھ نہیں مانگا کرتا۔ بادشاہ نے کہا یہ کیا بات ہوئی؟ فقیر نے کہا کہ میرے دو غلام ہیں جو تیرے آقا ہیں۔ ایک حرص اور دوسری امید' یعنی جب تو ان کا غلام ہے تو میں تجھ سے کیا مانگوں؟۔

o فَقَالَ رَبِّ اِنِّي لِمَآ اَنزَلتَ اِلَيَّ مِن خَيرٍ فَقِيرٌ" (28القصص:24)

عرض کی اے میرے ربّ! جو کچھ تو نے میری طرف بھلائی میں نازل کیا' میں اس کا محتاج ہوں جو تو میرے لئے اتارے۔'' صرف اللہ سے خیر فقیر کے طلب گار مقربانِ الٰہی کن حالات میں اور کیونکر ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے واقعہ میں اس کی نہایت عمدہ مثال سامنے آتی ہے جسے قرآن حکیم نے آیت مذکورہ میں بیان فرمایا۔ اس آیت کی تفسیر میں حافظ اسماعیل ابن کثیر لکھتے ہیں: فرعون اور فرعونیوں میں فتور دیکھ کر وہ نکل کھڑے ہوئے' اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیج کر آپؑ کو راستہ دکھایا۔ جنگلوں' بیابانوں سے ہوتے ہوئے آپ مدین پہنچ گئے۔ ایک کنوئیں کے پاس ببول کے درخت کے نیچے آپ آرام سے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں چرواہے وہاں آئے اور کنوئیں سے پانی کھینچ کر جانوروں کو پلانے لگے۔ اسی اثنا میں دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو پانی پلانے کیلئے لائیں لیکن چرواہوں نے اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے بعد بھاری پتھر اُٹھا کر کنوئیں کا منہ بند کر دیا اور لڑکیوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ' فرماتے ہیں کہ جس چٹان کو دس آدمی مل کر سرکا سکتے تھے حضرت موسیٰؑ نے تن تنہا ہٹا دیا' پانی کھینچا' ایک ڈول نکالا' جس میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی اور دونوں لڑکیوں کی بکریاں آسودہ ہو گئیں۔ اب آپ تھکے ہارے' بھوکے پیاسے' درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے۔ مصر سے مدین تک بھاگے دوڑے آئے تھے' پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ کھانے کو کچھ پاس نہیں تھا درختوں کے پتے اور گھاس پھوس کھاتے رہتے تھے۔ پیٹ پیٹھ سے لگ گیا تھا اور گھاس کا سبز رنگ باہر سے نظر آ رہا تھا۔ آدھی کھجور سے بھی آپ ترسے ہوئے تھے حالانکہ اس وقت ساری مخلوق سے زیادہ برگزیدہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ''۔ یہ وہ حالات تھے کہ جن سے دوچار ہو کر آپ علیہ السّلام نے وہ دعا فرمائی جسے قرآن نے دہرایا ہے''۔

فقراء کی فضیلت اور نبی ﷺ کی معاشرت

احادیثِ مبارکہ میں فقراء کی فضیلت اور خود حضور نبی ٔ مکرم ﷺ کی معاشرت کے بارے میں جو لاتعداد شہادتیں موجود ہیں اُن میں سے مُشتے نمونہ ازخروارے کے طور پر ایمان و تقویٰ کے قدردانوں کی روحوں کی تازگی کیلئے چند ایک نایاب موتی درج ذیل ہیں:

- حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے لوگ (ایسے) ہیں جو بے حد پریشان غبار آلود ہیں اور جنہیں دروازے سے دھکے دے کر نکالا جاتا ہے اگر وہ خدا کی قسم کھا بیٹھیں تو خدا اُن کی قسم پوری کر دیتا ہے۔ (مسلم)
- حضرت مصعبؓ بن سعد کہتے ہیں کہ سعد نے اپنی نسبت یہ گمان کیا کہ انہیں دوسروں پر فضیلت حاصل ہے رسول اللہ ﷺ نے ان کے گمان کو توڑنے کیلئے فرمایا تمہیں صرف غربا اور مساکین کی وجہ سے تمہارے (معاشرے کے) (دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں) مدد دی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (بخاری)
- حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا' جو لوگ جنت میں داخل ہوئے میں نے ان میں زیادہ تعداد غریبوں کی دیکھی اور دولت مندوں کو دیکھا کہ انہیں میدان قیامت میں روک لیا گیا ہے لیکن دوزخیوں (یعنی کافروں) کو دوزخ کی طرف لے جانے کا حکم دے دیا گیا پھر میں دوزخ کے دروازے پر کھڑا ہوا اور دیکھا کہ دوزخ میں جانیوالی زیادہ تعداد عورتوں میں سے تھی (بخاری مسلم)
- حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فقراء و مہاجرین کو قیامت کے دن دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (مسلم)
- حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے قریب سے گزرا آپ نے اُس شخص سے جو آپ کے پاس بیٹھا تھا پوچھا اس شخص کی نسبت (جو ابھی گزرا ہے) تمہاری کیا رائے ہے' اس نے عرض کیا یہ شخص شریف آدمیوں سے ہے اور خدا کی قسم اس قابل ہے کہ اگر کسی عورت کو نکاح کا پیام دے' تو اُس کے پیام کو قبول کیا جائے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو رہے۔ پھر ایک اور شخص آپ کے پاس سے

گزرا رسول اللہ ﷺ نے اُسی شخص سے پوچھا اور اس شخص کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ شخص مسلمان فقراء میں سے ہے یہ اس لائق ہے کہ اگر نکاح کا پیام دے تو اس کا پیام قبول نہ کیا جائے اور اُس کی سفارش کو قبول نہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا یہ شخص اُس جیسے دنیا بھر کے آدمیوں سے جس کی تو نے تعریف کی بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

- حضرت عائشہؓ کہتی ہیں محمد ﷺ کے اہلبیت نے کبھی دو روز مسلسل جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی۔ (بخاری و مسلم)
- حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت کھجور کے پٹھوں کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور چٹائی کے اوپر فرش نہ تھا۔ بوریئے نے حضور ﷺ کے پہلو پر نشان ڈال دیئے تھے اور آپ کے سرہانے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کا پوست بھرا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اللہ سے دعا فرمایئے کہ وہ آپ کی اُمت کو فراخی (خوش حالی) عطا فرمائے فارس اور روم کے لوگ خوش حال بنائے گئے ہیں۔ حالانکہ وہ عبادت نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا خطاب کے بیٹے! کیا تو بھی اسی خیال میں ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں اور ایک روایت میں ہے' کہ حضور ﷺ نے عمرؓ کے جواب میں یہ الفاظ فرمائے کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ انہیں دنیا ملے اور ہمیں آخرت۔ (بخاری و مسلم)
- حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے اصحاب صُفہ میں سے ستر آدمیوں کو دیکھا اُن میں کسی ایک شخص کے پاس بھی چادر نہ تھی صرف ایک تہ بند تھا یا ایک کملی جنہیں انہوں نے اپنی گردنوں میں باندھ رکھا تھا۔ اُن میں سے بعض تہ بند آدھی پنڈلیوں تک تھے اور بعض ٹخنوں تک (جس کا تہ بند اُنچا ہوتا وہ) اپنے تہ بند کو (نماز میں) ہاتھ سے پکڑ لیتا تا کہ وہ بے پردہ نہ ہو جائے۔
- حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے فقراء جنت میں دولتمندوں سے پانچ سو برس پہلے داخل ہوں گے' جو قیامت کا آدھا دن ہے (ترمذی)
- حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میری رضامندی کو اپنے ضعیفوں میں تلاش کرو (یعنی انہیں راضی رکھو) اس لئے کہ تمہیں تمہارے ضعیفوں ہی

کی بدولت رزق دیا جاتا ہے۔ اور دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

- حضرت اُمیہؓ بن خالد بن عبداللہ بن اسیدؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ فقراء مہاجرین کے ذریعہ اللہ سے (کفار پر) فتح حاصل ہونے کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ (شرح السنۃ)
- حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے دنیا مومن کا قید خانہ اور قحط ہے۔ جب وہ دنیا سے جدا ہوتا ہے۔ تو قید خانہ اور قحط سے نجات پاتا ہے۔ (شرح السنۃ)
- حضرت قتادہ بن نعمانؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے اسے دنیا سے بچاتا ہے جس طرح تم اپنے بیمار کو پانی سے بچاتے ہو۔ (احمد۔ ترمذی)
- حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں آپ سے محبت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا: ''سمجھو کیا کہتے ہو؟'' اس نے عرض کیا اللہ کی قسم میں آپ سے محبت رکھتا ہوں تین بار اسی طرح کہا آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو فقر کے لیے پاکھر تیار کرلو (پاکھر' اُس جھول کو کہتے ہیں جو لڑائی کے وقت گھوڑوں پر ڈالی جاتی ہے۔ یہاں مراد صبر ہے) اس لیے کہ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے اسے فقر و افلاس بہت جلد پہنچتا ہے' اس پانی سے بھی جلد جو اپنے منتہا کی طرف جاتا ہے۔ (ترمذی)
- حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ ہم مسجد (نبوی) میں بیٹھے ہوئے تھے اور فقراء مہاجرین کا حلقہ جما ہوا تھا کہ رسول ﷺ تشریف لے آئے اور فقراء و مہاجرین کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ میں اُٹھا اور فقراء اور مہاجرین کی طرف متوجہ ہو گیا نبی ﷺ نے فرمایا فقراء و مہاجرین کو وہ بشارت پہنچا دینی چاہیئے جو اُن کے چہروں کو شگفتہ کر دے (یعنی وہ خوش ہو جائیں اور وہ بشارت یہ ہے کہ) وہ جنت میں دولت مندوں سے چالیس برس پہلے داخل ہوں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا (یہ سن کر) فقراء مہاجرین کے چہروں کا رنگ روشن ہو گیا (یعنی ان پر تر و تازگی چھا گئی) عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ فقراء مہاجرین کو خوش پا کر میں نے اپنے دل میں یہ آرزو کی کہ

میں بھی ان کے ساتھ ہوتا یا ان میں سے ہوتا۔ (دارمی)

- حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میرے خلیلؐ (جانی دوست) نے مجھے سات باتوں کا حکم دیا مجھ کو یہ حکم دیا کہ میں مساکین سے محبت کروں اور ان سے قریب رہوں اور یہ حکم دیا کہ میں اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو دیکھوں اور بالاتر لوگوں کو نہ دیکھوں اور یہ حکم دیا کہ میں قرابتداروں سے ناتے بندی کو قائم رکھوں اگرچہ خود رشتہ دار ہی قرابت داری کو منقطع کر دیں اور یہ حکم دیا کہ میں کسی سے کوئی چیز نہ مانگوں اور یہ حکم دیا کہ میں سچی بات کہوں اگرچہ وہ تلخ ہو اور حکم دیا کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسی کی ملامت سے نہ ڈروں اور یہ حکم دیا کہ میں اکثر **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** کہتا رہوں۔ یہ تمام عادتیں اور باتیں اس خزانے میں سے ہیں جو عرش الٰہی کے نیچے ہے۔ (احمد)
- حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن روانہ فرمایا تو یہ نصیحت فرمائی کہ اپنے آپ کو آرائش و استراحت سے بچانا۔ اس لیے کہ اللہ کے بندے آرام و آرائش حاصل نہیں کرتے (احمد)
- حضرت علیؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے دیئے ہوئے تھوڑے سے رزق پر راضی ہو جائے اللہ تعالیٰ اس سے تھوڑے سے عمل پر راضی ہو جاتا ہے۔ (بیہقی)
- حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بھوکا یا محتاج ہو اور لوگوں سے اپنی حالت کو چھپائے اللہ تعالیٰ پر اس کا یہ حق ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ اسے حلال طریقے پر ایک سال کی روزی کا انتظام کر دے۔ (بیہقی)
- حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے اس مومن بندے کو دوست رکھتا ہے جو فقیر پارسا اور عیالدار ہو۔ (ابن ماجد)

''فقر کے بارے میں فقراءِ امت کے اقوالِ زرّیں''

- الاستاذ ابو علی دقاقؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ وہ لوگوں سے مانگنے سے شرماتے ہیں' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ سے حیا کرتے ہوئے لوگوں سے سوال نہیں کرتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ لوگوں سے شرماتے ہیں۔
- امام ابوالقاسم بن ہوازن قشیریؒ کہتے ہیں: فقر اللہ کے ولیوں کا شعار اور خواص کا زیور

ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں مثلاً اتقیاء اور انبیاء کیلئے پسندیدہ قرار دیا ہے۔ فقراء وہ بندے ہیں جنہیں اللہ نے منتخب کر رکھا ہے اور یہ لوگ مخلوق میں اللہ کے راز کے متحمل ہوتے ہیں۔ انہیں کی بدولت اللہ تعالیٰ مخلوق کی حفاظت کرتا ہے اور ان کے رزق میں وسعت دیتا ہے۔ صابر فقیر قیامت کے دن اللہ کے ہم نشین ہوں گے۔

- کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم ادھمؒ کے پاس ایک شخص دس ہزار درہم لایا مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا تو دس ہزار درہم دے کر میرا نام فقراء کے دیوان سے مٹانا چاہتا ہے، میں ایسا نہ ہونے دونگا۔
- یحییٰ بن معاذؒ سے فقر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے ساتھ استغنا نہ کرے اور اس کی تعریف یہ ہے کہ دنیا کے کسی قسم کے اسباب وذرائع پر اعتماد نہ کیا جائے۔
- الاستاذ ابوعلی دقاقؒ (م 394ھ) کے پاس ایک فقیر آیا جس نے ٹاٹ کا کرتہ اور ٹاٹ کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ اُسے تفریحاً پوچھا گیا کتنے میں خریدا ہے؟ اُس نے جواب دیا دنیا دے کر خریدا ہے اور بیچنے والے نے پھر مجھ سے خریدنا چاہا اور قیمت میں آخرت کی پیش کش کی مگر میں نے نہیں بیچا۔
- جعفر الفرخانیؒ نے جنیدؒ کو کہتے سنا کہ اے فقراء کی قوم! تمہیں لوگ اللہ کی اطاعت کی وجہ سے جانتے ہیں اور اللہ ہی کی خاطر تمہاری عزت کی جاتی ہے لہٰذا جب تم اللہ کے ساتھ خلوت میں ہو تو تمہیں سوچ لینا چاہیئے کہ تمہیں ہونا کیسا چاہیئے؟۔
- رویمؒ نے کہا فقیر کی تین صفتیں ہیں (۱) رازِ الٰہیہ کو محفوظ رکھنا (۲) اللہ کے فرائض کو ادا کرنا (۳) اور اپنے فقر کی حفاظت کرنا۔
- حضرت ابراہیم ادھمؒ نے کہا: ہم نے فقر مانگا تو مالداری نے ہمارا استقبال کیا، لوگوں نے مالداری مانگی تو فقر نے اُن کا استقبال کیا۔
- ابن جلا سے فقر کے متعلق سوال کیا گیا تو خاموشی سے محفل سے اُٹھ کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئے تو بتایا کہ میرے پاس چار وانگ (درہم کا چھٹا حصہ) تھا، اس لئے مجھے اللہ سے شرم آئی کہ میں فقر کی بات کروں تو کیسے؟ اب میں نے وہ کسی کو دے دیئے اور بیٹھ کر فقر پر گفتگو کی۔

- عبداللہ بن مبارکؒ نے کہا: فقر کے ہوتے ہوئے مالداری کا اظہار کرنا فقر سے بہتر ہے۔
- کہتے ہیں فقر میں کم سے کم چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے: (۱) علم جو اس کی تدبیر کرے (۲) پرہیزگاری جو اُسے (بُرے کاموں سے) روکے (۳) یقین جو اسے عمل کرنے پر اکسائے (۴) ذکر جس سے اسے اُنس محسوس ہو۔
- شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی نے ابونصر الہروی اور انہوں نے المرتعش کو کہتے ہوئے سنا: جنید فرماتے تھے کہ جب تو کسی فقیر سے ملے تو اس سے عاجزی کے ساتھ مل۔ کیونکہ وہ اس سے انس محسوس کرے گا۔ اسے علم کے ساتھ نہ مل (یعنی علمیت جتانے کیلئے سوالات نہ کر) کیونکہ اسے اس سے وحشت ہوتی ہوگی۔ میں نے اُن سے پوچھا! کیا فقیر کو علم سے وحشت ہوئی ہے؟ کہا: ہاں جب صحیح معنوں میں وہ فقیر ہو اور تو اپنا علم اُس پر پھینکنا چاہے تو وہ اس طرح پگھل جاتا ہے جس طرح سے سکہ آگ میں پگھل جاتا ہے۔
- ابن الجلاءؒ نے کہا: اگر تواضع شرف والی چیز نہ ہوتی تو فقیر کو حکم دیا جاتا کہ چلتے ہوئے اکڑ کر چلو۔
- ابوحفصؒ نے کہا: سخاوت یہ نہیں ہے کہ مالدار مفلس کو دے بلکہ سخاوت یہ ہے کہ مفلس مالدار کو دے۔
- ایک صوفی نے خواب میں دیکھا کہ قیامت بپا ہے' پکارنے والے نے کہا کہ مالک بن دینارؒ اور محمد بن واسعؒ کو جنت میں داخل کرو' چنانچہ محمد بن واسعؒ کو پہلے جنت میں داخل کیا گیا۔ میں نے وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ دینار کے پاس دو قمیص تھیں جب کہ واسع کے پاس صرف ایک قمیص تھی۔
- ابوبکر وراق نے کہا: دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں فقیر کے لئے خوش خبری ہے۔ دنیا میں بادشاہ اس سے خراج نہیں لیتا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اُس سے حساب نہیں مانگے گا۔
- کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اگر تم یہ معلوم کرنا چاہو کہ میں تم سے کہاں تک راضی ہوں تو تمہیں یہ دیکھنا ہوگا کہ تم سے فقراء کہاں تک راضی ہیں۔ (مشائخ کرام عزت مآب سجادگان' وصوفیائے عظام کیلئے لمحۂ فکریہ ہے)۔

۲۹۔ الذّٰکِرِیْن (دائمی ذکر کرنے والے)

اَلذِّکر: یہ کبھی تو اس ہیئتِ نفسانیہ پر بولا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے انسان اپنے علم کو محفوظ رکھتا ہے۔ یہ قریباً حفظ کے ہم معنی ہے۔ مگر حفظ کا لفظ احراز (جمع کرنے) کے لحاظ سے بولا جاتا ہے۔ اور ذکر" کا لفظ استحضار (خصوصی چاہنا یاد رکھنا) کے لحاظ سے۔ اور کبھی "ذکر" کا لفظ دل یا زبان پر کسی چیز کے حاضر ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس بنا پر بعض نے کہا ہے کہ ذکر دو قسم پر ہے۔ ذکرِ قلبی اور ذکرِ لسانی۔ پھر ان میں سے ہر ایک دو قسم پر ہے نسیان (بھول جانے) کے بعد کسی چیز کو یاد کرنا یا بغیر نسیان (بھولے) کسی کو ہمیشہ یاد رکھنا۔ اور ہر قول کو ذکر کہا جاتا ہے چنانچہ ذکر لسانی کے بارے میں فرمایا گیا:

- لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (21۔الانبیاء:10) یقیناً ہم نے تمہاری جانب کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارے لئے ذکر ہے کیا پھر بھی تم عقل نہیں رکھتے؟"۔(یعنی قرآن کے ذریعے تم کو ہر قسم کی نصیحت وفہمائش کردی گئی اور سب بُرا بھلا انجام سمجھا دیا گیا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو گی تو خود کو عذاب الٰہی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرو گے اور قرآن کی قدر پہچانو گے جو درحقیقت تمہارے لئے عزوشرف کی ایک بڑی دستاویز ہے۔

- وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ط (21۔الانبیاء:50) اور یہ نصیحت وبرکت والا قرآن بھی ہم نے نازل فرمایا ہے"۔(ھذا یعنی قرآن ذکر مبارک یعنی ایسا ذکر عظیم ہے جس کی افادیت بسیار اور خیر کثیر ہے)

- فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ٥ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (65۔الطلاق:10-11) سوائے سمجھدار لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو! اللہ نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ بھیجا (اور اس کے ساتھ) ایک ایسا رسولؐ (بھیجا) جو تم کو اللہ کے صاف صاف احکام پڑھ کر سناتا ہے تاکہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں (کفر وجہل کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان وعمل وعلم کی)

روشنی کی طرف لے آئے"۔ (بعض اہل علم کا یہ کہنا بھی ہے کہ ذکر سے مراد جبرائیلؑ ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے۔ کیونکہ آپؐ ہمیشہ ذکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے یا کہ آپؐ ہر وقت صحابہؓ کو قرآن پہنچانے میں مشغول رہتے تھے۔ صاحب تفسیر رفاعی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول: اہل ذکر سے دریافت کرو اگر تم نہیں جانتے"۔ (پ 14۔ النحل) کی تفسیر میں منقول ہے کہ ذکر سے آنحضرت ﷺ مراد ہیں اور اہل الذکر وہ لوگ ہیں جن کو رسول اکرم ﷺ کا علم پہنچا اور اس بات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی سورۃ الطلاق میں بیان فرمادیا ہے) صاحب مفردات القرآن امام راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ یہاں الذکر آنخضرت ﷺ کا وصف ہے جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے وصف میں کلمہ کا لفظ وارد ہوا ہے۔ اور آنخضرت ﷺ کو الذکر اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ کتب سابقہ میں آپؐ کے متعلق خوش خبری پائی جاتی ہے۔

○ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (33۔ الاحزاب:35) بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں، اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں۔ اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور عصمت کی حفاظت کرنے کی عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں۔ ان سب کیلئے اللہ نے بخشش اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے"۔ روایت ہے کہ جب اسماء بنت عمیس اپنے خاوند جعفر بن ابن طالب کے ہمراہ حبشہ سے واپس آئیں تو حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس گئیں اور پوچھا کہ کوئی آیت ہمارے

بارے میں بھی قرآن مجید میں نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے فرمایا نہیں۔ تو یہ جناب سالتمآب علیہ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ علیہ! عورتیں تو نقصان اور گھاٹے میں رہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کس سبب سے؟ عرض کی کہ مردوں کا ذکر خیر تو قرآن مجید میں آیا لیکن عورتوں کا نہیں آیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی۔ (مسند احمد۔ ترمذی) صاحب تفسیر مظہریؒ فرماتے ہیں: ''حضرت معاذ راوی ہیں' ایک شخص نے رسول اللہ علیہ سے عرض کیا' کونسا مجاہد سب سے بڑے ثواب کا مستحق ہے' فرمایا جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرنے والا ہو۔ عرض کیا کس روزہ دار کو سب سے بڑا ثواب ملے گا؟ فرمایا: جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرتا ہو۔ پھر اُس نے نماز' زکوٰۃ' حج اور خیرات کا ذکر کیا اور حضور علیہ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرتا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: ابوحفص' اللہ کا ذکر کرنے والے بھلائی کو (لوٹ) لے گئے۔ رسول اللہ علیہ نے فرمایا: بیشک''۔ بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ بندہ اسی وقت اللہ کی بکثرت یاد کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے جب کھڑے' بیٹھے' لیٹے' ہر وقت اللہ کی یاد کرتا ہو۔ کسی وقت اللہ کی یاد میں سستی نہ کرتا ہو۔ اس کے بغیر کثیر الذکر بندوں میں سے نہیں ہوتا۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ درج بالا کیفیت اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب فناء قلب حاصل ہو جائے۔ ذکر میں دل ڈوبا رہے اور ہر وقت حضور دوامی حاصل رہے۔ رسول اللہ علیہ نے فرمایا: ''افراد والے (سب سے) آگے بڑھ گئے۔ عرض کیا گیا افراد والے کون؟ فرمایا: اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں (رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرہؓ) رسول اللہ علیہ نے فرمایا ذکر الٰہی سے زیادہ عذاب الٰہی سے نجات دینے والی اور کوئی چیز نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا نہ جہاد فی سبیل اللہ' فرمایا نہ جہاد فی سبیل اللہ' ہاں اگر جہاد میں اتنی شمشیر زنی کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے (ایسی حالت میں مجاہد کا درجہ زیادہ ہو جائے گا) رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر من حدیث عبداللہ بن عمرؓ۔

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ رسول اللہ علیہ فرماتے تھے ذکر اللہ سے غفلت کرنے والوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے (جہاد سے منہ موڑ کر) بھاگنے والوں کے پیچھے (کافروں سے) لڑتا رہنے والا اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والا رہتا ہے جیسے سوکھے درخت میں سبز ٹہنی اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے تاریک گھر میں

(روشن) چراغ۔ غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والے کے گناہ سارے بولنے والوں اور گونگوں کی گنتی کے برابر بخش دیئے جاتے ہیں۔ بولنے والوں سے مراد ہیں تمام بنی آدم اور گونگوں سے مراد ہیں چوپائے (رواہ رزین)۔

بغوی نے لکھا ہے کہ عطا ابن ابی ریاح نے کہا جس نے اپنے کام اللہ کے سپرد کر دیئے وہ المسلمین والمسلمات کے تحت آ گیا۔ اور جس نے اقرار کیا کہ اللہ میرا رب ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں اور دل زبان کے مخالف نہ ہو تو وہ المؤمنین والمؤمنات کی فہرست میں آ گیا۔ اور جس نے فرائض میں اللہ کی اور سنت میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی وہ القانتین والقانتات میں شامل ہو گیا۔ اور جس نے اپنے کلام کو جھوٹ سے محفوظ رکھا وہ الصادقین والصادقات میں آ گیا اور جو طاعت پر جمارہا اور گناہ سے ڈرتا رہا اور دکھ پر صبر کیا وہ الصابرین والصابرات میں شامل ہو گیا۔ اور جس نے (اتنے استغراق سے) نماز پڑھی کہ دائیں بائیں کی بھی اُس کو شناخت نہ ہوئی وہ الخاشعین والخاشعات میں داخل ہو گیا اور جس نے ہر ہفتہ ایک درہم خیرات کیا وہ المتصدقین والمتصدقات میں شامل ہو گیا۔ اور جس نے ہر ماہ چاندنی راتوں کے (یعنی 13-14-15 تاریخوں کے) روزے رکھے وہ الصائمین والصائمات میں داخل ہو گیا۔ اور جس نے حرام سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھا وہ الحافظین والحافظات کے ذیل میں آ گیا اور جس نے پانچوں نمازیں ادا کیں وہ الذاکرین اللہ کثیراً والذاکرات کے تحت آ گیا۔

o **وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ o** (11۔ھود:114) دن کے دونوں سروں میں نماز برپا رکھ اور رات کی کئی ساعتوں میں بھی یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ نعمت ہے نصیحت پکڑنے والوں کیلئے"۔ (جس طرح کہ احادیث میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ پانچ نمازیں جمعہ دوسرے جمعہ تک اور رمضان دوسرے رمضان تک ان کے مابین ہونے والے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بتلاؤ! اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر بڑی نہر ہو وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو کیا اس کے بعد اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "اسی طرح پانچ نمازیں ہیں ان

کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ گناہوں اور خطاؤں کو مٹا دیتا ہے''۔ (بخاری کتاب المواقیت باب الصلوات و مسلم کتاب المساجد)۔

○ فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْالِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ (2۔البقرۃ:152)

سوتم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا''۔ فَاذْكُرُونِيٓ :تو (یادرکھوتم مجھ کو) ابن کثیر نے فاذکرونی کی یا کو مفتوح پڑھا ہے اور باقی قراء نے ساکن پڑھا ہے۔ اَذْكُرْكُمْ (میں یادرکھوں گا تم کو) ابوشیخ نے اور دیلمی نے مسندِ فردوس میں جو یبر کے واسطے سے' جو یبر نے ضحاک کے واسطے سے' انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فاذکرونی اذکرکم کے بارہ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے بندو! تم مجھ کو میری عبادت سے یاد کرو یعنی میری عبادت کرو میں تم کو مغفرت سے یادرکھوں گا۔ میں تمہارے گناہوں سے درگزر فرماؤ نگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جیسا اعتقاد میرے ساتھ رکھتا ہے میں اس کے ساتھ اسی طرح پیش آتا ہوں۔ اور وہ جب مجھے یاد کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے' میں بھی اُس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس کی مجلس سے بہتر مجلس میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت بھر آتا ہے تو میں ایک ہاتھ بھر اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اور اگر ایک بازو میری طرف چلتا ہے تو میں ایک گز اس کی طرف چلتا ہوں اور اگر وہ میرے پاس چل کر آتا ہے' میں اُس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)۔ اور علامہ بغوی نے اس حدیث کو حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو رسول ﷺ سے اپنی انگلیوں کی گنتی کے برابر سنا ہے۔ (بحوالہ نسائی' ترمذی' ابن ماجہ' ابن حبان اور امام مالک بسندِ صحیح جابرؓ سے روایت کرتے ہوئے۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل الذکر **لا الـه الا الله** ہے اور افضل دعا **الحمد لله** ہے۔ سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے' حضور ﷺ نے فرمایا: افضل کلام چار کلمات ہیں: **سبحان الله۔ الحمد لله۔ لا اله الا الله۔ الله اکبر۔**

(رواہ مسلم)۔ایک اور روایت میں ہے کہ یہ کلمات قرآن کے بعد افضل کلام ہیں اور یہ قرآن ہی سے ماخوذ ہیں (رواہ احمد)۔حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص قرآنِ مجید میں مشغول رہے اور اس کی مشغولی کی وجہ سے میرے ذکر اور اپنی حاجت مانگنے کی بھی اُسے فرصت نہ ملے تو میں اسے سائلوں سے زیادہ دوں گا۔اور فرمایا کلام اللہ کی فضیلت' کلام پر ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت تمام مخلوق پر (رواہ ترمذی' دارمی بہ روایت ابو سعید خدریؓ)۔مولانا پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ انہی روایات کی وجہ سے صوفیہ کرام رحمہم اللہ نے ذکر **لا الہ الا اللہ** کو خواہ قلب سے ہو یا زبان سے' جہری ہو یا خفی' اختیار فرمایا ہے۔تاہم صوفیہ قرآن حکیم کی تلاوت کو پسندیدہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور جملہ صوفیہ نوافل پر بھی زور دیتے ہیں۔ظاہر ہے کہ نوافل کا درجہ فرائض و واجبات کے بعد ہی ہوتا ہے۔حضرت مجددؒ تلاوت قرآن اور مشغولیِ نوافل کے بعد فناءِ نفس کے اختیار کرنے کو فرماتے ہیں اور قبل از فنا نفس ذکر نفی و اثبات پر اقتصاد کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ صوفیہ کرام نفی اثبات کا ذکر خفی وجلی دونوں طریقوں سے تلقین فرماتے ہیں۔بعض اوقات ذکر اسم ذات کی بھی حسب موافقت تلقین کی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ** (یعنی نہیں چھوسکتے قرآن پاک کو مگر پاک لوگ) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ رذائل نفس سے ابتک پاک وصاف نہیں ہوئے ان کو قرآنِ حکیم کی تلاوت سے زیادہ مناسب ذکر کرنا ہے۔

○ **الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ج (3۔آل عمران:191) جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے' بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے اور آسمانوں کی زمین کی پیدائش پر نیز ان عجائبات اور ندرتوں پر جو ان کے اندر اور درمیانی کائنات میں ہیں غور کرتے ہیں''۔ (آیت 190 کے آخری الفاظ تھے''اولی الالباب'' جو ذکر اللہ میں مشغول رہنے والوں کی ہی صفت ہے۔کیونکہ ذکر وفکر' تسبیح' دعا' تضرع اور ایمان' عقل کا تقاضا ہے جو ان صفات سے متصف نہیں وہ جانور بلکہ چوپایوں سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں کیونکہ چوپائے بھی کسی نہ کسی طرح تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔
عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ نخعی اور قتادہ کے نزدیک اس آیت میں ذکر سے مراد نماز ہے۔ کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔ کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھے بیٹھ نہ سکے تو کروٹ سے لیٹ کر پڑھے۔ اسی آیت کی ہم مراد سورۂ نساء کی یہ آیت ہے۔ **فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ** ج (4۔النساء:103) سورۂ نساء کی یہ آیت مذکورہ آیت کی ہم معنی اگر قرار دیجائے تو اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا جب نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو تو کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے اللہ تعالیٰ کی یاد کرو یعنی نماز پڑھو۔ لیکن آیت کا مشہور مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کا ذکر ہر طرح کرو۔ کھڑے بیٹھے لیٹے کوئی وقت یاد اللہ تعالیٰ سے خالی نہ رہنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا مجھے بواسیر تھی میں نے رسول ﷺ سے مریض کی نماز کے متعلق پوچھا۔ حضورؐ نے فرمایا کھڑا ہو کر نماز پڑھ۔ کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو بیٹھ کر (پڑھ) اور بیٹھ بھی نہ سکتا ہو تو پہلو پر لیٹ کر (پڑھ) اخرجہ البخاری واصحاب السنن الاربعہ نسائی نے حدیث کے آخر میں اتنا زائد نقل کیا ہے کہ اگر (کروٹ سے لیٹ کر) نہ پڑھ سکے تو چت لیٹ کر (پڑھ) اللہ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

امام مالکؒ 'امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اگر بیٹھ نہ سکتا ہو تو چت لیٹ کر کعبہ کی طرف پاؤں کر کے پڑھ اور چت نہ لیٹ سکتا ہو تو کروٹ سے لیٹ کر پڑھے۔

امام ابوحنیفہؒ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ آیت اور سورۂ نساء والی آیت کوئی بھی صلوٰۃ مریض کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ عام اہل تفسیر کے نزدیک آیت کی مراد یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ کی یاد کیجائے کیونکہ عموماً انسان کی یہی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ یا کھڑا ہوتا ہے یا بیٹھتا ہے یا لیٹتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص جنت کے باغوں کی سیر پسند کرتا ہو اس کو اللہ کا ذکر بہت کرنا چاہیئے۔ رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی من حدیث معاذؓ۔

امام مالکؒ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک رکوع سجود کی اہمیت قیام سے زیادہ نہیں۔ (ارکان صلوٰۃ ہونے میں سب برابر ہیں) اس لئے جو کھڑا ہو سکتا ہو اس کی نماز بیٹھ کر صحیح نہیں خواہ رکوع سجود نہ کر سکتا ہو بلکہ کھڑا ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنا لازم ہے۔ رہا چت لیٹنا تو یہ خیال غلط ہے کہ اس کا منہ کعبہ کی طرف ہوگا عام طور پر اس کا منہ آسمان کی طرف ہوتا ہے۔ ہاں

کروٹ سے لیٹ کر عموماً اس کا رُخ قدموں کی طرف نہیں ہوتا کعبہ کی طرف ہوتا ہے اور آیت **فَوَلِّ وَجهَكَ شَطرَ المَسجِدِ الحَرَامِ** میں اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلقِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ اور آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش پر نیز ان عجائب اور ندرتوں پر جو ان کے اندر اور درمیانی کائنات میں ہیں غور کرتے ہیں۔ تا کہ ان سے خالق قادر و علیم و حکیم وحدہٗ لاشریک کی ہستی پر استدلال کر سکیں۔

(اہل منطق کے نزدیک) فکر کا معنی ہے نامعلوم چیز کو جاننے کیلئے معلوم چیزوں کو (دماغ کے اندر مناسب) ترتیب دینا۔ قاموس میں ہے کہ کسی چیز (کو جاننے) کیلئے غور سے کام لینا فکر ہے۔ جوہری نے صحاح میں لکھا ہے۔ **فکرۃ** "وہ قوت جو معلوم تک پہنچنے کے لئے علم کا راستہ بتاتی ہے اور تفکر کا معنی ہے قوت فکر کی حرکت جو عقلی نظر کے موافق ہو اور یہ صرف انسان کی خصوصیت ہے۔ دوسرے حیوان تفکر سے محروم ہیں (کیونکہ کسی حیوان کو قوتِ عقلیہ نہیں ملی۔ حیوان کے پاس صرف حس ہے) تفکر کا تعلق صرف انہی چیزوں سے ہوتا ہے جن کی صورت دماغ میں آنا ممکن ہو اسی لئے روایت میں آیا ہے کہ اللہ کی نعمتوں پر غور کرو۔ اللہ کی ذات میں غور نہ کرو۔ کیونکہ اللہ کی ذات ہر صورت سے پاک ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ فکر۔ لفظ فرک کا مقلوب ہے (فرک کا معنی ہے تراشنا' چھیلنا' رگڑنا) مگر فکر کا استعمال معانی میں ہوتا ہے یعنی معانی کو چھیلنا کھودنا۔ رگڑنا تا کہ ان کی حقیقت تک رسائی ہو جائے (تفکر ہے)۔ انتہی کلام الجوہری۔ مولانا پانی پتی کہتے ہیں: حدیث میں آیا ہے کہ ہر شئے میں غور و خوض کرو مگر اللہ کی ذات میں غور نہ کرو کیونکہ ساتویں آسمان سے اللہ کی کرسی تک سات ہزار نور ہیں اور اللہ اس سے بھی بالا ہے۔ رواہ ابو الشیخ فی العظمۃ عن ابن عباسؓ۔

حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں خلق میں غور کرو خالق (کی ذات) میں غور نہ کرو کیونکہ تم اس کا اندازہ کر نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت بایں الفاظ ہے کہ اللہ کی خلق میں غور کرو۔ اللہ (کی ذات) میں غور نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ اللہ کی مخلوق میں غور کرو اللہ (کی ذات) میں غور نہ کرو۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات میں غور کرنا منع ہے صرف افعال باری تعالیٰ صفات الٰہی اور اسماءِ الٰہی پر غور کیا جا سکتا ہے اس سے یہ بات بھی سامنے آ جاتی ہے کہ

اسماء اور صفات کی آمیزش کے بغیر (اور تمام صفات سے قطع نظر کر کے) تنہا خالص ذات کا علم حصولی (یعنی علم تصوری) ناممکن ہے بلکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے تو فرمایا ہے کہ مرتبہٗ ذات سے تو علم حضور کا تعلق بھی محال ہے کیونکہ علم حضوری کی حرکت تو عالم کی جانب ہوتی ہے یعنی مرتبہ اتحاد وعینیت کی طرف ہوتی ہے (مراد یہ ہے کہ علم حضوری بواسطہٗ صورت نہیں ہوتا مبدٗ انکشاف نفس ذات معلوم ہوتی ہے اس لئے علم حضوری کی حقیقت عالم کی ذات کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوتی) پس وہ وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے مگر اس کا وراء الوراء (پردہ در پردہ) ہونا بعد کی جانب نہیں (ایسا نہیں کہ انتہائی دوری کی وجہ سے وہ مستور ہو) بلکہ قرب کی جانب ہے (یعنی انتہائی قرب کیوجہ سے وہ مجہول غیر مرئی غیر معقول اور مخفی ہے) لہٰذا مرتبہٗ ذات میں اس کی ذات کا علمِ حضوری بھی ناممکن ہے بعض صوفیہ کو جو علم لدنی بسیط (بے کیف بے مقدار بے صورت اور بے حضور) ہر وقت حاصل رہتا ہے اور اس کے علم کا تعلق ذات خالص سے ہوتا ہے وہ علم نہ حصولی ہوتا ہے نہ حضوری۔ معلوم نہیں اس کی کیا حقیقت اور کیا کیفیت ہوتی ہے۔ اس پر تفکر کا حقیقی اطلاق درست نہیں، ہاں مجازاً اس کو تفکر کہا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض صوفیہ کے کلام میں آیا ہے۔ شریعت میں اس کی تعبیر لفظ ذکر سے کی گئی ہے۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے اس سے مراد وہی مرتبہٗ علمی ہے جو نہ حصولی ہے نہ حضوری۔ ذکرِ لسانی مراد نہیں ہے کیونکہ ہر وقت ہمیشہ زبانی ذکر ناممکن ہے۔ (واللہ اعلم)

چونکہ دوام ذکر ہی اصل مقصد ہے اور اس کا مرتبہ بہت اونچا ہے اور تفکر ہی ایک ایسا طریقہ ہے جو ذکر تک پہنچاتا ہے اس لئے اللہ نے سب سے پہلے اولی الالباب کی صفت دوام ذکر کو قرار دیا اور اس کے بعد تفکر کا ذکر کیا جو علم (ذکر) تک پہنچاتا ہے اور ذکر کیلئے ایسا ہے جیسے کسی چیز کا سایہ۔ پس کھڑے بیٹھے اور کروٹ کے بل ذکر کرنے سے مراد ہے ہر حال میں ہر وقت ذکر کرنا۔ اس کے بعد فرمایا **یتفکرون فی خلق السّمٰوٰت وَالاَرض** اس کے علاوہ فکر سے پہلے ذکر کو بیان کرنے سے اس امر پر تنبیہ بھی ہوتی ہے کہ عقل تنہا کوئی صحیح حکم اور فیصلہ نہیں کر سکتی جب تک نور ذکر اور ہدایت الٰہی سے ضیاء چیں نہ ہو (یعنی تفکر سے پہلے نورِ ذکر کی ضرورت ہے تنہا تفکر کرنے والے تو بہت ہیں مگر ذکر کی روشنی سے چونکہ وہ نور چیں نہیں اس لئے علم ذات سے محروم ہیں)۔

o "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ o" (7۔الاعراف:205)

"اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف اور پست آواز سے صبح وشام یاد کرتے رہو اور دیکھنا غافل نہ ہونا" O

o "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ o" (13۔الرعد:28)

"(یعنی) جو لوگ ایمان لاتے اور جن کے دل یادِ خدا سے آرام پاتے ہیں (اُن کو) اور سُن رکھو کہ اللہ کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں" O

o "اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ o" (29۔العنکبوت:45)

"(اے محمدؐ) یہ کتاب جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کرو اور نماز کے پابند رہو۔ کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑا (اچھا کام) ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے" O

o "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا o وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا o" (33۔الاحزاب:41-42)

"اے اہلِ ایمان اللہ کا بہت ذکر کیا کرو" O

"اور صبح اور شام اُس کی پاکی بیان کرتے رہو" O

o "اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ" (57۔الحدید:16)

"کیا ابھی تک مومنوں کیلئے اس کا وقت نہیں آیا کہ اللہ کی یاد کرنے کے وقت اور (قرآن) جو (خدائے برحق (کی طرف) سے نازل ہوا ہے اُس کے سننے کے وقت اُن کے دل نرم ہو جائیں اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو (اُن سے) پہلے کتابیں دی گئی تھیں پھر اُن پر

زمانہ طویل گزر گیا تو اُن کے دل سخت ہو گئے۔ اور اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں'' O

O ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ۔ ذٰلِکُمْ خَیْرٌلَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ O فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ''
(62۔الجمعۃ:9۔10)

مومنو! جب جمعے کے دن نماز کیلئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (یعنی نماز) کیلئے جلدی کرو اور (خرید و فروخت) ترک کردو۔ اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے O ''پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے رہو تاکہ نجات پاؤ'' O

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ'' O
(63۔المنافقون:9)

مومنو! تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں'' O

O ''وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا O وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَہٗ وَسَبِّحْہُ لَیْلًا طَوِیْلًا''
(76۔الدھر:25۔26)

اور صبح و شام اپنے پروردگار کا نام لیتے رہو'' O اور رات کو بڑی رات تک اُس کے آگے سجدے کرو اُس کی پاکی بیان کرتے رہو'' O

O ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی O وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی''
(87۔الاعلیٰ:14۔15)

بے شک وہ مُراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا'' O اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا O

۳۰۔ اَلتَّآئِبُوْن (توبہ کرنے والے)

اَلتَّـوبُ کے معنی گناہ کے باحسن وجوہ ترک کرنے کے ہیں اور یہ معذرت کی سب سے بہتر صورت ہے کیونکہ اعتذار کی تین ہی صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ عذر کنندہ اپنے جرم کا سرے سے انکار کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اعتراف جُرم کے ساتھ آئندہ نہ کرنے کا یقین بھی دلائے۔ اس آخری صورت کو توبہ کہا جاتا ہے۔ مگر شرعاً اسے توبہ جب کہیں گے کہ گناہ کو گناہ سمجھ کر چھوڑ دے اور اپنی کوتاہی وزیادتی پر نادم ہو اور دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔ اگر ان گناہوں کی تلافی ممکن ہو تو حتی الامکان تلافی کی کوشش کرے۔ قرآن میں ہے: وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (24۔النور:31) اور رجوع کرو (توبہ کرو) اللہ تعالیٰ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو تا کہ تم نجات پاؤ''۔

o اَلتَّـآئِبُـوْنَ الْـعٰبِدُوْنَ الْـحٰـمِدُوْنَ السَّآئِحُـوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰـجِـدُوْنَ الْاٰمِـرُوْنَ بِـالْـمَـعْـرُوْفِ وَالـنَّـاهُـوْنَ عَنِ الْـمُـنْـكَـرِوَالْـحٰـفِـظُـوْنَ لِـحُـدُوْدِ اللّٰـهِ۔ وَبَشِّـرِ الْـمُـؤْمِنِيْنَ (9۔التوبہ:112) توبہ کرنے والے' عبادت کرنے والے اور اس کی حمد وثناء کرنے والے' اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے' رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے اور بھلائی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے اور خوشخبری دیجئے مومنوں کو''۔ (یہ وہ لوگ ہو سکتے ہیں کہ ہر چھوٹی بڑی' موٹی اور باریک حدود کو سمجھتے اور جانتے ہوں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ ''علم کو پورا پورا سمجھنے والے'' کہتا ہے۔ جو عالم ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت نہیں کر سکتے کیونکہ یہ وہ حدود ہیں جن کا تعلق ایمان و یقین کے ساتھ ہے اور انہی لوگوں کو اولیاء اللہ یا مجددؒ کہا جاتا ہے اور جن کا مرتبہ انبیاء کے بعد ہوتا ہے' صاحب تفسیر مظہری اس آیت مبارکہ میں اللہ کے خاص بندوں کے جواسم استعمال ہوئے اُن کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَلتَّآئِبُوْنَ (شرک سے) توبہ کرنے والے یعنی وہ لوگ جنھوں نے شرک سے توبہ کرلی اور نفاق سے پاک ہوگئے۔ التائبون خبر ہے' مبتدا محذوف ہے یعنی وہ توبہ کرنے والے

ہیں یعنی جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر لی اور تمام احکام کی تعمیل کا عہد کر لیا۔ وہ ان تمام اوصاف کے حامل ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ التائبون مبتداء ہو اور بعد کو ذکر ہونے والے اوصاف خبر ہوں یعنی حقیقت میں کفر سے توبہ کرنے والے ان اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خبر محذوف ہو یعنی توبہ کرنے والے جنتی ہیں۔ خواہ انہوں نے اس وقت تک جہاد میں شرکت نہ کی ہو مگر ان کے اندر عداوت و عناد کا جذبہ نہ ہو۔ زجاج نے کہا گویا (اس صورت میں) جنت کا وعدہ تمام مومنوں سے ہوگا جیسے اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا **وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى** اور سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمالیا ہے۔

الْعٰبِدُوْنَ (شرک جلی و خفی کو چھوڑ کر فقط اللہ کی عبادت کرنے والے)۔

الحَامِدُونَ (دکھ سکھ میں اللہ کی) تعریف کرنے والے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہت زیادہ ثنائے الٰہی کرنے والوں کو جو راحت ہو یا تکلیف ہر حال میں اللہ کی تعریف کرتے ہیں، سب سے پہلے جنت کی طرف بلایا جائے گا۔ (رواہ طبرانی و حاکم والبیہقی فی شعب الایمان بسند صحیح عن ابن عباسؓ)

السَّآئِحُوْنَ روزہ رکھنے والے۔ ابن جریر نے حضرت عبید بن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے السائحون کے معنی دریافت کئے گئے فرمایا: روزے رکھنے والے۔ بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کا بھی یہی قول بیان کیا ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت عائشہؓ کا موقوف قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ساحت (کا معنی) روزے رکھنا ہے۔ سفیان بن عینیہ نے فرمایا، روزے دار کو سائح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام لذتیں، کھانا پینا اور قربتِ صنفی ترک دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدم زاد کے ہر نیک عمل کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے سوائے روزہ کے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے، میں ہی اس کی جزاء دوں گا۔ بندہ میرے لئے اپنی خواہش صنفی اور کھانا ترک کرتا ہے: الحدیث (متفق علیہ)

عطاء نے کہا **السَّآئِحُوْنَ** سے مراد غازی ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں جیسا کہ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے سند صحیح سے حضرت ابو امامہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے: مروی ہے کہ

حضرت عثمان بن مطعونؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ مجھے سیاحت کی اجازت دیجئے۔ فرمایا: میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

عکرمہ نے کہا سیاحت کرنے والوں سے مراد طالب علم ہیں جو علم کی طلب میں ملکوں ملکوں پھرتے ہیں۔ حضرت ابو درداءؓ نے بیان کیا' میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے' جو طلب علم کیلئے چلتا ہے اللہ اس کو جنت کے راستہ پر چلائے گا۔ اور فرشتے طالب علم کیلئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ وہ (ملائکہ) جو آسمانوں میں ہیں اور وہ (ملائکہ اور انس وجن) جو زمین میں ہیں اور پانی کے اندر مچھلیاں' عالم کی برتری عابد پر ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی فضیلت دوسرے ستاروں پر۔ علماء' انبیاءؑ کے (علم کے) وارث ہیں اور انبیاءؑ نے کوئی درہم و دینار میراث میں نہیں چھوڑا بلکہ علم کی میراث چھوڑی۔ اب جو اس ترکہ کا وارث ہوا وہ بڑا خوش نصیب ہے (رواہ ترمذی وابن ماجہ وابوداؤد)۔

الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ: رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے' یعنی نماز پڑھنے والے۔ نماز پڑھنے والوں کا ذکر دو لفظوں میں کیا تو گویا نماز پڑھنے والوں کا ذکر دوبار کیا۔ تکرار ذکر' دلالت کر رہی ہے کہ نماز تمام عبادتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کونسا عمل اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے' فرمایا: وقت پر نماز۔ میں نے عرض کیا' اس کے بعد کونسا؟ فرمایا: ماں باپ کی فرماں برداری۔ میں نے عرض کیا' اس کے بعد کونسا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد (صحیح بخاری و مسلم) حضور نے مختلف روایات میں فرمایا: نماز دین کا ستون ہے' نماز مومن کا نور ہے' تقویٰ والے کیلئے نماز (اللہ کے) قرب کا ذریعہ ہے' سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب سے سب حالتوں سے زیادہ قریب ہوتا ہے پس تم دعا زیادہ کیا کرو۔

الْأٰمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ: بھلائی کا حکم دینے والے یعنی ایمان اور اطاعت کا حکم دینے والے۔

وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ: اور بُرے کاموں سے' یعنی شرک اور گناہ سے روکنے والے۔

بعض علماءِ تفسیر نے کہا' المعروف سے مراد سنت اور المنکر سے مراد بدعت ہے۔

وَالْحٰفِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ: اور اللہ کی بندشوں کی پابندی رکھنے والے یعنی اللہ

کے وہ ضوابط' وہ قوانین جو بندہ اور اللہ کے درمیان' اللہ نے قائم کیئے ہیں' ان کی نگہداشت کرنے والے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ الحافظون کو مستقل طور پر حرف عطف (واؤ) کے ساتھ ذکر کرنے سے اس امر پر تنبیہہ کی گئی ہے کہ پہلے جن اعلیٰ فضائل کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے ان کا اجمالی مجموعہ حدود اللہ ہے۔ وہ تفصیل تھی' یہ اجمال ہے۔

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: یہ وجہ بھی ہے کہ گذشتہ کلام میں جن صفاتِ حمیدہ کا ذکر کیا گیا ہے ان کی حد بندی اس فقرہ میں کر دی گئی ہے تا کہ اپنی طرف سے ان میں کچھ زیادتی بھی نہ کی جائے۔ نہ رہبانیت ہو نہ ظاہری شکل اور باطنی معنی میں کوئی کمی کی جائے۔ کیونکہ حدود کی پابندی قلبی حضور کامل کے بغیر ممکن نہیں اور اخلاص وحضورِ قلب' دل والوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ: اور ایمان والوں کو بشارت دیدو کہ جن کے اندر صفات بالا موجود ہوں گی المُومنین کے دائرہ میں شامل ہوں گے' ایسے لوگوں کیلئے جس بشارت کا حکم دیا جا رہا ہے وہ اتنی عظیم الشان ہے' وجہ نہ بیان کی جاسکتی ہے اور نہ کسی دماغ میں اس کا تصور آ سکتا ہے۔

- **اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ** (4۔النساء: 17) اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی بُرائی کر گزریں' پھر جلد اس سے باز آ جائیں اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی توبہ قبول کرتا ہے"۔
- **وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ(٢٥) وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ** (42۔الشوریٰ: 25۔26) وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو (سب) جانتا ہے ایمان والو اور نیکو کار لوگوں کی سنتا ہے اور انہیں اپنے فضل سے اور بڑھا دیتا ہے"۔
- **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ** (2۔البقرہ: 222) اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔
- **فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۔ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ**

الـرَّحِيـمُ o (2۔البقرہ:37) پھر آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اُس نے ان کا قصور معاف کر دیا' بیشک وہ معاف کرنے والا اور صاحبِ رحم ہے''۔

- o اِلَّاالَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۔ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ o (2۔البقرہ:160) البتہ جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی حالت درست کر لیتے ہیں اور (احکام الٰہی کو) صاف صاف بیان کر دیتے ہیں تو میں ان کے قصور معاف کر دیتا ہوں اور میں بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہوں''۔ (اس سے پہلی آیات میں اُن لوگوں کا ذکر تھا جو مسائل وحقائق کا گمان کرتے تھے' اور یہ زبردست وعید تھی کہ ان لوگوں کو جو اللہ کی باتیں اور شرعی مسائل چھپا لیا کرتے تھے۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اہل کتاب نے نعتِ نبی ﷺ کو چھپا لیا تھا جس پر ارشاد ہوا کہ حق کو چھپانے والے ملعون لوگ ہیں لیکن جو شخص ایسی خوفناک غلطی کے ارتکاب کے بعد سچے دل سے رجوع کر لے تو اللہ اُس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے۔ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی امتوں میں زبردست بدکاروں کی توبہ قبول نہ تھی لیکن نبی التوبہ اور نبی الرحمہ حضرت محمد ﷺ کی امت کے ساتھ یہ مہربانی مخصوص ہے۔

- o فَمَنْ تَابَ مِنْ م بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (5۔المائدہ:39) پھر تم میں سے جو شخص نادانستگی میں کوئی بُرا کام کر بیٹھے (جہالت سے) پھر وہ توبہ کر لے اور اعمال کی درستی رکھے' تو بیشک اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ اُس پر توجہ فرمائے بیشک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور بڑے رحم والا ہے''۔

- o وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۔ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءً م ا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ م بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (6۔الانعام:54) اور یہ لوگ جب آپؐ کے پاس آئیں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہیے کہ تم پر سلامتی ہے تمہارے ربّ نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے اور جو شخص تم میں سے کوئی بُرا کام کر بیٹھے جہالت سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور

اصلاح رکھے تو اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے''۔(اس آیت کے پہلے ٹکڑے میں فرمایا گیا ہے کہ (نادار اور ضعیف) ''لوگ جب آپؐ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہا کیجئے کہ تم پر سلامتی ہو' تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمے مقرر کرلیا ہے''۔۔۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ فرمایا گیا کہ ایمان لانے والوں کو سلام کہہ کر آپؐ ان کی عزت بڑھائیں اور اللہ کی رحمتِ واسعہ کی خوش خبری بھی دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کریمہ پر رحمت کو واجب کرلیا ہے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر اپنی تقدیر قائم کی تو عرش پر جو اس کتاب کی لوح محفوظ ہے اس میں تحریر فرما دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ جب اللہ تعالیٰ مخلوق کے بارے میں نفاذِ حکم سے فارغ ہوگا تو تختِ عرش سے کتاب نکالے گا جس میں لکھا ہوگا کہ میں ارحم الراحمین ہوں۔ پھر اپنی ایک یا دو مٹھی بھر مخلوق دوزخ سے نکالے گا۔ جنہوں نے کوئی خیر کے کام نہ کئے ہوں گے۔ اور اُن کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر لکھا ہوگا **عُتَقَاءُ اللّٰهِ** یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں)۔

○ **وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ م بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ م بَعْدِ هَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○** (7۔الاعراف:153) اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے' پھر اس سے توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ معاف کر دینے والا' رحمت کرنے والا ہے''۔ (حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے خواہ گناہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے۔ اگرچہ کفر و شرک و شقاق و نفاق ہی کیوں نہ ہو۔ حکم ہوتا ہے کہ جو گناہ کے بعد توبہ کرلیں' ایمان لائیں تو اے رسول رحمت ﷺ تمہارا رب اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے۔ اگرچہ کفر و شرک و شقاق و نفاق ہی ہو۔ حکم ہوتا ہے کہ جو گناہ کے بعد توبہ کرلیں' ایمان لائیں۔ تو اے رسول اللہ رحمت تمہارا رب اس کے بعد بھی غفور الرحیم ہے)۔

○ **ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ م بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ م بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○**

(16۔النحل:119) (پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کیلئے جنہوں نے جہالت سے بُرا کام کرلیا پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور (آئندہ کیلئے) اپنے اعمال درست کرلئے تو آپ کا ربّ اس کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا' بڑی رحمت کرنے والا ہے"۔(اللہ تعالیٰ اپنے اُس رحم و کرم کی خبر دے رہا ہے جو وہ گنہگار مومنوں کے ساتھ کرتا ہے کہ ادھر اس نے توبہ کی اُدھر رحمت بھری گود اس کیلئے پھیل گئی۔ بعض سلف کا قول ہے کہ اللہ کی نافرمانی جو کرتا ہے وہ جاہل ہی تو ہوتا ہے۔توبہ کہتے ہیں گناہ سے ہٹ جانے کو اور اصلاح کہتے ہیں اطاعت پر کمربستہ ہو جانے کو' پس جو ایسا کرے گا اس کے گناہ اور اُس کی لغزش کے بعد بھی اللہ اسے بخش دیتا ہے اور اُس پر رحم فرماتا ہے۔۔۔ابن کثیر) اسی مفہوم کی سورہ طٰہٰ آیت 82 ہے۔قرآن سے خود ملاحظہ کیجئے گا۔

o فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰكُمْ o (47۔محمدؐ:19) تو آپؐ اس کا یقین رکھیئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں اور آپؐ خطا کی معافی مانگتے رہے اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کیلئے بھی اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے"۔(مفسرین کہتے ہیں کہ استغفار اگر نبیؑ کرے تو اس سے پہلے گناہ ضروری نہیں۔بات اصل میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت غفاری کا ظہور انبیاءؑ پر سب سے زیادہ ہوتا ہے اور ان صفات کے ظہور کیلئے کچھ تمہیدی سامان مطلوب ہیں۔جیسا کہ آگ جلانے کیلئے لکڑی وغیرہ۔پس انبیاءؑ خود کو اللہ تعالیٰ کی رحمت عام یعنی غفاری کا مظہر بنانے کیلئے استغفار کرتے ہیں۔حالانکہ ان سے گناہ سرزد نہیں ہوئے۔حافظ ابن کثیر کہتے ہیں حضورﷺ نے فرمایا" اے اللہ مجھ سے جو کچھ خطائیں ہوئیں اور جو کچھ پیچھے' جو چھپی ہیں اور جو ظاہر ہیں اور جو زیادتی بھی سرزد ہوئی ہو اور جسے تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' بخش دے۔تو ہی میرا اللہ ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں"۔۔۔اور صحیح حدیث میں ہے' فرمایا: اے لوگو! اپنے ربّ کی طرف توبہ کرو پس تحقیق میں اپنے رب کی طرف استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں ہر دن ستر بار سے بھی زیادہ۔ابو یعلی میں ہے حضورؐ نے فرمایا تم **لا الٰہ الا اللہ** کا استغفر اللہ کا کہنا لازم پکڑ لو۔اور انہیں بکثرت کہا کرو"۔ایک اثر میں ہے ابلیس نے

کہا: اللہ مجھے تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم بجب تک کسی شخص کی روح اس کے جسم میں ہے اسے بہکاتا رہوں گا۔ پس اللہ عزوجل نے فرمایا: مجھے بھی قسم ہے اپنی بزرگی اور بڑائی کی کہ میں بھی انہیں بخشتا ہی رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے)۔

○ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔۔۔۔۔۔ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ○ (66۔التحریم:8)۔اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو (توبہ کا ثمرہ اللہ فرماتا ہے کہ) امید یعنی وعدہ ہے کہ تمہارا ربّ اس توبہ کی بدولت تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ (اور یہ اُس دن ہوگا) جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مسلمان ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا' ان کا نور اُن کے داہنے اور اُن کے آگے دوڑتا ہوگا اور یوں دعا کرتے رہیں گے کہ اے ہمارے ربّ ہمارے لئے اس نور کو اخیر تک رکھیو (یعنی گل نہ ہو) اور ہماری مغفرت فرما کہ آپ ہر شے پر قادر ہو۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' ضیاء القرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''آیت میں اہل ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے کہ اگر اس سے پہلے جہالت' کم فہمی یا بشری کمزوری کی وجہ سے تم سے غلطیاں سرزد ہوتی رہی ہیں تو وقت ضائع نہ کرو۔ فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور میں صدقِ دل سے توبہ کرو تا کہ تمہارا رحیم و کریم خدا تمہارے گناہوں کے بدنما داغوں کو اپنے دامنِ کرم میں یوں چھپالے کہ کسی کو ان کا اتہ پتہ بھی معلوم نہ ہو سکے۔ روزِ محشر فرشتے بھی تمہارے نامۂ اعمال سے کوئی ایسی چیز پیش نہ کر سکیں جو تمہاری رسوائی کا باعث ہو۔ توبہ کرنے کے ساتھ توبہ کی قسم بھی بتادی۔ فرمایا توبہ کرو تو توبۂ نصوحا کرو۔

توبۂ نصوحا کی تشریح میں علماء کے کم وبیش بائیس تیئس اقوال منقول ہیں جن سے چند پیش خدمت ہیں اور آپ کے لئے انہی میں کفایت ہے۔

(ا) وہ شہد جس کو موم اور دیگر آلائشوں سے پاک کر دیا گیا ہو اسے ''عسل'' ناصح (شہدِ خالص) کہتے ہیں۔ اگر نصوحا اس سے ماخوذ ہو تو مقصد یہ ہوگا کہ تمہاری توبہ نفاق' ریا اور کاہلی کی

آلائشوں سے پاک ہونی چاہیئے۔

(۲) پھٹے ہوئے کپڑے کو مرمت کرنا' چاکوں کو رفو کرنا' نصاحۃ الثوب کہلاتا ہے۔ اگر نصوحا کا یہ ماخذ ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح گناہوں سے تم نے اپنے ایمان کا لباس تار تار کر دیا ہے اور اپنے تقویٰ کے پیرہن میں چاک ڈال دیئے ہیں' اب ایسی توبہ کرو کہ وہ چاک رفو ہو جائیں اور ان کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہے۔

(۳) نصوحا کی اصل نصیحت ہے۔ اس وقت اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ایسی توبہ کرو کہ اس کے آثار تم میں نمایاں ہو جائیں۔ تم میں نمودار ہونے والی خوش آئند تبدیلی کو دیکھ کر دوسرے گناہ گار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور وہ بھی اپنی غفلت و عصیاں سے آلودہ زندگی کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ تشریح لغوی معانی کے اعتبار سے ہے۔ اب زبانِ نبوت سے اس کا مفہوم سینئے:

حضرت معاذ ابن جبلؓ نے عرض کیا **یا رسول اللہ ما التوبۃ النصوح**۔ اے جانِ عالم! توبۂ نصوح کس کو کہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: جو گناہ بندے سے سرزد ہو اس پر نادم اور شرمسار ہو' بارگاہِ الٰہی میں معذرت طلب کرے۔ جس طرح دودھ' کھیری میں دوبارہ داخل نہیں ہو سکتا پھر اس سے یہ گناہ صادر نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں سچی توبہ وہ ہے جس میں تین چیزیں جمع ہوں۔ (۱) اس گناہ کو ترک کر دے (۲) جو گناہ کر بیٹھا ہے اس پر دل میں ندامت اور شرمندگی محسوس کرے۔ (۳) پختہ عزم کرے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا۔

حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نے ایک اعرابی کو سنا کہ وہ کہہ رہا ہے۔ **اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَستَغفِرُکَ وَاَتُوبُ اِلَیکَ**۔ یا اللہ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ فرمایا اے اعرابی! یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے۔ عرض کیا فرمایئے سچوں کی توبہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس توبہ میں یہ چھ چیزیں پائی جائیں وہ سچوں کی توبہ ہوتی ہے۔ (۱) جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں ان پر ندامت۔ (۲) جو فرض ادا نہیں ہوئے ان کی قضا۔ (۳) کسی کا حق غصب کیا ہے تو اسے لوٹا دے۔ (۴) جس کے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا ہے اس سے معافی لے لے۔ (۵) پختہ عزم کرے کہ آئندہ گناہ نہیں کرے گا۔ (۶) جس طرح پہلے تو نے اپنے نفس کو بدکاریوں سے فربہ کیا ہے اب اطاعتِ الٰہی میں اس کو گلا دے۔

یہ سچوں کی توبہ ہے' یہ کاملین کی توبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی ہی توبہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

توبہ چوں باشد پشیماں آمدن بردرِ حق نو مسلمان آمدن
خدمتے از سر گرفتن بانیاز با حقیقت روئے کردن ازمجاز

یہ یاد رہے کہ گناہوں پر کبھی افسوس اس لیے ہوتا ہے کہ ان سے صحت تباہ ہوگئی' مال برباد ہوگیا' عزت خاک میں مل گئی۔ اگر کوئی شخص ان وجوہ سے اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے تو اسے توبہ نہیں کہا جائے گا۔ توبہ اس وقت ہوگی جب اسے اس بات پر ندامت ہو کہ اس نے اپنے ربّ کریم کی حکم عدولی کی ہے' اپنے نفس امارہ کو خوش کرنے کیلئے اپنے پروردگار کو ناراض کر دیا ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ ایسا کر کے اس نے اپنے اوپر ظلم ڈھایا ہے۔

لیکن اگر تم سچے دل سے توبہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ تمہارے گناہوں کو اپنے دامنِ کرم سے ڈھانپ دے اور اس طرح ڈھانپ دے کہ ان کا سراغ ہی نہ ملے۔ علامہ راغب اصفہانی **کَفَّرَ** کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کسی گناہ کو یوں ڈھانپ دینا اور اس پر یوں پردہ ڈال دینا کہ وہ ایسا نسیاً منسیاً ہو جائے جیسے یہ ہوا ہی نہ تھا۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ بابِ تفعیل ہے اور بابِ تفعیل کبھی مجرد کے معنی کے ازالہ کیلئے مستعمل ہوتا ہے جیسے **مَرِضَ** کا معنی بیمار ہونا اور **مَرَّضَ** --- **تَمرِیضًا** تیمارداری کرنا' بیماری کو دور کرنا۔ **قَذَا** کا معنی ہے آنکھ میں تنکا پڑ جانا۔ تقذیہ کا معنی ہے تنکا نکال دینا۔ یہاں بھی **کَفَّرَ** کا معنی اگر یہ لیا جائے کہ کفر یا کفران کا ازالہ تو بھی درست ہے۔ تاج العروس میں ازہری کا یہ قول منقول ہے۔

اصل الكفر تغطية الشيئ تغطيةً تستهلكه': کسی چیز کو ایسا ڈھانپ دینا کہ اس کا نام ونشان ہی باقی نہ رہے۔

جوہری فرماتے ہیں کہ ثواب مٹ جائے تو اس کیلئے احباط کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر گناہ معاف کر دیئے جائیں تو ان کیلئے تکفیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے التکفیر فی المعاصی کالاحباط فی الثواب۔ (الصحاح)

صاحبِ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: کفار کو اپنی ثروت اور اپنی سروری پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے اور اہل حق کی غربت اور بے بسی کو دیکھ کر وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جس طرح آج ہم معزز اور سرفراز ہیں اور لوگ کمزور اور بے نوا ہیں۔ پہلے تو قیامت آئے گی ہی نہیں اور اگر برپا ہو

بھی گئی تو وہاں بھی بعینہ یہی حالات ہوں گے۔ ہماری عزت افزائیاں ہوں گی۔ ہم پر ہی انعام واکرام کی بارش ہوگی اور یہ مسلمان اس دن بھی اسی کس مپرسی کے عالم میں ہوں گے۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کا دن ہمارے محبوب مکرم ﷺ اور اس کے غلاموں کی عزت وسرفرازی کا دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ کی شان کو بلند کرے گا۔ مقام محمود پر آپ جلوہ افروز ہوں گے۔ لواء الحمد آپ کے دستِ مبارک میں ہوگا۔ جملہ انبیاء آپؐ کے ظِل ہمایوں میں پناہ لیے ہوں گے اور وہ مسلمان جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ان کی شان ہی نرالی ہوگی۔ بارگاہِ الٰہی سے انہیں گونا گوں انعامات بخشے جائیں گے۔ انہیں اذن ملے گا کہ اپنے ماں باپ' بیویوں' بچے بچیوں' بھائی بہنوں اور دوست واحباب کی شفاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ اس دن اپنے نبی ﷺ کو اور اُن کے غلاموں کو رسوا ہرگز نہیں کرے گا۔ یہ کفار کی غلط فہمیاں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

اہل ایمان میدانِ حشر میں بالکل ممتاز ہوں گے۔ ان کے آگے ان کا نور ایمان چمک رہا ہوگا۔ ان کی دائیں جانب بھی روشنی ہی روشنی ہوگی اور دوسرے لوگ اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے۔ مومن عرض کریں گے کہ اے ربّ ہمارے نور کو اور تابانیاں بخش۔ ایسا نہ ہو کہ راستہ میں بجھ جائے۔ الٰہی جنت کا جو سفر ہمیں درپیش ہے اس میں یہ شمع روشن رہے' یہ چراغ جلتا رہے۔ ہمیں بخش دے بے پایاں رحمتوں کے باوجود ان کے عجز و نیاز کا یہ عالم ہوگا۔ اہل حق کی یہی امتیازی شان ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۔ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (110۔النصر:3)

اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کیلئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے' بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے''۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری' اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ سورہ النصر مدنی کی کل تین آیات میں سے آخری آیت ہے۔ ابتدائی دو آیات میں ہی بتا دیا گیا تھا کہ جب تکمیل فرض کی سعادت حاصل ہو' کسی مہم میں کامیابی نصیب ہو' تو اے اللہ کے بندو! بھولے سے بھی یہ خیال نہ کرنا کہ اس کامیابی میں تمہاری قابلیت' تمہاری ہونہاری' تمہاری ہوشیاری کا بھی دخل ہے' بلکہ یہ یقین رکھنا کہ میرے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید کی برکت ہے۔ میری یہ کامیابی اس کی امداد کی مرہونِ منت ہے۔ اگر تم اسے اپنی قابلیت کا نتیجہ خیال کرو گے تو تمہارے دل میں غرور پیدا ہو جائے گا اور مغرور فاتحین سے ایسی ایسی ناروا حرکتیں سرزد ہوتی

ہیں کہ ان کی کامیابی شکست سے بھی زیادہ ان کیلئے رُسوا کن بن جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول اور پیارے بندے محمد مصطفیٰ علیہ اطیب التحیہ والثناء کوفرما رہا ہے کہ جب میری مدد پُشت پناہی کیلئے پہنچ جائے اور میری مہربانی سے فتح نصیب ہو جائے اور جو لوگ اب تک شمعِ اسلام کو بجھانے کیلئے طوفان بن کر اُمڈتے رہے وہ اس پر پروانوں کی طرح نثار ہونے لگیں اور فوج در فوج اس دین کو قبول کرنے لگیں' تو آپ ؐ کا فرض یہ ہے کہ آپ ؐ اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کریں۔

فتحِ مکہ کے بعد نو دس ہجری میں جزیرہ نمائے عرب میں دُور و نزدیک جتنے قبائل آباد تھے وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے لگے اور حضورؐ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کرنے لگے۔ حضور ﷺ اس کثرت سے لوگوں کے اسلام قبول کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کثرت سے فرمایا کرتے۔

خود سوچیئے جس قوم کو دشمن پر مکمل فتح بھی مدہوش اور بدمست نہ کر سکے وہ کتنی عالی ظرف قوم ہے' اس کا وجود انسانیت کیلئے منبع خیر و سعادت ہے۔ جب تک اس کا آفتاب اقبال چمکتا رہے گا' غم و اندوہ کی تاریکیاں انسانیت کے نزدیک آنے کی جرأت نہ کرسکیں گی۔ تاہم اس عظیم الشان موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول ﷺ کو استغفار کا حکم دے رہا ہے تاکہ قیامت تک آنے والے غلاموں کیلئے استغفار ان کے نبی ﷺ کی سنت بن جائے اور کوئی شخص طلب مغفرت میں تذبذب محسوس نہ کرے۔ علمائے تفسیر نے اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اپنی امت کے گناہوں کیلئے اپنے رب سے بخشش کی التجا کیجئے۔ آپ کے ہاتھ استغفار کیلئے جب اٹھیں گے تو وہ خالی واپس نہیں کیے جائیں گے' چنانچہ علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں۔ **والمعنی استغفر لِاُمَّتِكَ**۔ یعنی اے حبیبؐ! آپ ﷺ اپنی امت کیلئے مغفرت طلب کیجئے۔ یہی الفاظ علامہ قرطبی نے بھی تحریر کیے ہیں۔ **وقیل استغفر لِاُمّتك**۔

اس مفہوم کو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص انداز میں یوں لکھا ہے:

''چُوں عارف بمرتبۂ تکمیل رسید و از ہر گونہ مردم تابعِ اوشدند و استعداداتِ آں ہا در نقصان و کمال تفاوت فاحش دارد' لاجرم اورا می باید کہ برائے تکمیلِ ناقصاں طلب آمرش نماید' تا آں ہمہ نقصاناتِ اصلیہ استعداد باتباع او در روزِ محشر منجر بکمال استقلالی او گردد''۔

ترجمہ: جب عارف ایسے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے جہاں وہ دوسروں کو باکمال بنا سکتا ہے تو اس کے مریدوں میں ہر قسم کے لوگ شامل ہو جاتے ہیں جن کی صلاحیتوں اور استعداوں میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ کوئی بالکل ناقص اور کوئی کامل مکمل اس وقت عارف کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تاکہ اس کے ناقص مرید بھی مرتبہ کمال پر فائز ہو جائیں اور عارف کی اس دعائے مغفرت کے باعث جبلی استعداد میں جو خامی تھی وہ پوری ہو جائے۔ جب کوئی رُو سیاہ اور بدکار اس کے درِ کرم پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے اور اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ دوسرا معنی شاہ صاحب موصوف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''ہر آئینہ و تعالیٰ بفیض رجوع می کند درحقِ ناقصاں و تکمیلِ رحمت می فرماید پس از دورے بعید نیست کہ اتباع ترا بطفیل تو کامل سازو''۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نگاہِ فیض سے ناقصوں کی طرف توجہ فرماتا ہے اور ان کے نقص کو کمال سے بدل دیتا ہے۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کی رحمت سے ذرا بعید نہیں کہ وہ آپ کے طفیل آپ کے ناقص اُمتیوں کو مرتبہ کمال پر فائز فرما دے۔

- حضرت انس بن مالکؓ (19ھ) خادم رسول اللہ ﷺ نے سُنا: حضور ﷺ فرماتے تھے کہ گناہ سے توبہ کرنے والے کی ایسی مثال ہے جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہیں الخ۔ اس کے بعد حضورؐ نے سورہ البقرۃ کی آیت 222 تلاوت فرمائی۔ کسی نے عرض کیا یارسولؐ اللہ! توبہ کی کیا علامت ہے؟ فرمایا: ''ندامت''
- امام ابوالقاسم بن ہوازن قشیری کہتے ہیں کہ سالکین کیلئے توبہ پہلی منزل ہے اور طالبین کا پہلا مقام ہے۔
- الاستاذ ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ توبہ کی تین قسمیں ہیں: اول توبہ، دوم انابہ اور سوم اَدبہ۔ جس شخص نے سزا کے خوف سے رجوع کیا تو اس کو توبہ کہتے ہیں۔ جس نے ثواب کے لالچ سے توبہ کی اُس کو ''انابہ'' اور جس نے حکم کی پابندی کے خیال سے توبہ کی تو اس کو ''ادبہ'' کہتے ہیں۔
- حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں: توبہ کے تین معنی ہیں: ایک ندامت، دوسرا پکا ارادہ، اور تیسرے لوگوں سے زبردستی لی ہوئی چیزوں کو واپس کرنا''۔
- سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں: لیت و لعل کو ترک کرنا توبہ ہے۔ جنیدؒ نے کہا کہ تو اپنے گناہ کو بھول جائے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو اس فعل کی لذت کو اپنے دل سے اس

طرح سے نکال دے کہ تمہارے باطن پر اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔

- ابو محمد رویمؒ بن محمد نے کہا: توبہ سے تائب ہونے کا نام توبہ ہے۔
- ذوالنون مصریؒ نے کہا: عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی غفلت سے۔
- نوریؒ فرماتے ہیں: توبہ یہ ہے کہ تو اللہ کے سوا ہر شے سے توبہ کر لے۔
- عبداللہ بن علی تمیمیؒ نے کہا: تین شخصوں کی توبہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ایک وہ جو اپنی لغزشوں سے توبہ کرتا ہے' دوسرے وہ جو غفلتوں سے توبہ کرتا ہے اور تیسرے جو اپنی نیکیوں کو دیکھنے سے توبہ کرتا ہے۔
- واسطیؒ فرماتے ہیں کہ خلوص والی توبہ' توبہ کرنے والے پر معصیت کا کوئی نشان باقی نہیں چھوڑتی' نہ باطن میں نہ ظاہر میں۔
- حضرت رابعہ بصریؒ سے ایک شخص نے کہا ''بہت گناہ کئے اب اگر توبہ کروں تو کیا اللہ مجھے معاف کر دے گا؟'' فرمایا: اصل معاملہ یوں نہیں بلکہ اس طرح ہے کہ اللہ تجھے معاف کر دے گا تب ہی تو تجھے توبہ کی توفیق ملے گی۔
- حضورﷺ فرماتے ہیں: میرے دل پر پردہ چھا جاتا ہے تو میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔
- ابوالحسن علی بن عیسیٰ بن داؤد بن الجراح البغدادی (م 334)' المقتدر اور القاہر وغیرہ خلفاء بنو عباس کے وزیر اعظم تھے اُن کی سواری بڑی دھوم سے نکلی' کسی غیر ملکی نے پوچھا یہ کون ہے؟ ایک عورت جو راستہ میں کھڑی تھی کہنے لگی ''ایک ایسا بندہ ہے جو اللہ کی نگاہ میں گر چکا ہے' اسی لئے تو اللہ نے اسے اس معصیت میں گرفتار کر رکھا ہے جسے تم دیکھ رہے ہو''۔ یہ بات علی بن عیسیٰ نے سن لی' گھر لوٹ کر وزارت عظمیٰ سے استعفاء دے دیا اور مکہ جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔ (یہ واقعہ امام قشیریؒ کو شیخ ابو عبداللہ بن سلمیؒ نے بحوالہ ابوبکر الرازیؒ سنایا)۔
- حسین مغازلی نے کہا کہ توبۃ الانابہ یہ ہے کہ تجھے اللہ کا ڈر اس لئے ہے کہ وہ تم پر قادر ہے' اور توبۃ الاستجابہ یہ ہے کہ تو اللہ سے حیاء کرتا ہے کہ وہ تمہارے قریب ہے۔
- ابراہیم دقاق کہتے ہیں: توبہ یہ ہے کہ جس طرح تو پہلے اللہ کی طرف پشت کئے ہوئے تھا اب تو ہمہ تن توجہ بن جائے اور پھر اس کی طرف پشت نہ کرے۔

------☆☆☆------

خلافتِ عامہ، خلافتِ خاصہ اور خلافتِ روحانی کا تعلق باہمی

رحلت سے بیس دن قبل ڈاکٹر اسرار احمد کی ٹیلی فون پر مؤلف سے گفتگو

شاہ ولی اللہ محدّث دھلویؒ کے افکار کی روشنی میں تصوّف کی حقیقت

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

مکرمی ومحترمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہٗ !

25 مارچ 2010ء کی شام آپ نے ٹیلی فون پر گفتگو کی زحمت فرمائی جس کے لئے ناچیز تہہ دل سے شکر گزار ہے۔ آپ کے فون کا مقصد مسمی زید زمان المعروف زید حامد ''خلیفہ اوّل' مدعیٔ نبوت یوسف کذاب سے آپ کی حالیہ بات چیت غالباً اس امر کی تحقیق تھی کہ عصر حاضر میں گروہ دجل و فریب اور ملحدین کا یہ چرب زبان سرخیل مسلم عوام الناس کے غیظ وغضب کے خوف سے پینترا بدل کر جو یہ جھوٹا دعویٰ کر رہا ہے کہ یوسف کذاب درحقیقت' رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ''خلافتِ خاصہ'' کا مدعی تھا نہ کہ براہِ راست نبوت کا دعوے دار تھا۔ آپ نے خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ''روحانی خلافت'' سے متعلق ناچیز کی تالیف بعنوان ''خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی و مادی جہتیں'' زیرِ طبع سے متعلقہ ابواب کی فوٹوسٹیٹ کاپی اگر ممکن ہو تو آپ کو فراہم کر دی جائے۔

ناچیز نے عرض کیا تھا کہ نوسو سے زائد صفحات پر مشتمل اس ضخیم تالیف کے اٹھارہ ابواب میں سے بیشتر ابواب میں موضوع ایک تسلسل کے ساتھ زیر بحث لایا گیا ہے اسلئے عنقریب کتاب شائع ہونے پر آپ کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔ البتہ اس کتاب کی فہرست مضامین 32 صفحات پر مشتمل مع سرورق مجلد اور جملہ ابواب کے عنوانات پر مشتمل ایک تعارفی ہینڈ بل (Leaflet) بھیج رہا ہوں تا کہ مشمولہ مضامین کی اہمیت کا ایک نظر میں اندازہ ہو جائے۔

''خلافتِ خاصہ'' کا جہاں تک تعلق ہے تو عرض ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی معرکتہ الآراء تالیف ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' میں اس کے جملہ امور پر بھرپور بحث فرمائی ہے۔ مختصراً یہ کہ:

۱) خلافت نمونہ نبوت ہو تو خلافتِ خاصہ ہے اور اسی کو خلافتِ راشدہ بھی کہتے ہیں۔

۲) حقیقتِ ''خلافتِ خاصہ'' سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے نبوت کے خواص اور لوازم کو سمجھا جائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک چار اشخاص کو ایک تن میں جمع کر دیا جائے تو اس مجموعہ کا نام نبی یا پیغمبر ہوگا۔

- شخصِ اول: وہ بادشاہ عادل ہے کہ جس کے نفسِ ناطقہ پر ملاءِ اعلیٰ سے سیاست ملکیہ کے علوم کلیہ کا القاء ہوتا ہے۔ حکمرانی اور عدل عمرانی کے اصول وفروع کا دمبدم اس کو القاء ہوتا ہے۔ حکمت سخاوت اور معدلت (یعنی عدل وانصاف) اس بادشاہ سے فطری طور پر ظہور میں آتے ہیں۔
- شخصِ دوم: وہ حکیم (فاضل) کامل ہے کہ جس کے قلب سے' اس کی زبان پر علم وحکمت کے چشمے جاری ہوتے ہیں اور لوگوں کو حکمت واخلاق کی تعلیم وتلقین میں ہر آن مصروف رہتا ہے اور اس کا نفسِ ناطقہ خود بھی ان اخلاق فاضلہ کے ساتھ علیٰ وجہ الکمال تحققاً وتخلقاً موصوف ہے۔ نیز اس کا ظاہر و باطن ان صفات اور ملکات کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے۔ بحوائے آیتِ ربانی ''اللہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر عطا کی گئی''۔ (البقرۃ: 269)
- شخصِ سوم: وہ عارفِ کامل اور صوفئ کامل اور مرشدِ کامل ہوتا ہے کہ جو تہذیبِ نفس اور تزکیۂ قلوب کے طریقوں سے بخوبی واقف' صاحبِ مقام' صاحبِ حال صاحبِ معجزات (وکرامات) 'مصدر کشف والہامات' منبع انوار و برکات ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ یعنی مریدین وسالکین کو مجاہدہ و ریاضتِ نفس کے طریقے تلقین کر رہا ہوتا ہے اور اپنے فیضِ صحبت سے ان کی تربیت کر رہا ہوتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

''اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں سے انہیں میں سے ایک رسول بھیجے جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں''۔
(آل عمران: 164۔ نیز ملاحظہ ہوں البقرۃ 151' الجمعہ: 2-3)

- شخصِ چہارم: سمٰوات میں مطاع ومکین' خداوند ذوالجلال اور انبیاء و رسل کے درمیان سفیر و واسطہ' وحی والہام اور علم کے فرشتہ اور تدبیر الٰہی کے ایک جارحہ اور ملائکہ مدبرات امراً کے سرخیل جبریل امین کے ذریعے' وہ قوتِ ملکیہ کا حامل ہوتا ہے جو جارحۂ تدبیرِ الٰہی اور واسطۂ اخذ علم خداوندی ہو یعنی اس کی اصل جبلت جبریلی ہو کہ جس کے لئے خطیرۃ القدس کی راہیں کشادہ ہوں اور ملاءِ اعلیٰ سے جو علوم اس کی عقل اور قلب پر القاء ہوں اُن کو بہ سہولت اَخذ اور جذب کر سکے۔

لہٰذا نبی' ان چار شخصیتوں کے مجموعہ کے نام ہے۔۔۔۔۔۔۔تاہم خلیفۃ اللہ' معاذ اللہ

خدا نہیں ہوتا لیکن صفاتِ خداوندی کا ایک ظل اور عکس ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ اس کا وجود باجود دنیا میں ربوبیت تشریعیہ کے اجراء اور تنفیذ کے لئے بمنزلہ جارحۂ الٰہیہ کے ہوتا ہے۔ سوم یہ کہ اس کی قوتِ علمیہ اور قوتِ عملیہ کو ملاءِ اعلیٰ کی قوتِ علمیہ و عملیہ کے ساتھ خاص تشبہ حاصل ہوتا ہے۔ چہارم یہ کہ ملاءِ اعلیٰ کی تائید، ہر موقعہ و محل میں اس کی معین و مددگار ہوتی ہے۔ پنجم یہ کہ اس کے نفسِ قدسیہ کے انوار و تجلیات کا عکس حاضرین پر بھی پڑتا ہے۔ جس کی بنا پر سلیم الطبع لوگ ظلمت سے نکل کر نور کی طرف آنے لگتے ہیں۔ ششم یہ کہ اُس کے قوائے ثلاثہ یعنی قوتِ عقلیہ، قوتِ شہویہ اور قوتِ غضبیہ، غایت درجہ معتدل ہوتے ہیں۔ ہفتم یہ کہ بخت مسعود، فتح و نصرت اور غلبۂ اعداء اور محبوبیت قلوب اس کی ہمرکاب ہوتی ہے۔

خلافتِ الٰہیہ سمجھ لینے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ خلیفۂ نبی، نبی یا رسول نہیں ہوتا لیکن نبی کی صفات کا نمونہ، ظل اور عکس ہوتا ہے۔ پس خلیفۂ راشد وہ ہوتا ہے۔ کہ جس کا نفسِ ناطقہ اپنی دونوں قوتوں یعنی قوتِ عقلیہ و عملیہ میں نبی کی قوت عاقلہ اور قوتِ عاملہ کے مشابہ اور ہم رنگ ہوتا ہے۔

خلافت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ خلافت کا ظاہر وہ ریاست اور فرماں روائی ہے جو دین متین کی تمکین، اس کی اقامت اور استحکام کے لئے ہو اور خلافت کا باطن وہ خاص تشبہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان افعال اور صفات میں مشابہ ہوتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت پیغمبر حاصل تھے۔

پس نبی کا خلیفۂ خاص وہ شخص ہے جس میں خلافت کے ظاہر اور باطن دونوں پہلو پائے جائیں اور یہ خلافتِ خاصہ مراتب ولایت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے جو نبوت سے اقرب اور اشبہ ہے (مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تالیفِ لطیف بعنوان ''خلافتِ راشدہ'' جو در حقیقت ''ازالۃ الخفاء'' کا نہایت قابل قدر خلاصہ ہے۔ درج بالا مختصر تشریحات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو خلافتِ خاصہ (یعنی خلافتِ راشدہ) کے دعویٰ کی حقارت آمیز جسارت بادی النظر میں ہی مسترد کیے جانے کے قابل ہے۔ علاوہ ازیں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فرمایا گیا ہے کہ ''خلافتِ نبوت میرے بعد تیس سال رہے گی'' ---- چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بلا فصل حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے اور دو سال چار ماہ خلافت کی۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے۔ دس سال چھ ماہ خلافت فرمائی پھر حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے اور بارہ سال سے چند روز کم خلافت کی۔ پھر حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے اور چار سال نو ماہ خلافت کی اور پھر حضرت امام حسنؓ خلیفہ ہوئے اور پانچ ماہ خلافت کی۔ اس حساب سے کل

مدت خلفاء اربعہ انتیس سال چھ ماہ ہوئی اور حضرت امام حسنؓ کی پانچ ماہ کی خلافت سے تیس سال پورے ہو گئے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے امام حسن کی صلح 15 جمادی الاولیٰ 41ھ میں وقوع پذیر ہوئی۔

(چنانچہ ملحدین کے گروہ یوسف کذاب کی حقیقت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ نے پوری تحقیق و تجسس کے بعد ایک مختصر پمفلٹ بعنوان ''راہبر کے روپ میں راہزن'' میں تحریر کی جسے عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت پاکستان نے شائع کیا۔ جسے پڑھنے کے بعد ناچیز کو پختہ یقین ہے کہ اُن کی حالیہ شہادت کے پس منظر میں بھی ملحدین کا یہی گروہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اس پمفلٹ کا ایک نسخہ آپ کے مطالعے کے لئے ارسال کر رہا ہوں۔ امید رکھتا ہوں کہ آپ پر بھی زید زمان المعروف زید حامد کے دجل و فریب اور ''دانشوری'' کا پول کھل جائے گا)۔

خلافتِ خاصہ (یعنی خلافت راشدہ) سے متعلق اس امر کے واضح ہو جانے کے بعد کہ جن اغراض و مقاصد کے لئے نبی کی بعثت ظہور میں آئی ہو انہی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے ماڈل پر جو خلافت قائم ہوگی وہی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہلا سکے گی اور اُسی کو خلافتِ راشدہ یا خلافتِ خاصہ کہا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک میں قوتِ عاقلہ کے کمال ثمرات اور نتائج میں سے وحی الٰہی تھی تو خلیفۂ راشد کی قوتِ عاقلہ کے کمال ثمرات اور نتائج میں سے صدیقیت اور محدثیت اور الہام صادقہ ہے علاوہ ازیں حکومت و فرمانروائی کا مشمولہ عنصر بھی ایک امر واقعہ و لازمہ کے طور پر خلافتِ راشدہ کا جزوِ لاینفک ہے۔ لہٰذا کون ہے جو ان اوصاف حمیدہ اور عدل و انصاف پر مبنی منصب فرمانروائی کا دعویدار ہونے کی جرأت کر سکتا ہے؟ البتہ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''تمہارے دین کی ابتداء نبوت و رحمت سے ہے اور وہ تمہارے درمیان رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر اللہ جل جلالہٗ اُس کو اُٹھا لے گا۔ پھر نبوت کے طریقے پر خلافت ہوگی جب تک اللہ چاہے گا رہے گی۔ پھر اللہ اُسے بھی اُٹھا لے گا۔ پھر جبر کی فرماں روائی ہوگی اور وہ بھی جب تک اللہ چاہے گا رہے گی۔ پھر اللہ اُسے بھی اُٹھا لے گا۔ پھر وہی خلافت بطریق نبوت ہوگی جو نبی کی سنت کے مطابق عمل کرے گی اور اسلام زمین میں پاؤں جمائے گا اس حکومت سے آسمان والے بھی خوش ہوں گے اور زمین والے بھی۔ آسمان دل کھول کر اپنی برکتوں کی بارش کرے گا اور زمین اپنے پیٹ کے سارے خزانے اُگل دے گی''۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بھی اپنی کتاب ''تجدید و احیائے دین'' میں یہ حدیث

مبارکہ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک، امام شاطبی کی موافقات اور شاہ اسمٰعیل شہید کی ''منصب امامت'' کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے ہی تسلیم کیا ہے کہ دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایسا ''لیڈر'' پیدا ہو، خواہ اس دور میں پیدا ہو یا زمانے کی ہزاروں گردشوں کے بعد پیدا ہو۔ اسی کا نام الامام المہدیؑ ہوگا''۔

آپ کی خصوصی توجہ کے لئے یہاں پر ناچیز عرض گزار ہوگا کہ آپ کی زیر ادارت و نگرانی خاص میں شائع ہونے والے ماہنامہ میثاق کے جنوری 2010ء کے شمارہ میں حضرت امام مہدی ---خلیفہ اول، دوم یا سوم؟'' کے عنوان سے شائع ہونے والے مضمون کے مندرجات بہت حد تک فکری و نظری انتشار پیدا کرنے کے موجب ہوسکتے ہیں۔ خلیفہ اول، دوم یا سوم؟ کا سوال ایک بے بنیاد گمراہ کن قیاس آرائی کے سوا اور کوئی علمی و تحقیقی بنیاد نہیں رکھتا۔ اگرچہ ادارہ کی طرف سے اس مغالطہ انگیز بحث کے مندرجات سے اتفاق ضروری نہ ہونے کا اعلان بھی کیا گیا ہے۔ لیکن ادارے کو ایسے مضامین کی اشاعت کے ذریعے انتشارِ فکر و نظر پیدا کرنے میں معاون و مددگار ہونے کے الزام سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اُمت پہلے ہی صدیوں سے متعدد فتنوں سے نبرد آزما ہے۔ الامام المہدیؑ کے تیسرے نمبر پر مہدی مدعو ہونے کا سوال اُٹھانے کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اُن سے پہلے دو ویسی ہی شخصیتوں کے نصبِ امامت کے لئے جواز فراہم کردیا گیا ہے۔ اور اسطرح سے فتنہ انگیز طالع آزماؤں کے لئے راستہ ہموار ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ایسی روشنِ طبع سے گریز لازم ہے۔

اسی شمارہ میں ''دعوت فکر'' کی کیچ لائن کے تحت اویس پاشا قرنی کے مضمون بعنوان'' فرضیت اقامتِ دین'' میں فرض عین اور فرض کفایہ کی تعریف و متعلقہ بحث میں بعض مقامات پر علماءِ اُصول کی تصریحات پیش کرنے میں جو پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے وہ علمی دیانت و ثقاہت سے متصادم ہے۔ مثلاً امام قرطبی کا یہ بیان کہ امامت کے فرض ہونے میں امت اور ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں'' سے متصل علامہ ابن خلدون کی طویل تحقیق کے نتائج کا ایک جزو یہ پیش کیا گیا کہ ''بے شک امام (خلیفہ) کا مقرر کرنا فرض ہے، اس کا وجوب شریعت سے، صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہوتا ہے۔۔۔۔۔اور اسی طرح ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے اور اس بات پر اجماع ہوگیا جو نصب امامت کے وجوب پر دلالت کرتا ہے''۔۔۔۔۔ وہاں پر صاحبِ مضمون نے علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون کے حتمی بصیرت افروز نتیجہ فکر و نظر کو پیش کرنا مناسب خیال نہیں کیا کیونکہ اس میں موصوف کے Thesis کی کھلے الفاظ میں نفی ہورہی تھی۔ فلسفہ،

تاریخ تمدّن و موارضِ تمدن کے مسلمہ امام اپنی تالیف کے "مقدمہ" حصہ اول میں موضوع زیر بحث کو سمیٹتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

> "پھر جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام کا تقرر واجب ہے اور اس پر اجماع ہے تو یہ بھی جان لیجئے کہ یہ فرض، فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں اور ارباب حل وعقد پر فرض ہے اور انہیں کے لئے متعین ہے اور تمام مخلوق پر امام کی اطاعت واجب ہے کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے ارباب امر (امامت) کی اطاعت کرو"۔ (ص۔456)

> اللہ کا شکر ہے کہ موصوف (اویس پاشا قرنی) نے امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بارے میں از خود تسلیم کیا ہے کہ "اقامت دین واجب بالکفایہ ہے۔(میثاق جنوری 2010ء ص:57)

صاحبِ مضمون اویس پاشا قرنی کو اپنے دور کے محققین علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی طرف بھی نظرِ عنایت کی توفیق ارزانی نہیں ہوسکی کیونکہ اُن سے بھی موصوف کے افکار و خیالات کی تائید ممکن نہ تھی۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تالیف سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ہفتم بعنوان "اسلام کے سیاسی نظام کے اُصول ومبادی" پر بھی ایک نگاہ ڈال لی جائے جس کے تحقیقی نتائج کی تائید و توثیق مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے کتاب کے پیش لفظ میں فرمائی ہے چنانچہ سید صاحبان فرماتے ہیں:

> "اسلام کے سارے دفتر میں ایک حرف بھی ایسا موجود نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ قیام سلطنت اس دعوت کا اصل مقصد تھا اور عقائد و ایمان، شرائط واحکام اور حقوق وفرائض اس کے لئے بمنزلہ تمہید تھے۔ بلکہ جو کچھ ثابت ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ شرائع وحقوق وفرائض ہی اصل مطلوب ہیں اور ایک حکومت صالحہ کا قیام ان کے لئے وجہ اطمینان وسکون خاطر کا باعث ہے تاکہ وہ احکام الٰہی کی تعمیل بآسانی کرسکیں۔ اس لئے وہ عرضاً مطلوب ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور آیت 24 میں فرمایا نوٹ: بہ خوفِ طوالت آیت کا ترجمہ نہیں لکھا گیا۔ براہِ کرم خود ملاحظہ فرمالیجئے گا) اس آیت میں خلافت کی عطا، خوف کے بعد امن کی بخشش اور کمزوری کی

طاقت کے حصول کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ ہر امر میں اللہ کی عبادت اور اطاعت ہو اور شرک دور ہو۔ اگر واقعہ اس کے خلاف ہوتا تو یوں کہا جاتا کہ عبادتِ الٰہی کی تعلیم اور ردِ شرک کی دعوت اس لئے ہے کہ خلافت کا قیام ہو اور سلطنت کا حصول ہو"۔ (ص۔53-52)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے نیز فرمایا ہے:

"اسلامی سلطنت کا مقصد نہ جزیہ کا حصول نہ خراج کا وصول ہے' نہ غنیمت کی فراوانی نہ دولت کی ارزانی' نہ تجارت کا فروغ نہ جاہ و منصب کا فریب' نہ عیش و عشرت کا دھوکہ اور نہ شان و شوکت کا تماشا ہے' بلکہ سرتاسر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری اور اس کے لئے جہد و جہد اور سعی و محنت کی ذمہ داری کا نام ہے"۔ (ایضاً)

خلافت خاصہ کے بعد خلافتِ عامہ

درج بالا چند ایک ضروری مباحث کے بعد ناچیز اب پھر سے اصل موضوع کی طرف پلٹتا ہے۔ چنانچہ نبوت و رحمت کے مثالی دور کے اختتام اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے مذکورہ تیس سالہ خلافتِ خاصہ کے نظام کے انہدام کے بعد "بداطوار بادشاہی" اور "جبر کی فرمانروائی" کے ادوار میں بھی اللہ بزرگ و برتر کی ربوبیت اور سنتِ متواترہ کے تقاضوں کے مطابق رشد و ہدایت کا نظام تو معطل نہیں ہوسکتا تھا چنانچہ صحابہ کرامؓ تابعینؒ وتبع تابعینؒ، صلحائے اُمت' خاصان خدا' اور اولیاء اللہ نے اپنے اوصافِ کریمانہ' عبودیت و ولایت اور عصمت (یعنی اقوال و افعال) عبادات و عادات' معاملاتِ صادقہ و مقاماتِ کاملہ اور اخلاق فاضلہ و احوال محمودہ کے ذریعے فرائض و اعمال نبوت و خلافتِ خاصہ کے ہی نمونے پر خلافتِ عامہ کا منصب جلیلہ سنبھالتے ہوئے رشد و ہدایت اور تبلیغ و تلقین' ترغیب و ترہیب اور تادیب و تعلیم کے ذریعے ایک نظام قائم کیا کہ نسلاً بعد نسلاً گذشتہ چودہ صدیوں سے اُس کے ثمرات اور فیوض و برکات سے نسل انسانی فیض یاب ہو رہی ہے۔ اس نظام روحانی کی حقیقی و امتیازی شان یہ ہے کہ کوئی طالع آزما بزعم خود اس خلافتِ عامہ کا مسلمہ دعویدار نہیں ہوسکتا اسلئے کہ اُس کے انتظامی و روحانی منصب کو "خلیفہ مجاز" سے موسوم کیا جاتا ہے گویا کہ اُسے کسی نہ کسی مستند و تسلیم شدہ تقدس مآب پشت پناہ اتھارٹی کی طرف سے اُس کے منصب پر فائز اور با اختیار کیا گیا ہوتا ہے اور یوں ہر دور کے خلفاء مجاز کا تسلسل و تواتر کے ساتھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نہ کسی صحابیؓ یا خلیفۂ راشدؓ کے ساتھ عمومیت کے ساتھ بلا انقطاع پختہ تعلق ثابت کیا جاسکتا ہے چنانچہ سلسلۂ عالیہ چشتیہ' قادریہ سہروردیہ اور بہت سے دوسرے سلاسل حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ساتھ اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتے ہیں۔ اگرچہ معدودے چند بزرگانِ دین طریق اویسیہ کے تحت براہ راست بھی حضور نبیٔ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں لیکن اُن کی بزرگی پرہیز گاری عظمت وفضیلت اظہر من الشمس ہوتی ہے۔ تاہم اصل الاصول کے طور پر پہلے طریقہ پر ''خلیفۂ مجاز'' ہی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور اسی پر بزرگان دین کا اجماع ہے۔ تاہم حضور نبی مکرم ورحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فیضان پر تو کوئی قدغن نہیں جو بزرگان دین پر ہر آن باران رحمت کی طرح سایہ فگن رہتی ہے۔ ہمارے قریب ترین دور میں اس کی مثال اور ثبوت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تالیف ''فیوض الحرمین'' ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کتاب میں اپنے مکاشفات بیان فرمائے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد علمی وفکری معاملات پر براہِ راست رہنمائی حاصل کرنے کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں حقیقتِ امامت وہدایت' کمالاتِ انبیاءؑ کے ساتھ کمالاتِ اولیاء اللہ کی مشابہت' اقسامِ امامت (حقیقیہ وحکمیہ)' امامتِ خفیہ وامامت باطنہ اور امامتِ تامہ' سلطنتِ عادلہ وسلطنتِ جابرہ اور سلطنتِ ضالہ وسلطنتِ کفر ' نیز بہت سے دیگر متعلقہ امور وموضوعات پر شاہ اسماعیل شہید کی کتاب منصبِ امامت کا مطالعہ بھی سودمند ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب بھی آپ کی نظر سے ضرور گزر چکی ہوگی۔ ناچیز نے اپنی تالیف ''خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی ومادی جہتیں'' میں پوری تفصیل کے ساتھ متعلقہ موضوعات پر بحث و تمحیص کی ہے۔

خط کچھ زیادہ ہی طوالت اختیار کر گیا۔ آپ کو پڑھنے کی زحمت دینے پر معذرت خواہ ہوں۔ ان دنوں عمر رسیدہ ہونے کے باعث متعدد عوارض جسمانی میں بھی مبتلا ہوں اور بمشکل تمام قلم کی گرہ کھلتی ہے تو کچھ لکھ لیتا ہوں۔ تاہم آپ کی صحت کے لئے دعا گو ہوں۔

فقط والسلام مورخہ 12۔اپریل 2010ء

خاکپائے صلحائے امت' دُعاجو

احقر العباد (نبی احمد لودھی) عفی عنہٗ

A-960/6 عابد مجید روڈ،
راولپنڈی کینٹ۔
فون: 051-5581331

خلافتِ عامہ' خلافتِ خاصہ اور خلافتِ روحانی کا تعلق باہمی

نوٹ: درج ذیل مضمون جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مرحوم (26۔اپریل 1932ء تا 14۔اپریل 2010ء) کو لکھے گئے مکتوب میں شامل نہیں تھا لیکن موضوع زیر بحث متقاضی تھا کہ خلافت کی روحانی جہت کے جواز پر مزید تفصیلات بھی اس میں شامل کردی جائیں۔ چنانچہ اسے بعد ازاں تحریر کر کے شامل کیا جا رہا ہے تا کہ مضمون سے استفادہ میں سہولت پیدا ہو۔ (مؤلف)

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دھلویؒ اپنی معرکتہ الآراء تالیف ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء کے دیباچہ میں سبب تالیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اس بندۂ ضعیف کے دل میں ایک علم پیدا کیا گیا جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ خلافت ان بزرگوں کی ایک اصل ہے اصول دین سے۔ جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے کوئی مسئلہ مسائل شریعت سے مضبوط نہ ہوگا کیونکہ اکثر احکام جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں مجمل ہیں۔ بغیر تفسیر سلف صالحین کے اُن احکام کا حل نہیں ہو سکتا اور اور اکثر حدیثیں خبر واحد ہیں۔ شرح کی محتاج ہیں۔ بغیر اس کے کہ سلف کی ایک جماعت اُن کو روایت کرے اور مجتہدین اُن سے استنباط کریں قابل تمسک نہیں ہو سکتیں اور نہ بدوں ان بزرگوں کی کوشش کے متعارض حدیثوں میں تطبیق کی کوئی صورت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح تمام فنون دینیہ مثل علم قرأت و تفسیر و عقائد و سلوک' بغیر اقوال ان بزرگوں کے کسی اصل پر قائم نہیں رہ سکتے اور سلف صالحین نے ان امور میں خلفائے راشدینؓ ہی کی پیروی کی ہے اور انہی کے دامن کو مضبوطی سے پکڑا ہے"۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی تحریر کو دو مقاصد میں منقسم کیا۔ مقصد اول میں خلافتِ عامہ اور خلافتِ خاصہ کے معنے اور خلافت کی شرائط اور اُس کے متعلقات اور حقیقت خلافتِ خلفاء کی دلیلوں کا بیان ہے اور اس اختلاف کا حل ہے کہ (اقامت) خلافت نص کی وجہ سے تھی یا اجتہاد سے۔ مقصدِ ثانی میں خلفاءِ اربعہ کے فضائل کا بیان ہے۔ مقصدِ اول میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تمام خلق اللہ کے لئے مبعوث ہوئے تو آپؐ نے مخلوق کے ساتھ بہت سے معاملات اور تصرفات کئے اور ہر معاملے کے لئے اپنا نائب مقرر فرمایا اور ہر ایک معاملہ میں اہتمام عظیم کیا۔ ان معاملات میں جب ہم غور کرتے ہیں جزئیات سے کلیات کی طرف اور پھر کلیات سے ایک ایسی کلی کی طرف جو سب کو شامل ہو منتقل ہوتے ہیں تو ان سب کی جنس عالی

دین کی اقامت ہے جو تمام کلیات کو متضمن ہے اور اس کے تحت میں دوسری جنسیں ہیں۔ اُن میں سے ایک جنس علوم دینیہ کی اشاعت ہے جسے قرآن وحدیث کی تعلیم اور وعظ ونصیحت کرنا جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ''وہی ہے جس نے مبعوث فرمایا اُمیوں میں ایک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اُنہی میں سے جو اُن کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے۔ اور اُن کو (اخلاقِ رزیلہ سے) پاک کرتا ہے۔ اور اُن کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے''اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا فریضہ تھی اور باستفاضہ (روایت کا ایسی سند سے ثابت ہونا کہ جس کے ہر طبقہ میں دو سے زائد راوی ہوں استفاضہ کہا جاتا ہے۔ ایسی روایت کو مستفیض اور مشہور بھی کہتے ہیں) ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو وعظ ونصیحت برابر کرتے رہتے تھے۔ دوسری جنس ارکانِ اسلام کا قائم کرنا کیونکہ باستفاضہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اور عیدین اور پنج وقتی جماعت کی امامت کا اہتمام خود کیا کرتے تھے۔ اور ہر مقام پر امام مقرر فرماتے تھے۔۔۔۔۔۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمایا تو بھی اُسی تفصیل مذکورہ کے ساتھ دین کا قائم رکھنا ضروری ہوا اور دین کا قائم رکھنا ایک ایسے شخص کے مقرر ہونے پر موقوف تھا جو اس کام میں اہتمام عظیم کرے اور ہر ملک میں اپنے نائب بھیجے اور ان کے حال سے خبر دار رہے تاکہ اس کے نائب اس کے حکم سے انحراف نہ کریں اور اس کے اشارے پر چلتے رہیں۔ ایسا ہی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور بجمیع الوجوہ آپ کا نائب ہوگا۔

(یہاں پر تحریر ھذا کا ناچیز محرر عرض گزار ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ کے انہی دلائل کی رو سے خلافتِ راشدہ کے انہدام کے بعد صلحائے اُمت یا صوفیۂ عظام نے عمومی خلافت کے تسلسل کو قائم رکھنے کا بیڑا اُٹھایا اور اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق فرائض نبوت وخلفاءِ راشدین ''(بدون قیام ریاست وحکومت اور اُس سے متعلقہ فرائض کی انجام دہی) کے دیگر فرائض کی انجام دہی کو اپنے اوپر لازم قرار دیا۔ اسی کو وہ روحانی خلافت سے تعبیر کرتے ہیں)

البتہ خلافتِ عامہ کی جو تعریف فصل اول کی ابتداء میں حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمائی وہ یہ تھی کہ ''خلافتِ عامہ وہ ریاستِ عامہ ہے جو بذریعہ علوم دینیہ کے زندہ رکھنے اور بذریعہ ارکان اسلام قائم کرنے اور بذریعہ جہاد اور متعلقاتِ جہاد کے قائم رکھنے کے جیسے لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا، مالِ غنیمت کو اُن پر تقسیم کرنا اور بذریعہ عہدہ قضاء کے فرائض انجام دینے اور حدود کو قائم رکھنا اور مظالم کو دور کرنا اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دینا اور بُرے کاموں سے منع

کرنا بحیثیت نائب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بالفعل حاصل ہوئی"۔۔۔۔۔اس تعریف کا اطلاق چونکہ صرف خلفاءِ راشدین پر ہی ہوسکتا ہے۔ اس لئے کوئی دوسرا شخص اس خلافتِ عامہ کا دعویدار نہیں ہوسکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک مسلمانوں پر اس خلیفہ کا منصوب (یعنی تقرر) جو جامع شرائطِ خلافت ہو فرض کفایہ ہے (اور قیامت تک فرض رہے گا) جس کی دلیل اول یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد خاکی تدفین سے بھی پہلے خلیفہ کے تقرر و تعین کی طرف مائل ہوئی تاہم اندریں حالات یہاں پر دو اہم نکات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا۔ کہ خلافت کی اس جہت (جسے ہم مادی خلافت سے تعبیر کر رہے ہیں) کا قیام تو آج ممکن العمل نظر نہیں آتا بلکہ خلافتِ راشدہ کے بعد سے آج تک ممکن العمل نہ ہوسکا۔ تو خلافت کی روحانی جہت کا تسلسل اور بھی ضروری بلکہ لازمی قرار پایا کہ اس میں سوائے حدود و تعزیر و چند دیگر امور کے شریعت کے جملہ احکام پر عمل درآمد ہوسکتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اصل مقصود تعلق باللہ ہے۔ جو خلافت کی روحانی جہت کے قیام سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اور گزشتہ چودہ صدیوں سے حاصل ہو رہا ہے۔ دلیل دوم حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ حدیث (نبویؐ) میں وارد ہے کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کی گردن میں (کسی خلیفہ کی) بیعت (کا رشتہ) نہ ہو وہ جاہلیت کی (سی) موت مرا۔ یہ حدیث نصِ شرعی ہے۔ (یعنی حقیقتاً مرفوع ہے (مرفوع اس روایت کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل یا حال ہو)۔

یہاں پر راقم الحروف عرض گزار ہے کہ یہ مقصد بھی خلافت کی مادی جہت کے عدمِ قیام کی صورت میں صرف اور صرف روحانی خلافت کے قیام و انصرام سے ہی گزشتہ چودہ سو برس سے پورا ہو رہا ہے بصورت دیگر تو بیعت کا انقطاع جاہلیت کی موت مرنے کے مترادف ہوتا۔ دلیل سوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کو اور فیصلہ خصومات کو اور علوم دین کے زندہ رکھنے کو اور ارکانِ اسلام کو قائم کرنے کو اور بلادِ اسلام سے کفار کے (حملے) دور رکھنے کو فرض کفایہ کر دیا ہے۔ اور یہ سب باتیں بغیر امام (یعنی خلیفہ) کے مقرر کئے ہوئے صورت پذیر نہیں ہوسکتیں" ناچیز راقم الحروف عرض پرداز ہے کہ اگرچہ یہ مقصد فرض کفایہ کی ادائیگی کے بغیر تکمیل نہیں پاسکتا تاہم اس کے پورا کرنے کے لئے "بلادِ اسلام" کی تشکیل و قیام سب سے پہلے ضروری ہے جہاں مذکورہ امام (یا خلیفہ بمعنی حکمرانِ ملک) کا تقرر کیا جاسکے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صلحائے اُمت یا صوفیائے عظام نے دورِ حاضر میں کم سے کم برعظیم پاک و ہند کی حد تک اس فرض کفایہ کو بھی اپنی استطاعت کی حد تک تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیکر پورا کیا اور نظریہ اسلام کے مطابق

استحکام پاکستان کے لئے اسلامی دستور اور قراردادِ مقاصد کی منظوری میں اپنا فرض ادا کیا۔ جب کہ کانگریسی علماء نے تشکیل پاکستان کی مخالفت کر کے احکامِ اسلام کی خلاف ورزی کی جس کے لئے وہ عند اللہ یقیناً جوابدہ ہوں گے۔ ملکِ خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی مملکت بنانے اور نظریہ پاکستان کو عملی شکل دلوانے میں بھی صوفیہ کرام گزشتہ چھ دہائیوں سے زائد عرصہ سے برابر اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ جس کی تفصیلات اور اس کے باوصف عملی سیاسیات سے کنارہ کش رہنے کی وجوہ ہم اپنی کتاب ''خلافت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی و مادی جہتیں'' میں کماحقہٗ بیان کر چکے ہیں۔ اور اس سلسلے میں اُٹھنے والے جملہ اعتراضات اور پیدا ہونے والے اشکالات کے جوابات بھی دے چکے ہیں۔

یہاں پر مناسب ہوگا کہ ہم خلافتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی جہت یعنی ''خلافتِ روحانی'' کی مزید تشریح و توضیح کے لئے امام الہند شاہ ولی اللہ محدّث دھلویؒ کے فکر و فلسفہ سے رہنمائی کی غرض سے تصوف کے موضوع پر اُن کی دیگر تصانیف کی طرف رجوع کریں۔ چنانچہ آپ کی متعدد چھوٹی بڑی تصانیف میں سے ایک بہت ہی اہم کتاب '' ھَمعات '' تسلیم کی جاتی ہے جو فارسی میں لکھی گئی تھی لیکن اُس کا سلیس اُردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور نے تصوف کی حقیقت اور اُس کا فلسفۂ تاریخ'' کے عنوان سے 1944ء میں کیا تھا۔ ہمعات کے معنی ''الہامی قطرات'' کے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے تصوف کے اسرار و رموز کی عقدہ کشائی کے لئے اپنی فکر و نظر کے نتائج کو ''ہمعات'' کا نام اس لئے دیا کہ اس کتاب میں مشمولہ کلمات و مضامین از قبیل رشحاتِ الہام تھے جو آپ کے قلبِ مصفاء و منزہ پر نازل ہوئے اور انہوں نے راہِ سلوک کے شیدائیوں اور ملتِ مصطفویہ میں موجود رجوع الی اللہ کا ذوق و شوق رکھنے والے فدائیوں کے استفادہ کے لئے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا تاکہ وہ ان سے فیضانِ روحانی حاصل کر سکیں۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا' شاہ صاحب کے نزدیک دین اسلام کی دو حیثیتیں ہیں، ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔ جہاں تک دین کی ظاہری حیثیت کا تعلق ہے' اُس کا مقصود مصلحتِ عامہ کی نگہداشت اور اس کی دیکھ بھال ہے جب کہ نیکی و اطاعت کے کاموں سے دل پر پاکیزہ اور صالح اثرات مرتب ہوتے ہیں' ان کے احوال و کوائف کی تحصیل دین کی باطنی حیثیت کا مقصود اور نصب العین ہے۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک تصوف کے طریقوں میں سے اب تک چار بڑے تغیرات ہو چکے ہیں جنہیں وہ تصوف کے چار ادوار سے تعبیر کرتے ہیں۔

تصوف کا پہلا دور: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' صحابہ کرامؓ ' تابعین و تبع تابعین اور اُس سے

متصل زمانے کی چند نسلوں کو شاہ صاحبؒ تصوف کے پہلے دور سے تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ اس دور کے خوش قسمت لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یا تو براہِ راست فیضانِ نگاہ کی دولت ارزانی تھی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تزکیہ یافتہ لوگوں کی صحبت نصیب تھی اس لئے ان اہل کمال کی بیشتر توجہ زیادہ تر شریعت کے ظاہری اعمال کی طرف رہی کیونکہ انہیں باطنی زندگی کے جملہ مراتب تک رسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے قرب و احسان کی بدولت ہی حاصل ہو جاتی تھی۔

تصوف کا دوسرا دور: شاہ صاحب کے نزدیک یہ دور صوفیہ کے سرخیل حضرت جنید بغدادیؒ سے شروع ہوا۔ اُن کے زمانے میں یا ان سے کچھ پہلے تصوف کے ایک اور رنگ کا ظہور ہوتا ہے۔ جب کہ اہل کمال میں سے ایک طبقہ تو قرن اول کے طریقوں پر کاربند رہا لیکن بعض خواص بڑی بڑی ریاضتوں میں مصروفِ عمل ہو گئے تاکہ اپنے دور کے فتنوں سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے عمومیت کے ساتھ دنیا سے قطع تعلق کو ترجیح دینا شروع کر دی۔

تصوف کا تیسرا دور: شاہ صاحب کے نزدیک تیسرے دور کا آغاز سلطان الطریقت شیخ ابوسعید بن ابی الخیرؒ اور شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے زمانے میں ہوا۔ ان میں سے کچھ خواص نے باطنی احوال و کیفیات کو اپنا نصب العین بنایا اور دیگر نے اعمال و احوال سے گزر کر "جذب" تک رسائی حاصل کی جس کے نتیجہ میں اُن پر توجہ کی نسبت کا راستہ کھل گیا۔ اور اسی سے تعینات کے سب پردے ان کے لئے چاک ہو گئے۔ توجہ کے علاوہ باقی جو نسبتیں ہیں یہ لوگ انہیں نورانی حجاب سمجھتے تھے۔ اس دور میں توحید وجودی اور توحید شہودی میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔

تصوف کا چوتھا دور: آخر میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اور اُن سے کچھ پہلے کا زمانہ آتا ہے۔ یہ لوگ کیفیات و احوال کی منزل سے آگے بڑھ کر حقائق تصوف کی بحث و تدقیق کرنے لگے۔ ذاتِ واجب الوجود سے کائنات کس طرح صادر ہوئی؟ ان بزرگوں نے ظہور وجود کے مدارج اور تنزلات دریافت کئے۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک تصوف کے چاروں طریقے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں اور ملاءِ اعلیٰ میں بھی ان سب کی منزلت مسلم ہے۔ ان بزرگوں کے ہر طبقے کے اقوال اور احوال کو ان کے زمانے کے ذوق کے مطابق جانچا جائے۔ اس سلسلے میں یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ ہم ایک عہد کے اربابِ تصوف کے اقوال و احوال کو دوسرے عہد کے معیاروں سے ناپتے پھریں۔ شاہ صاحب کے نزدیک سلوک کی پہلی منزل طاعت ہے۔ آپ نے اس اہم ترین کتاب میں ذکر و فکر و

اذکار، اورادو وظائف، آدابِ سلوک، ذکر کے آداب، مراقبہ اور اس کے احکام، راہِ سلوک کی رکاوٹیں، توحید افعالی، توحید صفاتی اور توحید ذاتی نسبتِ سکینہ (یعنی نورِ طاعت)، نسبتِ اویسیہ، نسبتِ یادداشت، نسبتِ توحید، نسبتِ عشق، نسبتِ وجد، صوفیائے کرام کے طبقات اور اُن کی نسبتیں، انسانیت کے چار بنیادی اخلاق (یعنی طہارت، عجزوخضوع، سماحت یا جوانمردی، عدالت) بنی نوع انسان کی اصناف اور اُن کی استعدادیں، بنی نوع انسان کے لطائف، اصحابِ یمین، کرامات وخوارق، بخت کا بیان جیسے موضوعات پر شرح وبسط سے روشنی ڈالی ہے۔

شاہ صاحب کی دیگر تصانیف میں اہم ''لمحات'' (فلسفۂ تصوف کی بنیادی کتاب) سطعات (سطعہ بمعنی چمکدار چیز) الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس، مکتوب مدنی (وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق) فیوض الحرمین (مبنی بر مکاشفات والہامات)، القول الجمیل (بیعتِ توبہ و ارشاد) قابلِ ذکر ہیں۔

شاہ صاحب کی تحقیق کے مطابق دین اسلام کی جو دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسری باطنی، اسلام کی ظاہری حیثیت کا تعلق اُن اعمال واحکام سے ہے جن سے فرد اور جماعت کی خارجی زندگی کی تشکیل ہوتی ہے اور نیکی اور طاعت سے انسان کے دل میں جو معنوی کیفیات پیدا ہوتی ہیں وہ مقصود اور نصب العین ہے اسلام کی باطنی حیثیت کا۔ دین کی ظاہری حیثیت کی حفاظت فقہاء، محدثین، مجاہدین اور قاری کرتے رہے جب کہ طاعت ونیک شعاری کے جن کاموں سے نفس پر اچھے اور صالح اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور اس سے دلوں کو جو لذت ملتی ہے، اس کی آبیاری اور نگہداشت ونگرانی بزرگ محافظین کا دوسرا گروہ کرتا رہا ہے۔ جو عامۃ الناس کو ان کاموں کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک دین کی اس باطنی حیثیت کا مغز اور نچوڑ صفتِ ''احسان'' ہے جس کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ ''عبادت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اس یقین کے ساتھ عبادت کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو کم سے کم عبادت کرنے والے کو یہ یقین ہو کہ اللہ اُسے دیکھ رہا ہے''

لہٰذا آخر میں ناچیز بندۂ ضعیف حضرت علامہ کی دُعائے اولین (جو ان کے کلام بلاغتِ نظام ''زبورِ عجم'' کی ابتداء میں شامل ہے) میں خود کو دُعائے آخرین کے طور پر شریک سمجھتے ہوئے اللہ بزرگ وبرتر کے حضور ملتمس ہے کہ

یا رب درونِ سینہ دِل باخبر بدہ ۔۔۔ در بادہ نشہ را نگرم، آں نظر بدہ
شاہینِ من بصیدِ پلنگاں گذاشتی! ۔۔۔ ہمتِ بلند و چنگل ازیں تیز تر بدہ

رفتم کہ طائرانِ حرم راکنم شکار تیرے کہ نافگندہ فتد کارگر بدہ
خاکم بہ نور نغمہ ٔ داؤدؑ بر فروز ہر ذرۂ مرا پر و بال شرر بدہ

ترجمانی: یارب میرے سینے میں باخبر دل عطا کر + مجھے وہ فکرونظر اور حکمت عطا کر جس سے میں شراب کے اندر موجود نشہ کو دیکھ سکوں۔ (یعنی کائنات کی ہر شے میں اس کے خالق و مالک و رازق کی پنہاں حکمتوں اور اُس کی جلوہ گری کا نظارہ کر سکوں۔ تصوف کی اصطلاح میں اسے ''دل زندہ'' کہا جاتا ہے) حضرت علامہؒ کے نزدیک یہی تو اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ ہے۔

O (یاربِ کریم وحکیم وغالب) تو نے میرے اندر موجود شاہین (صفت عزائم وارادوں کو) درندہ صفت چیتوں کے شکار پر جھپٹنے کے لئے چھوڑا ہے۔ تو مجھے پہلے سے بھی زیادہ ہمت (اور عزم صمیم) عطا فرما اور میرے پنجے (یعنی قلم کی کاٹ کو) زیاد تیز اور مؤثر بنا (تاکہ ایک گمراہ معاشرے میں جہاں مغرب کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے عقائد واعمال میں گمراہی اور بے راہ روی اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑ چکی ہے۔ اور مسلمان نورِ ہدایت سے دور ہو کر ہر قسم کی بداعمالیوں کا شکار ہیں' میرا پیغام اصلاحِ احوال کا ذریعہ ثابت ہو۔

O میں طائرانِ حرم (یعنی کعبۃ اللہ پر ایمان رکھنے کے دعویدار پرندوں) کا شکار کرنے نکلا ہوں + مجھے ایسا تیر عطا کر جو چلائے بغیر ہی (میرے شکار کو) ڈھیر کر دے۔ (مراد ہے کہ میں نے اپنے پیغام کے ذریعے مسلمانوں' خصوصاً دین فروش علماء اور درویشی کا لباس اوڑھ کر مسلمانوں کو فریب دینے والے بہروپیوں کی اصلاحِ احوال کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ کام بے حد مشکل اور محنت طلب ہونے کے باعث اللہ کی توفیق سے ہی نتیجہ خیز ہو سکتا ہے)۔

O میں تو مٹی ہوں (یعنی میری تخلیق بے نور کھنکتی مٹی سے ہوئی) تو داؤد علیہ السلام کے نغمہ کے نور (کے طفیل) میرے پیغام کو روشن مؤثر اور قابلِ قبول بنا۔ اور میری خاک کے ہر ذرہ کو عشق کی ایسی تپش سے منور فرما دے جو پڑھنے والوں کے دلوں کو بھی گرما دے) حضرت داؤدؑ کی نسبت کے واسطہ سے مراد یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر ''زبور'' نازل کی گئی۔ وہ جب اس کی قرأت فرماتے تو اُن کے نغمہ بار گلے کی بدولت' اسے جنوں' انسانوں' درندوں' پرندوں اور چرندوں میں سے جو بھی سنتا دم بخود ہو جاتا تھا۔ حضرت علامہؒ نے اپنے پیغام میں اسی تاثیر کو اپنے رب کے حضور سے طلب فرمایا۔ ناچیز مؤلف' تحریر ھذا کے ذریعے' حضرت علامہ کی آواز میں آواز ملا کر ربِّ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملتجی ہے کہ اُس کی تحریر میں بھی عوام وخواص کے لئے ویسی ہی تاثیرِ قبولیت پیدا فرما دے۔ (آمین ثم آمین یارب العالمین)

-----O-----

مَنْ لَا شَيْخَ لَهٗ فَشَيْخُهُ الشَّيْطٰنِ (غزالیؒ)

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی' ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں (اقبالؒ)

ہاتھ ہے اللہ کا' بندۂ مومن کا ہاتھ !
غالب و کار آفریں' کارکشا' کار ساز
خاکی و نوری نہاد' بندۂ مولا صفات
ہر دو جہان سے غنی' اُس کا دل بے نیاز
اس کی اُمیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب' اُس کی نگہ دِل نواز

شہبازِ پیر بڑوھویؒ ● مُحبِّ امیر حزب اللہؒ
مشفقؒ شفیقؒ ونورِ عتیقؒ

حضرت خواجہ حافظ محمد صدیق چشتی نظامی السالمیؒ

(ہجری تقویم کے مطابق ایک سو چودہ برس کی عمر میں وصال مبارک: یکم ذیقعد 1398ھ بمطابق 12 اکتوبر 1978ء)

ملفوضات وافادات ومعمولات' اوراد ووظائف ولطائفِ روحانی کی
ایک صدی سے بھی زائد عرصہ پر محیط کار آفریں وکارکشا داستانِ حیات

آپؒ فرماتے ہیں: ● نسبت بڑی چیز ہے' لکڑی جس کی نسبت رحل کی صورت میں قرآن شریف سے ہوگئی' اُس کا ادب بھی مقدم ہوگیا' جس لکڑی کی نسبت کُھرلی سے ہوگئی اُس کا کھونٹا بنا جس سے گدھا باندھا گیا اور اُس پر گندگی پڑنے لگی۔۔۔ چنانچہ سنگت فقیر کی جو حقیقت رکھتی ہے اس کی مثال اصحابِ کہفؓ کا کتا ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ● فقر کے معنی محتاجی کے ہیں لیکن مخلوق کی نہیں بلکہ اللہ کی محتاجی: فقیر وہ ہے جو تھوڑا کھائے' تھوڑا سوئے تھوڑی مجلس کرے ● فقیری کیا ہے؟ تقویٰ' توکل اور خوفِ خدا
● تزکیۂ نفس کے ذریعے متقی بننے کے طور طریقوں (طریقت) پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کرتے:

ت ثلّہ بنھ توکل والا' ہو مردانے تریئے ہُو — جیں دُکھ سُکھ حاصل ہووے انہیں دُکھیں مول نہ ڈریئے ہُو
فانّ مَعَ العُسرِ یُسراً آیا چت اُسے دل دھریئے ہُو — اوہ بے پرواہ درگاہ ہے باہُو اُوتھے رورو حاصل بھریئے ہُو

(یعنی جس طرح تیراک ثلّہ (دریائی سفر کا ساز وسامان) اکٹھا کرکے دریا میں اُترتے ہیں' اسی طرح رجوع الی اللہ کا عزم وحوصلہ رکھنے والے دردمند درویش کے لئے لازمی ہے کہ دریائے وحدت کو تیر کر پار کرنے کے لئے مُرشد کی تعلیمات پر کمر ہمت باندھ کر توکل اختیار کرے۔ کمال تک پہنچنے کی مردانہ وار جرأت اور آخرت میں کامرانی کے انعامات پانے کی جُہدِ مسلسل جاری رکھے۔ اللہ پاک کو راضی کرنے

کے لئے دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرنے کے دوران دکھوں اور تکلیفوں کو خندہ پیشانی سے جھیلنا ہی اس راستے میں کامیابی کی ضمانت ہے) ○ تزکیۂ نفس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے:

اُتوں مَل مَل دھوندیں ایں' وچوں مَل مَل دھو
اُتوں دھونا کی کرے جے اندر صاف نہ ہو

(یعنی تم ملمع سازی سے کام لیتے ہو اور اندر کا کھوٹ دور کرنے پر تمہاری کوئی توجہ نہیں جب کہ انسان اُس وقت تک منزل مراد نہیں پا سکتا (اللہ والا نہیں بن سکتا) جب تک اپنے قلب ونظر کی تطہیر نہیں کرتا۔ گویا کہ تزکیۂ نفس واصل باللہ ہونے کی شرط اوّلین ہے اور اسی کے طور طریقے کو طریقت کہتے ہیں) ○ روحانی صحت وتوانائی اور تندرستی کے اُصولوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کرتے کہ دورِ حاضر کے جدید تعلیم یافتہ' فلسفہ زدہ' بزعم خویش عقل کے پجاری ایک بنیادی اُصول سمجھنے سے قاصر ہیں کہ:

شریعت سمجھو سچی اے' طریقت کدھریوں کچی اے
گُر پایاں پُتلی نچی اے' اے بھید گُراں دے گھر دا اے
گُر جو چاہے سو کر دا اے ' گُر خالی بھانڈے بھر دا اے

(تدبر وحکمت سے بھرے ہوئے ان اشعار کا واضح مطلب یہ ہے کہ شریعت بلاشبہ قرآن وسنت' احکامِ خلفاءِ راشدینؓ اور آثارِ صحابہؓ سے اخذ ووصول میں موجود حق وصداقت کا نام ہے لیکن عملی سطح پر اس کی تفصیلات سے آگاہی اور اس پر عمل درآمد کے طور طریقے بتانے اور اسلوبِ ادب سکھانے کے لئے ایک دیدہ ور' محرم راز اور علم وعمل کے شاہسوار کی صورت میں ذاتِ کامل سے رہنمائی کے بغیر منزل مقصود ہاتھ نہیں آسکتی۔ آدم علیہ السلام کی مٹی کے بت میں جب اللہ بزرگ وبرتر نے اپنی خاص الخاص رُوح پھونکی تو وہ مسجودِ ملائک کے مقام پر فائز ہونے کے لائق ہوئے۔ پھر نسل انسانی کو دنیا وآخرت میں فلاح وکامرانی کے گُر سکھانے کے لئے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث کئے گئے۔ یہی بھید یعنی سنتِ الٰہی ہے لیکن جو شخص خالی الذہن ہو کر گُر (یعنی مرشد یا اُستاد) کے پاس (گُر سیکھنے) سبق لینے آئے گا وہی مراد پائے گا۔ جو خود کو پہلے سے افلاطونِ زماں خیال کرتا ہوگا وہ ناکام ونامراد رہے گا۔

فرمایا کرتے ''کلمہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) سے دوستی رکھو دنیا کا مال' دولت اور جاہ وحشمت دنیا ہی میں رہ جائے گا۔ بھائی' اولاد' دوست' اور رشتہ دار بھی زیادہ سے زیادہ قبر تک ساتھ نبھائیں گے لیکن کلمہ آخری منزل (رضائے الٰہی) تک پہنچانے کی ضمانت ہوگا''

ناچیز مؤلف حقیر وپر تقصیر ابو ناصر نبی احمد لودھی کا اپنے مرشد پاک کے حضور عاجزانہ ہدیۂ عقیدت۔ یہ تالیف عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر تشنگانِ معرفتِ الٰہی کی پیاس بجھانے کا سامان کرے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

ناشران فانوس پبلی کیشنز A-960/6 عابد مجید روڈ، راولپنڈی کینٹ (پاکستان)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
مولانا امین احسن اصلاحی
ڈاکٹر اسرار احمد
بھارتی دانشور اسرار عالم
جاوید احمد غامدی وغیرہ
کے فکری مغالطوں پر
کڑی گرفت

تالیفِ لطیف ''ختم الرسل ﷺ'' کے
مؤلف ابوناصر نبی احمد لودھی
کی بیش قیمت' تاریخی' علمی' تحقیقی وتنقیدی کاوش
عصر حاضر میں تلبیس ابلیس
''جدید فکرِ اسلامی''
ایک تحقیقی وتنقیدی جائزہ

اُمتِ مسلمہ کے خلاف
باطل فرقوں کے منفی پروپیگنڈا
اور
یہود ونصاریٰ کے آلۂ کار دانشوروں
کے ہاتھوں فکر اسلامی کو مسخ کرنے
کی سازشوں کا محاسبہ ومحاکمہ

کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکی ہے جس میں فاضل مؤلف نے اپنے عہد کے مسلم وغیر مسلم انتشار انگیز داعیانِ دین ومذاہب کی موشگافیوں' تضاد بیانیوں اور نصوص قرآن وسنت کے خلاف تحریروں اور بیانات کا نہایت مؤثر انداز میں محاسبہ ومحاکمہ کیا ہے۔

آج جب کہ مسلم اُمہ فتنہ ہائے نو بہ نو سے زار وزبوں ہے اور نسلِ انسانی شر وفساد کا ایندھن بنی ہوئی ہے۔ طاغوت اور شیطانی قوتیں منظم ہیں جب کہ دینی وروحانی طاقتیں منتشر اور حرص وہوس کا شکار اور باہمی آویزشوں کے باعث غیر مسلم اقوام کیلئے خوانِ یغما بنی ہوئی ہیں' دین اسلام میں منفی سوچ کے حامل بعض تجدد پسند دانشور مسلمہ عقائد' اسلاف کے کارناموں اور تاریخ اسلام کی روحانی وبلند پایہ شخصیتوں کے بارے میں بد اعتمادی پیدا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں اور مسلمانانِ عالم کے قلوب اور معصوم ذہنوں کو مسموم کرنے اور حکمات دین وایمان' اصلاح نفس کے اداروں اور روحانیات کے بارے میں شکوک وشبہات ابھارنے اور حقارت پیدا کرنے کے مشغلہ کو شعار بنائے ہوئے ہیں' ''جدید فکر اسلامی'' میں انہی گمراہ کن رجحانات کی سرکوبی کیلئے مؤلف کتاب ھٰذا نے اپنی وقیع ورفیع علمی تحقیق کے ذریعے وقت کی اہم ترین ضرورت کو پورا کیا ہے تا کہ امت مسلمہ باہمی انتشار اور باطل نظریات وعقائد سے محفوظ رہ سکے۔

جناب ابوناصر نبی احمد لودھی نے عصر حاضر میں اُمتِ مسلمہ کے نام نہاد ''مصلحین'' جو گم گشتہ راہ ہیں' کیلئے صراطِ مستقیم اور منزل کی صحیح نشاندہی کر دی ہے۔ فاضل مؤلف نے کتاب کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا ہے کتاب کے آخر میں متعدد ضمیمہ جات کے ذریعے بھی عصر حاضر کے فتنوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

دین اسلام میں مسلماتِ عقائد اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے افکار ونظریات کی اصلاح وتزکیۂ نفس سے دلچسپی رکھنے والے پڑھے لکھے مسلمانوں کو اسے ضرور پڑھنا چاہئے۔ لائبریری میں اس کتاب کا ہونا قارئین کے لئے زبردست دلچسپی کا سامان فراہم کر سکے گا۔

کتاب سوا تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ نہایت خوبصورت رنگین و دیدہ زیب سرورق اور مضبوط جلد سے مزین ہے۔ فانوس پبلی کیشنز کی اس فخریہ پیشکش کی قیمت صرف ڈیڑھ سو روپے ہے۔ (علاوہ محصول ڈاک) اپنے قریبی کتب فروش سے طلب کیجئے یا ہم سے منگوایئے

فانوس پبلی کیشنز
960/6-A عابد مجید روڈ راولپنڈی۔ پاکستان
☏: 051-5510185, 051-5581331

ابو ناصر نبی احمد لودھی کی معلومات افزاء تالیف

''دیدہ وروں'' نے اُن کو بنایا امیرِ شہر --- تھے جن کی چشمِ کور میں پتھر جڑے ہوئے

جاگتے لمحوں کی آواز!

جو سعید روحوں کے دلوں تک پہنچی --- لیکن سماعت سے محروم ''دیدہ ور'' نہ سن سکے

تالیف ھٰذا میں دین اسلام کے اساسی عقائد اور قرآن وسنت کی متجددانہ تعبیرات و توضیحات کے تجزیہ و تنقیہ کے لئے جن مفسرین اور ائمہ سلف کی اسانید، مفتیانِ دین متین کے دوٹوک فتاویٰ اور صُلحائے امت کے تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن سے متعلق افکارِ عالیہ سے استفادہ کیا گیا، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

O امام دارالہجرہ حضرت امام مالکؒ O امام احمد بن حنبلؒ O شارح صحیح مسلم امام نوویؒ کے استاد امام ابوشامہؒ O امام سخاویؒ O امام ابو زکریا محی الدین شرف النویؒ O ابو الفضل قاضی عیاضؒ O جندب بن سفیان البجلیؒ O فضیلت الشیخ محمد الصادق ابراہیم عرجونؒ O یحیٰ بن سعید قطعانؒ O شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ O حافظ اسمٰعیل ابن کثیرؒ O امام ابوحامد محمد الغزالیؒ O سید عبد العزیز دباغ مغربیؒ O علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ O علامہ ابن جوزیؒ O امام ابن تیمیہؒ O شیخ شہاب الدین سہروردیؒ O شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ O قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددیؒ O جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ O علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ O مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ O مولانا اشرف علی تھانویؒ O مولانا شبیر احمد عثمانیؒ O مولانا ابو الحسن علی ندویؒ O مولانا محمد یوسف بنوریؒ O مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ O مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی O علامہ عبد اللہ یوسف علیؒ O سید محمد رفاعی عربؒ O مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ O مولانا امین احسن اصلاحیؒ O پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ O مولانا صلاح الدین یوسف O پروفیسر حافظ عبد الرزاق O پروفیسر ڈاکٹر ابو بکر سراج الدین (Martin Lings) O میجر (ر) امیر افضل خان (حضور پاکؐ کا سپاہی) O کرنل (ر) ڈاکٹر محمد حامد O محمد اسمٰعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

سحر کے وقت فضاؤں سے تیرگی نہ گئی | عروسِ صبح کے رُخ پر نقاب تھے کتنے!
کھلی جو آنکھ پسِ مرگ تو یہ راز کھلا | کہ ایک خواب کے عالم میں خواب تھے کتنے!

دیدہ زیب سرورق — صفحات: 384 — قیمت ڈیڑھ سو روپے — علاوہ محصول ڈاک

فانوس پبلی کیشنز: 960/6-A، عابد مجید روڈ، راولپنڈی کینٹ

○ گلدستۂ توصیفِ محمد ختم الرسل ﷺ ○ جدید فکرِ اسلامی ○ جاگتے لمحوں کی آواز اور
○ خلافتِ ختم المرسلین ﷺ کی روحانی و مادی جہتیں
جیسی معرکۃ الآراء، فکر انگیز اور روح پرور کتابوں کے مؤلف

ابوناصر نبی احمد لودھی

کے تجزیاتی قلم کی ایک اور تحقیقی و علمی کاوش

فکرِ مولانا عبید اللہ سندھی

(ایک معروضی جائزہ)

امام الہند شاہ ولی اللہ کے فکر و فلسفہ کے تناظر میں

اہل سنت والجماعت کے دیوبندی مدرسۂ فکر کے تین مستند، معتبر، سرکردہ و نمائندہ علماء نے مولانا سندھی کی شخصیت و افکار کے بارے میں رائے قائم کی ہے:-

○ **مولانا سید سلیمان ندوی:** "مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار و خیالات کی بو العجبی کا پتہ اہل دیوبند کو تو ۱۹۱۲ء میں چل گیا تھا جب وہ موتمر الانصار کی دعوت لے کر اُٹھے تھے اور آخر وہ (دارالعلوم دیوبند سے اپنے اخراج کے بعد) دلی میں مسجد فتح پوری کے اندر نظارۃ المعارف القرآنیہ بنا کر بیٹھے۔ (تاکہ) پورے قرآن کو جہاد و سیاست ثابت کیا جائے۔۔۔ آج کل کی تمام نئی تحریکوں میں یہ بات نمایاں ہے کہ اُن کے بانی و مبلغ یہ سمجھتے ہیں کہ دین کی اصل غائت اہل دین کا دنیاوی فروغ اور ظاہری شان و شکوہ اور ملکیت ارض ہے۔۔ یہی وہ ابلہ فریبی ہے جس میں کبھی باطنیہ، اسماعیلیہ اور قرامطہ مبتلا رہے ہیں"۔ (ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ: فروری ۱۹۴۴ء)

○ **مولانا احمد علی لاہوری:** "مولانا سندھی کے ذہن پر اشاعت کتاب وسنت کی بجائے سیاست و حکومت و سلطنت کا غلبہ تھا جب کہ مولانا لاہوری اُن کے مذکورہ افکار سے متفق نہ ہو سکے لہٰذا مولانا سندھی آخری دم تک اُن سے ناراض رہے۔۔ اور متعدد ایسے تفردات و خیالات دونوں بزرگوں کے مابین تعلقات کے انقطاع کا باعث ہوئے"۔ (بحوالہ مکتوب مولانا لاہوری بنام مولانا ندوی: مطبوعہ معارف جنوری ۱۹۶۵ء و مکتوب مولانا سندھی بنام مولانا لاہوری مشمولہ: مکاتیب مولانا عبید اللہ سندھی مرتبہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری)

○ **مولانا سید حسین احمد مدنیؒ:** مصائب عظیمہ غیر متناہیہ۔۔۔مولانا (عبیداللہ سندھی) کے قلب ودماغ کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوگئے۔مولانا دماغی توازن کھو بیٹھے چنانچہ یہ دماغی انقلاب نہ صرف مولانا کی سیاسیات ہی تک محدود رہا بلکہ علمی اور مذہبی تقاریر اور تحریرات تک بھی متجاوز ہوا۔ بنابریں تمام اہل فہم اور ارباب قلم وعلم سے پرزور درخواست ہے کہ مولانا مرحوم کی کسی تحریر کو دیکھ کر اُس وقت تک حتمی رائے قائم نہ فرمائیں جب تک اس کو اصول اور مسلماتِ اسلامیہ، ضروریاتِ دین اور عقائد و اعمال اہل سنت والجماعت کے زرین قواعد و تالیفات پر پرکھ نہ لیں۔۔علیٰ ھذا القیاس۔۔مولانا کے کسی کلام کو حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت مولانا محمد قاسمؒ، شیخ الہندؒ اور دیگر اسلاف دیوبند کا مسلک ہی نہ سمجھیں جب تک کہ وہ اسی کسوٹی پر اس کو کس نہ لیں'' (مطبوعہ مدینہ بجنور: مارچ ۱۹۴۵)

مولانا عبیداللہ سندھی کی اپنی تالیفات (۱) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک (۲) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ (۳) رسالہ محمودیہ (یعنی شاہ ولی اللہ اور اُن کا نظریۂ انقلاب۔ مولانا سندھی کی املا کرائی ہوئی تفاسیر (۴) المقام المحمود و تفسیر المقام المحمود (مرتبہ مولانا عبداللہ لغاری (۵) الہام الرحمٰن (مرتبہ علامہ موسیٰ جاراللہ (۶) قرآنی شعور انقلاب (مرتبہ شیخ بشیر احمد و غازی خدا بخش)۔ پروفیسر محمد سرور کی تالیفات (۷) مولانا عبیداللہ سندھی (حالات زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار (۸) افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی (۹) خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھی منظر عام پر آئیں تو اہل علم اور دینی حلقوں میں شدید تشویش کی لہر دوڑ گئی، چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا عبدالماجد دریا بادی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی جیسے اصحاب قلم و قرطاس مولانا سندھی کے افکار و نظریات کی تردید و استدراک پر مجبور ہو گئے۔ بہت سے دوسرے صاحبانِ علم نے بھی اُن پر اپنے زاویۂ نگاہ سے گرفت کی جن میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا شبیر احمد عثانی، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی، مولانا محمد یوسف بنوری، جسٹس مفتی محمد تقی عثانی، ڈاکٹر مفتی عبدالواحد، مولانا رفیق احمد بالاکوٹی، مولانا مفتی محمد رضوان اور مولانا ابن الحسن عباسی قابل ذکر ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے اسمائے گرامی بھی ناقدین میں شامل کئے جاتے رہے۔

جواب میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا صوفی عبدالحمید سواتی، حافظ عبدالحق بشیر نقشبندی، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری جیسے اصحاب مولانا سندھی کے افکار و نظریات کے دفاع کیلئے میدان میں اترے۔ ادھر مولانا کے اشترا کی نظریات کے دفاع کا کام جناب الطاف جاوید و دیگر اصحاب قلم نے سنبھالے رکھا۔ اندریں حالات، مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار و نظریات کو مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے اوپر دیئے گئے مشورہ کو سامنے رکھتے ہوئے، اصول اور مسلمات اسلامیہ، ضروریات دین اور عقائد اعمال اہل سنت والجماعت کے زرین قواعد و تالیفات پر پرکھنے کیلئے ہم اہل فکر و نظر سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ابو ناصر نبی احمد لودھی کی اس زیر تالیف تحقیقی و علمی کاوش کو زیادہ سے زیادہ مفید مطلب بنانے میں تعاون فرمائیں۔

نوٹ: مؤلف آپ کی تفصیلی تحریری آراء کے منتظر رہیں گے۔ آپ پبلشرز کی معرفت اُن سے بذریعہ خط و کتابت تبادلۂ خیال بھی کر سکتے ہیں۔

مؤلف کا فون نمبر 5581331 -051 مؤلف کا فیکس نمبر 5510185-051

فانوس پبلی کیشنز 960/6-A عابد مجید روڈ راولپنڈی کینٹ

فون: 051-5581331

خالفرقے

ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

کی روحانی و مادی جہتیں

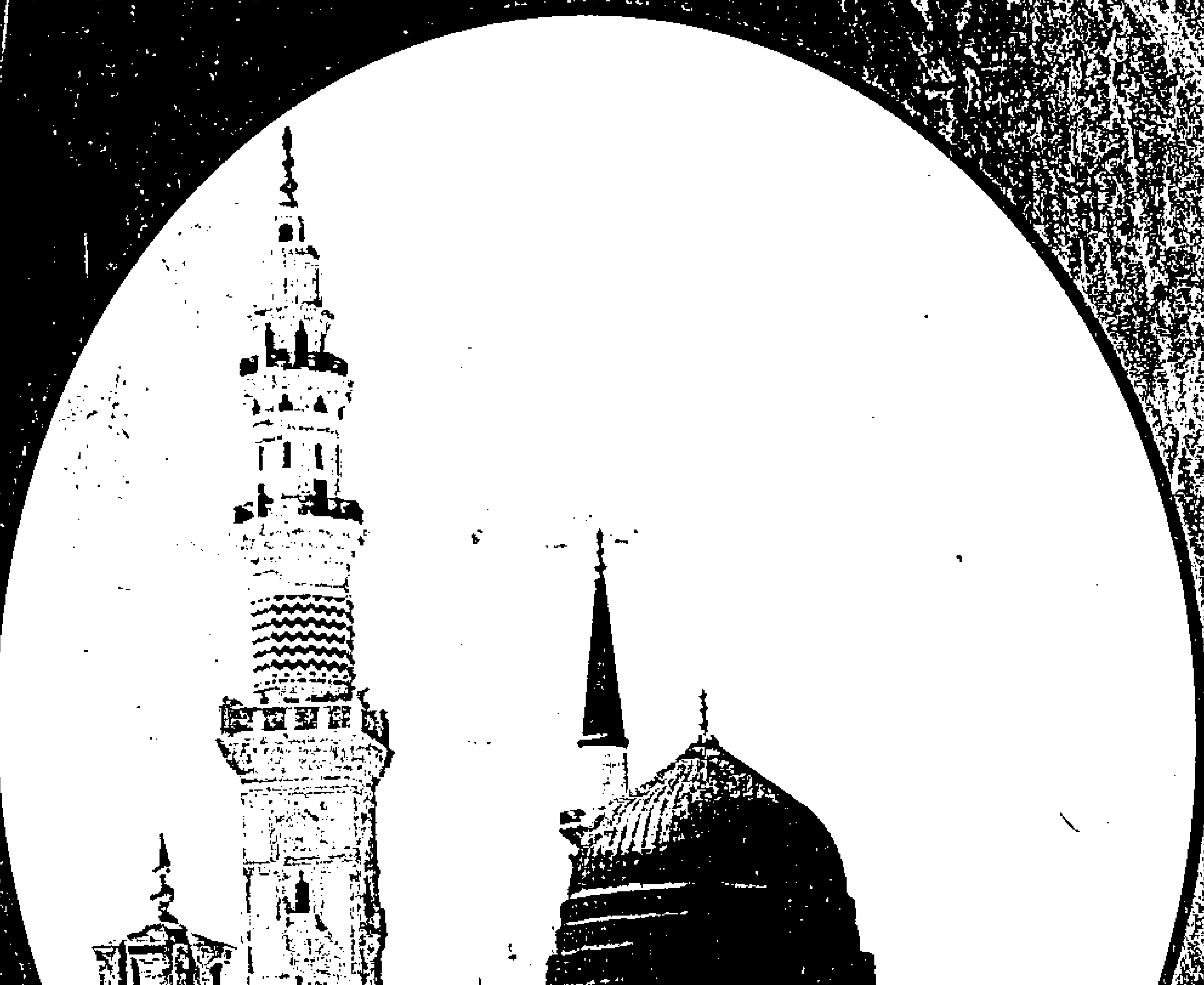

مؤلف:

ابو ناصر نبی احمد لودھی